بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ

کم از عضدی تمید انیم شرح مولوی جامی

کہ در ہر نکتہ اش حیران شدہ صد فاضل نامی

لطائف المعانی

فی تسہیل شرح ملا جامی

جلد اول

تالیف

حضرت مولانا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ السید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ جامی تسہیل وتہذیب لطائف اور حواشی مفیدہ

الحاج علامہ نذیر احمد مہروی مدظلہ دار العلوم غوثیہ مہریہ ملتان

ناشر

مکتبہ مہریہ دار العلوم غوثیہ مہریہ

0301-7547507

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ

کم از عضدی نمید اثیم شرح مولوی جامی
کہ در ہر نکتہ اش حیران شدہ صد فاضل نامی

لطائف المعانی
فی تسہیل شرح ملّا جامی

جلد اول

تالیف حضرت مولانا **عبد اللطیف** رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ **السیّد مہر علی شاہ گولڑوی** رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ جامی تسہیل و تہذیب لطائف اور حواشی مفیدہ

الحاج علامہ **نذیر احمد مہروی** مدظلہ دار العلوم غوثیہ مہریہ ملتان

مکتبہ مہریہ دار العلوم غوثیہ مہریہ

سبحانی کالونی [illegible] ملتان 0301-7547507



نام کتاب .... لطائف المعانی

نام مصنف .... علامہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ

تہذیب وحواشی .... الحاج نذیر احمد صاحب مہروی

کمپوزنگ .... حافظ محمد ہاشم نقشبندی، حافظ محمد شہباز

سن اشاعت 2010ء

باراوّل 1100

ناشر .... مکتبہ غوثیہ دارالعلوم غوثیہ مہریہ ملتان

ملنے کے پتے

۱: مکتبہ غوثیہ دارالعلوم غوثیہ مہریہ سورج کنڈ روڈ چوک شاہ عباس ملتان

۲: مکتبہ مہریہ کاظمیہ متصل مدرسہ انوار العلوم ملتان

۳: علامہ محمد ہاشم نقشبندی مدرس جامعہ ہجویریہ لاہور

۴: جامعہ حسان بن ثابت سوئی گیس روڈ سادات کالونی چوک بی سی جی ملتان

۵: علامہ افتخار صاحب مہتمم جامعہ فیض المدارس ﴿مسافر خانہ﴾ بہاولپور

۶: حضرت علامہ خلیل احمد سلیمانی صاحب مدرسہ فخریہ سلیمانیہ ڈیرہ غازی خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



ناچیز اپنی اس کاوش کو مادرِ علمی جامعہ انوار العلوم ملتان کے نام سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ حقیر کوشش اس مادرِ علم کی آغوشِ تربیت کا ثمرہ ہے۔

محمد نذیر احمد غفرلہ



تکملہ لطائف المعانی عنقریب منظر عام پر آرہی ہے۔

پیش لفظ

از علامہ حبیب الرحمٰن صاحب مدرس دار العلوم غوثیہ مہریہ ملتان

کسی فن اور علم کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کی معرفت اور انکا جاننا ضروری ہے اول۔ اس علم کا لغوی معنی اور تعریف تا کہ مجہول مطلق کی طلب لازم نہ آئے۔ دوم۔ اس علم کی غرض و غایت کی معرفت تا کہ عبث و بے فائدہ چیز کی طلب لازم نہ آئے۔ سوم۔ موضوع کی معرفت تا کہ ایک فن کے مسائل دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز ہو جائیں۔ چہارم۔ مدوّن علم کی معرفت تا کہ اسکی تاریخی حیثیت واضح ہو جائے۔ پنجم۔ مصنف کے حالات تا کہ کلام کی حیثیت اور درجہ معلوم ہو جائے۔

نحو کے لغوی معنی: شعر۔

ہفت معنی درمیان نحو ای جانم بجو

قصد، مقدار، قبیلہ، صرف، مثل، شبہ سو

نحو کی اصطلاحی تعریف: النحو علم باصول یعرف بہا احوال اواخر الکلم الثلث من حیث الاعراب والبناء وکیفیۃ ترکیب بعضہا مع بعض

علم نحو کی غرض وغایت: والغرض منہ صیانۃ الذھن عن الخطأ اللفظی فی کلام العرب

علم نحو کا موضوع: وموضوع النحو الکلمۃ والکلام

تدوین

اس فن کے مدون اول حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے ابو الاسود جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے استاذ ہیں کی اس علم کی طرف توجہ دلائی چنانچہ بقول صاحب درایۃ النحو ابو الاسود سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ بکسر اللام پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے اسکوٹوکا اور کہا یہ تو کفر ہے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ''نحوت ان اضع میزانا للعرب لیقوموا بہ لسانہم'' میں نے ارادہ کیا کہ عرب کیلئے ایک ضابطہ بناؤں تا کہ وہ اسکے ذریعے اپنی زبان درست کریں اور غلطیوں سے بچ سکیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اقصد نحوہ تو اسکی طرف توجہ کر پس چونکہ حضرت علی نے ابتداء اس علم کی طرف توجہ دلائی اس لئے حضرت علی ہی اس علم کے پہلے مدون قرار پائے اور چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اقصد نحوہ فرمایا اس لئے اس کا نام بھی نحو پڑ گیا۔

ابو القاسم زجاجی نے اپنی کتاب امالی میں اس واقعہ کو کچھ اس طرح بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ابو الاسود نے حضرت علی رضی اللہ عنہ متفکر پایا تو ان سے عرض کی کہ تفکر و تدبر کا سبب کیا ہے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے اس شہر میں عربی لغت میں گفتگو کرنے والوں کو صریح غلطیاں کرتے ہوئے پایا ہے اس لئے میں نے عربیت میں ایک کتاب لکھنے کا قصد کیا ہے پھر تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک صحیفہ دیا جس میں تسمیہ کے بعد یہ مضمون تھا الکلام کلہ اسم وفعل وحرف فالاسم ما انبأ عن المسمی والفعل ما انبأ عن الفاعل والحرف ما انبأ عن معنی لیس باسم ولا فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

فرمایا تم اس میں اضافہ کر لینا ابوالاسود نے حکم کی تعمیل کی اور چند قواعد آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیے جن میں حرف ناصب کا ذکر تھا مگر لکن کا ذکر نہ تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لکن کا ذکر کیوں نہیں کیا ابوالاسود نے عرض کی کہ میں لکن کو حرف ناصب نہیں سمجھتا آپ نے فرمایا کہ لکن بھی حرف ناصب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالاسود دؤلی کو متوجہ کرنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور بعض مؤرخین کے نزدیک علم نحو کا اول مدون عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعراج ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک نصر بن عاصم اس علم کے واضع اول ہیں مگر اصح قول یہی ہے کہ اول واضع حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں آپ رضی اللہ عنہ ہی کے بتائے ہوئے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ابوالاسود دؤلی نے قواعد النحو جمع کیے اس کے بعد ابوالاسود دؤلی کے تلامذہ نے بتدریج اس علم کو ترقی دی پھر کچھ عرصہ کے بعد ابو عمر بصری اور ان کے شاگرد خلیل بن احمد نے اسکو باضابطہ مرتب اور مہذب کیا۔ خلیل کے شاگرد سیبویہ نے اس علم میں ایک جامع کتاب الکتاب لکھی ہے جو بعد کے تمام نحویوں کا ماخذ ہے۔

مصنف کافیہ کا تعارف

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی عثمان بن ابی بکر بن یونس ہے (کمافی حاشیۃ الامیر) عثمان بن عمر بن ابی بکر ہے (کمافی طبقات النحات)

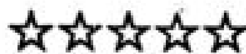
کنیت: ابو عمر اور لقب جمال الدین آپ کے والد بزرگوار سلطان عزالدین موشک صلاحی کے حاجب یعنی دربان تھے اسی وجہ سے آپ ابن الحاجب کے ساتھ معروف ومشہور ہوگئے

پیدائش: مصر میں اسنا نام کی ایک چھوٹی سی بستی میں آپ ۵۷۰ھ کے آخر میں پیدا ہوئے اسی وجہ سے آپ کو مصری بھی کہتے ہیں۔

وفات: تمام اسکندریہ بتاریخ شوال ۱۶ ۶۴۶ھ بمطابق ۸ فروری ۱۲۴۷ء بروز یک شنبہ وفات پائی اور باب البحر کے باہر شیخ صالح ابن ابی شامہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے آپ کی عمر شریف ۷۶ سال ہوئی ہے۔ جوانی میں انتقال کر جانے کی خبر معتبر نہیں ہے مذھب میں آپ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے۔

تحصیل علم: تحصیل علم کی ابتدا قاہرہ میں فرمائی کہ وہاں رہ کر قرآن مجید حفظ کیا اور امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ سے فن قرأت حاصل کر کے امام ابوالجود علیہ الرحمۃ سے سبع قرأت کی تحصیل فرمائی پھر امام ابن العبأ کی شاگردی اختیار کی اور مدت دراز تک ان کی خدمت میں تحصیل علوم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اصول عربیت میں کامل ہوگئے۔ اور دمشق پہنچ کر جامع دمشق کے زاویہ مالکیہ میں مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔

قوت حافظہ: حضرت علامہ مولنا نعیم الدین مرادآبادی فاضل بریلوی شریف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ کافیہ کے مصنف ایک کشتی میں سفر فرما رہے تھے اس میں ایک صاحب ایسے تھے جن کے ہاتھ میں کوئی قلمی کتاب تھی آپ نے وہ کتاب ان سے لیکر تمام کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد چونکہ اس کتاب میں تبراء تھا نظر بر آں اسکو دریا میں پھینک دیا کہ اسی کے قابل تھی صاحب کتاب کو یہ دیکھ کر انتہائی رنج پہنچا اور بولا کہ آپ نے میری برسوں کی محنت کو ضائع کر دیا۔ آپ نے تو کتاب دیکھنے کو لی تھی ڈبونے کا تو آپ کو حق واختیار نہ تھا۔ آپ عالم دین ہیں کیا آپ کا یہ فعل جائز ہے فرمایا آپ کو کتاب ہی تو چاہیے لو لکھو تو میں تمہیں تمام کتاب لکھوا دیتا ہوں چنانچہ آپ از اول تا آخر پوری کتاب سپرد قلم کرا دی۔



مصنف شرح ملا جامی کے حالات

نام ونسب: اسم گرامی ملا محمد عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد ہے

لقب: نورالدین وعمادالدین تھا۔ تخلص:۔ جامی۔ کیونکہ آپ مورخہ ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ کو خراسان کے ایک قصبہ "جام" میں پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد شیخ الاسلام احمد جامی کے جام (پیالہ معرفت) کی طرف نسبت سے بھی آپ کا تخلص جامی پڑ گیا۔ چنانچہ آپ خود ان دونوں نسبتوں کا اظہار فرماتے۔

شعر

مولدم جام درشحہء قلم

جرعہء جام شیخ الاسلامی است

لاجرم در جریدہء اشعار

بدو معنی تخلصم جامی است

یعنی میری پیدائش قصبہ جامی میں ہے اور میرا رشحہ قلم (علم) شیخ الاسلام کے پیالے کا ایک گھونٹ ہے۔ بہر صورت اشعار کی کتاب میں ان دو معنوں میں میرا تخلص "جامی" ہے۔

تحصیل علم

تعلیم وتربیت: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ونحو کی تحصیل اپنے والد بزرگوار شیخ الاسلام احمد جامی سے کی۔ پھر ہرات پہنچ کر علامہ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مختصر المعانی ومطول پڑھی پھر خواجہ علی سمرقندی کے درس میں حاضری کا شرف حاصل کیا جو میر سید شریف جرجانی کے شاگرد رشید تھے۔ نیز علامہ تفتازانی کے سلسلہ تلامذہ کے عظیم فاضل مولانا محمد جاجری سے بھی استفادہ کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص امام محمد علیہ الرحمۃ کی نسل سے ہیں۔

بیعت: علوم ظاہری سے فارغ ہو کر مخدوم العارفین مولانا سعد الدین کاشغری کے ہاتھ پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اور خواجہ عبیداللہ احرار سے بھی استفادہ کیا۔

علامہ جامی اور عشق رسول:۔ مولانا جامی جہاں محقق، مدقق اور عالم تھے وہاں ایک باکمال عارف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق بھی تھے۔ حضور اکرم نور مجسم فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو جو محبت تھی اس کا اندازہ آپ کے نعتیہ کلام سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

وفات: اور آپ ۱۸ محرم ۸۹۸ھ بمطابق ۱۸ نومبر ۱۴۹۲ء بروز جمعۃ المبارک کو ہرات میں خالق حقیقی سے جا ملے اور وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔ آپ کی عمر ۸۱ برس ہوئی ہے سال وفات آیت کریمہ ومن دخلہ کان امنا سے نکلتا ہے



صاحب لطائف المعانی

مفسر قرآن حضرت علامہ مولانا عبداللطیف بن نور سید خان رحمۃ اللہ علیہما موضع ملا گجر ریاست دیر میں کرموخیل قبیلہ میں پیدا ہوئے زمانہ طفولیت میں میرٹھ بھارت منتقل ہو گئے وہیں مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں قاری ولی محمد سے قرأت وتجوید پڑھی اور حافظ کفایت اللہ، مولانا عبدالسلام قندھاروی اور مولانا احمد علی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ قرآن حکیم کے حفظ کا شوق پیدا ہوا تو مختصر مدت میں خود ہی حفظ کرلیا۔

علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ میں مدرس مقرر ہوئے اور عرصہ دراز تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ۱۹۳۱ء میں سفر حج کے دوران جدہ میں مفتی اعظم آگرہ حضرت مولانا نثار احمد کانپوری کا اچانک انتقال ہو گیا تو آپ کو مفتی آگرہ مقرر کیا گیا ایک عرصہ اس منصب وعہدہ پر کام کرتے رہے اس دوران آپ نے قرآن حکیم کے پہلے سپارہ کی فارسی میں منظوم تفسیر کاشف المعانی کے نام سے لکھی اور شرح جامی کی اردو شرح "لطائف المعانی" کے نام سے تحریر کی قیام آگرہ کے زمانہ میں ایک غیبی اشارہ پر گولڑہ شریف حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی سے شرف بیعت حاصل کیا مجدد گولڑوی کی آپ پر خصوصی نظر تھی آپ فرماتے ہیں تیسری ملاقات میں مجدد گولڑوی نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا ۱۹۳۶ء میں آگرہ سے اپنے آبائی وطن ریاست دیر میں آئے اور نواب شاہجہاں کی خواہش پر ریاست دیر کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ تین سال کے بعد مردان میں آکر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور آخر دم تک وہیں بیٹھ کر تدریس وتحریر میں مشغول رہے۔

شاعری:

آپ بیک وقت صرف ونحو کے ماہر، فقیہ، محدث اور مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں آپ نے اپنی شاعری کو پیش کیا اس وقت بطور نمونہ اپنے مرشد کی تعریف میں اُن کا منظوم کلام قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

کاشف اسرار وحدت خواجہ مہر علی
مظہر شان ولایت قرۃ العین نبی

مقبول درگاہ احد مرغوب محبوب صمد
تنویر شمع عارفاں شمس سپہر قادری

تیرے عرفان کی ضیاء تا رفعت چرخ بریں
نجم بلخی ماہ جیلاں آفتاب گولڑوی

ای گوہر بحر سخا اے مخزن کان عطا
لجائے دل کا مدعا از راہ بندہ پروری

ای بادشاہ عارفاں اے پیشوائے سالکاں
مسند نشیں قادری جان طریق ۔صابری

للہ کرم فرمایئے جلوہ نما ہو جایئے
تسکین دل فرمایئے ہو دور ساری بیکلی

ای عالم علم الیقین ای کامل عین الیقین
ای ھادی دین متین نور جمال احمدی

مہر علی شد نام تو مشکل کشائی کام تو
خواہم شہا انعام تو بہر خدا بہر نبی

طوفان بحر غم میں ہے کشتی ناتواں
پہنچو مدد کو ناخدا از راہ غرباء پروری

یہ بھی ہے اس در کا گدا کہتے ہیں جسکو سب فدا
حاصل ہو قرب بارگاہ اس میں ہے اسکی بہتری

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں ابھی تک مندرجہ ذیل کتب منظر عام پر آچکی ہیں (۱) تفسیر کاشف البیان مکمل اردو (۲) تفسیر کاشف المعانی پارہ اول فارسی منظوم (۳) جمال القرآن اردو، علم القرأت (۴) فتاوی شہابیہ فارسی (۵) لطائف المعانی شرح شرح جامی اردو (۶) الشرح المجاز شرح دیوان حافظ شیراز اردو (۷) تحفۃ الواعظین اردو (۸) تحفۃ الذاکرین اردو (۹) جواب الحدیث بالحدیث عربی (۱۰) مجموعہ وظائف عربی۔

حالات حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نذیر احمد مہروی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

پیدائش: آپ ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۹۴۳ء میں بستی میاں پور تحصیل وضلع لودھراں میں پیدا ہوئے فی الوقت بیری والا باغ بیرون چوطاقہ گیٹ شجاع آباد شہر ضلع ملتان میں رہائش پذیر ہیں آپ کے جدامجد حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ اور والد گرامی حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ علم وعمل کے پیکر، اخلاص وتقوی کے حسین مرقع اور اپنے دور کے عمدہ مدرسین میں سے تھے۔

تعلیم کا آغاز: آپ نے قرآن مجید کے حفظ کرنے کی سعادت حضرت استاذ الحفاظ حافظ پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی جو نابینا تھے اور آپ کے دادا جان کے شاگرد رشید تھے اس کے بعد گھر پر ہی اپنے والد گرامی حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ سے مروجہ نصاب کے مطابق فارسی کے اسباق پڑھے بلاشبہ انہوں نے بڑی توجہ اور محنت شاقہ سے اپنے عزیز بیٹے کو تعلیم دی۔ پھر ملتان کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ انوار العلوم سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی

تدریس: آپ نے تدریس کا آغاز ۱۹۶۴ء میں جامعہ انوار العلوم سے کیا اور اسوقت دار العلوم غوثیہ مہریہ چوک شاہ عباس ملتان میں بطور مہتمم اور مدرس علم کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔

روحانی نسبت: آپ کو روحانی نسبت قدوۃ السالکین عمدۃ الواصلین حضرت پیر سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (مہر آباد شریف ضلع لودھراں) سے حاصل ہے۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے جو اہتمام، تدریس، افتاء اور خطابت کے اعلی مراتب پر فائز ہو کر وطن عزیز پاکستان اور غیر ممالک کے سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں دین متین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

کہنے کی بات

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

علامہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کی مائیہ ناز تالیف "**لطائف المعانی**" شرح جامی کی اردو شروح میں ایک مفید اور جامع شرح ہے۔ یہ کتاب علامہ نے ۱۹۳۱ء میں لکھ کر پشاور سے طبع کرائی تھی اس شرح کے عربی خطبہ میں فاضل مصنف نے وجہ تالیف کے علاوہ اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ وہ قطب وقت جامع شریعت و طریقت حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور خلیفہ ہیں۔ یہ کتاب دوبارہ کراچی سے چھپی جس کے طابع نے عربی خطبہ کے بغیر کتاب چھاپ دی تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ مصنف کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور سابقہ اغلاط پر اغلاط کثیرہ کا اضافہ کر دیا جس کی وجہ سے طلبہ کیلئے شرح سے مستفید ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ جس کے پیش نظر لطائف المعانی کی تلخیص کا ارادہ کیا مگر کچھ عرصہ تک علمی کم مائیگی اور تدریسی مصروفیات کی وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوتی رہی بالآخر بتوفیقہ تعالیٰ یہ اہم کام تکمیل کو پہنچا ساتھ ہی فاضل مکرم محمد ہاشم صاحب مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور کی فرمائش پر شرح جامی کا اردو ترجمہ اور شرح کی تسہیل بصورت حاشیہ کر دی تاکہ فہم کتاب میں دشواری نہ ہو۔ لطائف المعانی کی تلخیص اور تحشیہ کے وقت راقم نے جواہر صافیہ، بشیر الناجیہ، نوادر نعیمی، نجم الحامی، الصرح النامی اور دیگر عربی شروح و حواشی سے استفادہ کیا۔ قارئین سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ۔

بقدر وسع در اصلاح کوشند
اگر اصلاح نتوانند پوشند

یہ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ناچیز اپنے ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کرے جن کے مفید مشوروں اور مالی تعاون نے ہر مرحلہ میں ناتواں کا ساتھ دیا بالخصوص

☆ عزیزم و محترم علامہ عمر خطاب الحق صاحب ڈائریکٹر جنرل اسلامک کلچر سنٹر برطانیہ۔
☆ مکرم و محترم حاجی نذیر احمد صاحب رحمت اللہ آٹو زلاری اڈا ملتان۔
☆ فاضل محترم علامہ عبدالعزیز سعیدی مدرس جامعہ انوار العلوم ملتان
☆ مولانا محمد ہاشم نقشبندی مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور۔
☆ حضرت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب مدرس دار العلوم غوثیہ مہریہ ملتان۔
☆ حضرت علامہ محمد اسماعیل فیضی صاحب

دعا ہے کہ اللہ کریم بطفیل سید المرسلین جملہ معاونین کی مساعی کو مشکور فرمائے اور فقیر کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔

اللھم ارزقنا شفاعۃ حبیبک صلی اللہ علیہ وسلم آمین

محمد نذیر احمد غفرلہ فاضل جامعہ انوار العلوم ملتان

خادم دار العلوم غوثیہ مہریہ چوک شاہ عباس ملتان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذى شرح صدورنابوسيلة نبيه وحبيبه الّذى كرم خُلقه بكريم خطابه انک لعلى خلق عظيم وعظم شانه بعزة حكمه العظيم طٰهٰ ويٰسٓ والقرآن الحكيم وزين اعمالنا بامتثال الاوامروالنواهى ونورزماننابفيضانه وتخليق الولى المنقاد للّٰه تعالٰى ومن علينابخلافة سيد الاولياء والاقطاب الذين هم هداة الحق والصراط المستقيم اعنى اعلٰحضرت قبلة العالم شمس الشريعة بدرالطريقة برهان المعرفة عمدة المحققين زبدة العارفين اعنى الموسوم باسم السيد المرشدمهرعلى شاه صاحب ابن السيد پيرنذردين بن السيدپيرغلام شاه بن السيدروشندين بن السيدعبدالرحمٰن نورى بن السيدعنايت اللّٰه بن السيدغياث على بن السيدفتح اللّٰه بن السيداسداللّٰه بن السيدفخرالدين بن السيد احسان بن السيد درگاهى بن السيدجمال على بن السيدمحمدجلال بن السيدابى محمدبن ميران سيدمحمد كلان بن ميران شاه قادرقميص السندوروى فى نواحى السهارنفورومشائخ كليربن السيدابى الحيات بن السيدتاج الدين بن السيدبهاء الدين بن السيدجلال الدين بن السيدداؤدبن السيد على بن السيدابى صالح نصربن السيدعبدالرزّاق بن السيدعبدالقادرجيلانى الحسنى والحسينى رضى اللّٰه تعالٰى عنه وعن اولاده واصفاره الى يوم القيامة الساكن فى ملک فنجاب خصوصًاالمزين للكورة الشريفةمدظلهم العالى والصلوٰة على من توقدمنار الهداية بتبليغ الرسالة الى عبادربه الكريم وعلى آله واصحابه الذين نالوادرجات النصروالجهاد الذى امرنابه فى تنزيل الحكيم بقوله جاهدوا فى اللّٰه حق جهاده خصوصًاعلى خلفاء الراشدين المبشرين بدخول الجنة النعيم اللّٰهم ابعثناناضرة الوجوه من مرقدنايوم القيامة واحفظنامن كيدالشيطٰن الرجيم عندوداعة ارواحنامن اجسادنابرحمتک العميم آمين ثم آمين .

امابعد لماالتمس عنى بعض الطالبين المخلصين خصوصًاالاخى الذكى الفاضل اللوذعى يلمعى المولوى عليم الدين الصديقى ابن اخ سيدناومولانامولوى محمدضياء الاسلام صاحب امام الجامع المسجدالواقع فى بلدة ا كره ان اكتب عدة سطورٍفى لسان الهندية تكشف بهامغلقات شرح ملاجامى لقصورفهمناعن ادراک المقاصدمن الشروح الماضية فشرعت فى اسعاف مرامهم ورتبت السوال والجواب ترتيبًاليسهل به مقاصدشرح ملاجامى بادنى تفكروتركت الاسئلة التى مااشاراليهاالشارح و لانبه عليهالكى لايطول الشرح ولايمل المحصلين توفيقًامن اللّٰه الكريم واعوذباللّٰه من الشيطٰن الرجيم.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلولیہ والصلوۃعلی نبیہ

اللہ کے نام سے شروع جونہایت مہربان رحم والا۔

ہر قسم کی حمد لائق حمد کیلئے ہے۔اور رحمت نازل ہو اس لائق حمد کے نبی پر

قولہ الحمد لولیہ:۔ الف لام کی چار قسمیں ہیں ا۔جنسی ۲- استغراقی ۳- عہد خارجی ۴- عہد ذھنی ۔جنسی میں نفس ماہیت شی کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔استغراقی میں جملہ افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔عہد خارجی میں ایک فرد معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو متکلم اور مخاطب دونوں کو معلوم ہو۔عہد ذھنی سے ایک فرد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو صرف متکلم کو معلوم ہو۔یہاں ہر ایک کا مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے۔لفظ ولی کے پانچ معنی ہیں ا- حری ۲- محب ۳- متصرف ۴- صاحب ۵- قریب۔یہاں اول معنی یعنی حری مراد ہے اور حری کے معنی لائق کے ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ حمد وثنا اس کے لئے ہے جو حمد وثنا کے لائق ہے۔ولیہ کی ضمیر حمد کی طرف راجع ہے۔

قولہ الحمد۔ اس میں لام جنسی مراد لینے کی صورت میں معنی ہوں گے ماہیۃ الحمد مختصۃ بولی الحمد۔الف لام استغراقی مراد لینے کی صورت میں معنی ہوں گے **کل فرد من افراد الحمد مختص بولی الحمد** ۔الف لام عہد خارجی کی صورت میں معنی ہوں گے **الحمد المعہود بین المتکلم والمخاطب مختص بولی الحمد** اور الف لام عہد ذھنی کی صورت میں معنی ہوں گے **الحمد المعہود فی ذھن المتکلم مختص بولی الحمد**۔اور حمد معہود سے وہ اکمل حمد مراد ہوگی جو باری تعالی نے اپنی حمد آپ فرمائی ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے **انت کما اثنیت علی نفسک** سوال -الف لام عہد ذھنی کا مدخول نکرہ ہوتا ہے،اگر الحمد میں الف لام عہد ذھنی مانا جائے تو مبتدا نکرہ ہوگا جبکہ مبتدا معرفہ یا نکرہ مخصصہ ہوتا ہے،نکرہ محضہ مبتدا نہیں ہوتا. جواب- مختصر المعانی میں ہے **وھذا فی المعنی کالنکرۃ وان کان فی اللفظ یجری علیہ احکام المعارف من وقوعہ مبتدأ وذا حال اوغیر ذالک** ۔یعنی الف لام عہد ذھنی کا مدخول معنی کے اعتبار سے نکرہ کی مثل ہوتا ہے لیکن اس پر معرفہ کے احکام جاری ہوتے ہیں.مثلاً مبتدا،ذوالحال وغیرہ بننا جواب-محققین کے نزدیک جس نکرہ کے ساتھ دی گئی خبر سے مخاطب کے علم میں زیادتی ہوتی ہو تو اس نکرہ کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہے جیسے **کوکب انقض الساعۃ** اسی کے پیش نظر محشی ملا جمال نے فرمایا **ویجوز وقوع النکرۃ مبتدأ نحو رجل بالباب** چونکہ حمد کا مختص باللہ ہونا علم میں زیادتی پیدا کرتا ہے.لھذا بصورت الف لام عہد ذھنی الحمد کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہے۔**قولہ لولیہ**۔سوال -ولی کے معانی خمسہ میں سے یہاں کونسا معنی مراد ہے؟.جواب-اس میں ارباب حواشی کے مختلف اقوال ہیں۔بعض نے ولی بمعنی متصرف لیا،کچھ نے ولی بمعنی ناصر لیا لیکن صاحب لطائف المعانی فرماتے ہیں کہ یہاں اول معنی (حری) مراد ہے اور صاحب عقد النامی نے اسی معنی کو پسند کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہاں ولی بمعنی حری انسب ہے.فائدہ:- ولی بمعنی حری کتب لغت میں نہیں ملتا اس لئے بعض شارحین نے اس معنی کا انکار کیا ہے.علامہ مفتی افضل حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتب لغت میں اولی بمعنی احری ملتا ہے شاید اس سے بعض شارحین نے استنباط کیا کہ جب اولی بمعنی احری ہے تو ولی بمعنی حری ہے سوال:-شارح نے الحمد للہ کیوں نہیں کہا جو کہ الحمد لولیہ سے مختصر ہے؟.جواب:- کلام میں لذت پیدا کرنے کے لئے کیونکہ مقولہ ہے **کل جدید لذیذ** **قولہ والصلوۃ:** یہ جملہ سابقہ جملہ پر معطوف ہے کیونکہ یہ دونوں جملے معنی انشائیہ ہیں یا جملہ تحمید کی طرح جملہ صلوتیہ بھی جملہ خبریہ ہے.جسکی تقدیر اس طرح ہے **ونقول الصلوۃ علی نبیہ صلوۃ** باب تفعیل کا اسم مصدر ہے اصل میں صَلَوَۃٌ یا صَلْوَۃٌ تھا معتل کے قاعدہ سے واؤ الف سے بدل گیا تو صلوۃ ہوا۔**قولہ نبیہ:**۔ نبی صیغہ صفت مشبہ بروزن فعیل ہے اس کا ماخذ یا تو نبأ ہے جس کے معنی مخبر کے ہیں،صاحب منجد کہتے ہیں **النبی المخبر عن الغیب** یہ اصل میں نبیٔ تھا ہمزہ بقاعدہ خطیئہ یاء ہو گیا پھر یاء کا یاء میں ادغام کیا تو نبی ہوا.یا نبی کا ماخذ نُبُوۃٌ ہے بمعنی رفعت وبلندی اور نبی بلند مرتبہ ہے یا اپنے متبعین کا مرتبہ بلند کرنے والا ہوتا ہے یہ اصل میں نبیو تھا سید کے قاعدہ سے واؤ یاء ہو گیا اور ادغام کے بعد نبی بنا۔فائدہ:۔نبیہ کی ضمیر مجرور کے مرجع میں دو احتمال ہیں.اول۔یہ کہ حمد کے ضمن میں محمود اس کا مرجع ہو معنی ہوں گے

وعلی آلہ واصحابہ المتأدبین بآدابہ امّابعد فھذہ فوائد وافیۃ بحلّ مشکلات الکافیۃ للعلامۃ المشتھر فی المشارق والمغارب الشیخ ابن الحاجب ....

اورآپ کی آل واصحاب پر جوآپ کی نیک خصلتوں کواختیار کرنے والے ہیں اورحمد وصلوۃ کے بعد پس یہ فوائد ہیں جوکتاب کافیہ کی مشکلات کو حل کرنے کیلئے کافی ہیں یہ کتاب ایک علامہ کی تصنیف ہے جومشارق ومغارب میں مشہور ہیں وہ شیخ ابن حاجب ہیں۔

قولہ **وعلی آلہ**:۔ آل سے یہاں جملہ اولاد، ازواج، اصحاب، اورخدام نبی مراد ہیں. **اصحاب** صاحب یاصحب کی جمع ہے جسکے لغوی معنی ہمراہ کے ہیں اصطلاح شریعت میں صحابی اس مقدس انسان کا نام ہے جس نے بحالت اسلام حضور علیہ السلام کودیکھا ہواوراسلام پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو قولہ **المتـأدبین**:۔ یہ ادب سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی نیک کے ہیں. یہاں طریقہ عمل زندگی حضور علیہ السلام مراد ہے۔اور ترکیب میں یہ اصحابہ کی صفت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اصحاب جوآپ کے طریقہ عمل کے پورے پابند تھے۔قولہ **امابعد**:۔ **اما** اصل میں مہما تھاھاء کوہمزہ سے تبدیل کیا پھر قلب مکانی کرکے میم کومیم میں ادغام کیا تواما ہوا. چونکہ یہ لفظ معنی شرط کومتضمن ہے اس لئے اس کے جواب میں فاء لایاجاتا ہے .اوربعد کا مضاف الیہ محذوف منوی ہوتو یہ مبنی برضم ہوتا ہے ورنہ معرب اوریہاں مبنی برضم ہے.

قولہ **فھذہ فوائد**:۔ **ھذہ** کا اشارہ فوائد کی طرف ہے پھر اگردیباچہ الحاقی ہوتواس صورت میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ موجودات خارجیہ مشارالیہ ہوجائیں گے .اوراگر دیباچہ ابتدائی ہوتواشارہ **ماحضرفی الذھن** کو ہوگا کیونکہ وہ ظہورواکشاف میں محسوس کے مشابہ ہے.اورفوائد جمع ہے فائدۃ کی جس کے معنی بہرہ مندی کے ہیں.اور **وافیۃ** بمعنی کثیر ہے ترکیب میں یہ فوائد کی صفت ہے.قولہ **بحل مشکلات الکافیۃ**:۔ **بحل** کی باء بمعنی فی ہے اور **کافیہ** مؤول بکتاب ہے اورتاء اسمیں مبالغہ کے لئے ہے یعنی یہ فوائد کتاب کافیہ کے مشکلات کے حل میں کافی ہیں. اورعلامہ، عالم کا مبالغہ ہے اصطلاح میں علامہ اسکو کہتے ہیں جوعلوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر ہو **المشتھر العلامۃ** کی صفت ہے اور **مشارق ومغارب** سے مرادونیا کی جملہ اطراف ہیں اورمطالع ومغارب کے اختلاف کے پیش نظر انکو جمع لایا گیا ہے ورنہ مشرق ومغرب صرف ایک ہے کلام الہی میں یہ دونوں لفظ مفرد، تثنیہ اورجمع تینوں طرح آئے ہیں.اور **المشتھر العلامۃ** کی صفت ہے اورتاء اسمیں مبالغہ کے لئے ہے.قولہ **الشیخ**:۔ **العلامۃ** سے عطف بیان یابدل ہے اس لئے مجرور ہے یااعنی مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یامرفوع ہے مبتدامحذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے **ای ھوالشیخ** لغت میں شیخ پچاس سے اسی سال تک کی عمر والے کہتے ہیں اوراصطلاح میں ماہر فن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں. **ابن الحاجب** مصنف کی کنیت ہے اوریہ ترکیب میں **الشیخ** کی صفت یااس سے بدل ہے اورمصنف کا نام عثمان اورلقب شیخ

کہ رحمت کاملہ نازل ہو محمود کے نبی پر دوم۔یہ کہ اس کا مرجع ولی ہو یعنی رحمت کاملہ نازل ہوولی حمد کے نبی پر.اورمحشی عبدالرحمن کے بقول ضمیر کا مرجع بغیر کسی تاویل کے حمد ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسم گرامی "**نبی الحمد** "ہے یعنی رحمت کاملہ نازل ہونبی الحمد پر سوال:۔ضمیر مجرور کا مرجع ولی بنانادرست نہیں کہ اسمیں انتشار ضمائر ہے اس لئے کہ ولیہ اورنبیہ کی ضمیر کا مرجع ایک نہیں بنتا جواب:۔ انتشار ضمائر ایک کلام میں درست نہیں اوریہاں کلام ایک نہیں بلکہ **الحمدلولیہ** ایک جملہ اور **والصلٰوۃ علی نبیہ** دوسرا جملہ ہے.اورمحشی عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ انتشار ضمیرین خطبہ میں جائز ہے.اوربعض کے نزدیک جملہ صلاتیہ میں مضاف مقدر ہے **ای والصلوۃ علی نبی ولیہ** یعنی رحمت کاملہ نازل ہوولی حمد کے نبی پر.لہٰذادونوں ضمیروں کا مرجع حمد ہے.شارح قرآن کی موافقت میں یارعایت سجع کے لئے لفظ نبی لائے ہیں قولہ **بآدابہ**:۔یہاں پرمضاف مقدر ہے ای بمثل آدابہ اس لئے کہ ادب ایک وصف ہے جواپنے محل سے قائم ہوتا ہے انتقال کوقبول نہیں کرتا.

تغمّده اللہ بغفرانه واسکنه بُحْبُوحة جنانه نظمتها فی سلک التقریر وسمط التحریر للولد العزیز ضیاء الدین یوسف حفظه اللہ سبحانه عن موجبات التلهف والتأسف وسمیتها بالفوائد الضیائیة لانّه لهٰذا الجمع والتالیف کالعلة الغائیة نفعه اللہ تعالیٰ بها وسائر المبتدئین من اصحاب

اللہ تعالیٰ انکو اپنی مغفرت میں چھپائے اور اپنی جنتوں کے وسط میں بسائے میں نے ان فوائد کو تقریر کے دھاگے اور تحریر کی لڑی میں پرو دیا ہے اپنے پیارے بیٹے ضیاء الدین یوسف کیلئے اللہ تعالیٰ اسے رنج وغم کے اسباب سے حفظ وامان میں رکھے اور میں نے ان فوائد کا نام فوائد ضیائیہ رکھا ہے کیونکہ ضیاء الدین یوسف اس کتاب کی جمع وتالیف کیلئے علت غائیہ کی طرح ہے اللہ تعالیٰ اسکو اور تمام علم حاصل کرنے والے مبتدیوں کو ان فوائد کے

قولہ "**تغمده الله**"۔ یہ لفظ تغمد سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ستر کے ہیں اس میں استعارہ ترشیحیہ کی طرف اشارہ ہے ضمیر منصوب میں استعارہ مکنیہ کی طرف اشارہ ہے غفران میں مناسبات استعارہ کا بیان ہے بحبوحۃ کے معنی وسط کے ہیں یہاں مختار کے معنی مراد ہیں۔ جنان کسرۂ جیم کے ساتھ بمعنی جنت ہے۔ یہ جملہ دعائیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمۃ پر مغفرت کی چادر ڈالے اور آپ کو جنت کے برگزیدہ باغوں میں بسائے۔ قولہ "**نظمتها**": ہا ضمیر منصوب فوائد کی طرف راجع ہے، نظم کے معنی موتیوں کے پرونے کے ہیں۔ اور یہاں مقام کے مناسب کلام کرنا مراد ہے۔ اور غرض اس استعارہ سے صفائی اور موزونیت کلام کا بیان ہے اور باعث اس استعارہ کا طلباء کو ترغیب دلانا ہے۔ قولہ "**وسمط التحریر**" یہ جملہ اوپر کے جملہ پر معطوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے ان فوائد کا بیان نہایت عمدہ تقریر اور بہترین تحریر سے کیا ہے۔ قولہ "**للولد العزیز**" **عزیز** کے معنی ارجمند اور مبارک کے ہیں اس میں تصنیف کے باعث وعلت کا بیان ہے یعنی باعث تصنیف فوائد ضیائیہ مصنف کا فرزند جگر بند ہے جسکا لقب ضیاء الدین اور اسم محض یوسف ہے۔ قولہ "**حفظه الله سبحانه**" یہ جملہ دعائیہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ولد عزیز ضیاء الدین یوسف کو جملہ موجبات حزن وحسرت سے محفوظ رکھے۔ تلھف اور تاسف کے الفاظ مترادف بمعنی واحد ہیں۔ ایک مطلوب کے فوت ہونے پر حزن وحسرت کو تلھف کہتے ہیں یا فعل حرام کے کرنے پر جو اضطراب اور پریشانی ہوتی ہے وہ تلھف ہے اور فرائض وواجبات کے ترک کرنے پر جو افسوس ہوتا ہے اس کا نام تاسف ہے۔ قولہ "**وسمیتها**" اسمیں ضمیر منصوب فوائد کی طرف راجع ہے۔ **الفوائد** ترکیب میں موصوف اور **الضیائیة** اسکی صفت ہے۔ یاء اسمیں نسبتی ہے یعنی وہ فوائد جو ضیاء الدین کی طرف منسوب ہیں۔ قولہ "**لانه لهذا الجمع**" یہ اس نسبت کی دلیل ہے جو یائے نسبتی سے ظاہر ہے یعنی اس کتاب کو فوائد ضیائیہ سے اس لئے موسوم کیا ہے کہ ضیاء الدین اس کی

تالیف وتصنیف کے لئے مانند علت غائی کے ہے۔ فائدہ:- علت کی چار قسمیں ہیں ا- علت غائی (۲) علت فاعلی (۳) علت مادی (۴) علت صوری۔ علت غائی وہ ہے جو فاعل کے فعل کرنے کا باعث ہو۔ علت فاعلی وہ ہے جس سے صدور فعل ہوتا ہے۔ علت مادی وہ ہے جس سے شی کی ترکیب ہو۔ علت صوری وہ ہے جو شی کے وجود کا بالفعل موجب ہو۔ یہاں علت غائی کے ساتھ کاف تشبیہ لانے میں اشارہ ہے کہ ضیاء الدین تالیف کے لئے عین علت غائی نہیں کیونکہ یہ تصور میں مقدم اور وجود میں مؤخر ہوتی ہے اور یہ معنی یہاں درست نہیں کیونکہ ضیاء الدین وجود میں مقدم ہے۔ درحقیقت یہاں علت غائی ضیاء الدین کی تعلیم ہے۔ قولہ "**نفعه الله تعالی**" یہ جملہ دعائیہ ہے **بها** میں ضمیر مجرور فوائد کیطرف راجع ہے۔

قولہ **بحبوحة جنانه**: بحبوحۃ بروزن فُعْلُولَۃ بَحْبَحَ کا مصدر ہے اور مفعول فیہ کی بنا پر منصوب ہے اور اسمیں باء حرف جر نہیں قولہ **بالفوائد الضیائیة**:۔ اس نام میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ یہ شرح دلوں سے شکوک وشبہات دور کر کے انکو منور اور روشن کر یگی۔

التحصیل وماتوفیقی الا باللّٰہ وھو حسبی و نعم الوکیل اعلم انّ الشیخ رحمہ اللّٰہ تعالی لم یصدر رسالتہ ھذہ بحمداللّٰہ سبحانہ بان جعلہ جزأمنھا ھضماًلنفسہ بتخییل ان کتابہ ھذا من حیث انہ کتابہ لیس ککتب السلف رحمھم اللّٰہ تعالی حتی یصدر بہ علی سننھا ولایلزم من ذلک عدم الابتداء بہ مطلقا حتی یکون بترکہ اقطع لجواز اتیانہ بالحمد من غیر ان یجعلہ

ذریعے نفع دے۔ اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اور وہ مجھے کافی اور بہتر کارساز ہے جان لو کہ شیخ ابن حاجب نے اپنے اس رسالہ کو حمد الٰہی سے شروع نہیں کیا اس طرح کہ حمد الٰہی کو کتاب کا جز بناتے کسر نفسی کے پیش نظر یہ سوچ کر کہ انکی یہ کتاب اس حیثیت سے کہ انکی کتاب ہے اسلاف کی کتب جیسی نہیں ہے کہ انکے طریقہ پر اسکو حمد الٰہی سے شروع کیا جائے اور حمد الٰہی کو کتاب کا جز نہ بنانے سے مطلق حمد کے ساتھ ابتدا نہ کرنا لازم نہیں آتا یہاں تک کہ ترک حمد کی وجہ سے کتاب بے برکت ہو جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کتاب کا جز بنائے بغیر مصنف علیہ الرحمۃ حمد الٰہی بجالائے ہوں

من اصحاب التحصیل المبتدئین کا بیان ہے یعنی اللہ تعالی ضیاء الدین اور جملہ طلباء کو اس تالیف کے فوائد سے فائدہ پہنچائے سائر کے لغوی معنی باقی کے ہیں مگر یہاں جملہ اور تمام کے معنی میں ہے۔ قولہ **وماتوفیقی الا باللہ:** چونکہ تالیف فوائد ضیائیہ ایک سخت اور مشکل کام تھا اس لئے شارح علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالی سے مدد مانگی ہے اور نعم الوکیل کے جملہ میں مخصوص بالمدح محذوف ہو تو اس صورت میں عطف جملہ خبریہ علی الخبریہ ہوگا اور اگر محذوف نہ ہو تو جملہ وھو حسبی اگرچہ صورت میں خبریہ ہے مگر یہ دعا کے محل میں واقع ہے اس لئے انشائیہ مانا جائے گا اور انشاء کا عطف انشاء پر جائز ہے یا یہ عطف قصہ علی القصہ ہے۔ قولہ **اعلم أن الشیخ:** اعلم، کے لفظ کو شارح علیہ الرحمۃ تین غرضوں سے نقل کریں گے۔ اول: کسی مقدر سوال کا جواب دینے کے لئے۔ دوم: کسی مقام پر سوال قائم کرنے کے لئے۔ سوم تحقیق مقام ظاہر کرنے کے لئے یہاں پر سوال مقدر کی طرف اشارہ کرکے جواب دینے کے لئے لائے ہیں۔ سوال مقدر کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے اس رسالہ کو حمد لکھ کر شروع کیوں نہیں کیا یعنی حمد باری کو کتاب کا جز کیوں نہیں بنایا؟ شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے حمد کو کسر نفسی کی بنا پر چھوڑ کر کتاب کا جز نہیں بنایا۔ قولہ **بتخییل ان کتابہ ھذا:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ حمد چھوڑنے میں کسر نفسی نہیں کیونکہ حمد ایک عبادت ہے بلکہ اس کے کرنے میں کسر نفسی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ حمد کا چھوڑنا دو طرح کا ہے۔ اول: یہ کہ عبادت سمجھ کر چھوڑی جائے یہ گناہ ہے اور اس میں واقعی کسر نفسی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ مصنف کی کتاب اسلاف کی کتابوں کی طرح نہیں ہے کہ انکے طریقہ پر لکھی جائے۔ یہ خیال کرکے حمد چھوڑ دینا کسر نفسی ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اپنی کتاب کو علمائے سلف کے طریقہ کی پیروی کرکے حمد سے شروع نہیں کیا۔ قولہ **ولایلزم:** اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے حمد کو چھوڑ کر ایک حدیث مشہور کی مخالفت کی ہے جو حسب ذیل ہے "کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فھو اقطع" یعنی جس امر مہتم بالشان کو حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ خراب اور ناقص ہوتا ہے لہٰذا اس حدیث کی بنا پر مصنف کی کتاب ناقص ہوگی۔ شارح نے جواب دیا کہ حدیث شریف میں جز بنا کر حمد سے شروع کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ مطلق ابتدا کرنے کا حکم ہے لہٰذا حمد نہ لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مصنف نے حمد سے کتاب کا آغاز نہیں کیا کیونکہ جائز ہے کہ زبان سے حمد کی ہو لہٰذا مصنف کی کتاب میں حمد نہ لکھنے سے نقص لازم نہیں آیا۔

قولہ **علی سننھا:** سنن بفتحتین واحد ہے اور سنن بضم اول وفتح ثانی جمع ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے یعنی طریقہ یہاں پر دونوں طرح پڑھنا درست ہے لیکن انسب بفتحتین ہے کیونکہ اسلاف کی کتب کے مختلف طریقے نہیں بلکہ یہی طریقہ ہے کہ حمد الٰہی ان کتابوں کا جز ہے (جواہر)..............................

جزأ من کتابه و بدأبتعریف الکلمة والکلام لانه یبحث فی هذاالکتاب عن احوالهما فمتی لم یعرفا کیف یبحث عن احوالهما و قدّم الکلمة علی الکلام لکون افرا دهاجزأمن افرادالکلام و مفهومهاجزأ من مفهومه فقال الکلمة قیل هی و الکلام مشتقان من الکلم بتسکین اللام وهو الجرح لتاثیرمعانیهما فی النفوس کالجرح ....

اورمصنف علیہ الرحمۃ نے کلمہ اورکلام کی تعریف سے کتاب کا آغاز کیااس لئے کہ وہ اس کتاب میں ان ہی دو کے احوال سے بحث کریں گے توجب تک ان دو کی معرفت حاصل نہ کی جائے تو دونوں کے احوال سے کیسے بحث کی جائیگی اورکلمہ کوکلام پر مقدم کیا کیونکہ کلمہ کے افراد ،کلام کے افراد کے جز ہیں اورکلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے کہاالکلمۃ(کلمہ) کہا گیا ہے کہ کلمہ اورکلام دونوں کَلْم بسکون لام سے مشتق ہیں اورکلم کا معنی ہے زخم کرنا بوجہ اثر کرنے کلمہ اورکلام کے معانی کے نفوس میں مثل جرح کے

قولہ **وبدأ**:.یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب نحوی کا مقصود بالذات کلمہ اورکلام کے احوال کو بیان کرنا ہے.تو مصنف نے کلمہ اورکلام کی تعریف کیوں لکھی ہے جو مقصود نہیں ہے.شارح نے جواب دیا کہ کلمہ اورکلام کے احوال سے بحث کرنا انکی معرفت پر موقوف ہے اس لئے مصنف نے پہلے تعریف لکھی ہے تا کہ معرفت حاصل ہواور پھر احوال بیان کئے ہیں.قولہ **وقدم الکلمة** :.یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام سے مخاطب کوفائدہ تامہ حاصل ہوتا ہے اسی لئے کلام عربی زبان میں عمدہ شمار کیا جاتا ہے لھذا کلام کا ذکر پہلے ہونا چاہئے تھا.ماتن نے اس کے خلاف کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا ہے کہ کلمہ باعتبار اپنے افراداور معنی کے کلام کا جز ہے اور جز وجود میں کل پر مقدم ہوتا ہے یہ لحاظ کرکے مصنف نے جز(کلمہ) کوذکر میں بھی مقدم کردیا ہے تا کہ وضع اور طبع میں مناسبت رہے.قولہ **قیــل هــی** :.کہا گیا ہے کہ کلمہ اورکلام دونوں کلم (بتسکین لام) سے مشتق ہیں.جسکے معنی زخم کرنے کے ہیں.قولہ **لتاثیر**:.یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اشتقاق میں ضروری ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان لفظا اور معنًی دونوں طرح سے مناسبت ہواور اسجگہ لفظا مناسبت تو موجود ہے کہ دونوں حروف اصلیہ میں متحد ہیں.مگر معنًی مناسبت نہیں پائی جاتی کیونکہ کلمہ کے اصطلاحی معنی ''لفظ وضع لمعنی مفرد'' ہیں.اورکلام کے معنی'' ماتضمن کلمتین بالاسناد'' ہیں.اورکَلْم کے معنی ہیں زخمی کرنا.اورظاہر ہے کہ کلمہ اورکلام کے مذکورہ معنی اورکلم کے معنی میں کوئی مناسبت نہیں.پھران دونوں کا اشتقاق کَلْم سے کیونکر درست ہوسکتا ہے. شارح نے مشتق کہنے والوں کی طرف سے جواب دیا کہ مناسبت تین قسم پر ہے.اول۔مناسبت معنی مطابقی میں.دوم۔مناسبت معنی تضمنی میں.سوم۔ مناسبت معنی التزامی میں.یہاں مشتق اور مشتق منہ کے درمیان معنی التزامی میں مناسبت پائی جاتی ہے اوروہ التزامی معنی تاثیر ہیں.یعنی جسطرح کہ

قولہ **لکون افرادھا**:.افرادکلمہ کا افرادکلام کا جز ہونا تو واضح ہے کیونکہ زید قائم ،کلام کا ایک فرد ہے اورزید جوکلمہ کا فرد ہے،وہ زید قائم کا جز ہےاور قائم ،زید قائم کا جز ہے. اسیطرح کلمہ جزئیہ کے مفہوم کا جز ہونا بھی ظاہر ہے مثلا زید قائم ،کلام جزئی ہے اورزید،قائم میں سے ہرایک کلمہ جزئیہ ہے اور ہرایک کا مفہوم جزئی (زید قائم) کے مفہوم کا جز ہے کیونکہ کلام جزئی کا مفہوم انہیں کے مفہوم سے مرکب ہے.البتہ کلام کلی کے مفہوم کے لئے کلمہ کلیہ کے مفہوم کا جز ہونا معرض خفا میں ہے اسی لئے حاشیہ ملا جامی میں کلمہ کلیہ کے مفہوم کا کلام کلی کے مفہوم کا جز ہونا تسلیم نہیں کیا گیا.لیکن بعدازتامل اس خفا کا ازالہ ہوجاتا ہے بایں صورت کہ کلام کلی کا مفہوم ہے ماتضمن کلمتین .اور کلمتین کا معنی لفظین موضوعین ہے یعنی کلام کا مفہوم کلی ہے.ماتضمن لفظین موضوعین لمعنیین مفردین .اورکلمہ کا مفہوم کلی ہے.لفظ وضع لمعنی مفرد جو لفظین موضوعین لمعنیین مفردین کا جز ہے. کیونکہ مفہوم واحد،مفہوم مثنی کا جز ہوتا ہے.(تقریر علامہ بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ)قولہ **مشتقان من الکلم** :۔یہاں پر اشتقاق سے اشتقاق صغیر مراد ہے کیونکہ عند الاطلاق متبادر یہی اشتقاق ہے.اشتقاق صغیر یہ ہے کہ اصل اورفرع کے درمیان تمام حروف اصلیہ ترتیب کے ساتھ مشترک ہوں جیسے ضرب وضرب اوراشتقاق کبیر یہ ہے کہ اصل اورفرع کے درمیان تمام حروف اصلیہ بلاترتیب مشترک ہوں جیسے جذب وجبذ اوراشتقاق اکبر یہ ہے کہ اصل اورفرع کے درمیان اکثر حروف اصلیہ مشترک ہوں جیسے

وقد عبر بعض الشعراء عن بعض تاثیراتھما بالجرح حیث قال شعر جراحات السنان لھا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان والکلم بکسر اللام جنس لا جمع کتمر و تمرۃ بدلیل قولہ تعالی اِلَیہِ یَصعَدُ الکَلِمُ الطَّیِّبُ ....

اور بعض شعراء نے کلمہ اور کلام کی بعض تاثیرات کو جرح سے تعبیر کیا ہے جہاں اسنے کہا نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں اور وہ زخم نہیں بھرتا جو زبان نے کیا اور کلِم لام کے کسرہ کے ساتھ جنس ہے جیسے تمر اور تمرۃ بدلیل ارشاد باری تعالی الیہ یصعد الکلم الطیب

کلم مجروح میں تاثیر کرتا ہے اسی طرح کلمہ اور کلام نفوس میں تاثیر کرتے ہیں بلکہ کلمہ اور کلام کبھی زخم سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔ ﴿فائدہ﴾ دلالت مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے کل معنی موضوع لہ پر دلالت کرے۔ دلالت تضمنی یہ ہے کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے جز پر دلالت کرے۔ اور دلالت التزامی یہ ہے کہ لفظ خارج معنی موضوع لہ پر دلالت کرے۔ قولہ **وقد عبر**: ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ کلمہ اور کلام کی تاثیر کی دلیل کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اسکی دلیل یہ ہے کہ ایک فصیح و بلیغ شاعر کے قول سے کلمہ اور کلام کی تاثیر ثابت ہے۔ جس نے کلمہ اور کلام کی تاثیرات کو جرح سے تعبیر کرتے ہوئے کہا جراحات الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ نیزوں کے زخم دوا سے اچھے ہوجاتے ہیں لیکن زبان کا زخم کسی صورت میں اچھا نہیں ہوتا۔ اور شاعر غالبا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ قولہ **والکلم بکسر اللام**: اور کلِم بکسر لام جنس ہے جمع نہیں جیسے تمر اور تمرۃ یعنی تمر (بغیر تاء کے) جنس ہے اور تمرۃ (تاء کے ساتھ) واحد ہے اس عبارت میں شارح لفظ کلم (بکسر لام) کے متعلق نحات بصرہ و نحات کوفہ کا اختلاف بیان کرتے ہیں۔ یعنی بصریین کہتے ہیں کہ کلم جنس ہے جمع نہیں جیسے تمر اسم جنس ہے اور تمرۃ واحد ہے۔ اسی طرح کلم اسم جنس ہے اور کلمۃ واحد ہے۔ قولہ **بدلیل قولہ تعالی الخ**۔ یہاں سے کلم کے اسم جنس ہونے کی ایک دلیل ذکر کرتے ہیں۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ اس ارشاد میں "الطیب" الکلم کی صفت ہے اگر کلم جمع ہو تو موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہتی کہ موصوف (الکلم) جمع مؤنث ہے کیونکہ جمع مذکر سالم کے سوا ہر جمع مؤنث ہوتی ہے اور صفت (الطیب) مفرد مذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ کلم جنس ہے جمع نہیں ۔

نحق ونحق (جواہر) قولہ **بتسکین اللام**: ۔ یہ لفظ از قبیل یزی لا یقرء ہے۔ یعنی اس کو پڑھا نہیں جائیگا بلکہ اسکو دیکھ کر لفظ کلم کے لام کو ساکن پڑھا جائیگا۔ اور قائلین اشتقاق کی مراد اشتقاق صغیر ہے جسمیں مشتق اور مشتق منہ کے درمیان جملہ حروف اصلیہ اور ترتیب حروف میں اشتراک ہوتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ اور ضَرْبٌ۔ قولہ **للتاثیر**: سوال۔ کلام کی تاثیر کا دلوں میں پایا جانا تو تسلیم ہے لیکن کلمہ کی تاثیر کا پایا جانا تسلیم نہیں۔ کیونکہ تاثیر نسبت کی فرع ہے اور کلمہ میں نسبت نہیں ہوتی (عبد الرحمن)۔ جواب۔ یہاں تاثیر سے مراد عام ہے کہ اصالۃً ہو یا ضمنا۔ چونکہ کلام کے ضمن میں کلمہ پایا جاتا ہے تو جیسے کلام کی تاثیر دلوں میں ہوتی ہے اسکے ضمن میں کلمہ کی بھی تاثیر ہوتی ہے۔ (تحفہ خادمیہ و عبد الرحمن) قولہ **بعض الشعراء**: ۔ یہ شعر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ ان کے ارشاد (طعن اللسان اشد من ضرب السنان) سے اس کا مضمون ماخوذ ہے۔ علامہ رحمی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ شعر منسوب ہے۔ وکل جراحۃ فلھا دواء...... وسوء الخلق لیس لہ دواء۔ قولہ **جراحات**: اس شعر میں لفظ جراحات بکسر جیم ہے اس لئے کہ یہ جراحۃ بکسر جیم کی جمع مؤنث ہے۔ سنان بروزن فعال ہے جو سِنٌّ کی جمع ہے۔ جسمیں سین مکسور اور نون مشدد ہے اور اس کا معنی چھوٹا نیزہ ہے اِلْتِیام، باب افتعال کا مصدر ہے اسمیں جو لام ہے وہ لام تعریف نہیں بلکہ فا کلمہ ہے اس لئے لام کو تاء میں مدغم پڑھنا غلط ہے۔ اس مصدر کا عین کلمہ ہمزہ ہے جو یاء ہوگئی ہے۔ مضارع منفی (لا یلتام) اصل میں لا یلتئم بروزن لا یکتسب تھا۔ تئم، فعِل کے وزن پر ہوگیا تو ہمزہ کو ساکن کر دیا گیا جیسے کتف میں تاء ساکن کردی گئی۔ پھر ہمزہ ساکنہ بقاعدہ راس، الف ہوگیا۔ (جواہر) مذکورہ بالا شعر کا ترجمہ فارسی زبان میں اسطرح کیا گیا ہے۔ جراحت نیزہ بہ گردد بدارو ولے جرح زباں را نیست دارو جسکا اردو مفہوم یہ ہے۔ چھری کا تیر کا تو گھاؤ بھرا...... لگا جو زخم زباں کا رہا ہمیشہ ہرا کلمہ میں تین مذھب ہیں۔ ﴿۱﴾ جمہور کے نزدیک یہ اسم جنس ہے۔ ﴿۲﴾ زمخشری کے نزدیک جمع ہے۔ ﴿۳﴾ بعض کے نزدیک اسم جمع ہے۔

وقیل جمع حیث لایقع الا علی الثلث فصاعدًا و الکلم الطیب مؤوّل ببعض الکلم و اللام فیھا للجنس والتاء للوحدۃ ولا منافاۃ بینھما لجواز اتصاف الجنس بالوحدۃ والواحد بالجنسیۃ یقال ھذا الجنس واحد وذلک الواحد جنسٌ ویمکن حملھا علی العھد الخارجی بارادۃ الکلمۃ المذکورۃ علی السنۃ النحاۃ..

اور کہا گیا ہے کہ وہ جمع ہے اس لئے کہ کلم کا اطلاق تین پس اس سے زائد پر ہوتا ہے اور الکلم الطیب مؤوّل ہے بعض الکلم کے ساتھ اور لام الکلمۃ میں جنس کیلئے ہے اور تاء وحدت کیلئے اور وحدت وجنس میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جنس کا وحدت کے ساتھ اور واحد کا جنسیت کے ساتھ اتصاف جائز ہے کہا جاتا ہے ھذا الجنس واحدٌ وذٰلک الواحد جنسٌ اور الکلمۃ کے لام کو عھد خارجی پر حمل کرنا بھی ممکن ہے اس سے وہ کلمہ مراد لیتے ہوئے جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔

قولہ **وقیل جمع**: اس عبارت میں شارح نے کوفیین کا مذھب بیان کیا ہے جنکے نزدیک کلم جمع ہے. جمع کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ کلم کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا بلکہ تین اور اس سے زائد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ جمع ہے. قولہ **والکلم الطیب**: اس عبارت میں کلم کو جمع ماننے والوں کی تاویل کو بیان کرتے ہیں جو انہوں نے مذکورہ بالا آیت میں کی. جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ سے کلم کا جنس ہونا ثابت نہیں ہوتا. کیونکہ آیت مؤول ہے یعنی آیت میں الکلم سے پہلے لفظ بعض محذوف ہے اور الطیب اس کی صفت ہے نہ کہ الکلم کی. انکے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہے. الیہ یصعد بعض الکلم الطیب. پس موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت پائی جارہی ہے. قولہ **واللام فیھا**: اور الکلمۃ میں لام جنس کا ہے اور تاء وحدت کی ہے. اور شارح کا قول "**ولامنافاۃ**" ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ الکلمۃ میں لام جنسی ماننا غلط ہے کیونکہ اسمیں تائے وحدت ہے اور وحدت وجنس میں منافات ہے. شارح جواب میں فرماتے ہیں کہ مطلق وحدت اور جنس میں منافات نہیں. کیونکہ وحدت کی چار قسمیں ہیں ا۔ وحدت جنسی ۲۔ وحدت نوعی ۳۔ وحدت صنفی ۴۔ وحدت شخصی. منافات جنس اور وحدت شخصی میں ہے نہ کہ دوسری وحدتوں اور جنس میں. اور تاء یہاں وحدت شخصی کے واسطے نہیں کہ منافات لازم آئے. اور وحدت کی دیگر اقسام ثلثہ اور جنس میں منافات نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ محاورہ عرب ہے. ھذا الجنس واحد وذلک الواحد جنس. یعنی محاورہ میں وحدت کا جنس پر اور جنس کا وحدت پر حمل کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں منافات نہیں اور الکلمۃ کے الف ولام سے عہد خارجی مراد لینا بھی ممکن ہے. قولہ **بارادۃ**: یہ اعتراض کا جواب ہے. اعتراض یہ

قولہ **قیل جمع**: شارح علیہ الرحمۃ نے نحات کوفہ کا مذھب کلمہ قیل سے ذکر کرکے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور وجہ ضعف انکی دلیل کا کمزور ہونا ہے. کیونکہ کلم اپنی وضع کے اعتبار سے واحد وکثیر سب پر صادق آتا ہے لیکن استعمال میں دو سے زیادہ پر بولا جاتا ہے لھذا الکلم کا خلاف وضع استعمال اسکو جنس ہونے سے خارج نہیں کرتا. پس نحات کوفہ کا کلم کے استعمال سے اس کے جمع ہونے پر استدلال بہت کمزور ہے. ﴿فائدہ﴾ شارح علیہ الرحمۃ نے نحات بصرہ کے دیگر دلائل اختصار کے پیش نظر ترک کردیے ہیں جو درج ذیل ہیں ا۔ لفظ کلم عدد اوسط کی تمیز واقع ہوتا ہے. جیسے احد عشر کلماً اور عدد اوسط کی تمیز مفرد آتی ہے. جس سے معلوم ہوا کہ کلم جمع نہیں بلکہ اسم جنس ہے ۲۔ کلم کی طرف واحد کی ضمیر لوٹتی ہے. چنانچہ قرآن کریم میں ہے. یحرفون الکلم عن مواضعہ. جس سے معلوم ہوا کہ کلم جمع نہیں ۳۔ کلم کی تصغیر کلیم آتی ہے نہ کہ کلیمۃ یہ بھی کلم کے جنس ہونے پر دال ہے. اگر کلم جمع ہوتا تو تصغیر کلیمۃ آتی کیونکہ جمع کو بوقت تصغیر مفرد کی طرف لوٹایا جاتا ہے. قولہ **ویمکن**: فاضل عصام الدین فرماتے ہیں لفظ یمکن

لفظ اللفظ فی اللغة الرمی یقال اکلت التمرة و لفظت النواة ای رمیتھا ثم نقل فی عرف النحاة ابتداً او بعد جعله بمعنی الملفوظ کا لخلق بمعنی المخلوق الی ما یتلفظ به الانسان

(لفظ ہے) لفظ لغت میں پھینکنا ہے کہا جاتا ہے اکلتُ التمرۃَ وَلَفَظتُ النواۃَ (میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی پھینک دی) یعنی میں نے اسکو پھینک دیا پھر عرف نحات میں لفظ کو یا تو ابتداء یا ملفوظ کے معنی میں کرنے کے بعد ماتلفظ بہ الانسان کی طرف نقل کیا گیا جس طرح کہ خلق کو بمعنی مخلوق کیا گیا

ہے کہ الف لام عہد خارجی سے اسکے مدخول کا فرد معین مراد ہوتا ہے. پس یہاں الکلمۃ سے کونسا معین کلمہ مراد ہوگا. شارح نے جواب دیا کہ اسوقت کلمہ سے مراد وہ کلمہ ہوگا جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے. یعنی جس کلمہ سے نحوی بحث کرتے ہیں. قولہ **اللفظ**:۔ لفظ لغت میں بمعنی رمی ہے جسکے معنی ہیں (پھینکنا) اور پھینکنے کی تین صورتیں ہیں. ا۔ لفظ کا منہ سے پھینکنا. جیسے زید قائم کا تلفظ ۲۔ غیر لفظ کا منہ سے پھینکنا. جیسے اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ ۳۔ غیر لفظ کا پھینکنا جو منہ سے نہ ہو جیسے لفظت الرحٰی الدقیق. (چکی نے آٹا پھینکا. شارح نے صرف ایک صورت کا ذکر کیا یعنی غیر لفظ کو منہ سے پھینکنا. قولہ **ثم نقل**:۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ الکلمۃ مبتدا ہے اور لفظ اسکی خبر ہے. اور خبر، مبتدا پر محمول ہوتی ہے. اور یہاں پر حمل درست نہیں کیونکہ لفظ (مصدر) وصف محض ہے. جس کا حمل ذات پر صحیح نہیں. شارح نے جواب دیا کہ یہاں لفظ اپنے معنی لغوی کے اعتبار سے خبر نہیں کہ حمل درست نہ ہونے کا اعتراض کیا جائے. بلکہ یہ معنی اصطلاحی کے اعتبار سے خبر ہے. جو ماتلفظ بہ الانسان ہے. یعنی جب عرف نحات میں لفظ کو ابتداء یا ملفوظ کے معنی میں کر کے ماتلفظ بہ الانسان کی طرف نقل کیا گیا تو پھر یہ مبتدا کی خبر بنا. یعنی کلمہ وہ ہے جو انسان کا ملفوظ ہو.

کہکر شارح نے اس احتمال کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ تعریف جنس کی ہوتی ہے لہذا مقام تعریف میں لام سے مراد لام عہد لینا مقام کے تقاضہ کے خلاف ہے. لیکن علامہ افضل حسین فرماتے ہیں کہ کلمہ لغویہ (ماتلفظ بہ) کا ایک فرد وہ ہے جس پر لفظ موضوع مفرد صادق آتا ہے اور ایک فرد وہ ہے جس پر لفظ موضوع مرکب صادق آتا ہے. ان میں سے قسم اول کلمہ نحویہ ہے جو کلمہ لغویہ کا فرد شخصی نہیں بلکہ جنسی ہے اور فرد جنسی کی تعریف ہوسکتی ہے مثلاً انسان، حیوان کا فرد جنسی ہے. لہذا انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی گئی ہے. اسیطرح لفظ وضع لمعنی مفرد، کلمہ نحوی کی تعریف ہے جو کلمہ لغویہ کا فرد جنسی ہے. لہذا فاضل عصام نے جو یمکن کہنے کی وجہ بیان کی ہے وہ درست نہیں. بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جواب چونکہ شارح نے اپنی طرف سے دیا ہے اس لئے اسکو تواضعاً یمکن سے تعبیر کیا ہے. قولہ **اللفظ**:۔ جزائری کہتے ہیں کہ لغت عرب میں لفظ کے تین معنی ہیں. ا۔ مطلق پھینکنا ۲۔ منہ سے پھینکنا ۳۔ نطق. ارباب شروح وحواشی نے یہاں پہلا معنی یعنی مطلق پھینکنا مراد لیا ہے جسکی دو دلیلیں بیان کی ہیں. ا۔ شارح نے اللفظ کی تفسیر الرمی سے کی ہے. اور اس کے بعد لفظتھا کی تفسیر رمیتھا سے کی ہے اور دونوں جگہ رمی کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہاں لفظ کے معنی مطلق پھینکنے کے ہیں. ۲۔ اہل عرب کی عادت ہے کہ گٹھلی نکال کر کھجور کھاتے ہیں یعنی ہاتھ سے گٹھلی پھینکنے کے بعد کھجور کھاتے ہیں. جس سے معلوم ہوا کہ لفظ کے معنی مطلق پھینکنے کے ہیں. لیکن محققین کے نزدیک یہاں شارح کی مراد دوسرا معنی ہے. یعنی منہ سے پھینکنا. محققین نے بھی اپنے دعویٰ کو دو دلیلوں سے ثابت کیا ہے ا۔ شارح نے مثال "اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ" ذکر کی ہے اور اکل کے معنی ہیں کھانا جو منہ کے لوازمات سے ہے. لہذا شارح کی مراد دوسرا معنی یعنی منہ سے پھینکنا ہے. ۲۔ مثال مذکور میں لفظت النواۃ، اکلت التمرۃ پر مرتب ہے. جس سے معلوم ہوا کہ اکل پہلے ہے اور لفظ بعد میں یعنی کھجور کھا کر گٹھلی منہ سے نکال کر پھینکی. رہی بات محاورہ عرب کی تو عرب کے عوام کی عادت پہلے گٹھلی نکالنا نہیں بلکہ یہ خواص کی عادت ہے اور اکثریت کی عادت کے مطابق یہ محاورہ ہے ورنہ محاورہ اسطرح ہوتا لفظت النواۃ واکلت التمرۃ...... صاحب صراح کا قول "لفظ از دھان بیرون انداختن وسخن گفتن اور قاضی شرف الدین کا قول "نص فی عرف اللغۃ بما ھو صادر عن الفم" اسی کا مؤید ہے۔ قولہ **او بعد جعلہ**: لفظ کے لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کی طرف منقول ہونے کی دو صورتیں ہیں. ا۔ لفظ کو ملفوظ کے معنی میں کئے بغیر ماتلفظ بہ الانسان، کی طرف منقول کر دیا جائے. شارح نے اس صورت کو اولا اس لئے ذکر کیا کہ اسمیں تعدد نقل نہیں جو موجب ثقل ہوتا ہے. اور اس صورت میں لفظ کے معنی لغوی اور معنی اصطلاحی میں سبب

حقیقةً او حکما مهملا کان او موضوعاً مفردًا کان اومرکباو اللفظ الحقیقی کزید و ضرب والحکمی کالمنوی فی زیدٌ ضرب و اضرب اذلیس من مقولة الحرف و الصوت اصلاو لم یوضع له لفظ ....

ہے خواہ اسکا تلفظ انسان حقیقۃ کرے یا حکما مہمل ہو یا موضوع مفرد ہو یا مرکب اور لفظ حقیقی جیسے زیدٌ اور ضرب اور لفظ حکمی جیسے مستتر زید ضرب اور اِضرِبْ میں کیونکہ مستتر مقولہء حرف اور صوت سے قطعا نہیں اور نہ ہی اس کیلئے کوئی لفظ وضع کیا گیا ہے.

قولہ **حقیقة او حکما**:.یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے لفظ حکمی خارج ہو گیا کہ اس کا تکلم اور تلفظ نہیں ہوتا اور لفظ مہمل بھی نکل گیا کیونکہ متبادر لفظ سے لفظ موضوع ہے نہ کہ مہمل اور مرکب بھی نکل گیا کیونکہ لفظ سے متبادر لفظ مفرد ہے.شارح نے جواب دیا کہ ماتلفظ بہ الانسان عام ہے خواہ حقیقتا ہو یا حکما خواہ مہمل ہو یا موضوع خواہ مفرد ہو یا مرکب.قولہ **واللفظ**:اس عبارت میں شارح علیہ الرحمۃ نے لفظ حقیقی اور حکمی کی مثالیں بیان فرمائی ہیں.لفظ حقیقی کی مثال زید اور ضرب ہے اور لفظ حکمی کی مثال زید ضرب ہے.اور اضرب ہے جسمیں ضمیر مستتر ھو اور انت ہے.کیونکہ اس مستتر پر لفظ کے احکام جاری ہوتے ہیں.مثلا مسندالیہ ہونا،مبدل منہ ہونا وغیرہ لھذا یہ لفظ حکمی ہوا قولہ **اذ لیس**:.یہ منوی (مستتر) کے لفظ حقیقی نہ ہونے کی دلیل ہے یعنی مستتر لفظ حقیقی نہیں.اس لئے کہ وہ حرف اور صوت کے قبیلہ سے نہیں ہے.جبکہ لفظ حقیقی حرف اور صوت کے قبیلہ سے ہوتا ہے.قولہ **ولم یوضع له لفظ**:.یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب منوی (مستتر) حرف اور صوت کے مقولہ سے نہیں ہے تو اسکو معنی ہونا چاہیے.شارح نے جواب دیا کہ معنی وہ ہوتا ہے جو مقصود باللفظ ہو اور منوی

اور مسبب کا علاقہ ہوگا کیونکہ لفظ کا مصدری معنی سبب ہے اور اصطلاحی معنی مسبب ہے.۲۔لفظ پہلے بمعنی ملفوظ کیا جائے پھر ماتلفظ بہ الانسان کی طرف منقول کیا جائے.اس صورت میں معنی لغوی اور معنی اصطلاحی کے درمیان مناسبت عموم وخصوص کی ہوگی کیونکہ معنی لغوی عام ہے اور معنی اصطلاحی خاص ہے.سوال۔کیا کلام عرب میں فَعْل بمعنی مفعول آیا ہے؟.جواب۔ہاں.جیسے خلق بمعنی مخلوق ہے.﴿فائدہ﴾ جو حضرات لفظ کو بمعنی ملفوظ کرنے کے بعد منقول کرتے ہیں ان کا مقصد منقول اور منقول الیہ کے درمیان علاقہ قریب ثابت کرنا ہے.کیونکہ سبب اور مسبب کے علاقہ سے عام وخاص کا علاقہ اور تعلق قریب ہے اس لئے کہ عام خاص پر محمول ہوتا ہے جیسے الانسان حیوان لیکن سبب مسبب پر محمول نہیں ہوتا.مثلا الصلوۃ وقت نہیں کہتے سوال۔لفظ کی تعریف مانع نہیں کہ زبان پر صادق آتی ہے کیونکہ انسان زبان کے ساتھ تلفظ کرتا ہے.جواب۔ماتلفظ بہ الانسان میں باء سببیت کی نہیں بلکہ تعدیہ کی ہے یعنی لفظ وہ ہے جس کا انسان تلفظ کرے اور زبان کا کوئی تلفظ نہیں کرتا یہ تو آلہ تلفظ ہے.سوال۔شارح نے لفظ حقیقی اسم کی مثال (زید) اور فعل کی مثال (ضرب) دی ہے لفظ حقیقی حرف کی مثال کیوں نہیں دی؟.جواب۔کزید وضرب میں حرف کی دو مثالیں دی ہیں.کاف اور واؤ.قولہ **واللفظ الحقیقی**:۔لفظ حقیقی سے ملفوظ بہ حقیقی اور لفظ حکمی سے ملفوظ بہ حکمی مراد ہے ورنہ ضمیر مستتر بھی لفظ حقیقی ہے کہ وہ بھی ماتلفظ بہ الانسان کا ایک فرد ہے.قولہ **اذ لیس**:. شارح کی گذشتہ عبارت سے دو دعوے مفہوم ہوتے ہیں.۱۔منوی لفظ حقیقی نہیں.۲۔منوی لفظ حکمی ہے.پہلے دعوی کی دلیل اذلیس الخ ہے یعنی منوی لفظ حقیقی اس لئے نہیں ہے کہ وہ حرف اور صوت کے قبیلہ سے نہیں ہے.اور دوسرے دعوی کی دلیل واجرٰ ی علیہ احکام اللفظ،ہے.یعنی منوی لفظ حکمی ہے.اس لئے کہ نحویوں نے منوی پر لفظ کے احکام جاری کردیے ہیں.یعنی مسندالیہ وغیرہ ہونا.﴿فائدہ﴾ **اذلیس من مقولة الحرف والصوت**،کے دو مفہوم بن سکتے ہیں.۱۔منوی نہ تو منہ سے بطور حرف نکلا ہے اور نہ اسکی آواز نکلتی ہے.۲۔حرف اور صوت منوی پر محمول نہیں ہوتے یعنی اس طرح نہیں کہہ سکتے.المنوی حرف یا المنوی صوت.اور شارح کے قول"لفظ **اصلا**"کے بھی دو مفہوم بن سکتے ہیں.اول۔یہ کہ منوی کسی وقت بھی حرف اور صوت کے قبیلہ سے نہیں ہوسکتا.دوسرے یہ کہ منوی عقلا یا نقلا کسی طرح بھی حرف اور صوت کے قبیلہ سے نہیں ہوسکتا.(نورالحق).☆سوال☆منوی حرف اور صوت کے مقولہ سے کیوں نہیں ہے؟.☆جواب☆اس لئے کہ حرف اور صوت ایسی کیفیات میں سے ہیں جن کو سنا جاسکے اور منوی کو سنا ہی نہیں جاسکتا اس لئے منوی لفظ حقیقی نہیں لیکن چونکہ اس پر لفظ کے احکام جاری ہوتے ہیں اس لئے منوی لفظ حکمی ہے.(جامع الغموض)

و انما عبّروا عنه باستعارة لفظ المنفصل له من نحو هو وانت واجروا عليه احكام اللفظ فكان لفظا حكما لا حقيقة والمحذوف لفظ حقيقة لانه قد يتلفظ به الانسان فی بعض الاحيان وكلمات الله تعالى داخلة فيه اذ هی مما يتلفظ به الانسان و على هذا القياس كلمات الملائكة والجن والدوال الاربع وهی الخطوط والعقود و النصب والاشارات غير داخلة فيه

اور نحویوں نے ھُو اور اَنْتَ جیسے لفظ منفصل کو عاریۃً لیکر مستتر کو اسکے ساتھ تعبیر کر دیا ہے اور اس مستتر پر لفظ کے احکام جاری کئے ہیں، پس وہ لفظ حکمی ہو گیا نہ کہ حقیقی اور محذوف لفظ حقیقی ہے کیونکہ انسان بعض اوقات اس کا تلفظ کرتا ہے اور اللہ تعالی کے کلمات بھی لفظ حقیقی میں داخل ہیں کیونکہ یہ ان میں سے ہیں جن کا انسان تلفظ کرتا ہے اور اسی قیاس پر ملائکہ اور جن کے کلمات ہیں اور دوال اربعہ یعنی خطوط، عقود، نصب اور اشارات لفظ میں داخل

کیلئے عربی محاورہ میں کوئی لفظ موضوع نہیں، اس لئے یہ معنی نہیں بلکہ حکمی لفظ ہے۔ قولہ **وانما**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منوی کے لئے عربی محاورہ میں ضمائر مثلا ھو اور انت وغیرہ موضوع ہیں لھذا یہ کہنا کہ منوی کے لئے کوئی لفظ موضوع نہیں صحیح نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ ضمائر منوی کے لئے موضوع نہیں بلکہ اہل لسان نے استعارہ کر کے منوی کو ان ضمائر سے تعبیر کر دیا ہے۔ قولہ **اجروا**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب جسکی تفصیل یہ ہے کہ جب منوی حرف اور صوت کے مقولہ سے نہیں ہے تو اس کے لفظ حکمی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ منوی کے لفظ حکمی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل لسان نے اسپر لفظ کے احکام جاری کئے ہیں۔ قولہ **والمحذوف**:۔ اس میں بھی ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ کی مذکورہ بالا تعریف (ما یتلفظ بہ الانسان) جامع نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس تعریف سے محذوف خارج ہو گیا کہ وہ تکلم میں نہیں آتا۔ شارح نے جواب دیا کہ بعض اوقات محذوف کا تلفظ اور تکلم ہوتا ہے اس لئے وہ تعریف سے خارج نہیں ہو الھذ التعریف جامع ہے دیکھئے یوسف میں حرف ندا محذوف ہے اور یا یوسف کہہ کر اس محذوف کا تلفظ کر لیا جاتا ہے۔ قولہ **وکلمات الله**:۔ اس میں بھی ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ کلمات الہیہ اس سے خارج ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ انسانی تکلم سے صادر نہیں ہوتے۔ شارح نے جواب دیا کہ کلمات الہیہ بھی لفظ کی تعریف میں داخل ہیں اس لئے کہ بعض اوقات وہ انسان کے تکلم میں آ جاتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم جو کلام الہی ہے انسان اسکی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ قولہ **وعلى هذا**:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ کی تعریف سے کلمات ملائکہ خارج ہوتے ہیں، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول "ان فی الجنۃ لنھرا من لبن...... لعلی وحسین وحسن۔ اسی طرح جن کے کلمات بھی خارج ہوتے ہیں۔ جیسے قبر حرب بمکان قفر...... ولیس بقرب قبر حرب قبر۔ شارح نے جواب دیا کہ کلمات ملائکہ اور کلمات جن بھی لفظ کی تعریف میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ اگر چہ یہ ابتداء ملائکہ اور جن کے کلمات ہیں مگر انسان کے تلفظ کے میں آ جاتے ہیں۔ قولہ **والدوال الاربع**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ اس لئے کہ دوال اربعہ دلالت معنی کے اعتبار سے کلمہ کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لئے

قولہ **فکان لفظا حکما**:۔ اس میں فاء برائے تفریع ہے اور یہ واجروا علیہ الخ پر تفریع ہے۔ اور لاحقیقۃ پہلے دعوی یعنی اذ لیس الخ پر تفریع ہے۔ قولہ **قد يتلفظ به الانسان**:۔ اسجگہ لفظ قد برائے تحقیق ہے اگر چہ مضارع پر داخل ہے جیسے ارشاد باری "قد یعلم اللہ" میں لفظ قد برائے تحقیق ہے۔ لھذا فی بعض الاحیان مستدرک اور بے فائدہ نہیں ہے۔ قولہ **والدوال**:۔ دال علی الشئ پانچ چیزیں ہیں۔ ۱۔ لفظ ۲۔ خطوط ۳۔ عقود ۴۔ نصب ۵۔ اشارات۔ آخری چار کو دوال اربعہ کہتے ہیں۔ خطوط خط کی جمع ہے۔ خط ان نقوش کو کہتے ہیں جنکی وضع کتاب میں لکھنے کے لئے ہے یا وہ راستہ جو زید اور عمر کی زمین کے درمیان فاصل ہے۔ عقود، عقد کی جمع ہے اور اس سے عقد انامل مراد ہیں جو شمار کا

فلاحاجة الى قيد يخرجها وانما قال لفظ ولم يقل لفظة لانه لم يقصد الوحدة والمطابقة غير لازمة لعدم الاشتقاق مع كون اللفظ اخصر وَضع الوضع تخصيص شئى بشئى بحيث متى اُطلق او احس الشئى الاول فهم منه الشئى الثانى ....

نہیں ہیں. پس ایسی قید کی ضرورت نہیں جوانکونکال دے اور مصنف نے لفظ کہااور لفظۃ نہیں کہااسلئے کہ اس نے وحدت کاارادہ نہیں کیا اورمطابقت ضروری نہیں عدم اشتقاق کی وجہ سے ساتھ ہی لفظ بنسبت لفظۃ کے مختصر ہے(جوموضوع ہو)وضع ایک شی کودوسری شی کے ساتھ اس طرح خاص کرناہے کہ جب شی اول کا اطلاق یااحساس کیاجائے تواس سے شی ثانی سمجھی جائے.

کہ لفظ کی مثل وہ بھی اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں.اوردوال اربعہ سے مرادخطوط،عقود،نصب اوراشارات ہیں لھذاکلمہ کی تعریف میں ایک ایسی قید کاذکرکرناضروری ہے جسکی وجہ سے دوال اربعہ کلمہ کی تعریف سے خارج ہوجائیں.شارح نے جواب دیاکہ دوال اربعہ اس تعریف میں داخل نہیں کیونکہ یہ لفظ نہیں اورکلمہ لفظ موضوع مفردکانام ہے.لھذاکوئی قید بڑھاکرانکوخارج کرنے کی ضرورت نہیں.قولہ **وانماقال**:اس میں بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ مفصل سے ماخوذہےاورصاحب مفصل نے کلمہ کی تعریف میں"لفظۃ"تاء کے ساتھ لکھاہےاورکافیہ میں"لفظ"بغیرتاء کے لکھاہواہےتوابن حاجب نے کافیہ میں اس کی اصل یعنی مفصل کی مخالفت کیوں کی ہے.شارح نے جواب دیاکہ صاحب کافیہ نے وحدت کاقصدنہیں کیااس لئے لفظ بغیرتاء کے لکھاہے.اورصاحب مفصل نے وحدت کاقصدکیاہے.اس لئے اس نے لفظۃ تاء کے ساتھ لکھاہے.اس لئے اصل کی عبارت سے کافیہ کی عبارت قدرے مختلف ہوگئی ہے.اوروحدت کے قصدنہ کرنے سے مرادیہ ہے کہ ابن حاجب کے نزدیک کلمہ وہ لفظ ہے جوایک معنی پردلالت کرےلھذاعبداللہ حالت علمیت میں ابن حاجب کے نزدیک کلمہ ہے.اورصاحب مفصل نے وحدت کاقصدکیاہے یعنی اس کے نزدیک کلمہ وہ ایک لفظ ہے جوایک معنی پردلالت کرےلھذاعبداللہ حالت علمیت میں صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ نہیں کہ وہ ایک لفظ نہیں بلکہ مرکب اضافی ہے.قولہ **والمطابقة**:اسمیں بھی ایک سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ کے مصنف کولازم تھاکہ وہ لفظۃ تاء کے ساتھ لکھتے تاکہ مؤنث ہونے میں خبرکی مبتداکے ساتھ مطابقت ہوجاتی.شارح نے جواب دیاکہ یہاں مبتدااورخبرکے درمیان تذکیروتانیث میں مطابقت لازم اورضروری نہیں.کیونکہ خبرمشتق نہیں.جواب کی تفصیل یہ ہے کہ لزوم مطابقت چارشرطوں کے ساتھ مشروط ہے.ا۔خبرکامشتق ہونا۲۔مبتدااورخبردونوں کااسم ظاہرہونا۳۔خبرکے اندرایسی ضمیرکاہوناجومبتداکولوٹے ۴۔خبرکاایسی صفت نہ ہوناجسمیں مذکرومؤنث مساوی ہوتے ہیں.اوریہاں چونکہ خبر(لفظ)مشتق نہیں لھذامطابقت ضروری نہیں.قولہ **مع كون اللفظ اخصر**:یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مذکورہ چارشرطیں وجوب مطابقت کی شرطیں ہیں جنکے نہ ہونے سے مطابقت واجب اورلازم نہیں.لیکن ممتنع بھی نہیں ہے.پس مطابقت اورعدم مطابقت دونوں مساوی ہوئے لھذاالفظ لکھنااورلفظۃ نہ لکھنایہ ترجیح بلامرجح ہے.شارح نے جواب دیاکہ یہاں مرجح

ایک مخصوص طریقہ ہے.نصب(بضم نون وبفتح صاد)نصبۃ کی جمع ہے یعنی وہ علامات جومسافت معلوم کرنے کے لئے لگائی جاتی ہیں،اشارات،اشارۃ کی جمع ہے جوآنکھ وغیرہ سے کئے جاتے ہیں.قولہ **اخصر**:اخصر،صیغہ اسم تفضیل یاتومعنی تفضیل سے خالی ہےاوربمعنی مختصرہے یعنی لفظ،لفظۃ سے مختصرہے.یااخصرمعنی تفضیل پرباقی ہے. اورلفظ اس اعتبارسے لفظۃ سے زیادہ مختصرہے کہ لفظۃ کہتے توصفت اول(وضع)میں تاء بڑھانی پڑتی اورصفت ثانی یعنی مفردمیں بھی تاء کااضافہ کرناپڑتاکیونکہ موصوف اورصفت میں تذکیروتانیث میں مطابقت ضروری ہے.اس لحاظ سے لفظ،لفظۃ سے زیادہ مختصرہے.(عقد)قولہ الوضع:شارح نے وضع کےلغوی معنی بیان نہیں کئے کیونکہ کلام کے اندرلغوی معانی غیرمقصودہوتے ہیں اورکلمہ لفظ کےلغوی معنی اس لئے بیان کئے ہیں کہ وہاں لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کی طرف نقل کرنے کی دوصورتوں کابیان مقصود

قیل یخرج عنہ وضع الحرف حیث لا یفھم منہ معناہ متی اطلق بل اذا اُطلق مع ضم ضمیمۃٍ وّاُجیب بان المرادمتی اطلق اطلاقاصحیحا وّاطلاق الحرف بلا ضم ضمیمۃ غیر صحیح وّلا یبعد ان یقال المراد باطلاق الالفاظ ان یستعملھا اھل اللسان فی محاوراتھم وبیان مقاصد ھم فلاحاجۃ الی اعتبار قید زائد.......................................

کہا گیا ہے کہ وضع کی اس تعریف سے حرف کی وضع خارج ہوجاتی ہے کیونکہ جب حرف اطلاق کیاجاتا ہے تواس سے شئی ثانی یعنی اسکا معنی مفہوم نہیں ہوتا بلکہ حرف کا معنی اس وقت مفہوم ہوتا ہے جبکہ ضم ضمیمہ کے ساتھ ہواور جواب دیا گیا ہے کہ متٰی اُطلق سے مراد اطلاق صحیح ہے اورحرف کااطلاق دوسرے کلمہ کے ملائے بغیرصحیح نہیں ہوتااور یہ کہنابعیدنہیں کہ اطلاق الفاظ سے مراد یہ ہوکہ اہل زبان ان الفاظ کواپنے محاورات اورمقاصد کے بیان میں استعمال کریں.پس اس توجیہ کی صورت میں قیدزائدکی ضرورت نہیں.

موجود ہےاوروہ یہ کہ لفظؔ بنسبت لفظہؔ کے مختصر ہےاوراختصاراولی ہوتا ہے.کیونکہ خیرالکلام ماقل ودل ولم یمل قولہ **قیل یخرج**:اس عبارت میں شارح وضع کی تعریف پروارد ہونے والے اعتراض اوراسکے جواب کوذکرکرتے ہیں.اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ وضع کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے وضع حرف نکل گئی کہ حرف کااطلاق کرنے سے اس کے معنی سمجھ نہیں آتے تاوقتیکہ اس کے ساتھ کسی اورکلمہ کونہ ملایاجائے.اس عتراض کایہ جواب دیا گیاہے کہ وضع کی تعریف میں اطلاق سے مراداطلاق صحیح ہے.اورحرف کااطلاق دوسرے کلمہ کوملائے بغیرصحیح نہیں ہوتا.پس حرف کی وضع مذکورہ تعریف میں داخل ہوئی.کیونکہ جب حرف کااطلاق صحیح کیاجائےتواس سےشئی ثانی سمجھ میں آتی ہے.قولہ **ولایبعد**:اس عبارت میں اوپروالے سوال کادوسرے پیرائے میں جواب دیا گیاہے کہ الفاظ کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ اہل لسان ان الفاظ کواپنے محاورات اورمقاصد کے بیان کرنے میں استعمال کریں.اوراسمیں شک نہیں کہ اہل لسان اپنی بول چال میں حرف کواستعمال کرتے ہیں تواس سےاس کامعنی سمجھ آتا ہے.کیونکہ وہ حرف کوضم ضمیمہ کے ساتھ اطلاق کرتے ہیں.پس وضع کی تعریف میں اطلاقاًصحیحاً کی قیدبڑھانے کی ضرورت نہیں.

ہے جولغوی معنی ذکر کئے بغیربیان نہیں ہوسکتا.قولہ **تخصیص شئ**:.چونکہ شارح مطلق وضع کی تعریف کرنا چاہتے ہیں.اس لئے لفظ نہیں کہابلکہ شئی کہاجولفظ اورغیرلفظ دونوں کوشامل ہے.اسی لئے بعدمیں دولفظ ذکرکئے اطلق جسمیں لفظ کی وضع آگئی کہ اطلاق لفظ کا کیاجاتا ہےاوراحس میں غیرلفظ کی وضع کابیان ہوگیاجیسے دوال اربعہ کہ انکااطلاق نہیں کیاجاتابلکہ وہ محسوس ہوتے ہیں.قولہ **بحیث**:.یہ ظرف مستقرپہلےالشئی سے حال ہے تقدیرعبارت اسطرح ہےای حال کونہ ملابسا بتلک الحیثیۃ قولہ **و اجیب**:.یہ جواب شارح ھندی نے دیاہے.اوراطلاق صحیح کی قیدپرقرینہ یہ ہے کہ وضع کی تعریف میں لفظ اُطلق،کسی قیدکےساتھ مقیدنہیں ہےاورقاعدہ ہے المطلق اذا اطلق یرادبہ الفردالکامل.اوراطلاق کافردکامل اطلاق صحیح ہے.قولہ **ولایبعد**:اس سے شارح جامی نے اپنی طرف سے جواب دیاہے جسکی خوبی یہ ہے کہ اس جواب کی صورت میں قیدبڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی.سوال۔جسطرح اطلاقاًصحیحاً کی قیدشارح ھندی نے بڑھائی ہے فاضل جامی نے بھی ایک قیدبڑھائی ہےاوروہ ان یستعملہا الخ ہے.جواب۔ان یستعملہا،قیدنہیں بلکہ"متی اطلق"کابیان ہے.اوربیان قیدنہیں ہوتا.سوال۔شارح ھندی نے جواطلاقاًصحیحاًمقدرکیا ہے یہ بھی متی اطلق،کابیان ہے قیدنہیں پھرفرق کیاہوا؟.جواب۔اطلاق سے استعمال مرادلیناتبادراورکثیرالوقوع ہے لھذاان یستعمل،متی اطلق کابیان ہے اوراطلاق سے اطلاق صحیح مرادلیناتبادراورکثیرالوقوع نہیں ہے.لھذااطلاقاًصحیحاًقید ہے.سوال۔اگرشارح کاجواب قوی ہےتوپھرلایبعد،کہکریہ جواب کیوں دیاہے؟.جواب:برائےتواضع وکسرنفسی.

﴿فائدہ﴾وضع کی تعریف پرفعل کےساتھ بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ وضع کی تعریف سےفعل خارج ہوتا ہے.کیونکہ فعل اپنے معنی مطابقی پردلالت کرنے میں ضم ضمیمہ کامحتاج

لمعنیً المعنی ما یقصد بشیئ فھو اما مفعل اسم مکان بمعنی المقصد او مصدر میمی بمعنی المفعول او مخففُ معنيّ اسم مفعول کمرميّ وَ لما کان المعنی ماخوذا فی الوضع فذکر المعنی بعده مبنی علی تجریده عنه فخرج به المهملات و الالفاظ الدالة بالطبع اذ لم یتعلق بها وضع و تخصیص اصلا وَ بقیت حروف الهجاءِ الموضوعة لغرض الترکیب لا بازاء المعنی وَ خرجت بقوله لمعنی اذ وضعها لغرض الترکیب لابازاء المعنی.............

(ایسے معنی کیلئے) معنی وہ ہے جو کسی شی سے مرادلیاجائے لفظ معنی بروزن مفعل یاتواسم مکان بمعنی جائے قصد ہے یا مصدر میمی بمعنی اسم مفعول ہے یا معنیّ صیغہ اسم مفعول کامخفف ہے مرمیّ کی مثل اور معنی جبکہ وضع کی تعریف میں داخل ہے تو معنی کاذکر وضع کے بعد معنی کو وضع سے خالی کرنے پرمبنی ہے لہٰذا وضع کی قید سے مہملات اور وہ الفاظ جو بتقاضائے طبیعت دلالت کرتے ہیں خارج ہوگئے اس لئے کہ وضع اور تخصیص کوانکے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں اور حروف ہجاء جو بغرض ترکیب الفاظ موضوع ہیں معنی کے مقابلہ میں موضوع نہیں وہ کلمہ کی تعریف میں باقی رہ گئے اور وہ بھی مصنف کے قول "لمعنی" سے خارج ہوگئے اس لئے کہ انکی وضع بغرض ترکیب ہے معنی کے مقابلہ میں نہیں ہے.

قولہ **لمعنی**: اصطلاح میں معنی اسکو کہتے ہیں جو کسی چیز سے مقصود ہو.پس لفظ معنی اسم ظرف ہے یا مصدر میمی ہے بر تقدیر اول عبارت کامفہوم یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو زمان قصد یا مکان قصد کیلئے وضع کیا گیا ہو.اور بر تقدیر ثانی مفہوم عبارت یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو قصد کیلئے وضع کیا گیا ہو.اور دونوں مفہوم درست نہیں.کیونکہ کلمہ مقصود متکلم کیلئے موضوع ہوتا ہے.شارح نے اس کے دو جواب دیئے ہیں.اول۔یہ کہ صیغہ ظرف بمعنی مفعول یا مصدر میمی بمعنی مفعول ہے.(بطریق مجاز) اور علاقہ مجاز درمیان ظرف اور مفعول کے یہ ہے کہ یہ دونوں فعل کے متعلقات میں سے ہیں.اور علاقہ مجاز مصدر اور مفعول میں کلیت وجزئیت ہے.دوم۔یہ کہ صیغہ اسم مفعول ہے اصل میں مَعْنُوْیٌ تھا.واوٗ یاء جمع ہوئے اول انکا ساکن تھا واوٗ کو یاء کرکے یاء میں ادغام کیا اور ضمہ ماقبل کو بمناسبت یاء کسرہ سے بدلا تو مَعْنِیٌّ ہوا.پھر برائے تخفیف خلاف قیاس اول یاء کو حذف کیا اور کسرہ ماقبل فتحہ سے بدلا تو مَعْنَیٌ ہوا پھر یاء متحرک ماقبل مفتوح کو الف سے بدل کر الف کو اجتماع ساکنین باتنوین کی وجہ سے ساقط کیا تو معنیً ہوگیا. **ولما کان**: اسمیں بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ وضع کے ذکر کے بعد معنی کاذکر بے فائدہ ہے اس لئے کہ معنی کاذکر وضع کی تعریف میں آگیا ہے کیونکہ وضع کی تعریف میں شی ثانی سے مراد معنی ہے.شارح نے جواب دیا کہ وضع کے بعد معنی کاذکر تجرید پرمبنی ہے.یعنی وضع کو معنی سے مجرد کرلیا گیا ہے لھذا اس کے بعد معنی کاذکر تکرار اور بے فائدہ نہیں.قولہ **فخرج**: اس عبارت میں کلمہ کی تعریف میں واقع قیودات کا فائدہ

ہوتا ہے.اس لئے کہ فعل کے معنی مطابقی کے مفہوم میں نسبت الی الفاعل داخل ہے.لھذا ذکر فاعل ضروری ہے جسکی وجہ سے فعل کا معنی مطابقی غیر مستقل اور ضم ضمیر کامحتاج ہوتا ہے.اس کا جواب بھی وہی ہے جو شارح نے حرف کا دیا ہے.یعنی اطلاق سے مراد اطلاق صحیح ہے یا دوسرا جواب جو گزر چکا ہے.سوال۔شارح نے لفظ معنی کا اصطلاحی معنی پہلے کیوں ذکر کیا ہے؟.جواب۔اس لئے کہ معنی کا اصطلاحی معنی لغوی معنی سے مختصر ہے اور مختصر کو پہلے لایا جاتا ہے.قولہ **علی التجرید**: کسی لفظ سے اس کے تضمنی معنی مراد لینے کو تجرید کہتے ہیں.اس جگہ وضع تجرید پرمحمول ہے.یعنی اس سے مراد صرف تخصیص شی ہے اور وضع شی ثانی یعنی معنی سے خالی کرلیا گیا ہے.جسطرح کہ سبحان الذی اسری بعبدہ.میں اسری.کو لیل کے معنی سے خالی کرلیا گیا ہے.اور اس تجرید کا باعث یہ ہے کہ شارح لمعنی کو قید احترازی بنا رہے ہیں.جیسا کہ کہا فخرج به المھملات .اور قید احترازی

فان قلت قد وضع بعض الالفاظ بازاء بعض آخر فكيف يصدق عليه انه وضع لمعنى قلنا المعنى مايتعلق به القصد وهواعم من ان يكون لفظااوغيره فان قلت قد وضع بعض الكلمات المفردةبازاء الالفاظ المركبة كلفظ الجملة والخبر فكيف يكون موضوعًاالمفرد قلنا هذه الالفاظ وان كانت بالقياس الى معانيهامركبةً لكنهابالقياس الى الفاظهاالموضوعة بازائها

پس اگر آپ سوال کریں کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو دوسرے الفاظ کے مقابلہ میں وضع کیے گئے ہیں تو اس بعض پر کیسے صادق آئے گا کہ وہ معنی کے مقابلہ میں موضوع ہے تو ہم جواب دیں گے کہ معنی وہ ہے کہ جسکے ساتھ قصد متعلق ہو اور وہ مقصود عام ہے کہ لفظ ہو یا غیر لفظ ہو پھر اگر آپ سوال کریں کہ بعض کلمات مفردہ الفاظ مرکبہ کے مقابلہ میں وضع کیے گئے ہیں جیسے لفظ جملہ اور خبر. پس وہ بعض مفرد کیلئے کیسے موضوع ہوں گے تو ہم جواب دیں گے کہ یہ الفاظ اگر چہ اپنے معانی کے اعتبار سے مرکب ہیں لیکن یہ اپنے ان الفاظ کے اعتبار سے جوانکے مقابلہ میں موضوع ہیں مفرد ہیں

کا فائدہ بیان کرتے ہیں. جس کی تفصیل یہ ہے کہ وضع سے کلمہ کی تعریف سے مہمل الفاظ اور بالطبع دلالت کرنے والے الفاظ خارج ہو گئے. کیونکہ وضع کا ان سے کوئی تعلق نہیں. اور کلمہ کی تعریف میں حروف تہجی باقی رہے جو کلمات کی ترکیب کے لئے وضع کئے گئے ہیں. پھر وہ معنی کی قید سے خارج ہو گئے. اس لئے کہ حروف تہجی صرف کلمات مرکب کرنے کے لئے وضع کیے گئے ہیں. معنی کے لئے موضوع نہیں ہیں. قولہ **فان قلت**: اس عبارت میں کلمہ کی تعریف پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا ذکر کرتے ہیں. وہ اعتراض یہ ہے کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو دوسرے الفاظ کے لئے وضع کئے گئے ہیں. جیسے لفظ اسم زید، عمر، بکر، وغیرہ کے لئے وضع کیا گیا ہے. اور لفظ فعل ضرب، یضرب، اضرب وغیرہ کے لئے وضع کیا گیا ہے. اور لفظ حرف من، الی وغیرہ کے لئے وضع کیا گیا ہے. پس یہ الفاظ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے. کیونکہ یہ معنی کے لئے موضوع نہیں بلکہ لفظ کے لئے موضوع ہیں. لہٰذا تعریف جامع نہ رہی قولہ **قلنا**: اس عبارت میں شارح نے سوال مذکور کا جواب دیا ہے وہ یہ کہ معنی سے مراد وہ چیز ہے جس سے متکلم کے قصد کا تعلق ہو یعنی لفظ بولکر جو مراد لیا جائے. عام ازیں کہ وہ چیز لفظ ہو یا غیر لفظ. پس الفاظ مذکورہ کلمہ کی تعریف میں داخل رہے اور کلمہ کی تعریف جامع رہی قولہ **فان قلت**: اس عبارت میں بھی شارح ایک اعتراض ذکر فرما کر اسکا جواب دے رہے ہیں. جسکی تفصیل یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف ان مفرد الفاظ پر صادق نہیں آتی جو مرکب الفاظ کے مقابلہ میں وضع کئے گئے ہیں. مثلا لفظ جملہ وخبر جو زید قائم کیمقابلہ میں موضوع ہے. کیونکہ یہاں الفاظ مفردہ کی وضع معنی مفرد کے لئے نہیں ہے. قولہ **قلنا**: یہ مذکورہ سوال کا جواب ہے. شارح فرماتے ہیں کہ زید قائم اگر چہ اپنے معنی

کے لئے صراحۃ مذکور ہونا ضروری ہے. یا معنی کا ذکر از قبیل التصریح بما علم ضمنا ہے. قولہ **حروف الهجاء**: حروف تہجی اس لئے وضع کئے گئے ہیں کہ ان سے الفاظ مرکب کئے جائیں. تو ترکیب الفاظ انکی وضع سے غرض ہے ترکیب الفاظ انکے معنی نہیں. کیونکہ حروف تہجی بولنے سے ترکیب الفاظ مفہوم نہیں ہوتی. لہٰذا معنی کی قید سے وہ کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے. قولہ **فان قلت**: یہ اعتراض ایک مقدمہ وھمیہ پر مبنی ہے وہ یہ کہ معنی زیادہ تر لفظ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے لہٰذا معنی کا اطلاق لفظ پر نہیں ہوگا. پس لفظ اسم سے زید، عمرو وغیرہ مراد لینے کی صورت میں زید وغیرہ پر معنی کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ یہ لفظ ہیں اور لفظ تو معنی کا مقابل ہے. شارح نے جواب دیا کہ کلمہ کی تعریف میں معنی سے مراد ما یقصد بشئی ہے خواہ وہ لفظ ہو یا غیر لفظ لہٰذا ان کلمات پر **وضع لمعنى** صادق آتا ہے. ﴿فائدہ﴾ لفظ خبر اور جملہ کے ساتھ کلمہ کی تعریف پر یہ اعتراض اس صورت میں وارد ہوگا کہ لفظ مفرد کو معنی کی صفت قرار دیں اس لئے کہا گیا ہے اس اعتراض کو مفرد کے بعد ذکر کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس کا تعلق مفرد سے ہے لیکن چونکہ یہ شبہ سابقہ جواب سے پیدا ہوا ہے نیز ان دونوں سوالوں کا جواب مشترک ہے اس لئے شارح نے اس سوال کو مقدم کر دیا ہے.

مفردةٍوقد اجيب عن الاشكالين بانه ليس ههنا لفظ وضع بازاء لفظ آخر مفردًا كان او مركبا بل بازاء مفهوم كلي افراده الفاظ كلفظ الاسم و الفعل و الحرف و الخبر والجملةوغيرها ولايخفى عليك ان هذاالحكم منقوض بامثال الضمائر الراجعةالى الفاظ مخصوصة مفردةٍ او مركبة فان الوضع فيها و ان كان عاما لكن الموضوع له خاص فليس هناك مفهوم كلي هو الموضوع له في الحقيقة مُفردٌ وهواما مجرور..........................

اوربعض نے دونوں سوالوں کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں کوئی لفظ کسی دوسرے کے مقابلہ میں وضع نہیں کیا گیا خواہ وہ لفظ مفرد ہو یا مرکب ہو بلکہ لفظ اس مفہوم کلی کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے کہ جسکے افراد الفاظ ہیں جیسے لفظ اسم ،فعل ،خبراور جملہ وغیرہ .اورآپ پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ حکم ضمیروں کے امثال کے ساتھ جوالفاظ مخصوصہ مفردہ یامرکبہ کی طرف راجع ہیں منقوض ہے کیونکہ امثال ضمائر میں وضع اگرچہ عام ہے لیکن ان کاموضوع لہ خاص ہے لہٰذا یہاں مفہوم کلی نہیں ہے جوحقیقت میں موضوع لہ ہو(جومفرد ہے)اوروہ مفرد یاتو مجرور ہے.

کے اعتبار سے مرکب ہے لیکن بنسبت لفظ جملہ وخبر کے مفرد ہے.لہٰذا یہ الفاظ کلمہ میں داخل ہیں اور کلمہ کی تعریف جامع ہے قولہ **وقد اجیب** :اس عبارت میں دونوں سوالوں کا بطریق منع جواب دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں بعض الفاظ دوسرے الفاظ کے مقابلہ میں موضوع نہیں بلکہ یہ الفاظ (اسم ،فعل ،حرف اور جملہ وخبر)ایک مفہوم کلی کے لئے موضوع ہیں جس کے افراد الفاظ ہیں مثلاً لفظ اسم کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے جس کے افراد زید ،بکروغیرہ ہیں .لفظ فعل کی وضع ایک مفہوم کلی کے لئے ہے اور ضرب وغیرہ اس مفہوم کے افراد ہیں .اور لفظ حرف کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے یعنی جو مستقل معنی پر دلالت نہ کرے اور من ،الی وغیرہ اس مفہوم کے افراد ہیں .اسیطرح لفظ جملہ وخبر بھی ایک مفہوم کلی کے لئے موضوع ہے اور زید قائم ،ضرب زید وغیرہ اس مفہوم کے افراد ہیں. **ولایخفی**:اسمیں شارح نے اوپر والے جواب کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لفظ کا مفہوم کلی کے لئے موضوع ہونا ضمیروں پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ ضمیروں کی وضع مخصوص چیزوں کے لئے ہے نہ کہ مفہوم کلی کے لئے .کیونکہ ضمیروں کی وضع اگرچہ عام ہے لیکن ان کا موضوع لہ خاص ہوتا ہے .پس یہاں ضمیروں میں کوئی مفہوم کلی نہیں جو حقیقت میں موضوع لہ ہو .اس کا جواب شارح علیہ الرحمۃ نے نہیں دیا .علامہ فرماتے ہیں کہ یہ حقیر عبداللطیف جواب دیتا ہے کہ ضمیروں کے متعلق دو مذھب ہیں .(۱)علمائے متقدمین کا مذھب .(۲)علمائے متاخرین کا مذھب .متقدمین کے نزدیک ضمیریں مفہوم کلی کے لئے موضوع ہیں لیکن ان کا استعمال جزئیات میں ہوتا ہے .اورمتاخرین کے نزدیک ضمیریں جزئیات کثیرہ کے لئے موضوع ہیں .لیکن انمیں مفہوم کلی کا لحاظ بھی ہوتا ہے .اور یہ دوسرا جواب متقدمین کے مذھب پرمبنی ہے .قولہ **وھواما مجرور**:اس عبارت میں شارح نے مصنف کے قول "مفرد" کے ترکیبی احتمال بیان کئے ہیں جو کہ تین ہیں.

قولہ **مفھوم کلی**:مثلاً لفظ اسم ایسے معنی مستقل کے لئے موضوع ہے جو زمانہ سے مقترن نہ ہو اور لفظ زید وغیرہ اس مفہوم کلی کے افراد ہیں .اور لفظ فعل ایسے معنی مستقل کے لئے موضوع ہے جو زمانہ سے مقترن ہو اور لفظ ضرب وغیرہ اس مفہوم کلی کے افراد ہیں .اور لفظ حرف معنی غیر مستقل کیلئے موضوع ہے اور من وغیرہ اس کے افراد ہیں علی ہذا القیاس لفظ جملہ وغیرہ بھی قولہ **وقداجیب عن الاشکالین** :یہ جواب انکاری ہے اور پہلا جواب تسلیمی ہے .لہٰذا یہ جواب انکاری پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا کہ انکار پہلے ہوتا ہے اور تسلیم بعد میں .شاید اس جواب کے ضعف کی وجہ سے شارح نے اسکو مؤخر کردیا ہے .قولہ **بامثال الضمائر** :۔یہ اس لئے کہا کہ اسماء اشارہ وغیرہ ضمیر کی

علی انہ صفۃ للمعنٰی و معناہ حـ ما لایدل جزءُ لفظہ علی جزء ہ وفیہ انہ یوھم ان اللفظ موضوع للمعنی المتصف بالافراد والترکیب قبل الوضع ولیس الامر کذلک فان اتصاف المعنی بالافراد والترکیب انما ھو بعد الوضع فینبغی ان یرتکب فیہ تجوزٌ کما یرتکب فی مثل من قتل قتیلا فلہ سلبہ أو مرفوع علی انہ صفۃ للفظ ومعناہ حـ مالایدل جزؤہ علی جزء معناہ ؕولا بد حـ من بیان نکتۃ فی ایراداحد الوصفین جملۃً فعلیۃً والآخر مفردًا وکان النکتۃ فیہ التنبیہ علی تقدم الوضع علی الافراد حیث اَتی بہ بصیغۃالماضی بخلاف الافرادوامانصبہ وان لم یساعدہ رسم الخط..........

اس بناپر کہ وہ معنی کی صفت ہے اسوقت معنی مفردکامعنی یہ ہوگا کہ جس معنی کے لفظ کا جزمعنی کے جزپردلالت نہ کرے اوراس توصیف میں یہ وہم ہوتاہے کہ لفظ ایسے معنی کیلئے موضوع ہے جووضع سے قبل افراداورترکیب سے متصف ہیں حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے کیونکہ معنی کاافراد اور ترکیب کے ساتھ متصف ہوناوضع کے بعدہی ہوتاہے پس مناسب ہے کہ اس وہم کے ازالہ کیلئے اسمیں مجازکاارتکاب کیاجائے جیسے مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًافَلَہٗ سَلَبُہٗ کی مثل میں کیاجاتاہے یامفردمرفوع ہے اس بناپرکہ وہ لفظ کی صفت ہے.اوراسوقت مفردکامعنی ہوگاجس لفظ کاجزمعنی کے جزپردلالت نہ کرے اوراسوقت ضروری ہے کہ لفظ کے دو وصفوں میں سے ایک کوجملہ فعلیہ اوردوسرے کومفردلانے میں نکتہ بیان کرتااورگویاکہ اسمیں نکتہ اس بات پرتنبیہ کرناہے کہ وضع افرادپرمقدم ہے کیونکہ وضع بصیغہ ماضی لایاگیاہے برخلاف افرادکے.اوربہرحال مفردکانصب اگرچہ رسم الخط اسکی موافقت نہیں کرتی .

اول۔یہ کہ یہ لفظ معنی کی صفت ہونے کی بناپرمجرورہو.اورمعنی مفردوہ معنی ہے جسکے جزپرلفظ کاجزدلالت نہ کرے.قولہ **وفیہ یوھم**:یہ سوال کاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگرمفردکومعنی کی صفت بنائیں تویہ وھم ہوتاہے کہ معنی افراداورترکیب کی صفت کے ساتھ وضع سے پہلے متصف ہوتاہے حالانکہ معنی کایہ اتصاف وضع کے بعدہوتاہے.شارح علیہ الرحمۃ نے فینبغی سے جواب دیاجس کاخلاصہ یہ ہے کہ معنی کاافراداورترکیب سے قبل الوضع متصف ہونامجازاہے باعتبارمایؤل الیہ کے.جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادگرامی''من قتل قتیلا فلہ سلبہ''میں کافرکواس کےقتل ہونے سے پہلے مقتول کہہ دیاگیاہے۔قولہ **اومرفوع**:یاکلمہ کی تعریف میں واقع لفظ مفردلفظ کی صفت کی بناپرمرفوع ہے.اورلفظ مفرداس لفظ کوکہتے ہیں جسکا جزمعنی کے جزپردلالت نہ کرے.قولہ **ولابد**:یعنی لفظ کی پہلی صفت جملہ فعلیہ اوردوسری صفت مفردیعنی غیرجملہ لانے میں نکتہ اس بات پرتنبیہ کرناہے کہ لفظ کی وضع معنی کے لئے پہلے ہوتی ہے پھروہ لفظ مفردیامرکب ہوتا ہے۔اسی وجہ سے پہلی صفت کوبصیغہ ماضی ذکرکیاگیاہے۔**وامانصبہ**:یعنی لفظ مفردکومنصوب پڑھنااگرچہ قاعدہ رسم الخط کےخلاف ہےکہ مفردکےآخرمیں الف نہیں ہےجبکہ اسم معرب

طرح ہیں قولہ **صفۃ لمعنی**:شارح کےقول لمعنی کےلام میں دواحتمال ہیں.اول۔یہ کہ یہ لام شارح نے بڑھایاہےاسوقت لفظ صفۃ منون پڑھاجائےگا دوم۔یہ کہ یہ وہی لام ہوجومصنف کی عبارت میں ہےاسوقت لفظ صفۃ غیرمنون پڑھاجائےگابوجہ اضافت الی المعنی اورلمعنی سےمرادصرف معنی ہوگاازقبیل اطلاق کل وارادہ جز۔قولہ **و اما نصبہ**۔

فعلى انه حال من المستكن في وضع اومن المعنى فانه مفعول به بواسطة اللام وو جه صحته ان الوضع وان كان مقدما على الافراد بحسب الذات لكنه مقارن له بحسب الزمان و هذاالقدر كاف لصحةالحالية و قيد الافرادلاخراج المركبات مطلقا سواء كانت كلامية او غير كلامية فيخرج به عن حد الكلمة مثل الرجل و قائمةٍو بصريٍ و امثالها مما يدل جزء اللفظ منه على جزء المعنى لكنه يُعَدُّ لشدة الامتزاج لفظةً واحدةً و اُعرِب باعراب واحد

پس وہ اس بناپر ہے کہ مفرد حال ہے وُضع کی ضمیر مستتر سے یا معنی سے کیونکہ معنی بواسطہ لام وُضع کا مفعول بہ ہے اور حال کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وضع اگرچہ ذات کے اعتبار سے اِفراد پر مقدم ہے لیکن زمانہ کے اعتبار سے اس سے مقارن ہے اور مقارنت اتنی مقدار میں حال کے صحیح ہونے کیلئے کافی ہے اور افراد کی قید مطلق مرکبات کو خارج کرنے کیلئے ہے خواہ وہ مرکبات کلامیہ ہوں یا غیر کلامیہ پس افراد کی قید سے الرَّجُل اور قائمۃ اور بَصرِیّ اور ان جیسے مرکبات جن کے لفظ کے جز معنی کے جز پر دلالت کرتے ہیں لیکن شدت اتصال کی وجہ سے انکوایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے اور وہ ایک اعراب کے ساتھ معرب ہوتے ہیں وہ تمام کلمہ کی تعریف سے خارج ہوگئے.

کی حالت نصبی میں الف ہوتا ہے. پس یہ نصب وُضع کی ضمیر یا معنی سے حال ہونے کی بنا پر ہے. کیونکہ معنی بواسطہ لام وُضع کا مفعول ثانی ہے. قولہ **و وجہ صحتہ** : یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ مفرد کو وضع کی ضمیر یا معنی سے حال ماننا صحیح نہیں. اس لئے کہ ذوالحال کے عامل اور حال میں مقارنت ہوتی ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ وضع ذات کے اعتبار سے اِفراد پر مقدم ہے. شارح نے جواب دیا کہ وضع ذات کے اعتبار سے اگرچہ افراد پر مقدم ہے لیکن دونوں میں بحسب زمان اقتران پایا جاتا ہے جو حال کی صحت کے لئے کافی ہے. قولہ **وقیدالافراد**: اس عبارت میں شارح نے ایک فائدہ پر متنبہ کیا ہے وہ یہ کہ مفرد کی قید سے کلمہ کی تعریف سے تمام مرکبات کلامیہ (تامہ) اور غیر کلامیہ (ناقصہ) خارج ہوگئے کیونکہ انکے جز معنی کے جز پر دلالت کرتے ہیں. قولہ **فیخرج بہ** : یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفرد کی قید سے الرجل، قائمۃ، بصری اور انکی مثل دوسرے وہ الفاظ جنکا جز معنی کی جز پر دلالت کرتا ہے. کلمہ کی تعریف سے خارج ہوگئے حالانکہ یہ مفرد ہیں کیونکہ معرب

شارح نے بیان نصب میں اسلوب بیان تبدیل کر کے لفا نصبہ کہا ہے اس کی وجہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نصب رسم الخط کے قاعدہ کے خلاف ہے اور بیان نصب کو مؤخر کرنے کی وجہ بھی یہی ہے. چونکہ اسم منون کی تنوین حالت وقف میں الف ہو جاتی ہے اس لئے متاخرین نے حالت نصب میں الف لکھنے کا التزام کیا ہے. قولہ **حال من المستکن** : ☆سوال☆ اگر مفرد وُضع کی ضمیر سے حال ہے تو یہ وضع کے بعد متصلا کیوں نہیں ہے☆ جواب☆ اس لئے کہ بصورت تقدیم واتصال معنی سے حال بنانے کا احتمال ختم ہو جاتا. اور بعض کے نزدیک حال کا مقام مفعول بہ کے بعد ہے خواہ فاعل سے حال ہو یا مفعول بہ سے۔ قولہ **بواسطۃ اللام**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفرد کو معنی سے حال بنانا درست نہیں. کیونکہ ذوالحال اور حال کا عامل ایک ہوتا ہے اور اس صورت میں ذوالحال کا عامل لام جارہ ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ معنی (ذوالحال) کا عامل لام نہیں بلکہ وہ ایک واسطہ ہے اور معنی کا عامل وضع ہی ہے۔ قولہ **الرجل** : اسمیں لام تعیین پر دال ہے اور رجل کا معنی مرد ہے. اور لفظ الرجل حرف اور اسم سے مرکب ہے اور قائمۃ میں قائم معنی اشتقاقی پر دال ہے اور تاء تانیث پر اسی طرح بصری میں پہلا جز ایک شہر پر دال ہے اور یائے نسبت منسوب ہونے پر دال ہے. قولہ **وامثالھا**: امثالھا کی ضمیر کا مرجع الرجل، قائمۃ اور بصری ہے۔ **مما**: اس کا من بیانیہ ہے اور یہ امثالھا کا بیان ہے. اور منہ کی ضمیر کا مرجع **ما** کا ما

و بقی مثل عبداللہ علمًا داخلا فیہ مع انہ معرب باعرابین ولایخفی علی الفطن العارف بالغرض من علم النحو انہ لو کان الامر بالعکس لکان انسب..........................

اور مثل عبداللہ بحالت علمیت کلمہ کی تعریف میں باقی رہا باوجود اس بات کے کہ عبداللہ معرب باعرابین ہے اور علم نحو کی غرض سے باخبر ہوشیار انسان سے یہ بات مخفی نہیں کہ اگر یہ معاملہ برعکس ہوتا تو زیادہ مناسب تھا.

باعراب واحد ہیں لہٰذا کلمہ کی تعریف جامع نہ رہی۔اس کا یہ جواب ہے کہ ہاں یہ بھی کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے اور ان کے خارج ہونے سے کلمہ کی تعریف کے جامع ہونے میں فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ حقیقت میں ہیں ہی دو لفظ لیکن حکما ایک لفظ ہیں اس لئے ان پر ایک اعراب آتا ہے۔قولہ **و بقی مثل عبداللہ** :اس عبارت میں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ اسمیں عبداللہ بحالت علمیت داخل ہوتا ہے کہ حالت علمیت میں عبداللہ کا جز معنی کے جز پر دلالت نہیں کرتا حالانکہ یہ مرکب ہے کہ معرب باعرابین ہے۔اس کا یہ جواب ہے کہ کلمہ کی تعریف میں عبداللہ کے باقی رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ علمیت کی حالت میں وہ ایک کلمہ ہے اور اس کا دو اعرابوں سے معرب ہونا اس وجہ سے ہے کہ اعلام میں حال سابق کا لحاظ کیا جاتا ہے۔یعنی جسطرح علم ہونے سے پہلے ہر جز پر جدا جدا اعراب تھا علم ہو جانے کے بعد بھی اسیطرح جدا جدا اعراب آتا ہے۔قولہ **ولایخفی**:یہاں شارح ایک سوال قائم کر رہے ہیں جو کلمہ کی تعریف پر وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ نحوی لفظ کے احوال یعنی اعراب وبنا اور کیفیت ترکیب سے بحث کرتے ہیں اور لفظ کے اعتبار سے الرجل وغیرہ لفظ مفرد ہیں کہ معرب باعراب واحد ہیں لہٰذا انکو کلمہ کی تعریف میں باقی رہنا چاہئے۔اور عبداللہ لفظ کے اعتبار سے مرکب ہے اس لئے اسکو کلمہ کی تعریف سے خارج ہونا چاہئے جس کے پیش نظر مصنف اگر برعکس کرتے یعنی مفرد کی قید ترک کر کے الرجل وغیرہ کو کلمہ کی تعریف میں باقی رکھتے۔اور لفظ کہکر عبداللہ کو کلمہ کی تعریف سے نکال دیتے تو یہ زیادہ اچھا تھا۔﴿فائدہ﴾شارح نے لایخفی سے سوال پر تنبیہ کر کے اس کا جواب نہیں دیا۔علامہ عبداللطیف فرماتے ہیں کہ فقیر اس کا جواب دیتا ہے کہ نحوی صرف لفظ سے بحث نہیں کرتے بلکہ لفظ کے ساتھ ساتھ معنی کا لحاظ بھی کرتے ہیں۔اس لئے عبداللہ مفرد ہے اور الرجل وغیرہ مرکب ہیں.

ہے اور علی جزء المعنی یدل کی ظرف لغو ہے اور لکنہ کی ضمیر کا مرجع گزشتہ مثالیں الرجل وغیرہ بتاویل المذکور ہیں یا لفظ مثل ضمیر کا مرجع ہے۔یعد۔کی ضمیر مستتر (نائب فاعل) کا مرجع گزشتہ مثالیں بتاویل المذکور ہیں۔اور لفظ واحدۃ،یعدّ کا مفعول ثانی ہے۔☆سوال☆مثل الرجل، میں لفظ مثل نے قاعدہ کلیہ کا افادہ کیا یعنی جو اسم بھی الرجل اور قائمۃ اور بصری کی مثل ہوں وہ تمام مفرد کی قید سے کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے پھر لفظ امثالھا لانے کا کیا فائدہ ہے؟۔یہ تو مستدرک ہو گیا۔☆جواب☆لفظ مثل اور لفظ امثال ان دونوں لفظوں کے الگ الگ فائدے ہیں۔اس لئے امثال کا ذکر بے فائدہ نہیں۔جسکی تفصیل یہ ہے کہ لفظ مثل نے یہ فائدہ دیا کہ جو لفظ اسم اور حرف سے مرکب ہو جیسے الرجل وغیرہ وہ مفرد کی قید سے کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گیا اور امثالھا کا یہ فائدہ ہے کہ تثنیہ وجمع جیسے مسلمان اور مسلمون بھی خارج ہو گئے۔☆سوال☆مفرد درج ذیل معانی اربعہ میں مشترک ہے۔(۱)مقابل مرکب۔(۲)مقابل تثنیہ وجمع۔(۳)مقابل مضاف ومشابہ مضاف۔(۴)مقابل جملہ لہٰذا کلمہ کی تعریف میں لفظ مفرد لانا صحیح نہیں کیونکہ تعریف میں لفظ مشترک نہیں لایا جاتا۔☆جواب☆تعریف میں لفظ مشترک لانا اس وقت جائز نہیں جب کسی ایک معنی کی تعیین پر قرینہ نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ مفرد کا متبادر معنی مقابل مرکب ہے۔قولہ **مثل عبداللہ**:اس سے مراد وہ مرکب اضافی ہے جو علم بن جانے کی وجہ سے مفرد ہو کیونکہ علمیت کے بعد اس مرکب اضافی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اس اسم کا مسمی ہوتا ہے۔معنی اضافی مراد نہیں ہوتا۔مثلا عبداللہ میں عبودیت اور ذات واجب الوجود مراد نہیں ہوتی۔قولہ **انسب**:☆سوال☆نحوی قاعدہ کے مطابق باب ناسب کا اسم تفضیل انسب بروزن افعل نہیں آسکتا بلکہ اشد مناسبۃ کہکر اس کا معنی ادا کیا جاتا ہے تو شارح نے انسب کیوں کہا جو غلط ہے؟۔

وماورده صاحب المفصل فی تعریف الکلمۃحیث قال ھی اللفظۃ الدالۃ علی معنًی مفردٍ بالوضع فمثل عبداللہ علما خرج عنہ فانہ لا یقال لہ لفظۃٌ واحدۃٌ و بقی مثل الرجل و قائمۃ و بصری ممایعد لشدۃ الامتزاج لفظۃًواحدۃً داخلا فیہ فاخرجہ بقید الافراد و لو لم یخرجہ بترکہ لکان انسبَ لما عرفت و اعلم ان الوضع یستلزم الدلالۃلان الدلالۃکون الشئی بحیث یفھم منہ شئی آخر فمتی تحقق الوضع تحققت الدلالۃفبعد الذکرالوضع لا حاجۃ الی ذکر الدلالۃکما وقع فی ھذاالکتاب..

اورصاحب مفصل نے کلمہ کی تعریف میں جو اَللَّفظۃ بتائے وحدت ذکرکیاہے جبکہ انہوں نے کلمہ کی تعریف میں یہ کہاہے ھی اللفظۃ الخ.پس عبداللہ جیسامرکب بحالت علمیت اس تعریف سے خارج ہوگیا کیونکہ اسے لفظ واحدنہیں کہاجاتااورالرجل وقائمۃ وبصریؔ کامثل جوشدت اتصال کی وجہ سے لفظ واحدشمارکیاجاتاہے وہ کلمہ کی تعریف میں باقی رہ گیاجسکوصاحب مفصل نے افرادکی قیدسے نکال دیااوراگرصاحب مفصل افرادکی قیدترک کرکے مثل الرجل کوخارج نہ کرتے توزیادہ مناسب تھاوجہ تم جان چکے ہواورجان لوکہ وضع دلالت کومستلزم ہے.کیونکہ دلالت شی کااس طرح ہوناہے کہ اس سے دوسری شی سمجھی جائے لہٰذاجب وضع موجودہوگی تودلالت بھی پائی جائیگی.پس وضع کے ذکرکرنے کے بعددلالت کے ذکرکرنے کی حاجت نہیں جس طرح کہ اس کتاب میں واقع ہوا.

قولہ **وماورده** :ابن حاجب کی تعریف میں دواعتبارسے شارح کےنزدیک خلل تھاجسکوبیان کرنے کے بعدصاحب مفصل کی تعریف میں واقع خلل کی نشان دہی فرماتے ہیں کہ صاحب مفصل نے کلمہ کی تعریف میں ھی اللفظۃ (تاء کے ساتھ) لکھاجس سے مثل عبداللہ بحالت علمیت خارج ہوگیا کہ وہ ایک لفظ نہیں اورمثل الرجل وقائمۃ وبصری کلمہ کی تعریف میں داخل رہا کہ وہ ایک لفظ ہے لیکن صاحب مفصل سے یہ کوتاہی ہوئی کہ کلمہ کی تعریف کے آخرمیں اس نے مفردکی قیدبڑھاکرمثل الرجل کوخارج کردیاہے کیونکہ ان کے معنی مفردنہیں.یہ اچھانہیں کیابلکہ افرادکی قیدترک کرکے مثل الرجل کوکلمہ میں رہنے دیتاتویہ انسب تھاجیساکہ تومعلوم کرچکاہے.اس کاجواب بھی وہی ہے جوگزرچکاہے.یعنی نحوی صرف لفظ سے بحث نہیں کرتے بلکہ معنی کالحاظ بھی کرتے ہیں اورمعنی کے اعتبارسے مثل الرجل مفردنہیں ہے.قولہ **واعلم ان الوضع**:یہ ایک سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف میں دلالت معتبرہے یانہیں.اگرمعتبرہے تومصنف کی عبارت میں قصورلازم آتاہے.

☆جواب☆یہاں باب ناسب سے انسب بطریق شاذآیاہے اورجوشاذاستعمال کےموافق ہووہ مردوداورغلط نہیں ہوتا.☆سوال☆شارح نے لکان صوابا کیوں نہیں کہا؟☆جواب☆اس لئے کہ ابن حاجب نے جوکچھ کہاوہ اس کی اصطلاح ہے اورکسی کی اصطلاح کوناصواب اورغلط نہیں کہاجاسکتاالبتہ اس کے خلاف انسب ہوسکتاہے.﴿فائدہ﴾علامہ رضی فرماتے ہیں کہ مفردکس کی صفت ہے لفظ کی یامعنی کی؟اسمیں تین قول ہیں.(۱)اہل معانی کاقول۔(۲)مناطقہ کاقول۔(۳)نحات کاقول۔اہل معانی جانب معنی کالحاظ کرتے ہوئے مفردکومعنی کی صفت بتاتے ہیں۔اہل منطق جانب لفظ کااعتبارکرتے ہیں لھذاانکےنزدیک مفردلفظ کی صفت ہے اورنحات جانب لفظ ومعنی دونوں کالحاظ کرتےہیں اس لئے ان کےنزدیک مفردلفظ اورمعنی دونوں کی صفت ہےاورعارف جامی نےصرف جانب لفظ کالحاظ کرکےاعتراض کیاہے.حالانکہ نحات جانب لفظ ومعنی دونوں کالحاظ کرتے ہیں پس ابن حاجب نے جانب لفظ کااعتبارکرتے ہوئے الرجل کوخارج کردیااورجانب معنی کااعتبارکرتے ہوئے عبداللہ کوکلمہ سےخارج نہیں کیا.اورصاحب مفصل نےلفظ اورمعنی دونوں کالحاظ کیاتودونوں کوخارج کردیا.قولہ **یستلزم الدلالۃ**:یعنی وضع کےذکرکرنے میں دلالت کاذکرہوچکاہےکیونکہ دلالت وضع کولازم ہے.جسطرح کہ خاص،عام کولازم ہوتاہے.مثلاحیوان عام اورانسان خاص ہےتوحیوان کےذکرمیں انسان کاذکربھی آجاتا

لکن الدلالۃ لا تستلزم الوضع لامکان أن تکون بالعقل کدلالۃ لفظ دیز المسموع من وراء الجدار علی وجود اللافظ و ان تکون بالطبع کدلالۃ اُح اُح علی وجع الصدر فبعد ذکر الدلالۃ لا بد من ذکر الوضع کما فی المفصل وَھِیَ ای الکلمۃ اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ ای منقسمۃ الی ھذہ الاقسام الثلثۃ و منحصرۃ فیھا لانھا ای الکلمۃ لما کانت موضوعۃ لمعنًی

لیکن دلالت وضع کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ دلالت عقل کے ذریعے سے ہو جیسے لفظ دَیز کی دلالت جو دیوار کے پیچھے سے مسموع ہے بولنے والے کے وجود پر اور ممکن ہے کہ وہ دلالت طبع سے ہو جیسے اُح اُح کی دلالت سینے کے درد پر لہٰذا دلالت کے ذکر کرنے کے بعد وضع کا ذکر کرنا ضروری ہے جیسا کہ مفصل میں ہے (اور وہ) یعنی کلمہ (اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے) یعنی ان تین قسموں کی طرف منقسم ہے اور انہی تین میں منحصر ہے۔ (کیونکہ وہ) یعنی کلمہ جب معنی کیلئے موضوع تھا۔

کہ انہوں نے کلمہ کی تعریف میں دلالت کا ذکر نہیں کیا۔ اور اگر معتبر نہیں ہے تو مفصل کی تعریف میں دلالت کا ذکر بے فائدہ ہوا۔ شارح نے جواب دیا کہ کلمہ کی تعریف میں دلالت معتبر ہے اور مصنف کی عبارت میں قصور لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ انہوں نے تعریف میں وضع کا ذکر کیا ہے اور وضع دلالت کو مستلزم ہے کیونکہ دلالت یہ ہے کہ لفظ بولا جائے تو اس سے معنی سمجھ میں آجائیں۔ پس وضع کے ضمن میں دلالت بھی مذکور ہوگئی لہٰذا وضع کے ذکر کرنے کے بعد دلالت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی جیسا کہ اس کتاب میں ہے۔ اور مصنف کی عبارت میں کوئی قصور لازم نہیں آیا۔ قولہ **لکن الدلالۃ**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جسطرح وضع دلالت کو مستلزم ہے ایسے ہی دلالت بھی وضع کو مستلزم ہے تو دلالت کا ذکر کرنے کے بعد وضع کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ پھر مفصل میں دلالت کے بعد وضع کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ دلالت وضع کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ دلالت بغیر وضع کے بھی پائی جاتی ہے جیسے دلالت عقلیہ مثلاً لفظ دیز جو دیوار کے پیچھے سنایا جاتا ہے وہ وجود لافظ پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ دلالت عقلی ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ دلالت طبعی ہو جیسے اُح اُح کی دلالت سینے کے درد پر پس دلالت کے ذکر کے بعد وضع کا ذکر ضروری ہے جیسے صاحب مفصل نے کیا قولہ **ای الکلمۃ**: اس تفسیر میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ ھی ضمیر کا مرجع الکلمۃ ہے مصنف نے تقسیم کلمہ میں اسم کو اسکی شرافت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ پھر فعل کو ذکر کیا ہے کیونکہ فعل کلام کا ایک جز بنتا ہے۔ اور وجہ حصر میں برائے اختصار حرف کو مقدم کیا ہے۔ قولہ **ای منقسمۃ**: اس تفسیر میں شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ کلمہ کی تقسیم ہے جو کہ تعریف کی مثل موجب انکشاف ہوتی ہے اور منحصرۃ کے اضافہ میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جو مصنف کی عبارت "**لانھا**" پر وارد ہوتا ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ مصنف کا قول "**لانھا**" کلمہ کے تین قسموں میں منحصر ہونے کی دلیل ہے اور دلیل دعویٰ کے بغیر نہیں ہوتی لیکن یہاں دعویٰ نہیں ہے تو مصنف کی دلیل بلا دعویٰ رہ گئی۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں دعویٰ مقدر ہے اور وہ منحصرۃ ہے۔ قولہ **ولما کانت**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے قول "**لانھا**" سے کلمہ کے اقسام ثلثہ میں منحصر ہونے کی دلیل ذکر کی ہے۔ جسمیں دلالت کا ذکر کیا ہے جبکہ کلمہ کی تعریف میں دلالت کا ذکر نہیں

ہے ایسے ہی وضع عام ہے اور دلالت خاص تو جہاں وضع ہوگی اس کے ضمن میں دلالت بھی پائی جائیگی۔ قولہ **حرف**: چونکہ حرف بمعنی طرف ہے اس لئے ماتن نے تقسیم میں حرف کو طرف آخر میں ذکر کیا اس کے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہ اس کا مرتبہ اسم اور فعل سے کم ہے۔ اور دلیل حصر میں طرف اول میں ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی تعریف عدمی ہے اور کائنات میں وجود پر عدم مقدم ہے۔ قولہ **ای منقسمۃ**: شارح کے قول "ای منقسمۃ" سے بعض حضرات کو یہ وہم ہوا کہ شارح نے ھی مبتدا کی خبر محذوف مانی ہے جو منقسمۃ ہے۔ لیکن یہ درست نہیں علامہ نور محمد مدقق فرماتے ہیں ولیس قولہ منقسمۃ اشارۃ الی تقدیر الخبر کما وھم اور حاشیہ ملا جمال میں ہے کہ اشارۃ الی انہ لیس بیان حکم

والوضع يستلزم الدلالة فهي اِمّامن صفتها ان تدل علي معنى كائن في نفسها اى في نفس الكلمة والمراد بكون المعنى في نفسها ان تدل عليه بنفسها من غير حاجة الى انضمام كلمة اخرى اليها لاستقلاله..............................

اور وضع دلالت کو مستلزم ہے تو کلمہ یا اسکی صفت میں سے ہے ایسے معنی پر دلالت کرنا جو کلمہ کے نفس میں ہے. یعنی ذات کلمہ میں ہے اور معنی کے نفس کلمہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس معنی پر بذات خود دلالت کرے بغیر اسکے کہ اسے کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی حاجت ہو کیونکہ وہ معنی مستقل

ہے اس سے دعوی اور دلیل میں مخالفت لازم آئی. شارح نے جواب دیا کہ کلمہ کی تعریف میں بھی دلالت کا ذکر موجود ہے اور وہ اسطرح کہ کلمہ کی تعریف میں وضع مذکور ہے اور وضع کو دلالت لازم ہے. پس کلمہ کی تعریف میں حکمنا دلالت مذکور ہوئی ہے. لہٰذا دعوی اور دلیل میں مخالفت لازم نہیں آئی. قولہ **امامن صفتها**: اس میں بھی ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ کی عبارت "**لانها**" میں ھاء ضمیر حرف مشبہ بفعل کا اسم ہے جو کلمہ کی طرف راجع ہے اور کلمہ ذات ہے اور "ان تدل علی معنی" بتاویل مصدر اَنَّ حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے لہٰذا اس عبارت میں وصف محض کا حمل ذات پر لازم آیا جو صحیح نہیں. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں جانب خبر میں "من صفتہا" مقدر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے **لانها امامن صفتها ان تدل على معنى** پس ان تدل یا ظرف کا فاعل ہے اور یہ جملہ ظرفیہ اَنَّ حرف مشبہ بفعل کی خبر ہے یا **ان تدل**، مبتدا ہے اور **من صفتها** اس کی خبر مقدم ہے پھر یہ جملہ اسمیہ اَنّ کی خبر ہے. قولہ **فی نفس الكلمة**: اس عبارت میں شارح نے فی نفسہا کی ضمیر مجرور کا مرجع بتایا ہے. اور اپنے قول **والمراد** سے ایک سوال کا جواب دیا ہے. سوال۔ یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تکرار ہے کیونکہ معنی کا نفس کلمہ میں ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ معنی، کلمہ کا مدلول علیہ ہے اور یہی **ان تدل** کے معنی ہیں. شارح نے جواب دیا کہ معنی کا نفس کلمہ میں ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ کلمہ اس معنی پر بذات خود دلالت کرے یعنی کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی اس کو

من احکامہا بل تقسیم لہا یعنی منحصرۃ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کا قول "اسم وفعل وحرف کلمہ کے احکام میں سے اس کا حکم نہیں بلکہ یہ کلمہ کی تقسیم ہے اور حاشیہ عبد الرحمٰن میں ہے **منقسمة هذاتقسيم لابيان حكم للكلمة**۔ قولہ **منحصرة**: واضح رہے کہ مصنف کا قول **لانها** کا متعلق منقسمۃ نہیں ہے کیونکہ لانہا، تقسیم کی دلیل نہیں بلکہ یہ دلیل انحصار ہے. اس لئے یہ منحصرۃ مقدر کے متعلق ہے جو مقام بیان میں چوتھی قسم کو بیان نہ کرنے سے مفہوم ہوتا ہے. قولہ **ای الكلمة**: شارح نے اس تفسیر میں سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ھی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں. اول۔ یہ کہ مرجع لفظ الکلمۃ ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے تقسیم الشئی الی نفسہ والی غیرہ لازم آتی ہے. کیونکہ لفظ الکلمۃ اسم ہے تو مصنف کا قول "ھی اسم" یہ اسم کی تقسیم اسم کی طرف ہے اور اس کا قول "فعل وحرف" یہ تقسیم اسم غیر اسم کی طرف ہے. اور تقسیم الشئی الی نفسہ والی غیرہ باطل ہے. دوسرا احتمال یہ ہے کہ ھی ضمیر کا مرجع مفہوم الکلمۃ ہے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ مفہوم کلمہ مؤنث نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ ھی ضمیر کا مرجع لفظ کلمہ ہے اور تقسیم مفہوم کلمہ کی ہے نہ لفظ کلمہ کی کہ اعتراض مذکور لازم آئے. قولہ **من صفتها**: لفظ من تحسین کے لئے ہے یا اس بات پر تنبیہ کے لئے کہ کلمہ کے اوصاف کثیر ہیں جنمیں سے ایک صفت معنی پر دلالت کرنا ہے. بعض حضرات نے اسجگہ جانب اسم اَنَّ میں مضاف مقدر مانا ہے ای لان حالہا. اور بعض نے فعل مؤول بمصدر کو مبتدا محذوف الخبر مانا ہے لیکن میر سید شریف کے نزدیک ان تدل الخ بلا تاویل اَنَّ کی خبر ہے اس لئے کہ یہ مصدر مأول ہے جو ذات کی خبر واقع ہوتا ہے اور مصدر صریح ذات کی خبر نہیں بنتا. قولہ کائن: شارح نے فی نفسہا کا متعلق مقدر مان کر اس شخص کا رد کیا جس کے نزدیک فی نفسہا تدل کے لئے ظرف لغو ہے. وجہ یہ ہے کہ تدل کے متعلق کرنے کی صورت میں حرف **فی** کو بمعنی باء کرنا پڑیگا اس لئے کہ دلالت کا صلہ باء آتا ہے یا **علی**. اور لفظ فی کو بمعنی باء کرنا مجاز ہے جو تعریف میں مجبور ہے اس لئے کہ تعریف سے مقصود ایضاح ہوتا ہے اور ایضاح اس وقت ہوتا ہے جب لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہو. اور اس کا بھی رد ہے جس نے جار مجرور کو ظرف مستقر مان کر اسکو حال بنایا ہے.

بالمفهومية اومن صفتها ان لا تدل على معنى فى نفسها بل على معنى يحتاج فى الدلالة عليه الى انضمام كلمة اخرى اليهالعدم استقلاله بالمفهومية و سيجئى تحقيق ذلك فى بيان حد الاسم ان شاء اللّٰه تعالى القسم الثانى وهو مالايدل على معنى فى نفسها الحرف كمن و الى فانهما يحتاجان فى الدلالة على معنييهما اعنى الابتداءَ والانتهاءَ الى كلمةٍ اخرى كالبصرة والكوفة فى قولك سرت من البصرة الى الكوفة ....

بالمفہومیت ہے. یاکلمہ کی صفت میں سے ہے اس معنی پر دلالت نہ کرنا جو اسکی ذات میں ہے بلکہ ایسے معنی پر دلالت کرنا کہ اس پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ سے ملنے کا محتاج ہو کیونکہ وہ معنی مستقل بالمفہومیت نہیں اور اسکی تحقیق ان شاء اللہ عنقریب تعریف اسم کے بیان میں آئیگی قسم (ثانی) اور وہ ایسا کلمہ ہے جو معنی مستقل بالمفہومیت پر دلالت نہیں کرتا (حرف ہے) جیسے من اور الی کہ وہ اپنے معنی یعنی ابتداء وانتہاء پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے محتاج ہیں جیسے تیرے قول سرت من البصرۃ الی الکوفۃ میں من اور الی بصرہ وکوفہ کے محتاج ہیں.

حاجت نہ ہو. کیونکہ کلمہ کے معنی مستقل بالمفہومیت ہیں. اور ان تدل، کا مطلب یہ ہے کہ معنی مدلول علیہ ہے مطلق کلمہ کا خواہ مستقل بالمفہومیت ہو یا نہ ہو لہٰذا متن میں تکرار نہیں. قولہ **ان لا تدل**: یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "**اولا**" دو صورتوں پر صادق آتا ہے. ایک یہ کہ کلمہ سرے سے کسی معنی پر دلالت نہ کرے جیسے لفظ مہمل جو کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا. دوم۔ یہ کہ معنی پر دلالت تو کرے لیکن معنی فی نفسہا پر دلالت نہ کرے جیسے لفظ من کی دلالت معنی فی نفسہا پر نہیں ہے. لہٰذا مصنف کا قول "**الثانی الحرف**" جس طرح من پر صادق آتا ہے اسی طرح مہمل پر بھی صادق آتا ہے. اور یہ باطل ہے کہ حرف کی تعریف مہمل پر صادق آئی. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول "**اولا**" میں نفی مقید کی طرف راجع ہے یعنی اسمیں دلالت فی نفسہا کی نفی ہے نہ مطلق دلالت کی. یعنی وہ کلمہ معنی فی نفسہا پر دلالت نہ کرے تو حرف ہے لہٰذا مہمل پر حرف کی تعریف صادق نہیں. قولہ **القسم**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ گزشتہ عبارت میں مصنف نے کلمہ کی دو قسمیں بنائی ہیں. ایک وہ کلمہ جو معنی فی نفسہا (معنی مستقل بالمفہومیت) پر دلالت کرتا ہے. اور ایک وہ کلمہ جو معنی فی نفسہا پر دلالت نہیں کرتا اس لئے مصنف کو "الثانیۃ الحرف" کہنا چاہئے تھا کیونکہ کلمہ مؤنث ہے تو اسکی صفت بھی مؤنث ہونی چاہئے. شارح نے جواب دیا کہ کلمہ مؤول بالقسم ہے اور عبارت اس طرح ہے **القسم الثانی الحرف** ۔قولہ **وھو مالا یدل**: یعنی قسم ثانی سے مراد وہ کلمہ ہے جو معنی فی نفسہا پر دلالت نہ کرے ایسا کلمہ حرف ہے جیسے من اور الی یہ دونوں اپنے معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے محتاج ہیں کہ لفظ من کے معنی ابتدا کے ہیں اور الی کے معنی انتہاء کے ہیں تو جب تک انکے ساتھ مثلاً لفظ البصرۃ اور الکوفۃ نہ ملایا جائے تو یہ اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتے یعنی انکا معنی دوسرے کلمہ سے ملے

ہے کہ تعریف میں مقصود عموم وشمول ہوتا ہے جو حال سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حال، ذوالحال کے لئے قید ہوتا ہے اور قید عموم کے خلاف ہے. قولہ **من غیر حاجۃ**: یہاں وجہ رد یہ کلمہ غیر بمعنی لا نافیہ ہے اور لفظ من بمعنی باء ہے **ای بلاحاجۃ** .قولہ **اولا**:۔ کلمہ لا حرف نفی ہے اور اسکا متعلق بقرینہ سابق محذوف ہے ای لا تدل ☆ سوال ☆ اس عبارت میں معطوف محذوف ہے اور حرف عطف باقی ہے یہ جائز نہیں ☆ جواب ☆ یہ عدم جواز دو شرطوں سے مشروط ہے. اول۔ یہ کہ قرینہ نہ ہو اور یہاں قرینہ ہے. دوم۔ یہ کہ محذوف کا کوئی متعلق نہ ہو اور یہاں متعلق کلمہ **لا** موجود ہے. قولہ **اعنی الابتداء والانتهاء**:۔ یہاں پر ابتداء اور انتہاء سے ابتداء جزی اور انتہاء جزی مراد ہے اور ابتداء جزی اور انتہاء جزی معنی حرفی ہے. لہٰذا یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ ابتداء وانتہاء تو اسم ہیں اور مستقل بالمفہومیت ہیں تو یہ من اور الی کے معنی نہیں ہو سکتے. (عبد)

وانما سمی هذاالقسم حرفا لانّ الحرف فی اللغة الطرفُ وهو فی طرف ای جانبٍ مقابلٍ للاسم والفعل حیث یقعان عمدةً فی الکلام و هو لایقع عمدة فیه کما ستعرف و القسم الاول و هوما یدل علی معنیً فی نفسها اِمّا من صفتها ان یقترن ذلک المعنی المدلول علیه بنفسها فی الفهم عنها باحد الازمنةالثلثة ....

اوراس قسم کا نام حرف اس لئے رکھا گیا کہ حرف لغت میں طرف کو کہتے ہیں اور یہ حرف اصطلاحی بھی اسم وفعل کے طرف میں ہے یعنی جانب مقابل میں ہے کیونکہ اسم اورفعل کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا جس طرح کہ عنقریب آپ معلوم کرلیں گے (اور) قسم (اول) اوروہ ایسا کلمہ ہے جواپنے معنی فی نفسہ پر دلالت کرے (یا) اسکی صفت سے ہے (کہ مقترن ہوگا) وہ معنی جونفس کلمہ میں مدلول علیہ ہے اس کلمہ سے سمجھے جانے میں (تین زمانوں میں سے ایک کے ساتھ)

بغیر مفہوم نہیں ہوتا قولہ **وانماسمی**:۔اس عبارت میں حرف کی وجہ تسمیہ کا بیان ہے. یعنی کلمہ کی اس قسم کوحرف اس لئے کہتے ہیں کہ حرف کا معنی لغت میں طرف ہے اورعربی محاورہ بھی ہے فلان فی حرف الوادی یعنی فلاں شخص جنگل کے کنارے ہے. دیکھئے یہاں بھی حرف بمعنی کنارہ ہے. اور حرف اصطلاحی بھی طرف کلام میں ہوتا ہے. قولہ **ای جانب مقابل للاسم والفعل**: یہ عبارت بھی سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حرف کنارے میں ہوتا ہے کیونکہ حرف کبھی درمیان میں بھی ہوتا ہے اوراسم وفعل کنارے میں ہوتے ہیں جیسے اریدان تحسن الی. یہاں ان درمیان میں ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہاں طرف سے اسم وفعل کی جانب مقابل مراد ہے یعنی حرف اسم وفعل کی جانب مقابل میں ہوتا ہے. قولہ **حیث یقعان**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم وفعل مستقل ہیں اور حرف غیر مستقل. تو غیر مستقل، مستقل کا مقابل کیسے ہوسکتا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ مقابل سے مراد یہ ہے کہ اسم اورفعل کلام عرب میں عمدہ یعنی مسند اور مسندالیہ واقع ہوتے ہیں اور حرف عمدہ واقع نہیں ہوتا یعنی نہ مسند اور نہ مسندالیہ۔ قولہ **ذلک المعنی**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **یقترن** کی ضمیر کے مرجع میں دواحتمال ہیں (اول) یہ کہ لفظ اول کی طرف لوٹے. (دوم) یہ کہ معنی کی طرف لوٹے. اور یہ دونوں احتمال صحیح نہیں. (اول) اس لئے کہ لفظ اول سے مراد کلمہ ہے اور اقتران کلمہ کی صفت نہیں بلکہ معنی کی صفت ہے. (دوم) اس لئے صحیح نہیں کہ معنی کا اوپر کہیں ذکر نہیں جس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا. شارح نے جواب دیا کہ ضمیر کا مرجع معنی ہے اور لفظ معنی اگر چہ عبارت میں مذکور نہیں ہے لیکن اس حیثیت سے کہ معنی کلمہ کا مدلول علیہ ہے تو معنی لفظ الاول کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے اور ضمیر کے مرجع کا ضمنا مذکور ہونا کافی ہے. جیسے ارشاد باری تعالی، اعدلوا ھو اقرب، میں ھو ضمیر کا مرجع عدل ہے جو اعدلوا کے ضمن میں مذکور ہے. لھذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا قولہ **فی الفهم عنها**: اسمیں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصدر کا معنی بھی زمانہ سے مقترن ہوتا ہے مثلا ضرب مصدر ہے اس کا معنی کسی نہ کسی زمانہ میں پایا جائے گا اور جس زمانہ میں بھی ضرب کا معنی پایا جائے اسی زمانہ کے ساتھ ضرب کا معنی مقترن ہوگا. شارح نے جواب دیا کہ اقتران زمانہ کی دوصورتیں ہیں (اول) وجود میں اقتران زمانہ. (دوم) فہم میں اقتران زمانہ. اور یہاں فہم میں اقتران زمانہ مراد ہے اور فہم میں اقتران زمانہ کا مطلب یہ ہے کہ معنی کے ساتھ زمانہ بھی سمجھ میں آئے اور فہم میں اقتران فعل میں ہوتا ہے نہ کہ مصدر میں۔

قولہ **جانب مقابل**: ☆ سوال ☆ اگر حرف اسم اور فعل کے جانب مقابل میں ہے اس لئے اسکو حرف کہتے ہیں تو اسم اور فعل بھی حرف کی جانب مقابل میں ہیں. لہٰذا ان کا نام بھی حرف ہونا چاہیے. ☆ جواب ☆ وجہ تسمیہ میں اطراد وانعکاس شرط نہیں یعنی وجہ تسمیہ کا جامع ومانع ہونا ضروری نہیں ہے. ☆ فائدہ ☆ لفظ صبوح کا معنی ہے دن میں

اعنی الماضی والحال والاستقبال ای حین یفهم ذلک المعنی عنها یفهم احد الازمنة الثلثة ایضاً مقارناًله اوَ من صفتها ان لاَ یقترن ذلک المعنی فی الفهم عنها مع احد الازمنة الثلثة

القسم الثانی و هو ما یدل علی معنًی فی نفسها غیر مقترن باحدالازمنةالثلثة الاسم و هو ماخوذمن السموو هو العلو لاستعلائه علی اخویه حیث یترکب منه وحده الکلام دون اخویه وقیل من الوسم وهو العلامة لانه علامة علی مسماه.........................

میری مراد ازمنہ ثلثہ سے ماضی، حال اور استقبال ہے۔ یعنی جس وقت وہ معنی کلمہ سے سمجھا جائیگا تو تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس معنی کے مقارن ہوکر سمجھا جائیگا (یا) اس کلمہ کی صفت سے یہ ہے کہ وہ معنی کلمہ سے سمجھے جانے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا (نہیں) ہوگا قسم (ثانی) اور وہ ایسا کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو اسکی ذات میں ہے اور تین زمانوں میں سے کسی کے ساتھ مقترن نہ ہو (اسم ہے) اور اسم سمو سے ماخوذ ہے اور سمو بلندی ہے کلمہ کی اس قسم کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے دونوں بھائیوں سے بلند ہے کیونکہ تنہا اسم سے کلام مرکب ہوجاتا ہے اسکے بھائیوں سے نہیں ہوتا۔ اور کہا گیا ہے کہ اسم وَسم سے ماخوذ ہے جسکے معنی علامت کے ہیں کیونکہ اسم اپنے مسمّٰی پر علامت ہوتا ہے۔

قولہ **اعنی الماضی**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ صبوح اور غبوق بھی زمانہ کے ساتھ مقترن ہیں لہٰذا ان کو بھی فعل ہونا چاہئے حالانکہ یہ اسم ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ ازمنہ ثلثہ سے مراد مخصوص زمانے ہیں یعنی ماضی، حال اور استقبال، مطلق زمانہ مراد نہیں جسکے ساتھ صبوح اور غبوق مقترن ہے۔ قولہ **ای حین**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ ماضی، لفظ حال اور لفظ استقبال کے معنی تین مخصوص زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں۔ مثلاً لفظ ماضی کا معنی گذرا ہوا زمانہ ہے۔ لہٰذا انکو فعل ہونا چاہئے۔ شارح نے جواب دیا کہ اقتران کے معنی یہ ہیں کہ جب فعل اپنے لغوی حدثی معنی پر دلالت کرے تو اسکے ساتھ ازمنہ ثلثہ سے کوئی زمانہ بھی سمجھا جائے۔ اور لفظ ماضی وغیرہ کے معنی بعینہ زمانہ ہیں۔ قولہ **وھو مایدل**: یعنی قسم ثانی وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کوئی اس میں نہ پایا جائے وہ اسم ہے۔ قولہ **وھوالعلو**: اس میں شارح نے اسم کی وجہ تسمیہ اور ماخذ اشتقاق بیان کیا ہے۔ یعنی اسم سِمْو (بکسر سین وسکون میم) سے ماخوذ ہے جسکے معنی رفعت وعلو کے ہیں۔ چونکہ اسم کو فعل اور حرف پر بلندی اور برتری حاصل ہے کہ اکیلے اسم سے کلام مرکب ہوتا ہے اس لئے اسم کو اسم کہتے ہیں قولہ **وقیل من الوسم**: اسمیں شارح نے اسم کا دوسرا ماخذ اشتقاق بیان کیا کہ کہا گیا ہے کہ اسم، وسم سے مشتق ہے

شراب پینا تو اس لفظ کے معنی کے ساتھ ایک زمانہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ اسی طرح غبوق کے معنی ہیں رات میں شراب پینا اس کے معنی کے ساتھ بھی زمانہ سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن زمانہ ماضی، حال یا استقبال نہیں بلکہ ان دونوں لفظوں سے مطلق صبح اور مطلق رات سمجھ میں آتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل نہیں۔ فائدہ: الازمنۃ الثلثۃ، مرکب توصیفی ہے اور الثلثۃ اگرچہ مفرد مذکر ہے مگر موصوف وصفت میں مطابقت پائی جارہی ہے کہ اسم عدد جب جمع کی صفت واقع ہو تو اصل میں اس جمع کے مفرد کی صفت ہوتا ہے اور ازمنہ کا مفرد زمان ہے۔ قولہ **حین یفهم**: یعنی فعل وہ ہے کہ جس سے دو چیزیں مفہوم ہوں ایک معنی دوم۔ اس معنی کا زمانہ اور لفظ ماضی وغیرہ سے صرف ایک چیز مفہوم ہوتی ہے یعنی زمانہ لہٰذا ماضی وغیرہ فعل نہیں۔ قولہ **قیل من الوسم**: حاشیہ ملا جمال میں ہے کہ کوفیین کا مذہب قیل کے ساتھ بیان کرکے شارح نے انکے مذہب کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ امثلہ اشتقاق یعنی سُمَیّ، سُمَیّ اور اَسماء اور سُمُوّ اس قول کی تردید کرتی ہیں۔ کیونکہ اسم اگر وسم سے ماخوذ ہوتا تو فعل وَسَمَ یَسِمُ آتا اور جمع اَوْسَام اور

و القسم الاول هو ما يدل على معنى في نفسها مقترن باحد الازمنة الثلثة الفعل سمی به لتضمنه الفعل اللغوی و هو المصدر وقد علم بذلک ای بوجه حصر الکلمة في الاقسام الثلثة حد کل واحدٍ منها ای من تلک الاقسام وذلک لانه قد علم به ای بوجه الحصر ان الحرف کلمة لا تدل علی معنی في نفسها بل تحتاج الی انضمام کلمةٍ اخری ....

(اور) قسم (اول) اور وہ ایسا کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو اسکی ذات میں ہے جو تین زمانوں میں سے کسی کے ساتھ ملا ہوا ہو (فعل ہے) اور اس قسم کا نام فعل اس لئے رکھا گیا کہ یہ فعل لغوی کو متضمن ہے اور فعل لغوی مصدر ہے (اور اس سے معلوم ہوگئی) یعنی کلمہ کی اقسام ثلثہ میں منحصر ہونے کی دلیل سے (ان میں سے ہر ایک کی تعریف) یعنی اقسام ثلثہ سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہوگئی اور وہ اس طرح کہ وجہ حصر سے یہ معلوم ہوا کہ حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اسکی ذات میں ہے بلکہ وہ دوسرے کلمہ سے ملنے کا محتاج ہوتا ہے.

جو بمعنی علامت ہے اور اسم کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے معنی یعنی مسمی پر علامت ہے. یہ مذھب لفظ قیل سے بیان کر کے شارح نے اسکے ضعف کو بیان کیا ہے کیونکہ اپنے معنی پر تو فعل اور حرف بھی علامت ہیں لہٰذا ان کا نام بھی اسم ہونا چاہئے. قولہ **الاول**: اور قسم اول یعنی وہ کلمہ جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرے اور کسی زمانہ کے ساتھ مقترن ہو وہ فعل ہے اور فعل کو فعل اس لئے کہتے ہیں کہ فعل کا لغوی معنی حدث ہے یعنی فعل کا مصدری معنی ہونا یا کرنا ہے چونکہ یہ حدث فعل اصطلاحی کا جز ہے لہٰذا جز کا نام مجازاً کل کو دیدیا گیا. اسی کو تسمیہ الکل باسم الجزء کہتے ہیں. ﴿فائدہ﴾ نحات کے نزدیک فعل اصطلاحی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے (۱) نسبت فاعلی. (۲) نسبت زمانی. (۳) معنی مصدری. اور لغت میں فعل صرف معنی مصدری کو کہتے ہیں. قولہ **بوجه الحصر**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے. جس کا خلاصہ یہ ہے کہ **ذلک** اسم اشارہ برائے واحد مذکر ہے. جس کے مشار الیہ میں دو احتمال ہیں. (اول) یہ کہ مشار الیہ "لانہا الخ" ہو یہ درست نہیں کہ لانہا جملہ ہے اس صورت میں اسم اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہیں ہوگی. (دوم) یہ کہ مشار الیہ وجہ حصر ہو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس کا اوپر کہیں ذکر نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ مشار الیہ وجہ حصر ہے کیونکہ لانہا میں حکماً اس کا ذکر ہو چکا ہے. عبارت کا معنی یہ ہے کہ کلمہ کو تین قسموں میں منحصر کرنے کی وجہ سے اقسام ثلثہ میں سے ہر قسم کی تعریف معلوم ہوگئی. قولہ **حد کل واحد**: یعنی وجہ حصر سے ہر ایک قسم کی تعریف اس طرح معلوم ہوئی کہ حرف ایک کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت نہیں کرتا بلکہ دوسرے کلمہ کے ساتھ ملنے کا محتاج ہوتا ہے اور فعل وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرتا ہے اور کوئی زمانہ بھی اسمیں پایا جاتا ہے. اور اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت کرتا ہے لیکن اسمیں زمانہ نہیں پایا جاتا. پس اس تقدیر پر کلمہ تین قسموں میں مشترک ہوا.

تضغیر دستم اور قسیم کا ثانی کا قول بلا دلیل ہے. قولہ **وهو المصدر**: مصدر فعل بکسر فا نہیں بلکہ فعل بفتح فاء ہے اس اعتبار سے کلمہ کی اس قسم کا نام فعل بفتح فاء ہونا چاہئے لیکن چونکہ فعل بکسر فاء کا اطلاق بھی مصدر اور حاصل مصدر دونوں پر ہوتا ہے اس لئے اس قسم کا نام فعل بکسر فاء رکھا گیا. اور مصدر فعل بکسر فاء قرآن مجید میں آیا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ واوحینا الیهم فعل الخیرات، میں فعل بکسر فاء ہے. قولہ **بذلک**: اسمیں باء جارہ برائے استعانت ہے اور ذا اسم اشارہ ہے اور لام ہائے تنبیہ کا عوض ہے اور کاف برائے خطاب ہے اس کا مشار الیہ وجہ حصر ہے اور اسم اشارہ لا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ وجہ حصر محسوس کی طرح ظاہر و منکشف ہے ورنہ وقد علم بہ کہنا اولیٰ تھا. قولہ **حد کل واحد**: حد کے لغوی معنی ہیں "روکنا" دو چیزوں کے درمیان فاصل لانا مجرم کو سزا دینا اور کسی چیز کی انتہاء. عرف میں حد اس کو کہتے ہیں جو تصور مطلوب تک لے جائے اور اسی معنی کے اعتبار سے حد اور معرف مترادف ہیں. اور اہل منطق کے نزدیک ذاتیات سے تعریف کرنا حد کہلاتا ہے. اور نحات کے نزدیک جامع و مانع تعریف کو حد کہتے ہیں. ﴿فائدہ﴾ حد میں اطراد و انعکاس ہوتا ہے. اطراد سے مراد یہ ہے کہ جب حد پائی جائے تو محدود پایا جائے اور انعکاس سے مراد یہ ہے کہ جب حد نہ پائی جائے تو محدود بھی نہ پایا جائے اور اسکی علامت یہ ہے کہ لفظ کل دونوں طرفوں میں آسکے. جیسے کل نار محرق و کل محرق نار. قولہ **ذلک**: اس کا مشار الیہ مدعیٰ بھی ہو سکتا ہے اگر واؤ بمعنی مع ہو

والفعل كلمة تدل على معنى فى نفسها لكنه مقترن باحدالازمنة الثلثة والاسم كلمة تدل على معنًى فى نفسها غير مقترن باحد الازمنة الثلثة فالكلمة مشتركة بين الاقسام الثلثة و الحرف ممتاز عن اخويه بعدم الاستقلال فى الدلالة و الفعل ممتاز عن الحرف بالاستقلال و عن الاسم بالاقتران والاسم ممتاز عن الحرف بالاستقلال و عن الفعل بعدم الاقتران فعلم لكل واحد منها معرّف جامع لا فراده مانع عن دخول غيرها فيه و ليس المراد بالحد ههنا الا المعرف الجامع المانع و لله دَرُّ المصنف حيث اشار الى حدودها فى ضمن دليل الحصر ثم نبه عليها بقوله وقدعلم بذلك...

اورفعل وہ کلمہ ہے جوایسے معنی پردلالت کرتاہے جوانکی ذات میں ہے لیکن تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملاہواہوتاہے اور اسم وہ کلمہ ہے جوایسے معنی پردلالت کرتاہے جوانکی ذات میں ہے جوتین زمانوں میں سے کسی ایک کے سے ملاہوانہیں ہوتا.پس کلمہ اقسام ثلثہ میں مشترک ہوااورحرف ولالت کرنے میں مستقل نہ ہونے کے باعث اپنے اخوین سے ممتاز ہوگیااورفعل مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے ممتاز ہوگیااورزمانے کے ساتھ اقتران کی وجہ سے اسم سے ممتاز ہوگیااوراسم مستقل ہونے کی وجہ سے حرف سے ممتاز ہوگیااورزمانہ کے ساتھ عدم اقتران کی وجہ سے فعل سے ممتاز ہوگیا.پس ان اقسام ثلثہ میں سے ہرایک کی تعریف معلوم ہوگئی جواپنے افرادکوجامع ہے اوراپنے اندرانکے غیرکے دخول سے مانع ہے اور اس جگہ حد سے مراد جامع اور مانع تعریف ہی ہے اوراللہ تعالی مصنف علیہ الرحمۃ کونیک جزادے کہ اس نے دلیل حصرکے ضمن میں اقسام ثلثہ کی تعریف کیطرف اشارہ کیا پھراپنے قول "وقدعلم بذلک" سے ان حدود پرتنبیہ فرمادی.

قولہ **والحرف**:اسمیں ایک سوال کاجواب ہے جوشارح پروارد ہوتاہے وہ یہ کہ اگرکلمہ اقسام ثلثہ میں مشترک ہےتوان اقسام میں امتیاز کی کیاصورت ہوگی.شارح نے جواب دیاکہ حرف،اسم اورفعل سے بوجہ عدم استقلال ممتاز ہے.اورفعل حرف سے بوجہ استقلال کے ممتاز ہےاوراسم سے بوجہ اقتران ممتاز ہے.اوراسم حرف سے بوجہ استقلال کےاورفعل سے بوجہ عدم اقتران کے ممتاز ہےلہٰذااقسام ثلثہ سے ہرایک کی جامع ومانع تعریف معلوم ہوگئی.قولہ **ولیس المراد**:اسمیں شارح نے ایک سوال مقدرکاجواب دیاہےجسکی تشریح یہ ہے کہ حد اس تعریف کوکہتے ہیں جو ذاتیات سے مرکب ہواوردلیل حصرمیں مذکوراقسام ثلثہ کی تعریف ذاتیات سے مرکب نہیں ہے لھذااسکوحد سے تعبیرکرنادرست نہیں.شارح نے جواب دیاکہ حد سے یہاں جامع اورمانع تعریف مراد ہے.قولہ **ولله در**:یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب دلیل حصرمیں کلمہ کے اقسام ثلثہ کی تعریف کردی گئی توپھرقدعلم بذلک،سے اس پرتنبیہ اورپھرہرایک قسم کی تعریف جداجداکرناعبث اورفضول ہے.شارح نے جواب دیاکہ اللہ تعالی ابن حاجب کابھلاکرےاس نے طلبہ کے ذہن کے تفاوت کاخیال کرتے ہوئے ذکیوں کودلیل حصرمیں تعریف سے آگاہ کیااورمتوسط طبقہ والوں کو قدعلم،کہکرتعریف پرمتنبہ کیااورپھرغبیوں کے لئے ہرایک قسم کی جداجداتعریف کی ہے یہ عبث نہیں ہے.

﴿فائدہ﴾ در کے لغوی معنی ہیں دودھ لیکن یہاں مجازی معنی مراد ہیں یعنی خیرکثیریاحقیقی معنی مراد ہیں.اور عبارت میں لفظ ام مقدر ہےای للہ درام المصنف،جس کامطلب یہ

ثم صرح بها فيما بعد بناءً على تفاوت مراتب الطبائع الكلام في اللغة مايتكلم به قليلاً كان او كثيرًا و في اصطلاح النحاة ماتضمن اى لفظ تضمن كلمتين حقيقةً او حكمًا اى يكون كل واحدة منهما في ضمنه فالمتضمن اسم فاعل هو المجموعُ ....

پھر بعد میں طلبہ کی طبیعتوں کے مراتب کے مختلف ہونے کی بنا پر تعریفات کی صراحت کردی (کلام) لغت میں وہ لفظ ہے جس سے تکلم کیا جائے خواہ کم ہو یا زیادہ اور نحویوں کی اصطلاح میں کلام (وہ لفظ ہے جو مشتمل ہو) یعنی جو (دو کلموں کو) حقیقۃ یا حکما شامل ہو یعنی دو کلموں میں سے ہر ایک اسکے ضمن میں ہو تو متضمن بصیغہ اسم فاعل وہ مجموعہ ہے۔

قولہ **الکلام**: مصنف نے کلمہ کی بحث مکمل کرنے کے بعد کلام کی بحث کا آغاز کیا ہے اور سب سے پہلے کلام کا لغوی معنی بیان کیا ہے اور اس کے عموم کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ یعنی لغت میں کلام اسکو کہتے ہیں جس کا تکلم کیا جائے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ یعنی کلام لغوی تین وجوہ سے کلام اصطلاحی سے عام ہے۔(۱) کلام لغوی میں مہمل بھی داخل ہے۔(۲) جسمیں بالکل نسبت نہ ہو کلام لغوی اسپر بھی صادق آتا ہے۔(۳) کلام لغوی اسپر بھی صادق آتا ہے جسمیں نسبت اضافی یا توصیفی پائی جائے۔ بخلاف کلام اصطلاحی کے کہ وہ انمیں سے کسی قسم پر بھی صادق نہیں قولہ **ای لفظ تضمن**: اسمیں ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف میں واقع لفظ "ما" چار حال سے خالی نہیں۔(۱) اس ما سے لفظ مراد ہو۔(۲) شئی مراد ہو۔(۳) کلمہ مراد ہو۔(۴) کلام مراد ہو۔ اور انمیں سے کوئی بھی درست نہیں۔(اول) اس لئے کہ کلام کی تعریف اقام زید، کے جواب میں واقع ہونے والے لفظ نَعَم پر صادق آئے گی اس لئے کہ یہ بھی ایک لفظ ہے جو دو کلموں کو شامل ہے۔(دوم) اس لئے کہ کلام کی تعریف اس ورق پر صادق آئے گی جسمیں زید قائم لکھا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ بھی ایک شئی ہے جو دو کلموں کو شامل ہے۔(سوم) اس لئے کہ اس سے جز کا حمل کل پر لازم آئے گا یعنی کلمہ کا کلمتین کو شامل ہونا لازم آئے گا۔(چہارم) اس لئے کہ اس سے اخذ المحد ودفی الحد لازم آئے گا جو کہ درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں لفظ ما سے مراد لفظ ہے۔ یعنی کلام وہ لفظ ہے جو کلمتین کو متضمن ہو اور لفظ نعم دو کلموں کو متضمن نہیں ہے کیونکہ متضمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام کل ہو اور دونوں کلمے جز ہوں اور نعم کل اور دو کلمے اس کے جز نہیں ہیں۔ قولہ **حقیقۃ اوحکما**: اس عبارت کے اضافہ سے شارح کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں کیونکہ زیدٌ قائمٌ ابوہ، زیدٌ قامَ ابوہ اور زیدٌ ابوہ قائمٌ کے جملے کلام کی تعریف سے خارج ہو گئے۔ اس لئے کہ مذکورہ جملوں میں سے ہر ایک چار کلمات پر مشتمل ہے لھذا یہ کلمتین پر مشتمل نہ ہونے کی وجہ سے کلام نہ ہوئے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کا قول "کلمتین" عام ہے کہ حقیقتا دو کلمے ہوں یا حکما اور مذکورہ جملوں میں ایک حقیقتا کلمہ ہے اور دوسرا حکما ایک کلمہ ہے پس یہ کلمتین کو متضمن ہیں۔ مثلا پہلے جملہ میں زید ایک کلمہ ہے اور قائم ابوہ بتاویل قائم الاب دوسرا کلمہ ہے۔ قولہ **فالمتضمن**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ابن حاجب نے کلام کی جو تعریف کی ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ اس تعریف سے متضمِن (بصیغہ اسم فاعل) اور متضمَن (بصیغہ اسم مفعول) کا اتحاد لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ زید قائم متضمِن ہے اور یہی متضمَن ہے حالانکہ متضمِن اور متضمَن متغایر ہوتے ہیں۔ شارح نے جواب دیا

ہے کہ مصنف نے ایسی ماں کا دودھ پیا ہے، جس کے دودھ کی یہ برکت ہے کہ مصنف نے گروہ ثلثہ پر شفقت فرمائی ہے۔ قولہ **او حکما**: کلمہ حکمی وہ ہے جسکا کلمہ حقیقی کی جگہ رکھنا صحیح ہو جسطرح کہ غلام زید ابوہ قائم میں طرفین کو ھذا اور ذاک کی جگہ رکھکر ھذا ذاک کہنا درست ہے لہٰذا غلام زید کلمہ حکمی ہے اور ابوہ قائم بھی کلمہ حکمی ہے۔

والمتضمن اسم مفعول كل واحدة من كلمتين فلا يلزم اتحادهما بالاسناد اى تضمنًا حاصلا بسبب اسناد إحدى الكلمتين الى الأُخرى والاسنادنسبةاحدى الكلمتين حقيقة اوحكمًا الى الاخرى بحيث تفيدالمخاطب فائدةًتامةً فقوله مايتناول المهملات والمفردات و المركباتِ الكلامية وغيرالكلامية وبقيد تضمّن كلمتين خرجت المهملات والمفرداتُ وبقيد الاسناد خرجت المركباتُ الغير الكلاميةِ مثل غلام زيد و رجل فاضل وبقيتِ المركباتُ الكلاميةُ سواء كانت خبريةً مثل ضَرَبَ زيدٌ و ضربت هند وزيدقائم اوانشائيةمثل اضرب ولاتضرب

اور متضمَّن بصیغہ اسم مفعول دونوں کلموں میں سے ہرایک ہے لہٰذا متضمِّن اور متضمَّن کا اتحادلازم نہ آیا (اسناد کے سبب) یعنی ایسا تضمن جو دوکلموں میں سے ایک کے دوسرے کی جانب اسناد کے سبب سے حاصل ہواوراسناد ایک کلمہ کی دوسرے کی طرف حقیقۃً یاحکماً اس طرح کی نسبت کو کہتے ہیں جومخاطب کوپوراپورافائدہ دے۔ پس مصنف علیہ الرحمۃ کاقول "ما" مہملات مفردات اورمرکبات کلامیہ وغیرکلامیہ سب کوشامل ہے اور "تضمن کلمتین" کی قید سے مہملات اورمفردات خارج ہوگئے اوراسناد کی قید سے غلام زیداوررجل فاضل جیسے مرکبات غیرکلامیہ خارج ہوگئے اورمرکبات کلامیہ باقی رہ گئے خواہ وہ خبریہ ہوں جیسے ضَرَبَ زیدٌ اورضَرَبَتْ ھندٌ اورزیدٌ قائمٌ یاانشائیہ ہوں جیسے اِضْرِبْ اورلاتَضْرِبْ.

کہ ابن حاجب کی تعریف میں یہ اتحادلازم نہیں آتااس لئے کہ زیدقائم کا مجموعہ متضمِّن (بصیغہ اسم فاعل) ہےاورانمیں سے ہرایک متضمَّن (بصیغہ اسم مفعول) ہے۔ قولہ **اى تضمنا حاصلا**: یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کےقول "**بالاسناد**" کامحلی اعراب کیاہے کیونکہ جارمجرورکامحلی اعراب ہوتاہے۔ شارح نے جواب دیاکہ "بالاسناد" محلاً منصوب ہے اس بناپرکہ یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت کے متعلق ہےاورتقدیرعبارت اس طرح ہے تضمنا حاصلا بالاسناد یعنی تضمن جوبسبب اسناد کے حاصل ہو۔ قولہ **فقوله مايتناول**: اس عبارت میں شارح نے چندفوائدکاذکرفرمایاہے یعنی کلام کی تعریف میں واقع لفظ "ما" مہملات، مفردات اورمرکبات کلامیہ وغیرکلامیہ سب کوشامل ہے۔ اور تضمن کلمتین کی قید سے مہملات اورمفردات خارج ہوگئے۔ اورالاسناد کی قید سے مرکبات غیرکلامیہ مثلاً غلام زیدوغیرہ خارج ہوگئے اورمرکبات کلامیہ کلام کی تعریف میں باقی رہے۔ خواہ مرکبات کلامیہ خبریہ ہوں جیسے ضرب زیداورضربت ھندیاانشائیہ ہوں جیسے اضرب اورلاتضرب.

قولہ **بسبب**: اس عبارت میں شارح نے بالاسناد کی باءسببیہ بنائی ہے۔ اور جارمجرورکومصدرمحذوف کی صفت محذوف حاصلاً کے متعلق کیاہے۔ فعل مذکورتضمن کے متعلق نہیں کیاتاکہ صفت موصوف پرمقدم نہ ہوجائے۔ قولہ **الـغيـرالـكـلامية**: یہ ترکیب الحسن الوجہ کے قبیلہ سے ہےاورالمرکبات کی صفت ہے۔ حاشیہ جمال میں ہے کہ لفظ غیرکوبوقت اضافت معرفہ بلام لانے سے نحات نے روکاہے اگرچہ وہ نکرہ ہوتاہے۔ اورفصحاء عرب کے کلام میں یہ نہیں ملتاالبتہ بعض علماء کی عبارت میں یہ لفظ بوقت اضافت معرفہ بلام ملتاہے۔ جیسے شارح نے فرمایاوالمرکبات الغیر الکلامیۃ۔ شایدان حضرات نے لفظ غیرکوبمعنی مغایرکرنے کے بعدایساکیاہو۔ قولہ **وبـقـيـت الـمـركـبـات الـكـلامية**:۔ مرکب کی چھ قسمیں ہیں۔ ﴿۱﴾ اضافی جیسے غلام زید۔ ﴿۲﴾ توصیفی جیسے رجل فاضل ﴿۳﴾ مزجی جیسے بعلبک۔ ﴿۴﴾ تعدادی جیسے خمسۃ عشر۔ ﴿۵﴾ صوتی جیسے سیبویہ۔ ﴿۶﴾ اسنادی جیسے زیدقائم۔ پہلی پانچ قسمیں مرکب ناقص ہیں جنکوغیرکلامی کہتے ہیں اورمرکب اسنادی مرکب تام ہے جودوقسم پرہے۔ خبری اورانشائی۔ شاعرنے ان قسموں کوشعرمیں جمع کردیاہے۔ بودترکیب نزدنحویاں شش..... بیادش گیرگرخائف زفوتی۔ اضافی دان وتوصیفی ومزجی واسنادی وتعدادی وصوتی.

فان کل واحد منهما تضمّن کلمتین احدٰهما ملفوظة و الاخریٰ منویة و بینهما اسنادٌ یفید المخاطب فائدةً تامةً وحیث کانت الکلمتان اعم من ان تکونا کلمتین حقیقةً او حکمًا دخل فی التعریف مثل زیدٌ ابوه قائم او قام ابوہٗ او قائمٌ ابوه فان الاخبار فیها مع انها مرکبات لکنها فی حکم الکلمة المفردة اعنی قائم الاب و دخل فیه ایضا مثل جسق مهملٌ و دیزٌ مقلوبُ زیدٍ مع ان المسند الیه فیهما مهملٌ لیس بکلمةٍ فانه فی حکم هذا اللفظ اعلم ان کلام المصنف رحمه الله ظاهرٌ فی ان نحو ضربت زیدًا قائمًا بمجموعه کلام بخلاف کلام صاحب المفصل حیث قال الکلامُ هو المرکب من کلمتین اُسندت احدٰهما الی الاخری

کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوکلموں کو متضمن ہے جن میں سے ایک کلمہ ملفوظ ہے اور دوسرا منوی ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک اسناد ہے جو مخاطب کو پورا پورا فائدہ دیتی ہے اور جبکہ دونوں کلمے اس سے عام ہوئے کہ حقیقۃً ہوں یا حکماً ہوں تو تعریف میں زید ابوہ قائم یا قام ابوہٗ یا قائم ابوہ جیسے جملے داخل ہوگئے اس لئے کہ ان جملوں میں خبریں باوجودیکہ مرکبات ہیں لیکن وہ کلمہ مفردہ یعنی قائم الاب کے حکم میں ہیں نیز کلام کی تعریف میں جَسَقٌ مُہمَلٌ اور دَیزٌ مقلوبُ زید جیسے جملے بھی داخل ہوگئے باوجودیکہ ان میں مسندالیہ مہمل ہے کلمہ نہیں کیونکہ یہ مسندالیہ ھٰذا اللفظ کے حکم میں ہے جان لے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا کلام اس بات میں ظاہر ہے کہ ضَرَبْتُ زیداً قائماً کا مجموعہ کلام ہے لیکن صاحب مفصل کا کلام اسکے برعکس ہے کیونکہ اسنے کلام کی تعریف اس طرح کی ہے الکلام ھو المرکب من کلمتین اسندت احدٰھما الی الاخریٰ۔

قولہ **فان کل واحد**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام خبری کا کلمتین کو شامل ہونا تو مسلم ہے لیکن کلام انشائی مثلاً اضرب اور لاتضرب میں صرف ایک کلمہ ہے وہ کس طرح دوکلموں کو شامل ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ کلمتین میں عموم ہے کہ حقیقتاً دو کلمے ہوں یا حکماً اور اضرب اور لاتضرب میں ایک کلمہ حقیقتاً ہے اور دوسرا حکماً ہے. قولہ **وحیث**: اس عبارت میں کلمتین کے اندر تعمیم کا فائدہ بیان کرتے ہیں. یعنی اس تعمیم سے کلام کی تعریف میں زید ابوہ قائم، زید قام ابوہ اور زید قائم ابوہ سب داخل ہوگئے. اس لئے کہ ان جملوں میں خبر اگرچہ مفرد نہیں لیکن مفرد کے حکم میں ہے یعنی قائم الاب کے معنی میں ہے. قولہ **ودخل**: اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ اس سے جسق مہمل اور دیز مقلوب زید کے جملے نکلتے ہیں کیونکہ ان جملوں میں مسندالیہ مہمل ہے کلمہ نہیں. شارح نے جواب دیا کہ یہ جملے کلام میں داخل ہیں اس لئے کہ مسندالیہ ان جملوں میں ھذا اللفظ کے حکم میں ہے. قولہ **اعلم ان**: یہاں سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں جس کی تقریر یہ ہے کہ کلام کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ اس سے ضَرَبْتُ زیداً قائماً نکلتا ہے کیونکہ اسمیں چار

قولہ قول **الشارح قائم الاب**: ☆سوال☆ قائم الاب بھی مفرد نہیں بلکہ مرکب ہے لھذا یہ کہنا درست نہیں کہ ان جملوں میں خبر کلمہ مفردہ کے حکم میں ہے. ☆جواب☆ مرکبات اضافیہ میں رکن کلام اور مقصود مضاف ہوتا ہے لھذا مقصود صرف قائم ہے اور مضاف الیہ (اب) قیام کی تعیین کے لئے ہے اور قائم مفرد ہے. ☆سوال☆ زید قائم الاب میں مقصود بالاخبار صرف قائم نہیں لہٰذا رکن کلام صرف مضاف کیسے ہوگا. ☆جواب☆ جب مضاف بحیثیت مضاف لیا جائے تو اضافت حکم میں داخل ہوتی ہے. اور مضاف الیہ غالباً حکم سے خارج ہوتا ہے. اس لئے کہ وہ مضاف کے لئے قید ہوتا ہے اور شی کی قید حکم میں مقید سے خارج ہوتی ہے. پس خبر صرف مضاف (قائم) نہیں بلکہ

فانہ صریح فی انّ الکلام ھو ضربت و المتعلقات خارجۃ عنہ ثم اعلم ان صاحب المفصل و صاحب اللباب ذھبا الی ترادف الکلام والجملۃ وکلام المصنف ایضا ینظر الی ذٰلک فانہ قد اکتفی فی تعریف الکلام بذکر الاسناد مطلقا و لم یقیدہ بکونہ مقصودًا لذاتہ و من جعلہ اخص من الجملۃ قیدہ بہ فحینئذ یصدق الجملۃ علی الجمل الخبریۃ الواقعۃ اخبارًا و اوصافا بخلاف الکلام وفی بعض الحواشی ان المراد بالاسناد ھو الاسناد المقصود لذاتہ و حینئذٍ یکون الکلام عند المصنف ایضا اخص من الجملۃ........................

پس یہ تعریف اس بات میں ظاہر ہے کہ کلام صرف ضربتُ ہے .اور متعلقات کلام سے خارج ہیں.پھر یہ بھی جان لے کہ صاحب مفصل اور صاحب لُباب کلام اور جملہ کے مترادف ہونے کی طرف گئے ہیں اور مصنف علیہ الرحمۃ کا کلام بھی اس طرف مائل ہے اسلئے کہ اسنے کلام کی تعریف میں مطلقا اسناد کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اور اسکو مقصود لذاتہ کی قید سے مقید نہیں کیا اور جسنے کلام کو جملہ سے اخص قرار دیا ہے اسنے اسناد کو مقصود لذاتہ کی قید سے مقید کیا ہے پس اسوقت جملہ ان تمام خبریہ جملوں پر صادق آئیگا جو کسی کی خبر یا صفت واقع ہوں برعکس کلام کے اور بعض حواشی میں ہے کہ یہاں پر اسناد سے مراد اسناد مقصود لذاتہ ہے۔پس اسوقت مصنف کے نزدیک بھی کلام جملہ سے خاص ہوگا.

کلمے ہیں حالانکہ یہ بھی کلام ہے.شارح نے جواب دیا کہ کافیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضربت زیدا قائما کا مجموعہ کلام ہے کیونکہ انہوں نے کلام کی تعریف میں فقط کی قید نہیں لگائی.یعنی یہ نہیں لکھا کہ کلام وہ لفظ ہے جو صرف دو کلموں کو متضمن ہو لھذا ابن حاجب کی تعریف پر ضربت زیدا قائما کا مجموعہ کلام ہے.لیکن صاحب مفصل کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک صرف ضربت کلام ہے اور باقی متعلقات کلام سے خارج ہیں کیونکہ صاحب مفصل نے کلام کی تعریف اس طرح کی ہے.الکلام ھو المرکب من کلمتین اسندت احدٰھما الی الاخری.یعنی کلام وہ ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو جنمیں سے ایک کلمہ مسند اور دوسرا مسند الیہ ہو.قولہ **ثم اعلم**:اس عبارت سے شارح ایک سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں جسکی تقریر یہ ہے کہ کلام کی تعریف میں جملہ بھی داخل ہوتا ہے کہ جملہ بھی دو کلموں پر بطریق اسناد مشتمل ہوتا ہے.لھذا کلام کی تعریف مانع نہیں ہے.شارح نے جواب دیا کہ صاحب مفصل اور صاحب لباب کے نزدیک کلام اور جملہ مترادف ہیں اور ابن حاجب کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے کلام کی تعریف میں واقع اسناد کو مقصود لذاتہ کی قید سے مقید نہیں کیا ہے اور یہی مختار ہے.جس کے پیش نظر ایک مترادف کا دوسرے کی تعریف میں داخل ہونا مضر نہیں.البتہ جن نحویوں کے نزدیک کلام اور جملہ میں فرق ہے ان کے مذھب پر یہ اعتراض ہوگا.جس طرح کہ صاحب تسہیل کہتے ہیں کہ کلام جملہ سے اخص ہے اور وہ اسناد کو مقصود لذاتہ کی قید سے مقید کرتے ہیں یعنی صاحب تسہیل کے نزدیک کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو ایسے اسناد کے سبب جو مقصود لذاتہ ہو.اور جملہ وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو اسناد کے سبب خواہ وہ اسناد مقصود لذاتہ ہو یا مقصود لذاتہ نہ ہو.پس انکے نزدیک جملہ ان خبریہ جملوں پر بھی صادق آئے گا جو کسی کی خبر یا صفت واقع ہوں بخلاف کلام کے.قولہ **وفی بعض الحواشی**:اس عبارت میں شارح نے ان لوگوں کی طرف سے جواب دیا ہے جو کلام اور جملہ کو متبائن کہتے ہیں جسکی تفصیل یہ ہے کہ کافیہ میں بھی اسناد سے اسناد مقصود لذاتہ مراد ہے لہٰذا ابن حاجب کے نزدیک کلام جملہ سے اخص ہے.اور یہ قول صاحب ھندی کا ہے.

وہ قائم خبر ہے جو اَب کی طرف مضاف ہے مگر مضاف الیہ (اب) حکم سے خارج ہے.(جمال) قولہ **والمتعلقات**:متعلقات کو لام کے فتحہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اور فتحہ مشہور ومتعارف ہے.متعلقات سے مراد فاعل کے علاوہ باقی معمولات ہیں جیسے مفعول اور حال وغیرہ۔

و لا يتاتي اى لا يحصل ذلك اى الكلام إلّا في ضمن اسمين احدهما مسند و الآخر مسند اليه او في ضمن اسم مسنداليه وفعل مسند وفي بعض النسخ او في فعل و اسم فان التركيب الثنائي العقلي بين الاقسام الثلثة يرتقي الى ستة اقسام ثلثة منها من جنس واحد اسم واسم فعل وفعل حرف وحرف وثلثةمنهامن جنسين اسم و فعل اسم وحرف فعل وحرف ومن البين ان الكلام لايحصل بدون الاسناد و الاسناد لا بدّ له من مسند ومسنداليه و همالايتحققان الا في اسمين او اسم وفعل..............................

(اور وہ نہیں آئیگا) یعنی کلام حاصل نہیں ہوگا (مگر دو اسموں میں) یعنی دو اسموں کے ضمن میں جن میں سے ایک مسند اور دوسرا مسندالیہ ہوگا (یا ایک اسم) کے ضمن میں جو مسندالیہ ہوگا (اور) ایک (فعل) کے ضمن میں جو مسند ہوگا اور کافیہ کے بعض نسخوں میں او فی فعل واسم ہے اور کلام کے ان قسموں میں منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب ثنائی عقلی جو اقسام ثلثہ کے درمیان ہے وہ چھ اقسام تک پہنچتی ہے تین تو جنس واحد سے ہیں یعنی اسم اور اسم، فعل وفعل، حرف وحرف اور ان میں سے تین دو جنسوں سے ہیں اسم وفعل اور اسم وحرف اور فعل وحرف اور ظاہر ہے کہ کلام اسناد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اسناد کیلئے مسند اور مسندالیہ ہونا ضروری ہے اور مسند اور مسندالیہ صرف دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل میں متحقق ہوتے ہیں

قولہ **ای لایحصل**: اسمیں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ اِتیان ذی روح کی صفت ہے پس اسکی نسبت کلام کی طرف کرنا صحیح نہیں کیونکہ کلام ذی روح نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہاں اتیان بمعنی حصول ہے یعنی کلام حاصل نہیں ہوتا. قولہ **ای الکلام**: اسمیں بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ذلک کا مشارالیہ تضمن یا اسناد ہونا چاہئے کیونکہ وہ دونوں قریب ہیں اور قریب کی طرف اشارہ کرنا اولی ہے. شارح نے فرمایا کہ ذلک کا اشارہ بدو وجہ کلام کی طرف ہے (۱) مصنف کے قول ''لایتاتی'' میں کلام کی تقسیم ہے پس مشارالیہ بھی کلام کو بنانا مناسب ہے. (۲) ذلک اسم اشارہ بعید کے لئے ہے. اور کلام بھی تضمن اور اسناد کی نسبت بعید ہے. قولہ **الا فی ضمن**: لفظ ضمن بڑھانے سے شارح کا مقصود اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ ذلک کا مشارالیہ اگر کلام ہے تو مصنف کے قول ''اسمین'' اور اسم وفعل میں ظرفیۃ الشئی لنفسہ لازم آئیگی کیونکہ ابن حاجب کی عبارت کے مطابق کلام مظروف بنے گا اور دو اسموں کا مجموعہ یا ایک اسم اور فعل کا مجموعہ ظرف بنے گا جو کہ خود کلام بھی ہے اور ظرفیۃ الشئی لنفسہ محال ہے. شارح نے جواب دیا کہ اسمیں ظرفیۃ الشئی لنفسہ نہیں بلکہ ظرفیۃ الجزء للکل ہے یعنی دو اسموں کا مجموعہ کلام کا ایک فرد ہے لہٰذا جب دو اسموں کے مجموعہ میں کلام حاصل ہوگا تو جزی کلی کے لئے ظرف بنے گی قولہ **احدھما**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ غلام زید، دو اسموں سے مرکب ہے حالانکہ یہ کلام نہیں لہٰذا مصنف کا یہ کہنا کہ کلام دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے صحیح نہ ہوا. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے کلام میں اسمین سے مطلق دو اسم مراد نہیں بلکہ ایسے دو اسم مراد ہیں کہ انمیں سے ایک مسند اور دوسرا مسندالیہ ہو. اور غلام زید میں ایک اسم مضاف اور دوسرا مضاف الیہ ہے. لھذا غلام زید کلام نہیں ہے. قولہ **اسم مسندالیه**: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مصنف کا یہ کہنا کہ کلام ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہوتا ہے صحیح نہیں اس لئے کہ ضَرَبَکَ ایک فعل اور اسم سے مرکب ہے مگر کلام نہیں. شارح نے جواب دیا کہ مراد یہ ہے کہ اسم مسندالیہ ہو اور فعل مسند ہو اور ضربک میں اسم مسندالیہ نہیں ہے اس لئے یہ کلام نہیں ہے. اور ایک نسخہ میں او فی فعل واسم آیا ہے. قولہ **فان التركيب**: اس میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے کلمہ کے اقسام حرف حصر (الا وغیرہ) کے بغیر بیان کئے ہیں لیکن کلام کے اقسام

قولہ **وفی بعض النسخ**: جس نسخہ میں اسم پہلے ہے وہ اسکی اصالت کے پیش نظر ہے اور جسمیں فعل پہلے ہے وہ واقع کے پیش نظر ہے کہ جملہ فعلیہ میں فعل پہلے ہوتا ہے.

واما الاقسام الاربعة الباقية ففی الحرف و الحرف کلاهما مفقودان و فی الفعل والفعل وفی الفعل والحرف المسند اليه مفقود وفی الاسم و الحرف احدهما مفقود فان الاسم ان کان مسندًا فالمسند اليه مفقود وان کان مسند اليه فالمسند مفقود ونحو يا زيد بتقدير ادعو زيدا فلم يکن من ترکيب الحرف والاسم بل من ترکيب الفعل والاسم الذی هو المعنوی فی ادعو وهو انا الاسم مادل ای کلمة دلت علی معنی ....

باقی چار قسمیں تو حرف وحرف میں مسند اور مسند الیہ دونوں مفقود ہیں اور فعل وفعل اور فعل وحرف میں مسند الیہ مفقود ہے اور اسم وحرف میں ان دونوں میں سے ایک مفقود ہے کیونکہ اسم اگر مسند ہو تو مسند الیہ مفقود ہوگا اور اسم اگر مسند الیہ ہو تو مسند مفقود ہوگا اور یا زید جیسا کلام، اُدْعُوْ زیدًا کی تقدیر میں ہے لہٰذا یہ کلام حرف اور اسم کی ترکیب سے نہ ہوا بلکہ فعل اور اسم کی ترکیب سے ہوا جو اُدْعُوْ میں مستتر ہے اور وہ اَنَا ہے (اسم وہ ہے جو دلالت کرے) یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے (معنی پر)

حرف حصر کے ساتھ اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ عقلا کلام کی چھ قسمیں بنتی ہیں اس لئے کلام کو دو قسموں میں منحصر کرنے کے لئے حرف حصر لایا گیا، بخلاف کلمہ کے کہ اسکی صرف تین قسمیں ہیں اس لئے وہاں حرف حصر کی ضرورت نہیں. ﴿فائدہ﴾ شارح کا قول "فان الترکیب الخ" کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ کی اقسام ثلثہ میں سے دو دو کو ملانے سے عقلا چھ صورتیں بنتی ہیں. (۱) دو اسم ہوں. (۲) دو فعل ہوں. (۳) دو حرف ہوں. (۴) ایک اسم ہو اور ایک فعل. (۵) ایک اسم ہو اور ایک حرف. (۶) ایک فعل ہو اور ایک حرف۔ ان چھ صورتوں میں سے چار صورتیں ساقط ہیں اور صرف دو صورتوں یعنی دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل سے کلام بنتا ہے. اس لئے کہ کلام کے لئے اسناد ضروری ہے اور اسناد صرف ان دو صورتوں میں پایا جاتا ہے. قولہ **ونحو یا زید:** اس عبارت میں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ کلام کو دو قسموں میں منحصر کر دینا باطل ہے اس لئے کہ اسکی ایک تیسری قسم بھی موجود ہے یعنی کلام حرف اور اسم سے مرکب ہے جیسے یا زید. شارح نے جواب دیا کہ یا زید بتقدیر ادعو زیدا ہے پس یا زید اسم اور فعل سے ملکر کلام بنا ہے نہ کہ حرف اور اسم سے ملکر. قولہ **الذی هو المنوی:** اسمیں بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام جب فعل اور اسم سے مرکب ہو تو اسمیں شرط یہ ہے کہ اسم مسند الیہ ہو اور ادعو زیدا میں زید مسند الیہ نہیں ہے بلکہ ادعو کا مفعول ہے لہٰذا ادعو اور زید سے کلام کو مرکب ماننا درست نہیں. شارح نے جواب دیا کہ مسند الیہ عام ہے کہ ظاہر ہو یا منوی اور یہاں ادعو میں مسند الیہ منوی ہے اور وہ اَنَا ہے اور اسم سے یہی مراد ہے زید امراد نہیں لھذ یا زید بھی اسم اور فعل سے مرکب ہو کر کلام بنا ہے. قولہ **الاسم مادل:** مصنف علیہ الرحمۃ کلمہ اور کلام کی تعریف اور ہر ایک کی تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد کلمہ کی ہر ایک قسم کی علیحدہ علیحدہ تعریف کرتے ہیں قولہ **ای کلمة دلت:** اسمیں بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف میں مذکور کلمہ ما چار حال سے خالی نہیں. (۱) شی سے عبارت ہوگا. (۲) لفظ سے عبارت ہوگا. (۳) کلمہ سے عبارت ہوگا. (۴) اسم سے عبارت ہوگا۔ اور یہ سب صورتیں غلط ہیں. (اول) اس لئے کہ ما سے مراد اگر شی ہو تو اسم کی تعریف دوال اربعہ پر صادق آئے گی کیونکہ وہ بھی شی ہیں. (دوم) اس لئے کہ اسم کی تعریف مرکب پر صادق آئیگی کیونکہ مرکب بھی لفظ ہے. (سوم) اس لئے کہ فعل دلّ کی ضمیر اور اسکے مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی. (چہارم) اس لئے کہ اس سے اخذ الحد و فی الحد لازم آئیگا. شارح نے جواب دیا کہ ما سے مراد کلمہ ہے کیونکہ مقسم کلمہ ہے اور اقسام میں مقسم معتبر ہوتا ہے. اور دلّ کی ضمیر کا مرجع کلمہ نہیں بلکہ لفظ ما ہے جو کہ مذکر ہے اگرچہ اس سے مراد کلمہ ہے. ﴿فائدہ﴾ شارح نے لفظ ما کی تفسیر کلمۃ (نکرہ) سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ما موصوفہ ہے اور اس سے مراد کلمہ ہے

كائن في نفسه اى فـي نـفـس مادل يعني الكلمة فتذكير الضمير بناء على لفظ الموصول قال المـصنف رحمه الله في الايضاح شرح المفصل الضمير في مادل على معنى في نفسه يرجع الـى معنى اى مادل على معنى باعتبار ه في نفسه وبالنظر اليه في نفسه لاباعتبار امر خارج عنه كقولك الدار في نفسها حكمها كذا..........................

جو ہونے والا ہے (اس کے نفس میں) یعنی اسکی ذات میں جو دلالت کرے یعنی کلمہ کی ذات میں تو ضمیر کی تذکیر لفظ موصول کی بنا پر ہے. مصنف نے اپنی کتاب "ایضاح شرح مفصل" میں کہا ہے کہ مادل علی معنی فی نفسہ کی ضمیر مجرور معنی کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو فی نفسہ معتبر اور فی نفسہ منظور الیہ ہو کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ آپ کا مقولہ ہے الدار فی نفسہا حکمہا کذا.

اور ای کلمۃ دلت میں فعل دوبارہ لائے اس لئے کہ کلمۃ موصوف ہے اور موصوف صفت کے بغیر نہیں آتا. پھر فعل مؤنث لائے اس لئے کہ موصوف کلمۃ مؤنث ہے اور **كائن** کے اضافہ سے مقصود جار مجرور کا متعلق بتانا ہے اور ای فی نفس مادل سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نفسہ کی ضمیر لفظ ما کو راجع ہے. جس سے مراد کلمہ ہے. قولہ **فتذكير الضمير**: اسمیں ضمیر سے مراد کلمہ دلت کی ضمیر مستتر اور نفسہ کی ضمیر ہے یعنی دونوں ضمیروں کا مذکر لانا لفظ ما موصولہ کی وجہ سے ہے کہ وہ مذکر ہے. قولہ **بناء**: یہ مرفوع ہے خبر ہونے کی بنا پر اور مبتدا پر اس کا حمل از قبیل زید عدل ہے یا یہ مصدر بمعنی مفعول ہے ای مبنی. قولہ **على لفظ الموصول**: اسمیں یہ بتایا کہ الاسم مادل کا ما موصولہ بھی بن سکتا ہے. یعنی ما میں دونوں احتمال ہیں لیکن موصوفہ ہونا اولی ہے کیونکہ یہ مقام خبر میں ہے اور اصل خبر میں تنکیر ہے. شارح کا قول "فتذکیر الضمیر" ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع لفظ ما بنانا صحیح نہیں. ایک تو اس لئے کہ ما سے مراد کلمہ ہے اور کلمہ مؤنث ہے لھذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہوگی. دوسرے اس لئے کہ یہ ایضاح کی تصریح کے خلاف ہے کیونکہ ایضاح شرح مفصل میں ابن حاجب نے کہا ہے کہ فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع لفظ معنی ہے. شارح نے جواب دیا کہ ما سے مراد اگرچہ کلمہ ہے لیکن خود ما مذکر ہے لھذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت پائی جاتی ہے. (اور یہ ایضاح کی تصریح کے خلاف بھی نہیں جس کا ذکر آ رہا ہے) قولہ **قال المصنف**: یعنی مصنف نے ایضاح شرح مفصل میں کہا ہے کہ فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع لفظ معنی ہے. قولہ **اى مادل على معنى باعتباره فى نفسه**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع اگر معنی ہو تو ظرفیۃ الشئی لنفسہ لازم آئے گی جو کہ باطل ہے کیونکہ اس سے معنی کا نفس معنی میں ہونا لازم آتا ہے. مصنف نے اس کا جواب خود دیا کہ فی نفسہ میں لفظ فی بمعنی اعتبار ہے لھذا ظرفیۃ الشئی لنفسہ لازم نہیں آتی کیونکہ اسوقت معنی ہونگے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو معنی معتبر فی نفسہ ہیں. قولہ **وبالنظر اليه**: یہ بھی سوال کا جواب ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ اسم کی طرح حرف کے معنی بھی معتبر فی نفسہ ہیں کیونکہ اعتبار تو ممتنعات میں بھی جاری ہوتا ہے. مصنف نے جواب دیا کہ اسمی معنی کے معتبر فی نفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معنی منظور الیہ فی نفسہ ہوتے ہیں یعنی امر خارجی کے اعتبار کے بغیر معتبر ہوتے ہیں اور حرفی معنی ایسے نہیں ہوتے. قولہ **كقولك**: اس میں ایک سوال مقدر جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کیا فی بمعنی اعتبار کی کوئی دلیل بھی ہے؟ مصنف نے جواب دیا کہ عرب کا مقولہ "الدار الخ" اسکی دلیل ہے. جسکے معنی ہیں کہ مکان کی قیمت اسکی ذات کے اعتبار سے اتنی ہے نہ باعتبار امر خارجی کے کہ وہ کس محلے میں ہے اور کس جگہ ہے. دیکھئے اس مقولہ میں لفظ فی بمعنی اعتبار ہے.

ای لاباعتبار امر خارج عنها ولذلک قیل الحرف مادل علی معنی فی غیره ای حاصل فی غیره ای باعتبار متعلقه لاباعتباره فی نفسه انتهی کلامه ومحصوله ماذکره بعض المحققین حیث قال کما ان فی الخارج موجودا قائما بذاته و موجودا قائما بغیره کذلک فی الذهن معقول هو مدرک قصدا ملحوظا فی ذاته یصلح ان یحکم علیه وبه و معقول هو مدرک تبعا و آلة لملاحظة غیره فلا یصلح لشئی منهما فالابتداء مثلا اذا لاحظه العقل قصدا وبالذات کان معنی مستقلا بالمفهومیة ملحوظا فی ذاته ولزمه تعقل متعلقه اجمالا و تبعا من غیر حاجة

یعنی مکان کی قیمت اسکی ذات کے اعتبار سے یہ ہے کسی امر خارج کے اعتبار سے نہیں اوراسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حرف وہ کلمہ ہے جوایسے معنی پر دلالت کرے جو اسکے غیر میں ہے یعنی اسکے غیر میں حاصل ہے یعنی اسکے متعلق کے اعتبار سے حاصل ہے نفس حرف کے اعتبار سے نہیں مصنف کا کلام ختم ہوا۔اوراسکا نتیجہ وہی ہے جسکا بعض محققین نے ذکر کیا ہے جہاں کہ اس نے کہا ہے کہ جس طرح کہ خارج میں ایک موجود ہے جو قائم بذاتہ ہے اوردوسرا قائم بغیرہ اسی طرح ذہن میں ایک وہ معقول ہے جو قصدا معلوم اورفی ذاتہ ملحوظ ہوتا ہے اورمحکوم علیہ اورمحکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اوردوسراوہ معقول ہے جو بالتبع معلوم ہوتا ہے اوراپنے غیر کے ملاحظہ کیلئے آلہ ہوتا ہے پس وہ محکوم علیہ اورمحکوم بہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔پس مثلا ابتداء جب عقل اسکا قصدا اور بالذات لحاظ کرے تو اسکا معنی مستقل بالمفہومیت اورملحوظ فی ذاتہ ہوگا اوراس معنی کواسکے متعلقات کا تعقل اجمالی طور پراور بالتبع لازم ہوگا یہ ضرورت نہ ہوگی کہ اسکے متعلق کو

قولہ ولذلک اوراسی وجہ سے کہ نفی بمعنی اعتبار ہے حرف کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ حرف وہ کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں ہے یعنی باعتبار اپنے متعلق کے اپنے معنی پر دلالت کرے اور بذات خود اپنے معنی پر دلالت نہ کرے۔مصنف کا کلام ختم ہوا **قولہ و محصولہ**: یعنی مصنف کے اس کلام کا محصول اورنتیجہ جو اس نے ایضاح میں ذکر کیا ہے وہ ہے جسے بعض محققین نے ذکر کیا ہے یہ سید شریف ہیں جنہوں نے شرح عضدیہ میں یہ بات ذکر کی اورشارح کی عبارت ذکرہ سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ افادہ کسی اورکا ہے جہاں اس نے کہا کہ جسطرح موجود فی الخارج کی دو قسمیں ہیں۔(۱) وہ موجود جو قائم بذاتہ ہوتا ہے جسکو جوہر کہتے ہیں اور(۲) وہ موجود جو قائم بالغیر ہوتا ہے جسکو عرض کہتے ہیں ایسے ہی ذہن میں کبھی ایک امر معقول ایسا ہوتا ہے جس کا ادراک قصدا کیا جاتا ہے اوروہ فی ذاتہ ملحوظ ہوتا ہے اورمحکوم علیہ ومحکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اورایک ایسا معقول ہوتا ہے جس کا ادراک تبعا ہوتا ہے اوروہ غیر کے ملاحظہ کے لئے آلہ اورذریعہ بنتا ہے اورمحکوم علیہ اورمحکوم بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا مثلا مفہوم ومعنی ابتدا جب عقل اس کا قصدا و بالذات لحاظ کرے تو یہ معنی مستقل بالمفہوم ہے اورمحکوم علیہ ومحکوم بہ بننے کی اس میں صلاحیت ہے اوریہ معنی اس اعتبار سے معنی اسمی ہے یعنی لفظ ابتدا کا معنی ہے اورلفظ ابتدا اس معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے ملانے کا محتاج نہیں ہے کیونکہ متعلقات بالتبع خودبخود سمجھ آجاتے ہیں یہی مطلب ہے نحات کے اس قول کا کہ اسم اورفعل کے معنی کلمہ کے نفس میں ہوتے ہیں۔ اوراسی معنی ابتدا کا جب عقل اس طرح لحاظ کرے کہ یہ ایک حالت ہے درمیان سیر اوربصرہ کے اوراسکو سیر اوربصرہ کے حالات معلوم

الی ذکرہ وھو بھذاالاعتبارمد لول لفظ الابتداء فقط فلا حاجةفی الدلالة علیه الی ضم کلمة اخری الیه لتدل علی متعلقه و ھذا ھو المراد بقو لھم ان للا سم و الفعل معنی کائنا فی نفس الکلمة الدالةعلیه و اذا لاحظه العقل من حیث ھو حالة بین السیر والبصرة مثلا وجعله آلة لتعرف حالھما کان معنی غیر مستقل بالمفھومیة ولایمکن ان یتعقل الا بذکر متعلقه بخصوصه ولا ان یدل علیه الا بضم کلمة اخری دالة علی متعلقه والحاصل ان لفظ الابتداء موضوع لمعنی کلی ولفظةمن موضوعة لکل واحد من جز ئیاته المخصوصة المتعلقة من حیث انھا حالات لمتعلقاتھا و آلات لتعرف احوالھا و ذالک المعنی الکلی یمکن ان یتعقل قصدا و یلاحظ فی حد ذاته فیستقل بالمفھومیة و یصلح ان یکون محکوما علیه وبه

ذکر کیا جائے .اوروہ معنی مستقل بالمفہومیت اس اعتبار سے کہ عقل اسکا قصدااور بالذات لحاظ کرے صرف لفظ ابتداء کا مدلول ہے ۔پس اس معنی پر دلالت کرنے کیلئے کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کی ضرورت نہیں کہ وہ اسکے متعلق پر دلالت کرے اور یہی معنی مراد ہے نحویوں کے اس قول سے کہ اسم اور فعل کا ایسا معنی ہے جو نفس کلمہ میں ہے جو اسپر دلالت کرنے والا ہے اور جب عقل اس ابتداء کا اس حیثیت سے لحاظ کرے کہ وہ مثلا سیر اور بصرہ کے درمیان کی حالت ہے اور اسکو دونوں کی حالت معلوم کرنے کا آلہ بنائے تو مفہوم ابتدا ایک معنی غیر مستقل بالمفہومیت ہوگا.اور جب تک اسکے متعلق کو بخصوصہ ذکر نہیں کیا جائیگا تو اسکا تعقل ممکن نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر دلالت کی جا سکتی ہے جب تک کہ اسکے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے جو اس مفہوم کے متعلق پر دلالت کرے اور خلاصہ یہ کہ لفظ ابتداء معنی کلی کیلئے موضوع ہے اور من اس معنی کلی کی جزئیات مخصوصہ متعلقہ میں سے ہر ایک جزی کیلئے موضوع ہے اس حیثیت سے کہ یہ جزئیات اپنے متعلقات کے حالات اور انکے احوال کی معرفت کیلئے آلات ہیں اور اس معنی کلی کا بالقصد تعقل ہوسکتا ہے اور وہ فی ذاتہ ملحوظ ہوسکتا ہے لہٰذا وہ مستقل بالمفہومیت ہے اور محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے.

کرنے کا آلہ بنایا جائے تو یہ معنی غیر مستقل بالمفہوم ہوں گے اور متعلقات کے ذکر کے بغیر سمجھ نہیں آئیں گے اور نہ اس معنی پر دلالت کی جا سکتی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے.پس یہ معنی حرفی ہے.قولہ **والحاصل**:گزشتہ کلام کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ابتدا ایک معنی کلی کے لئے موضوع ہے یعنی مطلق شروع کرنے کے لئے موضوع ہے خواہ وہ کوئی چیز ہو اور وہ شروع کرنا کسی جگہ سے ہو.اور لفظ من مخصوص جزئیات کے شروع کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے.مثلا کتاب شروع کرنا،کھانا شروع کرنا وغیرہ اس حیثیت سے کہ یہ مخصوص جزئیات اپنے متعلقات کے احوال معلوم کرنے کے آلات ہیں.پس وہ معنی کلی جو مطلق شروع کرنا ہے ممکن ہے کہ عقل اسکا قصدا لحاظ کرکے ادراک کرے تو اس حیثیت سے وہ

قولہ **مثلا**:لفظ مثلا کے نصب میں دو احتمال ہیں.(اول) یہ کہ بنا بر مصدریت منصوب ہوا ای یمثل مثلا۔پھر یہ جملہ شارح کے قول "**الابتداء**" سے حال ہوا اور محققین کے نزدیک مبتدا سے حال بنانا صحیح ہے.(دوم) یہ کہ یہ بنا بر حالیت منصوب ہوا ای حال کونہ ممثلا قولہ **وبالذات**:یہ شارح کے قول "قصدا" پر معطوف ہے جو بنا بر حال منصوب ہے کیونکہ حال میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں.مثلا جاءنی زید راکبا،کے معنی ہیں جاءنی زید وقت الرکوب اور یہ جار مجرور لاحظہ کے متعلق ہے.قولہ **ولا ان یدل علیه**

واما تلک الجزئیات فلا تستقل بالمفهومیة ولاتصلح ان تکون محمکوما علیها وبها اذ لابد فی کل واحد منهما ان یکون ملحوظا قصدا لیمکن ان یعتبر النسبة بینه وبین غیره بل تلک الجزئیات لاتتعقل الا بذکر متعلقاتها لتکون آلات لملاحظةاحوالها و هذا هو المراد بقولهم ان الحرف کلمة تدل علی معنی فی غیرهاواذا عرفت هذا علمت ان المراد بکینو نة المعنی فی نفسه استقلاله بالمفهومیة وبکینونة المعنی فی نفس الکلمة دلالتها علیه من غیر حاجة الی ضم کلمةٍ اخریٰ الیها لاستقلاله بالمفهومیة فمرجع کینونة المعنی فی نفسه و کینونته فی نفس الکلمة الدالة علیه الی امرٍ واحد وهو استقلاله بالمفهومیة..............

لیکن وہ جزئیات مستقل بالمفہومیت نہیں اور نہ ہی وہ محکوم علیہا اور محکوم بہا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں. کیونکہ محکوم علیہ اور محکوم بہ میں سے ہر ایک میں یہ ضروری ہے کہ قصداً ملحوظ ہو تا کہ اسکے اور اسکے غیر کے مابین نسبت کا اعتبار کیا جا سکے بلکہ ان جزئیات کا تعقل انکے متعلقات کے بغیر نہیں کیا جا سکتا تا کہ وہ جزئیات متعلقات کے احوال کے ملاحظہ کیلئے آلات ہوں اور یہی مراد ہے نحویوں کے اس قول سے کہ حرف وہ کلمہ ہے جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اسکے غیر میں ہے جب تم نے اس تحقیق کو جان لیا تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ معنی کے اسکے نفس میں ہونے سے اسکا مستقل بالمفہومیۃ ہونا مراد ہے اور معنی کے نفس کلمہ میں ہونے سے مراد اس کلمہ کا معنی پر دلالت کرنا ہے کسی دوسرے کلمہ سے ملے بغیر کیونکہ وہ معنی مستقل بالمفہومیت ہے پس معنی کے نفس میں معنی میں ہونے اور نفس کلمہ میں ہونے سے جو کلمہ اس معنی پر دال ہے کا مرجع اور مآل امر واحد ہے اور وہ معنی کا مستقل بالمفہومیۃ

معنی مستقل بالمفہوم ہے اور وہ معنی کلی محکوم علیہ اور محکوم بہ بن سکتا ہے یہ لفظ ابتدا کا معنی ہے اور محکوم علیہ کی مثال الحکوم علیہ الابتداء اور محکوم بہ کی مثال ماتحث عنہ معنی الابتداء. قولہ **واما تلک الجزئیات**: یعنی وہ جزئیات جو کلمہ مِن کا مدلول ہیں وہ مستقل بالمفہومیت نہیں اور نہ ہی محکوم علیہ اور محکوم بہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں. کیونکہ محکوم علیہ اور محکوم بہ میں سے ہر ایک میں یہ بات ضروری ہے کہ وہ بالقصد ملحوظ ہو تا کہ اس کے اور اسکے غیر کے درمیان نسبت کا لحاظ کیا جا سکے بلکہ ان جزئیات کا تعقل انکے متعلقات کے بغیر نہیں کیا جا سکتا اور وہ جزئیات اپنے متعلقات کے ذکر کے بغیر متصور نہیں ہوتے تا کہ وہ اپنے متعلقات کے احوال کے ملاحظہ کے آلہ ہوں. اور نحویوں کے اس قول سے کہ ان الحرف الخ یہی مراد ہے. قولہ **واذاعرفت هذا**: یہ دو سوالوں کا جواب ہے. پہلے سوال کی تقریر گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے یعنی شارح جامی نے فی نفسہ کی ضمیر لفظ ما کو لوٹا کر ماتن کی صراحت کی مخالفت کیوں کی ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ماتن کی عبارتوں میں تعارض ہے کیونکہ کافیہ میں کلمہ کی دلیل حصر میں اس نے فی نفسہا کی ضمیر کا مرجع کلمہ بنایا ہے اور ایضاح میں ضمیر کا مرجع لفظ معنی بنایا ہے؟ شارح فرماتے ہیں کہ جب تم نے سابقہ تحقیق سے جان لیا کہ معنی کا نفس کلمہ میں ہونا اور معنی کا نفس معنی میں ہونا دونوں سے معنی کا مستقل بالمفہوم ہونا مراد ہے. یعنی دونوں کا منشا و مطلب ایک ہے اور ان میں فرق صرف توجیہ میں ہے اور ان میں فرق صرف توجیہ میں ہے تو شارح نے ماتن کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی ماتن کی عبارتوں میں کوئی تعارض ہے .

:اس عبارت میں لا زائدہ برائے تاکید ہے اور یدل مبنی للمفعول ہے جس کا نائب فاعل جار مجرور ہے اور علیہ کی ضمیر مجرور کا مرجع مفہوم ہے.

ففی هذا الکتاب الضمیر المجرور الذی فی نفسه یحتمل ان یرجع الی ما الموصولة التی هی عبارة عن الکلمة و هذا هو الظاهر لیکون علی طبق ماسبق فی وجه الحصر من کینونة المعنی فی نفس الکلمة و یحتمل ان یرجع الی المعنی و لذا ذکّر الضمیر تنبیهًا علی صحة ارادة کلا المعنیین و لکن عبارة المفصل ظاهرة فی المعنی الاخیر و هو ارجاع الضمیر الی المعنی لعدم مسبوقیتها بمایدل علی اعتبار کینونة المعنی فی نفس الکلمة ولهذا جزم المصنف رحمه اللّٰه هناک برجوعه الی المعنی و بماسبق من التحقیق ظهر انه لایختل حد الاسم جمعًا ولاحد الحرف منعًا بالاسماء اللازمةِ الاضافة مثل ذو و فوقٍ وتحتٍ و قُدامٍ و خلفٍ الی غیر ذلک لان معانیها مفهوماتٌ کلیةٌ مستقلةٌ بالمفهومیة ملحوظةٌ فی حد ذاتها

ہوتا ہے .پس اس کتاب میں فی نفسہ میں جو ضمیر مجرور ہے وہ یہ احتمال رکھتی ہے کہ ماموصولہ کی طرف راجع ہو جس سے مراد کلمہ ہے اور یہی ظاہر ہے تاکہ اسکے مطابق ہوجائے جو وجہ حصر میں گذرا ہے یعنی معنی کا نفس کلمہ میں ہونا اور فی نفسہ کی ضمیر یہ احتمال بھی رکھتی ہے کہ وہ معنی کی طرف راجع ہو اسی وجہ سے مصنف فی نفسہ کی ضمیر مذکر لائے ہیں تاکہ دونوں معنی کے مراد ہونے کی صحت پر تنبیہ کردیں لیکن مفصل کی عبارت دوسرے معنی میں ظاہر ہے اور وہ ضمیر کو لفظ معنی کی طرف راجع کرنا ہے بوجہ نہ مسبوق ہونے عبارت مفصل کے اس چیز کے ساتھ جو معنی کے نفس کلمہ میں معتبر ہونے پر دلالت کرے اس لئے مصنف نے وہاں مفصل کی عبارت میں ضمیر کے معنی طرف لوٹنے کا جزم کیا اور گذشتہ تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اسم کی تعریف جامع ہونے کے اعتبار سے اور حرف کی تعریف مانع ہونے کے اعتبار سے اسماء لازمۃ الاضافۃ سے خلل پزیر نہیں ہوتی یعنی ذو وغیرہ سے کیونکہ ان اسماء کے معانی مفہومات کلیہ مستقل بالمفہومیت ملحوظ فی حد ذاتہا ہیں

قولہ **ففی هذا الکتاب**: اس عبارت میں شارح نے ایک تفریع ذکر کی ہے کہ جب معنی کا نفس کلمہ میں ہونا اور معنی کا نفس معنی میں ہونا دونوں کا مطلب ایک ہے تو ماتن کے قول "فی نفسہ" میں جو ضمیر مجرور ہے اسمیں دو احتمال ہیں.(اول) یہ کہ ضمیر ما موصولہ کو راجع ہو جس سے مراد کلمہ ہے اور یہی ظاہر ہے کیونکہ وجہ حصر کے ساتھ موافقت ہوجائیگی کہ کلمہ کی وجہ حصر میں ضمیر کا مرجع کلمہ ہے.(دوم) یہ کہ ضمیر لفظ معنی کی طرف راجع ہو.اسی لئے مصنف ضمیر مذکر لائے اور فی نفسہ کہا تاکہ دونوں معنی مراد ہو سکیں یعنی مرجع ما موصولہ بن سکے اور لفظ معنی بھی.قولہ **ولکن عبارة**: یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ جب کافیہ میں ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں تو مفصل میں بھی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہونے چاہئیں کیونکہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے.پس مفصل کی شرح میں ابن حاجب نے ایک احتمال چھوڑ کیوں دیا ہے؟.شارح نے جواب دیا کہ مفصل کی عبارت ظاہر ہے دوسرے معنی میں.یعنی عبارت مفصل ضمیر کا مرجع لفظ معنی کو قرار دینے میں ظاہر ہے.جس کی وجہ یہ ہے کہ مفصل میں اسم کی تعریف سے پہلے کوئی ایسی عبارت نہیں جسمیں ضمیر کا مرجع کلمہ بنا گیا ہو لہذا وہاں مصنف نے بطور جزم کہا کہ ضمیر کا مرجع لفظ معنی ہے کیونکہ وہ ضمیر کے قریب ہے اور کافیہ میں دلیل حصر میں ضمیر کا مرجع کلمہ بنا گیا ہے اس لئے اسم کی تعریف میں واقع ضمیر مجرور میں دو احتمال ہیں.قولہ **وبماسبق**: ہے اسمیں شارح

لزمها تعقل متعلقاتها اجمالًا وتبعًامن غير حاجةٍالي ذكر ها لكن لما جَرَتِ العادةُ باستعمالها في مفهوماتها مضافةً الي متعلقات مخصوصة لانها الغرضُ من وضعهالزم ذكرهالفهم هذه الخصوصيات لالاجل فهم اصل المعنى فهي دالةعلي معانيهامعتبرةًفي حدانفسهالافي غيرها فهي داخلة في حدالاسم لافي الحرف ؔو لما كان الفعل دالًا على معنًى في نفسه باعتبار معناه التضمني اعني الحدث وكان ذلك المعنى مقترنًامع احد الازمنةالثلثة في الفهم عن لفظ

جنکو متعلقات کا تعقل اجمالا وتبعا لازم ہے بغیر ذکر کرنے متعلقات کے لیکن چونکہ ان اسماء کو انکے مفہومات میں انکے متعلقات مخصوصہ کی طرف مضاف کر کے استعمال کرنے کی عرب کی عادت ہو چکی ہے کیونکہ ان اسماء کی وضع کی غرض یہی متعلقات مخصوصہ کی طرف اضافت ہے تو ان کے متعلقات مخصوصہ کا ذکر کرنا ضروری ہو گیا۔ان خصوصیات کو سمجھنے کیلئے نہ کہ اصل معنی کو سمجھنے کیلئے پس یہ اسماء اپنے معانی پر دلالت کرنے والے ہیں اس حال میں کہ معتبر فی حدانفسہا ہیں نہ کہ فی غیر ہا لہٰذا یہ اسم کی تعریف میں داخل ہیں نہ کہ حرف کی تعریف میں۔اور جبکہ فعل اپنے معنی تضمنی یعنی حدث کے اعتبار سے اپنے معنی فی نفسہ پر دال تھا۔اور یہ معنی لفظ فعل سے سمجھے جانے میں تین زمانوں میں سے ایک کے ساتھ مقترن تھا۔

نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف جامع نہیں اور حرف کی تعریف مانع نہیں۔اس لئے کہ اسم کی تعریف سے اسماء لازمۃ الاضافۃ نکلتے ہیں اور حرف کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں۔کیونکہ وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مضاف الیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔یعنی جبتک ان کے ساتھ مضاف الیہ ذکر نہ کیا جائے وہ اپنا معنی نہیں بتا سکتے۔تو یہ اسماء اسم کی تعریف سے نکل کر حرف کی تعریف میں داخل ہو گئے۔شارح نے جواب دیا کہ گذشتہ تحقیق (استقلال وعدم استقلال) سے ظاہر ہو گیا کہ اسم کی تعریف جامع ہے اور حرف کی تعریف مانع ہے کیونکہ ان اسماء لازمۃ الاضافۃ کے معنی مفہومات کلیہ، مستقل بالمفہوم اور ملحوظ فی ذاتہا ہیں کہ ان سے انکے متعلقات اجمالا اور بالتبع بغیر ذکر کرنے ان کے متعلقات کے سمجھ میں آجاتے ہیں۔اور اسماء لازمۃ الاضافۃ سے مراد ذو،فوق وغیرہ ہیں۔جن کے بالفعل محکوم علیہ اور محکوم بہ واقع نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مستقل بالمفہومیت نہیں کیونکہ وضع کے اعتبار سے یہ تمام مستقل بالمفہومیت ہیں۔قولہ **لکن لما جرت**:اس سے شارح کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب اسماء لازمۃ الاضافۃ کے معنی مفہومات کلیہ ہیں تو ان کو مخصوص مخصوص متعلقات میں کیوں استعمال کرتے ہیں۔اور ان کے مفہوم کلی کا اعتبار کرتے ہوئے بلا اضافت انکو عام متعلقات میں کیوں استعمال نہیں کیا جاتا۔شارح نے جواب دیا کہ عرب کی عادت ہے کہ وہ ان اسماء کو مخصوص متعلقات کیطرف مضاف کر کے ان کے مفہومات کلیہ میں استعمال کرتے ہیں۔کیونکہ ان اسماء کی وضع کا مقصد یہی ہے کہ یہ متعلقات مخصوصہ کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوں یہ بات نہیں کہ انکے اصلی معنی کلیہ انکے مخصوص متعلقات کے ذکر کے محتاج ہیں۔جس سے یہ غیر مستقل ثابت ہوں پس یہ اسماء اپنے معنی کلی پر بالاستقلال دلالت کرنے کی وجہ سے اسم کی تعریف میں داخل ہیں اور حرف کی تعریف سے خارج ہیں۔قولہ **ولما کان**:یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف میں غیر مقترن کی قید بے فائدہ ہے اسلئے کہ یہ قید فعل کو اسم کی تعریف سے خارج کرنے کیلئے ہے جبکہ مصنف کے قول **معنی فی نفسہ** سے فعل خارج ہو گیا ہے کیونکہ معنی فی نفسہ سے مراد معنی مطابقی ہے اور فعل کا معنی مطابقی مستقل نہیں کہ وہ مستقل اور غیر مستقل (نسبت) سے مرکب ہے اور مستقل وغیر مستقل سے مرکب غیر مستقل ہوتا ہے۔لہٰذا غیر مقترن کی قید بے فائدہ ہے۔شارح نے جواب دیا کہ **معنی فی نفسہ** سے مراد معنی مطابقی نہیں بلکہ مطلق معنی مراد

الفعل اخرجه بقوله غير مقترن باحدالازمنةالثلثة اى غير مقترن مع ا حدالازمنةالثلثة فى الفهم عن لفظه الدال عليه فهو صفةٌ بعد صفة للمعنى فبالصفةالاولٰى خرج الحرف عن حد الاسم و بالثانية الفعل وّالمراد بعدم الاقترا ن ان يكون بحسب الوضع الاول فدخل فيه اسماء الافعال لآنّ جميعها اما منقولة عن المصادر الاصلية سواء كان النقل فيها صريحانحو رويد فانه قد يستعمل مصدرا ايضا او غير صريح نحو هيهات فانه وان لم يستعمل مصدراالا انه على وزن قو قاة مصدر قوقى..........................

تو مصنف نے اپنے قول "غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ" کے ساتھ فعل کو خارج کر دیا یعنی وہ معنی اپنے لفظ سے سمجھے جانے میں جو لفظ کہ معنی پر دال ہے کسی زمانے کے ساتھ مقترن نہ ہو پس یہ غیر مقترن معنی کی دوسری صفت ہے پہلی صفت کے بعد پس پہلی صفت سے اسم کی تعریف سے حرف خارج ہو گیا اور دوسری صفت سے فعل خارج ہو گیا۔ اور عدم اقتران سے مراد یہ ہے کہ وضع اول کے اعتبار سے عدم اقتران ہو لہٰذا اسم کی تعریف میں اسماء افعال داخل ہو گئے کیونکہ تمام اسماء افعال یا تو مصادر اصلیہ سے منقول ہیں خواہ ان میں نقل صریح ہو جیسا کہ روید ہے کہ کبھی بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے یا نقل غیر صریح ہو جیسا کہ ہیہات کہ وہ اگرچہ بطور مصدر استعمال نہیں ہوتا مگر وہ قَوْقَاۃ کے وزن پر ہے جو قَوْقٰی کا مصدر ہے

ہیں جنکا تحقق فعل کے اندر معنی تضمنی یعنی حدث کے ضمن میں پایا جاتا ہے چونکہ فعل اپنے معنی تضمنی کے اعتبار سے اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اسکی ذات میں ہے اور وہ معنی لفظ فعل سے سمجھے جانے میں تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے مقترن ہے۔ تو مصنف نے غیر مقترن سے فعل کو خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ قید بے فائدہ نہیں ہے۔ قولہ **مع احد الازمنة** : اس عبارت میں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ باحد الازمنۃ میں باء بمعنی مع ہے یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور وہ معنی لفظ اسم سے سمجھے جانے میں کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ مصنف کا قول "غیر مقترن" معنی کی دوسری صفت ہے پس پہلی صفت سے اسم کی تعریف سے حرف نکل گیا اور دوسری صفت سے فعل نکل گیا۔ قولہ **والمراد**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس سے اسماء افعال نکل گئے کیونکہ ان کے معنی کسی ایک زمانہ سے مقترن ہوتے

ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ زمانہ کے ساتھ عدم اقتران سے مراد یہ ہے کہ معنی باعتبار وضع اول کے کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقترن نہ ہو اور اسماء افعال کے معانی بھی باعتبار وضع اول کے کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہیں۔ اگرچہ عارضی طور پر انمیں کوئی زمانہ پایا جاتا ہے۔ پس اسماء افعال اسم کی تعریف میں داخل ہیں۔ اور اسم کی تعریف جامع ہے۔ قولہ **لان جميعها**: گذشتہ عبارت سے یہ مفہوم ہوا کہ اسماء افعال کے معانی میں وضع اول کے اعتبار سے اقتران بالزمان نہیں لہٰذا **لان جميعها الخ** سے اسکی دلیل رقم فرماتے ہیں۔ یعنی وضع اول میں اسماء افعال یا تو مصادر اصلیہ سے منقول ہیں خواہ نقل صریح طور پر موجود ہو جیسے لفظ رُوَیْدَ میں کہ یہ کبھی بطور مصدر بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ، فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا میں رُوَیْداً

قولہ **فهو صفة** : علامہ افضل حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسب یہی ہے کہ غیر مقترن کو معنی کی صفت ثانیہ مانا جائے کیونکہ فعل کی تعریف میں مقترن معنی کی صفت ثانیہ ہے۔ اور بعض نے اسکو معنی سے حال بھی مانا ہے جسکے متعلق عبدالغفور میں ہے وھو بعید قولہ **قوقى** : یہ صیغہ ماضی ہے جسکے معنی ہیں وہ چیخا اسکا مضارع یقوقی ہے اور مصدر قوقیہ کہا جاتا ہے الدجاجۃ تقوقی جب وہ انڈا دینے کے بعد خوشی کی وجہ سے شور کرتی ہے۔ قولہ **اوعن الظروف** : جیسے اما مک جسکو معنی ظرف سے معنی فعل یعنی قدم یا تقدم (صیغہ امر) کی طرف نقل کیا گیا ہے یہ دونوں صیغے بمعنی حال یا بمعنی استقبال ہیں اس طرح علیک کو معنی جار مجرور سے معنی فعل یعنی الزم کی طرف نقل کیا گیا ہے۔ چونکہ ان کے معانی وضع اول میں کسی زمانہ سے مقترن نہ تھے لہٰذا یہ اسم کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ قولہ **الازمنة الثلثة**: الثلثۃ صفت ہے کیونکہ موصوف کا مفرد الزمان ہے جو کہ

اوعن المصادر التی کانت فی الاصل اصواتانحو صه او عن الظرف او الجار والمجرور نحو امامک زیدا وعلیک زیدا فلیس لشئی منها الدلالة علی احد الا زمنة الثلثة بحسب الوضع الاول وخرج عنه الافعال المنسلخة عن الزمان نحو عسیٰ و کاد لاقتران معانیها به بحسب اصل الوضع و خرج عنه المضارع ایضا فانه علی تقدیر اشتراکه بین الحال والاستقبال یدل علی زمانین معینین من ا لازمنة الثلثة فیدل علی واحد معین ایضا فی ضمنهما ....

یاوہ اسماء افعال ان مصادر سے منقول ہیں جو اصل میں اصوات تھے جیسا کہ صَہْ ہے یاوہ ظرف سے منقول ہیں یاجار مجرور سے جیسا کہ اَمامَک زیدا اورعلیک زیدا پس ان مصادروظرف وجارمجرور میں سے کسی کی دلالت تین زمانوں میں سے کسی ایک پر وضع اول کے اعتبار سے نہیں ہے اوراسم کی تعریف سے وہ افعال خارج ہوگئے جوزمانہ سے خالی ہیں جیسے عسی اورکاد کیونکہ انکے معانی وضع اول کے اعتبار سے زمانہ سے مقترن ہیں اوراسم کی تعریف سے فعل مضارع بھی خارج ہوگیا کیونکہ وہ حال واستقبال میں مشترک ہونے کی تقدیر پر تین زمانوں میں سے دومعین زمانوں پردلالت کرتاہے توانکے ضمن میں ایک معین زمانہ پربھی دلالت کرتاہے

مصدر ہوکر استعمال ہوا ہے. یانقل صریح طور پر نہ ہوجیسے عَیْخاث کہ یہ بطور مصدرتو استعمال نہیں ہوالیکن یہ قَوْقاۃٌ کے وزن پر ہے جوقوقی ماضی کا مصدر ہے. یایہ اسماء افعال ان مصادر سے منقول ہیں جو اصل میں صوت تھے.جیسا کہ لفظ صَہْ ،جواصل میں اسم صوت ہے پھراسم صوت سے معنی مصدری یعنی سکوت کی طرف نقل کیا گیا پھراسکت کی طرف. یا اسماء افعال ،اسماء ظروف اور جار مجرور سے منقول ہیں جیسے امالک زیدااورعلیک زیدا.پس یہ مصادروغیرہ وضع اول کے اعتبار سے کسی زمانہ پردلالت نہیں کرتے تھے.اورنہ کسی زمانہ سے مقترن تھے.قولہ **وخرج عنه**:اسمیں بھی ایک سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اسمیں وہ افعال داخل ہوگئے جوزمانہ پردلالت نہیں کرتے جیسے عسی ،کادوغیرہ۔شارح نے جواب دیا کہ افعال منسلخہ عن الزمان یعنی عسی وغیرہ اسم کی تعریف سے نکل گئے.اس لئے کہ ان کے معانی باعتبار وضع اول کے زمانہ کے ساتھ مقترن تھےاب وہ زمانہ پردلالت نہیں کرتے.لہٰذااسم کی تعریف دخول غیر سے مانع ہے۔قولہ **وخرج عنه المضارع**:اسمیں بھی اعتراض کاجواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ اسم کی تعریف میں فعل مضارع داخل ہوگیااس لئے کہ اس کے معنی بھی کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہوتے.بلکہ مضارع کے معنی دوزمانوں (حال واستقبال) کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں۔شارح نے جواب دیا کہ جسطرح اسم کی تعریف سے افعال منسلخہ عن الزمان نکل گئے اسی طرح فعل مضارع بھی نکل گیا.کیونکہ مضارع اگرحال واستقبال میں مشترک ماناجائے تودوزمانوں پردلالت کرنے کے ضمن میں ایک زمانہ پربھی اسکی دلالت ہوگی.کیونکہ ایک متعدد کے ضمن میں پایاجاتا ہے.اوراگرحال میں حقیقت اوراستقبال میں مجازیابرعکس ہوتواس وقت مضارع کاخروج ظاہرہے. پس اسم کی تعریف مضارع پرصادق نہیں آتی۔فتم حدالاسم جمعاومنعا

مذکرہے.قولہ **نحوصه**:۔صَہْ وضع اول میں اسم صوت ہے پھروضع ثانی میں وہ مصدرچپ رہنے کے معنی میں ہوگیا پھروضع ثالث میں وہ امرکے معنی میں ہوگیا(عقد).

قولہ **علی تقدیر اشتراکه**:۔مضارع میں تین مذہب ہیں.ا۔مضارع حال واستقبال میں مشترک لفظی ہے.۲۔حال میں حقیقت اوراستقبال میں مجاز ہے.۳۔استقبال میں حقیقت اور حال میں مجاز ہے.شارح کاجواب اس مذہب پرمبنی ہے جسمیں فعل مضارع حال واستقبال میں مشترک ہے اورباقی دومذہبوں پرتو اعتراض پیداہی نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت ہوکیونکہ ان مذہبوں میں مضارع یاحال کیلئے موضوع ہے یااستقبال کیلئے.(جواہر)☆سوال☆ایک لفظ کی دلالت دومعنوں پرنہیں ہوسکتی☆جواب☆مشترک کی دلالت اسکے تمام معانی پرہوتی ہےالبتہ متکلم کی مراد ان میں سے ایک معنی ہوتا ہے.

اذلا یقدح فی الدلالة علی احد معین ا لدلالة علی ماسواہ نعم یقدح فی ارادۃ المعین ارادۃ ماسواہ واین الدلالة من الارادۃ و لما فرغ من بیان حد الاسم ارادان یذکر بعض خواصہ لیفید زیادۃ معرفة بہ فقال ومن خواصہ منبّھا بصیغة جمع الکثرۃ علی کثرتھا وبمن التبعیضیة علی ان ما ذکرہ بعض منھا ....

کیونکہ ایک معین زمانہ پردلالت کرنے اوراسکے ماسواپردلالت کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ ایک معین کے ارادہ کرنے میں اسکے ماسوا کاارادہ کرنا اسمیں حرج ہے اورکہاں ہے دلالت ارادہ سے اورمصنف جب اسم کی تعریف سے فارغ ہوئے تواسم کے بعض خواص کوذکرکرنا چاہا تاکہ اسم کی زیادہ معرفت کافائدہ دیں توفرمایااوراسم کے خواص میں سے ہے تنبیہ کرتے ہوئے صیغہ جمع کثرت کے ساتھ ان خواص کے کثیرہونے پراورمن تبعیضیہ کے ساتھ اس امرپرکہ مصنف نے جوخواص ذکرکیے ہیں وہ ان خواص کثیرہ میں سے بعض ہیں.

قولہ **اذلا یقدح**:اس میں بھی شارح نے ایک سوال مقدرکاجواب دیاہے.جسکی تشریح یہ ہے کہ جب مضارع حال واستقبال میں مشترک ہوااوردو زمانوں پراس کی دلالت ثابت ہوگئی تواس سے لفظ مشترک کاعموم ثابت ہوااورعموم مشترک جائزنہیں.شارح نے جواب دیاکہ عموم مشترک ارادہ میں جائزنہیں دلالت میں جائزہے اوریہاں یہ عموم دلالت میں ہے نہ کہ ارادہ میں یعنی اسمیں برائی نہیں ہے کہ مضارع دوزمانوں پردلالت کرے تواس کے ساتھ ایک زمانہ پربھی دلالت کرے. ہاں اسمیں برائی ہے کہ مضارع سے ایک معین زمانہ کاارادہ ہوتواسکے ساتھ اس کے ماسواکابھی ارادہ ہواوردلالت وارادہ میں واضح فرق ہےاوریہاں دلالت میں عموم ہے نہ کہ ارادہ میں.قولہ **ولمافرغ**:یہ بھی ایک سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم کی تعریف کے بعداس کے احوال کوبیان کرناچاہئے تھاکیونکہ یہی نحوی کامقصودہےمگرچونکہ بیان احوال کے لئے معرفت موقوف علیہ ہوتی ہےاس لئے تعریف بھی کی مگربیان خواص نہ تومقصودہےاورنہ مقصودکے لئے موقوف علیہ ان کوبیان کرناسوائے اشتغال بمالایعنی کے کچھ نہیں ایساکیوں کیا؟شارح نے جواب دیاکہ اسم کلی ہےاورکلی کے دووجودہوتے ہیں.ایک وجودذھنی دوسراوجودخارجی۔مصنف نے پہلے اسم کی تعریف کی جس سے وجودذھنی معلوم گیا.پھرزیادتی معرفت کے لئے اسم کے خواص بیان کئے تاکہ ان کے بیان سے اسم کاوجودخارجی معلوم ہوجواس کے افرادکے ضمن میں ہے.لھذاکہاومن خواصہ۔قولہ **منبّھا**:یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اسم کے صرف چھ خاصے بیان کئے ہیں لیکن صیغہ جمع کثرت کالائے ہیں اسمیں کیانکتہ ہے؟شارح نے جواب دیاکہ صیغہ جمع کثرت ذکرکرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسم کے خواص کثیرہیں۔قولہ **وبمن**:یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ متن ہےاورمتن میں اختصارپسندیدہ ہوتاہے پس مصنف نے وخواصہ کیوں نہیں لکھاجومختصرہے۔شارح نے جواب دیاکہ من تبعیضیہ لاکراس بات پرتنبیہ فرمائی ہے کہ واقع میں اسم کے خواص کثیرہیں لیکن یہاں جوذکرکئے جارہے ہیں وہ بعض ہیں۔اگرخواصہ کہتے تواضافت کے مفیداستغراق ہونے کی وجہ سے لازم آتاکہ اسم کے صرف یہ خاصے

قولہ **واین الدلالة**:این ظرف مکان،خبرمقدم ہےاورالدلالۃ مبتدامؤخرہے یعنی دلالت وارادہ میں فرق ہے کیونکہ دلالت لفظ کی صفت ہےاورارادہ متکلم کی صفت ہے اوردلالت میں عموم جائزہے.اورارادہ میں جائزنہیں.مثلا لفظ عین جومشترک ہے جب اس کاکوئی ایک معنی مرادلیاجائے تواسکی دلالت توجمیع معانی پرہے مگرمرادان میں سے ایک معین معنی ہے.قولہ **ومن خواصہ**:خواص،خاصۃ یاخاص کی جمع ہےاورخاصۃ میں تاءمبالغہ کی ہے یانقل کی اوربعض نے کہاکہ خاصیۃ بروزن عافیۃ مصدرہے.مصنف

وهی جمع خاصةوخاصة الشئی ما یختص به ولا یو جد فی غیره وهی اما شاملة لجمیع افراد ماهی خاصة له کالکاتب بالقوة للانسان اوغیرشاملة کا لکاتب بالفعل له فمن خواص الاسم دخول اللام ای لام التعریف ولو قا ل دخول حرف التعریف..........................

اورخواص خاصہ کی جمع ہے اور کسی چیز کاخاصہ وہ ہوتا ہے جواس چیز کے ساتھ مخصوص ہواوراسکے علاوہ کسی دوسری چیز میں نہ پایاجائے اورخاصہ یاتواس چیز کے تمام افرادکوشامل ہوگاجس کاوہ خاصہ ہے جیسے کاتب بالقوۃ انسان کیلئے یااس چیز کے تمام افرادکوشامل نہیں ہوگا جیسے کاتب بالفعل انسان کیلئے .پس اسم کے خواص میں سے (دخول لام ہے)یعنی لام تعریف اوراگرمصنف دخول حرف التعریف کہتے

ہیں.قولہ **وهی جمع خاصة**:اس سے مقصودخاصہ کی تحقیق ہے چنانچہ فرمایاکہ کسی شی کاخاصہ وہ ہے جواس شی میں پایاجائے اوراس کے غیر میں نہ پایاجائے۔قولہ **اماشاملة**:یہ ایک سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لام بہت سے اسموں پرداخل نہیں ہوتامثلامضمرات،اسماء اشارات وغیرہ پرلہٰذالام کواسم کاخاصہ بتاناصحیح نہیں ہے۔شارح نے فرمایاکہ خاصہ کی دوقسمیں ہیں.شاملہ اورغیرشاملہ.خاصہ شاملہ وہ ہے جوکسی ماہیت کے تمام افرادمیں پایاجائے جیسے انسان کے لئے کاتب بالقوہ ہونااورخاصہ غیرشاملہ وہ خاصہ ہے جوماہیت کے صرف بعض افرادمیں پایا جائے جیسے انسان کیلئے کاتب بالفعل ہوناچونکہ لام تعریف اسم کاخاصہ غیرشاملہ ہےاس لئے لام بہت سے اسموں پرداخل نہیں ہوتا.**فمن خواص الاسم** اسمیں یہ بتانامقصودہے کہ دخول اللام،مبتداہےاورمن خواصہ اس کی خبرمقدم ہے.یعنی اسم کے خواص میں سے ایک خاصہ دخول لام ہے.

☆فائدہ☆اسم کے خاصہ کی دوقسمیں ہیں لفظی اورمعنوی پھرلفظی کی دوقسمیں ہیں اسکامحل اول اسم ہوگایاآخر.اگراس کامحل ورود اول ہے تویہ لام ہے.اگرآخرہےتویہ نفس حرکت ہوگی یاحرکت کاتابع.اول جرہےاورثانی تنوین.اورخاصہ معنویہ بھی دوحال سے خالی نہیں.ایک یہ کہ مرکب تام کے ضمن میں پایاجائے گایاغیرتام کے ضمن میں اول اسناداورثانی اضافت ہے.قولہ **ای لام التعریف** :یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ دخول لام اسم کاخاصہ نہیں ہوسکتاکیونکہ لام فعل میں بھی ہوتاہے.جیسے لیضرب.شارح نے جواب دیاکہ لام سے مرادلام تعریف ہے یعنی لام تعریف اسم کے ساتھ خاص ہےاورلیضرب کالام،لام امرہے.شارح نے اپنے قول'ولوقال' سے مصنف پراعتراض کیاہے جس کاحاصل یہ ہے کہ لام کیطرح میم بھی تعریف کے لئے آتاہے جیسے لیس من امبرامصیام امسفر میں میم تعریف کے لئے ہےلہٰذامصنف کوچاہئے تھاکہ وہ لکھتے دخول حرف التعریف تاکہ یہ میم کوشامل ہوجاتا.پھراپنے قول **لکنه لم یتعرض** سے اس کاجواب دیاکہ میم کاتعریف کے لئے ہونامشہورنہیں تھااس لئے مصنف نے حرف التعریف کہہ کراسکوشامل نہیں کیا.یااس لئے کہ لام تعریف اصل ہےاورمیم لام سے بدل ہےتواصل کے ذکرپراکتفاءکرلیا

نے **ومن علاماته** نہیں کہااس لئے کہ علامت ذی علامت سے منفک اورجدانہیں ہوتی.جیسے رفع فاعل کی علامت ہےتوفاعل جہاں بھی ہوگااسپررفع لازماًہوگا.لیکن ذی خاصہ سے خاصہ جدابھی ہوتاہے.جیسے زیداسم ہےمگراس کے شروع میں الف لام نہیں ہے.چونکہ لام وغیرہ اسم کے خاصے تھےنہ کہ علامات اس لئے ومن خواصہ کہا۔قولہ **منبها** :یہ قال کے فاعل سے حال ہےیعنی تقدیم خبرحصرکے لئےنہیں کیونکہ اسم کے صرف یہی خواص نہیں جوکافیہ میں مذکورہیں بلکہ اسم کے خواص کثیرہیں.اوربقول محشی علامہ عبدالغفورکےاسم کےخواص بتیس(۳۲)ہیں.بلکہ خبرکی تقدیم خواص کی کثرت پرتنبیہ کرنے لئے ہے.قولہ **ای لام التعریف**:اس تفسیرمیں شارح نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایاہےکہ اللام میں الف لام عہدخارجی کاہےاوراس سے مرادلام تعریف ہےیہ بصریین کامذھب ہے.یااس تفسیرمیں اس بات کی طرف اشارہ ہےکہ اللام کاالف لام مضاف الیہ کےعوض ہےاوریہ کوفیین کامذھب ہے.خلاصہ یہ کہ لام سے مرادلام تعریف ہےکیونکہ عندالاطلاق ذھن اسی کی طرف جاتاہے۔

لکان شاملا للمیم فی مثل قوله علیه السلام لیس من امبر امصیام فی امسفر لکنه لم یتعرض له لعدم شهرته وفی اختیا ره اللام اشارة الی ان المختار عنده ماذهب الیه سیبویه من ان اداة التعریف هی اللام وحدها زیدت علیها همزة الوصل لتعذر الابتداء بالساکن واما الخلیل فقد ذهب الی انها ال کهل و المبرد الی انها الهمزة المفتوحة وحدها زیدت اللام للفرق بینها وبین همزة الاستفهام ....

تو یہ میم کو بھی شامل ہو جاتا جو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد لیس من امبر امصیام فی امسفر کی مثل میں ہے لیکن مصنف میم کی عدم شہرت کی وجہ سے اسکے درپے نہیں ہوا اور مصنف کے لام کو اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسکا مختار وہی ہے جسکی طرف سیبویہ گئے ہیں یہ کہ اداۃ تعریف صرف لام ہی ہے جس پر ہمزہ وصل زیادہ کیا گیا ہے ابتداء بالساکن کے متعذر ہونے کی وجہ سے بہر حال خلیل تو وہ اس طرف گئے ہیں کہ اداۃ تعریف اَلْ ھل کی مثل ہے اور مبرد اس طرف گئے ہیں کہ اداۃ تعریف صرف ہمزہ مفتوحہ ہے لام کو زیادہ کیا گیا ہمزہ تعریف اور ہمزہ استفہام میں فرق کرنے

ہے۔ قولہ **وفی اختیاره**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ انسب یہ تھا مصنف دخول حرف التعریف کہتے تا کہ لام اور میم دونوں کو شامل ہو جاتا لہٰذا انسب کو چھوڑنے کا نکتہ بیان کیا جائے۔ شارح نے جواب دیا کہ نکتہ یہ ہے کہ اس سے الف لام کے متعلق اختلاف کی طرف اشارہ ہو جائے۔ پس اس جگہ تین مذھب ہیں۔ اول۔ سیبویہ کے نزدیک حرف تعریف تنہا لام ہے اور ہمزہ اس کے شروع میں اس لئے لایا جاتا ہے کہ ساکن سے ابتدا متعذر ہے۔ دوم۔ خلیل کے نزدیک حرف تعریف الف اور لام کا مجموعہ ہے۔ جیسے ھل حرف استفہام ہے۔ سوم۔ مبرد کے نزدیک حرف تعریف صرف ہمزہ مفتوحہ ہے اور اس کے بعد لام اس لئے لایا جاتا ہے کہ ہمزہ تعریف اور ہمزہ استفہام میں فرق ہو جائے۔

قولہ **شاملا للمیم**: اس میم سے مراد وہ میم ہے جو لغت حمیر میں تعریف کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ زجاج فرماتے ہیں کہ جب لام ظاہر ہو یعنی مدغم نہ ہو تو حمیر اس لام کو میم سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے حدیث میں "من امبر" ہے۔ اور شرح مغنی میں بعض یمن کے طلبہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے علاقہ کے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا خذ الرمح وارکب امفرس۔ یعنی نیزہ لو اور گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ☆ فائدہ ☆ حدیث میں صرف لفظ البر کے لام کو میم سے بدلا گیا ہے لیکن محدثین نے الصوم اور السفر کے لام کو بھی میم کر دیا ہے۔ قولہ **اللام وحدها**: سیبویہ کے مذھب کی دلیل یہ ہے کہ تعریف تنکیر کی نقیض ہے اور تنکیر کی علامت صرف ایک حرف ہے یعنی تنوین لہٰذا تنکیر کی نقیض تعریف کی علامت بھی صرف ایک حرف ہوگا حملا للنقیض علی النقیض۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر الف لام کا مجموعہ حرف تعریف ہوتا تو الف ساقط ہو جانے کے وقت الف لام کا مدخول معرفہ نہ رہتا کیونکہ مرکب ایک جز کے انتفاء سے منتفی ہو جاتا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ لام دوسرے کلمہ سے ملکر اس کا جز بن جاتا ہے اگر مجموعہ برائے تعریف ہوتا تو لام اپنے مدخول کا جز نہ بنتا بلکہ مستقل کلمہ ہوتا۔ قولہ **لتعذر الابتداء بالساکن**: یعنی لام تعریف مبالغۃ فی الخفت کے لئے ساکن ہوتا ہے یا اس لئے ساکن ہوتا ہے کہ تعریف کی نقیض (تنکیر) کی علامت یعنی نون تنوین ساکن ہوتا ہے۔ اور لام تعریف متحرک بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ بصورت حرکت فتح لام ابتداء سے التباس ہوتا ہے اور بصورت کسرہ لام جر سے التباس ہوتا ہے اور ضمہ دینے سے کثیر الاستعمال میں ثقل آ جائے گا تو لام کو ساکن ہی رکھا گیا اور اس کے اول میں ہمزہ وصلی لایا گیا کیونکہ ابتداء ساکن کے ساتھ مشکل ہے۔ پھر مبالغۃ فی التخفیف کے لئے ہمزہ کو فتح دیا گیا اگرچہ ہمزہ وصلی مکسور آتا ہے۔ اور ابتدا بالساکن کو ختم کرنے کے لئے ہمزہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ ہمزہ حروف زوائد میں سے ہے۔ قولہ **اما الخلیل**: خلیل فرماتے ہیں کہ الف لام کا مجموعہ حرف تعریف ہے اس لئے کہ ہمزہ اگر وصلی ہوتا تو مکسور ہوتا۔ نیز استعمالات میں ہمزہ لام کے ساتھ ہوتا ہے یعنی لام سے جدا نہیں ہوتا جو اس بات کی دلیل ہے کہ تعریف کے لئے الف اور لام دونوں ہیں۔ قولہ **والمبرد**: یہ قول اضعف ہے اس لئے کہ ہمزہ کے حذف

وانـمـا اختـص دخـول حرف التعريف بالاسم لانه لتعيين معنى مستقل بالمفهومية يد ل عليه اللفظ مطابقة والحرف لايد ل على المعنى المستقل والفعل يدل عليه تضمنا لامطابقة وهذه الـخـاصـةليسـت شـامـلـة لـجميع افرادالاسم فان حرف التعريف لا يد خل الضما ئرواسما ء الاشارة وغيرها كالموصولات وكذلک سائرالخواص الخمس المذكورة ههنا ومنها دخول الجرّ وانما اختص دخول الجربالاسم لانه اثرحرف الجر فى المجروربه لفظاوفى المجرور به تقديرا كما فى الاضافة المعنوية ودخول حرف الجر لفظااو تقديرا يختص بالاسم.......

' کے لئے اورحرف تعریف کادخول اسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ حرف تعریف اس معنی مستقل بالمفہومیت کی تعیین کیلئے ہے جس پرلفظ مطابقۃً دلالت کرتا ہے اورحرف معنی مستقل پردلالت ہی نہیں کرتا اورفعل اس پر تضمنا دلالت کرتا ہے نہ کہ مطابقۃً.اور یہ خاصہ اسم کے تمام افرادکوشامل نہیں کیونکہ حرف تعریف ضمائراوراسماء اشارہ وغیرہ مثلاموصولات پرداخل نہیں ہوتااوراسی طرح باقی خواص خمسہ جواجگہ مذکور ہیں (اور) ان خواص میں سے دخول (جر ہے) اوردخول جراسم کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ جرحرف جرکااثر ہے اس اسم میں جوحرف جرلفظی یاتقدیری کے ساتھ مجرور ہے جس طرح کہ اضافت معنویہ میں ہے اورحرف جرکادخول لفظایاتقدیرااسم کے ساتھ مختص ہے.

قولہ **وانمااختص**:یہ بھی سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حرف تعریف کلمہ کی ایک قسم (اسم) کے ساتھ کیوں خاص ہے؟.شارح نے جواب دیا کہ دخول حرف تعریف اسم کاخاصہ اس لئے ہے کہ یہ لام ایسے معنی مستقل کی تعیین کے لئے وضع کیا گیا ہے.جسپر لفظ کی دلالت مطابقی ہواور یہ بات صرف اسم میں پائی جاتی ہے کیونکہ حرف معنی مستقل پردلالت نہیں کرتا.اورفعل معنی مستقل پردلالت توکرتا ہے مگرتضمنا نہ مطابقۃ اس لئے لام تعریف اسم کے ساتھ خاص ہے۔قولہ **وهـذه الـخـاصـة**:شارح نے یہاں صرف اس بات پرتنبیہ فرمائی ہے کہ یہ خاصہ اورباقی خواص ازقبیل قسم ثانی ہیں یعنی خواص غیرشاملہ ہیں کیونکہ لام تعریف اسم کے تمام افراد پرداخل نہیں ہوتا جیسے ضمائروغیرہ۔قولہ **ومـنـهـادخـول**:اس عبارت میں ''منہادخول'' بڑھانے سے شارح کی غرض یہ ہے کہ الجر،اللام پرمعطوف ہے اوردخول الجرمبتدا ہے جسکی خبر''منہا'' ہے.اورانمااختص الخ، میں شارح نے جرکے خاص بالاسم ہونے کی وجہ بتائی ہے یعنی جرحرف جرکااثر ہے مجروربہ میں خواہ حرف جرملفوظ ہوجیسے مررت بزید میں یا حرف جرمقدرہوجیسے اضافت معنویہ (غلام زید) میں اورحرف جرفعل اورحرف پرداخل نہیں ہوتا کیونکہ یہ معنی فعل کواسم تک لیجانے کے لئے موضوع ہے.جس سے معلوم ہواکہ جراسم کاخاصہ ہے ورنہ مؤثر کے بغیراثر کاوجودہوگا جوباطل ہے.لہٰذامناسب یہ ہے کہ یہ حرف اسم پرداخل ہو۔

کے بعدبھی تعریف باقی رہتی ہے اگرصرف ہمزہ تعریف کے لئے ہوتاتوحذف ہمزہ کے بعداس کامدخول معرفہ نہ رہتاقولہ **والجر**:۔مصنف علیہ الرحمۃ نے دخول لام کواولا ذکرکیا کیونکہ اس کامحل اول کلمہ ہے اورجرکوتنوین پرمقدم کیاباوجوداس بات کے کہ لام اورتنوین میں تقابل کی مناسبت ہے یعنی کسی کلمہ میں یہ دونوں خاصے جمع نہیں ہوتے اس لئے کہ جب جراورتنوین کسی کلمہ میں جمع ہوں تووجودمیں تنوین جرسے متاخرہوتی ہے اوران تین خواص کوباقی پرمقدم کیاکہ یہ ازقبیل خاصہ لفظیہ ہیں جسکی اختصاص پردلالت اظہرہے.
قولہ **فی المجروربه لفظا**:۔شارح کاقول لفظابہ کی ضمیرمجرورسے حال ہے اوراسیطرح تقدیراًای حال کونہ ملفوظااورمقدراجس طرح کہ اضافت معنویہ میں حرف جرمقدرہوتا ہے اورشارح علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی حرف جرمقدرعامل ہوتا ہے اورشیخ رضی کے نزدیک مضاف الیہ کومضاف جردیتا ہے .(عقد)

لانـه مـوضـوع لافضاء معنى الفعل الى الاسم فينبغي ان يدخل الاسم ليفضي معنى الفعل اليه واما الاضـافة الـلفظية فهي فرع للمعنوية فينبغي ان لايخالف الاصل بان يختص بما يخالف مـا يـخـتـص بـه الاصـل اعني الفعل او يزيد عليه بان يعم الاسم والفعل ومنهادخول التنوين بـاقسـا مـه الا تـنـوين الترنم وسيجئي في آخر الكتاب ان شاء الله تعالى تعريفه وبيان اقسامه عـلى وجهٍ يظهر جهةاختصاص ماعدا تنوين الترنم به وجهة عدم اختصاص تنوين الترنم به و منهاالاسناداليه هو بالرفع عطف على الدخول ....

کیونکہ حرف جر معنی فعل کو اسم تک پہنچانے کیلئے موضوع ہے پس مناسب یہ ہے کہ حرف جر اسم پر داخل ہوتا کہ فعل کے معنی کو اس تک پہنچائے اور بہر حال اضافت لفظیہ پس وہ اضافت معنویہ کی فرع ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ وہ اصل کے مخالف نہ ہو بایں طور کہ فرع خاص ہو اسکے ساتھ جو اسکا مخالف ہے جسکے ساتھ اصل خاص ہے میری مراد فعل ہے یا فرع اصل سے بڑھ جائے اس طرح کہ اسم اور فعل دونوں کو عام ہوجائے.(اور) ان خواص میں سے دخول (تنوین ہے) اپنے تمام اقسام کے ساتھ سوائے تنوین ترنم کے اور عنقریب ان شاء اللہ آخر کتاب میں تنوین کی تعریف اور اس کے اقسام کا بیان ایسے طریقہ پر آئیگا کہ تنوین ترنم کے ماسوا کے اسم کے ساتھ خاص ہونے اور تنوین ترنم کے اسم کے ساتھ خاص نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہوجائیگی (اور) ان خواص میں سے (مسندالیہ ہونا ہے) یہ رفع کے ساتھ دخول پر معطوف ہے

قولہ **واماالاضافة اللفظية**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا دعوی یہ ہے کہ ہر جر اسم کا خاصہ ہے اور شارح کی دلیل سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جو جر حرف جر کا اثر ہے صرف وہ اسم کا خاصہ ہے.اور چونکہ اضافت لفظیہ میں مضاف الیہ سے پہلے حرف جر نہ لفظا ہوتا ہے اور نہ تقدیرا اس لئے اس کے مضاف الیہ کا جر کسی حرف جر کا اثر نہیں لھذا یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ فعل اضافت لفظیہ میں مضاف الیہ ہوکر مجرور ہوجائے الغرض دلیل سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مطلق جر اسم کا خاصہ ہے.شارح نے جواب دیا کہ اضافت لفظیہ کا جر حروف جر کا اثر نہیں ہے مگر چونکہ یہ اضافت معنویہ کی فرع ہے.لہٰذا مناسب یہ ہے کہ فرع اپنے اصل کے مخالف نہ ہو بایں طور کہ فرع فعل کے ساتھ مختص ہو یا فرع اپنے اصل سے بڑھ جائے بایں طور کہ اسم اور فعل کو عام ہو۔قولہ **والتنوين**: اوران خواص میں سے تنوین ہے.تنوین ترنم کے سوا باقی تمام اقسام کے ساتھ.اور عنقریب آخر کتاب میں انشاءاللہ تنوین کی تعریف اور تقسیم ایسے طریقے پر آئیگی کہ اس سے تنوین ترنم کے اسم کے ساتھ خاص نہ ہونے اور باقی اقسام کے اسم کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوجائے گی۔قولہ **ومنهاالاسناد**: یعنی اسم کا خاصہ مسندالیہ ہونا ہے.مصنف کا قول **الاسناد اليه** ،**دخول** پر معطوف ہے نہ کہ اس کے مدخول (اللام) پر اس لئے کہ متبادر دخول سے اول میں ذکر کرنا یا آخر میں لاحق کرنا ہے اور اسناد میں یہ دونوں منتفی ہیں .کیونکہ اسناد ایک نسبت کا نام ہے جو مسند اور مسندالیہ کے درمیان ہوتی ہے نہ وہ اول میں ہوتی ہے اور نہ آخر میں .

قولہ **واماالاضافةاللفظية**:۔شرح میں مذکور اعتراض جمہور کے مذہب پر ہوتا ہے جن کے نزدیک اضافت لفظیہ میں حرف جر مقدر نہیں ہوتا لیکن ابن حاجب کے نزدیک اضافت لفظیہ میں بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے لہٰذا انکے مذہب کے پیش نظر اعتراض نہیں ہوتا۔قولہ **ان لايخالف الاصل** :اضافت معنویہ اصل ہے کیونکہ اس کے تین فائدے ہیں ۱۔تعریف ۲۔تخصیص ۳۔تخفیف اور اضافت لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا اضافت لفظیہ من حیث الافادہ اضافت معنویہ کا جز ہے اور شی کا جز فرع ہوتا ہے کہ کل کا محتاج ہوتا ہے .

لاعلی مدخوله لان المتبادر من الدخول الذکر فی الاول او اللحوق بالآخر و کلاهما منتفیان فی الاسناد و کذا فی الاضافة والمراد به کون الشئی مسنداالیهٖ وانما اختص هذاالمعنی بالاسم لان الفعل قد وضع لان یکون ابدًامسندا فقط فلو جعل مسنداالیه یلزم خلاف وضعهٖ ومنها الاضافة ای کون الشئ مضافا بتقدیر حرف الجر لابذکره لفظا و وجه اختصاصها بالاسم اختصاص لوازمها من التعریف والتخصیص والتخفیف بها وانما فسرنا الاضافة بکون الشئی مضافالان الفعل اوا لجملة قد یقع مضافاالیه..............

دخول کیمدخول پر معطوف نہیں کیونکہ دخول سے متبادر اول کلمہ میں ذکر کرنا ہے یا آخر کلمہ میں لاحق کرنا اور یہ دونوں اسناد میں منتفی ہیں اور اسی طرح اضافت میں اور الاسناد الیہ سے مراد شی کا مسند الیہ ہونا ہے اور یہ معنی اسم کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ فعل اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ فقط مسند ہو پس اگر فعل مسند الیہ بنایا جائے تو اسکی وضع کے خلاف لازم آئیگا.(اور) ان خواص میں سے (اضافت ہے) یعنی شی کا بتقدیر حرف جر مضاف ہونا نہ کہ لفظا اسکے ذکر کے ساتھ اور اضافت کے اسم کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ اضافت کے لوازم یعنی تعریف اور تخصیص اور تخفیف کا اسم کے ساتھ خاص ہونا ہے اور ہم نے اضافت کی تفسیر شی کے مضاف ہونے کے ساتھ اس لئے کی ہے کہ کبھی فعل یا جملہ بھی مضاف الیہ واقع ہوتا ہے

قولہ **والمراد بہ** :یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب اسناد اسم کے ساتھ ہے تو مسند اور مسند الیہ ہونا بھی اسم کے ساتھ خاص ہونے چاہئیں حالانکہ مسند فعل بھی ہوتا ہے.شارح نے جواب دیا کہ اسناد سے یہاں مسند الیہ ہونا مراد ہے.قولہ **وانما اختص**:اس عبارت میں شارح اس بات کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے یعنی مسند الیہ ہونا اس لئے اسم کا خاصہ ہے کہ فعل کو واضع نے اس لئے وضع کیا ہے کہ وہ ہمیشہ مسند ہی بنے اور حرف کا معنی مستقل نہیں لھذا وہ نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ تو مسند الیہ ہونا اسم کے ساتھ مختص ہو گیا.قولہ **و منها الاضافة ای کون الشئ مضافا**:یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اضافت،مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ایک نسبت غیر تام کا نام ہے.اگر اضافت اسم کا خاصہ ہے تو مضاف اور مضاف الیہ بھی اسم کے ساتھ خاص ہونگے.حالانکہ ایسا نہیں اس لئے کہ فعل کبھی مضاف الیہ ہوتا ہے.جیسے ارشاد باری تعالی یوم ینفع الصادقین صدقہم میں ینفع (فعل) یوم کا مضاف الیہ ہے.شارح نے جواب دیا کہ اضافت سے یہاں مضاف ہونا مراد ہے۔قولہ **بتقدیر حرف الجر**:اسمیں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مضاف ہونا اسم کا خاصہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ فعل بھی مضاف ہوتا ہے جیسے مررت بزید میں زید کی طرف مررت مضاف ہے جواب:یہاں اضافت سے اضافت بتقدیر حرف جر مراد ہے جیسے غلام زید میں حرف جر مقدر ہے.نہ وہ اضافت جسمیں حرف جر مذکور ہو جیسے مررت بزید اور اس بات کی دلیل کہ اضافت اسم کا خاصہ ہے یہ ہے کہ اضافت کے لوازم (تعریف،تخصیص اور تخفیف) اسم کے ساتھ خاص ہیں.اور ہم نے اضافت سے شی کا مضاف ہونا اس لئے مراد لیا ہے کہ کبھی فعل یا جملہ مضاف الیہ واقع ہوتا ہے جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم میں.لہذا اضافت سے جب مضاف ہونا مراد ہوا تو یوم ینفع

قولہ **ابدامسندا**:۔ابدا بنا بر ظرفیت منصوب ہے ای فی الازمان کلہا کیونکہ فعل عرض ہونے کی وجہ سے ذات پر تحقیقا یا تقدیرا دلالت نہیں کرتا اور مسند الیہ دال علی الذات ہوتا ہے.(محرم) قولہ **اختصاص لوازمها** :۔یعنی اضافت کے لوازم تعریف وغیرہ اسم کے ساتھ خاص ہیں.کیونکہ یہ ذات کے اوصاف ہیں.اور فعل عرض ہے ذات

كما في يوم ينفع الصادقين صدقهم وقد يقال هذا بتاويل المصدر اى يوم نفع الصادقين فالاضافة بتقدير حرف الجر مطلقا يختص بالاسم وانما قيدناه بقولنا بتقدير حرف الجر لئلا ينتقض بقولنا مررت بزيد فان مررت مضاف الى زيد بواسطة حرف الجر لفظا وهو اى الاسم قسمان معرب ومبنى لانه لايخلو اما ان يكون مركبا مع غيره اولا والاول اما ان يشبه مبنى الاصل او لا و هذا اعنى المركب الذى لم يشبه مبنى الاصل هو المعرب و ماعداه اعنى غير المركب والمركب الذى يشبه مبنى الاصل مبنىٌ

جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم میں. اور کہا جاتا ہے کہ ینفع الصادقین مصدر کی تاویل میں ہے ای یوم نفع الصادقین پس اضافت بتقدیر حرف جر مطلقا اسم کے ساتھ خاص ہے .اور ہم نے اسکو اپنے قول "بتقدیر حرف الجر" کے ساتھ مقید کیا تا کہ وہ ہمارے قول "مررت بزید" سے منقوض نہ ہو کیونکہ مررت بواسطہ حرف جر لفظی کے زید کیطرف مضاف ہے.(اور وہ) یعنی اسم دو قسم ہے (معرب اور مبنی) اس لئے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں یا تو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں اور اول یا تو مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں اور یہ یعنی مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے یہی معرب ہے اور اسکے ماسوا یعنی غیر مرکب اور وہ مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ ہے مبنی ہیں.

سے اعتراض نہیں پڑیگا قولہ **وقدیقال**: اسمیں مذکورہ سوال کا دوسرے پیرائے میں جواب دیتے ہیں کہ سوال مذکور کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ **یوم ینفع الصادقین** میں فعل (**ینفع**) بتاویل مصدر ہے ای یوم نفع الصادقین صدقہم .پس اضافت بتقدیر حرف جر مطلقا اسم کا خاصہ ہے۔ قولہ **و انما قیدناہ** : شارح نے بتقدیر حرف الجر، بڑھا کر ایک سوال کا جواب دیا تھا اب اسکی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ قید اس لئے بڑھائی تھی کہ مررت بزید کے ساتھ اعتراض نہ ہو کیونکہ اس ترکیب میں زید کی طرف فعل مررت مضاف ہے .لیکن حرف جر اسمیں ملفوظ ہے مقدر نہیں ۔ قولہ **ای الاسم قسمان** : شارح نے الاسم کہکر ھو ضمیر کا مرجع بتایا ہے اور لفظ **قسمان** بڑھا کر ایک سوال مقدر جواب دیا ہے. سوال کی تشریح یہ ہے کہ ھو جو مبتدا ہے وہ عام ہے اور معربٌ ومبنیٌ جو خبر ہے وہ خاص ہے تو اس میں خاص کا حمل عام پر لازم آیا اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اسم کے تمام افراد پر نہ تو معرب صادق ہے اور نہ مبنی .شارح نے جواب دیا کہ خبر قسمان مقدر ہے اور معرب ومبنی احدھما وثانیھما مقدر کی خبر ہیں اور چونکہ ھو عام ہے لہٰذا اس پر تثنیہ کا حمل جائز ہے. قولہ **لانہ لایخلو** : اس عبارت میں شارح اسم کے دو قسموں میں منحصر ہونے کیوجہ بیان کرتے ہیں یعنی اسم کی صرف دو ہی قسمیں ہیں .اس لئے کہ وہ اسم اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں .اگر مرکب ہوگا تو مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں ہوگا اور یہ قسم یعنی جو اسم اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو اور مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو وہ معرب ہے .اور اس کے ماسوا یعنی غیر مرکب اور ایسا مرکب جو مبنی اصل کے مشابہ ہو یہ مبنی ہے۔

نہیں قولہ **فالاضافة**: یہ شرط مقدر کی جزا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے. **اذا كان ينفع بتقدير النفع وبتاويله فالاضافة الخ** "مطلقا" سے مراد یہ ہے کہ اب مضاف اور مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ قرار پائے گا ☆ سوال ☆ آیت میں ینفع (فعل) بتاویل مصدر بتقدیر اَن ہوگا جبکہ یہ موضع اَن مواضع میں سے نہیں ہے جہاں کلمہ اَن مقدر ہوتا ہے ☆ جواب ☆ تقدیر اَن اِن مواضع میں یعنی حتّی وغیرہ کے بعد منحصر نہیں کہ دوسری جگہ مقدر نہ مانا جا سکتا ہو بلکہ ان مواضع کا ذکر صرف انکی شہرت کی بنا پر ہے. ﴿فائدہ﴾ شارح رضی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی دلیل کہ آیت میں فعل (ینفع) مصدر کی تاویل میں ہو کر مضاف الیہ ہے یہ ہے کہ لفظ یوم نکرہ ہے

فالمعرب الذی هو قسم من الاسم المرکب ای الاسم الذی رُکب مع غیرہ ترکیبًا یتحقق معه عامله فیدخل فیه زید و قائم وهولاء فی قولک زید قائم و قام هولاء بخلاف مالیس بمرکب اصلًا من الاسماء المعدودة نحو الف با تا زید عمر وبکروبخلاف ما هومرکب مع غیرہ لکن لا ترکیبًا یتحقق معه عامله کغلام فی غلام زید فان جمیع ذلک من قبیل المبنیات عند المصنف..........................

(پس معرب) جواسم کی ایک قسم ہے(وہ مرکب ہے) یعنی وہ اسم ہے جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوایسی ترکیب سے کہ معرب کے ساتھ اس کا عامل محقق ہوجائے پس معرب کی تعریف میں زیداور قائم اور ھؤلاء داخل ہوجائیں گے جو تمہارے قول "زید قائم اور قام ھؤلاء" میں ہیں بخلاف اس اسم کے جو بالکل مرکب نہ ہو اسماء معدودہ میں سے جیسے الف باء تاء زید عمرو بکراور بخلاف اسکے جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو لیکن ایسی ترکیب سے نہیں کہ اس ترکیب کے ساتھ اسم معرب کا عامل محقق ہوجائے جیسے غلام زید میں لفظ غلام پس یہ تمام مصنف کے نزدیک از قبیل مبنیات ہیں

قولہ **الذی ھو قسم** :یہ اعتراض مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب اور مبنی کی طرف اسم کی تقسیم صحیح نہیں ہے اس لئے کہ شئی کی قسم اپنے مقسم سے اخص ہوتی ہے لیکن یہاں معرب ومبنی جو قسمیں ہیں یہ اپنے مقسم (اسم) سے عام ہیں .شارح نے جواب دیا کہ یہاں معرب ومبنی سے اسم معرب اور مبنی مراد ہیں جو خاص ہیں .پس معرب جو اسم کی قسم ہے ایسا مرکب ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو.قولہ **ای الاسم** :یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ اسمیں ضرب زید کا فعل داخل ہوگیا کہ وہ غیر کے ساتھ مرکب ہے اور مبنی اصل کے مشابہ بھی نہیں بلکہ عین مبنی اصل ہے۔شارح نے جواب دیا کہ المرکب ، میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد اسم مرکب ہے اور ضرب زید میں ضرب اسم نہیں بلکہ فعل مرکب ہے.لہٰذا یہ تعریف مانع ہے.اور **مع غیرہ** سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب اسم کی ایک قسم ہے اور اسم کلمہ کی ایک قسم ہے.اور کلمہ لفظ مفرد کا نام ہے اس لئے اسم معرب مفرد ہوگا نہ کہ مرکب لہٰذا اسم معرب کی تعریف میں لفظ مرکب لانا صحیح نہیں ہے.کیونکہ مفرداور مرکب میں منافات ہے.شارح نے جواب دیا کہ مرکب کے دو معنی ہیں.اول۔مرکب بمعنی مجموعہ.یہ معنی اس وقت ہوتے ہیں جب مرکب کا صلہ لفظ من آئے جیسے الکلام مرکب من اسمیں.دوم۔مضموم مع الغیر.یہ معنی اس وقت ہوتے ہیں جب اس کا صلہ مع آئے.اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے اور یہ معنی کلمہ کے مفرد ہونے کے منافی نہیں ہے. **ترکیبایتحقق** :یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ غلام زید کی ترکیب کا غلام اسمیں داخل ہوگیا کیونکہ وہ بھی اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہے

مگر اسپر تنوین نہیں ہے اور اضافت کے علاوہ کوئی مانع تنوین بھی موجود نہیں لہٰذا لفظ **یوم** کو مضاف ماننا پڑیگا اور مضاف الیہ فعل (**یقع**) کو قولہ **یتحقق معه عامله**:۔☆سوال ☆اگر ترکیب سے مراد ایسی ترکیب ہے جس کے ساتھ عامل محقق ہوتو شارح نے اس طرح کیوں نہیں کہا ، الذی رکب مع عاملہ.☆ جواب☆ تاکہ زید قائم معرب کی تعریف سے خارج نہ ہوجائے کیونکہ یہاں عامل معنوی ہے اور لفظ و معنی میں ترکیب ناممکن ہے.قولہ **کغلام** :اس ترکیب میں لفظ غلام لفظ زید کے ساتھ مرکب تو ہے مگر اس ترکیب سے غلام کا عامل محقق نہیں ہوا بلکہ اسکے مضاف الیہ یعنی زید کا عامل محقق ہوا ہے.یعنی لفظ غلام مضاف الیہ کا عامل ہے یا حرف جار مقدر اس کا عامل ہے لہٰذا اس ترکیب میں غلام مبنی ہے اور زید معرب.قولہ **فان جمیع ذلک**:یہ تمام از قبیل مبنیات ہیں کیونکہ ان میں معرب کی شرط مفقود ہے اس لئے کہ اسماء معدودہ میں ترکیب مفقود ہے اور غلام زید میں تحقق عامل مفقود ہے

الذی لم یشبہ ای لم یناسب مناسبۃ مؤثرۃً فی منع الاعراب مبنی الاصل ای المبنی الذی ھو الاصل فی البناء فالاضافۃ بیانیۃ..

یعنی جو ایسی مناسبت نہ رکھتا ہو جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو (مبنی اصل کے) یعنی وہ مبنی جو بناء میں اصل ہے پس مبنی الاصل میں اضافت بیانیہ

اور مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے حالانکہ غلام ابن حاجب کے نزدیک مبنی ہے. شارح نے جواب دیا کہ معرب کی تعریف میں ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جسمیں مرکب کے ساتھ مرکب کا عامل بھی متحقق ہو جائے اور ترکیب مذکور میں عامل متحقق نہیں ہوا لہٰذا غلام زید کا غلام معرب نہیں ہے. پس مثل زید، قائم اور ھٰؤلاء جو تیرے قول "زید قائم اور قام ھٰؤلاء" میں ہے معرب کی تعریف میں داخل ہو جائے گا. اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک ایسی ترکیب کے ساتھ مرکب ہے کہ اس سے عامل ثابت اور متحقق ہو گیا ہے. بخلاف اس کے جو مرکب ہی نہیں مثلاً اسماء معدودہ جیسے الف، باء، تاء اور زید، بکر وغیرہ اور جو مرکب ہیں مگر اس ترکیب سے عامل متحقق نہیں ہوتا جیسے غلام زید میں غلام تو یہ تمام عند المصنف از قبیل مبنیات ہیں. قولہ **ای لم یناسب**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اسمیں یا زید کا زید داخل ہو گیا. اس لئے کہ زید اپنے غیر (یا) کے ساتھ مرکب ہے اور مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہے. بلکہ یہ مبنی الاصل کے مناسب ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہاں لم یشبہ بمعنی لم یناسب ہے لہٰذا یا زید کا زید معرب کی تعریف میں داخل نہیں ہوا. قولہ **مناسبۃ مؤثرۃ**: اسمیں بھی شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ معرب کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ اس سے غیر منصرف خارج ہو گیا کیونکہ غیر منصرف فعل کے مناسب ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہاں مناسبت سے مراد ایسی مناسبت ہے جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو اور غیر منصرف کی مناسبت مانع اعراب نہیں ہے بلکہ یہ مناسبت صرف جر اور تنوین کو مانع ہے. قولہ **ای المبنی الذی الخ**: اس میں بھی ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب کی تعریف سے اسم فاعل خارج ہو گیا کیونکہ وہ مضارع کے مشابہ ہے اور مضارع کی بنا اصل ہے. شارح نے جواب دیا کہ مبنی الاصل کے دو معنی ہیں. ا۔ جو بنا میں اصل ہو. ۲۔ جسکی بنا اصل ہو. اور مضارع مبنی الاصل بمعنی ثانی ہے کہ افعال میں بنا اصل ہے اور مبنی الاصل بمعنی اول صرف فعل ماضی و فعل امر ہے. اور حروف یہاں اسی کی مشابہت (جو بنا میں اصل ہو) مراد ہے لہٰذا اسم فاعل مبنی نہیں بلکہ معرب میں داخل ہے قولہ **فالاضافۃ بیانیۃ**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبنی الاصل کے یہ معنی مراد لینا کہ جو بنا میں اصل ہو یعنی من حیث الاصل مبنی ہو، درست نہیں کیونکہ یہ معنی مراد لینے کی صورت میں مضاف و مضاف لیہ میں مغایرت نہیں رہے گی جو ضروری ہے. شارح نے جواب دیا کہ مبنی کی اضافت الاصل کی طرف اضافت بیانیہ ہے اور اضافت بیانیہ میں مضاف و مضاف الیہ میں مغایرت نہیں ہوتی. اور مبنی الاصل صرف فعل ماضی، امر بغیر لام کے اور

ہے. قولہ **مناسبۃ مؤثرۃ فی منع الاعراب**: اسمیں غیر منصرف سے احتراز ہے. کیونکہ وہ بھی فعل کے مناسب ہے مگر فعل کے ساتھ اسکی مناسبت منع اعراب میں مؤثر نہیں بلکہ تنوین اور جر کے منع کرنے میں مؤثر ہے. قولہ **فالاضافۃ بیانیۃ**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول "مبنی الاصل" میں مبنی صیغہ اسم مفعول ہے جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہے لہٰذا یہ اضافت لفظی ہوئی جسکے معنی ہونگے المبنی اصلہ یعنی جسکی اصل مبنی ہو اور یہ معنی نہ تو حرف پر صادق ہیں کہ حرف کی اصل نہیں ہے اور نہ امر حاضر اور فعل ماضی پر کیونکہ امر کی اصل فعل مضارع ہے جو مبنی نہیں ہے اور فعل ماضی کی اصل مصدر ہے وہ بھی مبنی نہیں ہے. جواب۔ یہاں پر اسم مفعول کی اضافت اسکے معمول کی طرف نہیں ہے اس لئے یہ اضافت لفظیہ نہیں ہے بلکہ اضافت بیانیہ ہے جیسے خاتم فضۃ میں اضافت بیانیہ ہے اور اضافت بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اسمیں مضاف الیہ کا حمل مضاف پر درست ہوتا ہے. کہا جاتا ہے الخاتم ھو فضۃ لہٰذا مبنی الاصل کے معنی ہونگے المبنی الذی ھو الاصل فی البناء یعنی وہ مبنی جو مبنی ہونے میں اصل

و هو الماضی والا مر بغیر اللام والحرف و بهذا القید خرج مثل هولاء فی مثل قام هؤلاء لکونه مشابها لمبنی الاصل کما سیجئی فی بابه ان شاء اللّٰہ تعالیٰ اعلم ان صاحب الکشاف جعل الاسماء المعدودة العاریة عن المشابهة المذکورة مُعربتو لیس النزاع فی المعرب الذی هو اسم مفعول من قولک اَعْرَبْتُ فان ذلک لایحصل الاباجراء الاعراب علی آخر الکلمة بعد الترکیب بل فی المعرب اصطلاحا.............................

ہے اور وہ مبنی اصل ماضی اور امر بغیرلام کے اور حرف ہیں اوراس قید کے ساتھ مثل ھؤلاء خارج ہوگیا جوقام ھؤلاء کی مثل میں ہے کیونکہ وہ مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسا کہ مبنی کے باب میں ان شاء اللہ آئیگا.جان لوکہ صاحب کشاف نے ان اسماء معدودہ کوجومشابہت مذکورہ سے خالی ہیں معرب قراردیاہے اوراختلاف اس معرب میں نہیں جوآپ کے قول''اعربت''سے اسم مفعول ہے کیونکہ وہ ترکیب کے بعدآخرکلمہ پراعراب جاری کرنے کے بعدہی حاصل ہوتا ہے بلکہ اختلاف اسمیں ہے جوباعتباراصطلاح کے معرب ہے

تمام حروف ہیں لہٰذا جواسم غیر کے ساتھ مرکب ہوگااوران تین میں سے کسی ایک کے مشابہ نہ ہوگاوہ معرب ہوگا.اور جومشابہ ہوگاوہ اسم مبنی ہوگااور وبہٰذ القید سے شارح یہ بتاتے ہیں کہ مصنف کاقول''لم یشبہ''قیداحترازی ہے اوراس قید کے ساتھ قام ھؤلاء جیسے جملے میں ھؤلاء جیسااسم مبنی الاصل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے معرب کی تعریف سے خارج ہوگیا جیساکہ عنقریب آئیگا.قولہ **اعلم ان صاحب الکشاف** :شارح اعلم کہہ کر ماتن پروارد ایک اعتراض کاجواب دے رہے ہیں.جسکی تقریر یہ ہے کہ صاحب کشاف زمخشری نے معرب کی تعریف میں لفظ مرکب ذکرنہیں کیا بلکہ معرب کی تعریف اس طرح کی ہے **المعرب مالم یشبه مبنی الاصل** .اور صاحب کافیہ نے لفظ مرکب کاذکر کیاہے یعنی معرب کی تعریف **المعرب المرکب الخ** سے کرکے ماخوذ عنہ کی مخالفت کی ہے اسکی کیاوجہ ہے؟ شارح فرماتے ہیں کہ یہ مخالفت ایک نکتہ پرمبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسماء معدودہ جومشابہت مذکورہ سے خالی ہیں وہ زمخشری کے نزدیک معرب ہیں اس لئے زمخشری نے معرب کی تعریف میں ترکیب کی قیدنہیں لگائی.اورابن حاجب کے نزدیک یہ اسماء مبنی ہیں اس لئے ابن حاجب نے معرب کی تعریف میں ترکیب کی قیدذکرکی ہے اس اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ زمخشری کے نزدیک معرب وہ ہے جسمیں استحقاق اعراب کی صلاحیت ہو یعنی جسمیں معرب بننے کی صلاحیت ہو وہ معرب ہے اور یہ استحقاق اعراب کی صلاحیت قبل ترکیب ہوتی ہے اس لئے زمخشری نے معرب کی تعریف میں ترکیب کوذکرنہیں کیا.لیکن مصنف کے نزدیک کسی اسم کے معرب ہونے کے لئے محض استحقاق اعراب کی صلاحیت کافی نہیں بلکہ حصول استحقاق بالفعل یعنی اسم کا اعراب کا مستحق بن جانا ضروری ہے جوترکیب کے بعدہوتا ہے اس لئے مصنف نے معرب کی تعریف میں ترکیب کاذکرکیاہے.خلاصہ یہ کہ زمخشری نے معرب کے اندراعراب بالقوۃ البعید کااعتبارکیاہے اورابن حاجب نے اعراب بالقوۃ القریب کااعتبارکیاہے.قولہ **ولیس النزاع**: یہ ایک اعتراض کاجواب ہے جسکی تقریر یہ

ہو اور شک نہیں کہ تمام حروف،امرحاضراور فعل ماضی مبنی ہونے میں اصل ہیں اس لئے ان سب کومبنی الاصل کہنا صحیح ہے(محرم،جواہر)قولہ **والامر بغیر اللام** :امر بغیر لام کے یعنی امرحاضر معلوم کیونکہ امر بالام بالاتفاق معرب ہے اورامر بے لام بصریین کے نزدیک مبنی ہے.﴿فائدہ﴾ میرسید نے جملہ کومبنی اصل میں سے شمار کیا ہے چونکہ شارح کی مراد وہ مبنی اصل ہیں جوکسی حال میں بھی معرب نہیں ہوتے اور جملہ اسطرح نہیں ہے اس لئے جملہ کوشارح نے ذکرنہیں کیا.

فاعتبر العلامة مجرد الصلاحية لاستحقاق الاعراب بعد التركيب وهو الظاهر من كلام الامام عبد القاهر واعتبر المصؔ مع الصلاحية حصول الاستحقاق بالفعلؔ و لهذا اخذ التركيب في تعريفهؔ و اما وجود الاعراب بالفعل في كون الاسم معربًا فلم يعتبره احدٌ ولذلک يقال لم تُعرب الكلمة و هي معربة وانما عدل المصؔ عما هو المشهور عند الجمهور من ان المعرب ما اختلف آخره باختلاف العوامل ....

پس علامہ نے ترکیب کے بعد استحقاق اعراب کیلئے محض صلاحیت کا اعتبار کیا ہے اور یہی امام عبدالقاہر کے کلام سے ظاہر ہے اور مصنف نے صلاحیت کے ساتھ حصول استحقاق بالفعل کا اعتبار کیا ہے اور اسی وجہ سے مصنف نے معرب کی تعریف میں ترکیب کو لیا ہے .اور بہرحال اسم کے معرب ہونے میں اعراب کا بالفعل موجود ہونا تو اسکا کسی نے اعتبار نہیں کیا اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کلمہ کو اعراب نہیں دیا گیا حالانکہ وہ معرب ہے .اور مصنف نے اس تعریف سے عدول کیا جو جمہور کے ہاں مشہور ہے یہ کہ معرب وہ ہے جسکا آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہوجائے

ہے کہ معرب کے معنی ہیں اعراب دیا ہوا اور اسماء معدودہ پر تو کوئی عامل داخل نہیں ہے اور عامل کے بغیر اعراب ممکن نہیں ہے تو وہ کیسے معرب ہوئے اور زمخشری نے اسماء معدودہ کو کیسے معرب قرار دیا ہے؟ .شارح کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ معرب کی دوقسمیں ہیں .اول ۔معرب لغوی .دوم ۔معرب اصطلاحی .یہ اختلاف معرب لغوی میں نہیں ہے بلکہ لغت میں اسماء معدودہ بالاتفاق معرب نہیں ہیں کیونکہ ان پر اعراب نہیں ہے .اختلاف اسمیں ہے کہ نحات کی اصطلاح میں اسماء معدودہ معرب ہیں یا نہیں تو زمخشری کے نزدیک وہ معرب ہیں اور ابن حاجب کے نزدیک وہ معرب نہیں ہیں .قولہ **فاعتبر العلامة**: پس علامہ زمخشری کے نزدیک معرب اصطلاحی وہ اسم ہے جسمیں ترکیب کے بعد اعراب کے مستحق ہونے کی صلاحیت ہو اور ابن حاجب کے نزدیک معرب اصطلاحی وہ اسم ہے جو اعراب کا مستحق بالفعل ہو اور یہ ترکیب کے بعد ہوتا ہے اس لئے ابن حاجب نے معرب کی تعریف میں ترکیب کی قید ذکر کی ہے .قولہ **واما وجود الاعراب بالفعل**: یعنی ماتن نے اگرچہ اسم کے معرب ہونے کیلئے استحقاق اعراب بالفعل کا اعتبار کیا ہے لیکن مصنف یا کسی دوسرے نے اسم کے معرب ہونے کے لئے وجود اعراب بالفعل کا اعتبار نہیں کیا مثلاً جاءنی زید میں زید کو ساکن پڑھیں تو زید معرب نہ ہو کیونکہ وجود اعراب اسمیں بالفعل نہیں ہے یہ کسی نے نہیں کہا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ لم تعرب الکلمۃ وھی معربۃ ،کلمہ اعراب نہیں دیا گیا حالانکہ وہ معرب ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اسم کسی لفظ کے ساتھ مرکب ہو اور اس کا عامل بھی پایا جائے لیکن اس اسم پر اعراب نہ لایا گیا ہو یعنی یہ کلمہ معرب اصطلاحی تو ہے مگر اس پر اعراب بالفعل نہیں لایا گیا یعنی وہ کلمہ معرب لغوی نہیں ہے .قولہ **وانما عدل**: یہ اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جمہور نحات کے نزدیک معرب وہ اسم ہے جس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدل جائے تو ماتن نے یہ تعریف ترک کر کے دوسری تعریف کیوں اختیار کی ہے؟ .شارح نے جواب دیا کہ چونکہ جمہور کی تعریف پر تقدم الشئی علی نفسہ لازم آتا ہے

﴿فائدہ﴾ علامہ جامی قدس سرہ نے معرب کی مشہور تعریف سے عدول کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مشہور تعریف پر دور لازم آتا ہے کیونکہ اختلاف آخر کی معرفت درحقیقت معرب کی معرفت پر موقوف ہے اور مشہور تعریف کے مطابق معرب کی معرفت اختلاف آخر کی معرفت پر موقوف ہے لہٰذا اختلاف آخر کی معرفت اختلاف آخر کی معرفت پر موقوف ہوگئی تو تقدم الشئی علی نفسہ لازم آیا اور یہ دور ہے جو باطل ہے (جواہر) قولہ **فاعتبر العلامة**: ۔لہٰذا زید ترکیب سے قبل زمخشری کے نزدیک معرب ہوگا اور مصنف کے نزدیک مبنی ہوگا

لان الغرض من تدوين علم النحو ان يعرف به احوال اواخر الكلمة في التركيب من لم يتتبع لغة العرب ولم يعرف احكامها بالسماع منهم فان العارف باحكامها كذلك مستغنٍ عن النحو ولافائدة له معتدًّا بها في معرفة اصطلاحاتهم فالمقصود من معرفة المعرب مثلا ان يعرف انه مما يختلف آخره في كلامهم ليجعل آخره مختلفًا فيطابق كلامهم فمعرفته متقدمة على معرفة انه مما يختلف آخره فلو كان معرفته المتقدمةُ حاصلةً بمعرفة هذا الاختلاف و تعريفه به وجب ان يعرف اولا بانه مما يختلف آخره ليعرف انه مما يختلف آخره فيلزم تقدم الشئی على نفسه فينبغي ان يعرف اولا بغير ما عرفه به الجمهور و يجعل ما عرفوه به من جملة احكامه

اس لئے کہ علم نحو کی تدوین سے غرض یہ ہے کہ اس کے ساتھ ترکیب میں اواخر کلمہ کے احوال کو وہ شخص جان لے جس نے لغت عرب کا تتبع نہیں کیا اور نہ ہی اہل عرب سے سن کر اس کے احکام کو جانا کیونکہ جو شخص تتبع یا سماع سے لغت عرب کے احکام کو جانتا ہے وہ علم نحو سے بے نیاز ہے اور اسکو نحویوں کی اصطلاحات جاننے میں کوئی معقول فائدہ نہیں۔ پس معرب کی معرفت سے مقصود یہ ہے کہ مثلا یہ بات جانی جائے کہ معرب اس سے ہے جس کا آخر کلام عرب میں مختلف ہوجاتا ہے تاکہ اسکا آخر مختلف کردیا جائے اور اسکا کلام عرب کے کلام کے مطابق ہوجائے پس ذات معرب کی معرفت اس امر کی معرفت پر مقدم ہے کہ معرب اس سے ہے جسکا آخر مختلف ہوجاتا ہے پس اگر معرب کی معرفت متقدمہ اس اختلاف کی معرفت سے حاصل ہو اور معرب کی تعریف اس اختلاف سے حاصل ہو تو ضروری ہے کہ پہلے معرب کی تعریف اس طرح کی جائے کہ معرب اس قبیل سے ہے جسکا آخر مختلف ہوجاتا ہے تاکہ یہ جانا جائے کہ معرب اس قبیل سے ہے جسکا آخر مختلف ہوجاتا ہے پس تقدم الشئی علی نفسہ لازم آئیگا اس لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے معرب کی تعریف اس تعریف کے غیر کے ساتھ کی جائے جو جمہور نے کی ہے اور جمہور نے جسکے ساتھ معرب کی تعریف کی ہے اسکو معرب کے جملہ احکام میں سے ایک حکم بنایا جائے

اس لئے ابن حاجب نے یہ تعریف ترک کردی ہے۔ جواب کی تشریح یہ ہے کہ علم نحو کے جمع کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے کلمات ثلثہ کے آخر کے احوال اس شخص کو معلوم ہوجائیں جسکو کلام عرب کے تتبع اور اہل عرب سے سنکر کلمات کے آخر کے احوال معلوم نہیں ہوئے۔ کیونکہ تتبع اور سماع کے ذریعے لغت عرب کے احکام کو جاننے والا نحو کی معرفت سے مستغنی ہے اور اصطلاحات نحات کے جاننے میں اسکو کوئی معتد بہا فائدہ نہیں ہے۔ پس مقصود معرب کی معرفت سے یہ ہے کہ وہ شخص یہ جان لے کہ معرب انمیں سے ہے جنکا آخر کلام عرب میں مختلف ہوجاتا ہے تاکہ وہ معرب کے آخر کو مختلف کرے اور وہ معرب کلام عرب کے مطابق ہوجائے۔ پس معرب کی معرفت مقدم ہے اس معرفت پر کہ یہ انمیں سے ہے جنکا آخر اختلاف عوامل سے مختلف ہوجاتا ہے لہٰذا اگر معرب کی معرفت متقدمہ اس اختلاف کی معرفت سے اور معرب کی تعریف اختلاف کی تعریف سے حاصل ہوجائے تو واجب ہے کہ اولا معرب کی تعریف اسطرح کی جائے کہ یہ انمیں سے ہے جنکا آخر مختلف ہوجاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ معرب

قولہ فی معرفة اصطلاحاتهم :۔ بایں طور کہ اس اسم کا نام فاعل ہے اور اسکا مفعول اور اسکا معرب اور اسکا مبنی۔!..............

کما فعله المصنف وحکمُه ای من جملة احکام المعرب وآثاره المترتبة علیه من حیث هومعرب ان یختلف آخره ای الحرف الذی هو آخر المعرب ذاتابان یتبدل حرف بحرف آخر حقیقة اوحکما اذا کان اعرابه بالحرف..................................

جیسا کہ مصنف نے کیا ہے. (اور اسکا حکم) یعنی معرب کے منجملہ احکام میں سے اور اس کے آثار میں سے جو معرب ہونے کی حیثیت سے اس پر مرتب ہیں (یہ ہے کہ اسکا آخر مختلف ہو) یعنی وہ حرف جو معرب کا آخر ہے ذات کے اعتبار سے مختلف ہوجائے اس طرح کہ ایک حرف دوسرے حرف سے حقیقتا یا حکما بدل جائے جبکہ معرب کا اعراب بالحرف ہو

اس قبیل سے ہے جن کا آخر مختلف ہوجاتا ہے تو اس سے تقدم الشئی علی نفسہ لازم آتا ہے. یعنی تقدم معرفت اختلاف کا اوپر معرفت اختلاف کے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ پہلے معرب کی تعریف اس تعریف کے علاوہ کی جائے جو جمہور نے کی ہے اور جمہور کی تعریف کو معرب کے احکام سے ایک حکم قرار دیا جائے. قولہ **وحکمه**: شارح نے من جملۃ الخ سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے. جسکی تقریر یہ ہے کہ مصنف کے قول "حکمہ" میں اضافت مفید استغراق ہے اس لئے کہ اسم ظاہر کی اضافت ضمیر کی طرف استغراق کا فائدہ دیتی ہے. لھذا حکمہ کے معنی ہونگے کہ معرب کے جمیع احکام یہ ہیں کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے مختلف ہوجائے. حالانکہ اختلاف آخر کے علاوہ بھی معرب کے احکام ہیں جیسے حدوث اعراب وغیرہ. شارح نے جواب دیا کہ حکمہ کی اضافت مفید استغراق نہیں بلکہ یہ اضافت عہدی ہے. جس سے مراد بعض احکام ہیں قولہ **وآثاره المترتبة علیه**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حکم کی اضافت معرب کی طرف صحیح نہیں کیونکہ حکم اس نسبت ایجابی یا سلبی کا نام ہے جو مرکب کلامی میں پائی جاتی ہے جبکہ معرب مفرد کی قسم ہے اور مفرد میں کوئی نسبت نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہاں حکم کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی (الاثر المرتب علی الشئی) تو حکمہ کے معنی ہوئے کہ وہ اثر جو معرب پر مرتب ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے وہ یہ ہے کہ اس کا آخر اختلاف عوامل سے مختلف ہوجائے. قولہ **ای الحرف**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب کا یہ حکم جمع مذکر سالم اور تثنیہ سے منقوض ہے. کیونکہ

رأیت مسلمین اور مررت بمسلمین، میں صیغہ تثنیہ ہو یا جمع نون معرب کا آخر ہے مگر یہ نون تینوں حالتوں میں عامل کے بدلنے کے باوجود نہیں بدلا. شارح نے جواب دیا کہ آخر سے مراد معرب کا حرف آخر ہے اور مذکورہ مثال میں نون معرب کا حرف آخر نہیں بلکہ وہ ایک مستقل کلمہ ہے. قولہ

ذاتا: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرب کے آخر سے حرف آخر مراد لینا درست نہیں کیونکہ جاءنی زید ورأیت زیدا ومررت بزید میں حرف آخر جو زید کی دال ہے اختلاف عوامل کے باوجود نہیں بدلا. شارح نے جواب دیا کہ اختلاف آخر میں تعمیم ہے کہ وہ ذاتا بدل جائے اور ذاتا تبدیل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے جیسے جاء ابوک ورأیت اباک ومررت بابیک یا صفۃً جیسے مذکورہ مثالوں میں زید کا آخر صفۃً بدل گیا ہے. قولہ **حقیقة اوحکما**: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ نصب اور جر کی حالت میں تثنیہ اور جمع مذکر سالم کے آخر میں نہ اختلاف ذاتی ہوتا ہے اور نہ اختلاف صفتی. حالانکہ وہ معرب ہیں. شارح نے جواب دیا کہ اختلاف عام ہے کہ حقیقۃً اختلاف ہو یا حکما اور تثنیہ وجمع مذکر سالم کے آخر میں اختلاف اگرچہ حقیقۃً نہیں ہے مگر اختلاف حکما ہے کیونکہ عامل ناصب کے بعد یاء علامت نصب ہے اور عامل جار داخل ہونے کے بعد علامت جر ہے. یعنی تثنیہ وجمع میں تبدل اگرچہ ذاتی نہیں مگر دلالۃً تبدل ہے جو تبدل ذات کے حکم میں ہے.

اوصفةً بان يتبدل صفة بصفة اخرى حقيقةً او حكمًا اذا كان اعرابه بالحركة باختلاف العوامل اى بسبب اختلاف العوامل الداخلة عليه فى العمل بان يعمل بعضٌ منها خلاف مايعمل البعض الآخرُ وانما خصّصنا اختلافها بكونه فى العمل لئلا ينتقضَ بمثل قولنا انّ زيدا مضروبٌ و انى ضربتُ زيدًا و انى ضارب زيدًا فان العامل فى زيدًا فى هذه الصور مختلف بالاسمية و الفعلية و الحرفية مع ان آخر المعرب لم يختلف باختلافه لفظًا او تقديرًا نصب على التمييز اى يختلف لفظ آخره..

یاصفت کے اعتبار سے مختلف ہوجائے اس طرح کہ ایک صفت دوسری صفت کے ساتھ حقیقتاً یا حکماً بدل جائے جبکہ معرب کا اعراب بالحرکت ہو(عوامل کے اختلاف سے)یعنی بسبب داخل ہونے ان عوامل کے جوعمل میں مختلف ہیں اسم معرب پر اس طرح کہ ان میں سے بعض عمل کریں برخلاف اسکے جو بعض آخر عمل کریں اور ہم نے عوامل کے اختلاف کو اختلاف فی العمل کے ساتھ خاص کیا تا کہ یہ حکم اختلاف ہمارے قول "ان زیدا مضروب اور انی ضربت زیدا اور انی ضارب زیدا" سے منتقض نہ ہو کیونکہ ان صور میں زید میں عامل اسمیت اور فعلیت اور حرفیت کے اعتبار سے مختلف ہیں اسکے باوجود معرب کا آخر عامل کے اختلاف کے سبب مختلف نہیں ہوا (**لفظا یاتقدیرا**) تمیز کی بنا پر منصوب ہے یعنی معرب کے آخر کا لفظ

قولہ **اوصفةً بان يتبدل** :اور صفة تبدیلی یہ ہے کہ ایک صفت دوسری صفت سے بدل جائے یعنی ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے.
قولہ **حقيقة اوحكما** :یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ اختلاف صفتی غیر منصرف کی حالت نصبی وجری سے منقوض ہے کہ اسمیں اختلاف صفتی نہیں پایا جاتا.شارح نے جواب دیا کہ اختلاف صفتی عام ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ وہ حکمی ہو اور غیر منصرف میں اختلاف صفتی حکمی پایا جاتا ہے.کیونکہ عامل جارہ کے بعد جو فتح ہے وہ حکما علامت جر ہے.قولہ **بسبب اختلاف** :اس تفسیر میں شارح نے یہ بتایا ہے کہ باختلاف کی باء سببیہ ہے یعنی اختلاف آخر بسبب اختلاف عوامل کے ہو جو معرب پر داخل ہوتے ہیں اور فی العمل اختلاف کے متعلق ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ان زیدا مضروب ،انی ضربت زیدا اور انی ضارب زیدا، میں عوامل مختلف ہیں جسمیں سے کوئی حرف ہے کوئی فعل اور کوئی اسم اسکے باوجود زید(معرب) کا آخر مختلف نہیں ہوا.بلکہ زید ہر صورت میں منصوب ہے.شارح نے جواب دیا کہ اختلاف عوامل سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل میں مختلف ہوں بایں طور کہ ایک دوسرے کے خلاف عمل کرے.اور مذکورہ مثال میں عوامل عمل میں مختلف نہیں ہیں بلکہ حرف ،فعل اور اسم ہونے میں مختلف ہیں.قولہ **وانما خصصنا**:اسمیں شارح نے "**فی العمل** " کی قید بڑھانے کا فائدہ بیان کیا ہے.یعنی ہم نے عوامل کے اختلاف کو اختلاف فی العمل کیساتھ اس لئے خاص کیا ہے کہ ان زیدا مضروب الخ سے اعتراض نہ ہو.کیونکہ ان مثالوں میں زید کے عامل عمل میں مختلف نہیں بلکہ حرفیت ،فعلیت اور اسمیت میں مختلف ہیں قولہ **نصب على التمييز**:یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول" **لفظا اوتقديرا**" کے نصب میں دو احتمال ہیں.ا۔تمیز عن النسبت ہوں.۲۔مفعول مطلق ہوں.اور یہ دونوں صحیح نہیں.اول تو اس لئے کہ نسبت سے جو تمیز ہوتی ہے وہ محول عن الفاعل یا محول عن المفعول ہوتی ہے.یعنی وہ تمیز حقیقت میں کبھی فاعل ہوتی ہے اور کبھی مفعول ہوتی ہے.اور یہاں لفظا یا تقدیرا یختلف کا فاعل نہیں بن سکتے کیونکہ یختلف کا فاعل لفظ آخر موجود ہے اور یہ لازم ہے جسکا مفعول نہیں ہوتا اور.ثانی اس لئے کہ مفعول مطلق فعل

او تقديره او على المصدرية اى يختلف اختلاف لفظ او تقديرً والاختلاف لفظا كما فى قولك جاء نى زيد ورايت زيدًا ومررت بزيد وتقديرًا كما فى قولك جاء نى فتًى ورأيت فتًى ومررت بفتًى فان اصله فتىٌ و فتيًا وبفتيٍ انقلبتِ الياءُ الفا فصار الاعراب تقديريًا والاختلاف اللفظى والتقديرى اعم من ان يكون حقيقةً اوحكمًا كما اشرنااليه لئلا ينتقض بمثل قولنا رايت احمد ومررت باحمد وقولنا رايتُ مسلمين ومررت بمسلمين مثنى اومجموعًافانه قداختلف العوامل فيه ولااختلاف فى آخر احمد حقيقة..............

یا اسکی تقدیر مختلف ہو یا مصدریت کی بنا پر منصوب ہے یعنی مختلف ہو اسم معرب کا آخر مختلف ہونا لفظ کا یا تقدیر کا اور لفظ کے اعتبار سے اختلاف جیسے تمہارے قول "جاء نی زیداوررأیت زیدااور مررت بزید" میں اور تقدیر کے اعتبار سے جیسے تمہارے قول "جاء نی فتی اوررأیت فتی اور مررت بفتی" میں اسلئے کہ فتی کی اصل فَتَیٌ اور فَتَیًا اور بِفَتَیٍ ہے یاء الف سے بدل گئی تو اعراب تقدیری ہوگیا اور اختلاف لفظی اور تقدیری اس سے عام ہے کہ حقیقۃً ہو یا حکمًا جس طرح کہ ہم نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے تا کہ ہمارے قول "رأیت احمدَ اور مررت باحمدَ اور رأیت مسلمین اور مررت بمسلمین" بحالت تثنیہ یا جمع کی مثل سے یہ حکم نہ ٹوٹے کیونکہ اسمیں عوامل مختلف ہیں حالانکہ احمد کے آخر میں حقیقۃً کوئی اختلاف نہیں

مذکور کے معنی میں ہوتا ہے اور فعل مذکور اسجگہ مختلف ہے جسکا معنی اور لفظا وتقدیرا کا معنی ایک نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہ الفاظ منصوب بنا بر تمیز ہیں. اور در حقیقت مختلف کے فاعل ہیں اور بعد رد کرنے عبارت کے اصل کی طرف تقدیر عبارت اسطرح ہے **یختلف لفظ آخرہ او تقدیرہ**. قولہ **اوعلی المصدریۃ**: اسمیں سوال مذکور کا دوسرے پیرائے میں جواب دیا ہے یعنی **لفظا** او **تقدیرا** بنا بر مصدریت کے منصوب ہیں یعنی لفظا اختلافا (مصدر) محذوف ہے جو مفعول مطلق اور مضاف ہے. اور لفظا او تقدیرا مضاف الیہ ہے. تقدیر عبارت اس طرح ہے **یختلف اختلاف لفظ اوتقدیر**. قولہ **والاختلاف لفظا**: اس عبارت میں شارح نے اختلاف لفظی اور تقدیری کی مثالیں بیان کی ہیں. یعنی جاء نی زیدالخ اختلاف لفظی کی مثال ہے اور جاء نی فتی الخ اختلاف تقدیری کی مثال ہے. کیونکہ فتی اصل میں فَتَیٌ تھا یاء الف ہوگئی پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گئی تو اس کا اعراب تقدیری ہوگیا. قولہ **والاختلاف اللفظی**: سابق میں شارح نے حقیقۃً او حکمًا کی قید بڑھا کر ایک سوال کا جواب دیا تھا اب اس قید کے بڑھانے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اختلاف لفظی اور تقدیری عام ہے اور اس کا عموم ضروری ہے تا کہ عوامل کے اختلاف سے اسم معرب کے آخر کا مختلف ہونا ہمارے قول **رأیت احمدالخ** سے نہ ٹوٹ جائے. کیونکہ ان مثالوں میں معرب پر مختلف عامل آئے ہیں. لیکن اسم معرب کا آخر حقیقۃً مختلف نہیں ہوا. پس ان مثالوں میں اسم معرب کا آخر حکمًا بدل گیا ہے. کیونکہ احمد کا فتحہ ناصب کے بعد علامت نصب ہے اور جار

قولہ **یختلف اختلاف لفظ اوتقدیر**:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول "لفظا او تقدیرا" کو عوامل کی تفصیل نہیں بنایا یعنی عام از یں کہ وہ عوامل ملفوظ ہوں یا مقدر اس لئے کہ عامل لفظی اور تقدیری میں منحصر نہیں بلکہ عامل معنوی بھی ہوتا ہے. قولہ **تقدیرا**:۔ اختلاف تقدیری کی دو قسمیں ہیں. اول۔ یہ کہ حرف آخر اور اعراب دونوں مقدر ہوں جیسے جاء نی فتی میں. دوم۔ یہ کہ صرف اعراب تقدیری ہو جیسے جاء نی القاضی (عصمتیہ) قولہ **والاختلاف اللفظی**:۔ اختلاف اعراب چار قسم پر ہے. اول۔ اختلاف حقیقی لفظی جیسے جاء زید میں. دوم۔ اختلاف لفظی تقدیری جیسے ضربت عصا میں. سوم۔ اختلاف لفظی حکمی جیسے مررت باحمد میں. چہارم۔ تقدیری حکمی جیسے مررت بحبلی میں (حاشیہ جامی)

بـل حكمًافان فتحة احمد بعد الناصب علامةُالنصب وبعد الجار علامة الجر وكذاالحال فى التثنيةوالـجـمـع فـآخـرالمعر ب فى هذه الصوريختلف باختلاف العوامل حكمالاحقيقةفان قلت لايتحقق الاختلاف لافى آخرالمعرب ولافى العوامل اذاركب بعضُ الاسماء المعدودةِ الـغيـر المشابهة لمبنى الاصل مع عامله ابتداءً اذ لايترتّب عليه اختلاف الاعراب بل هناك حـدوث الاعـراب بـدخول العامل قلت هذاحكم آخرمن احكام المعرب و الاختلاف حكم آخرفلولم يدخل احدالحكمين فى الآخرلافسادفيه فان للمعرب احكاما كثيرةلم تذكر ههنا فـلـيـكـن هذاالحكم ايضامن هذاالقبيل غاية الامران هذا الحكم لايكون من خوّاصه الشاملة

بلکہ حکما اختلاف ہے اسلئے کہ احمد کا فتحہ ناصب کے بعد علامت نصب ہے اور جار کے بعد علامت جر ہے اور احمد کے آخر میں اختلاف حقیقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ حکم کے اعتبار سے ہے اور یہی حال تثنیہ اور جمع کا ہے پس ان صورتوں میں معرب کا آخر اختلاف عوامل کے سبب حکما مختلف ہے نہ کہ حقیقۃ. اگر تم اعتراض کرو کہ اختلاف متحقق نہیں ہوتا نہ معرب کے آخر میں اور نہ عوامل میں جبکہ بعض اسماء معدودہ کو جومبنی اصل کے مشابہ نہیں ابتداء اسکے عامل کے ساتھ مرکب کیا جائے کیونکہ اس پر اختلاف اعراب کا حکم مرتب نہیں ہوتا بلکہ یہاں عامل کے داخل ہونے کی وجہ سے اعراب کا حدوث اور ظہور ہے تو میں جواب دونگا کہ ظہور اعراب معرب کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور اختلاف آخر دوسرا حکم ہے پس اگر احد الحکمین دوسرے میں داخل نہ ہوتو اسمیں کوئی خرابی نہیں غایت امر یہ ہے کہ یہ حکم معرب کے خواص شاملہ میں سے نہیں ہے

کے بعد علامت جر. قولہ **بـل حـكـمـا** : یعنی لفظ احمد کا فتحہ ناصب کے بعد حقیقۃ علامت نصب ہے لیکن جار کے بعد یہ فتحہ علامت جر ہے کیونکہ فتحہ جر کے حکم میں ہے اسطرح تثنیہ وجمع میں یاء جار کے بعد علامت جر ہے حقیقۃ اور ناصب کے بعد علامت نصب ہے حکما کیونکہ یاء الف کے حکم میں ہے.قولہ **فـان قـلـت لايـتـحـقق** : یہ ایک سوال ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اختلاف عوامل سے آخر کا مختلف ہوجانا اسم معرب کا خاصہ ہے اور شی کا خاصہ شی کو لازم ہوتا ہے لیکن معرب کا یہ خاصہ معرب کو لازم نہیں ہے.کیونکہ اسماء معدودہ جومبنی اصل کے مشابہ نہیں جب پہلی بار اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہوں جیسے جاء زید تو اس صورت میں نہ عوامل کا اختلاف ہوگا اور نہ اسم معرب کے آخر کا اختلاف ہوگا پس معرب سے اسکا حکم جدا ہوجائے گا کیونکہ یہاں پر عامل کے داخل ہونے کی وجہ سے اعراب کا حدوث ہوگا.قولہ **قـلـت هـذاحكم آخر** : شارح نے مذکورہ سوال کا جواب دیا کہ معرب کے احکام متعدد ہیں جن میں سے ایک حکم حدوث اعراب ہے.اور دوسرا حکم اختلاف آخر ہے.پس اگر احد الحکمین دوسرے میں داخل نہ ہوتو اسمیں کوئی خرابی نہیں.حاصل جواب یہ ہے کہ اختلاف عوامل سے آخر کا مختلف ہونا یہ حکم معرب کے خواص شاملہ میں سے نہیں ہے جو

قولہ **ولافى العوامل** :۔ لفظ عوامل بروزن فواعل میں دو احتمال ہیں.اول۔ یہ کہ عاملۃ کی جمع ہو جس طرح کہ ضوارب ،ضاربۃ کی جمع ہے.دوم۔ یہ کہ یہ عامل کی جمع ہو اور فاعل صفتی کی جمع اگرچہ فواعل کے وزن پر نہیں آتی لیکن یہاں عامل سے مراد معنی وصفی نہیں بلکہ معنی اصطلاحی مراد ہے یعنی عرف نحات میں عامل اسم ہوگیا ہے اس لئے اسکی فواعل کے وزن پر جمع آئی ہے.قولہ **حـر كة اوحـرف** : شارح علیہ الرحمۃ نے ای حرکۃ اوحرف سے یہ بتایا ہے کہ ما سے مراد شی نہیں بلکہ حرکت یا حرف ہے.اور نکرہ سے تفسیر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ما موصوفہ ہے اور مقام کا مقتضٰی بھی یہی ہے کہ ما موصوفہ ہو جو نکرہ ہوتا ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے اور اصل خبر میں تنکیر ہے

الاعراب ما ای حرکة اوحرف اختلف آخره ای آخر المعرب من حیث ھو معرب ذاتا او صفة به ای بتلک الحرکة او الحرف وحین یراد بما الموصولة الحرکة او الحرف لایرد النقض بالعامل والمعنی المقتضی ولو ابقیت علی عمومها خرجا بالسببیة المفهومة من قوله به فان المتبادر من السبب هو السبب القریب والعامل والمعنی المقتضی من الاسباب البعیدة

(اعراب وہ ہے) یعنی حرکت یا حرف (کہ اسکا آخر مختلف ہو) یعنی معرب کا آخر اس حیثیت سے کہ وہ معرب ہے ذاتا یا صفۃ (اسکے ساتھ) یعنی اس حرکت یا حرف کے ساتھ اور جب لفظ ما موصولہ کے ساتھ حرکت یا حرف مراد لیا جائیگا تو عامل اور معنی مقتضی کے ساتھ اعتراض نہیں ہوسکے گا اور اگر ما موصولہ اپنے عموم پر باقی رکھا جائے تو عامل اور معنی مقتضی اس سببیت سے خارج ہوجائیں گے جو مصنف کے قول "بہ" سے مفہوم ہورہی ہے اس لئے کہ متبادر سبب سے وہ سبب قریب ہے اور عامل اور معنی مقتضی اسباب بعیدہ میں سے ہیں

مالہ الخاصۃ کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے قولہ **الاعراب ما**: شارح کا قول **ای حرکة اوحرف** ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ اسمیں عامل اور معنی مقتضی للاعراب داخل ہوگئے ہیں. اس لئے کہ ان سے بھی اسم معرب کے آخر میں اختلاف آتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ اعراب کی تعریف میں کلمہ ما سے مراد حرکت یا حرف ہے اور عامل یا معنی مقتضی للاعراب حرکت یا حرف نہیں ہے لہٰذا وہ اعراب کی تعریف میں داخل نہیں ہے اور اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع ہے اور شارح نے آخرہ کے بعد آخر المعرب کہکر آخرہ کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے یعنی اعراب وہ حرف یا حرکت ہے جس کے ساتھ معرب کا آخر ذاتا یا صفۃ بدل جائے بحیثیت معرب ہونے کے قولہ **ولو ابقیت**: یہ سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے یعنی اگر تم لفظ ما کو اس کے عموم پر رکھو ای شی تو لفظ بہ سے مفہوم ہونے والی سببیت سے عامل اور معنی مقتضی للاعراب خارج ہوجائیں گے کیونکہ متبادر سبب سے سبب قریب ہے اور عامل و معنی مقتضی للاعراب اسباب بعیدہ سے ہیں.

اور تعریف میں اگرچہ لفظ مشترک نہیں لایا جاتا لیکن چونکہ نحات میں یہ مشہور و متعارف ہے کہ اعراب صرف حرکت اور حرف سے ہوتا ہے اس لئے یہاں لفظ مشترک لائے ہیں. قولہ **ای بتلک الحرکة او الحرف**: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "بہ" کی ضمیر کا مرجع لفظ ما ہے. جس سے مراد حرکت یا حرف ہے. یہاں الحرکۃ اور الحرف، معرفہ لا کر ما کے موصول ہونے پر تنبیہ کی ہے اور اپنے قول "بما الموصولۃ" سے ما کے موصول ہونے کی صراحت کی ہے. یعنی اس مقام میں ما موصول ہونے کا احتمال رکھتا ہے لیکن اولی یہ ہے کہ ما موصوفہ ہو کہ تعریف کے اندر لفظ ما جنس ہے اور جنس میں عموم ہوتا ہے اور ما موصولہ بنانے کی صورت میں کلمہ ما میں عموم نہیں رہے گا. ☆سوال☆ کلمہ ما سے حرکت اور حرف مراد لینا درست نہیں کیونکہ لفظ واحد سے مختلف الماھیت افراد کا ارادہ کرنا جائز نہیں. ☆جواب☆ یہاں پر کلمہ ما سے مراد صرف حرکت ہے لیکن بحذف معطوف ای حرکۃ او حرف تو شارح کا قول "ای حرکۃ" کلمہ ما کی تفسیر ہے اور اسکا قول "اوحرف" معطوف کا بیان ہے اور کلمہ او تردید کیلئے نہیں بلکہ تقسیم کیلئے ہے (سوال یا سولی) قولہ **السبب القریب**: سبب قریب وہ ہوتا ہے جو بلا واسطہ سبب ہو اور سبب بعید وہ ہوتا ہے جو بالواسطہ سبب ہو. پس سبب سے سبب قریب مراد لینے کی صورت میں عامل اور معنی مقتضی للاعراب، اعراب کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے. کیونکہ یہ حصول اختلاف کے اسباب بعیدہ ہیں. ﴿فائدہ﴾ عامل سبب قریب ہے معنی مقتضی للاعراب کے لئے کیونکہ عامل سے فاعلیت و مفعولیت اور اضافت پیدا ہوتی ہے اور معنی مقتضی للاعراب سبب قریب ہے اعراب کے لئے اور اعراب سبب قریب ہے معرب کے آخر میں اختلاف کے لئے. یعنی معرب کے آخر میں اختلاف کے تین اسباب ہیں جسمیں سے عامل سبب بعید ہے اور معنی مقتضی للاعراب سبب متوسط اور اعراب سبب قریب ہے اور اعراب کی تعریف میں باء جارہ سببیہ ہے جس سے سبب قریب مراد ہے کیونکہ سبب سے سبب قریب متبادر ہے (جواہر صافیہ)

☆☆☆

و بقيد الحيثية خرج حركة نحو غلامي لانه معرب على اختيار المصـ لكن اختلاف هذه الحركة على آخر المعرب ليس من حيث انه معرب بل من حيث انه ما قبل ياء المتكلم و بهذا القدر تم حد الاعراب جمعًا ومنعًا لكن المصـ اراد ان ينبه على فائدة اختلاف وضع الاعراب فضم اليه قوله ليدل على المعاني المعتورة عليه فكانه اراد هذا المعنى حيث قال ليس هذا من تمام الحد لانه خارج عن الحد واللام في ليدل متعلق بامر خارج عن الحد يعني وضع الاعراب المفهوم من فحوى الكلام فانه بعيد عن الفهم غاية البعد فاللام فيه متعلق بقوله اختلف آخره يعني اختلف آخره ليدل الاختلاف او ما به الاختلاف على المعاني يعني الفاعلية والمفعولية والاضافة ....

اورحیثیت کی قید کے ساتھ مثل غلامی کی حرکت خارج ہوگئی کیونکہ مثل غلامی مصنف کی پسند پر معرب ہے لیکن اسکے آخر پر حرکت کا اختلاف اس حیثیت سے نہیں کہ وہ معرب ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ یائے متکلم کا ماقبل ہے اوراس قدر سے معرب کی تعریف جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے مکمل ہوگئی لیکن مصنف نے اس بات کاارادہ کیا کہ وہ وضع اعراب کے اختلاف کے فائدہ پر تنبیہ کردیں تواس نے معرب کی تعریف کے ساتھ اپنا یہ قول ملادیا لیدل علی المعانی المعتورۃ علیہ۔پس گویا کہ مصنف نے اسی معنی کاارادہ کیا جہاں اسنے کہا کہ لیدل تمام حد سے نہیں ہے یہ ارادہ نہیں کیا کہ یہ حد سے خارج ہے اورلیدل کالام امرخارج عن الحد کے متعلق ہے یعنی سیاق کلام سے مفہوم ہونے والاوضع الاعراب سے کیونکہ یہ بہت ہی بعید عن الفہم ہے لہٰذا مصنف کے قول"**لیدل**"کالام اسکےقول"**اختلف آخرہ**"سے متعلق ہے یعنی اسم معرب کا آخر مختلف ہوتا کہ یہ اختلاف یا ما بہ الاختلاف(دلالت کرے ان معانی پر)یعنی فاعلیت اورمفعولیت اوراضافت پر

قولہ **وبقید الحیثیۃ**:شارح نے اعراب کی تعریف میں"من حیث ھومعرب" کی قید بڑھائی تھی،اس عبارت میں اس قید کے بڑھانے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔یعنی حیثیت کی قید بڑھانے سے اعراب کی تعریف سے غلامی کی حرکت خارج ہوگئی۔کیونکہ غلامی مصنف کے نزدیک معرب ہے اورمیم کی حرکت(کسرہ)اسکے معرب ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ میم یا متکلم کا ماقبل ہے۔تواب اعراب کی تعریف جامع ومانع ہوگئی قولہ **لکن المصنف**:یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اعراب کی مذکورہ بالاتعریف اگرجامع ومانع ہے تو پھرلیدل الخ کی ضرورت نہ رہی۔پس مصنف نے بلافائدہ یہ عبارت کیوں ذکر کی ہے؟شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے وضع اعراب کے اختلاف کے فائدہ کوبیان کرنے کے لئے اس عبارت کااضافہ کیا ہے یعنی یہ بتانے کے لئے کہ معرب کے آخرمیں اعراب کااختلاف بے فائدہ نہیں بلکہ معانی معتورہ پردلالت کرنے کے لئے ہے۔اورماتن نے جوامالی کافیہ میں کہاہے"لیس ھذا من تمام الحد"اس سے مرادبھی یہی ہے کہ اس کوتعریف کے تمام ہونے میں یعنی جامع ومانع ہونے میں دخل نہیں ہے۔اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ تعریف کا حصہ نہیں ہے۔اورلیدل کالام کسی امرخارج عن الحد یعنی وضع کے متعلق ہے جوسیاق کلام سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بات فہم سے بہت ہی بعید ہے پس لیدل کالام اختلف کے متعلق ہی ہے یعنی معرب کا آخراعراب کے سبب مختلف ہوجائے تا کہ یہ اختلاف یا ما بہ الاختلاف معانی معتورہ پردلالت کرے۔اورمعانی معتورہ سے مرادمعنی فاعلیت ،معنی

قولہ **غلامی**:۔بعض کے نزدیک غلام مبنی ہے کیونکہ شدت امتزاج کی وجہ سے اس کا آخر وسط ہوگیا ہےاوراعراب وسط میں نہیں آتا لیکن مصنف کے نزدیک معرب ہے کیونکہ اسم معرب کاخاصہ یعنی اضافت اسمیں موجود ہے۔قولہ **علی المعانی**:۔یہ معنی کی جمع ہےاورمعنی ماقام بالشئی کوکہتے ہیں اورفاعلیت وغیرہ بھی قائم بالغیر ہیں۔

المعتورة علی صیغة اسم الفاعل علیه ای علی المعرب متعلق بمعتورة علی تضمین مثل معنی الورود او الاستیلاء یقال اعتوروا الشئی وتعاوروه اذا تدا ولوه ای اخذه جماعة واحدة بعد واحدة علی سبیل المناوبة والبدلیة لا علی سبیل الاجتماع فاذا تداولت المعانی المقتضیة للاعراب المعرب متعاقبة متناوبة غیر مجتمعة لتضاد ها فینبغی ان یکون علاماتها ایضا کذالک فوقع بسببها اختلاف فی آخر المعرب فوضع اصل الاعراب للدلالة علی تلک المعانی ووضع بحیث یختلف به آخر المعرب............................

(جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہیں) معتورۃ صیغہ اسم فاعل پر ہے (اس پر) یعنی معرب پر علیہ معتورۃ کے متعلق ہے ؛ رود اور استیلاء کے معنی کی مثل کی تضمین کی بنا پر کہا جاتا ہے اعتوروا الشئی وتعاوروہ جبکہ کسی شئی کو ایک جماعت دوسری جماعت کے بعد نوبت بنوبت اور بدلیت کی بنا پر لے نہ کہ اجتماعی طور پر پس جب وہ معانی جو اعراب کو مقتضی ہیں معرب پر یکے بعد دیگرے باری باری وارد ہونگے نہ علی سبیل الاجتماع کہ وہ معانی متضاد ہیں تو مناسب ہے کہ ان معانی کی علامتیں بھی ایسی ہی ہوں پس ان معانی مختلفہ کی وجہ سے معرب کے آخر میں اختلاف واقع ہوا لہٰذا اصل اعراب وضع کیا گیا تا کہ ان معانی پر دلالت کرے اور اس حیثیت سے وضع کیا گیا کہ اس اصل اعراب کے ساتھ معرب کے آخر میں اختلاف ہو

مفعولیت اور معنی اضافت ہے. قولہ **المعتورة**: یہ صیغہ اسم فاعل ہے اور جار مجرور (علیہ) اسی کے متعلق ہے اور ضمیر مجرور کا مرجع معرب ہے اور شارح کا قول **علی تضمین** ایک سوال کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ **معتورة** اعتوار سے مشتق ہے جسکو عرب متعدی بنفسہ استعمال کرتے ہیں مصنف اس کا صلہ لفظ علی کیوں لائے ہیں. شارح نے جواب دیا کہ اسمیں ورود اور استعلاء کے معنی کی تضمین ہے. جنکو عرب علی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں. اس لئے معتورة کا صلہ علی لایا گیا ہے. ﴿تضمین﴾ اسکے معنی ہیں کسی فعل یا شبہ فعل میں دوسرے فعل یا شبہ فعل کے معنی کا لحاظ کرنا. جیسے یہاں اعتوار میں ؛ رود اور استعلاء کے معنی کا لحاظ کر کے اعتوار کو متعدی بعلی کیا گیا ہے. **یقال**: اس عبارت میں شارح اعتوار کے معنی بیان کرتے ہیں کہ اعتوار کے معنی ہیں کسی شئی کو دست بدست لینا یعنی جب کسی شئی کو ایک جماعت دوسری جماعت کے بعد نوبت بنوبت علی سبیل البدلیت نہ بطریق اجتماع کے لے تو اسوقت اہل عرب بولتے ہیں اعتوروا الشئی وتعاوروہ. قولہ **علی سبیل المناوبة والبدلية**: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اعراب کا متعدد ہونا درست نہیں کیونکہ ایک ہی اعراب متعدد معنی پر دلالت کر سکتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ وہ معانی معتورہ جو اسم پر وارد ہونگے وہ نوبت بنوبت اور بطریق بدلیت ہونگے نہ بطریق اجتماع. کیونکہ وہ معانی آپس میں متضاد ہیں. یعنی فاعلیت کی حالت میں مفعولیت کے معنی نہ ہونگے اور مفعولیت کی حالت میں فاعلیت کے علی ھذا القیاس حالت اضافت میں فاعلیت اور مفعولیت کے معنی نہیں ہونگے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ معانی معتورہ مقتضی للاعراب معرب پر بسبیل نیابت وبدلیت وارد ہونگے نہ بسبیل اجتماع کہ وہ آپس میں متضاد ہیں تو چاہئے کہ ان معانی کی علامات بھی بطریق بدلیت اسم معرب کے آخر پر وارد ہوں یعنی اعراب ثلثہ (رفع، نصب، جر) یکے بعد دیگرے اسم

قولہ **علی صیغة اسم الفاعل**: یہ شارح حندی پر رد ہے کہ جنہوں نے معتورۃ بصیغہ مفعول ضبط کیا ہے حالانکہ خود مصنف سے بکسر واؤ مروی ہے. قولہ **و تعاوروه**: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معتورۃ میں واؤ کو الف سے کیوں نہیں بدلا گیا حالانکہ واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہے. شارح نے جواب دیا کہ معتل کا مذکورہ بالا قانون جاری کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ جس کلمہ میں واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہو وہ افتعال بمعنی تفاعل نہ ہو چونکہ اعتور بمعنی تعاور ہے اس لئے معتورۃ میں واؤ الف سے نہیں بدلا. نیز تعاوروا لانے سے اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ باب افتعال اور تفاعل یہاں پر ایک معنی میں ہیں اور یہ مدعی پر دلیل ہیں یعنی یہ متعدی بنفسہ ہوتے ہیں علی سے نہیں.

لاختلاف تلک المعانی وانما جعل الاعراب فی آخرالاسم المعرب لان نفس الاسم تدل علی المسمی والاعراب علی صفة ولاشک ان الصفة متاخرة عن الموصوف فالانسب ان یکون الدال علیها ایضا متاخرا عن الدال علیه وهو ماخوذ من اعربه اذا او ضحه فان الاعراب یوضح المعانی المقتضیة او من عربت معدته اذا فسدت علی ان یکون الهمزة للسلب فیکون معناه ازالة الفساد سمی به لانه یزیل فسادالتباس بعض المعانی ببعض وانواعه ای انواع اعراب الاسم ثلثة رفع و نصب و جر ....

کیونکہ وہ معانی مختلف ہیں اوراسم معرب کے آخرمیں اعراب اس لئے کیا گیا کہ نفس اسم مسمی پر دلالت کرتا ہے اوراعراب اس کی صفت پر اوراسمیں شک نہیں کہ صفت موصوف سے مؤخر ہوتی ہے لہٰذاانسب یہ ہے کہ دال علی الصفۃ بھی دال علی الموصوف سے مؤخر ہواوروہ اعراب اَعْرَبہ سے ماخوذ ہے جبکہ اسے کوئی چیز واضح کردے کیونکہ اعراب معانی مقتضیہ کوواضح کردیتا ہے یاعَرُبَتْ معدتہ سے ماخوذ ہے جبکہ معدہ فاسد ہوجائے اس بناپر کہ اعراب کاہمزہ سلب کیلئے ہوپس اعراب کامعنی ازالہ فساد ہوگااوراعراب اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ وہ بعض معانی کے بعض کے ساتھ التباس کے فسادکوزائل کرتا ہے (اوراسکے انواع) یعنی اسم کے اعراب کے انواع تین ہیں(رفع ونصب وجر)

معرب کے آخرمیں آئیں تاکہ متضادکااجتماع نہ ہو.اسی وجہ سے اعراب کوبھی متعدد کردیا گیا.پس ان معانی کے مختلف ہونے کی وجہ سے اعراب بھی مختلف ہوگا.پس اصل اعراب کواس لئے وضع کیا گیا کہ ان معانی پردلالت کرے اوراس حیثیت سے وضع کیا گیا کہ اس اعراب کے ذریعے معرب کے آخرمیں اختلاف ہوکیونکہ وہ معانی مختلف ہیں.قولہ **وانماجعل الاعراب**:یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ محل اعراب اسم کے آخرکوٹھیرانااوراول واوسط کونہ ٹھیراناترجیح بلامرجح ہے ایسا کیوں کیا گیا؟شارح نے جواب دیا کہ معرب کے آخرکومحل اعراب اس لئے ٹھیرایا گیا ہے کہ اسم اپنے مسمّٰی پر(جواس کاموصوف ہے)دلالت کرتا ہے اوراعراب اس مسمّٰی کی صفت پردلالت کرتا ہے اورصفت موصوف سے مؤخرہوتی ہے پس انسب یہ ہے کہ دال علی الصفت بھی دال علی الموصوف سے مؤخرہو.قولہ **وهوماخوذ**:اس عبارت میں شارح اعراب کے لغوی واصطلاحی معنی اوراعراب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں یعنی اعراب اَعْرَبَہ بمعنی اَوْضَحہ سے مشتق ہے تواعراب کامعنی ایضاح ہواپس اعراب اصطلاحی کواعراب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ معانی مقتضیہ للاعراب کوواضح کرتا ہے.یعنی اسم کے فاعل یامفعول یامضاف الیہ ہونے کوبتا تا ہے.یااعراب عَرُبَتْ مِعْدَتہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اس کامعدہ فاسد ہوگیااس صورت میں اعراب کاہمزہ سلب کے لئے ہوگایعنی اعراب کے معنی ازالہ فساد کے ہونگے تواس معنی کے لحاظ سے اعراب کواعراب اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے بعض معانی کابعض کے ساتھ التباس کافساد ختم ہوجاتا ہے.قولہ **ای انواع اعراب الاسم**:شارح نے اس عبارت میں ضمیر مجرورکامرجع بتایا ہے اوراعراب کے ساتھ الاسم کااضافہ کرکے اس اعتراض کاجواب دیا کہ معرب کے اعراب کوتین میں منحصر کرنادرست نہیں کیونکہ معرب کے اعراب کی ایک چوتھی قسم یعنی جزم بھی موجود ہے.شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی مرادیہ ہے کہ اسم معرب کے اعراب تین ہیں اور جزم اسم معرب کااعراب نہیں بلکہ وہ فعل کااعراب ہے.قولہ **ثلثة**:یہ دواعتراضوں کاجواب ہے.☆اعتراض اول☆انواع مبتدا ہے جوباعتبارجمعیت کے مؤنث ہے اوراسکی خبررفع،نصب وجرمذکرہے جبکہ مبتداوخبرکے اندرتذکیروتانیث میں مطابقت ضروری ہے.☆اعتراض دوم☆یہ ہے کہ اسم کااعراب اگررفع،نصب اور جرمیں منحصر ہے تو ماتن نے

قولہ **ثلثة**:محرم آفندی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح نے لفظ ثلثۃ،مقدرکرکے انواعہ کی خبرمقدرکی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ اس امرکی طرف اشارہ کیا ہے کہ انواعہ کی

هـذه الاسماء الثلثة مختصة بالحركات والحروف الاعرابية ولاتطلق على الحركات البنائية اصـلا بـخـلاف الـضـمة والـفتـحة والكسرة فانها مستعملة في الحركات البنائية غالبا و في الحركات الاعرابية على قلة فالرفع حركة كان او حرفًا علم الفاعلية اى علامة كون الشئى فـاعـلا حقيقةً او حكما ليشمل الملحقات بالفاعل ايضا كالمبتدأ والخبر وغيرهما والنصب حـركة كان او حرفا عـلم المفعولية اى عـلامة كـون الشئى مفعولا حقيقة او حكما ليشمل الـملحقات به والجرّ حـركة كان او حرفا علم الاضافة اى عـلامة كـون الشئى مضافا اليه واذا كانت الاضافة بنفسها مصدرا ....

یہ تینوں نام حرکات اور حروف اعرابیہ کے ساتھ مختص ہیں اور حرکات بنائیہ پر ہرگز اطلاق نہیں کئے جاتے برخلاف ضمہ وفتحہ وکسرہ کے کہ وہ اکثر حرکات بنائیہ میں مستعمل ہوتے ہیں اور حرکات اعرابیہ میں بطور قلت (پس رفع) حرکت ہو یا حرف (علم فاعلیہ ہے) یعنی کسی شی کے حقیقۃً یا حکماً فاعل ہونے کی علامت ہے تاکہ علم الفاعلیہ ملحقات بالفاعل مثلاً مبتدا اور خبر وغیرہ کو شامل ہوجائے (اور نصب) حرکت ہو یا حرف (علم مفعولیہ ہے) یعنی شی کے حقیقۃً یا حکماً مفعول ہونے کی علامت ہے تاکہ علم المفعولیہ مفعول کے ملحقات کو شامل ہوجائے (اور جر) حرکت ہو یا حرف (اضافت کی علامت ہے) یعنی کسی شی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے اور جب لفظ اضافۃ خود مصدر تھا

کلمہ حصر ذکر کیوں نہیں کیا؟ شارح نے ثلثہ مقدر نکال کر جواب دیا کہ انواعہ کی خبر ثلثہ ہے جو باعتبار معنی کے جمع ہے اور یہ کلمہ حصر بھی ہے. اور رفع نصب اور جر مبتدا محذوف کی خبر ہے ای احدہا رفع وثانیہا نصب وثالثہا جر. قولہ **هذه الاسماء**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے رفع، نصب وجر کہا ہے. ضمہ فتحہ اور کسرۃ کیوں نہیں کہا؟. جواب کا حاصل یہ ہے کہ معرب کے اعراب کی دو قسمیں ہیں، اعراب بالحرکت اور اعراب بالحرف. تو مصنف نے رفع ونصب وجر اس لئے کہا کہ انکا اطلاق حرکات وحروف اعرابیہ دونوں پر ہوتا ہے اور حرکات بنائیہ پر بالکل نہیں ہوتا لہٰذا رفع ونصب وجر میں معرب کے اعراب کی دونوں قسموں کا ذکر آ گیا، اگر ضمہ وفتحہ وکسرۃ کہتے تو معرب کا اعراب حرکات ہی کے ساتھ مختص ہو جاتا. قولہ **فالرفع حركة كان**: پس رفع حرکت ہو یا حرف فاعل ہونے کی علامت ہے. قولہ **اى علامة كون الشئ فاعلا**: اسمیں یہ بتایا ہے کہ علم بمعنی علامت ہے اور فاعلیت کی یاء مصدری ہے اور **حقيقة اوحكما** سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ رفع کو فاعل ہونے کی علامت بتانا مسلم نہیں کیونکہ رفع تو مبتدا وغیرہ کو بھی ہوتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ فاعل سے عام مراد ہے فاعل حقیقی ہو یا حکمی. اور مبتدا وغیرہ فاعل حکمی ہیں. اور نصب حرکت ہو یا حرف شی کے مفعول ہونے کی علامت ہے خواہ حقیقۃً مفعول ہو یا حکماً جیسے مفعول کے ملحقات حال، تمیز وغیرہ. اور جر حرکت ہو یا حرف شی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے. قولہ **واذا كانت الاضافة**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے فاعل اور مفعول کے ساتھ یائے مصدری لاحق کی ہے اور اضافت کے ساتھ یاء لاحق نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے؟. شارح جواب دیا کہ چونکہ اضافۃ مصدر بنفسہ ہے لہٰذا اس کے ساتھ یا لاحق کرنے کی ضرورت نہیں بخلاف فاعل اور مفعول کے کہ وہ مصدر نہیں ہیں. اس لئے یا لاحق کر کے ان کو

خبر رفع ونصب وجر کا مجموعہ ہے اور خبر میں عطف مقدم ہے اور ربط مؤخر ہے. لہٰذا یہ مفید حصر بھی ہے. انکی وجہ یہ ہے کہ کلام میں اصل یہ ہے کہ ربط مقدم ہو اور عطف مؤخر ہو اور جہاں عطف مقدم ہو جائے تو وہ مفید حصر ہوتا ہے بایں قاعدہ کہ تقدیم ما حقہ التاخیر مفید حصر ہوتا ہے. ☆ سوال ☆ اگر خبر رفع ونصب وجر کا مجموعہ ہے تو ہر ایک پر جدا جدا اعراب کیوں ہے انکے مجموعہ کے آخر میں صرف ایک اعراب کیوں نہیں ہے. ☆ جواب ☆ چونکہ مبتدا باعتبار معنی کے جمع ہے لہٰذا خبر کے ہر جز پر اعراب جاری کر دیا

لم تحتج الی الحاق الیاء المصدریة الیها کمافی الفاعلیة والمفعولیة و انما اختص الرفع بالفاعل والنصب بالمفعول والجربالمضاف الیه لان الرفع ثقیل والفاعل قلیل لانه واحد فاعطی الثقیل القلیل والنصب خفیف والمفاعیل کثیرة لانهاخمسة فاعطی الخفیف الکثیر ولمالم یبق للمضاف الیه علامة غیرالجر جعل علامة له العامل لفظیًاکان او معنویا مابه یتقوم ای یحصل المعنی المقتضی ای معنًی من المعانی المعتورة علی المعرب المقتضیة للاعراب ففی جاء زیدٌ جاء عامل اذ به حصل معنی الفاعلیة فی زید فجعل الرفع

تو اسکے ساتھ یائے مصدریہ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں پڑی جس طرح کہ فاعلیۃ اور مفعولیۃ میں پڑی ,اور رفع کو فاعل کے ساتھ اور نصب کو مفعول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ اسلئے خاص کیا گیا کہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہے کہ ایک ہے پس ثقیل قلیل کو دیا گیا اور نصب خفیف ہے اور مفاعیل کثیر ہیں کہ وہ پانچ ہیں تو خفیف کثیر کو دیا گیا اور جب مضاف الیہ کیلئے جر کے علاوہ کوئی علامت باقی نہ رہی تو جر کو مضاف الیہ کی علامت بنادیا گیا (اور عامل) لفظی ہو یا معنوی (وہ ہے جس کے ساتھ قائم ہو) یعنی حاصل ہو (وہ معنی جو تقاضا کرنے والا ہے) ان معانی میں سے جو معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے ہیں جو مقتضی ہیں (اعراب کے) پس جاءَ زیدٌ میں جاءَ عامل ہے اس لئے کہ اسکے سبب سے زید میں فاعلیت کا معنی

مصدر بنایا گیا ہے. قولہ **وانما اختص**: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ رفع کو فاعل کے ساتھ ,نصب کو مفعول کے ساتھ اور جر کو مضاف الیہ کے ساتھ کیوں مختص کیا گیا ہے. شارح نے جواب دیا کہ رفع ثقیل ہے اور فاعل قلیل ہے کیونکہ اسکی صرف ایک قسم ہے لہٰذا حرکت ثقیل (رفع) قلیل (فاعل) کو دی گئی, اور نصب حرکت خفیف ہے اور مفاعیل کثیر ہیں پس حرکت خفیف کثیر کو دی گئی, اور جب مضاف الیہ کے لئے جر کے علاوہ کوئی علامت نہ رہی تو جر مضاف الیہ کی علامت بنادی گئی. قولہ **ای یحصل** : شارح نے یتقوم کی تفسیر یحصل سے کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ کہنا بجا نہیں کہ عامل کے ساتھ معنی مقتضی للاعراب قائم ہوتا ہے کیونکہ معنی مقتضی للاعراب یعنی معنی فاعلیت معنی مفعولیت اور معنی اضافت یہ تینوں معرب کے صفات ہیں اور معرب کے ساتھ قائم ہوتے ہیں نہ کہ عامل کے ساتھ کیونکہ صفت اپنے موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے لہٰذا معنی مقتضی للاعراب معرب کے ساتھ قائم ہوگا شارح نے جواب دیا کہ یہاں تقوم بمعنی حصول ہے اور **بہ** کی با سببیہ ہے عبارت کے معنی یہ ہیں کہ عامل وہ ہے جس کے سبب سے معنی مقتضی للاعراب حاصل ہوں. قولہ **ای معنی من المعانی**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ عامل کی مذکورہ تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معرب میں معانی متضادہ یعنی معنی فاعلیت وغیرہ جمع ہوتے ہیں اور وہی عامل کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور یہ غلط ہے شارح نے جواب دیا کہ عامل سے معنی مقتضی للاعراب علی سبیل الاجتماع حاصل نہیں

کیا ہے قولہ **لم یحتج** :اس صیغہ میں دو احتمال ہیں, اول ـ یہ مبنی للفاعل ہے اور اسکا فاعل ضمیر مستتر راجع بسوئے مصنف ہے یعنی مصنف کو الحاق یاء کی ضرورت نہیں پڑی. دوم ـ یہ مبنی للمفعول ہے اور الی الحاق الیاء المصدریہ اسکا نائب فاعل ہے یعنی اسمیں الحاق کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ یہ مصدر بنفسہ ہے اور بصورت الحاق یاء اجتماع مصدرین ہو جائیگا ایک تو نفس مصدر اور دوسرا یاء مصدریہ اور یہ یائے نسبت بھی نہیں بن سکتی کہ اضافت کے اخوین یعنی فاعلیہ اور مفعولیہ میں یاء مصدریہ ہے. قولہ **جعل علامۃ لھا**: ـ کیونکہ مضاف الیہ فاعل اور مفعول میں متوسط ہے اس لئے کہ فاعل ایک ہے اور مفعول پانچ ہیں اور مضاف الیہ دو ہیں اور جر بھی رفع اور نصب میں متوسط ہیں

علامة لهاوفی رأیت زیدا رأیت عامل اذ به حصل معنی المفعولیة فی زیداًفجعل النصب علامةً لها وفی مررت بزید الباء عامل اذ به حصل معنی الاضافة فی زید فجعل الجر علامة لها فالمفرد المنصرف ای الاسم المفرد الذی لم یکن مثنی ولا مجموعاولا غیر منصرف کزید و رجل و کذاالجمع المکسر المنصرف ای الذی لم یکن بناء الواحد فیه سالما

حاصل ہوالہٰذارفع کوفاعلیت کی علامت بنادیاگیااوررأیت زیدًامیں رأیت عامل ہے کیونکہ اسکی وجہ سے زیدمیں مفعولیت کامعنی حاصل ہوالہٰذانصب کومفعولیت علامت بنادیاگیااورمررت بزیدمیں باء عامل ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے زیدمیں اضافت کامعنی حاصل ہوالہٰذا جرکواضافت کی علامت بنادیاگیا(پس مفردمنصرف)یعنی وہ اسم مفردجوتثنیہ اورجمع نہ ہواورنہ غیرمنصرف ہوجیسے زیدٌاوررجلٌ(اور)اسی طرح(جمع مکسرمنصرف)یعنی وہ جمع جسمیں واحدکی بناسالم نہ ہو

ہوتے بلکہ بطریق بدلیت حاصل ہوتے ہیں یعنی کبھی کوئی معنی اور کبھی کوئی معنی پس جاءزیدمیں جاء عامل ہے اس لئے کہ اسی کے سبب سے زید میں فاعلیت کے معنی حاصل ہوئے لہٰذا رفع کو فاعلیت کی علامت بنادیا گیا اور رایت زیدا میں رایت عامل ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے زیدا میں مفعولیت کے معنی حاصل ہوئے پس نصب کومفعولیت کی علامت بنادیا گیااورمررت بزیدمیں باءعامل ہے جس کی وجہ سے زیدمیں اضافت کے معنی حاصل ہوئے پس جرکومضاف الیہ ہونے کی علامت بنادیا گیا قولہ **فالمفرد المنصرف** :شارح علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول"**المفرد**" سے پہلے الاسم کااضافہ کرکے اسکاموصوف"**الاسم**"مقدرماناہے کیونکہ زیر بحث اسم ہے.اور"الذی لم یکن"سے ایک سوال مقدرکاجواب دیاہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفردکے کئی معنی ہیں.ایک یہ کہ جسکے لفظ کا جز معنی کے جز پر دلالت نہ کرے.دوم۔یہ کہ واحدہوتثنیہ وجمع نہ ہو.سوم۔یہ کہ جملہ نہ ہو.چہارم۔یہ کہ مضاف ومشابہ مضاف نہ ہو.تواس جگہ مفردکاکونسامعنی مراد ہے؟.شارح نے جواب دیاکہ یہاں مفردکادوسرامعنی مراد ہے.یعنی جوتثنیہ اورجمع نہ ہوبایں قرینہ کہ تثنیہ وجمع کے اعراب کاذکربعدمیں آرہاہے.یعنی اسم مفردمنصرف کااعراب ضمہ,فتحہ اورکسرہ کے ساتھ ہے جیسے زیداوررجل.بحرکات ثلٰثہ آتاہے.اورجمع مکسرمنصرف کااعراب بھی یہی ہے.جیسے رجال.اس مثال میں ایک حرف زائدہوجانے کی وجہ سے جمع میں واحدکاوزن باقی نہیں رہا.اورطلبۃ میں حرف زائداورکم ہوجانے کی وجہ سے واحدکاوزن باقی نہیں رہااوراسکی تاءمبالغہ کے لئے ہے.قولہ **الذی لم یکن**:یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ الجمع المکسر کے معنی ہیں توڑی ہوئی جمع.اورکوئی جمع ایسی نہیں ہے جوتوڑی گئی ہو.اسلئے مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت"**الجمع المکسر**"صحیح نہیں ہے.شارح نے جواب دیاکہ المکسر جمع کی صفت بحالہ نہیں بلکہ صفت بحال متعلقہ ہےاور عبارت کے معنی ہیں وہ جمع کہ جس میں واحدکی بناتوڑی گئی ہویعنی واحدکی بناتغیرسے سالم نہ ہواوروہ جمع غیرمنصرف بھی نہ ہواسم کی یہ دونوں قسمیں

قولہ **فالمفرد**:اسمیں فاءتفصیلیہ ہےیافصیحیہ جوکہ شرط محذوف کے جواب میں آتی ہے جسکی تقدیرعبارت اسطرح ہوگی. **اذاعرفت الاعراب وانواعه فنقول المفردالخ** .اور"**المفرد المنصرف**"سےایسامفردمنصرف مرادہےجواسماءستہ میں سےنہ ہو.یعنی اسم مفردمنصرف جواسماءستہ میں سےنہ ہووہ اس اعراب سے معرب ہوتاہےجومتن میں مذکورہے.(حنفی)قولہ **لم یکن بناء الواحد** :تغیرفی المفردکی دوقسمیں ہیں.تحقیقی اورتقدیری.تغیرتحقیقی کی درج ذیل صورتیں ہیں.۱۔جمع میں صرف واحدکی شکل کاتبدیل ہوجاناجیسے اَسَدٌ کی جمع اُسْدٌ ۲۔حرف بڑھ جانے کی وجہ سے واحدکی شکل کاتغیرہوجاناجیسے رجل کی جمع رجال میں.۳۔حرف کم ہونے کی وجہ سے واحدمیں تغیرجیسے رَسُولٌ کی جمع رُسُلٌ میں.۴۔حرف کی زیادتی وکمی کی وجہ سےواحدکی شکل میں تغیرجیسے غلام کی جمع غلمان میں.اورتغیرتقدیری جیسے فُلْکٌ مفردکاضمہ فُلْکٌ کے

ولم يكن غير منصرف كرجال وطلبة فالاعراب في هذين القسمين من الاسم على الاصل من وجهين احدهما ان الاصل في الاعراب ان يكون بالحركة والاعراب فيهما بالحركة و ثانيهما انه اذاكان الاعراب بالحركة فالاصل ان يكون بالحركات الثلث في الاحوال الثلث والاعراب فيهما بالحركات الثلث في الاحوال الثلث فالاعراب فيهما بالضمة رفعا اى حالة الرفع والفتحة نصبا اى حالة النصب والكسرة جرا اى حالة الجر فنصب قوله رفعا ونصبا وجرا على الظرفية بتقدير مضاف ....

اور نہ ہی وہ جمع غیر منصرف ہو جیسے رجالٌ اور طَلَبَۃٌ. پس اسم کی ان دونوں قسموں کا اعراب دو وجہ سے اصل پر ہے ایک یہ کہ اصل اعراب میں یہ ہے کہ حرکت کے ساتھ ہو اور ان دونوں کا اعراب حرکت کے ساتھ ہے اور دوسری وجہ یہ کہ جب اعراب حرکت کے ساتھ ہو تو اصل یہ ہے کہ وہ بحرکات ثلثہ ہو تینوں احوال میں اور ان دونوں کا اعراب تینوں احوال میں بحرکات ثلثہ ہے. پس اعراب ان دونوں میں (ضمہ کے ساتھ ہے رفع میں) یعنی حالت رفع میں (اور فتحہ کے ساتھ ہے نصب میں) یعنی حالت نصب میں (اور کسرہ کے ساتھ ہے جر میں) یعنی حالت جر میں پس مصنف کا قول "رفعا ونصبا وجرا" کا نصب بتقدیر مضاف بنا بر ظرفیت کے ہے.

اصل ہیں یعنی مفرد منصرف تثنیہ وجمع اور مفرد غیر منصرف کے لئے اصل ہے. اور جمع مکسر منصرف جمع مکسر غیر منصرف کے لئے اصل ہے. اس لئے کہ اسم کا منصرف ہونا اصل ہے اور اعراب میں اعراب بالحرکت خفیف ہونے کی وجہ سے اصل ہے لہٰذا ان دونوں قسموں کو وہ اعراب دیا گیا جو بالحرکت اور حرکات ثلثہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اصل ہے. **فالاعراب فيهما**: شارح نے یہ عبارت مقدر کر کے مصنف کے قول "بالضمۃ" کی ترکیب بتائی ہے کہ بالضمۃ کائن کے متعلق ہو کر "الاعراب مبتدا محذوف کی خبر ہے پھر یہ جملہ "المفرد المنصرف" کی خبر ہے اور شارح کا قول "**حالة الرفع**" سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "رفعا ونصبا وجرا" میں تین احتمال ہیں. اول۔ یہ کہ یہ تینوں بنا بر ظرفیت منصوب ہوں مگر یہ احتمال صحیح نہیں کیونکہ یہ الفاظ نہ ظرف زمان ہیں اور نہ ظرف مکان. دوم۔ یہ کہ یہ بنا بر مصدریت یعنی مفعول مطلق منصوب ہوں یہ بھی درست نہیں کیونکہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہوتا ہے. اور یہاں کوئی ایسا فعل مذکور نہیں ہے کہ یہ الفاظ اس کے معنی میں ہوں. سوم۔ یہ کہ یہ بنا بر حال منصوب ہوں اور یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ حال اپنے ذوالحال پر محمول ہوا کرتا ہے اور یہاں حمل درست نہیں ہے اس لئے کہ اسماء مذکورہ ذات ہیں اور رفع، نصب اور جر اوصاف. تو حال ماننے کی صورت میں وصف کا حمل ذات پر لازم آئیگا جو کہ صحیح نہیں. شارح نے جواب دیا کہ یہ تینوں لفظ بتقدیر مضاف بنا بر ظرفیت منصوب ہیں. ای فی حالۃ الرفع وحالۃ النصب وحالۃ الجر.

ضمہ کی مثل فرض لیا گیا اور فُلْکٌ جمع کا ضمہ اُسْدٌ کے ضمہ کی مثل فرض کر لیا گیا. (عقد النامی). ☆فائدہ☆ اعراب بحرکت اخف اور اخصر ہونے کی وجہ سے اعراب بحرف کے لئے اصل ہے اور اعراب بحرف فرع ہے. ☆سوال☆ مسلمات میں بھی اسکے واحد مسلمۃ کا وزن باقی نہیں رہا لہٰذا اسکو جمع مکسر ہونا چاہئے نہ کہ جمع سالم؟. ☆جواب☆ مسلمات اس لئے جمع سالم ہے کہ اسمیں جمع بناتے وقت واحد کا وزن متغیر نہیں ہوا کہ جمع مسلمتات ہے بعد میں تائے مفرد کو بوجہ تکرار تانیث حذف کر دیا گیا کہ ایک اسم میں دو علامت تانیث کا اجتماع ناپسند ہے لہٰذا یہ جمع سالم ہے۔

ویحتمل النصب علی الحالیۃ او المصدریۃ فالقسم الاول مثل جاء نی رجل ورایت رجلا ومررت برجل والقسم الثانی مثل جاء نی طلبۃ ورایت طلبۃ ومررت بطلبۃ جمع المؤنث السالم وھو مایکون بالالف والتاء واحترز بہ عن المکسر فانہ قد علم بالضمۃ رفعًا والکسرۃ نصبا وجرًا فان النصب فیہ تابع للجر اجراءً للفرع علی وتیرۃ الاصل الذی ھو جمع المذکر السالم فان النصب فیہ تابع للجر کما سیجیٔ ذکرہ مثل جائتنی مسلمات ورأیت مسلمات

اوروہ بنابرحال ہونے یامصدر ہونے کے نصب کا احتمال بھی رکھتا ہے پس قسم اول جیسے جاء نی رجل ورأیت رجلاومررت برجل ہے اور قسم دوم جیسے جاء نی طلبۃ ورأیت طلبۃ ومررت بطلبۃ ہے (جمع مؤنث سالم) اور جمع مؤنث سالم وہ ہے جوالف اورتاء کے ساتھ ہواور مصنف نے السالم کے ساتھ مکسر سے احترازکیاہے کیونکہ جمع مکسر کا حال معلوم ہوچکاہے (ضمہ کے ساتھ) حالت رفع میں (اورکسرہ کے ساتھ) حالت نصب وجر میں پس جمع مؤنث سالم میں نصب، جر کے تابع ہے فرع کواصل کے طریقہ پر جاری کرتے ہوئے جوکہ جمع مذکر سالم ہے کیونکہ جمع مذکرسالم میں نصب ،جر کے تابع ہے جیساکہ عنقریب اسکاذکرآئیگا جیسے جاء تنی مسلمات ورأیت مسلمات

قولہ **ویحتمل النصب** :یعنی الفاظ ثلثہ مذکورہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں اورتینوں مصدر بمعنی مفعول ہوں ای اعرب ھذان القسمان حال کونھامرفوعین ومنصوبین ومجرورین . یابتقدیرمضاف مفعول مطلق ہوں ای اعراب الرفع جوبعر بان مقدرکاہم معنی ہے.قولہ **جمع المؤنث السالم**:السالم،مرفوع ہے کیونکہ یہ جمع المؤنث ،کی صفت ہےاوراسکے ساتھ جمع مکسر سے احترازہے.شارح علیہ الرحمۃ نے اپنے قول"ھو مایکون" سے جمع مؤنث سالم کی تعریف کرکےایک سوال مقدرکا جواب دیاہے.جس کی تشریح یہ ہے کہ بہت سے مذکرکی جمع کااعراب بھی یہی ہوتاہے جومصنف نے جمع مؤنث کابیان کیاہے جیسے مرفوع کی جمع مرفوعات کامنصوب کی جمع منصوبات کااور مجرورکی جمع مجرورات کااعراب ضمہ اورکسرہ کے ساتھ ہے لہٰذااس اعراب کوجمع مؤنث کے ساتھ خاص کردینادرست نہیں.شارح نے جواب دیا کہ عرف میں جمع مؤنث سالم سے ہروہ جمع مراد ہے جوالف اورتاء بڑھاکر بنائی گئی ہوخواہ اس کامفرد مذکر ہوجیسے مرفوع کی جمع مرفوعات یااس کامفرد مؤنث ہوجیسے مسلمۃ کی جمع مسلمات.قولہ **رفعا**:شارح نے رفعا،نصبااورجراکااضافہ کرکے یہ بتایاہے کہ یہ وہم نہ کیاجائے کہ جمع مؤنث سالم پر یہ حرکتیں بیک وقت آتیں ہیں بلکہ ضمہ حالت رفع میں اورکسرہ حالت نصب وجر میں آتاہے.اوراسمیں نصب جرکے تابع ہےاس لئے کہ یہ جمع مذکرسالم کی فرع ہے جسمیں نصب جرکے تابع ہے توجمع مؤنث سالم میں بھی نصب کوجرکے تابع کردیاتاکہ فرع اپنے اصل کے مطابق ہوجائے

قولہ **جمع المؤنث** :۔مصنف علیہ الرحمۃ نے درج ذیل وجوہ کے پیش نظرجمع مؤنث کوغیرمنصرف پرمقدم کیاہے.اول۔یہ کہ جمع مؤنث کی معرفت دشوارنہیں برخلاف غیرمنصرف کے.دوم۔یہ کہ جمع مؤنث سالم کااعراب اسکولازم ہے لیکن غیرمنصرف کواس کااعراب لازم نہیں بلکہ کبھی اس سے زائل ہوجاتاہے جیسے دخول لام سے اس پرکسرہ آجاتاہے.سوم۔یہ کہ نصب کاجرکے تابع ہوناکثیرہے لیکن جرکانصب کے تابع ہوناکثیرنہیں اورکثیرالاستعمال اولیٰ بالتقدیم ہوتاہے. چہارم۔یہ کہ غیرمنصرف میں اپنے اصل کی مخالفت کثیرہے کہ کسرہ اورتنوین دونوں متروک ہیں اورجمع مؤنث میں صرف نصب متروک ہے.قولہ **اجراء للفرع** :۔اورفرع کواصل پرحمل کرنااوراسکے مطابق لانا جبکہ ممکن ہوضروری ہے تاکہ فرع اصل کے خلاف نہ ہو☆سوال☆اگراصل اورفرع میں موافقت امرضروری ہے توجمع مؤنث سالم اعراب میں اپنے اصل کے خلاف

ومررت بمسلمات غیر المصرف بالضمة رفعا والفتحة نصبا وجرا فالجر فیه تابع للنصب

کما سنذکره نحو جاء نی احمد ورایت احمد ومررت باحمد اخوک وابوک وحموک

بکسر الکاف لان الحم قریب المرأة من جانب زوجها فلا یضاف الا الیها و هنوک والهن

الشئی المنکر الذی یستهجن ذکره کالعورة الغلیظة والصفات الذمیمة والافعال القبیحة

وهذه الاسماء الاربعة منقوصات واویة وفوک وهو اجوف واوی لامه هاءٌ اذا اصله فوهٌ

وذومال وهو لفیف مقرون بالواوین اذا اصله ذَوَوٌ ....

ومررت بمسلمات (غیر منصرف ضمہ کے ساتھ) حالت رفع میں (اور فتحہ کے ساتھ) حالت نصب وجر میں پس اسمیں جر، نصب کے تابع ہے اس وجہ سے جسکو ہم عنقریب ذکر کریں گے جیسے جاء نی احمد ورأیت احمد ومررت باحمد (ابوک اور اخوک اور حموکِ) کاف کے کسرہ کے ساتھ کیونکہ حَم شوہر کی جانب سے عورت کے رشتہ دار کو کہتے ہیں لہٰذا حَم صرف عورت کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے (اور هنوک) اور هَن وہ منکر شئی ہے جسکا نام لینا برا سمجھا جاتا ہے جیسے شرمگاہ اور بری عادتیں اور برے کام اور یہ چاروں اسماء ناقص واوی ہیں. (اور فوک) اور وہ اجواف واوی ہے جسکا لام هاء ہے کیونکہ اسکی اصل فوہ ہے. (اور ذومال) اور وہ لفیف مقرون ہے دو واؤ کی وجہ سے کیونکہ اسکی اصل ذَوَوٌ ہے

قولہ **غیر المنصرف**: یعنی غیر منصرف کا اعراب حالت رفع میں ضمہ سے اور حالت نصب وجر میں نصب سے ہوگا جیسے جاء احمد ورأیت احمد و مررت باحمد. قولہ **بکسر الکاف**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جسطرح ابوک اور اخوک کے کاف کو فتح اور کسرہ پڑھ سکتے ہیں کیا اسی طرح حموک کے کاف کو بھی مفتوح اور مکسور پڑھ سکتے ہیں؟ شارح نے جواب دیا کہ حموک کے کاف کو صرف مکسور پڑھ سکتے ہیں کیونکہ حَم، عورت کے اس رشتہ دار کو کہتے ہیں جو شوہر کی جانب سے ہو لھذا حَم کی اضافت ضمیر مؤنث کی طرف ہوگی اور کاف کو مکسور پڑھا جائے گا قولہ **هنوک**: شارح علیہ الرحمۃ لفظ هَن کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ هَن اس چیز کو کہتے ہیں جس کا نام لینا قبیح ہے جیسے شرمگاہ اور بری عادتیں جیسے کذب اور غیبت اور برے کام جیسے زنا اور شرب خمر قولہ **منقوصات**: یعنی یہ چاروں اسم ناقص واوی ہیں اور اصل میں اَخَوٌ، اَبَوٌ، حَمَوٌ اور هَنَوٌ تھے بدلیل اخوان، ابوان، حموان اور هنوان. حالت افراد اور حالت اضافت الی یاء المتکلم میں واؤ کو خلاف قیاس حذف کر دیا گیا. اور انکی کثرت کی وجہ سے انکو فوک (اجوف) پر مقدم کیا گیا ہے قولہ **فوک**: یہ اجوف واوی ہے اور اسکا لام ہاء تھا کیونکہ اصل میں فوہ تھا بدلیل افواہ آخر سے ہاء کو خلاف قیاس حذف کرکے واؤ کی مناسبت سے فاء کو ضمہ دیا تو بوقت اضافت فوک ہوا قولہ **ذومال**: ذو اصل میں ذَوَوٌ بالواوین تھا واؤ ثانی کو تخفیفاً حذف کرکے ذال کو واؤ کی موافقت میں ضمہ دیا تو ذو ہوا. اور ذا اور ذی یعنی حالت نصبی اور حالت جری میں ذال کی حرکت اعراب کے مطابق بدل

کیوں ہے یعنی معرب بالحرکت کیوں ہے؟ ☆ جواب ☆ اس لئے کہ یہاں اعراب میں موافقت ناممکن ہے کیونکہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں ایسا حرف نہیں ہے جو اعراب بن سکے قولہ **فوک**:۔ یہ اصل میں فاء کے فتحہ اور سکون واؤ کے ساتھ یعنی فوہ تھا جسکی دلیل اسکی جمع افواہ ہے کیونکہ جمع شئی کو اسکے اصل کی جانب لوٹا دیتی ہے ہاء کو حذف کیا اور حالت رفع میں واؤ کو میم کیا اور غیر یاء کی جانب اضافت کے وقت واؤ مقلوبہ واپس آ گیا تو فوک ہوا (محرم وتحفہ) ﴿فائدہ﴾ ذوو کے اول واؤ کو کراہت اجتماع واوین کے پیش نظر حذف کر دیا گیا اور اولی یہ ہے کہ دوسرے واؤ کو حذف کیا گیا کیونکہ محل تغیر یعنی لام کلمہ میں واقع ہے یا اسکے اخوات یعنی اخ وغیرہ کی مشابہت کے پیش نظر

ﷺ وانما اضیف ذوالی الاسم الظاهر دون الکاف لانه لایضاف الاالی اسماء الاجناس فاعراب هذه الاسماء الستة بالواو رفعًا والالف نصبًا والیاء جرًا ولکن لا مطلقا بل حال کونها مکبرةً اذ مصغراتها معربةً بالحرکات نحوجاء نی اخیک ورایت اخیک ومررت باخیک وموحدةً اذالمثنی والمجموع منها معرب باعراب التثنیةوالجمع ....

اورذوکی اضافت اسم ظاہرکی طرف کی گئی ہے نہ کہ کاف ضمیرکیطرف اس لئے کہ ذوصرف اسماء اجناس کی طرف مضاف ہوتاہے.پس ان اسماء ستہ کا اعراب (واؤکے ساتھ ہے)حالت رفع میں(اورالف کے ساتھ ہے)حالت نصب میں(اوریاء کے ساتھ ہے)حالت جرمیں اورلیکن نہ مطلقا بلکہ حال ہونے انکے مکبرہ کیونکہ انکے مصغرات معرب بالحرکات ہیں جیسے جاء نی اخیک الخ اورحال ہونے انکے موحدہ کیونکہ انکے تثنیہ وجمع ،تثنیہ و جمع کے اعراب کے ساتھ معرب ہوتے ہیں.

گئی ہے.قولہ **وانما اضیف**: یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے کلمہ ذوکوضمیرکی طرف مضاف کیوں نہیں کیا؟شارح نے جواب دیاکہ ذواس لئے وضع کیاگیاہے کہ اس کے توسط سے اسم جنس کوکسی کی صفت قراردیں اس لئے اس کامضاف الیہ ہمیشہ اسم جنس ہوتاہے اورضمیریں اسم جنس نہیں کہ وہ معرفہ ہوتی ہیں اس لئے ذوضمیرکی طرف مضاف نہیں ہوتا.قولہ **فاعراب**:۔یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ واؤ،الف اوریاءکوان اسماءکااعرب قراردینادرست نہیں کیونکہ ان کے آخرمیں واؤموجودہے جس کے ہوتے ہوئے دوسراواؤیاالف یایاء کیسے آسکتے ہیں.شارح نے جواب دیاکہ یہاں پراسماء مذکورہ خصوصامرادنہیں بلکہ ان کی انواع مرادہیں جن کواسماءستہ سے تعبیرکیاجاتاہے کیونکہ حکم کلی پرہوتاہے یعنی اسماءستہ کااعراب واؤاورالف اوریاء کے ساتھ ہے.قولہ **لکن لامطلقا**:۔یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسماءستہ پربطورعموم یہ حکم لگاناکہ ان کااعراب واؤ،الف اوریاء کے ساتھ ہوتاہے صحیح نہیں کیونکہ یہ اسماء جب مصغرہوں توان کااعراب حرکت کے ساتھ ہوتاہے جیسے جاءنی اُخَیّک ورأیت اُخَیّک ومررت باُخَیّک.شارح نے جواب دیاکہ مذکورہ حکم مطلقانہیں بلکہ یہ اعراب اس وقت ہے جب یہ اسماء مکبرہوں اس لئے کہ ان کی تصغیریں معرب بالحرکت ہوتی ہیں نیزیہ اعراب اسوقت ہے جبکہ یہ اسماء موحدہوں اورتثنیہ یاجمع نہ ہوں کیونکہ بصورت تثنیہ یاجمع ان کااعراب تثنیہ اورجمع والاہوتا ہے اورمصنف نے امثلہ پراکتفاکرتے ہوئے ان دوقیدوں کی صراحت نہیں کی.

واؤثانی کوحذف کردیاگیا.(محرم) قولہ **فاعراب**:۔علامہ نورالحق فرماتے ہیں کہ اکثرایساہوتاہے کہ حکم فخص پرکیاجاتاہے مگراس سے مقصودنوع پرحکم ہوتاہے مثلاکہاجاتا ہے زیدضاحک بالطبع اوراس سے مرادانسان ضاحک بالطبع ہوتاہے کیونکہ خاص کے ضمن میں عام بھی پایاجاتاہے اس لئے اُخوک وغیرہ سے مراداسماءستہ ہیں.قولہ **بالواو**: ۔اگرجارمجرورکومعرب مقدرکے متعلق کردیاجائے اورمرادیہ ہوکہ اسماءستہ حالت رفع میں اس واؤکے ساتھ اعراب دئے جاتے ہیں جوان میں موجودہے اورحالت نصب میں واؤسے مبدل الف سےاورحالت جرمیں الف سے مبدل یاء سے تویہ بھی درست ہے.قولہ **اذ مصغراتها**:۔یعنی اسماءستہ میں سے جنکی تصغیرآتی ہے ان کااعراب بحرکات ثلثہ ہوگالہٰذاذوسے اعتراض نہیں ہوگاوجہ یہ ہے کہ تصغیرکے عین اورلام کلمہ کامتحرک ہوناواجب ہے تاکہ فعیل کاوزن ثابت ہوسکے اورحروف علت جواعراب بنتے ہیں ان کاساکن ہوناضروری ہے تاکہ وہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہوجائیں جوبحالت وقف ساکن ہوجاتی ہے(عبدالغفور) قولہ **والجمع**:۔پس اگرجمع مکسرہوں تو معرب بالحرکت ہوں گے جیسے جاءنی آباؤک ورأیت آبائک ومررت بآبائک اوراگرجمع صحیح ہوں تومعرب بالواووالیاءہوںگے جیسے جاءنی ابون ورأیت ابین ومررت بابین اورجمع سالم صرف اب،اخ،ذواورحم کی آتی ہے.﴿فائدہ﴾ ذوکامؤنث ذات ہے جواصل ذوات تھااورتثنیہ مؤنث ذواتا ہےاورجمع مذکرسالم ذُوُون اورذوین ہے.

وانما لم يصرح بهذين القيدين اكتفاء بالامثلة مضافة لانها اذا كانت مكبرة و موحدة ولم تكن مضافة اصلا فاعرابها بالحركات نحو جاء نی اخ ورايت اخا ومررت باخ فينبغی ان تكون مضافة ولكن الی غير ياء المتكلم لانها اذا كانت مضافة الی ياء المتكلم فحالها كسائر الاسماء المضافة اليها ولم يكتف فی هذا الشرط بالمثال لئلا يتوهم اشتراط اضافتها بكونها الی الكاف وانما جعل اعراب هذه الاسماء بالحروف لانهم لما جعلوا اعراب المثنی و جمع المذكر السالم بالحروف ارادوا ان يجعلوا اعراب بعض الاحاد ايضا كذلك لئلا يكون بينهما وبين الآحاد وحشة و منافرة تامة و انما اختاروا اسماء ستة لان اعراب كل من المثنی والمجموع ثلثة فجعلوا فی مقابلة كل اعراب اسما ....

اور مصنف نے مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے ان دو قیدوں کی صراحت نہیں کی (مضاف ہونے کی حالت میں) اسلئے کہ اسماء ستہ جب مکبرہ اور موحدہ ہوں اور مضاف بالکل نہ ہوں تو انکا اعراب حرکات کے ساتھ ہوگا جیسے جاءنی اَخٌ ورأیت اخاً ومررت باخٍ پس مناسب یہ ہے کہ یہ مضاف ہوں اور لیکن (غیر یائے متکلم کی طرف) اس لئے کہ جب یہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو انکا حال ان تمام اسماء کی مثل ہوگا جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور مصنف نے اس شرط میں مثال پر اکتفاء نہیں کیا تا کہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ ان اسماء کی اضافت کا کاف کی طرف ہونا ضروری ہے اور ان اسماء کا اعراب حروف کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ نحویوں نے جب تثنیہ وجمع مذکر سالم کا اعراب حروف کے ساتھ کیا تو یہ ارادہ کیا کہ بعض احاد کا اعراب بھی اسی طرح کر دیں تا کہ تثنیہ وجمع اور احاد کے درمیان اجنبیت اور منافرت تامہ نہ ہو اور نحویوں نے چھ اسماء کو اعراب بالحرف کیلئے اس لئے منتخب کیا کہ تثنیہ وجمع میں سے ہر ایک کے تین اعراب ہیں تو انہوں نے ہر اعراب کے مقابلہ میں ایک اسم کو کر دیا

قولہ **مضافة**:۔ اور اسماء ستہ کا یہ اعراب اس وقت ہے جب یہ مضاف ہوں. پس اگر مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت بحرکات ثلثہ ہوگا جیسے جاءنی اَخٌ ورأیت اخاً ومررت باخٍ اور یہ اضافت غیر یائے متکلم کی طرف ہو ورنہ بصورت اضافت الی یاء المتکلم ان کا اعراب باقی اسماء کی مثل ہوگا جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہوتے ہیں یعنی اسوقت ان کا اعراب تقدیری ہوگا جیسے جاءنی اَخی ورأیت اخی ومررت باخی. قولہ **ولم یکتف**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے **مضافة** کی قید صراحتا کیوں ذکر کی ہے اور مثال پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ اگر مصنف اس شرط کی صراحت نہ کرتے اور مثال پر اکتفا کرتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اسماء ستہ کا مذکورہ اعراب اسوقت ہے جب یہ کاف ضمیر کی طرف مضاف ہوں حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ اسم ظاہر یا ضمیر غائب کی طرف مضاف ہوں تو بھی ان کا یہی اعراب ہوتا ہے. قولہ **وانما جعل**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ان اسماء کو مفرد والا اعراب کیوں نہیں دیا گیا جبکہ یہ مفرد ہیں شارح نے جواب دیا کہ تثنیہ اور جمع مذکر سالم کا

قولہ **مضافة**:۔ یہ ظرف سے حال ہے اسی لئے شارح علیہ الرحمۃ نے بالواو اخ کو مقدم کر دیا ہے کیونکہ ظرف عامل معنوی ہے جس پر حال کی تقدیم جائز نہیں اور یہ سیبویہ کا مذھب ہے اور اخفش کے نزدیک ظرف پر تقدیم حال جائز ہے کہ جبکہ ظرف سے قبل مبتدا ہو اور کافیہ کے جن نسخوں میں مضافۃ کی تقدیم ہے وہ سہو کتابت ہے (کاملی

وانما اختاروا هذه الاسماء الستة لمشابهتها المثنى والمجموع في كون معانيها منبئة عن تعدد ولوجود حرف صالح للاعراب في اواخرها حين الاعراب سماعا بخلاف سائر الاسماء المحذوفة الاعجاز كيد ودم فانه لم يسمع فيها من العرب اعادة الحروف المحذوفة عند الاعراب المثنى ومايلحق به وهو كلا ....

اوران اسماء ستہ کواس لئے منتخب کیا کہ یہ تثنیہ وجمع کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اس بات میں کہ ان کے معانی تعدد کی خبر دینے والے ہیں اوراس لئے کہ ان چھ کے آخر میں ایسا حرف موجود ہے جو بوقت اعراب سماعا اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے بخلاف باقی اسماء محذوفۃ الاعجاز مثل یدٌ اور دمٌ کے کہ بوقت اعراب ان کے حروف محذوفہ کا اعادہ عرب سے مسموع نہیں.(تثنیہ)اور جواس کے ساتھ ملحق ہے (اور)وہ(کلا ہے)

اعراب چونکہ حرف کے ساتھ ہے تو بعض مفردات کو بھی اعراب بحرف دیا گیا تا کہ تثنیہ وجمع اور احاد کے درمیان وحشت اور منافرت تامہ نہ ہواور یہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں.قولہ **وانما اختاروا**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ نحات نے اعراب بالحرف کیلئے ان چھ اسموں کو کیوں منتخب کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ ان چھ اسموں کوتثنیہ وجمع کے ساتھ چونکہ مشابہت ہے اس لئے ان کا انتخاب کیا گیااوروہ مشابہت یہ ہے کہ ان اسماء کے معانی میں تثنیہ وجمع کی طرح تعدد پایا جاتا ہے مثلاً اخ دوسرے اخ کومستلزم ہے اوراب ابن کومستلزم ہے اورحم زوج کو مستلزم ہے اورھن یعنی مکروہ ناپسند کرنے والے کو مستلزم ہے اورفم صاحب فم کومستلزم ہے اورذو مصاحبین کومستلزم ہے اس لئے ان اسماء کومنتخب کیا گیا. قولہ **ولوجود حرف**:۔یہ مذکورہ بالا جواب پر اعتراض کا جواب ہے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ابن ولداورام کے معنی میں بھی تعدد ہے پھر مذکورہ چھ اسموں کی خصوصیت کیوجہ کیا ہے.شارح نے جواب دیا کہ ان چھ اسموں کے آخر میں ایسا حرف موجود ہے جو بوقت اعراب سماعی طور پر اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے انکو اعراب بالحرف دیا گیا.قولہ **بخلاف**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حرف صالح للاعراب تو یدٌ اور دمٌ کے آخر میں بھی ہے کیونکہ یدٌ اصل میں یدیٌ اور دمٌ اصل میں دموٌ تھے تو ان کا اعراب بالحرف کیوں نہیں.شارح نے جواب دیا کہ اسماء محذوفۃ الاعجاز مثلا یداوردم کے حروف کو اہل عرب بوقت اعراب نہیں لوٹاتے اس لئے ان کا اعراب حروف سے نہیں ہے لیکن اسماء ستہ کے حروف کو اہل عرب واپس لاتے ہیں جیسے جاءنی ابوک اس لئے اسماء ستہ کا اعراب بالحروف قرار پایا.قولہ **ومایلحق به** :یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ المثنی کے ذکر کے بعد کلا اور اثنان واثنتان کا ذکر لغو ہے کیونکہ یہ تینوں بھی مثنی ہیں تو مصنف نے لغو کا ارتکاب کیوں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ تینوں اسم مثنی نہیں بلکہ ملحق بالمثنی ہیں کہ ان کا مدلول دو ہے اور انکی صورت بھی تثنیہ جیسی ہے اس لئے ان کا ذکر کرنا لغو نہیں اور یہ تینوں اسم مثنی اس لئے نہیں کہ مثنی وہ لفظ ہے جسکا مفرد ہواوران تینوں کا مفرد نہیں ہے گویا کہ مثنی کی دو قسمیں ہیں,اول۔مثنی حقیقی .دوم۔ملحق بالمثنی.

قولہ کلا:۔کلا کلا اصل میں کلوٌ تھا واؤ الف ہو جانے کے بعد کلا ہوا یہ لفظ کے اعتبار سے واحد ہے لیکن ہمیشہ ضمیر تثنیہ کی جانب اضافت کی وجہ سے اس نے مضاف الیہ سے تثنیہ ہونا حاصل کرلیا ہے اس لئے یہ ملحق بالتثنیہ ہے حقیقی تثنیہ نہیں کیونکہ کلام عرب میں اسکا مفرد.کل بکسر کاف نہیں آیا اوراسکی طرف واحد کی ضمیر لوٹتی ہے جیسے کلا الرجلین جاء اورارشاد باری تعالی کلتا الجنتین آتت اکلہا میں اکلہا کی ضمیر واحد کلا کی مؤنث یعنی کلتا کی طرف راجع ہے نیز کلا کا الف جاءنی کلا الرجلین ورأیت کلا الرجلین ومرت بکلا الرجلین میں یاء سے تبدیل نہیں ہوا اگر یہ تثنیہ کا الف ہوتا تو حالت نصب وجر میں یا ہو جاتا یہ تمام چیزیں کلا کے واحد ہونے کی دلیل ہیں(عبد,رضی ,عقد)

وكذا كلتاو لم يذكره لكونه فرع كلا مضافا اى حال كون كلا و كلتا مضافا الى مضمر وانما قيد بذالك لان كلا باعتبار لفظه مفرد وباعتبار معناه مثنى فلفظه يقتضى الاعراب بالحركات ومعناه يقتضى الاعراب بالحروف فروعى فيه كلا الاعتبارين فاذا اضيف الى المظهر الذى هو الاصل روعى جانب لفظه الذى هو الاصل واعرب بالحركات التى هى الاصل لكن تكون حركاته تقديرية لان آخره الفٌ تسقط بالتقاء الساكنين نحو جاء نى كلا الرجلين ورأيت كلا الرجلين و مررت بكلا الرجلين

اوراسی طرح کلتا اور مصنف نے کلتا کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ کلا کی فرع ہے (جبکہ مضاف ہو) یعنی حال ہونے کلا اور کلتا کے مضاف (ضمیر کی طرف) اور مصنف نے کلا کو مضاف ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کہ کلا لفظ کے اعتبار سے مفرد اور معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے تو کلا کا لفظ اعراب بالحرکات کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا معنی اعراب بالحروف کا پس کلا میں دونوں اعتبار کا لحاظ کیا گیا لہٰذا جب وہ اسم ظاہر کی طرف مضاف کیا جائیگا جو اصل ہے تو اسکی جانب لفظ کی رعایت کی جائیگی جو اصل ہے اور اس کو اعراب بالحرکات دیا جائیگا جو اصل ہے لیکن اس کی حرکات تقدیری ہونگی کیونکہ اس کا آخر الف ہے جو التقائے ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے جاء نی کلا الرجلین ورأیت کلا الرجلین ومررت بکلا الرجلین

قولہ وكذا كلتا:۔ شارح نے اپنے قول "**ولم يذكره الخ**:۔ سے شارح پر وارد کئے گئے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اگر کلا کی مثل کلتا بھی ملحق بالمثنی ہے تو مصنف نے اسکو ذکر کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ کلتا، کلا کی فرع ہے اور جب اصل اور فرع کا ایک حکم ہو تو اصل کو ذکر کرنے کے بعد فرع کے ذکر کی حاجت نہیں رہتی اس لئے مصنف نے کلتا کو ذکر نہیں کیا۔ قولہ **حال کون کلاو کلتا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "کلا" **المثنی** پر معطوف ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے بعد واقع حال دونوں سے حال ہوتا ہے جس سے لازم آیا کہ مثنی کا اعراب بھی مضافا الی مضمر کے ساتھ مقید ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کا قول "**مضافا**" فقط معطوف یعنی کلا سے حال ہے اور قاعدہ مذکورہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ قولہ **الی المظهر الذی هو الاصل**:۔ یعنی کلا کی اضافت جب اسم ظاہر کی طرف ہو تو وہ اعراب بالحرکت دیا گیا کیونکہ اسم ظاہر کیطرف اضافت اصل ہے اور اعراب بالحرکت بھی اصل ہے۔ پس برعایت تناسب اصل کو اصل دیا گیا علامہ رضی فرماتے ہیں کلا اور کلتا معارف کی تاکید کیلئے وضع کئے گئے ہیں اس لئے ان کی اضافت الی المعارف ضروری ہے جیسے جاء نی کلا الرجلین۔ قولہ **لكن تكون حركاته**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جاء نی کلا الرجلین میں کلمہ کلا اسم ظاہر کیطرف مضاف ہے پھر اس کا اعراب بالحرکت نہیں تو تناسب مذکور کی رعایت کہاں ہوئی؟۔ شارح نے جواب دیا کہ اس مثال میں تناسب مذکور کی رعایت ہے کیونکہ کلا کا اعراب بالحرف نہیں بلکہ اعراب بالحرکت ہے لیکن حرکت تقدیری ہے کیونکہ کلا کے آخر میں الف ہے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے تلفظ میں ساقط ہو گیا ہے تو محل اعراب ساقط ہو جانے کی وجہ سے کلا کا اعراب تقدیری ہو گیا۔

قولہ **كلتا**:۔ اس کی تاء تانیث کیلئے نہیں کیونکہ تاء تانیث درمیان میں نہیں آتی بلکہ یہ تاء واؤ سے مبدل ہے کہ اصل میں **کلوا** تھا اور اس کا الف برائے تانیث ہے۔
قولہ **جاء نی کلا الرجلین**:۔ ﴿سوال﴾ شارح نے جاء نی کلا رجلین مثال کیوں نہیں دی کہ الف باقی رہے ﴿جواب﴾ اس لئے کہ کلا کی اضافت معرفہ کی طرف

واذا اضيف الى المضمر الذى هو الفرع روعى جانب معناه الذى هو الفرع واعرب بالحروف التى هى الفرع نحوجاء نى كلاهماورأيت كليهما ومررت بكليهما فلذٰلك قيد كون اعرابه بالحروف بكونه مضافا الى مضمر و اثنان و كذا اثنتان و ثنتان فان هذه الالفاظ وان كانت مفردة لكن صورتها صورة التثنية ومعناها معنى التثنية فالحقت بها بالالف رفعا والياء المفتوح ماقبلها نصبًاوجرًّاكماسيجئى جمع المذكرالسالم والمراد به ماسمى به اصطلاحًا و هو الجمع با لواووالنون فيدخل فيه نحو سنين وارضين مما لم يكن واحده مذكرًالكن يجمع بالواووالنون وما الحق به و هو اُولو جمع ذولا عن لفظه

اور جب وہ ضمیر کی طرف مضاف کیا جائیگا جووہ فرع ہے تواس کی جانب معنی کی رعایت کی جائیگی جوفرع ہے اوراعراب بالحروف دیاجائیگا جوکہ فرع ہے جیسے جاء نی کلاہماورأیت کلیہماومررت بکلیہماپس اسی وجہ سے مصنف نے اس کے اعراب بالحروف ہونے کواس کے ضمیر کی طرف مضاف ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے (اور اثنان) اوراسی طرح اثنتان اورثنتان پس یہ الفاظ اگرچہ مفرد ہیں لیکن ان کی صورت تثنیہ کی صورت جیسی ہے اوران کا معنی تثنیہ کے معنی جیسا ہے لہٰذا یہ تثنیہ کے ساتھ ملحق کردیئے گئے (الف کے ساتھ) حالت رفع میں (اور یاء کے ساتھ) جس کا ماقبل مفتوح ہے نصب اورجر کی حالت میں جیسا کہ عنقریب آئیگا (جمع مذکر سالم) اوراس سے مرادوہ ہے جواصطلاح میں اس نام کے ساتھ موسوم ہے اوروہ ایسی جمع ہے جوواؤاورنون کے ساتھ ہوپس اس میں اَرَضِیْن اور سِنِین جیسی جموع کہ جنکا واحد مذکر نہیں لیکن جمع واؤاورنون کے ساتھ آتی ہے داخل ہوجائیں گی (اور) جوجمع مذکر سالم کے ساتھ ملحق ہے اوروہ (اُولُو ہے) جوذو کی جمع من غیرلفظہ ہے

قولہ اثنان واثنتان: یہ دونوں لفظ بھی ملحق بالمثنی ہیں کیونکہ ان کیلئے مفرد یعنی اثن ثابت نہیں اوراکی صورت تثنیہ جیسی ہے اورمعنی بھی تثنیہ جیسا ہے یہاں مصنف نے اصل کے ذکر پراکتفاء نہیں کیا بلکہ فرع یعنی اثنتان کو بھی ذکر کیا ہے کیونکہ ذکر کرنا اصل ہے اورحذف کرنا فرع ہے اوراصل کونکتہ کی احتیاج نہیں ہوتی البتہ حذف میں نکتہ بیان کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ **قولہ والمراد به:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جمع مذکر سالم کا اعراب بالواووالیاء بتانا درست نہیں کیونکہ سنۃ اورارض جومؤنث ہیں انکی جمع بھی واؤاوریاء کے ساتھ آتی ہے جیسے سنون وارضون اورسنین اورارضین۔شارح نے جواب دیا کہ یہاں جمع مذکر سالم سے اصطلاحی جمع مذکر مراد ہے یعنی وہ جمع جومفرد کے آخر میں واؤاورنون بڑھا کر بنائی جائے خواہ اس کا مفرد مذکر ہویا مؤنث۔پس سنون وغیرہ جن کا واحد مذکر نہیں ہے لیکن واؤونون کے ساتھ جمع آتی ہیں وہ سب جمع مذکر میں داخل ہیں۔ **قولہ وما الحق به:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ الجمع المذکر السالم کہنے کے بعداُولُو وغیرہ کا ذکر بے فائدہ ہے کہ یہ بھی توجمع مذکر سالم ہیں مثلاً اُولُو، ذو کی جمع ہے اورعشرون، عشرۃ کی جمع ہے۔شارح نے جواب دیا کہ یہ الفاظ جمع نہیں بلکہ ملحق بالجمع ہیں یعنی ان کا حکم جمع والا ہے کیونکہ ان کا کوئی مفرد من لفظہ نہیں ہے اورجمع کیلئے اس کا مفرداسکے لفظ سے ہوناضروری ہے۔

واجب ہے (عبدالرحمٰن) قولہ اُولُو:۔ یہ ذو کی جمع ہے اوراسکو جمع من غیرلفظ المفرد کہتے ہیں اس میں ہمزہ کے بعدواؤ لکھا جاتا ہے اولی پرحمل کرتے ہوئے اوراُولی میں

وعشرون و اخواتها ای نظائرها السبع وهی ثلثون الی تسعین ولیس عشرون جمع عشرة ولاثلثون جمع ثلثة والاصح اطلاق عشرین علی ثلثین لانه ثلثة مقادیر العشرة واطلاق ثلثین علی التسعة لانها ثلثة مقادیر الثلثة وعلی هذاالقیاس البواقی وایضا هذه الالفاظ تدل علی معانٍ معینة ولاتعیین فی الجموع بالواو رفعا والیاء المکسور ماقبلها نصبًا وجرًا و انما جُعل اعراب المثنی مع ملحقاته والجمع مع ملحقاته بالحروف لانهما فرعان للواحد

(اورعشرون اوراس کے اخوات ہیں) یعنی عشرون کے ساتوں نظائر اوروہ ثلاثون تا تسعون ہیں اور عشرون، عشرة کی جمع نہیں ہے اورنہ ثلاثون، ثلثة کی جمع ہے ورنہ عشرون کا اطلاق ثلاثون پر صحیح ہوگا کیونکہ ثلاثون دس کا تین گنا ہے اور ثلاثون کا اطلاق نو پر صحیح ہوگا کہ وہ ثلثة کا تین گنا ہے اوراسی قیاس پر باقی ہیں اور نیز یہ الفاظ معانی معینہ پر دلالت کرتے ہیں اور جموع میں کوئی تعیین نہیں (واؤ کے ساتھ) حالت رفع میں (اور یاء کے ساتھ) جس کا ماقبل مکسور ہے نصبی اور جری حالت میں اور تثنیہ کا اعراب اس کے ملحقات کے ساتھ اور جمع کا اعراب اس کے ملحقات کے ساتھ اس لئے حروف کے ساتھ کیا گیا ہے کہ تثنیہ وجمع دونوں واحد کی فرع ہیں

قولہ **ای نظائرها** :۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ثلثون وغیرہ کو عشرون کا اخت قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اخت کا اطلاق ذی روح پر ہوتا ہے جبکہ عشرون وغیرہ ذی روح نہیں ہیں بلکہ از قبیل الفاظ ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں اخت سے مجازاً امثال ونظائر مراد ہیں بایں مناسبت کہ اخوات کی طرح ان میں اعراب کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ قولہ **ولیس عشرون** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اولُوا کا ملحق بالجمع ہونا تو مسلم ہے کیونکہ اس کے لفظ سے اس کا مفرد نہیں ہے اور ذو اسکا مفرد من غیر لفظہ ہے لیکن عشرون اور اسکے اخوات کو ملحقات سے قرار دینا درست نہیں کیونکہ انکے مفردات موجود ہیں مثلاً عشرون کا مفرد عشرة ہے اور ثلثون کا مفرد ثلثة ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ عشرون، عشرة کی جمع نہیں ہے اور نہ ثلثون، ثلثة کی جمع ہے اس لئے کہ جمع کا اطلاق تین افراد یا اس سے زائد پر ہوتا ہے۔ پس اگر عشرون عشرة کی جمع ہو تو عشرون کا اطلاق ثلثون پر صحیح ہوگا کیونکہ ثلثون عشرة (دس) کا تین گنا ہے اور ثلثون اگر ثلثة کی جمع ہو تو ثلثون کا اطلاق نو پر صحیح ہوگا کیونکہ ثلثون، ثلثة کا تین گنا ہے اور اسی قیاس پر باقی اور یہ صحیح نہیں کہ عشرون سے مراد تیس ہو یا ثلثون سے نو مراد ہو۔ قولہ **وایضا هذه الالفاظ** :۔ اس عبارت میں شارح نے مذکورہ بالا سوال کا دوسرے پیرایہ میں جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عشرون اور باقی عقود معانی معینہ پر دلالت کرتے ہیں جبکہ جمع کے معنی میں کوئی تعیین وتحدید نہیں ہوتی بلکہ جمع کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے خواہ تین ہوں یا چار یا ان سے زائد ہوں۔ قولہ **وانما جعل** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تثنیہ وجمع اور انکے ملحقات کا اعراب بحرف کیوں ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ تثنیہ وجمع مفرد کی فرع ہیں نیز تثنیہ وجمع کے آخر میں ایسا حرف بھی موجود ہے جس میں اعراب ہونے کی صلاحیت ہے اور وہ حرف علامت تثنیہ وجمع ہے تو مناسب ٹھیرا کہ اسی حرف کو اعراب بنا دیا جائے تاکہ تثنیہ وجمع کا اعراب واحد کے اعراب کی فرع ہو جائے جس طرح کہ وہ خود واحد کی فرع ہے

واؤ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ الی حرف جر کے ساتھ اس کا التباس نہ ہو قولہ **ولا تعیین فی الجموع** :۔ ☆سوال☆ رجال ثلثة میں جمع سے عدد معین مراد ہے لہٰذا شارح کا قول "**لاتعیین فی الجموع**" صحیح نہ ہوا ☆جواب☆ شارح کی مراد یہ ہے کہ جمع من حیث الجمع یعنی قطع نظر قرینہ سے عدد معین پر دلالت نہیں کرتی

وفی آخرهما حرف یصلح للاعراب و هو علامة التثنية والجمع فناسب ان يجعل ذلک الحرف اعرابهما ليكون اعرابهما فرعا لاعرابه كما انهما فرعان له لان الاعراب بالحروف فرع للاعراب بالحركات ولما جعل اعرابهما بالحروف و كان حروف الاعراب ثلثة و اعرابهما ستة ثلثة للمثنى وثلثة للمجموع فلو جعل اعراب كل واحد منهما بتلک الحروف الثلثة لوقع الالتباس ولو خص المثنى بها بقي المجموع بلا اعراب ولو خص المجموع بها بقي المثنى بلا اعراب فوزعت عليهما

اوران کے آخر میں ایسا حرف بھی موجود ہے جو اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ علامت تثنیہ وجمع ہے پس مناسب ہے کہ یہ حرف ان کا اعراب بنادیا جائے تا کہ ان کا اعراب واحد کے اعراب کی فرع ہوجائے جس طرح کہ وہ دونوں واحد کی فرع ہیں کیونکہ اعراب بالحروف اعراب بالحرکات کی فرع ہے اور جب تثنیہ اور جمع کا اعراب حروف کے ساتھ کیا گیا اور حروف اعراب تین تھے اور تثنیہ وجمع کے اعراب چھ تھے تین تثنیہ کے اور تین جمع کے لہذا اگر تثنیہ وجمع میں سے ہرایک کا اعراب ان تین حروف کے ساتھ کردیا جائے تو التباس واقع ہوجائیگا اور اگر تثنیہ کو ان حروف کے ساتھ خاص کردیا جائے تو جمع بلا اعراب رہ جائیگی اور اگر جمع کو ان حروف کے ساتھ خاص کردیا جائے تو تثنیہ بلا اعراب رہ جائیگا لہذا یہ حروف تثنیہ

کیونکہ اعراب بالحرف، اعراب بالحرکت کی فرع ہے. قولہ **ولما جعل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ رفع کی حالت میں ضمہ یا واؤ ہو اور نصب کی حالت میں فتحہ یا الف ہو اور جر کی حالت میں کسرہ یا یاء ہو. پس اس اصل کے برخلاف تثنیہ کا اعراب رفع کی حالت میں الف سے اور نصب کی حالت میں یاء سے کیوں ہے. اسی طرح اصل کے برخلاف جمع کا اعراب نصب کی حالت میں یاء سے کیوں ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ جب مفرد کی فرع ہونے کی وجہ سے تثنیہ وجمع کو اعراب بالحرف دیا گیا اور حروف اعراب صرف تین تھے اور ان کیلئے چھ حروف ضرورت تھے تین تثنیہ کیلئے اور تین جمع کیلئے. پس اگر تینوں حروف اعرابیہ تثنیہ کے اعراب بنادیے جاتے تو جمع اعراب کے بغیر رہ جاتی اور اگر تینوں جمع کے اعراب بنادیے جاتے تو تثنیہ اعراب کے بغیر رہ جاتا اور اگر تینوں حروف اعرابیہ تثنیہ وجمع میں مشترک کردیے جاتے تو التباس لازم آتا اس لئے حروف اعرابیہ کو تثنیہ وجمع پر تقسیم کردیا گیا بایں طور کہ رفع کی حالت میں تثنیہ کو الف دیا گیا کیونکہ الف فعل میں تثنیہ کیلئے ضمیر مرفوع ہے جیسے یضربان اور ضربا اور جمع کو رفع کی حالت میں واؤ دیا گیا کیونکہ فعل میں واؤ جمع کیلئے ضمیر مرفوع ہے جیسے یضربون اور ضربوا اور جر کی حالت

اور مثال مذکور میں جمع کی عدد معین پر دلالت ثلثۃ کے (قرینہ) کی وجہ سے ہے. قولہ **وفی آخرهما**:۔ یعنی تثنیہ وجمع کے آخر میں حرف صالح للاعراب موجود ہے لہذا وہ حرف ان کا اعراب بنادیا گیا. ☆سوال☆ تثنیہ وجمع کے آخر میں تو نون ہے جس میں اعراب بننے کی صلاحیت نہیں ہے ☆جواب☆ حرف صالح للاعراب سے مراد تثنیہ میں الف اور جمع میں واؤ ہے اور نون تثنیہ وجمع واحد کے نون تنوین کی مثل کلمہ کے تمام ہونے کی علامت ہے حرف آخر نہیں ہے. قولہ **وهو علامة التثنية والجمع**:۔ یعنی وہ حرف صالح للاعراب علامت تثنیہ وجمع ہے ☆سوال☆ علامت متغیر نہیں ہوتی اور اعراب متغیر ہوتا ہے لہذا علامت تثنیہ وعلامت جمع کو اعراب قرار دینا درست نہیں ☆جواب☆ تثنیہ وجمع میں حالت نصب و جر میں علامت کا تغیر نہیں بلکہ ایک علامت کا دوسری علامت کے ساتھ تبدل ہے. (عصام) قولہ **کما انهما فرعان له**:۔ ایک قول یہ ہے کہ تثنیہ کا اعراب بالحروف اس لئے ہے کہ تثنیہ واحد کا ضعف یعنی دوگنا ہے اور واحد کا اعراب حرکت کے ساتھ ہے تو تثنیہ کا اعراب اس حرف کے ساتھ کردیا گیا جو حرکت کا ضعف ہے اس لئے کہ الف اور یاء میں سے ہرایک

بـان جعلوا الالف علامة الرفع فى المثنى لانه الضمير المرفوع للتثنية فى الفعل نحويضربان وضـربـا والـواو عـلامة الـرفـع فـى الـمـجموع لانه الضمير المرفوع للجمع فى الفعل نحو يـضـربـون وضـربـوا وجـعلوا اعرابهما بالياء حال الجر على الاصل وفرقوابينهما بان فتحوا مـاقبـل اليـاء فـى التـثـنية لـخفة الفتحة و كثرة التثنية وكسر وه فى الجمع لثقل الكسرة وقلة الـمـجـموع ۃ وحملوا النصب على الجر لا على الرفع لمناسبة النصب بالجر لوقوع كل منهما فـضـلـةً فـى الـكـلام ۃ ولـمـا فـرغ مـن تـقـسـيـم الاعـراب الـى الـحـركة والـحـرف وبـيـان مـواضـعهـمـاالـمـخـتـلفة شرع فى بيان مواضع الاعراب اللفظى والتقديرى اللذين اشير الى تـقسـيـمـه اليهـما فيماسبق ولماكان التقديرى اقل اشاراليه اوّلًا ثم بيّن ان اللفظى فى ماعداه

وجمع پراس طرح تقسیم کردیے گئے کہ نحویوں نے الف کو تثنیہ میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ الف فعل میں تثنیہ کیلئے ضمیر مرفوع ہے جیسے۔یضربان اورضربااورواؤ کو جمع میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ فعل میں جمع کیلئے ضمیر مرفوع ہے جیسے یضربون اورضربوااورانہوں نے تثنیہ وجمع کااعراب حالت جر میں یاء کے ساتھ کردیا اصل کی بناپراوران دونوں کے درمیان اس طرح فرق کیا کہ تثنیہ میں یاء کے ماقبل کوفتحہ دیا تثنیہ کے کثیراورفتحہ کے خفیف ہونے کی وجہ سے اورانہوں نے جمع میں یاء کے ماقبل کوکسرہ دیا کسرہ کے ثقیل اور جمع کے قلیل ہونے کی وجہ سے اورنصب کوجر پرمحمول کیا رفع پرنہیں کیا نصب کی جر کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے کہ ہرایک کلام میں فضلہ واقع ہوتا ہےاور جب مصنف حرکت اورحرف کی طرف اعراب کی تقسیم سےاوران دونوں کے مواضع مختلفہ کے بیان سے فارغ ہوئے تواعراب لفظی اور تقدیری کے مواضع کابیان شروع کیا جن کی تقسیم کی طرف ماقبل میں اشارہ کیاجاچکاہے اورجبکہ اعراب تقدیری کم تھا توانکی جانب پہلے اشارہ کیاپھربیان کیاکہ اعراب لفظی اس کے علاوہ میں ہے

میں ان دونوں کااعراب بمطابق اصل یاء کے ساتھ کردیاگیااورنصب کوجر کے تابع کردیاگیا قولہ **وفرقوا**:۔یعنی نحات نے تثنیہ وجمع کی حالت جر میں یاء کومشترک کردیاتوالتباس اٹھانے کیلئے تثنیہ میں یاء کے ماقبل کوفتحہ دیا کہ تثنیہ کثیرہےاورفتحہ خفیف ہےاورجمع میں یاء کے ماقبل کوکسرہ دیا کیونکہ جمع قلیل ہے اورکسرہ ثقیل ہے۔قولہ **وحملواالنصب**:۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تثنیہ وجمع میں نصب کورفع کے تابع کیوں نہیں کیاگیا۔شارح نے جواب دیاکہ نصب اورجر کے درمیان ایک مناسبت پائی جاتی ہے جسکی وجہ سے ایسا کیاگیااوروہ مناسبت یہ ہے کہ دونوں فضلہ کی علامت ہیں اوررفع عمدہ کی علامت ہے۔قولہ **ولمافرغ**:۔اس عبارت میں شارحؒ مصنفؒ کے قول"**التقدیر**"کاماقبل سے ربط اورتعلق بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ سابق میں صاحب کافیہ نے حرکت اورحرف کی جانب اعراب کی تقسیم کی اورانکے مواضع مختلفہ بیان کیے یعنی تین مواضع اعراب بالحرکت کے اورتین مواضع اعراب بالحرف کے بیان کئےتواب لفظی اورتقدیری کی طرف اعراب کی تقسیم کرتے ہیں جن کی طرف معرب کے حکم میں لفظا اورتقدیرا کہہ کراشارہ کرچکے ہیں۔قولہ **ولماکان التقدیری** :۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے التقدیر کہہ کرخلاف اصل اورخلاف اجمال کاارتکاب کیوں کیا

دوحرکتوں کی مانند ہے کیونکہ حرکات ان حروف کے ابعاض ہیں اورتثنیہ پرحمل کرنے کی وجہ سے جمع کااعراب بھی حروف کے ساتھ ہے کیونکہ اس جمع میں واحد کی بناسلامت

فقال التقدير اى تقدير الاعراب فيما اى فى الاسم المعرب الذى. تعذّر الاعراب فيه اى امتنع ظهوره فى لفظه و ذلك اذالم يكن الحرف الذى هو محل الاعراب قابلاً للحركة الاعرابية كمافى الاسم المعرب بالحركة الذى فى آخره الفٌ مقصورة سواء كانت موجودة فى اللفظ كالعصابلام التعريف أو محذوفة بالتقاء الساكنين

پس مصنف نے کہا (تقدیر) یعنی اعراب کی تقدیر (اس میں ہے) یعنی اس اسم معرب میں ہے جس میں اعراب (متعذر ہو) یعنی اس معرب کے لفظ میں اعراب کا ظہور ممتنع ہو اور یہ امتناع اس وقت ہوگا جبکہ وہ حرف جو کہ محلِ اعراب ہے حرکت اعرابیہ کے قابل نہ ہو جیسے اس اسم معرب بالحرکت میں جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ لفظ میں موجود ہو جیسے اَلْعَصَا، لام تعریف کے ساتھ یا التقائے ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو

ہے یعنی اصل اعراب لفظی ہے اور معرب کے حکم میں بھی لفظاً پہلے ہے یہاں اعراب لفظی کو مؤخر کیوں کر دیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اعراب تقدیری کے مواضع قلیل ہیں اور اعراب لفظی کے مواضع کثیر ہیں اور قلیل، کثیر سے بمنزلہ جز کے ہوتا ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے مصنف نے اعراب تقدیری کو مقدم کر دیا ہے. قولہ **اى تقدير الاعراب** :۔ اس عبارت میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ التقدیر کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور اصل عبارت تقدیر الاعراب ہے. قولہ **اى فى الاسم المعرب**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فعل ماضی اور امر حاضر اور حروف پر بھی اعراب متعذر ہے لہٰذا ان میں بھی اعراب تقدیری ہونا چاہئے لیکن ان میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول **فيما** میں لفظ ما سے مراد اسم معرب ہے اور فعل ماضی وغیرہ اسم نہیں ہیں. قولہ **الاعراب فيه** :۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول "تعذر" کی ضمیر مستتر کے مرجع میں دو احتمال ہیں. اول۔ یہ کہ مرجع لفظ ما ہو جس سے مراد اسم ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ معنی ہوگا کہ وہ اسم متعذر ہو اور یہ معنی ظاہر الفساد ہے. دوم۔ یہ کہ مرجع اعراب ہو اس صورت میں ما موصولہ یا موصوفہ بلا عائد رہ جائیگا یہ بھی درست نہیں تو ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ ضمیر کا مرجع اعراب ہے اور عائد محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **تعذر الاعراب فيه** قولہ **اى امتنع**:۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے تعذر کی مثال عصا اور غلامی دی ہے جبکہ ان دونوں میں اعراب متعذر نہیں بلکہ محال ہے کیونکہ متعذر اس کو کہتے ہیں جس کا حصول دشواری کے ساتھ ممکن ہو اور عصا کے آخر میں چونکہ الف مقصورہ ہے اس لئے اس میں اعراب کا حصول ممکن نہیں بلکہ محال ہے اسی طرح غلامی میں بھی اعراب کا حصول محال ہے کہ میم اعراب آنے سے قبل مکسور ہے لہٰذا مصنف کو تعذر کی جگہ امتنع کہنا چاہئے تھا. شارح نے جواب دیا کہ یہاں تعذر بمعنی امتنع ہے جس پر صاحب کافیہ کا قول او **استثقل** قرینہ ہے. قولہ **ظهوره فى لفظه** :۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب عصا اور غلامی میں اعراب ممتنع ہے تو انکو مبنیات سے کیوں نہیں شمار کیا جاتا ان کو معرب کی قسم کیوں ٹھہرایا جاتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ عصا اور غلامی کے لفظ میں اعراب کا ظہور ممتنع ہے اعراب کا مقدر ہونا ممتنع نہیں اور یہ مبنی اصل کے مشابہ نہیں اس لئے یہ دونوں معرب ہیں.

ہے. (متقدر) قولہ **اى تقدير الاعراب** :۔ اس تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے قول "التقدیر" کا لام عہد کے لئے ہے اور اس سے مراد تقدیر الاعراب ہے یا لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی اصل عبارت تقدیر الاعراب تھی الاعراب کو حذف کر کے اس کے عوض مضاف پر لام لائے تو التقدیر ہوا لیکن اولیٰ یہ تھا کہ شارح

كعصًا بالتنوين فان الالف المقصورة في الصورتين غير قابلة للحركة وكما في الاسم المعرب بالحركة المضاف الى ياء المتكلم نحو غلامي فانه لما اشتغل ماقبل ياء المتكلم بالكسرة للمناسبة قبل دخول العامل امتنع ان يدخل عليه حركة اخرى بعد دخوله موافقة لها او مخالفة فما ذهب اليه بعض من ان اعراب مثل هذا الاسم في حالة الجر لفظي غير مرضي مطلقًا اى في الاحوال الثلث يعني كون الاعراب تقديريًا في هذين النوعين من الاسم المعرب انما هو في جميع الاحوال غير مختص ببعضها

(جیسے عصا) تنوین کے ساتھ کیونکہ الف مقصورہ دونوں صورتوں میں قابل حرکت نہیں (اور) جیسے اس اسم معرب بالحرکت میں جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے (غلامی) کیونکہ جب یائے متکلم کا ماقبل عامل کے داخل ہونے سے پہلے یاء کی وجہ سے کسرہ کے ساتھ مشغول ہو گیا تو دخول عامل کے بعد یاء کے ماقبل پر کسی دوسری حرکت کا آنا ممکن نہ رہا خواہ دوسری حرکت اس کسرہ کے موافق ہو یا مخالف لہٰذا وہ قول جسکی جانب بعض محققین گئے ہیں کہ اس اسم کی مثل کا اعراب حالت جر میں لفظی ہے غیر پسندیدہ ہے (مطلقا) یعنی تینوں احوال میں یعنی اسم معرب کی ان دو قسموں میں اعراب تقدیری تمام احوال میں ہی ہے کسی ایک حال کے ساتھ خاص نہیں

قولہ **غیر قابل للحرکۃ**:۔ یعنی جب تک الف باقی رہے وہ قابل حرکت نہیں لیکن ہمزہ ہو جانے کے بعد حرکت کو قبول کرتا ہے لیکن الف کو حرکت دیکر ہمزہ نہیں بنایا جاتا کہ یہ خفیف کو ثقیل بناتا ہے اور یہ اہل عرب کے طریقہ کے خلاف ہے کہ وہ ثقیل کو خفیف بناتے ہیں اس کا عکس نہیں کرتے۔ قولہ **امتنع**:۔ وجہ امتناع یہ ہے کہ اس سے حرف واحد کو حالت واحدہ میں دو مختلف حرکتوں سے متحرک کرنا لازم آئیگا اور یہ محال ہے اس لئے جس نے مثل غلامی کی حالت جر میں اعراب لفظی قرار دیا ہے اس کا قول پسندیدہ نہیں کیونکہ یاء کے ماقبل کا کسرہ دخول عامل سے پہلے ہے لہٰذا اسکو اعراب نہیں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قولہ **مطلقا**:۔ یہ کاف کے مدخول سے حال ہے اور مصنف کے قول **عصا** اور **غلامی** دونوں کیلئے قید ہے اگرچہ اس سے تعمیم کا فائدہ غلامی کے ساتھ مختص ہے کیونکہ یہ اس شخص کا رد ہے جسکے نزدیک مثل غلامی حالت جر میں لفظا معرب ہے۔

التقدیری کی تفسیر الاعراب التقدیری سے کرتے وجہ اولویت یہ ہے کہ اس میں دال لفظی فیما عداہ سے موافقت ہو جاتی۔ قولہ **کعصا و غلامی**:۔ عصا اور غلامی کے امثال پر اعراب لفظی ممتنع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محل اعراب اسم کا آخری حرف ہوتا ہے اور عصا کا آخری حرف الف ہے اور الف پر حرکت ممکن نہیں اس لئے اس پر اعراب لفظی ممتنع ہے اور غلامی میں محل اعراب میم ہے جس پر یائے متکلم کی مناسبت سے کسرہ ہے جس کے ہوتے ہوئے میم پر نہ دوسرا کسرہ ممکن ہے اور نہ ضمہ اور نہ فتحہ ممکن ہے اور غلامی کے میم پر موجود کسرہ کو کسرہ اعرابی نہیں مانا جاسکتا کہ معرب پر کسرہ اعرابی عامل کے ساتھ ترکیب کے بعد آتا ہے اور غلامی کے میم پر کسرہ ترکیب سے پہلے ہے (فائدہ) بعض کے نزدیک غلامی جیسا مرکب نہ معرب ہے اور نہ مبنی کیونکہ اعراب و بناء آخر کلمہ کے صفات سے ہیں اور غلام کا آخر احتزاج کی وجہ سے آخر نہیں رہا بلکہ وسط ہو گیا لیکن یہ رائے غیر مرضی ہے اس لئے کہ یہ احتزاج آخر کلمہ کو وسط نہیں بناتا جیسے بعلبک کا جزاول معرب ہے حالانکہ بعلبک میں غلامی کی بہ نسبت احتزاج زیادہ ہے (عقود جواہر) قولہ **غیر مرضی**:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مثل غلامی کی حالت جر میں اعراب لفظی کا قول بلا وجہ نہیں بلکہ اس کی بھی وجہ ہے اگرچہ وہ پسندیدہ نہیں وہ یہ کہ یاء ماقبل کا کسرہ چاہتی ہے خواہ وہ کسرہ اعرابیہ ہو یا بنائیہ تو یہ ممکن ہے کہ مثل غلامی کے غیر سے مرکب ہونے کے بعد پہلا کسرہ جو بنائیہ تھا زائل ہو گیا ہو اور اس پر کسرہ اعرابیہ آگیا ہو اس میں دو خوبیاں ہیں اول۔ یہ کہ یاء اور عامل دونوں مستحقوں کو ان کا حق دیا گیا ہے دوم۔ یہ کہ اس میں خلاف اصل کا ارتکاب نہیں جو کہ

اواستثقل عطف على تعذر اى تقدير الاعراب فيما تعذر اوفى الاسم الذى استثقل ظهور الاعراب فى لفظه وذلك اذا كان محل الاعراب قابلاً للحركة الاعرابية ولكن يكون ظهوره فى اللفظ ثقيلا على اللسان كما فى الاسم الذى فى آخره ياء مكسور ماقبلها سواء كانت محذوفة بالتقاء الساكنين كقاضٍ اوغير محذوفةٍ كالقاضى رفعًا وجراً اى فى حالتى الرفع والجر لافى حالة النصب لاستثقال الضمة والكسرة على الياء دون الفتحة ونحو مسلمى عطف على قوله كقاضٍ يعنى تقدير الاعراب للاستثقال قد يكون فى الاعراب بالحركة وقد يكون فى الاعراب بالحرف نحو مسلمى بخلاف تقدير الاعراب للتعذر فانه مختص بالاعراب بالحركة رفعًا يعنى تقدير الاعراب فى نحو مسلمى انما هو فى حالة الرفع فقط دون النصب والجر نحو جاء نى مسلمى

(یا ثقیل ہو) یہ تعذر پر عطف ہے یعنی تقدیری اعراب اس اسم میں ہے جس میں نا ممکن ہو یا اس اسم میں ہے جس کے لفظ میں ظہور اعراب ثقیل ہو اور یہ ثقل اس وقت ہے جبکہ محل اعراب حرکت اعرابیہ کے قابل تو ہو لیکن اس کے لفظ میں اعراب کا ظہور زبان پر ثقیل ہو جیسے اس اسم میں جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو خواہ وہ التقائے ساکنین کی وجہ سے محذوف ہو (جیسے قاضٍ) یا محذوف نہ ہو جیسے القاضی (رفع وجر میں) یعنی رفع وجر کی دو حالتوں میں نہ نصب کی حالت میں بوجہ ثقیل ہونے ضمہ اور کسرہ کے یاء پر نہ فتحہ (اور جیسے مُسْلِمِیّ) عطف ہے مصنف کے قول "کقاضٍ" پر یعنی اعراب کی تقدیر جو ثقل کی وجہ سے ہوتی ہے وہ کبھی اعراب بالحرکت میں ہوتی ہے اور کبھی اعراب بالحرف میں جیسے مُسْلِمِیّ برخلاف تقدیر اعراب کے جو تعذر کی وجہ سے ہوتی ہے پس وہ اعراب بالحرکت کے ساتھ خاص ہے (رفع میں) یعنی مسلمی جیسے کلمہ میں اعراب کی تقدیر صرف رفع کی حالت میں ہے نصب وجر کی حالت میں نہیں جیسے جاء نی مسلمی

قولہ اواستثقل:۔ یہ تعذر پر معطوف ہے **اى فيما استثقل** یعنی اعراب تقدیری اس اسم میں ہے جس کے لفظ میں اعراب کا ظہور ثقیل ہو قولہ **اى فى حالة الرفع**:۔ اس تفسیر میں شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مصنف کا قول "**رفعا و جرا**" بتقدیر مضاف بنا بر ظرفیت منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے منصوب نہیں یعنی قاضی کی امثال پر اعراب لفظی رفع وجر کی حالت میں ثقیل ہے کیونکہ یاء پر ضمہ اور کسرہ بولنے میں ثقیل ہوتے ہیں لیکن فتحہ ثقیل نہیں ہوتا کیونکہ اخف الحرکات ہے۔ قولہ **ونحو مسلمى**:۔ یہ کقاض پر معطوف ہے اور مصنف نے اسکو قاض پر معطوف کر کے کلمہ تمثیل چھوڑ نہیں دیا جس طرح کہ غلامی کو عصا پر معطوف کر کے کلمہ تمثیل چھوڑ دیا یہ بتانے کیلئے کہ اعراب متعذر کی صرف ایک نوع ہے یعنی حرکت اعرابیہ اور اعراب ثقیل کی دو نوعیں ہیں حرکت وحرف۔ پس **مثل قاض** میں حرکت ثقیل ہے اور **مثل مسلمى** میں حرف اعراب یعنی اعراب تقدیری ہے (نور الحق) قولہ رفعا وجرا:۔ یہ کاف کیلئے ظرف ہیں کہ کقاض کے کاف سے معنی تشبیہ مفہوم ہو رہے ہیں ای حالتی الرفع والجر (فوائد ناصحہ) ﴿فائدہ﴾ اعراب متعذر کی صرف ایک نوع ہے یعنی حرکت اعرابیہ لیکن اس کے محل تین ہیں اول۔ عصا وغیرہ دوم۔ غلامی وغیرہ سوم۔ وہ اسم جس پر اعراب حکائی ہو۔

فان اصله مسلموی بسقوط النون بالاضافة فاجتمع الواو والياء والسابق منهما ساكن فانقلبت الواوياءً وادغمت الياء في الياء و كُسِرَ ما قبل الياء فلم يبق علامة الرفع التي هي الواو في اللفظ فصار الاعراب في حالة الرفع تقديريابخلاف حالتي النصب والجر فان الادغام لايخرج الياء عن حقيقتها فان الياء المدغمة ايضا ياءٌ وقد يكون الاعراب بالحروف تقديريافي الاحوال الثلث في مثل جاء ني ابو القوم ورايت اباالقوم ومررت بابي القوم فانه لماسقط حروف الاعراب عن اللفظ بالتقاء الساكنين لم يبق الاعراب لفظا بل صار تقديريا واللفظي اى الاعراب المتلفظ به فيما عداه يعني فيما عداماذكر مما تعذر فيه الاعراب اواستثقل ولماذكر في تفصيل المعرب المنصرف وغير المنصرف وكان غيرالمنصرف اقل من المنصرف و بمعرفته يعرف المنصرف على قياس الاعراب التقديري واللفظي عرّف غيرالمنصرف واكتفى بتعريفه

کہ اسکی اصل مُسْلِمُوْیَ ہے اضافت کی وجہ سے سقوطِ نون کے ساتھ پھرواؤاور یاء جمع ہوگئے جن میں سے اول ساکن ہے پس واؤیاء ہوگئی اور یاء کا یاء میں کردیا گیااور یاء کے ماقبل کوکسرہ دیا گیاتوعلامت رفع جوکہ واؤ ہے لفظ میں باقی نہ رہی توحالت رفع میں اعراب تقدیری ہوگیا بر خلاف حالت نصب وجر کے کیونکہ ادغام یاء کواسکی حقیقت سے خارج نہیں کرتا کہ یائے مدغمہ بھی یاء ہی ہے اور کبھی اعراب بالحروف تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے مثل میں جاء نی ابوالقوم ورأیت اباالقوم اورمررت بابی القوم کے اس لئے کہ جب حروف اعراب التقائے ساکنین کی وجہ سے لفظ سے ساقط ہوگئے تواعراب لفظ میں باقی نہ رہابلکہ تقدیری ہوگیا(اور لفظی)یعنی وہ اعراب جس کا تلفظ کیاجائے (اس کے ماسوامیں ہے)یعنی اعراب لفظی اسم معرب مذکور کے غیر میں ہے یعنی جس میں اعراب متعذر یا ثقیل ہے اس کے غیرمیں ہےاورجب مصنف نے معرب کی تفصیل میں منصرف اور غیر منصرف کاذکر کیااور غیر منصرف،منصرف سے کم تھااور غیر منصرف کی معرفت سے منصرف پہچانا جاتاہے اعراب تقدیری اور لفظی کے قیاس پرتو مصنف نے غیرمنصرف کی تعریف کی اوراسکی تعریف پر اکتفاء کیا

واؤثقیل ہے کیونکہ واؤیاہوجانے کی وجہ سے اپنی حقیقت سے خارج ہوگیا قولہ **فیماعداماذکر** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کو **فیماعداھما** کہنا چاہئے تھا کیونکہ مذکوردوچیزیں متعذر اور مستثقل ہیں۔شارح نے جواب دیاکہ ضمیر مفرد کامرجع اعراب متعذر اور مستثقل کی دونوں قسمیں ہیں لیکن بتاویل مذکور قولہ **ولماذکر** :۔اس عبارت میں شارح نے بحث غیر منصرف کاماقبل سے ربط اور تعلق بیان کیا ہےاور غیر منصرف کوذکراور منصرف کوترک کرنے کے نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی معرب کی تفصیل میں اجمالاًمنصرف اور غیر منصرف کاذکر ہوچکا ہےاوراب

قولہ **فلم یبق**:۔یعنی جمع مذکر سالم میں علامت رفع واؤ ہےاوروہ علامت لفظوں میں باقی نہیں رہی اور یاء منقلبہ عن الواواعراب پر دلالت کرنے میں واؤ کا بدل بھی نہیں

فقال غیر المنصرف ما ای اسم معرب فیہ علتان تؤثران باجتماعھما واستجماع شرائطھما فیہ الاثر الذی سیجیء ذکرہ

پس کہا (غیر منصرف وہ ہے) یعنی اسم معرب (کہ جس میں دو علتیں ہوں) جو اپنے اجتماع اور اپنی شرائط کو جامع ہونے کی وجہ سے اسم معرب میں وہ اثر کریں جس کا عنقریب ذکر آئیگا

اسکی تفصیل ہو رہی ہے اور نکتہ یہ ہے کہ غیر منصرف کی معرفت سے منصرف کی معرفت ہو جائیگی اذا الاشیاء تنکشف باضدادھا اور غیر منصرف قلیل بھی ہے اس لئے غیر منصرف کی تعریف پر اکتفا کیا قولہ ای اسم: شارح نے لفظ "ما" سے اسم مراد لیکر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ غیر منصرف کی تعریف مانع نہیں ہے اس لئے کہ ضُرِبَتْ پر صادق آتی ہے کہ اس میں بھی دو علتیں پائی جاتی ہیں ایک تانیث اور دوسری وزن فعل حالانکہ ضربت غیر منصرف نہیں بلکہ مبنی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ غیر منصرف کی تعریف میں لفظ "ما" سے اسم مراد ہے یعنی غیر منصرف اسم ہے اور ضربت اسم نہیں بلکہ فعل ہے لہذا ضربت پر غیر منصرف کی تعریف صادق نہیں آتی اور تعریف مانع ہے۔ قولہ معرب:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ غیر منصرف کی تعریف اب بھی مانع نہیں ہے اس لئے کہ حضاجر پر صادق آتی ہے جو کہ ایک پہاڑ کا نام ہے اس لئے کہ اسمیں بھی دو علتیں پائی جاتی ہیں ایک تانیث اور دوسری علم اس کے باوجود وہ غیر منصرف نہیں بلکہ مبنی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ غیر منصرف کی تعریف میں "ما" سے مراد اسم معرب ہے اور حضاجر اسم معرب نہیں ہے بلکہ اسم مبنی ہے لہذا تعریف مانع ہے اور حضاجر پر غیر منصرف کی تعریف صادق نہیں آتی قولہ تؤثران:۔ شارح نے "تؤثران" کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلمہ حبلی جب کسی کا علم بنا دیا جائے تو اس میں دو علتیں پائی جائیں گی تانیث اور علمیت اسی طرح لفظ مصابیح جب کسی کا علم بنا دیا جائے تو اس میں بھی دو علتیں پائی جائیں گی جمع اور علمیت لہذا ان دونوں کا شمار غیر منصرف کی قسم اول میں ہونا چاہیے تھا لیکن ان کو قسم ثانی میں شمار کیا جاتا ہے اسکی کیا وجہ ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ دو علتوں سے ایسی دو علتیں مراد ہیں جو جمع ہو کر غیر منصرف بنانے میں مؤثر ہوں اور حبلی یا مصابیح میں دو علتوں کا مجموعہ اسم کو غیر منصرف بنانے میں مؤثر نہیں ہے بلکہ حبلی الف تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہ الف تانیث دو سبب کے قائم مقام ہوتا ہے اور مصابیح جمع منتہی الجموع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہ وہ بھی دو سببوں کے قائم مقام ہوتی ہے اس لئے یہ دونوں لفظ قسم ثانی میں شمار کئے جاتے ہیں ﴿فائدہ﴾ غیر منصرف کی دو قسمیں ہیں اول۔ وہ جس میں منع صرف کے دو سبب پائے جائیں دوم۔ وہ جس میں ایک ایسا سبب پایا جائے جو دو کے قائم مقام ہو قولہ و استجماع:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ نوح میں دو علتیں پائی جاتی ہیں ایک عجمہ اور دوم علمیت لہذا اس کو غیر منصرف ہونا

اس لئے مسلمٰی میں حالت رفع میں اعراب تقدیری ہے۔ قولہ غیر المنصرف:۔ لفظ منصرف یا صرف بمعنی خالص دودھ سے ماخوذ ہے چونکہ منصرف فعل کی مشابہت سے خالص اور خالی ہوتا ہے اس لئے اسکو منصرف کہتے ہیں یا صریف بمعنی آواز سے ماخوذ ہے چونکہ اسکے تلفظ کے وقت تنوین کے تلفظ کے وقت تنفذ کرنے سے ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے اس لئے اسکو منصرف کہتے ہیں یا یہ صرف بمعنی زیادت سے ماخوذ ہے اور اس میں بھی اعراب کے علاوہ تنوین زیادہ ہوتی ہے۔ قولہ اسم:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے کلمہ ما کی نکرہ کے ساتھ تفسیر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلمہ ما اس جگہ موصوفہ ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور اصل خبر میں تنکیر ہے ﴿فائدہ﴾ کلمہ غیر اگرچہ توغل فی الابہام کی وجہ سے اضافت الی المعرفہ کے باوجود نکرہ رہتا ہے مگر یہاں معرفہ ہو گیا ہے اس لئے کہ اس کے مضاف الیہ کی ضد واحد ہے یا اس جگہ غیر منصرف اسم کی نوع مخصوص کا علم ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے۔ قولہ علتان:۔ عرف نحات میں علت اس چیز کو کہتے ہیں جسکے حصول پر متکلم کو ایسے امر کا اختیار کرنا لائق ہو جو اس علت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس

من علل تسع او علة واحدة منها ای من تلک التسع تَقُوْمُ هذه العلة الواحدة مَقَامَهما ای مقام هاتین العلتین بان تؤثر وحدها تاثیرَهما وهیَ ای العلل التسعُ مجموع مافی هذین البیتین من الامور التسعة لاکل واحدٍ حتی یقالَ لایصح الحکم علی العلل التسع بکل واحدٍ من هذه الامور وذلک المجموع شعر عدل ووصف وتانیث ومعرفة ☆ وعجمة ثمّ جمع ثم ترکیب ☆

(نو) علتوں (میں سے یا ایک) علت (ان میں سے) یعنی ان نو میں سے (جو قائم ہو) یہ ایک علت (ان دو کی جگہ) یعنی ان دو علتوں کی جگہ بایں طور کہ ان دو کا اثر کرے (اور وہ) یعنی نو علتیں اس کا مجموعہ ہیں جو ان دو شعروں میں ہے نو امور سے نہ کہ ہر واحد یہاں تک کہ کہا جائے کہ ان نو امور میں سے ہر ایک کا نو علتوں پر حکم لگانا صحیح نہیں اور وہ مجموعہ یہ ہے ۔ شعر (عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ پھر جمع پھر ترکیب)

چاہئے تھا حالانکہ وہ منصرف ہے ۔ شارح نے جواب دیا کہ **علتان** سے ایسی دو علتیں مراد ہیں جو اپنی تمام شرائط کے ساتھ پائی جائیں اور نوح میں عجمہ کی شرط نہیں پائی جاتی اس لئے دو علتیں پائی جانے کے باوجود وہ منصرف ہے ﴿فائدہ﴾ عجمہ میں متحرک الاوسط یا زیادت علی الثلث شرط ہے جو نوح میں مفقود ہے ۔ قولہ **من علل** :۔ لفظ علل کا اضافہ کرکے شارح نے "**تسع**" کا موصوف مقدر مانا ہے اور اس میں شارح رضی پر رد ہے جس نے کہا کہ "**تسع**" کا مضاف الیہ مقدر ہے یعنی ای تسع علل ۔ قولہ **ای من تلک التسع** :۔ اس تفسیر میں شارح نے **منھا** کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے کہ وہ علل تسعہ ہے اور **تقوم** کے بعد ہذہ العلۃ بڑھا کر ضمیر مستتر کا مرجع بتایا ہے اور مقام ہاتین العلتین کا اضافہ کرکے ضمیر مجرور کا مرجع بتایا ہے ۔ قولہ **بان تؤثر** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قیام کا معنی ہے کھڑا ہونا اور وہ جسم کی صفت ہے جو جوہر ہے اور علت اعراض کے قبیل سے ہے لہٰذا اس کو قیام کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں ہے ۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں قیام سے مراد تاثیر ہے یعنی ایک علت دو علتوں کے مجموعہ کی طرح تاثیر کرتی ہو یہاں قیام سے وہ معنی مراد نہیں ہے جو اجسام کی صفت ہے ۔ قولہ **ای العلل التسع** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ کی عبارت میں ھی ضمیر مبتدا ہے جس کا مرجع تسع ہے اور اسکی خبر عدل وغیرہ میں سے ہر ایک ہے جس سے یہ لازم آیا کہ عدل وغیرہ میں سے ہر ایک نو علتیں ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ ہر ایک صرف ایک علت ہے ۔ شارح نے جواب دیا کہ **ھی** (مبتدا) کی خبر عدل وغیرہ میں سے ہر ایک نہیں بلکہ ان دو بیتوں میں مذکورہ علل تسعہ کا مجموعہ خبر ہے لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں کہ علل تسعہ پر عدل وغیرہ میں سے ہر ایک کا حکم لگانا یعنی یہ کہنا کہ عدل نو علتیں ہے ، وصف نو علتیں ہے (علی ہذا القیاس) صحیح نہیں ۔ قولہ **وذلک المجموع عدل الخ** :۔ یہ دونوں شعر ابو سعید انباری کے ہیں ان سے پہلا شعر اسطرح ہے ۔ موانع الصرف تسع کلما اجتمعت ..... ثنتان منھا فما للصرف تصویب ۔ موانع مانعۃ کی جمع ہے اور ہر ایک سبب پر مانع کا اطلاق مجازاً ہے ورنہ مانع دو سبب ہیں یا وہ ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو ۔

امر مناسب کو حکم کہتے ہیں مثلاً عدل اور علمیت علت ہے اور عدم دخول کسرہ وتنوین حکم ہے جب یہ دونوں علتیں کسی معرب میں پائی جائیں تو متکلم کیلئے مناسب ہے کہ اس معرب پر کسرہ اور تنوین داخل نہ کرے (تیسیر الناجیہ) قولہ **من علل تسع** :۔ یہ شارح رضی پر رد ہے کیونکہ اس نے **تسعٌ** کا مضاف الیہ مقدر مانا ہے ای تسع **علل** وجہ رد یہ ہے کہ یہاں حذف مضاف الیہ کی تین شرطوں میں کوئی نہیں پائی جارہی اور اس لئے بھی کہ "**او واحدۃ**" میں بھی مضاف الیہ مقدر کرنا پڑیگا لیکن "او واحدۃ" میں مضاف الیہ مقدر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسم عدد کا مضاف الیہ اس کی تمیز ہوتی ہے جبکہ واحد اور اثنان کی تمیز نہیں آتی ۔ قولہ **مجموع ما** :۔ چونکہ یہ خبر باعتبار معنی کے متعدد ہے اس لئے اسکے ہر جز پر اعراب جاری کردیا گیا ہے یعنی عدل ، وصف وغیرہ پر الگ اعراب آیا ہے ۔

والعدول في عطف هاتين العلتين من الواو الى ثم لمجرد المحافظة على الوزن والنونُ زائدةً من قبلها الف ☆وَوَزنُ فعلٍ وهذا القول تقريب ☆فقوله زائدةً منصوب على انه حال اذ المعنى وتمنع النونُ الصرفَ حال كونها زائدةً وقوله الفٌ فاعل الظرف اعني من قبلها او مبتدأ خبره الظرف المتقدمُ ولايخفى انه لايفهم من هذا التوجيه زيادة الالف مع انها ايضا زائدة ولهذا يعبر عنهما بالالف والنون الزائدتين

اور مصنف کا ان دو علتوں میں واؤ سے ثم کی طرف عدول کرنا محض حفاظت وزن شعر کیلئے ہے (اور نون درانحالیکہ اس سے پہلے الف زائدہ ہو اور یہ قول تقریبی ہے) پس مصنف کا قول "زائدۃ" منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ حال ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ نون منع کرتا ہے اس حال میں کہ وہ زائدہ ہو اور مصنف کا قول "الف" ظرف کا فاعل ہے میری مراد ظرف سے من قبلہا ہے یا الف مبتدا ہے جس کی خبر ظرف مقدم ہے اور یہ امر مخفی نہیں کہ اس توجیہ سے الف کا زائدہ ہونا نہیں سمجھا جاتا باوجودیکہ الف بھی زائدہ ہے اور اسی لئے ان دونوں کو الف ونون زائدتین کہا جاتا ہے

قولہ والعدول: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلمہ **ثم** تراخی کیلئے ہے جس سے یہ لازم آیا کہ جمع پہلی پانچ علتوں کے بعد علت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو ان دو علتوں سے پہلے کلمہ ثم کیوں لایا گیا ہے۔ شارح فرماتے ہیں ثم بمعنی واؤ ہے اور واؤ چھوڑ کر ثم کی طرف عدول محض وزن شعر کی محافظت کے لئے ہے۔ قولہ **زائدۃ منصوب**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ شعر مذکور میں واقع لفظ زائدۃ دو حال سے خالی نہیں یا تو النون کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور یہ جائز نہیں کیونکہ موصوف وصفت میں تعریف وتنکیر میں موافقت مفقود ہے یا **النون** سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا اور یہ بھی درست نہیں کیونکہ النون نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ کیونکہ باعتبار عطف ممی کی خبر ہے جبکہ حال فاعل یا مفعول بہ ہوتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ زائدۃ بنا بر حال از النون منصوب ہے اور النون تمنع فعل کا فاعل ہے جو اس مقام سے مفہوم ہو رہا ہے ای وتمنع النون الصرف حال کونہا زائدۃ اور شارح کے کلام "اذ المعنی" سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حال کا عامل مقدر نہیں ورنہ اذ التقدیر کہتے بلکہ حال کا عامل تمنع کلام سے مفہوم ہو رہا ہے کہ مقصود موانع کا بیان ہے قولہ **الف**:۔ یہ ظرف یعنی من قبلہا کے متعلق کیلئے فاعل ہے ای **ثبت من قبلہا الف** یا **الف** مبتدا ہے جس کی خبر ظرف مقدم ہے اور اسی خبر مقدم کی وجہ سے اس کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہے کہ تقدیم خبر کی وجہ سے نکرہ مخصصہ ہو گیا ہے جو مبتدا واقع ہو سکتا ہے ای الف ثابت من قبلہا قولہ **ولا یخفی**:۔ اس عبارت میں شارح نے ایک سوال قائم کیا ہے وہ یہ کہ مذکورہ

قولہ **عدل**:۔ مصنف نے ابوسعید انباری کے دو بیت جو کہ اسباب منع صرف پر مشتمل ہیں اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں اور ایک پہلا بیت جس میں اس نے غیر منصرف کی تعریف کی ہے وہ ذکر نہیں کیا جس کی درج ذیل وجوہ ہیں ا۔ اس میں غیر منصرف کی جو تعریف کی گئی ہے وہ ناقص ہے کیونکہ غیر منصرف کی قسم ثانی کی تعریف سے شعر خالی ہے ۲۔ اس شعر سے لفظ نوح کا غیر منصرف پڑھنا واجب معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو سبب ہیں حالانکہ لفظ نوح کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہے ۳۔ جبکہ اسم میں الف تانیث اور علمیت پائی جائے جیسے حبلی تو اسکو ان دو سبب کی وجہ سے غیر منصرف پڑھنا واجب ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حبلی اس لئے غیر منصرف ہے کہ الف تانیث دو سبب کے قائم مقام ہے (عصام) قولہ **زائدۃ منصوبۃ**:۔ یہ شارح ہندی پر رد ہے جسکے نزدیک زائدۃ النون کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور النون کا الف لام زائدہ ہے جو محض وزن شعر کی حفاظت کیلئے ہے یا الف لام برائے عہد ذہنی ہے جو نکرہ کی قوت میں ہوتا ہے چونکہ النون بتاویل علت ہے اس لئے اس کی صفت مؤنث ہے اور وجہ رد یہ ہے کہ اس ترکیب میں تکلف ہے قولہ اذ المعنی:۔ یعنی **زائدۃ** کا عامل **تمنع** ہے جو اس مقام سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ عدل ووصف الخ سے موانع کی تعداد بیان کرنا مقصود ہے۔

قولہ وجعل الالفُ فاعلا لقوله زائدة والظرفُ متعلقا بالزيادة واريد بزيادة الالف قبل النون اشتراكُهما فى وصف الزيادة وتقدمُ الالفِ عليها فى هذا الوصف فهم زيادتهما جميعًا وهذا كما اذا قلت جاء زيدرا كبًامن قبله اخوه فانه يدل على اشتراكهما فى وصف الركوب وتقدم اخيه عليه فى هذا الوصف وقوله وهذا القول تقريب يعنى ان ذكر العلل بصورة النظم تقريب لها الى الحفظ لان حفظ النظم اسهل او القولُ بانّ كل واحدمن الامور التسعة علةٌ قولٌ تقريبى لاتحقيقىٌّ اذالعلة فى الحقيقة اثنان منها لاواحدًا او القولُ بانها تسع تقريب لها الى الصواب لان فى عددها اختلافا قال بعضهم انها تسع

اوراگر الف کو مصنف کے قول "زائدة" کا فاعل بنالیا جائے اور ظرف کو زیادت کے متعلق کردیا جائے اور الف کے نون سے پہلے زائدہ ہونے سے دونوں کا وصف زیادت میں اشتراک مراد لیا جائے اور الف کا اس وصف زیادت میں نون سے پہلے زائدہ ہونا مراد لیا جائے تو ان دونوں کا ایک ساتھ زیادہ ہونا سمجھ میں آئیگا اور یہ توجیہ اس طرح ہے کہ تم کہو جاء زیدرا کبا من قبلہ اخوہ پس یہ قول وصف رکوب میں زید اور اسکے بھائی کے اشتراک پر اور اس وصف میں زید کے بھائی کے زید پر مقدم ہونے پر دلالت کرتا ہے اور مصنف کے قول "وھذا القول تقریب" سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ علل کو بصورت نظم ذکر کرنا انہیں حفظ کے قریب کرتا ہے اس لئے کہ نظم کا یاد کرنا بہت آسان ہے یا یہ کہنا کہ امور تسعہ میں سے ہر ایک علت ہے قول تقریبی ہے تحقیقی نہیں کیونکہ علت حقیقت میں ان نو میں سے دو ہیں نہ کہ ایک یا یہ قول کہ علتیں نو ہیں انہیں صواب کے قریب کرتا ہے کیونکہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے پس بعض نحویوں نے کہا کہ علتیں نو ہیں

دونوں ترکیبوں سے صرف نون کی زیادتی مفہوم ہوتی ہے الف کی زیادتی مفہوم نہیں ہوتی جبکہ الف بھی زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے ان کو الف ونون زائدتان کہتے ہیں کیونکہ من قبلہا کلام مستقل ہے جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **قولہ ولو جعل:۔** اس عبارت میں شارح مذکورہ بالا سوال کا جواب دے رہے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر الف کو زائدۃ کا فاعل قرار دیا جائے اور ظرف "من قبلہا" کو زائدۃ کے متعلق کردیا جائے اور الف کے نون سے پہلے زیادہ ہونے سے ان دونوں کا زیادت کی صفت میں اشتراک اور اس صفت زیادت میں الف کا تقدم نون پر مراد لیا جائے تو اس صورت میں الف اور نون دونوں کا زیادہ ہونا سمجھا جائیگا **قولہ وھذا:۔** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ علامہ جامیؒ کی ترکیب کے مطابق شعر کے معنی ہونگے کہ نون منصرف ہونے کو روکتا ہے اس حال میں کہ نون سے پہلے الف زیادہ ہے پس علامہ جامیؒ کی ترکیب سے الف کی زیادتی مفہوم ہوتی ہے نہ کہ نون کی کیونکہ زائدۃ کا فاعل الف ہے نہ کہ نون تو شارح نے جواب دیا کہ عرف کے مطابق اس عبارت سے نون کی زیادتی بھی مفہوم ہوتی ہے کیونکہ جب تم کہو ترکب زید من قبلہ اخوہ تو اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وصف رکوب میں زید اور اخ دونوں شریک ہیں اور زید کا بھائی اس وصف کے ساتھ پہلے متصف ہے۔ اب عبارت کے معنی ہونگے کہ نون منصرف ہونے کو روکتا ہے اس حال میں کہ نون زائدہ سے پہلے الف زائدہ ہو **قولہ وھذا القول:۔** اس عبارت میں شارح شاعر کے قول "تقریب" کے معانی بیان کررہے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

وقال بعضهم اثنان وقال بعضهم اَحَدَعشر لكن القول بانها تسع تقريب لها الى ماهو الصواب من المذاهب الثلثة ثم انه ذكر امثلة العلل المذكورة على ترتيب ذكرها فى البيتين فقال مثل عُمَر مثال للعدل واحمر مثال للوصف و طلحة مثال للتانيث وزَيْنَبَ مثال للمعرفة وفى ايراد زينب مثالاً للمعرفة بعد طلحة اشارة الى قسمَى التانيث اللفظى والمعنوى وابراهيمَ مثال للعجمة ومساجدَ مثال للجمع ومعديكَرَبَ مثال للتركيب وعمرانَ مثال للالف والنون و اَحْمَدَ مثال لوزن الفعل وحكمه اى حكم غير المنصرف والاثر المرتب عليه من حيث اشتماله على علتين او واحدة منها تقوم مقامهما

اوران کے بعض نے کہا کہ دو ہیں اوران کے بعض نے کہا کہ گیارہ ہیں لیکن ان کے نو ہونے کا قول ان کو اس قول کے قریب کرتا ہے جو حق ہے مذاہب ثلثہ میں سے پھر مصنف نے علل مذکورہ کی مثالوں کو ان کے بیتین میں مذکور ہونے کی ترتیب پر ذکر کیا تو کہا (جیسے عُمَر) یہ عدل کی مثال ہے (اور احمر) یہ وصف کی مثال ہے (اور طلحہ) یہ تانیث کی مثال ہے (اور زینب) یہ معرفہ کی مثال ہے اور طلحہ کے بعد زینب کو معرفہ کی مثال لانے میں تانیث کی دو قسموں لفظی اور معنوی کی طرف اشارہ ہے (اور ابراہیم) یہ عجمہ کی مثال ہے (اور مساجد) یہ جمع کی مثال ہے (اور معدیکرب) یہ ترکیب کی مثال ہے (اور عمران) یہ الف ونون کی مثال ہے (اور احمد) یہ وزن فعل کی مثال ہے (اور اس کا حکم) یعنی غیر منصرف کا حکم اور اثر جو اس پر مرتب ہوتا ہے اسکے دو علتوں یا ایک علت جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے پر مشتمل ہونے حیثیت سے

تقریب مصدر بمعنی مقرِّب ہے یعنی علل تسعہ کو بطور نظم بیان کرنا ان کو حفظ کے قریب کرنے والا ہے کہ نثر کے مقابلے میں نظم کو یاد کرنا سہل ہے۔۲۔ تقریب، اصل میں تقریبی تھا یائے نسبت کے حذف ہونے سے تقریب ہوا جس کے معنی ہیں غیر تحقیقی یعنی امور تسعہ میں سے ہر ایک کا علت ہونا قول تقریبی ہے تحقیقی نہیں کیونکہ غیر منصرف کا سبب ان علتوں میں سے دو ہیں نہ کہ ایک۔۳۔ یہ قول کہ علتیں نو ہیں حق اور صواب کے قریب ہے اور دو یا گیارہ کا قول صواب سے دور ہے۔ قولہ **فی ایراد زینب**:۔ یعنی طلحہ اگرچہ تانیث کے ساتھ معرفہ کی مثال بھی ہے لیکن طلحہ کے بعد زینب کا ذکر عبث نہیں بلکہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی اور دونوں قسمیں غیر منصرف کا سبب ہیں۔ قولہ **ای حکم غیر المنصرف**:۔ اس تفسیر میں شارح نے حکمہ کی ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے اور **والاثر المرتب** سے ایک سوال کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظ حکم کی اضافت غیر منصرف کو راجع ضمیر کی طرف کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حکم نام ہے **اسناد امر الی امر آخر ایجابا او سلبا** کا اور اسناد مرکب میں پایا جاتا ہے اور غیر منصرف مفرد کی قسم ہے اس میں حکم کہاں؟ شارح نے جواب دیا کہ حکم کے دو معنی ہیں ایک اصطلاحی جو مذکور ہوا دوم۔ لغوی یعنی اثر مرتب علی الشئ اور یہاں یہی معنی ثانی مراد ہے۔ قولہ **من حیث**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ غیر منصرف کی طرف حکم کی اضافت کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ حکم مؤثر کی طرف مضاف ہوتا ہے اور غیر منصرف مؤثر نہیں ہے بلکہ کسرہ اور تنوین کے عدم دخول میں مؤثر دو سبب ہیں یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف اس حیثیت سے ہے کہ

اَن لا کَسْرَۃَ فیہ و لاتنوینَ وذلک لان لکل علۃٍ فرعیۃً فاذا وقع فی الاسم علتان حصل فیہ فرعیتان فیشبہ الفعلَ من حیث انّ لہ فرعیتین بالنسبۃ الی الاسم احدٰھما افتقارہ الی الفاعل و اخرٰھما اشتقاقہ من المصدر فمُنع منہ الاعرابُ المختصُّ بالاسم وھو الجر و التنوین الذی ھو علامۃ التمکن وانما قلنا لکل علۃٍ فرعیۃً لان العدل فرع المعدول عنہ والوصفَ فرع الموصوف و التانیث فرع التذکیر لانک تقول قائم ثم قائمۃ و التعریفَ فرع التنکیر لانک تقول رجل ثم الرجل والعجمۃ فی کلام العرب فرع العربیۃ اذ الاصل فی کل کلام ان لایخالطہ لسانٌ آخر والجمعَ فرع الواحد و الترکیب فرعُ الافراد و الالفَ والنونَ الزائدتین فرعُ مازِیْدَتاعلیہ ووزنَ الفعل فرعُ وزنِ الاسم لانّ الاصل فی کل نوعٍ ان لایکون فیہ الوزن المختص بنوعٍ آخر فاذا وُجد فیہ ھذاالوزنُ کان فرعا للوزن الاصلی

(یہ ہے کہ کسرہ نہیں) اس غیر منصرف میں (اور نہ تنوین) اور یہ کسرہ اور تنوین کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ ہر علت کیلئے فرع ہوتا ہے پس جب اسم میں دو علتیں واقع ہوں تو اس میں دو فرعیتیں ہونگی تو وہ اسم فعل کے مشابہ ہوجائیگا اس حیثیت سے کہ فعل کیلئے اسم کی نسبت دو فرعیتیں ہیں ایک ان دو کی فعل کا فاعل جانب احتیاج اور دوسری ان کی فعل کا مصدر سے مشتق ہونا لہٰذا اس اسم سے وہ اعراب روک دیا گیا جو اسم کے ساتھ مختص ہے اور وہ اعراب جر ہے اور تنوین جو علامت تمکن ہے اور ہم نے کہا کہ ہر علت کیلئے فرعیت ہے کیونکہ عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی فرع ہے اور تانیث تذکیر کی فرع ہے اس لئے کہ تم قائم کہتے ہو پھر قائمۃ اور تعریف تنکیر کی فرع ہے کیونکہ تم رجل کہتے ہو پھر الرجل اور عجمہ کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے اس لئے کہ اصل ہر کلام میں یہ ہے کہ اس سے کوئی دوسری زبان نہ ملے اور جمع واحد کی فرع ہے اور ترکیب افراد کی فرع ہے اور الف ونون زائدتین انکی فرع ہیں جس پر وہ زائد کئے گئے اور وزن فعل وزن اسم کی فرع ہے کیونکہ اصل ہر نوع میں یہ ہے کہ اس میں وہ وزن نہ ہو جو دوسری نوع کے ساتھ مختص ہے۔پس جب اسم میں یہ وزن پایا گیا تو یہ وزن اسم کے وزن اصلی کی فرع ہوگا

غیر منصرف دو علتوں یا ایک پر مشتمل ہے۔قولہ ان لا کسرۃ:۔شارح نے فیہ بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا جسکی تشریح یہ ہے کہ لائے نفی جنس جملہ پر داخل ہوتا ہے اور کافیہ کی عبارت لا کسرۃ ولا تنوین جملہ نہیں ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا ہے کہ کافیہ کی مذکورہ عبارت میں بھی لائے نفی جنس جملہ پر داخل ہے اس لئے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے لا کسرۃ فیہ ولا تنوین چونکہ فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں اس لئے فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آتی اور وہ مشابہت یہ ہے کہ فعل دو چیزوں کی فرع ہے ایک فاعل اور دوسرا مصدر کیونکہ رکن

قولہ ان لا کسرۃ۔یہ اَن مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان مقدر ہے اور بعد والا جملہ اس کی خبر ہے اور اَن مخففہ اپنے اسم اور خبر سے ملکر بتاویل مفرد مبتدا کی خبر ہے قولہ ولا تنوین:۔یہاں تنوین سے کونسی تنوین مراد ہے اس میں دو قول ہیں ا۔اس جگہ وہ تنوین مراد ہے جو اسم کا خاصہ ہے یعنی تنوین ترنم کے علاوہ باقی اقسام اربعہ ۲۔صرف تنوین تمکن مراد ہے کیونکہ وہی منصرف اور غیر منصرف میں فرق کرنے والی ہے ﴿فائدہ﴾ مصنف نے بیان حکم میں کسرہ کو تنوین سے پہلے ذکر کرکے اس بات کی

ویجوز ای لایمتنع سواء کان ضروریاً او غیرَ ضروریٍّ صرفه ای جعلُه فی حکم المنصرف بادخال الکسرة والتنوین فیه لاجَعْلُه منصرفاحقیقةً فان غیر المنصرف عندالمصنف مافیه علتان اوواحدةٌ تقوم مَقامَهما وبادخالِ الکسرة والتنوین لایلزم خلوا لاسم عنهما وقیل المراد بالصرف معناه اللغویُ لاالاصطلاحی والضمیرفی صرفُه راجعٌ الی حکمه

(اور جائز ہے) یعنی ممتنع نہیں خواہ ضروری ہو یا غیر ضروری (اس کا صرف) یعنی اس غیر منصرف کو کسرہ اور تنوین داخل کر کے منصرف کے حکم میں کرنا نہ کہ اسکو حقیقۃً منصرف کر دینا کیونکہ مصنف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں یا ایسی ایک علت ہو جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے اور کسرہ وتنوین کے داخل کرنے سے اسم غیر منصرف کا ان دو علتوں سے خالی ہونا لازم نہیں آتا اور کہا گیا ہے کہ صرف سے اسکا معنی لغوی مراد ہے نہ کہ اصطلاحی اور صرفہ میں ضمیر حکمہ کی طرف راجع ہے

کلام بننے میں فعل اپنے فاعل کا محتاج ہوتا ہے اور مشتق ہونے میں اپنے مصدر کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج اپنے محتاج الیہ کی فرع ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی دو چیزوں کی فرع ہے اور وہ دو چیزیں دو علتیں ہیں کہ ہر علت کسی چیز کی فرع ہے۔ قولہ **ای لایمتنع**:۔ اس تفسیر میں شارح نے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یجوز، جواز سے ہے اور جواز میں کرنا اور چھوڑنا برابر ہوتا ہے لہٰذا مصنف کا **ویجوز صرفه** کہنا درست نہیں کہ بوقت ضرورت غیر منصرف کو منصرف کرنا واجب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ جواز کے تین معنی ہیں ا۔ سلب الوجوب یعنی واجب نہ ہونا ۲۔ سلب الامتناع یعنی محال نہ ہونا ۳۔ سلب الوجوب والامتناع یعنی نہ واجب ہونا نہ محال ہونا اس جگہ جواز کا دوسرا معنی مراد ہے عبارت کافیہ کے معنی ہونگے کہ ضرورت اور تناسب کے وقت غیر منصرف کو منصرف کر دینا محال نہیں ہے خواہ وہ ضروری ہو جیسے ضرورت شعری کے وقت یا ضروری نہ ہو جیسے تناسب کے وقت۔ قولہ **ای جعله**:۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے کہا ہے **ویجوز صرفه** جس کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصرف کی علت مؤثرہ کو زائل کر کے اس کو منصرف کرنا جائز ہے حالانکہ ضرورت شعری یا تناسب کے وقت جب غیر منصرف کو کسرہ اور تنوین دیتے ہیں تو غیر منصرف کی علت مؤثرہ زائل نہیں ہوتی تو **یجوز صرفه** کے کیا معنی؟ شارح نے اسکے دو جواب دئے ہیں اول۔ یہ کہ غیر منصرف کو منصرف بنانے کے یہ معنی ہیں کہ غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دیا جاتا ہے یعنی اس پر منصرف کی طرح کسرہ اور تنوین لائی جاتی ہے نہ یہ کہ اس سے علت مؤثرہ زائل کی جاتی ہے قولہ **وقیل**:۔ شارح اس عبارت میں **ویجوز صرفه** کے دوسرے معنی بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ یہاں صرف کا لغوی معنی مراد ہے یعنی پھیر دینا اور بدل دینا اور صرفہ کی ضمیر حکم کیطرف راجع ہے اور کافیہ کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ ضرورت شعری اور مناسبت کے وقت غیر منصرف کا حکم پھیر دینا جائز ہے ﴿فائدہ﴾ شارحؒ نے جواب ثانی کو قیل سے بیان کر کے اس کے

طرف اشارہ کیا ہے کہ کسرہ غیر منصرف سے بالاصالت دور کر دیا جاتا ہے اور تنوین بالتبع قولہ **عندالمصنف**:۔ مصنف کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس میں دو علتیں مؤثرہ یا ایک علت مؤثرہ پائی جائے چونکہ ضرورت شعری اور مناسبت کی وجہ سے جب غیر منصرف پر کسرہ یا تنوین آئے تو اس میں علت مؤثرہ باقی رہتی ہے اس لئے غیر منصرف حقیقۃً منصرف نہیں ہوتا بلکہ منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے برخلاف جمہور کے کہ ان کے نزدیک دخول کسرہ وتنوین سے غیر منصرف حقیقۃً منصرف ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے جس پر کسرہ اور تنوین نہ آئے رہی یہ بات کہ علت مؤثرہ باقی رہنے کی صورت میں تخلف المؤثر عن الاثر لازم آئیگا جو جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسوقت ناجائز ہے جب کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ ضرورت شعری اور تناسب ہے (سوال کا علی)

للضرورة اى لضرور قوزن الشعر اورعايةِ القافية فانه اذا وقع غير المنصرف فى الشعر فكثيراً مايقع من منع صرفه انكسارٌ يخرجه عن الوزن او انزحافٌ يُخرجه عن السلاسة اما الاول فكقوله شعر صُبّتْ علىّ مَصائِبٌ لو انّها ☆ صُبّتْ على الايام صِرْنَ لَيالِيًا ☆ واما الثانى فكقوله شعر اَعِدْ ذِكرَ نُعمانٍ لَنا اِنّ ذِكرَه ☆ هو المِسْكُ مَاكَرّرتَه يَتَضَوّع ☆ فانه لوفتح نونُ نعمان من غير تنوين يستقيم الوزنُ ولكن يقع فيه زحافٌ يخرجه عن السلاسة كمايحكم به سلامة الطبع فان قلتَ الاحتراز عن الزحاف ليس بضرورى فكيف يشمله قوله للضرور قلنا الاحتراز عن بعض الزحافات اذاامكن الاحتراز عنه ضرورى عندالشعراء واماالضرورة الواقعة لرعاية القافية

(ضرورت کیلئے) یعنی وزن شعر یارعایت کافیہ کی ضرورت کیلئے۔ پس جب شعر میں غیر منصرف واقع ہوتو اکثر اسکے غیر منصرف پڑھنے سے انکسار واقع ہوتا ہے جو شعر کو وزن سے خارج کر دیتا ہے یا انزحاف اور تغیر واقع ہوتا ہے جو شعر کو سلاست سے نکال دیتا ہے بہر حال اولٰی جیسے شاعر کا قول ہے (صُبّت علی الخ) یعنی میرے اوپر ایسی مصیبتیں ڈال دی گئیں کہ اگر وہ دنوں پر ڈال دی جاتیں تو وہ راتیں ہو جاتے بہر حال ثانی پس جیسے شاعر کا قول ہے اعد ذکر نعمان الخ یعنی حضرت نعمان بن ثابت کا ذکر ہمارے لئے بار بار کرو کہ ان کا ذکر مشک ہے جب تک اسکا اعادہ کرو گے پھیلتی جائیگی پس اگر نعمان کے نون کو تنوین کے بغیر فتحہ دی جاتی تو وزن درست رہتا لیکن اس میں تغیر واقع ہوتا جو شعر کو سلاست سے نکال دیتا جیسا کہ سلامت طبع اس کا حکم دیتی ہے پھر اگر تم کہو کہ زحاف سے احتراز تو ضروری نہیں پس اسکو مصنف کا قول "للضرورۃ" کیسے شامل ہوگا تو ہم جواب دیں گے کہ بعض زحافات سے احتراز کرنا جبکہ اس سے احتراز ممکن ہو شعراء کے نزدیک ضروری ہے بہر حال وہ ضرورت جو رعایت کافیہ کی وجہ سے ہوتی ہے تو وہ

ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ حکمہ کی ضمیر کا مرجع غیر منصرف ہے لہٰذا اگر صرفہ کی ضمیر کا مرجع حکم ہوتو انتشار ضمائر لازم آئیگا جو درست نہیں قولہ **للضرورۃ**۔ اس تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے قول "**للضرورۃ**" میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی وزن شعر یارعایت قافیہ کیلئے غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دینا جائز ہے کیونکہ جب غیر منصرف شعر میں واقع ہوتو بسا

قولہ **مصائبٌ**۔ یہ مصیبۃ کی جمع ہے، مصیبت اس مکروہ چیز کو کہتے ہیں جو انسان پر نازل ہوتی ہے اس شعر میں لفظ مصائب پر تنوین داخل کر کے اسکو منصرف کے حکم میں بنا دیا گیا ہے تاکہ شعر کا وزن نہ ٹوٹے یعنی اگر مصائب کو تنوین کے بغیر پڑھا جائے تو پہلا مصرعہ بقدر ایک حرف مصرعہ ثانی سے کم رہے گا کیونکہ تنوین شعراء کے نزدیک ایک حرف شمار ہوتی ہے (محرم) قولہ **یخرجه عن السلاسة**۔ جب کسی کلمہ سے بذریعہ ادغام اس کا ثقل دور کر دیا جائے تو وہ سلیس ہو جاتا ہے اس لئے لفظ نعمان پر کسرہ اور تنوین لا کر جب نون تنوین کو لام میں ادغام کیا تو وہ سلیس ہو گیا اور یہ ادغام صرف کے درج ذیل قاعدہ کے مطابق کیا گیا

نون ساکن یا تنوین ہوے جس مقام .... یرملونی حرفاں اندر واجب ہے ادغام (محرم)

قولہ **اَعِدْ**۔ یہ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بار بار کرا ور ذکر وہ ہے جو زبان پر جاری ہو نعمان نون کے فتحہ کے ساتھ پہاڑ کا نام ہے جو عرفات کے قریب ہے یا ایک جنگل کا نام ہے جو طائف کے راستہ میں واقع ہے اور نون کے ضمہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی مناسب ہے کلمہ ان بکسر ہمزہ تعلیل کیلئے ہے اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ اس سے قبل لام مقدر ہے اور ما کررتہ میں کلمہ ما مصدریہ ہے اور یتضوع بمعنی منتشر ہے۔

كما في قوله شعر سلامٌ على خير الانام و سيّد ☆ حبيب الٓه العلمين محمد ☆ بشير نذير هاشمي مكرم ☆ عطوف رؤف من يسمىٰ باحمد ☆ فانه لو قال باحمدَ بالفتح لا يخلّ بالوزن و لكنه يخل بالقافية فان حرف الرويّ في سائر الابيات الدالُ المكسورة او للتناسب اى ويجوز صرف غير المنصرف ليحصلَ التناسب بينه و بين المنصرف لان رعاية التناسب بين الكلمات امر مهمّ عندهم وان لم يصل الى حد الضرورة مثل سلاسلًا واغلالًا حيث صُرف سلاسلا لتناسب المنصرف الذى يليه اعنى اغلالا فقوله سلاسلا واغلالا مثال لمجموع غير المنصرف الذى صرف والمنصرفِ الذى صرف غير المنصرف لتناسبه

جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے۔ (سلام علی خیر الانام الخ) مخلوق کے سردار اور افضل جو اللہ کے محبوب محمد ﷺ خوشخبری سنانے والے ڈرانے والے عزت دیئے ہوئے شفیق و مہربان جن کا اسم گرامی احمد ہے پر سلام ہو پس اگر شاعر دال کے فتحہ کے ساتھ احمد کہتا تو وزن شعر میں کوئی خلل نہ آتا لیکن دال کا فتح قافیہ میں مخل ہوتا کیونکہ آخری حرف تمام اشعار میں دال مکسورہ ہے (یا تناسب کیلئے) یعنی غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جائز ہے تا کہ غیر منصرف اور منصرف کے درمیان مناسبت حاصل ہو جائے کیونکہ کلمات کے درمیان رعایت تناسب اہل عرب کے نزدیک ایک اہم چیز ہے اگرچہ یہ حد ضرورت تک نہیں پہنچی (جیسے سلاسلا واغلالا) کیونکہ سلاسلا کو منصرف کر دیا گیا اس منصرف کی مناسبت کی وجہ سے جو سلاسلا سے متصل ہے میری مراد اغلالا ہے پس ارشاد مذکور مثال ہے مجموعہ کیلئے یعنی اس غیر منصرف کیلئے جسکو منصرف کیا گیا اور منصرف کیلئے جس کے تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کیا گیا

اوقات اسکے غیر منصرف پڑھنے سے ایسا نقصان واقع ہوتا ہے جو شعر کو وزن سے خارج کر دیتا ہے یا ایسا تغیر واقع ہوتا ہے جو شعر کو سلیس ہونے سے خارج کر دیتا ہے اس لئے کسرہ اور تنوین لا کر غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کر دیا جاتا ہے۔ قولہ **اوللتناسب**:۔ یہ للضرورۃ پر معطوف ہے اور جار کا اعادہ کر کے مصنف نے اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ تناسب امر مستقل ہے ضرورت میں داخل نہیں اور اسی کی طرف شارحؒ نے **ای یجوز صرف غیر المنصرف** سے اشارہ فرمایا ہے یعنی غیر منصرف کو تناسب کی وجہ سے منصرف کر دینا جائز ہے کیونکہ کلمات میں تناسب عرب کے نزدیک ضروری ہے اور اسی تناسب کی وجہ سے ارشاد باری تعالیٰ ہے **انه هو يبدئ و يعيد** ، میں یبدئ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے ورنہ یہ باب فتح سے ہے جس میں قیاس علامت مضارع کا فتح ہے۔ قولہ **مثال لمجموع**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تناسب کی مثال سلاسلا ہے اس کے ساتھ اغلالا کا ذکر بے مقصد ہے شارحؒ نے جواب دیا کہ مصنف نے صرف اس غیر منصرف کی مثال نہیں دی کہ جسکو بوجہ

قولہ **لا يخل بالوزن**:۔ یعنی اس شعر میں لفظ احمد کو اگر غیر منصرف پڑھا جائے تو وزن مستقیم رہے گا کیونکہ اسکا وزن چار مرتبہ فعولن مفاعلن ہے لیکن قافیہ میں خلل آئیگا قولہ **حرف الروی**:۔ روی راء کے فتحہ اور واؤ کے کسرہ سے لغت میں بمعنی تمام ہے اور یہاں حرف روی سے مراد وہ حرف ہے جو ابیات کے آخر میں مکرر ہوتا ہے چونکہ بیت اس حرف سے مکمل ہوتا ہے اس لئے اسکو حرف روی کہتے ہیں قولہ **مثل سلاسل**:۔ ﴿سوال﴾ سلاسلا و اغلالا کو لفظ مثل کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہونا چاہئے یہ منصوب کیوں ہے؟ ﴿جواب﴾ یہ آیت کا اقتباس ہیں اور آیت میں چونکہ یہ دونوں لفظ منصوب واقع ہوئے ہیں اس لئے یہاں بھی منصوب ہیں۔

ومایقوم مَقامَهما ای العلة الواحدة التی تقوم مَقام العلتین من العلل التسع علتان مکررتان قامت کل واحدة منهمامقام العلتین لتکرارهما احدیهما الجمع البالغ الی صیغة منتهی الجموع فانه قد تکرر فیه الجمعیة حقیقة کاکالب واساورواناعیم اوحکما کالجموع الموافقة لهافی عددالحروف والحرکات والسکنات کمساجدومصابیح وثانیهماالتانیث لکن لامطلقابل ببعض اقسامه وَهو الفاالتانیث المقصورة والممدودة ای کل واحدة منهما کحبلی وحمراء لانهمالازمتان للکلمة وضعالاانفکاکهما اصلافلایقال فی حبلی حبل ولافی حمراء حمر فیجعل لزومهماللکلمة بمنزلة تانیث آخرفصارالتانیث مکررا

(اور جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے) یعنی نو علتوں میں سے جو علت واحدہ دو کے قائم مقام ہوتی ہے وہ دو مکرر علتیں ہیں جن میں سے ہر ایک تکرار کی وجہ سے دو علتوں کے قائم مقام ہوتی ہے ان میں سے ایک (جمع ہے) جو صیغہ منتہی الجموع کو پہنچنے والی ہے اس لئے کہ اس میں جمعیت حقیقۃً مکرر ہے جیسے أکالب اور أساور اور أناعیم یا حکماً مکرر ہے جیسے وہ جمعیں جو جموع حقیقی کے موافق ہیں تعداد حروف اور حرکات وسکنات میں جیسے مساجد اور مصابیح اور دوسری ان دو میں سے تانیث ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ تانیث کے بعض اقسام اور وہ (تانیث کے دو الف ہیں) مقصورہ اور ممدودہ یعنی ہر ایک ان دو الفوں میں سے جیسے حبلی اور حمراء اس لئے کہ الف مقصورہ وممدودہ وضع کے اعتبار سے کلمہ کو لازم ہیں اس سے ہرگز جدا نہیں ہوتے۔ پس حبلی میں حبل اور حمراء میں حمر نہیں کہا جاتا تو ان دونوں کے کلمہ کو لازم ہونے کو بمنزلہ دوسری تانیث کے قرار دیا جاتا ہے لہذا تانیث مکرر ہوگئی

تناسب منصرف کر دیا گیا ہے بلکہ اسکے ساتھ اس منصرف کی مثال بھی دی ہے جسکی مناسبت سے غیر منصرف کو منصرف کر دیا گیا ہے۔ **قولہ ای العلة الواحدة** :۔ اس تفسیر میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ مصنف کے قول "ومایقوم مقامهما" میں کلمہ ما موصولہ ہے جس سے مصنف کے قول واحدۃ کی طرف اشارہ ہے جو غیر منصرف کی تعریف میں گذر چکا ہے کیونکہ موصول لام تعریف کے حکم میں ہوتا ہے یعنی وہ علت واحدہ جو دو کے قائم مقام ہوتی ہے وہ مکررہ دو علتیں ہیں جن میں سے ہر ایک تکرار کی وجہ سے دو علتوں کے قائم مقام ہوتی ہے۔ شارح نے علتان کا اضافہ کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "**مایقوم مقامهما**" مبتدا ہے جسکی خبر **الجمع والفا التانیث** ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ علت واحدہ جو دو کے قائم مقام ہے وہ جمع اور الف تانیث کا مجموعہ ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ جمع اور تانیث کے دو الف میں سے ہر ایک دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مبتدا کی خبر **الجمع والفاالتانیث** نہیں بلکہ خبر محذوف ہے یعنی علتان.

قولہ بل ببعض اقسامه :۔ علامت کے اعتبار سے تانیث دو قسم پر ہے ایک تانیث بالتاء اور یہ قسم اصل ہے اور اسی وجہ سے تاء کبھی ملفوظ ہوتی ہے جیسے قائمۃ اور کبھی مقدر ہوتی ہے جیسے زینب تانیث کی یہ قسم دو سبب کے قائم مقام نہیں ہوتی بلکہ علمیت کے بغیر سبب واحد بھی نہیں ہوتی کیتا کلمہ کو لازم نہیں ہوتی قسم دوم۔ تانیث بالالف۔ یہ دو سبب کے قائم مقام ہوتی ہے اور الف تانیث کا ملفوظ ہونا ضروری ہے۔ **قولہ الممدودة** :۔ یہ مصنف کے قول **بقول المقصورة** پر معطوف ہو کر الف کی صفت ثانی ہے کہ ممدودہ بھی الف تانیث ہے اور اسکا ہمزہ الف سے مبدل ہے اور اسکا پہلا الف زائدہ ہوتا ہے جو توسیع بناء کیلئے زائد کیا جاتا ہے اور اس کا تانیث میں دخل نہیں ہوتا علامہ رضی فرماتے ہیں کہ الف ممدودہ اصل میں الف مقصورہ تھا چونکہ کلمہ کو لازم ہونے کی وجہ سے وہ لام کلمہ ہو گیا تو اس سے قبل زیادت مد کیلئے الف بڑھا دیا گیا پس دو الف جمع ہو گئے تو ثانی کو ہمزہ کر دیا گیا (محرم و معتقد)

بخلاف التاء فانها ليست لازمة للكلمة بحسب اصل الوضع فانها وضعت فارقة بين المذكر والمؤنث فلوعرض اللزوم لعارض كالعلمية مثلالم يقوقوة اللزوم الوضعي فالعدل مصدر مبني للمفعول اى كون الاسم معدولا خروجه اى خروج الاسم اى كونه مخرجا عن صيغته الاصليّة اى عن صورته التي يقتضي الاصل والقاعدة ان يكون ذلك الاسم عليها

برخلاف تائے تانیث کے کہ وہ وضع کے اعتبار سے کلمہ کولازم نہیں کیونکہ وہ مذکرومؤنث کے درمیان فرق کرنے والی بنائی گئی پس اگرتاء کوکسی عارض کی وجہ سے لزوم عارض ہوجائے مثلاعلمیت کے باعث تووہ لزوم عارضی لزوم وضعی کی قوت میں نہیں ہوسکتا (پس عدل) یہ مصدرمبنی للمفعول ہے یعنی اسم کامعدول ہونا(اس کانکلنا ہے)یعنی اسم کانکلنا یعنی اس کانکلاہواہونا ہے(اپنے اصلی صیغہ سے)یعنی اپنی اصلی صورت سے جس صورت کواصل اورقاعدہ مقتضی ہے کہ وہ اسم اس صورت پرہو

قولہ **بخلاف التاء** :۔یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کبھی تاءتانیث بھی کلمہ کولازم ہوتی ہے جیسے طلحہ میں لہٰذاالف تانیث کی طرح تاءتانیث کوبھی دوسبب کے قائم مقام ہوناچاہئے.شارح نے جواب دیاکہ تائے تانیث کلمہ کوباعتباروضع کےلازم نہیں بلکہ اسکی وضع تذکیرو تانیث میں فرق کرنے کیلئے ہے اگرچہ علمیت عارض ہونے پرلازم ہوجاتی ہےتویہ عارضی لزوم وضعی لزوم کی طرح اتناقوی نہیں کہ دوسری تانیث کے قائم مقام ہوسکےاس لئے تائے تانیث دوتانیث کے قائم مقام نہیں ہے. **فالعدل**:۔غیرمنصرف کی علل تسعہ کومجملا بیان کرنے کے بعد یہاں سے انکی تفصیل کرتے ہیں اس لئے فاء تفصیلیہ لائے ہیں اورعدل کومقدم کیااس لئے کہ اجمال میں بھی عدل مقدم ہےاوراس لئے بھی کہ عدل کیلئے کوئی شرط نہیں اورباقی علتوں کیلئے شرائط ہیں توعدل بمنولہ مطلق کے ہوااورباقی علتیں بمنولہ مقید کےاورمطلق ،مقید پرمقدم ہوتا ہے لہٰذامصنف نے بمنولہ مطلق کومقدم کردیا.قولہ **مصدر مبنی للمفعول**:۔یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عدل بمعنی پھیرنامتکلم کی صفت ہےاور خروج بمعنی نکلنااسم کی صفت ہےاورمتکلم واسم آپس میں متباین ہیں لہٰذاخروجہ کو**العدل** کی خبربناناصحیح نہ ہواکہ اس میں ایک متباین کی صفت کاحمل دوسرے متباین کی صفت پرلازم آتا ہےاوریہ درست نہیں.شارح نے جواب دیاکہ عدل یہاں پرمبنی للفاعل نہیں کہ اعتراض مذکورلازم آئے بلکہ یہ مصدرمبنی للمفعول ہے **ای کون الاسم معدولا** یعنی اسم کاپھیراہواہونااوریہ خروج کی طرح اسم کی صفت ہے.قولہ **خروجه**:۔شارح نے **ای خروج الاسم** کےساتھ تفسیرکرکےاس امرکی طرف اشارہ کیا ہے کہ ضمیرمجرورکامرجع اسم ہےاوریہ اضمارقبل الذکرنہیں کہ زیربحث اسم ہے اوراس **ای کونه مخرجا**، سےایک اعتراض کاجواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ سابق میں شارح نے عدل کومبنی للمفعول قراردیا ہے توعدل مصدر متعدی ہوااورخروج مصدرلازم ہے تویہ متعدی کی تفسیرلازم سے ہوگئی جودرست نہیں.شارح نے جواب دیاکہ یہاں پرخروجہ کامعنی ہےکون الاسم مخرجایعنی اسم کانکالاہواہونالہٰذایہاں متعدی کی تفسیرمتعدی سے ہے.قولہ **عن صیغته** :۔شارح نے صیغہ کی تفسیرصورت سےکرکےایک اعتراض کاجواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے عدل کی تعریف یہ کی ہے کہ اسم اپنے اصلی صیغہ سے نکل جائے اوریہ تعریف صحیح نہیں کیونکہ اسم صورت اورمادہ کے مجموعہ کوکہتے ہیں اورصیغہ بھی اہل صرف کےنزدیک صورت اورمادہ کانام ہےتومذکورہ تعریف سےکل کاخروج کل سےلازم آیااوریہ باطل ہے.شارح نے جواب دیاکہ یہاں پرصیغہ سےمرادوہ صیغہ ہےجونحویوں کےہاں صیغہ ہوتا ہے یعنی صورت پس عدل کی تعریف یہ ہوئی

وَلَا يخفى ان صيغة المصدر ليست صيغة المشتقات فباضافة الصيغة الى ضمير الاسم خرجت المشتقات كلها وان المتبادر من خروجه عن صيغته الاصلية ان تكون المادة باقيةً والتغير انما وقع في الصورة فقط فلاينتقض بماحذف عنه بعض الحروف كالاسماء المحذوفة الاعجاز مثل يد ودم فان المادة ليست باقية فيها وان خروجه عن صيغته الاصلية يستلزم دخوله في صيغةٍ اخرى اى مغايرة للاولى ولا يبعد ان يعتبر مغايرتها لها الى كونها غير داخلة تحت اصلٍ وقاعدةٍ كما كانت الاولى داخلةً تحته فخرجت عنه المغيرات القياسية

اور یہ بات مخفی نہیں کہ مصدر کا صیغہ مشتق کا صیغہ نہیں لہٰذا اسم کی ضمیر کی طرف صیغہ کی اضافت سے تمام مشتقات خارج ہو گئے اور یہ بات مخفی نہیں کہ صیغہ اصلیہ سے اسم کے خروج سے متبادر یہ ہے کہ مادہ باقی رہے اور تغیر صرف صورت میں واقع ہو لہٰذا عدل کی تعریف اس کلمہ سے نہ ٹوٹے گی جس کے بعض حروف حذف کر دیئے گئے ہوں جیسے اسماء محذوفۃ الاعجاز مثل ید اور دم کے کیونکہ ان میں مادہ باقی نہیں ہے اور اس میں شک نہیں کہ اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکلنا مستلزم ہے اسکے دخول کو دوسرے صیغہ میں جو پہلے صیغہ کا مغایر ہو اور بعید نہیں کہ دوسرے صیغہ کی پہلے صیغہ کے ساتھ مغایرت اس بات میں اعتبار کی جائے کہ دوسرا صیغہ کسی اصل اور قاعدہ کے تحت داخل نہ ہو جس طرح کہ پہلا صیغہ اصل اور قاعدہ کے تحت تھا لہٰذا عدل کی تعریف سے مغیرات قیاسیہ خارج ہو گئے

کہ اسم کا اپنی اصلی صورت سے نکل جانا جسکو اصل اور قاعدہ چاہتا ہے کہ وہ اسم اس صورت پر ہو قولہ **ولا یخفی الخ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اسمائے مشتقہ پر صادق ہے اس لئے کہ اسمائے مشتقہ بھی اپنی اصلی صورت یعنی مصدر سے نکلے ہوئے ہیں مثلاً ضارب، ضرب سے نکلا ہوا ہے. شارح نے جواب دیا کہ مصدر کی صورت مشتقات کی اصلی صورت نہیں کہ ان میں عدل متحقق ہو اور مصدر و مشتقات کے صیغہ و صورت کے تغایر پر دلیل یہ ہے کہ ان کے معنی مختلف ہیں لہٰذا مصنف کے قول "**صیغتہ**" میں اسم کی جانب راجع ضمیر کیطرف صیغہ کی اضافت سے مشتقات خارج ہو گئے کہ وہ اپنی اصلی صورت سے نکلے ہوئے نہیں ہیں. قولہ **وان المتبادر**:۔ یہ اَنّ کے فتحہ کے ساتھ شارح کے قول "**اَن صیغۃ المصدر**" پر معطوف ہے اور ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اسماء محذوفۃ الاعجاز جیسے ید اور دم عدل کی تعریف میں داخل ہو گئے اس لئے کہ وہ بھی اپنے اصلی صیغہ یعنی یَدَیٌ اور دَمَوٌ سے نکلے ہوئے ہیں. شارح نے جواب دیا کہ عدل میں یہ ضروری ہے کہ مادہ باقی رہے اور تغیر صرف صورت میں ہو اور اسماء محذوفۃ الاعجاز میں مادہ باقی نہیں رہا لہٰذا ان پر عدل کی تعریف صادق نہیں اور مادہ کے باقی رہنے پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے صرف صیغہ کے تغیر کا ذکر کیا ہے اور مادہ کے تغیر سے سکوت کیا ہے جس سے یہی متبادر ہے کہ مادہ باقی رہنا شرط ہے. قولہ **وان خروجہ**:۔ یہ بھی ان صیغۃ المصدر پر معطوف ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں مغیرات قیاسیہ مثلاً مقول، مبیع وغیرہ داخل ہو گئے اس لئے کہ یہ بھی اپنے اصلی صیغہ سے نکلے

قولہ **ان تکون المادۃ باقیۃ**:۔ مادہ سے حروف اصلیہ مراد ہیں لہٰذا ثُلٰث اور مَثلث سے عدل کی تعریف کے جامع نہ ہونے کا اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ ثلاثۃ ثلاثۃ کی تاء اگرچہ ثُلٰث اور مَثلث میں باقی نہیں ہے مگر یہ اصلی نہیں بلکہ زائد ہے اور مقول پر بھی تعریف صادق نہیں آئیگی اس کے نزدیک جو واؤ کے حذف کا قائل ہے کہ مادہ باقی نہیں.

واما المغيرات الشاذة ليست مخرجةً عما هو القياس فيهااعني اقواساو انيابابل الماجمع القوس والناب ابتداء على اقوُسٍ وانيُبٍ على خلاف القياس من غيران يعتبر جمعهمااولا على اقواسٍ وانيابٍ واخراج اقوُسٍ وانيُبٍ عنهماوقال بعض الشارحين قد جوز بعضهم تعريف الشئ بماهواعم منه اذاكان المقصودتمييزه عن بعض ماعداه فيمكن ان يقال المقصود ههناتمييزالعدل عن سائرالعلل لاعن كل ماعداه فحيث حصل بتعريفه هذاالتمييز لاباس بكونه اعمّ منه فحينئذٍ لاحاجة في تصحيح هذاالتعريف الى ارتكاب تلك التكلفات

اور رہے مغیرات شاذہ تو ان کے متعلق ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ اصلی صیغوں سے نکالے ہوئے ہیں اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ مثل اَقْوُس اور اَنْیُب جو جموع شاذہ میں سے ہیں ان جموع سے نکالے ہوئے نہیں ہیں جو ان میں قیاس ہے میری مراد اقواس اور انیاب ہے بلکہ قوس اور ناب کو ابتداء خلاف قیاس اَقْوُس اور اَنْیُب پر جمع بنایا گیا ہے بغیر اسکے کہ پہلے ان کی جمع کا اقواس اور انیاب پر ہونا اعتبار کیا جائے پھر اقوس اور انیب کے ان دونوں سے اخراج کا اعتبار جائے اور بعض شارحین نے کہا بعض تعریف کرنے والوں نے شی کی تعریف اس کے ساتھ جائز قرار دی ہے جو شی سے عام ہو جبکہ تعریف سے مقصود شی کو اس کے بعض ماسوا سے ممتاز کرنا مقصود ہو لہٰذا یہ کہنا ممکن ہے کہ یہاں عدل کی تعریف میں مقصود عدل کو باقی علل سے ممتاز کرنا ہے نہ کہ اس کے تمام ماسوا سے۔ پس جب عدل کی تعریف سے یہ تمیز حاصل ہوگئی تو تعریف کے معرَّف سے اعم ہونے میں کوئی حرج نہیں پس اس وقت عدل کی تعریف کو صحیح کرنے میں تکلفات کی ضرورت نہیں۔

ہوئے ہیں اور مادہ بھی باقی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اسم کے اپنے اصلی صیغہ سے خروج کے ساتھ یہ لازم ہے کہ وہ دوسرے صیغہ میں داخل ہو جائے جو اول صیغہ کے مغایر ہو اور مغایرت سے مراد یہ ہے کہ پہلے صیغہ کی مثل دوسرا صیغہ کسی اصل اور قاعدہ کے تحت نہ ہو اور مغیرات قیاسیہ میں دونوں صیغے قاعدہ کے تحت داخل ہیں مثلاً صیغہ اولی یعنی مقوول اس قاعدہ کے مطابق ہے کہ ثلاثی مجرد سے اسم مفعول بروزن مفعول آتا ہے اور صیغہ ثانیہ بھی قاعدہ صرفیہ کے مطابق ہے کہ واؤ کا ضمہ ماقبل کو دیکر واؤ التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا قولہ **واما المغيرات الشاذة**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عدل کی تعریف مانع نہیں کیونکہ مغیرات شاذہ پر صادق آتی ہے جیسے اَقْوُس اور اَنْیُب کیونکہ اقوس کا اصلی صیغہ اقواس ہے اور انیب کا اصلی صیغہ اَنیاب ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قَوس اور ناب اجوف ہیں اور اجوف میں وزن فَعْل کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے جیسے قول کی جمع اقوال ہے جس سے معلوم ہوا کہ اقوس اور انیب اپنے اصلی صیغہ یعنی اقواس اور انیاب سے نکلے ہوئے ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ جموع شاذہ کا اپنے اصلی صیغہ مطابق قیاس سے نکلا ہوا ہونا مسلم نہیں یعنی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اَقْوُس، اقواس سے یا انیب اَنیاب سے معدول ہے ورنہ انکو جموع شاذہ نہ کہتے کیونکہ شاذ وہ ہوتا ہے جو خلاف قیاس ہو۔ پس ظاہر یہ ہے کہ مثل اقوس وانیب اس جمع سے معدول نہیں جو مطابق قیاس ہے بلکہ قوس اور ناب ابتداءً خلاف قیاس بروزن اقوس اور انیب جمع آئے ہیں۔ قولہ **عن بعض ماعداه**:۔ مثلاً فعل کی تعریف **مادل على حدث** سے کرنا جبکہ فعل کو اس کے ماعداہ سے ممتاز کرنا مقصود ہو کیونکہ اس تعریف سے فعل بعض اسماء اور تمام حروف

ثم اعلم اَنّا نعلم قطعاً انھم لما وجدوا ثلٰث ومثلث واُخر وجمع وعُمر غیر منصرف ولم یجدوا فیھا سبباً ظاھراً غیر الوصفیۃ او العلمیۃ احتاجوا الی اعتبار سببٍ آخر ولم یصلح للاعتبار الا العدلُ فاعتبروہ فیھا لا انھم تنبھوا للعدل فیما عدا عمر من ھذہ الامثلۃ فجعلوہ غیر منصرف للعدل و سببٍ آخر

جان لو کہ ہم یہ بات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ نحات نے جب ثُلٰث اور مثلث اور اُخر اور جُمع اور عُمر اور زُفر کو غیر منصرف پایا اور ان میں وصفیت اور علمیت کے علاوہ کوئی ظاہری سبب نہ پایا تو وہ سبب آخر کے اعتبار کرنے کے محتاج ہوئے اور اس اعتبار کے لئے عدل کے علاوہ کوئی دوسرا سبب صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو انہوں نے ان اسماء میں عدل کا اعتبار کر لیا یہ بات نہیں کہ نحات ان امثلہ میں سے عُمر کے ماسوا میں عدل کے وجود پر متنبہ ہوئے تو اسے عدل اور سبب آخر کی وجہ سے انہوں نے غیر منصرف کر دیا

سے ممتاز ہو گیا ہے اگر چہ اس تعریف میں تمام مصادر اور مشتقات داخل ہیں. چونکہ عدل کی تعریف سے مقصود اسکو باقی علل سے ممتاز کرنا ہے اور اس تعریف سے عدل باقی علل سے ممتاز ہو گیا ہے تو اگر اس تعریف میں منع صرف کی علل کے علاوہ دوسری چیزیں داخل ہوتی ہیں تو اسمیں کوئی قباحت نہیں اور عدل کی تعریف کو جمیع ماعدا سے ممتاز کرنے کیلئے مذکورہ تکلفات کے ارتکاب کی اصلاً حاجت نہیں. قولہ **واعلم انا نعلم**:۔اس عبارت میں شارح ہندی و شارح رضی پر رد ہے جنہوں نے کہا کہ اسم میں عدل کا اعتبار کرنا اسکو غیر منصرف پڑھنے پر مقدم ہے یعنی پہلے اسم میں عدل کا اعتبار کیا جائیگا پھر اسکو غیر منصرف پڑھا جائیگا لیکن شارح کے نزدیک اسم کو غیر منصرف پڑھنا پہلے ہے اور اس میں عدل کا اعتبار کرنا بعد کو ہے اس لئے کہ نحویوں نے جب ثلث، مثلث، اخر وغیرہ کو غیر منصرف پایا اور غیر منصرف وہی ہوتا ہے جس میں دو علتیں پائی جائیں یا ایک جو دو کے قائم مقام ہو اور ان اسماء میں وصفیت یا علمیت کے علاوہ کوئی دوسرا سبب بظاہر نہ تھا تو انہوں نے چاہا کہ دوسرے کسی سبب کا اعتبار کریں پس عدل کے علاوہ ایسا کوئی سبب نہ ملا جو فرض و اعتبار کی صلاحیت رکھتا ہو اس وجہ سے انہوں نے ان اسماء میں عدل کا اعتبار کیا تو عدم صرف پہلے ہے اور اعتبار عدل بعد کو.

قولہ **غیر الوصفیۃ**:۔یعنی پہلی چار امثلہ میں صرف وصف ہے اور عمر میں صرف علمیت اور وصف یا علم ایسے سبب بھی نہیں جو دو سبب کے قائم مقام ہوں اس لئے ان امثلہ میں عدل کا اعتبار کیا گیا تاکہ دو سبب یا سبب مکرر کے بغیر ان امثلہ کا غیر منصرف پڑھنا لازم نہ آئے. قولہ **ولم یصلح للاعتبار**:۔کیونکہ ان امثلہ میں جمع کا وہ وزن موجود نہیں جو غیر منصرف میں معتبر ہے اور نہ ہی یہ مؤنث لفظی و معنوی ہیں اور نہ یہ عجمی کلمات ہیں اور نہ ان میں وزن فعل اور الف نون ہے اور نہ ترکیب کہ یہ مفردات ہیں اور جن میں وصفیت ہے ان میں علمیت اور جسمیں علمیت ہے اس میں وصفیت کا اعتبار نہیں ہو سکتا کہ وصفیت اور علمیت میں تضاد ہے کہ وصف عموم کو مقتضی ہے اور علمیت خصوص کو تو عدل باقی رہ گیا لہذا امثلہ مذکورہ میں سبب ثانی عدل اعتبار کیا گیا کہ وہ امر اعتباری اور فرضی ہے جو غیر منصرف کی ضرورت کے پیش نظر فرض کر لیا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عدل کے علاوہ دیگر اسباب منع صرف کی علامات انکے لفظوں میں موجود ہیں اس لئے انکو فرض نہیں کیا جا سکتا اور عدل کی کوئی ظاہری علامت نہیں اسلئے عدل فرض کر لیا جاتا ہے نیز وصفیت کا اعتبار عمر کی علمیت کے منافی ہے اور تانیث کا اعتبار اسکی تذکیر کے منافی ہے اور ترکیب و جمع کا اعتبار اسکے مفرد ہونے کے منافی ہے اور الف نون کا اعتبار اسکے مجرد عن الالف والنون کے منافی ہے جب عمر کے ساتھ کسی سبب کا اعتبار نہیں ہو سکتا تو عدل کا اعتبار کر لیا گیا. قولہ **فجعلوہ**:۔یہ شارح کے قول **تنبھوا** پر تفریع ہے شارح کے قول **اعتبروہ** پر تفریع نہیں (بالسویٰ معنٰی) ☆سوال☆ ان امثلہ میں اعتبار عدل دور کو مستلزم ہے اور دور باطل ہے اور مستلزم باطل خود باطل ہوتا ہے لہذا اس صورت میں ان امثلہ کا منصرف پڑھنا واجب ہوا دور کی تفصیل اس طرح ہے کہ ان امثلہ کا غیر منصرف ہونا اعتبار عدل پر موقوف ہے یعنی اعتبار عدل کے بغیر یہ غیر منصرف نہیں اور انمیں اعتبار عدل انکے غیر منصرف ہونے پر موقوف ہے. ☆جواب☆ دور میں توقف کی جہت میں اتحاد ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے کہ ان میں عدم انصراف اعتبار عدل پر موقوف ہے خارج کے اعتبار سے اور اعتبار عدل عدم انصراف پر موقوف ہے ذہن کے اعتبار سے (جامع)

ولکن لابدفی اعتبار العدل من امرین احدهما وجود اصل الاسم المعدول وثانیهما اعتبار اخراجه عن ذلک الاصل اذلا یتحقق الفرعیة بدون اعتبار ذلک الاخراج ففی بعض تلک الامثلة یوجد دلیل غیر منع الصرف علی وجود الاصل المعدول عنه فوجوده محقق بلاشک وفی بعضها لادلیل غیر منع الصرف فیفرض له اصل لیتحقق العدل باخراجه عن ذلک الاصل فانقسام العدل الی التحقیقی والتقدیری انماهو باعتبار کون ذلک الاصل محققااو مقدرا واما اعتبار اخراج المعدول عن ذلک الاصل لیتحقق العدل فلادلیل علیه الامنع

اور لیکن عدل کے اعتبار کرنے میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک ان دو کا اسم معدول کیلئے اصل کا موجود ہونا اور دوسرا اس اصل سے اسم معدول کے اخراج کا اعتبار کیونکہ اس اخراج کے اعتبار کے بغیر فرعیت متحقق نہیں ہوتی پس ان امثلہ میں سے بعض میں تو منع صرف کے علاوہ اصل معدول عنہ کے وجود پر دلیل پائی جاتی ہے تو اس کا وجود بلاشک محقق ہوا اور ان میں سے بعض میں منع صرف کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کے لئے ایک اصل کو فرض کیا جائیگا تاکہ اس اصل سے معدول کے اخراج کی وجہ سے عدل متحقق ہوسکے پس عدل کا تحقیقی اور تقدیری کی طرف منقسم ہونا اسی اصل محقق یا مقدر کی وجہ سے ہے بہرحال اس اصل سے معدول کے اخراج کا اعتبار کرنا تاکہ عدل متحقق ہو تو اس پر منع صرف کے علاوہ کوئی دلیل نہیں.

قولہ **ولکن لابد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ گذشتہ تمام مثالوں میں اگر نحویوں نے عدل کا اعتبار کیا ہے تو عدل کی صرف ایک قسم ہوئی عدل تقدیری یعنی اعتبار کیا ہوا لہذا عدل کی دو قسمیں بنانا تحقیقی اور تقدیری صحیح نہ ہوا. جواب کا حاصل یہ ہے کہ عدل تو ان تمام مثالوں میں اعتبار کیا ہوا ہے لیکن اعتبار عدل کیلئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے اور انہیں کی وجہ سے عدل کی دو قسمیں بنتی ہیں. اول۔ یہ کہ اسم معدول کیلئے کوئی اصل پایا جائے. دوم۔ یہ کہ اسم معدول کے اس اصل سے اخراج کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اخراج کا اعتبار کئے بغیر فرعیت متحقق نہیں ہوتی. پس گذشتہ امثلہ میں سے بعض میں غیر منصرف ہونے کے علاوہ اصل یعنی معدول عنہ کے وجود پر دلیل پائی جاتی ہے تو انکا اصل محقق اور ثابت ہے اور بعض میں منع صرف کے علاوہ اصل کے وجود پر کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے غیر منصرف پڑھے جانے کے اسی وجہ سے اس کے لئے اصل فرض کر لیا جاتا ہے تاکہ اسم معدول کے اس اصل سے اخراج کی وجہ سے عدل متحقق ہوسکے. پس عدل کی تقسیم عدل تحقیقی یا تقدیری کی طرف اس اصل کے محقق یا مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے اور رہا معدول کا اس اصل سے اخراج کا اعتبار کرنا تاکہ عدل متحقق ہو جائے تو اس اخراج پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں.

﴿فائدہ﴾ جمہور کے نزدیک عدل تحقیقی اور عدل تقدیری میں اصل صیغہ اور اخراج دونوں کے اعتبار سے فرق ہے اس طرح کہ عدل تحقیقی کا اصلی صیغہ بھی محقق اور اس سے دوسرے صیغہ کی طرف اخراج بھی محقق ہے اور عدل تقدیری کا اصل صیغہ بھی مفروض اور اخراج بھی مفروض ہے لیکن محققین کے نزدیک عدل تحقیقی کا اصلی صیغہ محقق ہے اور اخراج مفروض ہے اور عدل تقدیری کا اصلی صیغہ بھی مفروض ہے اور اخراج بھی مفروض ہے یعنی محققین کے نزدیک عدل تحقیقی اور تقدیری میں صرف اصلی صیغہ کے اعتبار سے فرق ہے یعنی اصلی صیغہ کے محقق اور مقدر ہونے کے اعتبار سے فرق ہے باقی رہا اخراج تو وہ ان کے نزدیک عدل کی دونوں قسموں میں مفروض ہے (جواہر) ﴿فائدہ﴾ محقق سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل ہو اور مفروض سے مراد یہ ہے کہ غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو بس غیر منصرف ہونا ہی دلیل ہو (جواہر) قولہ اذلا یتحقق:۔ یعنی اخراج کا اعتبار کئے بغیر فرعیت ظاہر نہیں ہوتی مثلاً عدل کا معدول عنہ کی فرع ہونا اس اخراج کے اعتبار ہی سے ظاہر ہوتا ہے (حمید)

الصرف فعلی هذا قوله تحقیقا معناه خروجا کائنا عن اصلٍ محققٍ یدل علیه دلیل غیر منع الصرف کثلث ومثلث والدلیل علی اصلهما ان فی معناهما تکرارًا دون لفظهما والاصل انه اذا کان المعنی مکررا یکون اللفظ ایضا مکررا کما فی جاء نی القوم ثلثة ثلثة فعلم ان اصلهما لفظ مکرر وهو ثلثة ثلثة وکذا الحال فی اُحاد وموحد وثناء ومثنی الی رباع ومربع بلا خلافٍ وفیما وراءها الی عشار ومعشر خلاف والصواب مجیئها والسبب فی منع صرف ثُلث ومَثلث واَخواتهما العدل والوصف لان الوصفیة العرضیة التی کانت فی ثلثةٍ ثلثةٍ صارت اصلیةً فی ثلث ومثلث لاعتبارها فیهما اوُضعاله

پس اسی انقسام عدل کی بنا پر مصنف کا قول ہے (تحقیقی طور پر) اس کا معنی ہے ایسا خروج جو اصل محقق سے ہونے والا ہے جس پر منع صرف کے علاوہ کوئی دلیل دلالت کرتی ہو (جیسے ثُلث اور مَثلث) اوران کے اصل پر دلیل یہ ہے کہ ان کے معنی میں تکرار ہے لفظ میں تکرار نہیں اوراصل یہ ہے کہ جب معنی مکرر ہو تو لفظ بھی مکرر ہوگا جیسے جاء نی القوم ثلثۃً ثلثۃً میں تو معلوم ہوا کہ ان کی اصل لفظ مکرر ہے اور وہ ثلثۃً ثلثۃً ہے اور یہی حال ہے بلا خلاف اُحاد اور مُوحَد اور ثناء و مثنٰی میں رُباع ومَربع تک اوران کے ماسوا میں عُشار و مَعشر تک اختلاف ہے اور صواب ان کا غیر منصرف آنا ہے اور ثُلث ومَثلث اوران کے اخوات میں غیر منصرف ہونے کا سبب عدل اور وصف ہے کیونکہ ثلثۃً ثلثۃً میں جو وصفیت عرضیہ تھی وہ ثُلث ومَثلث میں اصلیہ ہوگئی بوجہ معتبر ہونے وصفیت اصلیہ کے اس میں جس کیلئے ثُلث اور مَثلث وضع کیے گئے ہیں

فعلی هذا: یعنی جب یہ ثابت ہوگیا کہ عدل بالذات منقسم نہیں ہوتا بلکہ تحقیقی اور تقدیری کی طرف اسکی تقسیم اس اصل کے محقق یا مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے تو مصنف کے قول "**تحقیقا**" کے معنی ہوئے اسم کا اصل محقق سے خارج ہونا کہ جس پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی دلیل دلالت کرتی ہو قولہ **کثلث ثلث** اور **مثلث** سے وہ اسم مراد ہے جو فُعال یا مَفعل کے وزن پر ہو۔ یہ دونوں عدل تحقیقی کی مثالیں ہیں کیونکہ اہل عرب کے انکو غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ انکے اصل پر یہ دلیل موجود ہے کہ انکے معنی میں تکرار ہے کہ ہر ایک کے معنی ہیں تین تین اور قاعدہ ہے کہ جب معنی مکرر ہو تو لفظ بھی مکرر ہوتا ہے تاکہ دال اور مدلول باہم موافق ہوجائیں جس سے معلوم ہوا کہ **ثلث** اور **مثلث** میں سے ہر ایک کی اصل لفظ مکرر ہے یعنی **ثلثة ثلثة** اور **ثلث ومثلث** اس اصل سے معدول ہیں، اور یہی حال ہے بغیر کسی اختلاف کے **احاد وموحد** کا **رباع ومربع** تک یعنی ان تمام میں عدل تحقیقی ہونے پر اتفاق ہے کیونکہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا عرب سے مسموع ہے اور ارشاد باری تعالی بھی ہے **مثنی وثلث ورباع** اور اسکے مابعد میں **عشار ومعشر** تک اختلاف ہے وجہ اختلاف یہ ہے کہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا عرب سے مسموع نہیں اگرچہ ان کے معنی میں تکرار ہے شارح فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے یہ بھی غیر منصرف آتے ہیں قولہ **والسبب**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **ثلث** اور **مثلث** کو منصرف پڑھنا چاہئے اس لئے کہ ان میں ایک سبب وصف ہے جس کیلئے اصلی ہونا شرط ہے اوران میں وصف عارضی ہے جس طرح کہ ان کے اصل **ثلثة ثلثة** میں شارح نے جواب دیا کہ **ثلث** اور **مثلث** اوران کے

وأُخَر جمع اخری مؤنث آخر وآخر اسم التفضیل لان معناه فی الاصل اشدُّ تاخرا ثم نقل الی معنی غیرٍ وقیاس اسم التفضیل ان یستعمل باللام او الاضافة او کلمة من وحیث لم یستعمل بواحدٍ منها علم انه معدولٌ من احدها فقال بعضهم انه معدولٌ عما فیه اللام ای عن الاٰخَر وقال بعضهم هو معدول عما ذکر معه من ای عن آخَر من وانما لم یذهب الی تقدیر الاضافة لانها توجب التنوین او البناء او اضافة اخری مثلها نحو حینئذٍ وقبل ویاتیم تیم عدیٍّ ولیس فی اخر شی من ذلک فتعین ان یکون معدولا عن احد الآخرین

(اور اُخر) یہ اُخریٰ کی جمع ہے جو آخر کی مؤنث ہے اور آخر اسم تفضیل ہے کیونکہ اس کا معنی اصل میں اَشدُّ تاخُّرا ہے پھر اسکو غیر کے معنی کی طرف نقل کیا گیا اور اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ الف ولام یا اضافت یا کلمہ مِن کے ساتھ استعمال کیا جائے اور یہاں پر اسم تفضیل ان میں سے کسی ایک کے ساتھ استعمال نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ پس بعض نحویوں نے کہا کہ اُخر اس سے معدول ہے جس میں لام ہے یعنی الاٰخر سے اور بعض نے کہا کہ اُخر اس سے معدول ہے جس کے ساتھ مِن ذکر کیا گیا ہے یعنی آخر مِن سے اور اضافت کی تقدیر کو اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ اضافت تنوین کو یا بناء کو یا پہلی اضافت کی مثل دوسری اضافت کو واجب کرتی ہے جیسے حینئذٍ اور قبل اور یاتیم تیم عدیٍ اور اُخر میں ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں لہٰذا متعین ہو گیا کہ اُخر دوسرے دو میں سے کسی ایک سے معدول ہو

اخوات کے غیر منصرف ہونے کا سبب عدل اور وصف ہے کیونکہ ثلٰثۃ ثلٰثۃ میں جو وصفیت عرضیہ تھی وہ **ثلاث** اور **مثلث** میں اصلیہ ہو گئی ہے کیونکہ عدل بمنزلہ وضع ثانی کے ہے پس **ثلاث** اور **مثلث** میں وصفیت اصلیہ ہے۔ قولہ **اُخر**: یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے اور اسکے اصل کے وجود پر یہ دلیل ہے کہ **اُخر** جمع ہے **اُخریٰ** کی اور **اُخریٰ** مؤنث ہے آخر اسم تفضیل کی۔ اور **آخر** کے اسم تفضیل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ اصل میں بمعنی **اشدّ تاخرا** ہے پھر اسکو غیر کے معنی کی طرف نقل کیا گیا ہے اور اسم تفضیل میں قیاس یہ ہے کہ لام یا اضافت یا کلمہ من کے ساتھ استعمال کیا جائے تاکہ مفضل علیہ معلوم ہو جائے اور یہاں **اُخر** کسی ایک طریقہ پر مستعمل نہیں ہوا تو پتہ چلا کہ یہ انمیں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ پھر **اُخر** کے معدول عنہ میں دو قول ہیں اول: یہ کہ **الاُخر** سے معدول ہے کہ **اُخر** اور **الاُخر** دونوں جمع ہیں۔ دوم: یہ کہ **آخر من** سے معدول ہے کہ دونوں نکرہ ہیں۔ قولہ **وانما لم یذھب**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ کسی نے نہیں کہا کہ **اُخر** کا معدول عنہ **اُخرہ** ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ تقدیر اضافت کی طرف کوئی نہیں گیا یعنی اس کا معدول عنہ **اُخرہ** کسی نے نہیں ٹھہرایا اس لئے کہ قطع اضافت سے مضاف کو تنوین واجب ہوتی ہے جیسے **حینئذٍ** میں قطع اضافت کے بعد مضاف پر تنوین لازم کر دی گئی ہے یا مضاف کی بنا واجب ہے جیسے قبل اور بعد کو قطع اضافت کے بعد مبنی بر ضم کر دیا گیا ہے یا پہلی اضافت کی مثل دوسری اضافت لازم ہو جاتی ہے جیسے **یاتیم تیم عدی** میں تیم اول کے مضاف الیہ کو حذف کرنے سے دوسری اضافت لازم ہو گئی ہے اور اُخر میں ان تینوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہوا کہ یہ اُخرہ سے معدول نہیں بلکہ **الاخر یا آخر من** سے معدول ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل مستعمل بمن میں تذکیر وتانیث اور تثنیہ وجمع یکساں ہیں۔

وَجُمَعَ جمع جمعاء مؤنث اجمع و كذلك كُتَعُ وبُتَعُ بُصَعُ وقياس فعلاء مؤنث افعل ان كانت صفةً ان تُجمع على فُعلٍ كحمراء على حُمرٍ وان كانت اسماان تجمع على فعالى وفعلاواتٍ كصحراء على صحارى اوصحراوات فاصلهااماجمع اوجماعى او جمعاوات فاذااعتبر اخراجهاعن واحدة منهاتحقق العدل فاحدالسببين فيهاالعدل التحقيقى والآخر الصفة الاصلية وان صارت بالغلبة فى باب التاكيد اسماوفى اجمع واخواته احدالسببين وزن الفعل والآخر الصفة الاصلية

(اورجُمع) یہ جمعاء کی جمع ہے جواجمع کی مؤنث ہے اوراسی طرح کُتَع اوربُتَع اوربُصَع اوراَفعل کی مؤنث اگرفعلاء صفتی ہوتواس کا قیاس یہ ہے کہ فُعَل کے وزن پرجمع آئے جیسے حمراء کی جمع حُمر اوراگرفعلاء اسمی ہوتواس کی جمع فعالی یافعلاوات کے وزن پرآئے جیسے صحراء جمع لائی گئی ہے صحاری یاصحراوات کے وزن پر.پس جُمع کی اصل یاتوجُمع ہے یاجَماعی یاجَمعاوات .پس جب جُمع کے ان تین میں سے کسی ایک سے اخراج کااعتبارکیا گیاتوعدل تحقق ہوگیاپس احدالسببین اس میں عدل تحقیقی ہے اورسبب آخرصفت اصلیہ اگرچہ جُمع باب تاکید میں غلبہ استعمال کی وجہ سے اسم ہوگئی ہے اور اجمع اوراسکے اخوات میں دوسببوں میں سے ایک وزن فعل اور دوسراسبب صفت اصلیہ ہے

قولہ **وجُمع**:.یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے.جو**جمعاء**کی جمع ہےاور**جمعاء**مؤنث ہے **اجمع**کی اور **کتع**، **بتع**اور**بصع**بھی**جُمع**کی مثل ہیں.یہ بھی کلام عرب میں غیرمنصرف مستعمل ہوتے ہیں اوران میں بظاہرایک سبب یعنی وصف اصلی ہےاس لئے دوسراسبب ان میں عدل تحقیقی اعتبار کیا گیاہےمثلا**جُمع** کےمعدول عنہ کےوجود پردلیل یہ ہے کہ یہ **جمعاء** بروزن **فعلاء** کی جمع ہےاور**فعلاء**کاوزن اگراسم صفت ہوتواسکی جمع **فُعَل** کےوزن پرآتی ہے جیسے **حمراء**کی جمع **حُمُر** ہےاوراگر**فعلاء**کاوزن اسم ذات ہوتواسکی جمع تکسیر **فعالی** کےوزن پرآتی ہےاورجمع سالم**فعلاوات** کےوزن پرجیسے**صحراء**کی جمع تکسیر**صحاری** اورجمع سالم **صحروات** ہےاورجُمع ان تین وزنوں میں سے کسی پرنہیں جس سے معلوم ہواکہ یہ انمیں سے کسی ایک سے معدول ہےپس اسمیں دوسراسبب عدل تحقق ہوگیا.قولہ **وان صارت** :.یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **جُمع** تاکیدمعنوی ہےجواسم ذات ہوتی ہےاوراسم ذات وصف اصلی کامغایرہوتاہےپس **جُمع** میں وصف اصلی نہ پایاگیا لہٰذااسکومنصرف ہوناچاہئے.شارح نے جواب دیاکہ **جُمع** اصل میں وصف ہی ہےجوباب تاکید میں غلبہ استعمال کی وجہ سے اسم ہوگیاہےلہٰذایہ عدل اوروصف اصلی کی وجہ غیرمنصرف ہے.قولہ**وفی اجمع** :.اسمیں شارح نےایک وہم کاازالہ فرمایاہےوہم یہ ہےکہ جب **جُمع** میں ایک سبب عدل ہےتو**اجمع** میں بھی دوسببوں میں سےایک سبب عدل ہوگاحالانکہ یہ دونوں سبب یعنی عدل اوروزن فعل متضادہونےکی بناپرجمع نہیں ہوتے. شارح فرماتے ہیں کہ اجمع وغیرہ میں دوسبب عدل کےعلاوہ موجودہیں یعنی وزن فعل اوروصف اصلی لہٰذاان میں عدل کااعتبارکرنابلاضرورت ہے.

قولہ **صحاری**:.راکےفتحہ اورکسرہ کےساتھ اصل میں صحاریٔ تھاکیونکہ جمع اقصی میں الف تکسیرکامابعدمکسورہوتاہےپھرمفردکاالف ماقبل مکسورہونےکی وجہ سےیاہوگیااور ہمزہ بھی بقاعدہ خطیہ یاءہوگیاکیونکہ ہمزہ جب مدہ کےبعدواقع ہوتوماقبل کی جنس سےبدل جاتاہےتوبعدالادغام صحاریّ ہوابعدہ یدالیاءاوریہ ثقیل الاستعمال ہےپھرپہلی یاءکوتخفیفاحذف کیاتوصحاری مثل اساورہوابعدہ مزیدتخفیف کیلئےراکوفتحہ دیکریاءکوالف کیاکیونکہ فتح اورالف،کسرہ اوریاءسےاخف ہےتوصحاریٰ مثل جماریٰ ہوا(محرم)

وعلی ماذکرنا لایرد الجموع الشاذة کاَینُب واقوس فانه لم یعتبر اخراجهما عما هو القیاس فیهما کالانیاب والاقواس کیف ولو اعتبر جمعهما اولاً علی انیاب واقواس فلاشذوذ فی هذه الجمعیة ولا قاعدة للاسم المخرج لیلزم من مخالفتها الشذوذ فمن این یحکم فیهما بالشذوذ ومن هذا تبین الفرق بین الشاذ والمعدول اوتقدیرا ای خروجا کائنا عن اصلٍ مقدرٍ مفروضٍ یکون الداعی الی تقدیره وفرضه منع الصرف لاغیر کعُمَر وکذلک زُفر فانهما لما وُجدا غیر منصرفین ولم یوجد فیهما سبب ظاهر الا العلمیة اعتبر فیهما العدل ولمّا توقف اعتبار العدل علی وجود الاصل ولم یکن فیهما دلیل علی وجوده غیر منع الصرف قدر فیهما ان اصلهما عامر وزافر عدلا عنهما الی عمر وزفر

اور جو ہم نے ذکر کیا اسکی بنا پر جموع شاذہ جیسے انیب اور اقوس کا اعتراض نہیں ہوگا اس لئے کہ انیب اور اقوس کے اخراج کا اس سے اعتبار نہیں کیا گیا جو ان میں قیاس ہے جیسے انیاب اور اقواس کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے حالانکہ اگر ان کی جمع کا پہلے انیاب اور اقواس پر اعتبار کیا جائے تو اس جمعیت میں شذوذ نہیں اور اسم مخرج میں کوئی قاعدہ نہیں کہ اسکی مخالفت سے شذوذ لازم آئے اس تقریر سے شاذ اور معدول کے درمیان فرق واضح ہو گیا (یا تقدیری طور پر) یعنی ایسا خروج جو ہونے والا ہے اصل مفروض سے جس کی تقدیر اور فرض کا داعی منع صرف ہو نہ کہ غیر (جیسے عُمر) اور اسی طرح زفر پس یہ دونوں جب کلام عرب میں غیر منصرف پائے گئے اور علمیت کے سوا ان میں کوئی سبب ظاہر نہ پایا گیا تو ان میں عدل کا اعتبار کر لیا گیا اور جبکہ عدل کا اعتبار کرنا اصل کے وجود پر موقوف تھا اور ان میں اصل کے وجود پر غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تھی تو ان میں یہ فرض کر لیا گیا کہ ان کا اصل عامر اور زافر ہے جن سے یہ دونوں عمر اور زفر کی طرف معدول کئے گئے

قولہ **وعلی ماذکرنا**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عدل اور جموع شاذہ میں کیا فرق ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ عدل کا معنی ،خروجہ عن صیغۃ الاصلیۃ کے تحت ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے عدل اور جموع شاذہ کے مابین فرق واضح ہو گیا ہے لہذا جموع شاذہ کے ساتھ عدل کی تعریف پر اعتراض نہیں ہو سکے گا۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ عدل میں نحات نے اصل سے نکالا جانا مانا ہے اور جموع شاذہ مثل انیب واقوس کو نحات نے انیاب واقواس سے نکالا جانا نہیں مانا اور یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ انیب، انیاب سے اور اقوس، اقواس سے نکالا ہوا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر ان جموع کو شاذہ کے ساتھ موسوم نہ کیا جاتا قولہ **ولا قاعدة**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اقوس، اقواس سے معدول ہو اور انیب، انیاب سے اور ان پر جموع شاذہ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہو کہ اسم معدول کے قاعدہ کے خلاف انکو نکالا گیا ہو۔ شارح علیہ الرحمۃ نے **ولا قاعدة** سے اس کا جواب دیا کہ اسم مخرج میں اخراج کا کوئی قاعدہ ہی نہیں ہے کہ اسکی مخالفت کی وجہ سے ان جموع میں شذوذ لازم آئے۔ جب کوئی قاعدہ ہی نہیں تو ان جموع میں شذوذ کا حکم کہاں سے لگایا جاتا ہے اس تقریر سے شاذ اور معدول کے درمیان فرق واضح ہو گیا کہ شاذ خلاف قیاس ہوتا ہے اور معدول قیاس کے مطابق ہوتا ہے۔ قولہ **ای خروجا**: اس عبارت میں شارح نے مصنف کے قول **اوتقدیرا** کے منصوب ہونے کی وجہ بیان کی ہے جسکی تفصیل تحقیقا کے تحت گذر چکی ہے۔ قولہ **کعمر**: لفظ عمر اور زفر کے اصلی صیغہ کے وجود پر صرف ان کا غیر منصرف ہونا

و مثل باب قطام المعدولة عن قاطمة وآرادبها كل ماهو على فعال علمًا للاعيان المؤنثة من غير ذوات الراء في لغة بني تميم فانهم اعتبروا العدل في هذا الباب حملاله على ذوات الراء في الاعلام المؤنثة مثل حضارِ وطمارِ فانهما مبنيان وليس فيهما الاسببان العلمية والتانيث والسببان لا يوجبان البناء فاعتبروا فيهما العدل لتحصيل سبب البناء فلما اعتبروا فيهما العدل لتحصيل سبب البناء اعتبروا فيما عداهما مما جعلوه معربا غير منصرف ايضا حملًا على نظائره مع عدم الاحتياج اليه لتحقق السببين لمنع الصرف العلمية والتانيث

اور (باب قطام) کی مثل جو قاطمۃ سے معدول ہے اور مصنف نے باب قطام سے ہر وہ اسم مرادلیا ہے جو فعالِ کے وزن پر اشخاص مؤنثہ غیر ذوات راء کا علم ہو لغت بنی (تمیم میں) کیونکہ بنی تمیم نے باب قطام میں عدل کا اعتبار کیا اس کو حمل کرتے ہوئے ذوات راء اعلام مؤنثہ پر جیسے حضار اور طمار کہ یہ دونوں مبنی ہیں اور ان میں صرف دو سبب ہیں علمیت اور تانیث اور یہ دو سبب مبنی ہونے کے موجب نہیں لہٰذا انہوں نے سبب بناء کی تحصیل کیلئے حضار اور طمار میں عدل کا اعتبار کیا پھر جب انہوں نے ان دونوں میں سبب بناء کی تحصیل کیلئے عدل کا اعتبار کیا تو ان کے ماسوا میں بھی جس کو انہوں نے معرب غیر منصرف قرار دیا عدل کا اعتبار کیا حمل کرتے ہوئے معرب غیر منصرف کو اسکے نظائر پر باوجود عدم احتیاج کے اعتبار عدل کی طرف بوجہ تحقق ہونے منع صرف کے دو سبب یعنی علمیت اور تانیث کے.

دلیل ہے کیونکہ جب یہ دونوں صیغے کلام عرب میں غیر منصرف پائے گئے اور ان میں علمیت کے علاوہ کوئی سبب ظاہر نہ پایا گیا تو ان میں عدل کا اعتبار کرلیا گیا اور فرض کرلیا گیا کہ ان کی اصل عامر اور زافر ہے جس سے نکل کر عمر اور زفر بن گئے ہیں قولہ **مثل باب قطام**: شارح علیہ الرحمۃ نے صرف کعمر کی مشاکلت کے لئے لفظ مثل کا اضافہ کیا ہے یعنی عمر کی طرح باب قطام میں بھی عدل تقدیری ہے اور قطام، قاطمۃ سے معدول ہے نہ کہ قاطم سے کیونکہ یہ مؤنث کا نام ہے لہٰذا اسکا معدول عنہ بھی مؤنث ہوگا قولہ **واراد**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ بظاہر باب قطام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام اسماء ہیں جو فعال کے وزن پر ہوں مثلاً نزال، فجار، فساق اور حضار جبکہ یہ اسماء غیر منصرف نہیں ہیں تو غیر منصرف کے بیان میں باب قطام کو کس لئے ذکر کیا گیا ہے. شارح نے جواب دیا کہ باب قطام سے وہ اسم مراد ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور ذات مؤنث کیلئے علم ہو اور اس کے آخر میں راء نہ ہو جیسے قطام جو عورت کا نام ہے رہا نزال تو وہ کسی کا علم نہیں بلکہ اسم فعل ہے اور فجار، علم تو ہے لیکن ذات مؤنث کا علم نہیں بلکہ مصدر ہے اور فساق، علم نہیں بلکہ وصف ہے اور حضار، ذات مؤنث کا علم تو ہے مگر ذات راء ہے اس لئے یہ باب قطام میں داخل نہیں ہیں قولہ **فی لغة**: یعنی باب قطام بنی تمیم کی لغت میں عمر کی مثل ہے کیونکہ انہوں نے اس باب میں عدل کا اعتبار کیا ہے لیکن انہوں نے اس باب میں عدل کا اعتبار اس باب کو غیر منصرف بنانے کیلئے نہیں کیا بلکہ باب قطام کو اعلام مؤنثہ ذوات الراء پر حمل کرتے ہوئے یہ اعتبار کیا ہے مثلاً

قولہ **لتحصیل سبب البناء**: یعنی مبنی اصل کی مشابہت کے بغیر کوئی اسم مبنی نہیں ہوتا پس سبب بنا حاصل کرنے کیلئے نحات نے باب حضار میں عدل مانا کیونکہ مبنی اصل کے ساتھ مشابہت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسم مبنی اصل کی جگہ بولے جانے والے اسم کے وزن پر ہو اور اس کی طرح معدول بھی ہو جیسے فجار، نزال کے ہم وزن ہے اور اس کی طرح معدول بھی ہے یعنی فاجرۃ سے معدول ہے اور نزال انزل کی جگہ بولا جاتا ہے جو مبنی اصل ہے پھر بنو تمیم نے باب قطام میں عدل مان لیا حمل علی النظیر کے طور پر.

فاعتبار العدل فیه انما هو للحمل علی نظائره لا لتحصیل سبب منع الصرف ولهذا یقال ذکر باب قطام ههنا لیس فی محله لان الکلام فیما قدر فیه العدل لتحصیل سبب منع الصرف و انما قال فی تمیم لان الحجازیین یبنونه فلا یکون مما نحن فیه والمراد من بنی تمیم اکثرهم فان الاقلین منهم لم یجعلوا ذوات الراء مبنیة بل جعلوها غیر منصرفة فلا حاجة الی اعتبار العدل فیها لتحصیل سبب البناء وحمل ما عداها علیها

پس باب قطام میں اعتبار عدل محض حمل علی النظیر کے طور پر ہے منع صرف کے سبب کی تحصیل کیلئے نہیں اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر باب قطام کا ذکر بے محل ہے اس لئے کہ بحث اس اسم معرب میں ہے جس میں سبب غیر منصرف کی تحصیل کیلئے عدل فرض کیا جائے اور مصنف نے "فی تمیم" کہا کیونکہ اہل حجاز اس فعال کو مبنی مانتے ہیں لہذا باب قطام اس میں سے نہیں ہوگا جس کی ہم بحث کر رہے ہیں اور بنو تمیم سے ان کے اکثر مراد ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ ذوات راء کو مبنی قرار نہیں دیتے بلکہ ان کو غیر منصرف استعمال کرتے ہیں پس ان میں سبب بناء کی تحصیل کیلئے عدل کے اعتبار کرنے اور ان کے ماسوا کے ان پر محمول کرنے کی حاجت نہیں.

حضار اور طمار جو مبنی علی الکسر ہیں اور ان میں علمیت اور تانیث کے علاوہ کوئی سبب بناء نہیں پایا جاتا اور یہ دونوں سبب اسم کو مبنی نہیں بناتے تو بنو تمیم نے سبب بناء حاصل کرنے کیلئے حضار وغیرہ میں عدل کا اعتبار کیا ہے پھر انہوں نے اعلام مؤنثہ ذوات الراء کے ماسوا ان اسماء میں بھی عدل کا اعتبار کیا جو معرب اور غیر منصرف ہیں اگر چہ ان میں اعتبار عدل کی ضرورت نہیں کیونکہ ان میں غیر منصرف کے دو سبب موجود ہیں پس اعتبار عدل قطام وغیرہ میں محض حملا للنظیر علی النظیر کے طور پر ہے نہ کہ سبب منع صرف حاصل کرنے کیلئے. قولہ **فاعتبار العدل**: اس عبارت میں شارح نے باب حضار اور باب قطام میں اعتبار عدل کا فرق بیان کیا ہے یعنی بنی تمیم نے باب حضار میں عدل مانا ہے اسکو مبنی بنانے کیلئے لیکن باب قطام میں جو انہوں نے عدل کا اعتبار کیا ہے نہ تو اس باب کو مبنی بنانے کیلئے کیا ہے اور نہ غیر منصرف بنانے کیلئے کیونکہ اس میں عدل مانے بغیر دو سبب موجود ہیں بلکہ یہ عدل ماننا محض حمل علی النظیر کیلئے ہے یعنی برائے مناسبت شیٔ کو اسکی نظیر کے بعض احکام میں شریک کرنے کیلئے. قولہ **ولهذا یقال**: یعنی اسی وجہ سے کہ باب قطام میں اعتبار عدل، غیر منصرف بنانے کیلئے نہیں کیا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ یہاں باب قطام کا ذکر بے محل ہے کیونکہ زیر بحث وہ اسم ہے جس میں اعتبار عدل سبب منع صرف کی تحصیل کیلئے کیا گیا ہو اور باب قطام میں اعتبار عدل حمل علی النظیر کیلئے ہے. قولہ **وانما قال فی تمیم**: یعنی مصنف نے کہا ہے باب قطام میں لغت بنی تمیم میں عدل کا اعتبار کیا گیا ہے اس لئے کہ اہل حجاز کے نزدیک باب قطام مبنی ہے لہذا باب قطام اس سے نہ ہوگا جسکی ہم بحث کر رہے ہیں یعنی معرب غیر منصرف سے اور بنی تمیم سے ان کے اکثر مراد ہیں ورنہ ان کے بعض ذوات الراء کو مبنی نہیں مانتے بلکہ معرب غیر منصرف مانتے ہیں. لہذا انکے مذھب پر ذوات الراء میں سبب بناء کی تحصیل کیلئے عدل کے اعتبار کرنے کی حاجت نہیں لہذا ذوات الراء

قولہ **لیس فی محله**: کیونکہ بعض بنی تمیم باب قطام میں عدل کا اعتبار ہی نہیں کرتے اور اہل حجاز کے نزدیک اس میں عدل ہے مبنی اصل کی مشابہت کیلئے اور اکثر بنی تمیم کے نزدیک اس میں عدل ہے حمل علی النظیر کیلئے یعنی کسی کے نزدیک بھی باب قطام میں عدل کا اعتبار غیر منصرف بنانے کیلئے نہیں جبکہ کافیہ میں یہ مقام اس عدل کے ذکر کا مقام ہے جو غیر منصرف کا سبب ہو اس لئے یہاں پر باب قطام کا ذکر بے محل ہے کیونکہ اسکے ذکر کا محل باب اسماء افعال ہے (جواہر)

الوصف وهو كون الاسم دالاعلى ذات مبهمة ماخوذة مع بعض صفاتهاسواء كانت هذه الدلالة بحسب الوضع مثل احمرفانه موضوع لذات مااخذت مع بعض صفاتهاالتي هي الحمرة اوبحسب الاستعمال مثل اربع في مررت بنسوة اربع فانه موضوع لمرتبة معينة من مراتب العددفلاوصفية فيه بحسب الوضع بل قدتعرضه الوصفية كمافي المثال المذكور فانه لماجرى فيه على النسوة التي هي من قبيل المعدودات لاالاعدادعلم ان معناه مررت بنسوة موصوفة بالاربعية وهذامعنى وصفي عرض له في الاستعمال لااصلي بحسب الوضع

(وصف) اوروہ اسم کاایسی ذات مبہمہ پردلالت کرنے والا ہوتا ہے جواپنی بعض صفات کے ساتھ ملحوظ ہوخواہ یہ دلالت وضع کے اعتبار سے ہوجیسے احمرکہ وہ ایسی ذات کیلئے موضوع ہے جواپنی بعض صفات کے ساتھ ملحوظ ہے جو کہ سرخی ہے یاوہ دلالت استعمال کے اعتبار سے ہوجیسے مررت بنسوۃ اربع میں کہ لفظ اربع مراتب عدد میں سے ایک مرتبہ معینہ کیلئے موضوع ہے پس اسمیں وضع کے اعتبار سے کوئی وصفیت نہیں ہے بلکہ اسکوبھی وصفیت عارض ہوجاتی ہے جیسے گذشتہ مثال میں ہے کیونکہ مثال مذکورہ میں جب اربع کونسوۃ پرجاری کیا گیاجوکہ ازقبیل معدودات ہے اعداد کے قبیل سے نہیں ہے تومعلوم ہوا کہ اسکے معنی ہیں مررت بنسوۃ موصوفۃ بالاربعیۃ یعنی میں ان عورتوں سے گذراجواربعیت کی صفت سے متصف ہیں اوریہ وصفی معنی ہے جواربع کواستعمال میں عارض ہواہے یہ معنی اصلی نہیں جووضع کے اعتبار سے ہوتا ہے

کے ماعدامیں بھی عدل کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں قولہ **هو كون الاسم** :۔یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسباب منع صرف ازقبیل مصادرہیں مثلاً عدل، تانیث، ترکیب لیکن وصف مصدرنہیں ہے اس لئے کہ اصطلاح نحات میں وصف اس تابع کوکہتے ہیں جوایسے معنی پر دلالت کرے جومتبوع میں پایاجائے۔شارح نے جواب دیا کہ یہاں وصف کامعنی ہے **كون الاسم الخ** یعنی اسم کاایسی ذات مبہم پردلالت کرنا جس میں اسکی کسی صفت کالحاظ کیاگیا ہوخواہ یہ دلالت بحسب وضع ہوجیسے لفظ **احمر** کہ یہ ایسا اسم ہے جوذات مبہم پردلالت کرتا ہے جس میں اسکی صفت سرخی کالحاظ کیاگیا ہے یایہ دلالت بحسب الاستعمال ہوجیسے لفظ **اربع**، **مررت بنسوة اربع** میں کہ اسمیں وصفی معنی باعتباراستعمال کے پایاجاتا ہے یعنی **اربع** عورتوں کی غیرمعین جماعت پردلالت کرتا ہے جس جماعت میں اسکی ایک صفت یعنی چارہونے کالحاظ کیاگیا ہے ورنہ اربع میں وضع کے اعتبار سے وصفی معنی نہیں ہے کیونکہ یہ عددمعین کانام ہے۔یعنی تین اورپانچ کے مابین عددکانام ہے اوروصف میں تعیین نہیں ہوتی.

قولہ **التي هي الحمرة**:۔اسم موصول بمع صلہ لفظ بعض کی صفت واقع ہورہا ہے کیونکہ لفظ بعض نے اپنے مضاف الیہ سے تانیث حاصل کرلی ہے جیسے قُطِعَت بعضُ اَصَابِعِہٖ میں لفظ بعض اپنے مضاف الیہ سے تانیث حاصل کرکے مؤنث ہوگیا ہے(محرم) قولہ **بل قد تعرضه الوصفية** :۔شیخ رضی فرماتے ہیں کہ مجھے وصف عرضی کے سبب غیرمنصرف نہ بننے کی تاحال کوئی قطعی دلیل نہیں ملی اوراربع کوجومررت بنسوۃ اربع میں ہے منصرف پڑھنے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں ایک سبب وزن فعل ہے جسکی شرط غیرقابل التاء ہے اوراربع تاءکوقبول کرتا ہے جیسے اربعۃ اس لئے یہ منصرف ہے اسکا جواب یہ دیاگیا ہے کہ وزن فعل کیلئے غیرقابل التاء شرط ہے اس تاء سے تائے تانیث مراد ہے اوراربع جوتاءکوقبول کرتا ہے اوراربعۃ کہاجاتا ہے یہ تائے تانیث نہیں بلکہ تائے تذکیر ہے کہ تین سے دس تک اسم عدد تاء کے ساتھ تذکیر کیلئے آتا ہے یاتاء سے مرادوہ تاء ہے جوقیاساً ہواوراعداد میں تاءخلاف قیاس ہے(معتقد) قولہ **لماجرى** :۔جریان سے مرادصفت واقع ہونا ہے یعنی اربع نسوۃ کی صفت واقع ہوگی۔

وَالمعتبر فی سببیة منع الصرف هو الوصف الاصلی لاصالته لاالعرضی لعرضیته فلذلک قال المصنفؒ شرطه ای شرط الوصف فی سببیة منع الصرف ان یکون وصفا فی الاصل الذی هو الوضع بان یکون وضعه علی الوصفیة لاان تعرضه الوصفیة بعد الوضع فی الاستعمال سواء بقی علی الوصفیة الاصلیة اوزالت عنه فلاتضره بان تخرجه عن سببیة منع الصرف

اور منع صرف کے سبب ہونے میں جو وصف معتبر ہے وہ وصف اصلی ہے اس کے اصل ہونے کی وجہ سے نہ کہ وصف عرضی اس کے عرضی ہونے کی وجہ سے۔ پس اسی وجہ سے مصنف نے کہا (اس کی شرط) یعنی وصف کی شرط منع صرف کے سبب ہونے میں (یہ ہے کہ ہو وہ وصف) وصف (اصل میں) جو کہ وضع ہے بایں طور کہ اسکی وضع وصفیت پر ہی ہو یہ نہیں کہ اسکو وصفیت وضع کے بعد استعمال میں عارض ہوئی ہو خواہ وہ اپنی وصفیت اصلیہ پر باقی ہو یا وصفیت اصلیہ اس سے زائل ہوگئی ہو (پس وصف کو ضرر نہ دیگا) بایں طور کہ اسکو منع صرف کے سبب ہونے سے نکال دے

قولہ **والمعتبر**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **مررت بنسوة اربع** میں واقع لفظ **اربع** کو غیر منصرف ہونا چاہئے کیونکہ اس میں وزن فعل اور وصف دو سبب پائے جاتے ہیں. شارح نے جواب دیا کہ **اربع** میں وصف عارضی ہے اصلی نہیں ہے اور غیر منصرف کا سبب وصف اصلی ہے. اسکی اصالت اور قوت کی وجہ سے وصف عرضی غیر منصرف کا سبب نہیں کیونکہ وہ عرضی ہونے کی وجہ سے معرض زوال میں ہے لہٰذا وہ قواعد اور احکام میں مؤثر نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے کہ غیر منصرف کا سبب وصف اصلی ہے مصنف نے فرمایا **شرطه ان یکون فی الاصل** یعنی وصف کی شرط منع صرف کا سبب بننے میں یہ ہے کہ وہ اصل یعنی وضع میں وصف ہو یعنی اسکی وضع وصف کیلئے ہوئی ہو قولہ **بان تخرجه**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ غلبہ اسمیۃ کے بعد تو وصف زائل ہوجاتا ہے لہٰذا مصنف کا یہ قول درست نہیں ہے کہ غلبہ اسمیۃ سے وصف کو ضرر نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ غلبہ اسمیۃ سے ضرر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وصف کو غیر منصرف کا سبب بننے سے یہ غلبہ نہیں روکتا بلکہ جس طرح کہ غلبہ سے پہلے یہ وصف غیر منصرف کا سبب بنتا تھا اسی طرح غلبہ کے بعد بھی سبب بنتا ہے.

قولہ **لاصالته**۔ یعنی منع صرف میں وصف اصلی اپنی اصالت اور قوت کی وجہ سے معتبر ہے کیونکہ اسم میں اصل انصراف ہے اور اسم کا غیر منصرف ہونا خلاف اصل ہے پس وصف اصلی میں تو یہ قوت ہے کہ وہ اسم کو اسکے اصل سے پھیر دے لیکن وصف عارضی میں قوت نہیں کہ وہ محل زوال میں ہے. قولہ **ان یکن فی الاصل**:۔ ☆سوال☆ جب وصف کے ساتھ لفظ اصل ذکر کیا جائے تو اس سے مراد موصوف ہوتا ہے لہٰذا عبارت مصنف کے معنی یہ ہوئے کہ وصف کی شرط یہ ہے کہ موصوف میں ہو اور وصف عارضی بھی موصوف میں ہوتا ہے پس چاہئے کہ وہ بھی منع صرف میں معتبر ہو☆ جواب☆ یہاں پر اصل سے مراد وضع ہے اس لئے کہ اصل کے معنی ہیں جس پر کوئی چیز مبنی ہو چونکہ ہر سہ دلالت یعنی مطابقی، تضمنی اور التزامی باب افادہ اور استفادہ میں وضع پر مبنی ہیں اس لئے وضع کو اصل کہتے ہیں اور ہر سہ دلالت وضع پر اس لئے مبنی ہیں کہ وضع ان کے مفہوم میں ماخوذ ہے (بشیر الناجیہ).☆سوال☆ کلمہ فی لفظ اصل پر داخل ہے جو نہ ظرف زمان ہے اور نہ ظرف مکان اس لئے لفظ اصل پر فی جارہ داخل کرنا درست نہیں ☆جواب☆ یہاں مضاف مقدر ہے ای فی زمان الاصل یا کلمہ فی بمعنی منہ ہے (جواہر). قولہ **بان تخرجه**:۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہیں کہ اسمیت کا غلبہ وصف کیلئے مضر نہیں اس لئے کہ وصف میں ابہام ہوتا ہے اور غلبہ اسمیت سے وہ ابہام دور ہوجاتا ہے اور تعین آجاتا ہے اور یہ تغیر مفہوم کے اعتبار سے وصف کیلئے مضر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ضرر نہ دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ غلبہ اسمیت وصف کو غیر منصرف کا سبب بننے سے نہیں روکے گا یعنی جس طرح کہ وصف غلبہ اسمیت سے پہلے غیر منصرف کا سبب بنتا تھا اس طرح غلبہ کے بعد بھی غیر منصرف کا سبب بنے گا. یہ مراد نہیں کہ غلبہ اسمیت ان صفات کو عموم سے نکال کر متعین نہیں کرتا.

الغلبة ای غلبة الاسمیة علی الوصفیة ومعنی الغلبة اختصاصه ببعض افراده بحیث لایحتاج فی الدلالة علیه الی قرینة کماان اسود کان موضوعا لکل مافیه سواد ثم کثر استعماله فی الحیة السوداء بحیث لایحتاج فی الفهم عنه الی قرینة فلذلک المذکور من اشتراط اصالة الوصفیة وعدم مضرة الغلبة صرف لعدم اصالة الوصفیة اربع فی قولهم مررت بنسوة اربع

(غلبہ) یعنی وصفیت پر اسمیت کا غلبہ اور غلبہ کا معنی ہے وصف کا اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص ہو جانا کہ اس بعض پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کی حاجت نہ ہو جیسے لفظ اَسْوَد ہر اس چیز کیلئے موضوع تھا جس میں سیاہی ہو پھر اسکا استعمال کالے سانپ میں اس طرح بکثرت ہو گیا کہ لفظ اسود سے کالا سانپ سمجھے جانے میں کسی قرینہ کی حاجت نہیں رہتی (پس اسی وجہ سے) جو مذکور ہوئی یعنی وصفیت کا اصلی ہونا اور غلبہ اسمیت کا مضر نہ ہونا اس شرط کی وجہ سے (منصرف ہوا) وصفیت اصلیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے (اربع) اہل عرب کے قول (مررت بنسوة اربع میں

قولہ **ای غلبة الاسمیة**: اس عبارت میں شارح نے یہ بتایا کہ **الغلبة** کا الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے تقدیر عبارت اسطرح ہے **فلا تضره غلبة الاسمیة** قولہ **ومعنی الغلبة**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہاں غلبہ اسمیہ سے کیا مراد ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر غلبہ سے مراد یہ ہے کہ اسم کو جو معنی وصفی پر دال ہے اس کے بعض افراد وصفی کے ساتھ اسطرح مختص کر دیا جائے کہ اس فرد پر دلالت کرنے میں قرینہ کی حاجت نہ ہو جس طرح کہ لفظ اسود کہ اسکی وضع ہر اس چیز کیلئے تھی جسمیں سیاہی ہو پھر اس کا استعمال کالے سانپ میں اس طرح بکثرت ہو گیا کہ کالا سانپ لفظ اسود سے سمجھے جانے میں کسی قرینہ کا محتاج نہیں. قولہ **فلذلک**: شارح نے **المذکور** کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول "**فلذلک**" میں ذا اسم اشارہ واحد ہے لیکن مشار الیہ دو ہیں ایک یہ کہ وصف کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ اصل وضع میں ہو اور ایک یہ کہ اسمیۃ کے غلبہ سے وصف کو ضرر نہیں ہوتا اس لئے کافیہ کی عبارت اس طرح ہونی چاہئے **فلذینک** تا کہ اسم اشارہ مشار الیہ کے مطابق ہو جائے. شارح نے جواب دیا کہ دونوں مشار الیہ **المذکور** کی تاویل میں ہیں اور **المذکور** مفرد مذکر ہے پس اسم اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت موجود ہے اور اسم اشارہ کے تثنیہ لانے کی ضرورت نہیں ہے. عبارت کے معنی ہیں پس اسی مذکور یعنی وصفیت اصلیہ کے شرط ہونے کی وجہ سے **اربع** منصرف پڑھا گیا ہے جو کہ عرب کے قول **مررت بنسوة اربع** میں ہے اس لئے کہ اربع عدد کے ایک مرتبہ معینہ کیلئے موضوع ہے اصل وضع کے اعتبار سے صفت کیلئے موضوع نہیں لیکن کبھی اسکو وصفیت عارض ہو جاتی ہے.

قولہ **اربع فی قولهم**: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مصنف نے اپنے قول "صرف" کا نائب فاعل مررت بنسوة اربع کو قرار دیا ہے جس کا معنی ہے مررت بنسوة اربع منصرف ہوگا حالانکہ وہ جملہ ہے اور جملہ مبنی ہے جو منصرف نہیں ہوتا جواب یہ ہے کہ اس عبارت میں نائب فاعل حقیقۃ اربع ہے جو جملہ کا جز ہے لیکن مجازاً جملہ کو نائب فاعل بنا دیا گیا ہے پس یہ مجاز فی الاسناد ہے یا جملہ مررت بنسوة اربع بولکر اسکا جز یعنی اربع مراد لیا گیا ہے پس یہ مجاز مرسل ہے امام حرمی نے دوران مناظرہ اخفش سے دریافت کیا کہ مررت بنسوة اربع میں اربع منصرف کیوں ہے حالانکہ اس میں وصفیت اور وزن فعل دو سبب موجود ہیں تو اخفش نے جواب دیا کہ اربع اصل میں اسم منصرف تھا اور اسمیں وصفیت عارضیہ ہے اور معتبر حکم اصل کا ہوتا ہے نہ کہ عارض کا (مقصد) ﴿فائدہ﴾ غلبہ غین اور لام کے فتح کے ساتھ غَلَبٌ کی مانند باب ضرب سے مصدر ہے غلبہ یہ ہے کہ لفظ عام کو اس کے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص کر دینا کہ عند الاطلاق بغیر کسی قرینہ کے وہی فرد مراد ہو اور معنی عام عند القرینہ مراد لیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **اقتلوا الاسودین ولو کنتم فی الصلوة** لیکن اسود سے عام سیاہ چیز مراد لینے کیلئے قرینہ کی ضرورت ہے.

وامتنع من الصرف لعدم مضرة الغلبة اسود وارقم حيث صار اسمين للحية الاول للحية السوداء والثاني للحية التي فيها سواد و بياض وادهم حيث صار اسما للقيد من الحديد لما فيه من الدهمة اعني السواد فان هذه الاسماء وان خرجت عن الوصفية لغلبة الاسمية لكنها بحسب اصل الوضع اوصاف لم يهجر استعمالها في معانيها الاصلية ايضا بالكلية فالمانع من الصرف في هذه الاسماء الصفة الاصلية ووزن الفعل واما عند استعمالها في معانيها الاصلية فلا اشكال في منع صرفها لوزن الفعل والوصف في الاصل والحال وضعف منع افعى اسما للحية على زعم وصفيته لتوهم اشتقاقه من الفعوة التي هي الخبث وكذلك منع اجدل للصقر على زعم وصفيته لتوهم اشتقاقه من الجدل بمعنى القوة

اور ممتنع ہوا) منصرف ہونے سے غلبہ اسمیت کے ضرر نہ دینے کی وجہ سے (اسود اور ارقم) کیونکہ یہ دونوں نام ہو گئے ہیں (سانپ کیلئے) پہلا کالے سانپ کیلئے دوسرا اس سانپ کیلئے جس میں سیاہی اور سفیدی ہے (اور ادہم) کیونکہ یہ نام ہو گیا ہے (قید کیلئے) لوہے سے کیونکہ بیڑی میں دُھمت یعنی سیاہی ہوتی ہے پس یہ اسماء اگر چہ غلبہ اسمیت کی وجہ سے وصفیت سے خارج ہو گئے ہیں لیکن باعتبار اصل وضع کے اوصاف ہیں ان کا استعمال انکے معانی اصلیہ میں کلی طور پر متروک نہیں ہوا پس ان اسماء میں منصرف ہونے سے مانع صفت اصلیہ اور وزن فعل ہے بہر حال ان اسماء کے اپنے معانی اصلیہ میں استعمال ہونے کے وقت تو انکے غیر منصرف ہونے میں کوئی اشکال نہیں بوجہ وزن فعل اور وصف اصلی اور وصف حالی کے (اور ضعیف ہے افعی کا غیر منصرف ہونا) جو نام ہو گیا ہے (سانپ کیلئے) اس کی وصفیت کے گمان پر بوجہ متوہم ہونے اس کے اشتقاق کے فعوۃ سے جو وہ خبث ہے اور اسی طرح غیر منصرف ہونا (اجدل کا جو شکرے کا نام ہے) اسکی وصفیت کے گمان پر بوجہ متوہم ہونے اس کے اشتقاق کے جدل بمعنی قوۃ سے

قولہ وامتنع: شارح نے من الصرف کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **اسود** اور **ارقم** کی طرف ممتنع ہونے کی نسبت درست نہیں ہے کیونکہ بہت سے کالے اور سیاہ وسفید سانپ موجود ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ **اسود** اور **ارقم** سے انکے لفظ مراد ہیں یعنی لفظ **اسود** اور **ارقم** کا منصرف ہونا ممتنع ہے اگر چہ یہ دونوں سانپ کے نام بن گئے ہیں پہلا کالے سانپ کیلئے اور دوسرا سیاہ وسفید سانپ کیلئے اور **ادھم** کا منصرف ہونا بھی ممتنع ہے جو لوہے کی قید (بیڑی) کا نام ہو گیا ہے جو سیاہ ہوتی ہے کیونکہ یہ اسماء اگر چہ غلبہ اسمیۃ کی وجہ سے وصفیت سے نکل گئے ہیں لیکن اصل وضع کے اعتبار سے یہ اوصاف ہیں اور ان کا استعمال انکے معانی اصلیہ میں کلی طور پر ترک نہیں ہوا پس ان اسماء میں منصرف ہونے سے مانع صفت اصلیہ اور وزن فعل ہے۔ اور جب یہ اسماء اپنے معانی اصلیہ میں مستعمل ہوں تو انکے غیر منصرف ہونے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ انمیں وزن فعل اور وصف اصلی اور حالی موجود ہے۔ قولہ **وضعف**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **اسود**، **ارقم** اور **ادھم** کی مثل **افعی**، **اجدل** اور **اخیل** کو بھی غیر منصرف ہونا چاہئے کیونکہ ان میں بھی وصف اصلی اور وزن فعل دو سبب موجود ہیں۔ مصنف نے جواب دیا کہ **افعی** جو سانپ کا نام ہے اس کو غیر منصرف پڑھنا اسکی وصفیت کے زعم پر یعنی اسکے متعلق یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ **فعوۃ** بمعنی خبث سے

وَاَخْيَل للطائر اى لطائر ذى خِيلان على زعم وصفيته لتوهم اشتقاقه من الخال وَوَجه ضعف منع الصرف فى هذه الاسماء عدم الجزم بكونها اوصافا اصلية فانها لم يقصد بها المعانى الوصفية مطلقا لافى الاصل ولافى الحال مع ان الاصل فى الاسم الصرف **التانيث اللفظى** الحاصل بالتاء لا بالالف فانه لاشرط له **شرطه** فى سببية منع الصرف **العلميّة** اى علمية الاسم المؤنث ليصير التانيث لازما لان الاعلام محفوظة عن التصرف بقدر الامكان

(اور اَخیَل کا جو پرندے کا نام ہے) یعنی نقطوں والے پرندے کا اسکی وصفیت کے گمان پر بوجہ متوھم ہونے اسکے اشتقاق کے خال سے اور ان اسماء میں غیر منصرف کے ضعیف ہونے کی وجہ عدم یقین ہے ان کے اوصاف اصلیہ ہونے کا کیونکہ ان کے ساتھ ان کے معانی اصلیہ کا مطلقا قصد نہیں کیا گیا نہ وضع میں اور نہ حال میں باوجودیکہ اسم میں اصل منصرف ہوتا ہے (تانیث) لفظی جو حاصل ہے (تاء سے) الف سے نہیں کیونکہ تانیث بالالف کیلئے کوئی شرط نہیں (اسکی شرط) غیر منصرف کے سبب ہونے میں (علمیت ہے) یعنی اسم مؤنث کا علم ہونا تاکہ تانیث کلمہ کو لازم ہوجائے کیونکہ اعلام بقدر امکان تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں.

مشتق ہے یہ ضعیف ہے اور اسیطرح **اجدل** جو شکرے کا نام ہے وصفیت کے زعم پر اسکو غیر منصرف پڑھنا یہ گمان کرتے ہوئے کہ **جدل** بمعنی قوۃ سے مشتق ہے اور **اخیل** جو نقطوں والے پرندے کا نام ہے اسکو وصفیت کے زعم پر غیر منصرف پڑھنا یہ خیال کرتے ہوئے کہ خال سے مشتق ہے یہ بھی ضعیف ہے اور انکو غیر منصرف پڑھنا اس لئے ضعیف ہے کہ انکا وصف اصلی ہونا یقینی نہیں ہے کیونکہ ان اسماء کا وصفی معنی میں استعمال بھی ثابت نہیں نہ اصل میں یعنی نام ہونے سے پہلے اور نہ نام ہونے کے بعد قولہ **مع ان الاصل** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جس طرح ان اسماء کا وصف اصلی ہونا یقینی نہیں اسی طرح وصف اصلی نہ ہونا بھی یقینی نہیں لہٰذا ان میں منصرف ہونا اور غیر منصرف ہونا برابر ہونا چاہیے کسی کو ترجیح دینا ترجیح بلا مرجح ہے. پس یہ کہنا کہ ان اسماء کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے درست نہ ہوا. شارح نے جواب دیا کہ ان اسماء میں انصراف کو ترجیح اس لئے ہے کہ انصراف اسم میں اصل ہے. قولہ **اللفظی الحاصل**:.شارح نے **التانیث** کی **اللفظی** صفت مقدر کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تانیث معنوی بھی تانیث ہے کیونکہ اس میں تاء مقدر ہوتی ہے. **والمقدر کالملفوظ** لہٰذا تانیث بالتاء کے مقابل تانیث معنوی کو لانا صحیح نہیں. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول **"التانیث"** سے مراد **التانیث اللفظی بالتاء** ہے اور اس کے مقابلے میں **المعنوی** لانا صحیح ہے. قولہ **لا بالالف**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے **التانیث** کو **بالتاء** کے ساتھ مقید کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ تانیث بالالف کیلئے چونکہ علمیت شرط نہیں ہے اس لئے یہ قید ذکر کی ہے. قولہ **شرطہ العلمیۃ** :۔ یعنی تانیث بالتاء کے سبب منع صرف بننے کیلئے اسم مؤنث کا علم ہونا شرط ہے تاکہ تانیث کلمہ کو لازم ہوجائے کیونکہ کلمہ مؤنث علم نہ ہو تو اسکی تانیث معرض زوال میں ہونے کی وجہ سے من وجہ معدوم ہوگی جبکہ اسم کو اسکی اصل سے پھیرنے اور غیر منصرف بنانے کیلئے اقوی دلیل کی ضرورت ہے یعنی تانیث من کل الوجوہ کی ضرورت ہے تو کلمہ مؤنث میں علمیت شرط کی گئی تاکہ علمیت کی وجہ سے کلمہ میں تانیث من کل الوجوہ متحقق ہوجائے کیونکہ اعلام بقدر امکان تصرف سے محفوظ ہوتے ہیں پس علمیت کی وجہ سے تانیث قوی ہوجائیگی ، اور یہ کلمہ غیر منصرف ہوجائیگا.

ولان العلمية وضع ثانٍ وكل حرف وضعت الكلمة عليه لاينفك عن الكلمة والتانيث المعنوى كذلك اى كالتانيث اللفظى بالتاء فى اشتراط العلمية فيه الاان بينهما فرقا فانها فى التانيث اللفظى بالتاء شرط لوجوب منع الصرف وفى المعنوى شرط للجواز ولابد فى وجوبه من شرط آخر كما اشار اليه بقوله **وشرط تحتم تاثيره** اى شرط وجوب تاثير التانيث المعنوى فى منع الصرف **احد الامور الثلثة**

اور اس لئے کہ علمیت وضع ثانی ہے اور جس حرف پر کلمہ کی وضع ہو وہ کلمہ سے جدا نہیں ہوتا (اور) تانیث (معنوی اسی طرح ہے) یعنی تانیث لفظی بالتاء کی طرح ہے علمیت کے اس میں شرط ہونے میں مگر ان دونوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ علمیت تانیث لفظی بالتاء میں غیر منصرف کے وجوب کی شرط ہے اور تانیث معنوی میں اسکے جواز کی اور تانیث معنوی میں وجوب منع صرف کے متعلق ایک دوسری شرط ضروری ہے جیسا کہ مصنف نے اسکی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے (اور اس کے تحتم تاثیر کی شرط) یعنی منع صرف میں تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تین امور میں سے ایک ہے

قولہ **ولان العلمية**: علمیت کے شرط ہونے کی دوسری وجہ بیان کرتے ہیں کہ تانیث کلمہ کو لازم نہیں ہوتی اس لئے اسکی تاثیر قوی نہیں ہوتی لیکن علمیت کے بعد کلمہ کو لازم ہو جاتی ہے کیونکہ علمیت بمنزلہ وضع ثانی کے ہے اور کلمہ کی وضع جس جس حرف پر ہوتی ہے وہ حرف اس کلمہ کو لازم ہو جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا جب تاء تانیث کلمہ کو لازم ہو گئی تو اس کا ضعف دور ہو جائیگا اور غیر منصرف کا سبب قوی بن جائیگا قولہ **والمعنوى كذلك**: لفظ **المعنوى** اسم منسوب ہے جو ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے اور صفت کیلئے موصوف ضروری ہوتا ہے۔ شارح نے **المعنوى** سے پہلے **التانيث** کا اضافہ کر کے موصوف مقدر کو ظاہر کر دیا ہے یعنی تانیث معنوی علمیت کے شرط ہونے میں تانیث بالتاء کی مثل ہے۔ قولہ **الا ان بينهما**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تانیث معنوی اگر علمیت کے شرط ہونے میں تانیث لفظی کی مثل ہے تو یہ شرط پائے جانے کی صورت میں تانیث معنوی کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہونا چاہئے جیسا کہ علمیت کے ساتھ تانیث لفظی کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ علمیت دونوں کیلئے شرط ہے یعنی علمیت کے بغیر نہ تانیث لفظی بالتاء غیر منصرف کا سبب بنے گی اور نہ تانیث معنوی البتہ یہ فرق ہے کہ علمیت کے پائے جانے پر تانیث لفظی بالتاء کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اور تانیث معنوی کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے واجب نہیں اور وجوب کی شرط ایک اور ہے۔ قولہ **وشرط تحتم**: تحتم کے معنی وجوب کے ہیں اور تاثیرہ کی ضمیر مجرور کا مرجع تانیث معنوی ہے یعنی منع صرف میں تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تین امور میں سے ایک ہے۔ قولہ **احد الامور**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **وشرط تحتم تاثيره** ترکیب میں مبتدا واقع ہو رہا ہے جسکی خبر بعد میں آنے والے امور ثلثہ کا مجموعہ ہے جس سے لازم آیا کہ تانیث معنوی کے سبب مؤثر بننے کیلئے یہ تینوں امور ضروری ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ زیادت علی الثلثہ، تحرک اوسط اور عجمہ میں سے کسی ایک امر کا ہونا ضروری ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول **شرط تحتم تاثيره** کی خبر وہ نہیں جو معترض نے بیان کی ہے بلکہ اس کی خبر مقدر ہے **اى احد الامور الثلثة** لہٰذا مصنف کی عبارت بے غبار ہے۔ ﴿فائدہ﴾ تانیث کی تین قسمیں ہیں ۱۔ اقوی یہ تانیث بالالف ہے جو کلمہ کو لازم ہوتی ہے اور اسکو غیر منصرف کا سبب بننے میں نہ سبب آخر کی اور نہ کسی شرط کی احتیاج ہوتی ہے ۲۔ اوسط یہ تانیث لفظی بالتاء ہے جو کلمہ

الزیادة علی الثلثة ای زیادة حروف الکلمة علی ثلثة مثل زینب اوتحرک الحرف الاوسط من حروفها الثلثة مثل سقر اوالعُجمة مثل ماہ وَجُوْرَوانما اشترط فی تاثیر التانیث المعنوی احد الامور الثلثة لیخرج الکلمة بثقل احدالامور الثلثة عن الخفة التی من شانها ان تعارض ثقل احد السببین فتزاحم تاثیره وثقل الاولین ظاهروکذاالعجمة لان لسان العجم ثقیل علی العرب فهند یجوز صرفه نظرا الی انتفاء شرط تحتم تاثیر التانیث المعنوی اعنی احدالامور الثلثة ویجوز عدم صرفه نظرا الی وجود السببین فیه

(تین حرف پر زائد ہونا) یعنی کلمہ کے حروف کا تین پر زائد ہونا جیسے زینب (یا متحرک ہونا) حرف (اوسط کا) کلمہ کے تین حروف میں سے جیسے سقر (یا عجمہ ہونا) جیسے ماہ اور جوراور تانیث معنوی کے وجوب تاثیر میں تین امور میں سے ایک کا ہونا اس لئے شرط کیا گیا ہے کہ کلمہ امور ثلثہ کے ثقل کی وجہ سے اس خفت سے نکل جائے جسکی شان یہ ہے کہ احدالسببین کے ثقل کے معارض ہو پس تانیث معنوی کی تاثیر میں مانع ہو اور پہلے دو کا ثقیل ہونا تو ظاہر ہے اوراسی طرح عجمہ ہے کیونکہ اہل عجم کی زبان اہل عرب پر ثقیل ہے (پس ہند کو منصرف پڑھنا جائز ہے) دیکھتے ہوئے طرف منتفی ہونے تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط کے میری مراد تین امور سے ایک ہے اوراس کو غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اس میں سببین کے موجود ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے

کو لازم نہیں ہوتی اس لئے غیر منصرف کا سبب بننے کیلئے اس میں علمیت شرط ہے۔۳۔ دوئم یہ تانیث معنوی ہے جس میں کوئی ظاہری علامت نہیں ہوتی اس لئے اسکے غیر منصرف کا سبب بننے کیلئے علمیت کے علاوہ امور ثلثہ سے کوئی ضروری ہے تا کہ اسکی وجہ سے تانیث قوی ہو کر اسم کو غیر منصرف بنانے میں مؤثر ہو قولہ **ای زیادة** :۔شارح نے **ای زیادة حروف الکلمة** سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **الزیادة** کا الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط یہ ہے کہ کلمہ مؤنث کے حروف تین سے زائد ہوں جیسے **زینب** اگر زائد علی الثلثہ نہ ہوں تو اسکے حروف ثلثہ کا درمیانی حرف متحرک ہو جیسے **سقر** یا وہ کلمہ عجمہ ہو جیسے **ماہ** اور **جور** قولہ **وانما اشترط**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تانیث معنوی کی تاثیر واجب ہونے کی مذکورہ تین میں سے کوئی ایک شرط واجب کیوں ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ احدالامور الثلثہ کے ثقل کی وجہ سے اس خفت سے نکل جائیگا جس کا حال یہ ہے کہ احدالسببین کے ثقل کے معارض ہو کر تانیث معنوی کی تاثیر میں مانع ہوتی ہے اورامور ثلثہ مذکورہ میں سے پہلے دو یعنی زیادت علی الثلثہ اور تحرک الاوسط کا ثقل تو ظاہر ہے اور عجمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عجم کی زبان اہل عرب پر ثقیل ہوتی ہے قولہ **فهند یجوز صرفه**:۔پس ھند کو منصرف پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ اس میں

قولہ **الزیادة علی الثلثة**:۔ مصنف نے اس شرط کو اولا ذکر کیا ہے کہ اسکو باقی دو پر فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ حرف زائد تانیث کے قائم مقام ہے اور تحرک اوسط کو ثانیا ذکر کیا کہ وہ زیادت علی الثلثہ کے قائم مقام ہے اور عجمہ کو بعد میں ذکر کیا کیونکہ وہ کسی کا قائم مقام نہیں بلکہ صرف منع صرف کی تقویت کیلئے ہے (محقق) قولہ و **تحرک الاوسط**:۔﴿سوال﴾ لفظ دار مؤنث معنوی ہے اوراسمیں وجوب تاثیر کی شرط تحرک اوسط بھی موجود ہے کہ اصل میں دَوَرٌ تھا پھر ھند کی مانند کیوں ہے؟ ﴿جواب﴾ اس لئے کہ تحرک اوسط سے مراد بالفعل تحرک اوسط ہے اور دار بالفعل متحرک الاوسط نہیں ہے بلکہ اصل کے اعتبار سے متحرک الاوسط ہے۔(محقق)

وزینبُ وسقر علما الطبقة من طبقات النار وماهُ وجُور علمین لبلدتین ممتنع صرفها امّا زینب فللعلمیة والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیره وهو الزیادة علی الثلثة وامّا سقر فللعلمیة والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیره وهو تحرک الاوسط وامّا ماه وجور فللعلمیة والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیره وهو العجمة فان سُمِّیَ به ای بالمؤنث المعنوی مذکر فشرطه فی سببیة منع الصرف الزیادةُ علی الثلثة لان الحرف الرابع فی حکم تاء التانیث قائم مَقامَها فقَدَم وهو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی اذا سمی به رجل منصَرِف لان التانیث الاصلی زال بالعلمیة للمذکر من غیر ان یقوم شئ مقامه وَالعلمیة وحدها لاتمنع الصرف

(اور زینب اور سقر) جہنم کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہونے کی حالت میں (اور ماہ اور جور) دو شہروں کا نام ہونے کی حالت میں (ممتنع ہے) ان کا منصرف پڑھنا۔ بہرحال زینب تو وہ علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے ہمراہ اپنے وجوب تاثیر کی شرط کے اور وہ زیادت علی الثلث ہے اور بہرحال سقر تو وہ علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے ہمراہ اپنے وجوب تاثیر کی شرط کے اور وہ تحرک اوسط ہے اور بہرحال ماہ اور جور تو وہ علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے ہمراہ اپنے تحتم تاثیر کی شرط کے اور وہ عجمہ ہے (پس اگر نام رکھ دیا جائے اسکے ساتھ) یعنی مؤنث معنوی کے ساتھ (مذکر کا تو اسکی شرط) منع صرف کے سبب ہونے میں (تین حروف سے زائد ہونا ہے) کیونکہ حرف رابع جو تاء تانیث کے حکم میں ہے وہ اسکے قائم مقام ہے (لہٰذا قدم) اور وہ اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے مؤنث معنوی سماعی ہے جب اسکے ساتھ کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے (تو وہ منصرف ہوگا) اس لئے کہ مذکر کا علم ہو جانے کی وجہ سے تانیث اصلی زائل ہوگئی اسکے بغیر کہ کوئی شی اسکے قائم مقام ہو اور تنہا علمیت منصرف ہونے کو نہیں روکتی

تانیث معنوی کی تاثیر کے وجوب کی کوئی شرط نہیں پائی جاتی اور اس کا غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اس لئے کہ اس میں دو سبب تانیث اور علمیت موجود ہیں۔ قولہ وزینب وسقر: یعنی زینب جو عورت کا نام ہے اور سقر جو جہنم کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہے اور ماہ اور جور جو دو شہروں کے نام ہیں انکو منصرف پڑھنا ممتنع ہے بلکہ یہ الفاظ غیر منصرف ہیں۔ زینب تو اس لئے غیر منصرف ہے کہ اس میں دو سبب موجود ہیں ایک علمیت اور ایک تانیث معنوی اور وجوب تاثیر کی شرط زیادت علی الثلثہ بھی پائی جا رہی ہے اور سقر میں علمیت اور تانیث معنوی اور وجوب تاثیر کی شرط تحرک اوسط پائی جا رہی ہے اور ماہ وجور میں علمیت اور تانیث معنوی مع اس کی شرط کے موجود ہے اور وہ شرط ان کا عجمہ ہونا ہے۔ قولہ فان سمی به: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر تانیث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر

قولہ ممتنع: ﴿سوال﴾ زینب، سقر اور ماہ وجور پر امتناع کا حکم درست نہیں کیونکہ یہ الفاظ معدوم نہیں بلکہ موجود ہیں ﴿جواب﴾ ان کلمات کا وجود ممتنع نہیں بلکہ ان کا منصرف ہونا ممتنع ہے اور شارح کے قول "صرفها" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (کمالی) قولہ صرفها: اس اضافی عبارت میں شارح نے ممتنع کی ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے اور ضمیر مجرور کا مرجع مقرب ہے جو مؤنث ہے۔ قولہ الزیادة علی الثلثة: ﴿سوال﴾ یہاں پر تحرک اوسط یا عجمہ ہونے کی کیوں شرط نہیں۔ ﴿جواب﴾ اس لئے کہ تحرک اوسط حرف رابع کا قائم مقام ہے اور حرف رابع تانیث کا قائم مقام ہے تو نائب کے نائب کا اعتبار بعید ہے۔ رہا عجمہ تو وہ تانیث کی تقویت کے لئے ہوتا ہے اور مذکر نام ہونے سے تانیث زائل ہوگئی ہے اس لئے یہاں صرف زیادت علی الثلث ضروری ہے (نور) قولہ لان الحرف الرابع: اسی طرح حرف خامس خلاصہ یہ

وعقرب وهو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی اذا سمی به رجل ممتنع صرفها لانه وان زال التانیث بعلمیته للمذکر فالحرف الرابع قائم مقامه بدلیل انه اذا صغر قدم ظهر التاء المقدرة کما تقتضیه قاعدة التصغیر فیقال قدیمة بخلاف عقرب فانه اذا صغر یقال عقیرب من غیر اظهار التاء لان الحرف الرابع قائم مقامه فعقرب اذا سمی به رجل امتنع صرفه للعلمیة والتانیث الحکمی المعرفة ای التعریف لان سبب منع الصرف هو وصف التعریف لا ذات المعرفة

(اور عقرب) اور وہ باعتبار اپنے معنی جنسی کے مؤنث معنوی سماعی ہے جب اس کے ساتھ کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو (ممتنع ہے) اس کا منصرف ہونا اس لئے کہ اس کے مذکر کے لئے علم ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ تانیث زائل ہو گئی تاہم حرف رابع تانیث کے قائم مقام ہے اس دلیل سے کہ جب قدم کی تصغیر کی جائے تو تائے مقدرہ ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح کہ قاعدہ تصغیر اس کا تقاضا کرتا ہے پس کہا جاتا ہے قُدَیْمَۃ برخلاف عقرب کے کیونکہ جب اسکی تصغیر کی جائے تو کہا جاتا ہے عُقَیْرِب تاء ظاہر کئے بغیر کیونکہ حرف رابع تاء کے قائم مقام ہے تو جب کسی مرد کا نام عقرب رکھا جائے تو اسکا منصرف پڑھنا ممتنع ہے بوجہ علمیت اور تانیث حکمی کے (معرفہ) یعنی تعریف کیونکہ منع صرف کا سبب وصف تعریف ہے ذات معرفہ سبب نہیں

منصرف ہونے کی کیا شرط ہے؟۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا ہے کہ مؤنث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ لیا جائے تو اس کی شرط زیادت علی الثلثہ ہے اس لئے کہ اس کا حرف رابع تائے تانیث کے حکم میں اور اس کے قائم مقام ہوتا ہے پس **قدم** جو مؤنث سماعی ہے اپنے معنی جنسی کے اعتبار سے جب اسکے ساتھ کسی مرد کا نام قدم رکھ دیا جائے تو وہ منصرف ہوگا اس لئے کہ تانیث اصلی مذکر کا علم بن جانے کی وجہ سے زائل ہو گئی اور اس کا قائم مقام کوئی حرف نہیں ہے اور تنہا علمیت منصرف ہونے کو نہیں روکتی۔ قولہ **وعقرب**: یعنی عقرب جو تانیث معنوی سماعی ہے جب اس کے ساتھ کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو اس کا منصرف پڑھنا ممتنع ہے اگرچہ مذکر کا نام رکھنے کی وجہ سے اس کی تانیث زائل ہو گئی ہے مگر حرف رابع تانیث کے قائم مقام موجود ہے جس پر دلیل یہ ہے کہ عقرب کی تصغیر عقیرب ہے یعنی اس میں تاء ظاہر نہیں کی جاتی کیونکہ حرف رابع تاء کے قائم مقام ہے لہٰذا جب کسی مرد کا نام **عقرب** رکھ دیا جائے تو یہ علمیت اور تانیث حکمی کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا لیکن اگر **قدم** مرد کا نام رکھ دیا جائے تو منصرف ہوگا کیونکہ اس میں تانیث کے قائم مقام کوئی حرف نہیں ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ **قدم** کی تصغیر بنائی جائے تو قاعدہ تصغیر کے مطابق اس کی تائے مقدرہ ظاہر ہو جاتی ہے جیسے **قدیمة** قولہ **ای التعریف**: شارح نے **المعرفة** کی تفسیر **التعریف** کے ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرفہ کو غیر منصرف کا سبب ماننا صحیح نہیں اس لئے کہ غیر منصرف کے اسباب از قبیل مصادر ہیں اور معرفہ مصدر نہیں بلکہ ذات ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اسجگہ **المعرفة** بمعنی **التعریف** ہے کیونکہ سبب منع صرف وصف تعریف ہے ذات معرفہ نہیں

کر زائد علی الثلثہ میں حرف اخیر تائے تانیث کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ کلام عرب میں تائے تانیث کا قائم مقام تین حروف کے بعد ہے۔ ﴿سوال﴾ کلام عرب میں تائے تانیث کا موضع تین حروف کے بعد بتانا صحیح نہیں کیونکہ شاۃ اور عدۃ میں تائے تانیث تیسری جگہ واقع ہے۔ ﴿جواب﴾ ان دو لفظوں میں بھی تائے تانیث چوتھی جگہ ہے کیونکہ شاۃ اصل میں شِہاۃ تھا ھاء کو برائے تخفیف حذف کیا تو شاۃ ہوا اور عدۃ اصل میں وعد تھا یا جوف واوی ہے بمعنی وسط حوض یا مہی ناقص یائی بمعنی جماعت تھا پس تائے تانیث ان میں چوتھی جگہ واقع ہے۔ (کمالی) قولہ یقال **عقیرب**۔ یہ بکسر راء ہے اس لئے کہ یائے تصغیر کا مابعد مکسور ہوتا ہے ورنہ بصورت فتحہ یا کا دو فتحہ کے درمیان ہونا لازم آئیگا

شرطها اى شرط تاثيرها فى منع الصرف ان تكون علمية اى كونُ هذا النوع من جنس التعريف على ان يكون الياء مصدريةً اومنسوبة الى العلم بان تكون حاصلةً فى ضمنه على ان يكون الياء للنسبة وانما جعلت مشروطة بالعلمية لان تعريف المضمرات والمبهمات لايوجدالا فى المبنيات ومنعَ الصرف من احكام المعربات والتعريف باللام اوالاضافة يجعل غيرَ المنصرف منصرفا كماسيجئ فلايتصور كونه سببالمنع الصرف فلم يبق الاالتعريف العلمى

(اسکی شرط) یعنی منع صرف میں معرفہ کی تاثیر کی شرط (یہ ہے کہ علمیت ہو) یعنی جنس تعریف سے یہ نوع علم ہوتا ہے اس بناپر کہ علمیہ کی یاء مصدریہ ہو یا منسوب ہو علم کی طرف بایں طور کہ وہ تعریف علم کی ضمن میں پائی جائے اس بناپر کہ یاء نسبت کی ہو اور معرفہ کو علمیت کی شرط کے ساتھ اس لئے مشروط کیا گیا ہے کہ مضمرات اور مبہمات کی تعریف صرف مبنیات میں پائی جاتی ہے اور منع صرف معربات کے احکام میں سے ہے اور تعریف لام یا اضافت کے ساتھ غیر منصرف کو منصرف کردیتی ہے جیسا کہ اس کا بیان آئیگا لہذا لام یا اضافت کے ساتھ تعریف کا منع صرف کیلئے سبب ہونا متصور نہیں تو تعریف علمی ہی باقی رہ گئی

چونکہ اجمال میں وزن شعر کو خلل سے بچانے کیلئے معرفہ کہا تھا تو اجمال کی موافقت میں تفصیل میں بھی **المعرفة** کہا مگر اس سے مراد مجازاً تعریف ہے از قبیل اطلاق محل وارادہ حال۔ قولہ **شرط تاثیرها** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم معرفہ کیلئے علمیت کو شرط قرار دینا درست نہیں کیونکہ شرط کے بغیر مشروط نہیں پایا جاتا حالانکہ معرفہ علمیت کے بغیر پایا جاتا ہے جیسے **الرجل** معرفہ ہے لیکن کسی شخص معین کا علم نہیں. شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ عبارت مقدر ہے **اى شرط تاثيرها** یعنی منع صرف میں معرفہ کے موثر ہونے کی شرط علمیت ہے۔ قولہ **اى كون** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول "**ان تكون علمية**" میں **علمية** بمعنی **كونها علما** ہے اس لئے کہ اس میں یاء مصدریہ ہے اور یہ **تكون** کی خبر ہے اور **تكون** کی ضمیر کا مرجع بھی مصدر **التعريف** ہے اور فعل ناقص کی خبر اس کے اسم پر محمول ہوتی ہے یہاں حمل درست نہیں کیونکہ یہ دونوں مصدر متغایر ہیں اور حمل المصدر علی المصدر کے لئے ضروری ہے کہ وہ باہم مترادف ہوں جیسے القعود جلوس۔ شارح نے پہلا جواب دیا کہ یہاں حمل درست ہے اس لئے کہ جب ایک مصدر عام ہو اور دوسرا خاص ہو تو خاص کا حمل عام پر جائز ہوتا ہے جیسے الوجود وجود زید، اور اس جگہ مصدر **التعريف** عام ہے اور مصدر علمیہ خاص ہے کیونکہ علمیہ قسم ہے اور تعریف اس کا مقسم ہے جو علمیت کے علاوہ باقی چھ قسموں کو بھی شامل ہے تو معنی یہ ہوا کہ وہ تعریف علمیت ہو جو جنس تعریف کی نوع ہے یہ جواب اس بناپر ہے علمیہ میں یاء مصدریہ ہے. دوسرا جواب اس پر مبنی ہے کہ علمیہ میں یاء مصدریہ نہیں بلکہ یائے نسبت ہے اور عبارت کا معنی ہے کہ وہ تعریف جو علم کی طرف منسوب ہو اس طرح کہ وہ تعریف علم کے ضمن میں پائی جائے۔ قولہ **وانما جعلت** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرفہ کے سبب غیر منصرف ہونے کیلئے بالخصوص تعریف علمی کیوں شرط ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اقسام تعریف میں سے مضمرات اور مبہمات کے ساتھ تعریف مبنیات کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی کہ منع صرف معرب کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور تعریف باللام اور تعریف بالاضافت غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کردیتی ہیں لہذا ان کا غیر منصرف کا سبب بننا متصور نہیں اور معرفہ بندا معرفہ باللام کے حکم میں ہے پس

وانما جعل المعرفة سببا والعلمية شرطها ولم يجعل العلمية سببا كما جعل البعض لان فرعية التعريف للتنكير اظهر من فرعية العلمية له العجمة وهي كون اللفظ مما وضعه غير العرب ولتاثيرها في منع الصرف شرطان شرطها الاول ان تكون علمية اى منسوبةً الى العلم في اللغة العجميّة بان تكون متحققةً في ضمن العلَم في العجم حقيقةً كابراهيم او حكما بان ينقله العرب من لغة العجم الى العلمية من غير تصرفٍ فيه قبل النقل كقالون فانه كان في العجم اسم جنس سمي به احدرُواة القراء لجودة قراته قبل ان يتصرف فيه العرب فكانه كان علما

اور مصنف نے معرفہ کو غیر منصرف کا سبب بنایا اور علمیت کو معرفہ کیلئے شرط قرار دیا اور علمیت کو سبب نہیں بنایا جس طرح کہ بعض نے علمیت کو سبب بنایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ تعریف کا تنکیر کیلئے فرع ہونا زیادہ ظاہر ہے علمیت کے فرع ہونے سے تنکیر کیلئے (عجمہ) اور وہ لفظ کا اس میں سے ہونا ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہے اور منع صرف میں عجمہ کی تاثیر کیلئے دو شرطیں ہیں (اسکی شرط) اول (یہ ہے کہ وہ علمیت ہو) یعنی علم کی طرف منسوب ہو لغت (عجمی میں) اس طرح کہ لغت عجم میں علم کے ضمن میں حقیقۃً متحقق ہو جیسے ابراہیم یا حکماً بایں طور کہ اہل عرب اسکو عجمی زبان سے علمیت کی طرف منتقل کر دیں اور نقل کرنے سے پہلے اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کریں جس طرح کہ لفظ قالون کہ یہ عجم میں اسم جنس تھا پھر اس سے ایک قاری کا نام رکھدیا گیا اسکی قرأت کے عمدہ ہونے کی وجہ سے قبل اس کے کہ اس میں عرب کچھ تصرف کریں تو گویا کہ یہ عجمی لغت میں علم تھا

صرف تعریف علمی رہ گئی جو معرفہ میں شرط کردی گئی۔ قولہ **وانما جعل المعرفة**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ابن حاجب نے معرفہ کو غیر منصرف کا سبب بنایا ہے اور علمیت اس کیلئے شرط ٹھیرائی ہے اس نے زمخشری کی طرح علمیت کو سبب کیوں نہیں بنایا؟ شارح نے جواب دیا کہ سبب ہونے کا دارومدار فرعیت پر ہے اور معرفہ کی فرعیت نکرہ کیلئے اظہر ہے اور علمیت کا نکرہ کی فرع ہونا واضح نہیں اس لئے ابن حاجب نے معرفہ کو سبب بنایا ہے اور اس کیلئے علمیت شرط کردی ہے۔ قولہ **وهي كون اللفظ**: اس عبارت میں شارح نے عجمہ کا اصطلاحی معنی بیان کیا ہے یعنی عجمہ کا معنی ہے لفظ کا اس میں سے ہونا جسکو غیر عرب نے وضع کیا ہے خواہ وہ منصرف ہو یا غیر منصرف یعنی یہ مطلقاً عجمہ کی تعریف ہے اور اس معنی کے بیان سے شارح کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لغت میں عجمہ کا معنی ہے لکنت اور یہ زبان کی صفت ہے اور اسباب منع صرف از قبیل صفات لفظ ہیں لھذا عجمہ کو غیر منصرف کا سبب بنانا درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں عجمہ کا اصطلاحی معنی مراد ہے۔ جس کے اعتبار سے یہ لفظ کی صفت ہے۔ قولہ **ولتاثيرها**: یعنی عجمہ کے غیر منصرف میں مؤثر ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط علمیت ہے یعنی عجمی زبان میں علم کی طرف منسوب ہو اسطرح سے کہ وہ عجم میں علم کے ضمن میں حقیقۃً متحقق ہو جیسے ابراہیم یا حکماً متحقق ہو اس طرح سے کہ عرب نے اسکو لغت عجم سے علمیت کی طرف نقل کیا ہو اور نقل سے پہلے اسمیں کسی قسم کا تصرف نہ کیا ہو مثلاً حذف، قلب وغیرہ سے کچھ نہ کیا ہو بلکہ جس حیثیت پر وہ لفظ تھا بعینہ اس پر لا کر اپنی زبان میں اسکو علم بنا دیا ہو جیسے لفظ قالون جو عجم میں اسم جنس تھا کہ رومی زبان میں ہر عمدہ چیز کو قالون کہتے ہیں پھر عرب نے کسی تصرف کئے بغیر ایک قاری کا نام رکھدیا اس کی قرات کے عمدہ ہونے کی وجہ سے گویا کہ یہ لغت عجم میں بھی علم تھا۔ کیونکہ اعلام کی مثل اسمیں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا

فی العجمیة وانما جعلت شرطا لئلا یتصرف فیها العرب مثل تصرفاتهم فی کلامهم فتضعف فیه العجمة فلا تصلح سببا لمنع الصرف فعلی هذا الوسمی بمثل لجامٍ لا یمتنع صرفه لعدم علمیته فی العجمة و شرطها الثانی احد الامرین تحرّک الحرف الاوسط او الزیادة علی الثلثة ای علی ثلثة احْرُفٍ لئلا یعارض الخفة احد السببین فنوح منصرف هذا تفریع بالنظر الی الشرط الثانی فانصراف نوح انما هو لانتفاء الشرط الثانی وهذا اختیار المصنف لان العجمة سبب ضعیف لانه امر معنوی فلا یجوز اعتبارها مع سکون الاوسط

اور عجمہ میں علمیت کو اس لئے شرط کیا گیا تا کہ اہل عرب اپنی کلام میں تصرفات کی مثل اس میں تصرف نہ کریں پس اس میں عجمہ ضعیف ہو جائیگا تو وہ منع صرف کا سبب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔پس اس شرط کی بنا پر اگر لجام جیسے لفظ کے ساتھ کسی کا نام رکھدیا جائے تو اس کا منصرف پڑھنا ممتنع نہ ہوگا کیونکہ وہ عجمی زبان میں علم نہ تھا (اور) اور اس عجمہ کی دوسری شرط دو امروں میں سے ایک ہے حرف (اوسط کا متحرک ہونا یا تین پر زیادہ ہونا) یعنی تین حروف پر زیادہ ہونا تا کہ خفت احد السببین کے معارض نہ ہو (پس نوح منصرف ہے) یہ شرط ثانی کے لحاظ سے تفریع ہے۔پس نوح کا منصرف ہونا محض شرط ثانی کے انتفاء کی وجہ سے ہے اور یہ مصنف کا پسندیدہ مذہب ہے کیونکہ امر معنوی ہونے کی وجہ سے عجمہ سبب ضعیف ہے۔لہذا حرف اوسط کے سکون کے ساتھ عجمہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔قولہ **وانما جعلت شرطا**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عجمہ میں علمیت شرط کیوں ہے؟شارح نے جواب دیا کہ عجمہ میں علمیت اس لئے شرط ہے کہ اہل عرب اسمیں تصرف نہ کرسکیں جسطرح کہ وہ اپنے کلام میں تصرف کرتے ہیں مثلاً الف ولام داخل کرنا جو لفظ عربی کا خاصہ ہے پس اگر وہ تصرف کریں تو اسم کا عجمہ ہونا ضعیف ہو جائے گا اور منع صرف کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا لیکن اگر وہ عجمی زبان میں علم ہو تو اس کا ثقل برقرار ہے گا کیونکہ اعلام بقدر امکان تغیر سے محفوظ ہوتے ہیں تو اس تقدیر پر لجام کی مثل کو اگر کسی کا نام رکھدیا جائے تو غیر منصرف نہ ہوگا کیونکہ عجمی زبان میں وہ علم نہیں ہے نہ حقیقۃً اور نہ حکماً قولہ **وتحرک الاوسط**:یعنی عجمہ کی دوسری شرط دو امروں میں سے ایک امر ہے۔ اول۔یہ ہے کہ اس کا درمیان والا حرف متحرک ہو۔دوم یہ کہ وہ زائد علی الثلث ہو یعنی اس عجمہ کے حروف تین سے زیادہ ہوں تا کہ ثلاثی ساکن الاوسط کی خفت ان دو سببوں میں سے کسی ایک کے ثقل کے معارض نہ ہو جائے قولہ **فنوح**:پس نوح منصرف ہے اس عبارت میں فاء برائے تفریع ہے اور یہ شرط ثانی کے لحاظ سے تفریع ہے یعنی نوح میں شرط ثانی مفقود ہے کہ یہ متحرک الاوسط یا زائد علی الثلث نہیں ہے اس لئے منصرف ہے اور یہی مصنف کا مختار ہے وجہ انصراف یہ ہے کہ عجمہ سبب ضعیف ہے کہ وہ ایک امر معنوی ہے جسکی کوئی ظاہری علامت نہیں ہے پس سکون اوسط کے ساتھ اس کا اعتبار کرنا جائز نہیں۔شارح کے قول "لانہ امر معنوی" میں ضمیر منصوب کا مرجع عجمہ ہے اور اس کی تذکیر خبر کے لحاظ سے ہے کہ وہ مذکر ہے۔

قولہ **وهذا اختيار المصنف**:۔اور نوح کا منصرف ہونا مصنف کا مذہب اور پسندیدہ ہے اور صاحب مفصل کے نزدیک نوح ہند کی مثل ہے یعنی نوح کو منصرف پڑھنا اور غیر منصرف پڑھنا دونوں طرح جائز ہے اور صاحب مفصل کا ایسا کرنا اس پر مبنی ہے کہ انہوں نے عجمہ کو تانیث معنوی پر قیاس کیا ہے حالانکہ یہ قیاس،قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عجمہ کی نسبت تانیث معنوی قوی ہے۔﴿فائدہ﴾ زائد علی الثلث کی شرط تمام کے نزدیک ہے اور تحرک اوسط کی شرط سیبویہ وغیرہ کے نزدیک نہیں۔

واما التانیث فان له علامة مقدرة تظهر فی بعض التصرفات فله نوع قوة فجاز ان یعتبر مع سکون الاوسط وان لا یعتبر فان قلت قد اعتبرت العجمة فی ماه وجور مع سکون الاوسط فیما سبق فلم لم تعتبر ههنا قلنا اعتبارها فیما سبق انما هو لتقویة سببین آخرین لئلا یقاوم سکونُ الاوسط احدهما فلا یلزم من اعتبارها لتقویة سبب آخر اعتبار سببیتها بالاستقلال وشتر وهو اسم حصن بدیار بکرٍ وابراهمُ ممتنع صرفهما لوجود الشرط الثانی فیهما فان فی شتر تحرک الاوسط وفی ابراهیم الزیادةَ علی الثلثة والماخص التفریعَ بالشرط الثانی لان غرضه التنبیه علی ماهو الحق عنده من انصراف نحو نوح

اور بہرحال تانیث تو اس کیلئے ایک علامت مقدرہ ہے جو بعض تصرفات میں ظاہر ہوجاتی ہے پس تانیث معنوی کیلئے ایک قسم کی قوت ہے لہذا سکون اوسط کے ہمراہ اس کا اعتبار کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح جائز ہے۔ پس اگر تم کہو کہ ماسبق میں ماہ اور جور میں سکون اوسط کے باوجود عجمہ کا اعتبار کیا گیا تو یہاں نوح میں اس کا اعتبار کیوں نہیں کیا گیا؟ تو ہم جواب دیں گے کہ ماسبق میں عجمہ کا اعتبار دوسرے دوسببوں کی تقویت کیلئے تھا تا کہ سکون اوسط احدالسببین کے ثقل کے معارض نہ ہو لہذا سبب آخر کی تقویت کیلئے عجمہ کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالاستقلال اسکی سببیت کا اعتبار کیا جائے (اور شتر) اور وہ دیار بکر میں قلعہ کا نام ہے (اور ابراہیم ممتنع ہے) ان کا منصرف پڑھنا بوجہ موجود ہونے شرط ثانی کے ان میں کیونکہ شتر میں تحرک اوسط کی شرط ہے اور ابراہیم میں زیادت علی الثلث کی، اور تفریع کو شرط ثانی کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ مصنف کا مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے جو اس کے نزدیک حق ہے یعنی مثل نوح کا منصرف ہونا

قولہ **واما التانیث:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عجمہ کی مثل تانیث معنوی بھی امر معنوی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ھند میں صرف اور عدم صرف دونوں برابر ہیں اور عجمہ میں صرف انصراف ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ فرق یہ ہے کہ تانیث معنوی کی علامت مقدر ہے جو بعض تصرفات میں ظاہر ہوتی ہے مثلا بوقت تصغیر پس تانیث معنوی کیلئے ایک قسم کی قوت ہے جس کا سکون اوسط کے ساتھ اعتبار کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح جائز ہے لیکن حرف اوسط کا ساکن ہونا عجمہ سے ثقل کو بالکلیہ زائل کر دیتا ہے اس لئے اسکو منصرف پڑھنا ضروری ہے۔ قولہ **فان قلت:** اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ بحث تانیث میں ماہ اور جور کے اندر ثلاثی ساکن الاوسط ہونے کے باوجود عجمہ کا اعتبار کیا گیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ نوح میں عجمہ کا اعتبار نہیں کیا گیا؟۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ماہ اور جور میں عجمہ کا اعتبار بالاستقلال نہیں کیا گیا بلکہ سبب آخر یعنی تانیث کی تقویت کیلئے اعتبار کیا گیا ہے تا کہ سکون اوسط کسی سبب کے ثقل کا معارض نہ ہو جائے پس سبب آخر کی تقویت کیلئے سکون اوسط کے باوجود کسی کلمہ میں عجمہ کے اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سکون اوسط کے ساتھ عجمہ کو ایک مستقل سبب کی حیثیت سے اعتبار کر لیا جائے اس لئے ماہ اور جور غیر منصرف ہے اور نوح منصرف ہے۔ قولہ **وشتر:** اور **شتر** جو دیار بکر میں ایک قلعہ کا نام ہے یعنی **شتر** اور **ابراهیم** ان دونوں کا منصرف پڑھنا ممتنع ہے اس لئے کہ انمیں عجمہ کی شرط ثانی موجود ہے کہ **شتر** متحرک الاوسط ہے اور **ابراهیم** زائد علی الثلث ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے دوسری شرط پر

قولہ لهذا قدم انصرافه مع انه متفرع على انتفاء الشرط الثاني والاولى تقديم ماهو متفرع على وجوده كمالايخفى واعلم ان اسماء الانبياء عليهم السلام ممتنعة عن الصرف الاستة محمد وصالح وشعيب وهود لكونهاعربية ونوح ولوط لخفتهماوقيل ان هودا كنوح لان سيبويه قرنه معه ويؤده مايقال من ان العرب من ولداسمعيل ومن كان قبل ذلك فليس بعربي وهود قبل اسمعيل فيمايذكر فكان كنوح

اسی وجہ سے نوح کے منصرف ہونے کو پہلے بیان کیا باوجودیکہ وہ شرط ثانی کے انتفاء پر متفرع ہے حالانکہ اسکی تقدیم اولی ہے جو شرط ثانی کے وجود پر متفرع ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ جان لو کہ انبیاء علیہم السلام کے اسماء مبارکہ چھ کے علاوہ سب غیر منصرف ہیں ان چھ میں سے محمد اور صالح اور شعیب اور ھود عربی ہونے کی وجہ سے منصرف ہیں اور نوح اور لوط اپنی خفت کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ ھود، نوح کی طرح ہے اس لئے کہ سیبویہ نے ھود کو نوح کے ساتھ ملایا ہے اور اسکی تائید وہ کرتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور جو ان سے پہلے ہیں وہ عربی نہیں اور ھود علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے تھے اسکے مطابق جو تاریخ میں ہے لہذا ھود نوح کی مثل ہوا

تفریع کی ہے اور پہلی شرط **العلمیة** پر تفریع نہیں کی اس لئے کہ تفریع سے اس کا مقصد اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ مثل **نوح** کا منصرف ہونا مصنف کے نزدیک حق ہے اسی لئے **نوح** کے انصراف کو پہلے بیان کیا ہے باوجودیکہ وہ شرط ثانی کے انتفاء پر متفرع ہے جبکہ اولی یہ ہے کہ **شتر** اور **ابراھیم** کے عدم صرف کو پہلے بیان کیا جائے کہ وہ شرط ثانی کے وجود پر متفرع ہیں کہ وجود اشرف ہونے کے اعتبار سے مقتضی تقدیم ہے۔ قولہ **واعلم**: شارح نے **اعلم** سے تحقیق مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء کے انصراف وعدم انصراف کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے اسماء چھ کے علاوہ سب غیر منصرف ہیں اور وہ چھ یہ ہیں محمد، صالح، ھود اور شعیب یہ چار تو اس لئے منصرف ہیں کہ یہ عربی ہیں، عجمی نہیں اور صرف ایک سبب یعنی علمیت غیر منصرف ہونے کیلئے کافی نہیں اور نوح ولوط اگرچہ عجمی ہیں مگر اس لئے منصرف ہیں کہ خفیف ہیں یعنی عجمہ کی شرط تحرک اوسط نہ پائے جانے کی وجہ سے انکا ثقل جاتا رہا اور انمیں خفت آگئی لھذا یہ منصرف پڑھے گئے۔ شاعر نے بصورت نظم اسطرح بیان کیا ہے۔

گر ہمی خواہی کہ دانی نام ہر پیغمبرے...... تا کدام است ای برادر نزد نحوی منصرف

صالح وھود ومحمد با شعیب ونوح ولوط...... منصرف داں ایں ہمہ دیگر ہمہ لا منصرف۔

قولہ **قیل ان ھودا**: کہا گیا ہے کہ **ھود، نوح** کی مثل اسم عجمی ہے اور عجمہ کی شرط تحرک اوسط نہ پائے جانے کی وجہ سے منصرف ہے کیونکہ سیبویہ نے اسماء انبیاء ذکر کرتے ہوئے ھود کو نوح کے ساتھ ملایا ہے اور اسطرح کہا ہے محمد وصالح وشعیب ونوح وھود ولوط۔ جس سے معلوم ہوا کہ **ھود، نوح** کی طرح اسم عجمی ہے اگر وہ اسم عربی ہوتا تو اسکو شعیب کے ساتھ ملا کر ذکر کرتے اور اسکی تائید اسطرح بھی ہوتی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ

قولہ **لکونھاعربیة**۔ چونکہ یہ اسماء اربعہ عربی ہیں انمیں کوئی عجمہ نہیں تو علل تسعہ میں سے ان میں صرف علمیت پائی گئی جو غیر منصرف ہونے کے لئے کافی نہیں اور نوح ولوط میں اگرچہ عجمہ پایا گیا مگر تحرک اوسط کی شرط منتفی ہونے کے باعث موثر نہیں تو ان میں صرف علمیت متحقق ہوئی جو غیر منصرف ہونے کیلئے کافی نہیں کیونکہ اسم کا غیر منصرف ہونا خلاف اصل ہے جس کیلئے موثر قوی درکار ہے یعنی دو سبب یا ایک ایسے سبب کا ہونا جو دو سبب کے قائم مقام ہو اور جب یہ اسماء غیر منصرف نہ ہوئے تو منصرف ہوئے کہ معرب منصرف اور غیر منصرف میں منحصر ہے اسکی کوئی تیسری قسم نہیں ہے قولہ **کمالایخفی**:۔ یعنی یہ امر واضح ہے کہ جو اشرف پر متفرع ہو اسکو مقدم کرنا اولی ہے۔

الجمع وھو سبب قائم مقامَ السببین شرطُهٗ ای شرط قیامه مقامَ السببین صیغةُ منتھی الجموع وھی الصیغة التی کان اولھا مفتوحا وثالثھا الِفا وبعد الالف حرفان اوثلثة وسطھا ساکن وھی الصیغة التی لاتجمع جمع التکسیر مرةً اخری ولھٰذا سمیت صیغة منتھی الجموع لانھا جمعت فی بعض الصور مرتین تکسیرُ الانتھی تکسیرُھا المغیر للصیغة فامّا جمع السلامة فانه لایغیر الصیغة فیجوز ان تجمع جمع السلامة کمایجمع ایامن جمع ایمن علی ایامنین وصواحب جمع صاحبة علی صواحبات

(جمع) اور وہ ایسا ایک سبب ہے جو دو کے قائم مقام ہوتا ہے (اسکی شرط) یعنی جمع کے دو سبب کے قائم مقام ہونے کی شرط (منتہی الجموع کا صیغہ ہے) اور منتہی الجموع وہ صیغہ ہے جس کا پہلا حرف مفتوح اور اسکا تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں یا تین حرف ہوں جن کے درمیان والا حرف ساکن ہو اور یہ وہ صیغہ ہے جو دوسری بار جمع تکسیر نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے اسکا نام منتہی الجموع رکھا گیا ہے کیونکہ یہ صیغہ بعض صورتوں میں دو بار جمع تکسیر بنایا گیا ہے۔ پس اسکی تکسیر جو صیغہ کیلئے مغیر ہے ختم ہوگئی لیکن جمع سلامت چونکہ صیغہ کو متغیر نہیں کرتی تو جائز ہے کہ صیغہ منتہی الجموع جمع سلامت بنایا جائے جیسے ایامن جو ایمن کی جمع ہے ایامنین پر جمع لائی گئی ہے۔ اور صاحبۃ کی جمع صواحب صاحبات پر

عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور جو لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے ہیں وہ عربی نہیں اور تاریخ میں جو آیا ہے اس کے مطابق حضرت ھود علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے تھے لہٰذا ھود، نوح کی مثل عجمی ہے۔ قولہ **الجمع**: اسباب منع صرف میں سے ایک سبب جمع ہے جو دو سببوں کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسکو دو سببوں کے قائم مقام کرنے کی شرط صیغہ منتہی الجموع ہے شارح نے **ای شرط قیامه** سے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ وجود جمع کیلئے منتہی الجموع کے صیغہ کی شرط باطل ہے کیونکہ صیغہ منتہی الجموع کے بغیر بھی جمع موجود ہے جیسے رجال۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ شرط جمع ہونے کی نہیں بلکہ جمع کے قائم مقام دو سبب ہونے کیلئے ہے اور منتہی الجموع ایسا صیغہ ہے کہ جسکا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں یا تین حرف ہوں جنکا اوسط ساکن ہو قولہ **وھی الصیغة التی لاتجمع**: اس عبارت میں شارح نے صیغہ منتہی الجموع کی باعتبار معنی اصطلاحی کے تعریف کی ہے اور وجہ تسمیہ بیان کی ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ منتہی مصدر میمی ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور الجموع پر الف لام برائے عہد خارجی ہے جس سے مراد جموع مکسر ہے پس معنی ہوا کہ وہ صیغہ جو جموع مکسر کی انتہاء ہے یعنی جسکی دوسری بار جمع تکسیر نہیں لائی جا سکتی اسی وجہ سے اسکا نام صیغہ منتہی الجموع رکھا گیا کیونکہ بعض صورتوں میں یہ صیغہ دو مرتبہ جمع تکسیر لایا جاتا ہے پس اسکی جمع تکسیر جو صیغہ کو متغیر کرتی ہے انتہاء کو پہنچ گئی قولہ **فاما جمع السلامة**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ماسبق سے معلوم ہوا کہ جمع منتہی الجموع وہ ہے جسکی دوبارہ جمع نہ آئے اور اس کا وزن افاعل یا فواعل ہو جبکہ آیامن

قولہ **الصیغة التی کان اولھا**:۔ شارح نے اپنے اس قول میں اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ صیغہ سے یہاں پر وزن عروضی مراد ہے یعنی حرکات اور سکنات میں مساوات۔ یہاں وزن صرفی مراد نہیں یعنی زائد کے مقابلہ میں زائد اور اصلی کے مقابلہ میں اصلی کا اعتبار کرنا (حندی) ﴿فائدہ﴾ **منتھی** مصدر میمی بمعنی انتہاء ہے جو فاعل کیطرف مضاف ہے یعنی ایسا صیغہ جس پر جموع تکسیر ختم ہوتی ہیں یا اسم ظرف ہے یعنی ایسا صیغہ جو جموع تکسیر کا منتہیٰ ہے (بشیر)

قولہ وانما اشترطت لتکون صیغتہ مصونۃ عن قبول التغییر فتؤثر بغیر هاء منقلبۃ عن تاء التانیث
حالۃ الوقف او المراد بہا تاء التانیث باعتبار مایؤل الیہ حالۃ الوقف فلایرد نحو فوارِہ جمع
فارهۃ وانما اشترط کونہا بغیر هاءٍ لانہا لو کانت مع هاءٍ کانت علی زنۃ المفردات کفرازنۃ
فانہا علی زنۃ کراهیۃ وطواعیۃ بمعنی الکراهۃ والطاعۃ فیدخل فی قوۃ جمعیتہ فُتُور
ولاحاجۃ الی اخرج نحو مدائنی فانہ مفرد محض لیس جمعا لافی الحال ولا فی المآل
وانما الجمع مدائن وهو لفظ آخر بخلاف فرازنۃ فانہا جمع فرزین او فِرزان بکسر الفاء

اور جمع کیلئے صیغہ منتہی الجموع اس لئے شرط کیا گیا ہے کہ اسکا صیغہ تغیر قبول کرنے سے محفوظ ہوجائے تو اثر کرے (بغیر هاء کے) جو کہ
حالت وقف میں تاء تانیث سے بدلی ہوئی ہے یا ہاء سے مراد باعتبار مایؤل الیہ کے تائے تانیث ہے حالت وقف میں۔ پس فوارہ جیسے
کلمہ سے جو کہ فارھۃ کی جمع ہے اعتراض وارد نہ ہوگا اور صیغہ منتہی الجموع کیلئے بغیر هاء کی شرط اس لئے کی گئی ہے کہ اگر وہ
هاء کے ساتھ ہوگا تو مفردات کے وزن پر ہوگا جیسے فرازنہ کہ یہ کراھیۃ اور طواعیۃ بمعنی کراہت اور طاعت کے وزن پر ہے پس اسکی
جمعیت کی قوت میں فتور آجائیگا اور مدائنی جیسے کلمہ کے اخراج کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ وہ مفرد محض ہے نہ فی الحال جمع ہے اور نہ
مآل کے اعتبار سے اور مدائن جو جمع ہے وہ دوسرا لفظ ہے بخلاف فرازنہ کے کیونکہ وہ فرزین یا فرزان بکسر فاء کی جمع ہے

جمع ایمن بروزن افاعل ہے اور صواحب جمع صاحب کی بروزن فواعل ہے لیکن ان کی جمع ایامنین اور صواحبات آتی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ
منتہی الجموع سے مراد جمع تکسیر ہے جو صیغہ میں تغیر پیدا کرتی ہے اور ایامنین یا صواحبات جمع تکسیر نہیں بلکہ جمع سلامت ہے اور جمع سالم کا آجانا منتہی
الجموع کے منافی نہیں۔ قولہ **وانما اشترطت**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جمع کیلئے منتہی الجموع کا صیغہ کیوں شرط ہے؟ شارح
نے جواب دیا کہ اس سے جمع تغیر سے محفوظ ہوجائیگی پس وہ منع صرف میں مؤثر ہوگی۔ قولہ **بغیر هاء**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے
کہ فوارہ فارھۃ کی جمع ہے جس کے آخر میں هاء ہے اور اس کے باوجود وہ غیر منصرف ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ شارح نے اسکے دو جواب دیئے ہیں
اول۔ یہ کہ هاء سے مراد وہ هاء ہے جو حالت وقف میں تاء سے بدلی ہوئی ہوتی ہے اور فوارہ کی هاء اصلی ہے یہ تاء سے بدلی ہوئی نہیں ہے
دوسرا جواب یہ کہ یہاں هاء سے مجازاً تائے تانیث مراد ہے جو بحالت وقف هاء ہوجاتی ہے اور فوارہ میں وہ ہاء نہیں جو تاء تھی۔ قولہ **وانما اشترط**:
یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جمع کے سبب بننے کیلئے یہ شرط کیوں ہے کہ اسکے آخر میں هاء نہ ہو؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ شرط اس
لئے ہے کہ جمع اگر هاء کے ساتھ ہو تو وہ مفرد کے ہم وزن ہوجائیگی مثلاً فرازنہ یہ جمع ہے فرزین یا فرزان بکسر فاء کی جو شطرنج کے وزیر کو کہتے ہیں یہ
کراھیۃ اور طواعیۃ کے وزن پر ہے اور یہ دونوں مفرد ہیں اور جو جمع مفرد کے وزن پر ہو اسکی جمعیت کی قوت میں ضعف آجاتا ہے جسکی وجہ سے وہ جمع
غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی۔ قولہ **ولاحاجۃ**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کے آخر میں جب یائے نسبت
لاحق ہوجائے تو وہ منصرف ہوجاتی ہے جیسے مدائنی لہذا اسکو خارج کرنے کیلئے بغیر یاء النسبۃ کی قید بھی ضروری تھی مصنف نے اسکو کیوں نہیں ذکر کیا؟

فعلم مماسبق ان صیغۃمنتھی الجموع علی قسمین احدھمامایکون بغیرھاء وثانیھمامایکون بھاء فاماما کان بغیرھاء فمتنع صرفہ لوجودشرط تاثیرھا کمساجدَمثال لمابعدالفہ حرفان و مصابیحَ مثال لمابعدالفہ ثلثۃُ احرف اوسطھاساکن و اَمّافَرَازِنۃ و امثالھامماھی علی صیغۃ منتھی الجموع مع الھاء فمنصرف لفوات شرط تاثیرالجمعیۃ وھو کونھابلاھاء و حضاجرُ علمًاللضبُعِ ھذاجواب سؤالٍ مقدرٍتقدیرہ ان حضاجرعلم جنسٍ للضبع یطلق علی الواحد و الکثیر کماان اُسامَۃَ علم جنسٍ للاسد فلاجمعیۃ فیہ و صیغۃمنتھی الجموع لیست من اسباب منع الصرف بل ھی شرطٌ للجمعیۃ فینبغی ان یکون منصرفالکنہ غیرمنصرف و تقریر الجواب ان حضاجرحال کونہ علمًاللضبع غیرمنصرف لاللجمعیۃالحالیۃ بل للجمعیۃ الاصلیۃ

پس ماسبق سے معلوم ہوا کہ صیغہ منتہی الجموع دوقسم پر ہے ایک وہ جوہاء کے بغیر ہودوسراوہ جوہاء کے ساتھ ہو پس وہ جوہاء کے بغیر ہے اسکامنصرف پڑھنا ممتنع ہے کیونکہ صیغہ منتہی الجموع کی تاثیرکی شرط موجود ہے (جیسے مساجد) یہ اس جمع کی مثال ہے جس کے الف کے بعددوحرف ہیں (اور مصابیح) یہ اس جمع کی مثال ہے جس کے الف کے بعدتین حرف ہیں اوردرمیان والاساکن ہے (اور بہرحال فرازنۃ) اوراس کے امثال جوکہ صیغہ منتہی الجموع مع الہاء کے قبیل سے ہیں (تو منصرف ہے) بوجہ نہ ہونے تاثیرجمعیت کی شرط کے اوروہ جمع کاہاء کے بغیرہوناہے (اورحضاجر بجوکاعلم ہونے کی حالت میں) یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تقریریہ ہے کہ حضاجرجنس ضبع کاعلم ہے جس کاواحداورجمع پراطلاق کیاجاتا ہے جس طرح کہ اُسامہ جنس اسدکاعلم ہے۔پس اس میں جمعیت نہیں ہے اورصیغہ منتہی الجموع اسباب منع صرف سے نہیں ہے بلکہ وہ جمعیت کیلئے شرط ہے لہٰذامناسب یہ ہے کہ حضاجرمنصرف ہولیکن وہ غیرمنصرف ہے۔جواب کی تقریریہ ہے کہ حضاجربجوکاعلم ہونے کی حالت میں (غیرمنصرف ہے) جمعیت حالیہ کی وجہ سے نہیں بلکہ جمعیت اصلیہ کی وجہ سے

شارح نے جواب دیا کہ مدائنی جیسے کلمہ کوقیدبڑھاکرخارج کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ مدائنی مفردمحض ہے نہ فی الحال جمع ہے اورنہ مآل کے اعتبار سے اورمدائن جومدینہ کی جمع ہے وہ دوسرالفظ ہے برخلاف فرازنۃ کے کہ وہ فرزین یافرزان بکسرفاء کی جمع ہے لہٰذااسکوخارج کرنے کیلئے بغیرحاء کی قیدضروری ہے قولہ **فعلم مماسبق**:پس ماسبق سے معلوم ہوا کہ منتہی الجموع کاصیغہ دوقسم پرہے ایک وہ جوہاء کے بغیرہوتا ہے دوسراوہ جوہاء کے ساتھ ہوتا ہے پس جوحاءتا کے بغیرہوتا ہے وہ غیرمنصرف ہے کیونکہ جمع کی تاثیرکی شرط اسمیں موجود ہے جیسے مساجدیہ اس جمع کی مثال ہے جس کے الف کے بعددوحرف ہیں اورمصابیح اس جمع کی مثال ہے جس کے الف کے بعدتین حرف ہیں اوردرمیان والاحرف ساکن ہے۔لیکن فرازنۃ اوراسکی مثل جمع منتہی الجموع کے وہ صیغے جن کے آخرمیں حاءہوتی ہے وہ منصرف ہیں کیونکہ انمیں تاثیرجمعیت کی شرط مفقود ہے جوبلاحاء ہے قولہ **حضاجر**:مصنف کایہ قول سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تقریریہ ہے کہ حضاجرجنس ضبع یعنی بجوکاعلم ہے جس کااطلاق واحداورکثیرپرکیاجاتا ہے جس طرح کہ لفظ اُسامہ علم جنس ہے شیرکا۔پس حضاجرمیں جمعیت نہیں البتہ اسمیں منتہی الجموع کاوزن ہے اورمنتہی الجموع کاوزن منع صرف

لانه منقول عن الجمع فانه كان في الاصل جمع حِضَجْرٍ بمعنى عظيم البطن سُمي به الضبع مبالغةً في عظم بطنها كانّ كل فردٍ منها جماعةٌ من هذا الجنس فالمعتبر في منع صرفه هو الجمعية الاصلية فان قلت لاحاجة في منع صرفه الى اعتبار الجمعية الاصلية فان فيه العلمية والتانيث لان الضبُع هي انثى الضِبْعان قلنا علميته غير مؤثرة والالكان بعد التنكير منصرفا او التانيث غير مسلّم لانه علم لجنس الضبع مذكرًا كان او مؤنثًا وانما اكتفى المصنف في التنبيه على اعتبار الجمعية الاصلية بهذا القول ولم يقل الجمع شرطه ان يكون في الاصل كما قال في الوصف لئلا يتوهم ان الجمعية كالوصف قد تكون اصليةً معتبرةً وقد تكون عارضةً غير معتبرةٍ وليس الامر كذلك اذ لا يتصور العروض في الجمعية

(کیونکہ وہ جمع سے منقول ہے) کیونکہ حضاجر اصل میں حضجر بمعنی عظیم البطن کی جمع ہے اوراس کے ساتھ بجو کا نام رکھا گیا اس کے پیٹ کے بڑے ہونے میں مبالغہ کی وجہ سے گویا کہ حضاجر کا ہر فرد اس جنس سے ایک جماعت ہے۔پس حضاجر کے غیر منصرف ہونے میں اسکی جمعیت اصلیہ معتبر ہے۔پس اگر تم کہو کہ حضاجر کے غیر منصرف ہونے کیلئے جمعیت اصلیہ کے اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں علمیت اور تانیث دو سبب موجود ہیں کیونکہ ضبع ضبعان کی مؤنث ہے تو ہم کہیں گے کہ حضاجر کی علمیت مؤثر نہیں ورنہ وہ تنکیر کے بعد منصرف ہو جائیگا اور تانیث مسلم نہیں کیونکہ وہ جنس ضبع کا علم ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔اور مصنف نے جمعیت اصلیہ کے اعتبار کرنے پر تنبیہ کرنے میں اپنے قول "لانہ منقول عن الجمع" پر اکتفاء کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ الجمع شرطہ ان یکون فی الاصل جس طرح کہ وصف میں کہا تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ جمعیت وصف کی مثل کبھی اصلیہ معتبرہ ہوتی ہے اور کبھی عارضہ غیر معتبرہ حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ جمعیت میں عروض متصور نہیں

کا سبب نہیں بلکہ وہ جمع کی شرط ہے لہٰذا حضاجر کو منصرف ہونا چاہئے حالانکہ وہ غیر منصرف ہے اسکی کیا وجہ ہے؟۔جواب کی تقریر یہ ہے کہ حضاجر بجو کا علم ہونے کی حالت میں غیر منصرف ہے جمعیت اصلیہ کی وجہ سے نہ کہ جمعیت حالیہ کی وجہ سے کیونکہ فی الحال وہ علم جنس ہے۔قولہ **لانـــه منقول عن الجمع**:یعنی **حضاجر** جمع سے منقول ہے اس لئے کہ اصل میں یہ **حضجر** بمعنی عظیم البطن کی جمع ہے پھر اسکو جمعیت سے نقل کر کے مبالغہ کے طور پر بجو کا علم بنا دیا گیا گویا کہ ہر فرد اس جنس یعنی عظیم البطن کا ایک جماعت ہے اس جنس کی پس حضاجر کے غیر منصرف ہونے میں اسکی جمعیت اصلیہ کا لحاظ کیا گیا ہے۔قولہ **فان قلت**:۔یہ سوال حضاجر کو جمع اصلی ماننے پر وارد ہوا ہے کہ **حضاجر** کو جمع ماننے کی حاجت نہیں اس لئے کہ اسمیں علمیت اور تانیث معنوی دو سبب موجود ہیں کیونکہ حضاجر ضبع کا علم ہے اور ضبع مؤنث ہے ضبعان کا تو حضاجر مؤنث کا علم ہوا۔شارح نے جواب دیا کہ حضاجر میں علمیت تو ہے لیکن وہ مؤثر نہیں ورنہ تنکیر کے بعد اسکو منصرف ہونا چاہئے جبکہ وہ غیر منصرف ہی رہتا ہے اور حضاجر میں تانیث مسلم نہیں کہ وہ جنس ضبع کا علم ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔قولہ **وانـــمـــا اکتـفـــی**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے جب **حضاجر** میں جمعیت اصلیہ معتبر ہے تو مصنف نے **لانه منقول عن الجمع** کہکر اسپر تنبیہ کی ہے لیکن صراحۃً یہ نہیں کہا **شرطه ان**

وسراویل جوابٌ عن سؤالٍ مقدرٍ تقدیرہ ان یقال قد تفصّیت عن الاشکال الوارد علی قاعدۃ الجمع بحضاجر بجعل الجمع اعم من ان یکون فی الحال او فی الاصل فما تقول فی سراویل فانہ اسم جنسٍ یطلق علی الواحد والکثیر ولا جمعیۃ فیہ لا فی الحال ولا فی الاصل فاجاب بانہ قد اختلف فی صرفہ ومنعہ منہ فھو اذا لم یُصرَف وھو الاکثر فی موارد الاستعمال فیرد بہ الاشکالُ علی قاعدۃ الجمع کما قلتَ فقد قیل فی التفصی عنہ انہ اسم اَعْجَمِی لیس بجمع لا فی الحال ولا فی الاصل حُمِلَ فی منع الصرف علی مُوَازِنہ ای علی مایوازنہ من الجموع العربیۃ کاناعیم ومصابیح فانہ فی حکمھا من حیث الوزن فھو وان لم یکن من قبیل الجمع حقیقۃ لکنہ من قبیلہ حکمًا فالجمعیۃ علی ھذا التقدیر اعم من ان تکون حقیقۃً او حکمًا فبناء ھذا الجواب علی تعمیم الجمعیۃ لا علی زیادۃ سبب آخر علی الاسباب التسعۃ وھو الحمل علی المُوازن

(اور سراویل) یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپنے جمع کے قاعدہ پر حضاجر کے ساتھ وارد ہونے والے اعتراض سے رہائی حاصل کر لی جمع کو فی الحال اور فی الاصل میں عام کرنے کی وجہ سے تو آپ سراویل کے متعلق کیا کہتے ہیں کہ وہ اسم جنس ہے واحد اور کثیر پر اطلاق کیا جاتا ہے اس میں جمعیت نہیں ہے نہ فی الحال اور نہ فی الاصل تو مصنف نے اسکا بایں طور جواب دیا کہ سراویل کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے پس وہ (جب غیر منصرف ہو اور یہی اکثر ہے) موارد استعمال میں تو اس سے جمع کے قاعدہ پر اعتراض وارد ہوگا جس طرح کہ آپنے کہا تو اس سوال سے خلاصی پانے کیلئے (کہا گیا ہے) کہ سراویل اسم (عجمی ہے) نہ فی الحال جمع ہے اور نہ فی الاصل (حمل کیا گیا ہے) منع صرف میں (اپنے ہم وزنوں پر) یعنی ان پر جو جموع عربیہ میں سے اس کے ہم وزن ہیں جیسے اناعیم اور مصابیح تو سراویل وزن کے اعتبار سے جموع عربیہ کے حکم میں ہے. پس سراویل اگر چہ حقیقۃ جمع کے قبیل سے نہیں ہے لیکن وہ حکما جمع کے قبیلہ سے ہے لہذا اس تقدیر پر جمعیت عام ہوگی کہ وہ حقیقۃ ہو یا حکما ہو. پس اس جواب کی بنیاد جمعیت کی تعمیم پر ہے اسباب تسعہ پر کسی سبب کے زیادہ ہونے پر نہیں اور وہ حمل علی الموازن ہے.

یکون فی الاصل جسطرح کہ وصف کے بیان میں فرمایا **شرطہ ان یکون فی الاصل** اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اگر **شرطہ ان یکون فی الاصل** فرماتے تو یہ وہم ہوتا کہ جمع کبھی اصلی اور معتبر ہوتی ہے اور کبھی عارضی اور غیر معتبر حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ جمعیت میں عروض متصور نہیں. قولہ **سراویل**: یہ مصنف کی طرف سے ان پر وارد کئے گئے ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ تم نے جمع کے قاعدہ پر **حضاجر** کے ساتھ کئے گئے اعتراض سے اسطرح رہائی حاصل کی کہ جمع عام ہے کہ وہ حالی ہو یا اصلی ہو اور **حضاجر** اصل میں جمع ہے لیکن **سراویل** کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں وہ تو اسم جنس ہے جس کا اطلاق واحد اور کثیر پر ہوتا ہے اور اسمیں جمعیت نہیں ہے نہ فی الحال اور نہ فی الاصل. پس مصنف نے اس کا جواب بایں طور دیا کہ **سراویل** کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے اور اکثر

وقیل هو اسم عَرَبِیٌّ لیس بجمع تحقیقًا لانه اسم جنسٍ یطلق علی الواحد والکثیر لکنه جَمْعُ سِرْوَالَۃٍ تقدیرًا وفرضًا فانه لما وجد غیر منصرف ومن قاعدتهم ان هذا الوزن بدون الجمعیة لم یمنع الصرف فُدِّرَ حفظًا لهذه القاعدة انه جمع سروالة فکأنه سُمِّیَ کل قطعةٍ من السراویل سروالةً ثم جُمِعَتْ سروالةٌ علی سراویل واذا صُرِفَ ای سراویل لعدم تحقق جمعیته تحقیقًا و الاصل فی الاسماء الصرفُ فلا اِشکالَ بالنقض به علی قاعدة الجمع لیحتاج الی التفصی عنه ونحو جَوَارٍ ای کل جمعٍ منقوص علی فواعلَ یائیًا کان اوواویًا کالجواری والدواعی رفعًا و جرًّا ای فی حالتی الرفع والجر

(اور کہا گیا ہے) کہ وہ اسم (عربی ہے) تحقیقی طور جمع نہیں ہے کیونکہ اسم جنس ہے جو واحد و کثیر پر اطلاق کیا جاتا ہے لیکن وہ (سروالة کی جمع ہے تقدیرا) اور فرضا کیونکہ سراویل جب غیر منصرف پایا گیا اور نحویوں کا قاعدہ ہے کہ یہ وزن جمعیت کے بغیر منصرف پڑھنے کو مانع نہیں ہے تو اس قاعدہ کی حفاظت کرنے کیلئے یہ فرض کرلیا گیا کہ وہ سروالة کی جمع ہے گویا کہ سراویل کے ہر ٹکڑے کا نام سروالة رکھا گیا پھر سروالة کو سراویل پر جمع لایا گیا (اور جب وہ منصرف پڑھا جائے) یعنی سراویل اس بنا پر کہ اسکی جمعیت تحقیقا ثابت نہیں اور اسماء میں اصل منصرف ہونا ہے (تو کوئی اشکال نہیں) سراویل کے ساتھ جمع کے قاعدہ پر نقض کا تا کہ اس سے چھٹکارہ پانے کی ضرورت ہو (اور جوار کی مثل) یعنی ہر جمع منقوص جو فواعل کے وزن پر ہو خواہ واوی ہو یا یائی جیسے الجواری اور الدواعی (رفع وجر میں) یعنی رفع اور جر کی دونوں حالتوں میں

مواضع استعمال میں اسکو غیر منصرف پڑھا گیا ہے جس سے جمع کے قاعدہ پر اعتراض مذکور عود کر آتا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ اس اعتراض سے خلاصی پانے میں بعض نے تو یہ کہا کہ **سراویل** اسم عجمی ہے نہ تو فی الحال جمع ہے اور نہ فی الاصل اور اسکے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسکو ان جموع عربیہ پر محمول کرلیا گیا ہے جو اس کے ہم وزن ہیں مثلا **اناعیم** اور **مصابیح**۔ پس **سراویل** اگرچہ جمع حقیقی نہیں ہے لیکن جمع حکمی کے قبیل سے ضرور ہے اس جواب کی بنیاد اس پر ہے کہ جمع میں تعمیم ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور سراویل جمع حکمی ہے اس جواب کی بنیاد ایک علت کے اضافہ پر نہیں جو حمل علی الموازن ہے۔ قولہ **وقیل عربی** :اور کہا گیا ہے کہ **سراویل** اسم عربی ہے یہ تحقیقا جمع نہیں کیونکہ یہ اسم جنس ہے واحد اور کثیر پر اطلاق کیا جاتا ہے لیکن یہ **سروالة** کی جمع ہے تقدیرا اور فرضا اس لئے کہ جب لفظ **سراویل** کلام عرب میں غیر منصرف پایا گیا اور نحات کا قاعدہ ہے کہ یہ وزن بغیر جمعیت کے اسم کو غیر منصرف نہیں بناتا تو اس قاعدہ کی حفاظت کرنے کیلئے یہ فرض کرلیا گیا کہ **سراویل سروالة** کی جمع ہے گویا کہ پاجامہ کے ہر ٹکڑے کا نام **سروالة** رکھ کر اسکو **سراویل** پر جمع لایا گیا۔ قولہ **واذا صرف**: اور **سراویل** کو جب منصرف پڑھا جائے اس لئے کہ یہ تحقیقا جمع نہیں ہے اور اسماء میں اصل منصرف ہونا ہے تو **سراویل** کے ساتھ جمع کے قاعدہ پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا کہ اس سے خلاصی پانے کی ضرورت پیش آئے۔ قولہ **ونحو جوار**: اس سے ہر وہ جمع منقوص مراد ہے جو فواعل کے وزن پر ہو خواہ یائی ہو جیسے **الجواری** جو **جارية** کی جمع ہے یا واوی ہو جیسے **الدواعی** جو **داعية** کی جمع ہے یہ جمع حالت رفع و جر میں **قاض** کی طرح ہے شارح نے **فی حالتی**

كقاضٍ اى حكمه حكم قاضٍ بحسب الصورة فى حذف الياء عنه وادخال التنوين عليه تقول جاء تُنى جورٍ ومررت بجوارٍ كماتقول جاء نى قاضٍ ومررت بقاضٍ وامّافى حالة النصب فالياء متحركة مفتوحة نحورايت جوارِى فلااشكال فى حالة النصب لان الاسم غير منصرفٍ للجمعية مع صيغة مُنتهى الجموع بخلاف حالتى الرفع والجر فانه قداختلف فيه فذهب بعضهم الى ان الاسم منصرف والتنوين فيه تنوين الصرف لان الاعلال المتعلق بجوهر الكلمة مقدم على منع الصرف الذى هو من احوال الكلمةبعدتمامهافاصل جوارٍفى قولك جاء تُنى جوارٍجَوارِى بالضم والتنوين بناء على ان الاصل فى الاسمِ الصرفُ فَبُنِىَ الاعلال على ماهوالاصل ثم اُسقِطت الضمةُ للثقل والياء لالتقاء الساكنين

(قاض کی مثل ہے) یعنی اسکا حکم صورت کے اعتبار سے اس سے یاء کے حذف کرنے اور اس پر تنوین داخل کرنے میں بعینہٖ قاضٍ کے حکم کی طرح ہے تم کہو گے جاءتنی جوارٍ ومررت بجوارٍ جس طرح کہ تم کہتے ہو جاءنی قاضٍ ومررت بقاضٍ اور بہرحال نصب کی حالت میں پس یاء متحرک مفتوح ہوگی جیسے رأیت جواریَ. پس حالت نصب میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ اسم غیر منصرف ہے جمعیت کی وجہ سے ہمراہ صیغہ منتہی الجموع کے بخلاف رفع اور جر کی دونوں حالتوں کے کیونکہ اس میں اختلاف کیا گیا ہے. پس بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ اسم جوارٍ منصرف ہے اور تنوین جو اس میں ہے وہ تنوین صرف ہے کیونکہ اعلال جو کلمہ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے وہ منع صرف سے مقدم ہے جو کلمہ کے احوال میں سے ہے اس کلمہ کے تمام ہونے کے بعد. پس تمہارے قول "جاءتنی جوارٍ" میں جوارٍ کی اصل جواریٌ تھی ضمہ اور تنوین کے ساتھ اس بناء پر کہ اصل اسم میں انصراف ہے. پس اعلال کی بنیاد اس پر رکھی گئی جو اصل ہے پھر ضمہ کو ثقل کی وجہ سے اور یاء کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا

الرفع والجر سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **رفعا** و **جرا** بنابر ظرفیت کے منصوب ہیں. قولہ **حكمه حكم قاضٍ**:. یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **جوارٍ** کو **قاضٍ** کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں کیونکہ تشبیہ کیلئے مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان مناسبت ضروری ہے جبکہ یہاں مناسبت مفقود ہے اس لئے کہ **جوار** جمع ہے اور **قاضٍ** مفرد ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہ تشبیہ صیغہ میں نہیں بلکہ حکم میں ہے یعنی **جوار** کا حکم **قاضٍ** کی طرح ہے یعنی بحسب صورت یاء کے حذف اور تنوین کے داخل ہونے میں **جوارٍ** **قاضٍ** کی طرح ہے لیکن حالت نصب میں **جوارٍ** **قاضٍ** کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ حالت نصب میں **قاضٍ** کے آخر میں یاء مفتوح منون ہوتی ہے جیسے **رأيت قاضيا** اور **جوار** کے آخر میں یاء مفتوح بلا تنوین ہوتی ہے جیسے **رأيت جوارى** لہٰذا حالت نصب میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ **رأيت جوارى** میں **جوارى** جمعیت اور منتہی الجموع کی شرط پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے بخلاف حالت رفع و جر کے کہ ان دو حالتوں میں تعلیل کی وجہ سے جمعیت میں فتور آ گیا اس لئے ان دو حالتوں میں جوارٍ کے غیر منصرف ہونے میں نحات کا اختلاف ہے. قولہ **فذهب بعضهم**:. یہاں بعض سے مراد زجاج نحوی ہے جسکے نزدیک **جوار** تعلیل سے قبل اور تعلیل کے بعد منصرف ہے اور اسمیں تنوین منصرف ہونے کی تنوین ہے کیونکہ تعلیل جو

فصار جوارٍ علی وزن سلامٍ و کلامٍ فلم یبقَ علی صیغة منتھی الجموع فھو بعد الاعلال ایضا منصرف والتنوین فیه للصرف کما کان قبل الاعلال کذلک وذھب بعضھم الی انه بعد الاعلال غیر منصرف لان فیه الجمعیة مع صیغة منتھی الجموع لان المحذوف بمنزلة المقدر ولھذا لایجری الاعرابُ علی الراء والتنوین فیه تنوینُ العوض فانه لما اُسقِطَ تنوینُ الصرف عُوِّض عن الیاء المحذوفة اوعن حرکتھا ھذا التنوین وعلی ھذا القیاس حالة الجر بلاتفاوتٍ وفی لغة بعض العرب اثباتُ الیاء فی حالة الجر کمافی حالة النصب تقول مررتُ بجوارِیَ کماتقول رایت جوارِیَ وبناء ھذه اللغة علی تقدیم منع الصرف علی الاعلال فانه حینئذٍ تکون الیاء مفتوحةً فی حالة الجر والفتحة خفیفة

توجوارٍ بروزن سلام اور کلام ہوگیا تو وہ منتہی الجموع کے صیغہ پر باقی نہ رہا لہٰذا وہ اعلال کے بعد بھی منصرف ہے اور تنوین اس میں تنوین صرف ہے جس طرح کہ قبل الاعلال تنوین صرف تھی، اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ جوارٍ اعلال کے بعد غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں جمعیت مع صیغہ منتہی الجموع موجود ہے اس لئے کہ محذوف بمنزلہ مقدر کے ہے اور اسی وجہ سے اعراب حرف راء پر جاری نہیں ہوتا اور اس میں تنوین برائے عوض ہے کیونکہ جب تنوین صرف ساقط کردی گئی تو یائے محذوفہ یا اسکی حرکت کے عوض اس تنوین کو لایا گیا اور اسی قیاس پر بلاتفریق حالت جر ہے اور بعض عربوں کی لغت میں حالت جر میں یاء کا اثبات ہے جس طرح کہ حالت نصب میں یاء کا اثبات ہے تم کہو گے مررت بجواریَ جس طرح کہ رأیت جواریَ کہتے ہو اور اس لغت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اعلال پر منع صرف مقدم ہے۔ لہٰذا حالت جر میں یاء مفتوح ہوگی اور فتحہ خفیف ہے۔

ذات کلمہ سے متعلق ہے وہ منع صرف پر مقدم ہے کیونکہ منع صرف احوال کلمہ سے ایک حال ہے جو ذات کے تمام ہونے کے بعد ہوتا ہے پس تیرے قول جاء تنی جوار میں جوار کی اصل **جواری** ضمہ اور تنوین کے ساتھ ہے اس بناء پر کہ اصل اسم میں انصراف ہے پھر اس اصل پر اعلال کی بنیاد رکھکر ضمہ کو ثقیل ہونے کی وجہ سے حذف کیا گیا اور یاء کو التقاء ساکنین کی وجہ سے تو **جوار** بروزن **سلام و کلام** ہوگیا اور اسمیں منتہی الجموع کا وزن باقی نہ رہا لہٰذا یہ اعلال کے بعد بھی منصرف ہے اور تنوین اسمیں تنوین صرف ہے۔ جسطرح کہ اعلال سے قبل **جوار** منصرف تھا قولہ **وذھب بعضھم**: یہاں سے شارح علیہ الرحمۃ سیبویہ اور خلیل کا مذھب بیان کررہے ہیں جن کے نزدیک **جوار** تعلیل کے بعد بھی غیر منصرف ہے اس لئے کہ اسمیں جمعیت اور وزن منتہی الجموع تعلیل کے بعد بھی باقی ہے کہ محذوف بمنزلہ مقدر کے ہوتا ہے پس **جوار** کی راء آخر کلمہ نہیں بلکہ آخر کلمہ یائے محذوفہ ہے جو بمنزلہ مقدر وملفوظ کے ہے یہی وجہ ہے کہ اعراب حرف راء پر جاری نہیں ہوتا اور تنوین اسکی تنوین عوض ہے جو تنوین صرف کے ساقط ہوجانے کے بعد یائے محذوفہ یا اسکی حرکت کے بدلے لائی گئی ہے قولہ **وفی لغة**: اور بعض عرب کی لغت میں **جوار** کے اندر حالت جر میں یاء کا اثبات آیا ہے جسطرح کہ حالت نصب میں یاء موجود ہے پس انکے نزدیک **مررت بجواری** میں یاء موجود ہے جیسے **رأیت جواری** میں موجود ہے اور اس لغت کی بنیاد اس امر پر ہے کہ اسم میں عدم صرف اعلال پر مقدم ہے لہٰذا حالت جر میں جواری کو فتح یاء بلاتنوین

لما وقع فیہ اعلال واما فی حالۃ الرفع فاصل جوارٍ جوارِیُ بالضمۃ بلا تنوین حذفت الضمۃ للثقل وعُوِّض عنہا التنوین فسَقَطتِ الیاء لالتقاء الساکنین فصار جوارٍ وعلیٰ ھذہ اللغۃ لا اعلالَ الا فی حالۃٍ واحدۃٍ بخلاف اللغۃ المشھورۃ فان فیہ الاعلالَ فی حالتین کما عرفتَ التر کیبُ وھو صیرورۃ کلمتین او اکثر کلمۃً واحدۃً من غیر حرفیۃ جزءٍ فلا یرد النجم وبَصْرِیٌّ علمین شرطہ العَلَمیۃ لیأمَنَ من الزوال فیحصل لہ قوۃٌ فیؤثر بہا فی منع الصرف وان لایکونَ باضافۃٍ لان الاضافۃ تُخرج المضافَ الی الصرف او الی حکمہ فکیف تؤثر فی المضاف الیہ مایضادہ اعنی منعَ الصرف ولا اِسنادٍ لان الاَعلام المشتملۃ علی الاسناد من قبیل المبنیات

پس اس میں تعلیل واقع نہیں ہوئی اور بہر حال حالت رفع میں تو جوارٍ کی اصل جواریٌ ضمہ کے ساتھ بغیر تنوین کے ہے ضمہ کو ثقل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور اس کے بدلے تنوین لائی گئی پھر یاء التقائے ساکنین کی وجہ سے ساقط ہوگئی تو جوارٍ ہوا اور اس لغت کے پیش نظر صرف ایک حالت میں اعلال ہے بخلاف لغت مشہورہ کے کہ اسمیں اعلال دو حالتوں میں ہے جس طرح کہ تم نے جان لیا (ترکیب) اور وہ دو یا زیادہ کلموں کا ایک ہونا ہے بغیر حرف ہونے کسی جز کے لہذا النجم اور بصریٌ کے ساتھ بحالت علمیت اعتراض وارد نہیں ہوگا (اس کی شرط علمیت ہے) تاکہ وہ ترکیب زوال سے محفوظ ہو جائے پس اس کے لئے قوت حاصل ہو جائیگی تو ترکیب اس قوت کی وجہ سے منع صرف میں اثر کرے گی (اور یہ کہ وہ اضافت کے ساتھ نہ ہو) اس لئے کہ اضافت مضاف کو منصرف یا منصرف کے حکم کی طرف لے جاتی ہے پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ترکیب مضاف الیہ میں منصرف کی ضد کا اثر کرے اس سے میری مراد غیر منصرف ہے (اور نہ اسناد کے ساتھ) کیونکہ اسناد پر مشتمل اعلام از قبیل مبنیات ہیں

پڑھا جائے گا اور چونکہ فتح خفیف ہے اس لئے حالت جر میں **جواری** میں تعلیل نہیں ہوگی لیکن حالت رفع میں یہ اصل میں جواریٌ بالضمہ بلا تنوین تھا پھر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور اسکے عوض تنوین لائی گئی تو یاء التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی جس کے بعد **جوارٍ** رہ گیا اس لغت کے پیش نظر جوارٍ میں صرف حالت رفع میں تعلیل ہوئی ہے لیکن لغت مشہورہ کی رو سے حالت رفع وجر دونوں میں تعلیل ہوئی ہے۔ قولہ **وھو صیرورۃ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **النجم بصری** اور **قائمۃ** میں سے کسی کو اگر علم بنا دیا جائے تو اسکو علمیت اور ترکیب کی وجہ سے غیر منصرف ہونا چاہئے حالانکہ یہ منصرف ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ مطلقاً ترکیب منع صرف کا سبب نہیں بلکہ ایسی ترکیب سبب ہے جسمیں اسم مرکب کا کوئی جز حرف نہ ہو اور **النجم** وغیرہ میں ایک جز حرف ہے اس لئے یہ ترکیب منع صرف کا سبب نہیں لہذا مذکورہ تینوں اسم منصرف ہیں قولہ **شرطہ العلمیۃ**: ترکیب کے سبب مؤثر ہونے کیلئے تین شرطیں ہیں، اول۔ یہ کہ اسم مرکب علم ہو تاکہ وہ ترکیب علمیت کی وجہ سے زوال سے محفوظ ہو جائے کیونکہ اعلام میں ممکن حد تک تغیر نہیں کیا جاتا پھر زوال سے محفوظ ہو جانے کے بعد اسمیں ایسی قوت آ جائیگی جسکی وجہ سے ترکیب سبب مؤثر بن جائے گی، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب اضافی نہ ہو کیونکہ اسم غیر منصرف اضافت کی وجہ سے منصرف یا منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے تو اضافت مضاف الیہ میں منصرف کی ضد یعنی اسم کو غیر منصرف بنانے کا فائدہ کیسے دے گی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ

نحو تأبط شرا فانها باقية في حالة العلمية على ما كانت عليها قبل العلمية فان التسمية بها انما هي لدلالتها على قصةٍ غريبةٍ فلو تطرّق اليها التغيُّر يمكن ان تفُوتَ تلك الدلالةُ واذا كانت من قبيل المبنيات فكيف يتصور فيها منعُ الصرف الذى هو من احكام المعربات فان قلت كان على المصنفؒ ان يقول وان لايكون الجزء الثانى من المركب صوتا ولا متضمنا لحرف العطف ليخرج مثل سيبويه ونفطوَيْه ومثل خمسة عشر وستة عشر عَلَمين قلنا كانّه اكتفى فى ذلك بما ذكره فيما بعد انهما من قبيل المبنيات واما الاعلام المشتملة على الاسناد فلم يَذْكُر بنائها اصلًا فلذلك احتاج الى اخراجها

جیسے تأبط شرا اس کیونکہ یہ اعلام بحالت علمیت اسی حالت میں باقی رہتے ہیں جس پر علمیت سے پہلے تھے کیونکہ ان اعلام کے ساتھ نام رکھنا قصہ غریبہ پر دلالت کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ پس اگر ان میں تبدیلی آئے تو ممکن ہے کہ وہ دلالت فوت ہو جائے۔ اور جب اعلام مشتمل برا سناد از قبیل مبنیات ہوئے تو ان میں منع صرف کیسے متصور ہوگا جو معربات کے احکام سے ہے پھر اگر تم کہو کہ مصنف پر ضروری تھا کہ وہ کہتا کہ مرکب کا جز ثانی صوت نہ ہو اور نہ کسی حرف عطف کو متضمن ہوتا کہ تعریف سے سیبویہ اور نفطویہ کی مثل اور خمسہ عشر اور ستہ عشر بحالت علمیت کی مثل خارج ہو جاتا تو ہم جواب دیں گے کہ مصنف نے گویا ان دو قیدوں کے ذکر نہ کرنے میں اس پر اکتفاء کیا ہے جو بعد میں بیان کریں گے کہ وہ دونوں ترکیب مبنیات کے قبیل سے ہیں اور بہر حال وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہیں تو انکے مبنی ہونے کا بالکل ذکر نہیں کیا لہٰذا ان کے اخراج کی ضرورت پیش آئی

ترکیب اسنادی نہ ہو کیونکہ اعلام مشتمل بر ترکیب اسنادی مبنی ہیں جیسے **تأبط شرا** جو قبل العلمیت جس طرح کہ مبنی تھا اسی طرح علمیت کے بعد بھی مبنی ہے اور اعلام اسنادیہ کا پہلی حالت میں باقی رہنا اور تغیر کو قبول نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ کسی عجیب و غریب قصہ پر دلالت کرتے ہیں اور تغیر سے اس دلالت کے فوت ہو جانے کا امکان ہے اس لئے ان میں تغیر نہیں کیا جاتا پس جب اعلام از قبیل مبنیات ہوئے تو انمیں منع صرف جو معرب کے احکام سے ہے کیسے متصور ہوگا۔ قولہ **فان قلت**: پس اگر تو کہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کو چاہیے تھا کہ یہ قید بھی لگاتا **وان لایکون الجزء الثانی من المرکب صوتا ولا متضمنا لحرف العطف** تاکہ **سیبویه** اور **نفطویه** کی مثل اور **خمسة عشر** اور **ستة عشر** کی مثل علمیت کی صورت میں خارج ہو جاتے۔ شارح فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہیں گے کہ ان دو کا ذکر چونکہ آرہا ہے کہ یہ از قبیل مبنیات ہیں اسپر اکتفاء کرتے ہوئے یہ قید نہیں بڑھائی اور اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوں چونکہ ان کا ذکر مبنیات میں نہیں آرہا اس لئے اعلام مشتملہ

قولہ **تأبط شرا**: اس کے معنی ہیں وہ شر کو بغل میں چھپالایا یہ جابر بن ثابت کا نام ہے اور یہ نام اس واقعہ کی وجہ سے ہوا کہ یہ شخص لکڑیوں کا گٹھا لے کر مکان پر آیا جب اسکی بیوی نے وہ گٹھا کھولا تو اس سے سانپ نکلا تب اس عورت نے تأبط شرا کہا پھر جب یہ واقعہ مشہور ہو گیا تو لوگوں نے اس شخص کو تأبط شرا کہنا شروع کر دیا اور اب ہر شریر شخص کو تأبط شرا کہا جاتا ہے (عبد) قولہ **سیبویه**: سیبویہ مرکب ہے جسکی جز ثانی ویہ صوت ہے اسی طرح نفطویہ میں نفطا ایک مشہور تیل کا نام ہے اور اسکی دوسری جز صوت ہے یعنی ویہ چونکہ یہ دونوں مرکب علم ہیں اس لئے شارح نے انکے علم ہونے کا ذکر نہیں کیا برخلاف خمسہ عشر اور ستہ عشر کے کہ وہ علم نہیں اس لئے شارح نے کہا کہ جب یہ کسی کا نام رکھ دئے جائیں تو یہ ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف نہیں ہونگے کیونکہ ان میں ترکیب کے سبب غیر منصرف بننے کی شرط نہیں پائی جا رہی۔ کہ جز ثانی صوت ہے

مثل بَعْلَبَکَّ فانه عَلَمٌ لبلدةٍ مرکب من بعلٍ هو اسم صنمٍ وبکٍّ وهو اسم صاحب هذه البلدة جُعِلا اسمًا واحدًا من غیر ان یقصد بینهما النسبة اضافیة او اسنادیة اوغیرُهما الالفُ والنون المعدودتان من اسباب منع الصرف تُسَمَّیان مزیدتَین لانهما من الحروف الزوائد وتُسَمَّیان مضارِعتین ایضا لمضارعتهما لالفَي التانیث فی منع دخول تاء التانیث علیهما وللنحاة خلاف فی ان سببیتَهما لمنع الصرف اِمّا لکونهما مزیدتین وفرعیتهما للمزید علیه واِمّا لمشابهتهما لالفَي التانیث والراجح هو القول الثانی

(جیسے بعلبک) یہ ایک شہر کا نام ہے جو بعل سے جو بت کا نام ہے اور بک سے جو اس شہر کے مالک کا نام ہے مرکب ہے (الف ونون) جو اسباب منع صرف سے شمار ہوتے ہیں وہ مزیدتین نام رکھے جاتے ہیں کیونکہ وہ دونوں حروف زوائد میں سے ہیں اور مضارعتین بھی نام رکھے جاتے ہیں کیونکہ وہ دونوں دو الف تانیث کے مشابہ ہیں ان پر تاء تانیث کے عدم دخول میں اور نحویوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ الف ونون کا منع صرف کیلئے سبب ہونا ان کے مزیدتین ہونے اور مزید علیہ کی فرع ہونے کی وجہ سے ہے یا تانیث کے دو الف کی مشابہت کی وجہ سے ہے اور راجح قول ثانی ہے

براسناد کے اخراج کی ضرورت پڑی اس لئے ولا اسناد کی قید بڑھائی۔ قولہ **مثل بعلبک**: یہ شہر کا نام ہے جو **بعل** اور **بک** سے مرکب ہے **بعل** ایک بت کا نام ہے جسے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی اور **بک** اس بت کے پجاری بادشاہ کا نام ہے ان دونوں کو ملا کر ایک نام کر دیا گیا بغیر قصد کرنے کسی نسبت اضافیہ وغیرہ کے۔ قولہ **الالف والنون**: شارح نے **المعدودتان** کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منع صرف کے تمام اسباب مصادر کے قبیل سے ہیں لیکن الف ونون مصدر نہیں ہیں کیونکہ یہ دو حرف کے نام ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ **الالف والنون** کا لام عہد خارجی کیلئے ہے جس سے وہ الف ونون مراد ہیں جو اسباب منع صرف میں شمار ہوتے ہیں اور وصف زیادت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اس اعتبار سے الف ونون بھی از قبیل مصادر واوصاف ہیں۔ قولہ **تسمیان**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ الف ونون کو مزیدتین اور مضارعتین کیوں کہتے ہیں؟ شارح نے جواب دیا کہ انکو مزیدتین اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حروف زوائد میں سے ہیں اور مضارعتین اس لئے کہتے ہیں کہ مضارع کا معنی ہے مشابہ اور یہ دونوں الف تانیث کے مشابہ ہیں اس بات میں کہ الف تانیث کی طرح انکے آخر میں تائے تانیث کا آنا ممنوع ہے۔ قولہ **وللنحاة خلاف**: یعنی نحویوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ الف ونون غیر منصرف کا سبب کیوں ہیں تو بعض کے نزدیک اسکی وجہ الف ونون کا زائدہ ہونا ہے کہ زائد مزید علیہ کی فرع ہے اور بعض دیگر کے نزدیک الف تانیث کے ساتھ انکی مشابہت انکے عدم انصراف کا سبب ہے اور یہی قول راجح ہے کیونکہ اس کے پیش نظر **ندمان** منصرف ہوگا کہ وہ تائے تانیث کو قبول کرتا ہے جیسے **ندمانة** لیکن قول اول کے پیش نظر **ندمان** الف ونون پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

قولہ **والراجح الثانی**: اگرچہ ظاہر یہ ہے کہ قول اول راجح ہو کیونکہ غیر منصرف کے سبب میں فرعیت ضروری ہے جبکہ قول اول کی رو سے اس میں فرعیت حقیقیہ ہے یعنی الف ونون مزید علیہ کی فرع ہے اور قول ثانی میں ان کے لئے فرعیت حکما ہے یعنی الف تانیث کی مشابہت کی وجہ سے ان میں بھی فرعیت ہوگی کہ وہ تذکیر کی فرع ہے لیکن مصنف کے قول "**فشرطه انتفاء فعلانة**" سے معلوم ہوتا ہے کہ ثانی راجح ہے کہ وہ دخول تاء سے مانع ہے جسطرح کہ الف تانیث دخول تاء سے مانع ہے۔

ثم انهما اِن کانتافی اسم یعنی بہ مایقابل الصفة فان الاسم المقابل للفعل والحرف اِمّاان لایدلّ علی ذات مّاأُوحِذ معہاصفةٌ من الصفات کرجلٍ وفرسٍ اویدل کاحمروضاربٍ ومضروبٍ فالاول یسمی اسماوالثانی صفةٌ فالمرادبالاسم المذکورھھناھوھذاالمعنی لاالاسم الشامل للاسم والصفة فشرطہٗ ای شرطُ الالف والنون فی منعھمامن الصرف وافرادُالضمیر باعتبارانھما سبب وحداوشرطُ ذلک الاسم فی امتناعہ من الصرف العَلَمِیَّةُ تحقیقاللزوم زیادتھمااو لیمتنع دخول التاء فیتحقق شبھھمابالفَي التانیث کعِمرانَ

پھروہ دونوں(اگراسم میں ہوں)اسم سے مصنف کی مرادمقابل صفت ہے کیونکہ اسم جوکہ فعل اورحرف کامقابل ہے یاتوکسی ایسی ذات پردلالت نہیں کریگاجس کے ساتھ صفات میں سے کوئی صفت ملحوظ ہوجیسے رجل اورفر یادلالت کرے گاجیسے احمراورضاربٌ اورمضروبٌ.پس پہلے کا نام اسم اوردوسرے کا صفت رکھاجاتاہے.پس یہاں پرجواسم مذکورہے اس سے مرادیہی معنی ہے وہ اسم مراد نہیں جواسم اورصفت کوشامل ہے(پس اس کی شرط)یعنی الف ونون کی شرط ان کے صرف سے روکنے میں اورضمیرکومفردلانااس لحاظ سے ہے کہ وہ دونوں ایک سبب ہیں یااس اسم کی شرط صرف سے ممتنع ہونے میں(علمیت ہے)ان کی زیادتی کے لزوم کومحقق کرنے کیلئے یااس لئے کہ ان پرتاء کادخول ممتنع ہوجائے اورالف تانیث کے ساتھ ان کی مشابہت متحقق ہوجائے(جیسے عمران

قولہ **یعنی بہ مایقابل** :.یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ نحات کی اصطلاح میں اسم اس کلمہ کانام ہے جومستقل معنی پردلالت کرےاورتین زمانوں میں سے کسی کے ساتھ مقترن نہ ہواورصفت کامعنی بھی یہی ہے.پس اوفی **صفة** کہکر مصنف کادونوں میں تقابل ٹھیرانا درست نہیں.شارح نے جواب دیاکہ یہاں اسم سے مرادمقابل صفت ہےاسم سے مرادمقابل فعل وحرف نہیں کیونکہ جواسم فعل وحرف کامقابل ہے اسکی دوقسمیں ہیں.قسم اول۔وہ اسم جوایسی ذات پردلالت نہ کرے جسمیں کوئی صفت ملحوظ ہوجیسے **رجل** اور**فرس**.قسم دوم۔وہ اسم جوایسی ذات پر دلالت کرے جسمیں کوئی صفت ملحوظ ہوجیسے **احمر،ضارب** اور**مضروب**.قسم اول کواسم کہتے ہیں اورقسم ثانی کوصفت اوریہاں اسم سے مراد اسم مقابل صفت ہے نہ کہ وہ جوفعل وحرف کامقابل ہےاوراسم ذات واسم صفت کوعام وشامل ہے.قولہ **فشرطه** :.چونکہ الف ونون دونوں مل کر ایک سبب ہیں اس لحاظ سے مصنف ضمیرمفردلائے ہیں یعنی الف ونون کی شرط منع صرف کاسبب بننے میں علمیت ہےاوریہ بھی ہوسکتاہے کہ شرط کی ضمیرمفردکامرجع وہ اسم ہوجسمیں الف ونون ہےاس صورت میں عبارت کے معنی ہوں گے کہ جس اسم میں الف ونون ہوں اس کے غیرمنصرف ہونے کی شرط علمیت ہےاوروجہ اشتراط یہ ہے کہ علمیت کی وجہ سے الف ونون اسم کولازم ہوجائیں گے کہ اعلام بقدرامکان تغیرسے محفوظ رہتے ہیں اورلزوم کے بعداسم کوغیرمنصرف بنانے میں موثرہونگے یاعلمیت شرط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسکی وجہ سے اس اسم کے آخرمیں تائے تانیث نہیں آئیگی جسکی وجہ سے الف ونون کی مشابہت الف تانیث کے ساتھ ثابت ومحقق ہوجائے گی جس مشابہت کی وجہ سے قول مختارمیں الف ونون غیر

لیکن قول اول دخول تاءسے مانع نہیں(عبد)قولہ **کعمران**:۔یہ مبتدامحذوف کی خبرہے یہ دوآدمیوں کانام ہے.١۔موسیٰ علیہ السلام کے والدکانام ٢۔حضرت مریم کے والدکا

او کانتافی صفۃٍ فانتفاء فعلانۃ ای ان کان الالف والنون فی صفۃٍ فشرطہ انتفاء فعلانۃ یعنی امتناع دخولِ تاء التانیث علیہ لیبقی مشابھتھما لالفَي التانیث علی حالھا ولذا انصرف عُریان مع انہ صفۃ لان مؤنثہ عریانۃ **وقیل شرطہ وُجُودُ فَعلی** لانہ متی کان مؤنثہ فعلی لایکون فعلانۃ فیبقی مشابھتھما لالفَي التانیث علی حالھا **ومِن ثَم** ای ومن اَجل المخالفۃ فی الشرط **اختُلِفَ فی رحمٰن** فی انہ منصرف اوغیرُ منصرفٍ فانہ لیس لہ مؤنث لارحمٰی ولا رَحمانۃٌ لانہ صفۃٌ خاصۃٌ للہ تعالی لایطلق علی غیرہ تعالی لاعلی مذکرٍ ولاعلی مؤنثٍ فعلی مذھب مَن شرط انتفاءَ فعلانۃ فھو غیر منصرف وعلی مذھب مَن شرط وجودَ فَعلی فھو منصرف

یا) وہ دونوں ہوں (صفت میں پس نہ ہونا فعلانہ کا) یعنی اگر الف ونون صفت میں ہوں تو اسکی شرط فعلانہ کا نہ ہونا ہے یعنی اس پر تائے تانیث کے دخول کا ممتنع ہونا ہے تاکہ الف تانیث کے ساتھ انکی مشابہت برقرار رہے اور اسی وجہ سے عُریان منصرف ہے باوجودیکہ وہ صفت ہے کیونکہ اس کی مؤنث عُریانہ ہے (اور کہا گیا ہے) کہ اسکی شرط (وجود فعلی ہے) کیونکہ جب مؤنث فعلی ہوگی تو فعلانہ نہیں ہوگی تو الف تانیث کے ساتھ الف ونون کی مشابہت برقرار رہے گی (اور اسی وجہ سے) یعنی شرط میں اختلاف کی وجہ سے (رحمٰن میں اختلاف کیا گیا ہے) اس بات میں کہ رحمٰن منصرف ہے یا غیر منصرف کیونکہ اس کی مؤنث نہیں ہے نہ رحمٰی اور نہ رحمانہ کیونکہ رحمٰن اللہ تعالی کی صفت خاصہ ہے اللہ تعالی کے غیر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا نہ مذکر پر اور نہ مؤنث پر لہذا اس کے مذھب کی بنا پر جس نے انتفاء فعلانہ کی شرط لگائی ۔پس رحمٰن غیر منصرف ہے اور اس کے مذھب پر جس نے وجود فعلی کی شرط لگائی ہے پس رحمٰن منصرف ہے

منصرف کا سبب ہیں قولہ **اوفی صفۃ**: یہ عبارت **فی اسم** پر معطوف ہے اور کلمہ او سے الف ونون کے دو حال کی طرف اشارہ ہے ۔اول ۔یہ کہ الف ونون اسم ذات میں ہوگا ۔دوم ۔یہ کہ اسم صفت میں ہوگا یعنی اگر الف ونون صفت میں ہو تو اسکی شرط **انتفاء فعلانۃ** ہے یہ فعلانہ علم اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے یعنی جس اسم صفت میں الف ونون ہے اسکی مؤنث **فعلانۃ** کے وزن پر نہ ہوتا کہ الف تانیث کے ساتھ اسکی مشابہت برقرار رہے پس **عریان** جو اسم صفت ہے اس شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے منصرف ہے کہ اسکی مؤنث **عریانۃ** آئی ہے ۔قولہ **وقیل**: اور کہا گیا ہے کہ جس اسم صفت میں الف ونون ہے اسکے غیر منصرف ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسکی مؤنث **فعلی** کے وزن پر ہو کیونکہ جب مؤنث **فعلی** کے وزن پر ہوگی تو **فعلانۃ** کے وزن پر نہیں ہوگی کہ اسم واحد کی مؤنث دو وزن پر نہیں آتی پس عدم تاء کی وجہ سے اسم صفت کی مشابہت الف تانیث کے ساتھ برقرار رہے گی اور اسی مخالفت فی الشرط کی وجہ سے **رحمٰن** کا منصرف ہونا اور غیر منصرف ہونا مختلف فیہ ہے کیونکہ **رحمٰن** اللہ تعالی کی صفت خاصہ ہے غیر باری تعالی پر اس کا اطلاق درست نہیں اس لئے **رحمٰن** کی مؤنث نہیں ہے نہ **رحمٰی** اور نہ **رحمانۃ** پس جن حضرات کے نزدیک انتفاء فعلانہ شرط ہے انکے نزدیک **رحمٰن** غیر منصرف ہے **لوجود الشرط فیہ** اور جن کے نزدیک مؤنث کا **فعلی** کے وزن پر ہونا ضروری ہے انکے نزدیک **رحمٰن** منصرف ہے کیونکہ اسکی مؤنث نہیں ہے اور جب رحمٰن کی مؤنث ہی نہیں تو فعلی کے وزن پر کس

دونَ سَکرانَ فانه لاخلاف فی منع صرفه لوجود الشرط علی المذهبین فان مؤنثه سَکرٰی لا سکرانةٌ ودون ندمان فانه لاخلاف فی صرفه لانتفاء الشرط علی المذهبین لان مؤنثه نَدمانةٌ لانَدمی هذا اذا کان ندمانٌ بمعنی الندیم و اما اذا کان بمعنی النادم فهو غیر منصرفٍ بالاتفاق لان مؤنثه نَدمی لا ندمانة وَزْنُ الفعل وهو کونُ الاسم علی وزنٍ یُعدمن اوزان الفعل وهذا القدر لایکفی فی سببیة منع الصرف بل شرطه فیها احد الامرین اما اَن یَختص فی اللغة العربیة

(نہ سکران) پس اس کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ دونوں مذہبوں پر اس میں غیر منصرف ہونے کی شرط موجود ہے کیونکہ اسکی مؤنث سکری ہے اور سکرانۃ نہیں ہے اور (نہ ندمان) کیونکہ اسکے منصرف ہونے میں اختلاف نہیں بوجہ منتفی ہونے شرط کے دونوں مذہبوں پر کیونکہ اسکی مؤنث ندمانۃ ہے ندمی نہیں ہے۔ یہ اسوقت ہے جبکہ ندمان بمعنی ندیم ہو بہرحال جب ندمان بمعنی نادم ہو تو وہ بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ اسکی مؤنث ندمی ہے ندمانۃ نہیں ہے (وزن فعل) اور وہ ہونا ہے اسم کا ایسے وزن پر جو اوزان فعل سے شمار ہوتا ہے اور صرف اس قدر وزن فعل کے سبب منع صرف ہونے کیلئے کافی نہیں بلکہ (اسکی شرط) منع صرف کے سبب ہونے میں دو امروں میں سے ایک ہے (یا مختص ہو وہ وزن) لغت عرب میں

طرح آجائیگی قولہ **دون سکران**: یعنی **سکران** بالاتفاق غیر منصرف ہے کیونکہ اسکی مؤنث **سکری** ہے اور **سکرانۃ** نہیں ہے اور **ندمان** بالاتفاق منصرف ہے اس لئے کہ اسکی مؤنث **ندمانۃ** ہے **ندمی** نہیں ہے لیکن **ندمان** کا بالاتفاق منصرف ہونا اس صورت میں ہے جبکہ وہ بمعنی **ندیم** یعنی مصاحب کے ہو اور اگر بمعنی **نادم** یعنی پشیمان ہو تو بالاتفاق غیر منصرف ہوگا کہ اسکی مؤنث **ندمی** ہے اور **ندمانۃ** نہیں ہے۔ قولہ **وھو کون الاسم**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ وزن فعل کو غیر منصرف کا سبب ماننا صحیح نہیں کیونکہ وزن فعل اسم کا وصف نہیں بلکہ فعل کا وصف ہے اور غیر منصرف کا سبب اسم کا وصف ہوتا ہے نہ کہ فعل کا۔ شارح نے جواب دیا کہ اصطلاح نحات میں وزن فعل کا معنی ہے **کون الاسم الخ** یعنی اسم کا ایسے وزن پر ہونا جو فعل کا وزن شمار کیا جاتا ہے اور وزن فعل کا یہ معنی اسم کی صفت ہے۔ قولہ **یعدمن اوزان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "**وزن الفعل**" مضاف باضافت لامیہ ہے اور اضافت لامیہ مفید تخصیص ہے اور یہ اضافت جب تخصیص کا فائدہ دے رہی ہے تو مصنف کا قول "**شرطہ ان یختص بہ**" مستدرک اور بلا فائدہ ہوا۔ شارح نے جواب دیا کہ وزن کی اضافت فعل کی طرف صرف یہ ظاہر کر رہی ہے کہ وہ اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کا وزن شمار کیا جاتا ہے چونکہ یہ امکان ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مختص نہ ہو اس لئے مصنف کو **شرطہ** کہنے کی ضرورت پیش آئی پھر صرف اس قدر کہنا کافی نہیں کہ اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کا وزن شمار کیا جاتا ہے بلکہ وزن فعل کے سبب منع صرف بننے کیلئے **احدالامرین** ضروری ہے امر اول یہ کہ وہ وزن لغت عرب میں فعل کے ساتھ خاص ہو۔

﴿فائدہ﴾ جس صفت کی مؤنث بروزن فعلیٰ آتی ہے وہ ہمیشہ مفتوح الفاء ہوتی ہے اور جسکی مؤنث بروزن فعلانۃ ہو وہ کبھی مضمومۃ الفاء ہوتی ہے جیسے عریان اور کبھی مفتوحۃ الفاء جیسے ندمان اور صفت کا صیغہ بکسر فاء نہیں آتا بخلاف اسم کے کہ وہ مثلث الفاء آتا ہے جیسے شعبان، عمران اور نعمان (تیسیر) قولہ **بمعنی الندیم**:۔ ندمان منصرف کہ بود از منادمہ۔ تانیہا او ستا بود مستیش عدیم۔ ور از عدم بود الف داں ہوشش۔ قابل بانصراف شدن ہست مستقیم ☆سوال☆ کتاب میں جو لفظ ندمان ہے یہ بطور علم آیا ہے لہٰذا اسکو الف نون اور علم کی وجہ سے غیر منصرف ہونا چاہیے مگر اس پر کسرہ مع التنوین پڑھا جاتا ہے یہ کیوں؟ ☆جواب☆ اس میں تنوین ... کی سے مشارکت کی وجہ سے ہے جو غیر

بہ ای بالفعل بمعنی انہ لایوجد فی الاسم العربی الامنقولا من الفعل کشمّر علی صیغة الماضی المعلوم من التشمیر فانہ نُقل من ھذہ الصیغة وجُعل عَلَمًا للفرسِ و کذلک بذّر لماءٍ وعَثّر لموضع وخَضّم لرجلٍ اَفعالٌ نُقلت الی الاسمیة واما نحو بَقّم اسما لصبغٍ معروفٍ وھو العَنْدَمُ وشَلّم علمًا لموضع بالشام فھو من الاسماء العجمیة المنقولة الی العربیة فلا یَقْدَح فی ذلک الاختصاص

(اس کے ساتھ) یعنی فعل کے ساتھ بایں معنی کہ وہ وزن اسم عربی میں نہ پایا جائے مگر فعل سے منقول ہو کر (جیسے شمّر) جو تشمیر سے صیغہ ماضی معلوم پر ہے کیونکہ یہ اس صیغہ سے منقول ہو کر گھوڑے کا علم بنا دیا گیا اور اسی طرح بذّر ہے جو کہ ایک پانی کا نام ہے اور عثّر جو کہ ایک جگہ کا نام ہے اور خضّم جو کہ ایک مرد کا نام ہے یہ تمام افعال ہیں جو اسمیت کی طرف منقول ہیں اور بہرحال بقّم جو ایک رنگ کا نام ہے اور وہ سرخ ہے اور شلّم جو ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے. پس یہ اسماء عجمی ہیں جو عربیت کی طرف منقول ہیں لہٰذا یہ اس اختصاص میں مانع نہیں

قولہ بمعنی انہ: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ وزن فعل کے سبب غیر منصرف ہونے کی یہ شرط صحیح نہیں ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مختص ہو کیونکہ جب فعل کے ساتھ مختص ہوگا تو اسم میں نہیں پایا جائیگا پھر وہ غیر منصرف کا سبب کیسے بنے گا جو اسم کی قسم ہے. شارح نے جواب دیا کہ فعل کے ساتھ مختص ہونے سے مراد یہ نہیں کہ اسم کے اندر پایا ہی نہ جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسم عربی کے اندر ابتداءً وہ وزن نہ پایا جائے ہاں فعل سے منقول ہو کر پایا جائے یعنی فعل کو اسم بنا لیا جائے تو پھر وہ وزن اسم میں بھی پایا جائے جیسے **شمّر** فعل ماضی معلوم ہے اسکو حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام کر دیا گیا تو فعل کا یہ وزن اسم میں پایا گیا اسی طرح **بذّر** بمعنی اسراف کیا کو ایک کنویں کا نام بنا دیا گیا اور **عثّر** بمعنی لغزش کھائی کو ایک بلند ٹیلے کیلئے نام کر دیا گیا اور **خضّم** بمعنی پیٹ بھر کھایا کو ایک مرد کا نام بنا دیا گیا یہ تمام کلمات افعال ہیں جو اسمیت کی جانب نقل کئے گئے ہیں. **قولہ واما نحو بقّم**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ وزن فعّل اسم میں ابتداءً بھی پایا جاتا ہے جیسے **بقّم** جو ایک مشہور رنگ کا نام ہے جو سرخ ہوتا ہے **شلّم** جو عبرانی زبان میں ملک شام کے ایک مقام یعنی بیت المقدس کا نام ہے لہٰذا یہ وزن فعل کے ساتھ مختص نہ رہا. شارح نے جواب دیا کہ مراد یہ ہے کہ وہ وزن ابتداءً اسم عربی میں نہ پایا جائے اور **بقّم یا شلّم** اسم عربی نہیں بلکہ یہ عجمی ہیں لہٰذا انکے ساتھ یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وزن فعّل فعل کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے. کیونکہ یہ عجمی ہیں لہٰذا اسم عجمی کے ساتھ اعتراض وارد نہیں ہوگا.

منصرف پر آتی ہے. **قولہ لایوجد فی الاسم العربی**: اوزان کی تین قسمیں ہیں ۱۔وہ وزن جو اسم کے ساتھ خاص ہے کہ اس وزن پر کوئی فعل نہیں آتا جیسے فَلس، فُلُس یہ وزن غیر منصرف کا سبب نہیں بنتا ۲۔وہ وزن جس پر اسم اور فعل دونوں آتے ہیں جیسے ضرب کہ اسکے وزن پر فرس ہے اور علم کہ اس کے وزن پر کتف ہے کیونکہ وزن میں آخری حرف کی حرکت نہیں دیکھی جاتی اور یہ قسم غیر منصرف کا سبب نہیں بنتی مگر جب اسکے اول حروف اتین میں سے کوئی حرف ہو اور تائے تانیث کو قبول نہ کرے جیسے احمر ۳۔وہ وزن جو فعل کے ساتھ خاص ہے اور کوئی اسم اس وزن پر نہیں آتا مگر فعل سے منقول ہو کر جیسے شمّر یہ وزن غیر منصرف کا سبب ہے. **قولہ کشمّر**: یہ حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا جو شمّر صیغہ ماضی سے نقل کیا گیا ہے اور یہ تشمیر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں متکبرانہ گذرنا چونکہ وہ گھوڑا بہت تیز چلا کرتا تھا اس لئے اسکو شمّر کہا جاتا تھا.

﴿فائدہ﴾ مصنف نے چند وجوہ **شمّر** کو مقدم کیا ہے ۱۔یہ معلوم ہے اور ضُرب مجہول ہے ۲۔یہ وزن مخصوص بالفعل ہے ۳۔**شمّر** بالفعل غیر منصرف ہے اور ضرب علم ہونے کے بعد ۴۔شمّر میں اسمیت محقق ہے اور ضرب میں مفروض ہے. شارح نے حجاج کا نام لینا پسند نہیں کیا اسلئے گھوڑے کی تعیین نہیں کی. کہ وہ کس کا گھوڑا ہے.

ومثل ضُرِبَ على البناء للمفعول اذا جعل علما لشخصٍ فانه ايضا غير منصرفٍ للعلمية ووزن الفعل وانما قيدنا بالبناء للمفعول فانه على البناء للفاعل غير مختص بالفعل ولم يذهب الى منع صرفه الا بعض النحاة او يكون غير مختصٍ ولكن يكون في اوّله اى في اول وزن الفعل او اول ماكان على وزن الفعل زيادةٌ اى زيادة حرفٍ او حرف زائد من حروف اَتين كزيادته اى مثل زيادةِ حرفٍ او حرفٍ زائد في اول الفعل غيرَ قابلٍ اى حالَ كونِ وزنِ الفعل او ماكان على وزنه غيرَ قابلٍ للتاء لانه يخرج الوزنُ بهذه التاء لاختصاصها بالاسم عن اوزان الفعل

(اور) جیسے (ضُرِبَ) مبنی للمفعول کی بنا پر جبکہ یہ کسی شخص کا نام بنا دیا جائے پس یہ بھی غیر منصرف ہے علیت اور وزن فعل کی وجہ سے اور ہم نے ضرب کو مبنی للمفعول کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ مبنی للفاعل ہونے کی بنا پر یہ وزن فعل کے ساتھ مختص نہیں اور اس کے غیر منصرف ہونے کی جانب صرف بعض نحوی گئے ہیں (یا ہو) غیر مختص بالفعل اور لیکن ہو (اس کے اول میں) یعنی وزن فعل کے اول میں یا اس اسم کے اول میں جو فعل کے وزن پر ہے (زیادت) یعنی کسی حرف کی زیادت یا حرف زائد حروف اتین سے مثل زیادت حرف یا حرف زائد کے فعل کے اول میں (نہ قبول کرنے والا) یعنی حال ہونے وزن فعل کے یا اس اسم کے جو فعل کے وزن پر ہے نہ قبول کرنے والا (تاء کو) کیونکہ تاء کے مختص بالاسم ہونے کی وجہ سے اس تاء کی وجہ سے وہ وزن اوزان فعل سے خارج ہوجائے گا

قولہ **ضرب**: شارح نے لفظ مثل شروع میں بڑھا کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **ضُرِب شَمّر** پر معطوف ہے جو کاف مثلیہ کا مدخول ہے اور یہ وزن فعل کی دوسری مثال ہے **ضُرِب** بصیغہ مجہول جب کسی کا علم بنا دیا جائے تو وہ بھی علیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔ اور ہم نے **ضُرِب** سے صیغہ مجہول اس لئے مراد لیا ہے کہ صیغہ معلوم یعنی **ضَرَبَ** بروزن فَعَلَ فعل کے ساتھ مختص نہیں بلکہ یہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے **فَرَس** اور **حَجَر**. کیونکہ وزن میں آخری حرکت نہیں دیکھی جاتی اور چونکہ صیغہ معلوم کے غیر منصرف ہونے کے تمام نحات قائل نہیں بلکہ بعض قائل ہیں اس لئے ہم نے **ضُرِبَ** کو مجہول کے ساتھ مقید کردیا ہے۔ قولہ **او یکون فی اولہ**: یہ امر ثانی کا بیان ہے یعنی اگر وہ وزن فعل کے ساتھ مختص نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس وزن کے اول میں یا اسم کے اول میں جو فعل کے وزن پر آیا ہو کسی حرف کی زیادتی ہو یا حروف اتین میں سے کوئی حرف زائد ہو اس زیادتی کی مثل جو فعل مضارع کے اول میں ہوتی ہے تا کہ فرعیت متحقق ہوجائے کہ مزید فرع ہوتا ہے مزید علیہ کا۔ شارح نے مصنف کے قول "**اولہ**" کی ضمیر مجرور کے دو مرجع ذکر کئے ہیں اول۔ وزن فعل یہ مرجع عنوان کتاب کے موافق ہے کہ کتاب میں عنوان **وزن الفعل** ہے۔ اور دوسرا مرجع باعتبار حقیقت کے ہے کہ حقیقۃً زیادتی اسم پر ہوتی ہے۔ قولہ **غیر قابل للتاء**: شارح نے **حال کون** کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول **غیر قابل للتاء** اس کے قول **اولہ** کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہو رہا ہے اور وہ یعنی وہ اسم جس کے اول میں حروف اتین میں سے کوئی ایک حرف ہو اور وہ تاء کو قبول نہ کرتا ہو کیونکہ تاء اسم کا خاصہ ہے جس کے لاحق ہونے سے وہ وزن اوزان فعل سے نکل جائے گا تو غیر منصرف کا سبب بھی نہ بن سکے گا۔

ولو قال غیر قابل للتاء قیاسًا و بالاعتبار الذی امتنع من الصرف لاجله لم یَرِدْ علیه اربع اذا سُمِّی به فان لحوق التاء به للتذکیر فلایکون قیاسًا و لا اسودُ فان مجیٔ التاء فی اسودةٍ للحیّة الانثی لیس باعتبار الوصف الاصلی الذی لاجله یمتنع من الصرف بل باعتبار غَلَبَة الاسمیة العارضیة ومن ثَم ای ومن اجل اشتراط علم قبول التاء امتنع احمر عن الصرف لوجود الزیادة المذکورة مع علم قبول التاء وَالصرَفَ یَعْمَل لقبوله التاء لمجی یعملةٍ للناقة القویة علی العمل والسیر

اور اگر مصنف غیر قابل للتاء قیاسا و بالاعتبار الذی امتنع من الصرف لاجلہ کہتا یعنی یہ کہتا کہ وہ وزن قیاسا تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی اس اعتبار سے تاء کو قبول کرنے والا ہو جس اعتبار سے وہ غیر منصرف ہے تو اَرْبَعٌ کے ساتھ جبکہ وہ کسی کا نام رکھدیا جائے اعتراض نہ پڑتا کیونکہ اس میں تاء کا لحوق تذکیر کیلئے ہے تو وہ قیاسا نہیں ہوگا اور نہ اَسْوَدْ کے ساتھ اعتراض ہوتا کیونکہ اَسْوَدۃ جو کہ مؤنث سانپ کا نام ہے اس میں تاء کا آنا وصف اصلی کے اعتبار سے نہیں جسکی وجہ سے وہ غیر منصرف ہے بلکہ اسمیت عارضہ کے غلبہ کی وجہ سے ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی عدم قبول تاء کی شرط کی وجہ سے (ممتنع ہے احمر) منصرف ہونے سے بوجہ موجود ہونے زیادت مذکورہ کے ہمراہ نہ قبول کرنے تاء کے (اور منصرف ہے یَعْمَل) اس کے تاء کو قبول کرنے کی وجہ سے کیونکہ یَعْمَلۃٌ اس اونٹنی کیلئے آیا ہے جو عمل اور سیر پر قوی ہو

قولہ **ولو قال**: اس عبارت میں شارح علیہ الرحمۃ ایک سوال پر تنبیہ فرما رہے ہیں وہ یہ کہ لفظ اربع اگر کسی کا نام رکھدیا جائے تو وہ بوجہ علمیت اور وزن فعل پائے جانے کے غیر منصرف ہوگا باوجود اس بات کے کہ وہ تاء کو قبول کرتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے **فخذ اربعة من الطير** پس اگر مصنف علیہ الرحمۃ **غیر قابل للتاء** کے بعد **قیاسا** بڑھا دیتے تو **اربع** کے ساتھ اعتراض نہ ہوتا کیونکہ اس کے آخر میں تاء خلاف قیاس برائے تذکیر ہے کہ اعداد میں تاء مذکر کیلئے آتی ہے. نیز **و بالاعتبار الخ** بڑھا دیتے تو اس قید کی وجہ سے **اَسْود** کے ساتھ اعتراض نہ پڑتا کیونکہ **اَسْود** کی مؤنث اگرچہ **اَسْوَدَۃٌ** ہے لیکن جس اعتبار سے **اسود** غیر منصرف ہے اس اعتبار سے وہ تاء کو قبول نہیں کرتا یعنی **اسود** وصفیت اصلیہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور وصفیت اصلیہ کی وجہ سے وہ قابل للتاء نہیں ہے کہ اس اعتبار سے اسکی مؤنث **سوداء** ہے بلکہ **اسود** علم ہو جانے کی وجہ سے تاء کو قبول کرتا ہے اور اسی اعتبار سے اسکی مؤنث **اسودۃ** آئی ہے لہذا یہ تاء **اسود** کے غیر منصرف ہونے سے مانع نہیں ہے

قولہ **ومن ثم**: مصنف کے اس قول میں کلمہ **من** برائے تعلیل ہے یعنی اسی عدم قبول تاء کی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے **احمر** غیر منصرف ہے اور اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے **یعمل** منصرف ہے کیونکہ اسکی مؤنث **یعملۃ** ہے چنانچہ اہل عرب ایسی اونٹنی کے متعلق جو عمل و سیر پر قوی ہو **ناقۃ یعملۃ** بولتے ہیں لہذا یعمل وزن فعل اور علمیت پائے جانے کے باوجود منصرف ہے لقبول التاء یعنی اسکی مؤنث تاء کو قبول کرتی ہے

قولہ ولو قال: صاحب سوال کا ملی نے شارح کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ مصنف نے اگرچہ ان قیود کا متن میں ذکر نہیں کیا لیکن مصنف کی مراد یہ قیود ہیں جنکو شارح نے ذکر کیا ہے اور مصنف کے انکو ذکر نہ کرنے کی وجہ انکی شہرت ہے اور جو مشہور و متعارف ہو اس کو ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس کی جانب اشارہ کافی ہوتا ہے اور متن کی عبارت میں ان قیود کی جانب اشارہ موجود ہے وہ یہ کہ التاء میں الف ولام عہد کا ہے اور خارج میں یہ قیود پہلے سے متعین ہیں جنکی طرف اشارہ ہے (کاملی)

وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ ای کل اسم غیر منصرف تکون فیہ علمیۃ مؤثرۃ فی منع الصرف بالسببیۃ المحضۃ او مع الشرطیۃ لسبب آخر واحترز بذلک عما تجامع الفی التانیث او صیغۃ منتھی الجموع فان کل واحدٍ منھما کافٍ فی منع الصرف لا تاثیر فیہ للعلمیۃ **اذا نُکِّرَ** بان یؤوّل العَلَم بواحدٍ من الجماعۃ المسماۃ بہ نحو ھذا زید ورایت زیدًا آخر فانہ ارید بہ المسمی بزید او یجعل عبارۃً عن الوصف المشتھر صاحبُہ بہ نحو قولھم لکل فرعونٍ موسیٰ ای لکل مبطلٍ مُحِقٌ

(اور جس میں علمیت مؤثرہ ہو) یعنی وہ اسم غیر منصرف کہ اس کے غیر منصرف ہونے میں علمیت مؤثرہ ہو سبب محض ہو کر یا سبب آخر کیلئے شرط ہو کر اور مصنف نے مؤثرۃ کے ساتھ اس علمیت سے احتراز کیا ہے جو تانیث کے دو الفوں یا صیغہ منتھی الجموع کے ساتھ جمع ہوتی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک منع صرف میں کافی ہے اس میں علمیت کی کوئی تاثیر نہیں ہے (جب نکرہ کر دیا جائے) اس طرح کہ علم کو مؤول کر دیا جائے اس جماعت میں سے کسی ایک کے ساتھ جو اس نام سے موسوم ہے جیسے ہٰذا زیدٌ ورأیت زیدًا آخر کیونکہ مثال مذکور میں زید سے مسمّٰی بہ زید مراد لیا گیا ہے یا وہ علم اس وصف سے عبارت کر دیا جائے جس وصف کے ساتھ صاحب علم مشہور ہو جیسے ان کا قول لِکُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوسیٰ یعنی ہر باطل پرست کے مقابلہ کیلئے حق پرست ہے

قولہ **وما فیہ علمیۃ**:۔ علل تسعہ کے بیان سے فارغ ہو کر مصنف علیہ الرحمۃ یہاں سے ایک ضابطہ کا افادہ فرماتے ہیں جسکے فقدان سے علل کی تاثیر جاتی رہتی ہے وہ ضابطہ یہ ہے کہ جس اسم میں علمیت مؤثرہ پائی جاتی ہو جب اسکو نکرہ کریں تو وہ منصرف ہو جائے گا اور علمیت کے مؤثرہ ہو کر پائے جانے کی دو صورتیں ہیں، اول۔ یہ کہ صرف ایک سبب کی حیثیت سے پائی جائے دوم۔ یہ کہ سبب آخر کیلئے شرط بھی ہو مصنف نے **مؤثرۃ** کی قید سے اس علمیت سے احتراز کیا ہے جو الف تانیث یا صیغہ منتھی الجموع کے ساتھ جمع ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک منع صرف کا سبب ہونے میں کافی ہے اور کسی میں بھی علمیت کی تاثیر نہیں ہوتی قولہ **بان یؤول العلم**:۔ شارح علیہ الرحمۃ یہاں سے علم کو نکرہ کرنے کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں، اول۔ یہ کہ علم کو اس نام کی جماعت میں سے کسی غیر معین فرد کی تاویل میں کر لیا جائے. جیسے **ھذا زید و رأیت زیدا آخر**:۔ اس میں اول زید تو معرفہ ہے اور دوسرا زید نکرہ ہے کیونکہ اس سے مراد مسمّٰی بزید ہے نہ کہ کوئی معین شخص اور اسکے نکرہ ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ **آخر** اس کی صفت ہے جو کہ نکرہ ہے. معرفہ کو نکرہ کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ علم بول کر صاحب علم کا وصف مشہور مراد لیا جائے جیسے اہل حق کا قول **لکل فرعون موسٰی** اسمیں فرعون سے مراد مبطل ہے کہ وہ ابطال حق میں مشہور تھا اور موسٰی سے مراد محق ہے کیونکہ آپ احقاق حق میں مشہور تھے۔

قولہ **ای کل اسم**:۔ شارح نے لفظ ما کی تفسیر کل اسم کے ساتھ کر کے اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول **ما فیہ** اگرچہ قضیہ مہملہ ہے جو قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے لیکن یہ علوم میں ذکر کیا گیا ہے اور قواعد علوم از قبیل کلیات ہوتے ہیں لہٰذا اس سے مراد کل اسم ہے اور فیہ کا متعلق یکون مقدر ہے ای کل اسم یکون فیہ (عبدالرحمٰن)

قولہ اذا نکر:۔ یہاں تنکیر سے حکمی تنکیر مراد ہے **ای جعل فی حکم النکرۃ** کیونکہ تاویل سے کوئی اسم حقیقۃً نکرہ نہیں ہو جاتا اس لئے کہ نکرہ حقیقی وہ ہے جو غیر معین کیلئے موضوع ہو اور جس سے مجازاً غیر معین مراد ہو وہ نکرہ حقیقی نہیں کیونکہ تعریف وتنکیر کا مدار وضع ہے استعمال نہیں جیسا کہ معرفہ اور نکرہ کی تعریف سے عیاں ہے۔

صرف لماتبیّن ای ظهر حین بین اسباب منع الصرف وشرائطها فیما سبق من انها ای العلمیة لاتجامع مؤثرة الامّا ای السبب الذی هی ای العلمیة شرط فیه وذلک فی التانیث بالتاء لفظا ومعنی والعجمة والترکیب والالف والنون المزیدتین فان کل واحد من هذه الاسباب الاربعة مشروط بالعلمیة الا العدل ووزن الفعل استثناء مما بقی من الاستثناء الاول ای لاتجامع غیر ماهی شرط فیه الا العدل ووزن الفعل فان العلمیة تجامعهما مؤثرة کما فی عمر واحمد ولیست شرطا فیهما کما فی ثلث واحمر

(تو منصرف ہو جاتا ہے بوجہ اس دلیل کے جو ظاہر ہو چکی) یعنی ماسبق میں جبکہ منع صرف کے اسباب اور ان کے شرائط بیان کئے تو ظاہر ہو چکا (یہ کہ وہ) یعنی علمیت (مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر اس کے ساتھ) یعنی اس سبب کے ساتھ کہ (وہ) یعنی علمیت (اس سبب میں شرط ہے) اور علمیت کا شرط ہونا تانیث بالتاء میں ہے خواہ وہ تاء لفظا ہو یا معنی اور عجمہ اور ترکیب اور الف ونون میں کیونکہ ان اسباب اربعہ میں سے ہر ایک علمیت سے مشروط ہے (سوائے عدل اور وزن فعل کے) یہ اس سے استثناء ہے جو باقی رہا پہلے استثناء سے یعنی وہ علمیت اس سبب کے سوا کہ جس میں وہ شرط ہے کسی دوسرے سبب کے ساتھ جمع نہیں ہوتی مگر عدل اور وزن فعل کہ علمیت ان دونوں کے ساتھ مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے جیسا کہ عُمر اور اَحمد میں حالانکہ علمیت عدل اور وزن فعل میں شرط نہیں ہے جیسا کہ ثلاث اور احمر میں

قولہ **لماتبین**:۔ اس عبارت میں ما موصولہ یا موصوفہ سے مراد دلیل ہے اور تبین بمعنی ظہر ہے اور یہاں سے مصنف تنکیر کے بعد اسم کے منصرف ہو جانے کی دلیل بیان کر رہے ہیں یعنی ماسبق میں جہاں منع صرف کے اسباب اور انکے شرائط بیان کئے گئے ہیں وہاں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر اس سبب میں جمع ہوتی ہے جسمیں علمیت شرط ہے مثلا تانیث بالتاء ہے خواہ لفظا ہو یا معنی اور عجمہ و ترکیب اور الف نون ان اسباب اربعہ میں علمیت شرط ہے تو یہ تمام نکرہ ہو جانے کے بعد منصرف ہو جائیں گے۔ قولہ **الا العدل**:۔ شارح نے اضافی عبارت **استثناء الخ** میں مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ عبارت متن میں خلل ہے۔ اس طرح کہ **الا ماھی شرط فیه** اور **الا العدل و وزن الفعل** یہ دو استثناء بغیر حرف عطف کے ایک مستثنیٰ منہ سے ہیں جو درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ اسجگہ ایک مستثنیٰ منہ سے دو استثناء نہیں بلکہ استثناء کی طرح مستثنیٰ منہ بھی دو ہیں پہلا استثناء جمیع اسباب وعلل سے ہے اور دوسرا باقی ماندہ سے۔ عبارت متن کا حاصل یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر جمع نہیں ہوتی مگر اس سبب کے ساتھ کہ علمیت اس سبب میں شرط ہے یعنی تانیث، عجمہ، ترکیب اور الف نون میں مؤثر ہو کر آتی ہے کہ اسباب اربعہ مشروط بالعلمیت ہیں۔ اس استثناء کے بعد الف تانیث، جمع، عدل، وصف اور وزن فعل باقی رہ گئے پھر دوسرے استثناء کے ساتھ باقی ماندہ سے عدل اور وزن فعل کا استثناء کیا کہ ان میں علمیت مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے جیسے عمر اور احمد میں مگر ان میں علمیت شرط نہیں جیسے ثلاث اور احمر میں علمیت نہیں ہے اگر شرط ہوتی تو یہ غیر منصرف نہ ہوئے حالانکہ ثلث عدل اور وصف کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور احمر وزن فعل اور وصف کی وجہ سے غیر منصرف ہے تو باقی تین سبب رہ گئے جن کے ساتھ علمیت مؤثر بن کر جمع نہیں ہوتی یعنی تانیث بالالف، جمع

وهما ای العدل ووزن الفعل متضادان لان الاسماء المعدولة بالاستقراء علی اوزان مخصوصة ليس شیٔ منها من اوزان الفعل المعتبر فی منع الصرف فلايكون معها ای لايوجد شیٔ من الامر الدائر بين مجموع هذين السببين وبين احدهما فقط الا احدهما فقط

(اور وہ دونوں) یعنی عدل اور وزن فعل (متضاد ہیں) کیونکہ اسماء معدولہ بالاستقراء اوزان مخصوصہ پر منحصر ہیں جن میں سے کوئی فعل کے ان اوزان میں سے نہیں ہے جو منع صرف میں معتبر ہیں (پس اس کے ساتھ نہیں ہوگا) یعنی علمیت کے ساتھ کوئی چیز نہیں پائی جائیگی اس امر سے جو ان سببوں کے مجموعہ اور دو سببوں میں سے صرف ایک کے درمیان دائر ہے (مگر ان دو میں سے ایک) صرف

اور وصف. قولہ **وهما متضادان**:۔ اور عدل و وزن فعل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں. یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے قول **مافيه علمية مؤثرة الخ** کے ساتھ جو ضابطہ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کسی اسم میں علمیت و عدل اور وزن فعل تینوں ایک ساتھ پائے جائیں پھر ایسے اسم کو جب نکرہ کیا جائے تو علمیت نکل جائے گی اور عدل و وزن فعل باقی رہیں گے پس وہ اسم غیر منصرف رہے گا جو ضابطہ مذکورہ کے منافی ہے. جواب کی تقریر یہ ہے کہ عدل اور وزن فعل متضاد ہیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اسماء معدولہ باستقراء وتتبع اوزان ستہ میں منحصر ہیں جنمیں سے کوئی فعل کے ان اوزان میں سے نہیں ہے جو منع صرف میں معتبر ہیں لہٰذا علمیت کے ساتھ ان میں سے کوئی ایک ہوگا یا عدل یا وزن فعل. قولہ **ای لايوجد**:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے اس تفسیر میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلمہ **لايكون** تامہ ہے بمعنی **لا يوجد** یعنی علمیت کے ساتھ عدل اور وزن فعل میں سے صرف ایک ہوگا اور **من الامر الدائر** سے ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ مصنف کا قول "**الا احدهما**" استثناء مفرغ ہے جسمیں مستثنیٰ منہ مقدر ہوتا ہے اور وہ تین حال سے خالی نہیں. اول۔ یہ کہ مستثنیٰ منہ احدھما ہو اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی **فلايكون معها احدهما الا احدهما** اور یہ استثناء الشئی من نفسہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے. دوم۔ یہ کہ مستثنیٰ منہ شئی من الاسباب ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو **فلايكون معها شئ من الاسباب الا احدهما** یعنی علمیت کے ساتھ کوئی سبب نہیں ہوگا مگر عدل اور وزن فعل میں سے ایک یہ بھی باطل ہے کیونکہ علمیت کے ساتھ تانیث وغیرہ جمع ہوتے ہیں. سوم۔ یہ کہ مستثنیٰ منہ عدل اور وزن فعل کا مجموعہ من حیث ھی مجموعہ ہو اب تقدیر عبارت یہ ہوگی **فلايكون معها مجموع العدل ووزن الفعل من حيث هو مجموع الا احدهما** یہ بھی باطل ہے کیونکہ استثناء کیلئے یہ شرط ہے کہ مستثنیٰ پر مستثنیٰ منہ صادق ہو جیسے جاءنی القوم الا زیدا میں زید پر قوم صادق ہے یا مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کا جز ہو جیسے اکلت الخبز الا ثلثہ میں ثلث خبز کا جز ہے اور یہاں نہ تو احدھما پر مجموعہ من حیث مجموعہ صادق ہے اور نہ ہی احدھما مجموعہ کا جز ہے کیونکہ جز معین ہوتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ مستثنیٰ منہ ایک ایسا مفہوم ہے جو کہ درمیان مجموعہ عدل و وزن فعل اور درمیان احدھما کے مردود ہے. یعنی مستثنیٰ منہ نہ دونوں سبب کا مجموعہ ہے اور نہ دو میں سے ایک بلکہ ان دونوں سے عام ہے جو دونوں کو شامل ہے اور وہ بقرینہ سابق **غير ماهی شرط فيه** ہے تقدیر عبارت اسطرح ہوگی **فلايكون معها غير ماهی شرط فيه الا احدهما** یعنی جس سبب میں علمیت شرط ہے اس کے غیر میں نہیں پائی جائیگی مگر عدل اور وزن فعل میں سے ایک کے ساتھ اور **غير ماهی شرط فيه** دونوں سبب کے

☆ فائدہ ☆ علم اور وصف میں مفہوم کے اعتبار سے تضاد ہے لیکن عدل اور وزن فعل میں تضاد اس اعتبار سے ہے کہ کلام عرب میں ایسا کلمہ نہیں جسمیں یہ دونوں موجود ہوں۔

لا مجموعهما فاذا نکر غیر المنصرف الذی احد اسبابه العلمیة بقی بلا سبب ای لم یبق فیه سبب من حیث هو سبب فیما هی شرط فیه من الاسباب الاربعة المذکورة لانه قد انتفی احد السببین الذی هو العلمیة بهذا انتهاو السبب الآخر المشروط بالعلمیة من حیث وصف سببیته فلا یبقی فیه سبب من حیث هو سبب او علی سبب واحد فیما هی لیست بشرط فیه من العدل و وزن الفعل هذا وقد قیل علی قوله وهما متضادان انّ إصمِت بکسرتین علما للمفازة

نہ کہ دونوں کا مجموعہ (پس جب نکرہ کیا جائیگا) اس غیر منصرف کو کہ جس کے اسباب میں سے ایک سبب علمیت ہے (تو وہ بلا سبب باقی رہے گا) یعنی اس غیر منصرف میں کوئی سبب اس حیثیت سے باقی نہیں رہے گا کہ وہ سبب ہے جہاں علمیت شرط ہے اسباب اربعہ مذکورہ میں سے کیونکہ دو سببوں میں سے ایک سبب جو کہ علمیت ہے جب اسکی ذات منتفی ہوگئی اور دوسرا سبب جو مشروط بالعلمیت ہے وصف سببیت کے اعتبار سے منتفی ہوگیا تو اس اسم میں کوئی سبب من حیث السبب باقی نہ رہا (یا ایک سبب پر) اس مقام میں کہ جس میں علمیت شرط نہیں عدل اور وزن فعل سے اسے لے لو اور مصنف کے قول "وھما متضادان" پر اعتراض کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اِصمِت ہمزہ اور میم کی زیر کے ساتھ جنگل کا علم ہونے کی حالت میں

مجموعہ پر بھی صادق آتا ہے اور دو میں سے ایک پر بھی قولہ **فاذا نکر**:۔ یعنی جس اسم غیر منصرف میں علمیت شرط ہے وہ نکرہ کر دینے سے بغیر سبب کے رہ جائے گا یعنی اسمیں کوئی سبب اس اعتبار سے باقی نہیں رہے گا کہ وہ یہاں سبب ہے۔ قولہ **ای لم یبق فیہ سبب**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "**فاذا نکر بقی بلا سبب**" صحیح نہیں کیونکہ **طلحة** میں علمیت سبب ہے اور دوسرے سبب یعنی تانیث کیلئے شرط بھی ہے لیکن نکرہ ہونے کے بعد اسمیں تانیث باقی رہ جاتی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ تنکیر کے بعد بلا سبب رہ جانے سے مراد یہ ہے کہ سبب **من حیث السبب** باقی نہیں رہے گا یہ مراد نہیں کہ سبب کی ذات باقی نہیں رہے گی پس **طلحة** میں تنکیر کے بعد ذات تانیث موجود ہے مگر علمیت کے چلے جانے کی وجہ سے وہ تانیث غیر منصرف کا سبب مؤثر نہیں بنتی قولہ **لانہ قد انتفی**:۔ اس عبارت میں شارح نے اپنے قول **لم یبق** کی دلیل بیان کی ہے کہ تنکیر سے احد السببین یعنی علمیت تو بذاتہا چلی جائے گی اور دوسرا سبب جو مشروط بالعلمیت ہے وہ اپنی وصف سببیت کے اعتبار سے چلا جائے گا پس اس اسم میں کوئی سبب من حیث السبب نہیں رہے گا۔ قولہ **او علی سبب واحد**:۔ یعنی جہاں علمیت شرط بن کر مؤثر نہیں ہوگی بلکہ محض ایک سبب بنکر مؤثر ہوگی وہ اسم تنکیر کے بعد ایک سبب پر باقی رہ جائے گا مثلاً **عمر** میں تنکیر کے بعد عدل باقی رہ جائے گا اور **احمد** میں وزن فعل۔ **ھذا ای خذ ھذا** یعنی اسے محفوظ کر لو قولہ **وقد قیل**:۔ یہ مصنف کے قول **وھما متضادان** پر اعتراض ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ **اِصمِت** بکسرتین جو کسی جنگل کا نام ہے اوزان فعل میں سے ہے اسمیں عدل بھی ہے کیونکہ اس کا اصلی صیغہ جو قیاس کے مطابق ہونا چاہئے وہ **اُصمُت** بروزن اُنصُرْ ہے اور اِصمِت بکسرتین اس سے معدول ہے لہٰذا یہ غلط ٹھہرا کہ عدل اور وزن فعل ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اِصمِت بکسرتین کا اُصمُت بضمتین سے معدول ہونا یقینی بات نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ صَمَتَ یَصْمِتُ بروزن ضرب یضرب سے آیا ہو جس کا امر اِصمِت بروزن اِضرب ہو لیکن یہ باب مشہور نہ ہوا ہو لہٰذا **اِصمِت** میں اجتماع ضدین ثابت نہیں ہوتا اور جن اوزان میں عدل تحقیقی یا تقدیری ہے وہ وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ جب اصمت میں عدل متحقق نہ ہوا تو اعتراض باطل ہوا۔

من اوزان الفعل مع وجود العدل فيه فانه امر من صَمَتَ يَصمُتُ وقياسه ان يجي بضمتين فلما جاء بكسرتين عُلم انه معدول عنهٗ والجواب ان هذا امر غير محقق لجواز ورود اِصمِت بكسرتين وان لم يشتهر فالاوزان التي تحقق فيها العدل تحقيقا كان او تقديرا لم تجامع وزن الفعل وايضا قدعرفت فيما تقدم ان مجرد وجود اصل محقق لايكفي في اعتبار العدل التحقيقي بدون اقتضاء منع الصرف اياه واعتبار خروج الصيغة عن ذلك الاصل وههنا لا يقتضيه لوجود السببين في اِصمِت وراء العدل وهما العلمية والتانيث ثم انه اشار الى استثناء مثل احمر علما اذا نكر عن هذه القاعدة على قول سيبويه بقوله وخالف سيبويه الاخفش المشهور هو ابو الحسن تلميذ سيبويه

فعل کے اوزان میں سے ہے باوجودیکہ اس میں عدل ہے کیونکہ یہ صَمَتَ یَصْمُتُ کا امر ہے اور اس کا قیاس یہ ہے کہ ضمتین کے ساتھ ہو پس جب اِصْمِتْ کسرتین کے ساتھ آیا تو معلوم ہوا کہ یہ اُصْمُتْ بضمتین سے معدول ہے اور جواب یہ ہے کہ یہ امر غیر محقق ہے کیونکہ اِصْمِتْ کا کسرتین کے ساتھ وارد ہونا جائز ہے اگرچہ مشہور نہیں۔ پس وہ اوزان کہ جن میں عدل محقق ہے تحقیقا ہو یا تقدیرا وہ وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ اور تم نے ماسبق سے یہ بھی جان لیا کہ محض اصل محقق کا موجود ہونا عدل تحقیقی کے اعتبار کرنے کیلئے کافی نہیں منع صرف کے عدل کا تقاضا کئے بغیر اور اس اصل سے صیغہ کے خروج کا اعتبار کئے بغیر اور یہاں اِصمِت عدل کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اس میں عدل کے علاوہ دو سبب موجود ہیں اور وہ علمیت اور تانیث ہیں پھر مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مثل احمر کو بحالت علم جب نکرہ کردیا جائے تو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اپنے اس قول کے ساتھ (اور سیبویہ نے اخفش کی مخالفت کی) اخفش مشہور وہ ابوالحسن سیبویہ کا شاگرد ہے

قولہ **وایضاقدعرفت**:۔ یہ اعتراض سابق کا دوسرا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ **اصمت** بروزن اضرب کا اصلی صیغہ **اُصْمُتْ** بروزن انصر ہے تو محض اصلی صیغہ کا پایا جانا اعتبار عدل کیلئے کافی نہیں بغیر اقتضاء منع صرف کے اسکو اور بغیر اعتبار کرنے صیغہ کے خروج کے اپنے اصل سے جیسا کہ عدل کی بحث میں گذرا۔ اور یہاں **اصمت** بکسرتین کا عدم انصراف عدل کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اسمیں عدل کے بغیر دو سبب موجود ہیں جو اس کے غیر منصرف ہونے کو چاہتے ہیں ایک علمیت اور دوم تانیث معنوی قولہ **ثم انہ اشار**:۔ یہ عبارت مصنف کے آئندہ قول کیلئے تمہید ہے اور اسمیں آئندہ قول کا منشاء مقصد بیان ہورہا ہے یعنی **خالف سیبویہ الاخفش** سے مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مثل احمر بحالت علمیت جب نکرہ کردیا جائے تو سیبویہ کے قول کے مطابق وہ قاعدہ مذکورہ سے مستثنیٰ ہے یعنی **مثل احمر** تنکیر کے بعد منصرف نہیں ہوگا قولہ **المشهور**:۔ یہ **الاخفش** کی صفت واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ چونکہ اخفش نام کے تین شخص گذرے ہیں ا۔ سیبویہ کا استاذ جسکی کنیت ابوالخطاب ہے۔ ۲۔ سیبویہ کا شاگرد جسکی کنیت ابوالحسن ہے اور نام سعید ہے۔ ۳۔ سیبویہ کا ہم عصر ابوالحسن علی بن سلیمان اور انمیں سے زیادہ مشہور سیبویہ کا شاگرد ہے اس لئے شارح نے تعیین کردی ہے کہ یہاں اخفش سے مراد سیبویہ کا شاگرد ہے۔ نہ کوئی دوسرا

ولما كان قول التلميذ اظهر مع موافقته لما ذكره من القاعدة جعله اصلا واسند المخالفة الى الاستاذ وان كان غير مستحسن تنبيها على ذلك في الانصراف مثل احمر علما اذا نكر والمراد بمثل احمر ما كان معنى الوصفية فيه قبل العلمية ظاهرا غير خفي فيدخل فيه سكران وامثاله

اور جبکہ شاگرد کا قول اظہر تھا ہمراہ موافق ہونے اس قول کے اس قاعدہ کے جسے مصنف نے ذکر کیا تو مصنف نے اخفش کے قول کو اصل قرار دیا اور مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کردی اگرچہ یہ مستحسن نہیں ہے تنبیہ کرنے کیلئے اسی اظہر ہونے پر منصرف ہونے (میں مثل احمر کے بحالت علم جبکہ نکرہ کردیا جائے) اور مثل احمر سے مراد وہ اسم ہے جس میں معنی وصفیت قبل العلمیہ ظاہر ہو پوشیدہ نہ ہو پس مثل احمر میں سکران اور اسکے امثال داخل

قولہ **ولما كان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب اخفش سے مراد یہاں سیبویہ کا شاگرد ہے جسکی کنیت ابوالحسن ہے اور نام سعید ہے اور استاذ کی طرف مخالفت کی نسبت ناپسندیدہ ہے تو مصنف نے ایسا کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ شاگرد کا قول استاذ کے قول سے اظہر تھا اور قاعدہ مذکور **وما فيه علمية مؤثرة اذا نكر صرف** کے موافق بھی تھا اس لئے شاگرد کے قول کو اصل ٹھیرا کر مخالفت کی نسبت استاذ کی طرف کردی گئی ہے۔ اگرچہ یہ نسبت مستحسن نہیں مگر شاگرد کے قول کے قوی ہونے پر تنبیہ کرنے کیلئے یہ نسبت کردی گئی ہے۔ یعنی مقتضی ظاہر اگرچہ یہی ہے کہ مخالفت کی نسبت شاگرد کی جانب کی جائے لیکن بیان نکتہ کیلئے مقتضی ظاہر کے خلاف کیا گیا ہے یعنی سیبویہ نے اخفش کی مخالفت کی قولہ **في الانصراف**:۔ شارح نے اس عبارت کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **مثل احمر** کے وجود میں تو کسی کو اختلاف نہیں لہذا مصنف کا قول **خالف الخ** صحیح نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ **مثل احمر** کے وجود یا عدم کی بحث نہیں ہو رہی بلکہ اس کے انصراف یا عدم انصراف کی بحث ہے یعنی سیبویہ نے اخفش کی مخالفت کی اور کہا کہ **مثل احمر** درانحالیکہ علم ہے یہ تنکیر کے بعد بھی غیر منصرف رہتا ہے۔ قولہ **والمراد بمثل احمر**:۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ سیبویہ اور اخفش کے درمیان اختلاف جسطرح **احمر** میں ہے اسی طرح **سكران** میں بھی ہے تو مصنف نے **سكران** کو کیوں نہیں ذکر کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ **مثل احمر** سے مراد ہر وہ اسم ہے جسمیں علمیت سے پہلے وصفی معنی ظاہر ہوں پوشیدہ نہ ہوں پس **مثل احمر** میں **سكران** اور **عطشان** وغیرہ داخل ہو جائیں گے یعنی سیبویہ کے نزدیک **احمر** جو وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے وہ تنکیر کے بعد بھی غیر منصرف ہی رہے گا اسی طرح **سكران** جو الف نون اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے وہ تنکیر کے بعد بھی غیر منصرف رہے گا۔

☆سوال☆ مخالفت کی نسبت استاذ یا شاگرد کی طرف کرنا معیوب نہیں کیونکہ کتب فقہ میں موجود ہے قال ابوحنیفۃ کذا خلافا لابی یوسف وقال ابو یوسف کذا خلافا لابی حنیفۃ لہذا یہ کہنا کہ استاذ کی طرف مخالفت کی نسبت کرنا غیر مستحسن ہے صحیح نہ ہوا جواب یہ ہے کہ شارح کا جواب تنزل پر مبنی ہے اسی وجہ سے ان وصلیہ کے ساتھ وان کان غیر مستحسن فرمایا ہے (عبید) ☆سوال☆ کافیہ کی عبارت میں اگر اخفش کو فاعل مان لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے ☆جواب☆ مصنف کا قول **اعتبارا** مفعول لہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مفعول لہ کا جو فاعل ہوتا ہے وہی اس فعل کا فاعل بھی ہوتا ہے کہ جو فعل اس مفعول لہ کو نصب کرنے والا ہو لہذا اعتبارا کا جو فاعل ہے وہی خالف کا بھی فاعل ہے اور اسمیں شک نہیں کہ صفت اصلیہ کا اعتبار کرنے والا سیبویہ ہے تو وہی سیبویہ خالف کا بھی فاعل ہے اسلئے یہاں اخفش کو فاعل ماننا صحیح نہیں (جواہر) قولہ **مثل احمر علما**:۔ مصنف کا قول **علما** **احمر** سے حال ہے کیونکہ احمر مماثلت کا مفعول ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے فیما یماثل احمر علما اور معنی مماثلت حال میں عامل ہے مخالف حال نہیں کہ سیبویہ کا اختلاف حالت علمیت میں نہیں بلکہ حالت تنکیر میں ہے۔ یا علما مثل احمر سے تمیز ہے اور اصل عبارت اسطرح ہے خالف فیہ من حیث العلم لا من حیث الوزن

ویخرج عنه افعل التاکید نحو اجمع فانه منصرف عند التنکیر بالاتفاق لضعف معنی الوصفیة فیه قبل العلمیة لکونه بمعنی کل وکذلک افعل التفضیل المجرد عن من التفضیلیة فانه بعد التنکیر منصرف بالاتفاق لضعف معنی الوصفیة فیه حتی صار افعل اسماً وان کان معه مِن فلا ینصرف بلا خلاف لظهور معنی الوصفیة فیه بسبب من التفضیلیة اعتباراً للصفة الاصلیة ای انما خالف سیبویه الاخفش لاجل اعتباره الوصفیة الاصلیة بعد التنکیر فانه لما زال العلمیة بالتنکیر لم یبق فیه مانع من اعتبار الوصفیة فاعتبرها وجعله غیر منصرف للصفة الاصلیة وسبب آخر کوزن الفعل والالف والنون المزیدتین

ہو جائیں گے اور تاکید کا افعل خارج ہو جائیگا جیسے اجمع کیونکہ یہ تنکیر کے وقت بالاتفاق منصرف ہے اس لئے کہ اس میں علمیت سے قبل وصفیت کا معنی ضعیف ہے کہ وہ کل کے معنی میں ہے اور اسی طرح افعل تفضیل جو کہ من تفضیلیہ سے خالی ہو وہ بھی خارج ہو جائے کیونکہ وہ تنکیر کے بعد بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اس میں وصفیت کے معنی کا ضعف ہے یہاں تک کہ افعل اسم ہو گیا ہے اور اگر اس کے ساتھ مِن ہو تو وہ بلا خلاف منصرف نہ ہوگا کیونکہ من تفضیلیہ کی وجہ سے اس میں وصفیت کا معنی ظاہر ہے (صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے) یعنی سیبویہ نے وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے اخفش کی مخالفت کی (تنکیر کے بعد) کیونکہ جب تنکیر سے علمیت زائل ہو گئی تو اس میں وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع باقی نہیں رہا لہٰذا سیبویہ نے وصفیت کا اعتبار کیا اور مثل احمر کو صفت اصلیہ اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیا مثلاً وزن فعل کا اور الف ونون

قولہ **ویخرج عنه**:۔ یعنی **مثل احمر** سے افعل تاکید جیسے **اجمع** خارج ہو جائیگا کہ یہ تنکیر کے بعد بالاتفاق منصرف ہے کیونکہ اسمیں علمیت سے پہلے وصفیت کے معنی ضعیف ہیں ظاہر نہیں ہیں اس لئے کہ **اجمع** بمعنی کل ہے لہٰذا **اجمع** کو علم بنا کر پھر نکرہ کر دیں تو وہ بالاتفاق منصرف ہو جائے گا اسی طرح افعل تفضیل جو من تفضیلیہ سے خالی ہو وہ بھی خارج ہو جائے گا کیونکہ اسمیں بھی وصفیت کے معنی ضعیف ہیں یہاں تک کہ یہ افعل بمنزل اسم کے ہو گیا ہے لہٰذا افعل تفضیل کو علم بنا کر اگر نکرہ کر دیں تو وہ بھی بالاتفاق منصرف ہو جائے گا قولہ **وان کان معه**:۔ یعنی وہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ ہو جیسے اضرب من زید اور اسکو کسی کا علم بنا کر نکرہ کر دیا جائے تو وہ بالاتفاق غیر منصرف ہی رہے گا کیونکہ نکرہ ہونے کے بعد اسمیں من تفضیلیہ کی وجہ سے معنی وصفی ظاہر ہیں قولہ **اعتبار اللصفة الاصلیة**:۔ یعنی سیبویہ نے جو اخفش کے ساتھ **مثل احمر** میں اختلاف کیا ہے وہ **مثل احمر** میں تنکیر کے بعد وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے کیا ہے اور اپنے موقف پر اسطرح استدلال کیا ہے کہ جب **مثل**

قولہ **لاجل اعتباره**:۔ اس عبارت میں ضمیر مجرور اعتبار مصدر کا فاعل ہے اور الوصیفۃ الاصلیۃ مفعول بہ ہے یعنی بوجہ اعتبار کرنے سیبویہ کے وصفیت اصلیہ کا اور اس میں اس امر کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اعتبار اخالف کا مفعول لہ ہے کہ اسکے منصوب ہونے کی تینوں شرطیں موجود ہیں یعنی مصدر ہونا اور فعل معلل بہ کے فاعل کا فاعل ہونا اور وجود میں اسکے مقارن ہونا (محرم) قولہ **وسبب آخر**:۔ جیسے احمر میں وزن فعل اور سکران میں الف ونون ہے یعنی مثل احمر کے تین حال ہیں ا۔ حال تنکیر اولا اس میں وہ بالاتفاق غیر منصرف ہے وزن فعل اور وصف حالی کی وجہ سے ۲۔ حال علمیت ثانیا اسوقت بھی بالاتفاق غیر منصرف ہے وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے ۳۔ حال تنکیر علمیت کے بعد یعنی نکرہ ہو جانے کے بعد اس میں سیبویہ کے نزدیک وزن فعل اور وصف اصلی کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اخفش کے نزدیک منصرف ہے (محرم)

فان قلت كما انه لا مانع من اعتبار الوصفية الاصلية لا باعث على اعتبارها ايضا فلم اعتبرها و ذهب الى ما هو خلاف الاصل اعني منع الصرف قيل الباعث على اعتبارها امتناع اسود و ارقم مع زوال الوصفية عنهما حينئذ لو فيه بحث لان الوصفية لم تزل عنهما بالكلية بل بقي فيهما شائبة من الوصفية لان الاسود اسم للحية السوداء و الارقم اسم للحية التي فيها سواد و بياض و فيهما شئ من الوصفية فلا يلزم من اعتبار الوصفية فيهما اعتبارها في احمر بعد التنكير لانها قد زالت بالكلية

مزید متن کا پھر اگر تم کہو کہ جس طرح وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہیں اس کے اعتبار کرنے پر کوئی باعث بھی نہیں ہے تو سیبویہ نے اس کا اعتبار کیوں کیا اور خلاف اصل یعنی منع صرف کی طرف کیوں چلے گئے جواب دیا گیا ہے کہ وصفیت اصلیہ کے اعتبار پر باعث اسود اور ارقم کا عدم انصراف ہے باوجودیکہ ان دونوں سے اس وقت وصفیت زائل ہوگئی ہے اور اس جواب میں بحث ہے کیونکہ اسود اور ارقم سے وصفیت کلی طور پر زائل نہیں ہوئی بلکہ ان میں وصفیت کی بو موجود ہے اس لئے کہ اسود سیاہ سانپ کا نام ہے اور ارقم اس سانپ کا نام ہے جس میں سیاہی اور سفیدی ہے اور ان دونوں میں وصفیت کی بو موجود ہے لہذا ان میں وصفیت کا اعتبار کرنے سے احمر میں تنکیر کے بعد وصفیت کا اعتبار کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ احمر سے وصفیت کلی طور پر زائل ہوگئی ہے

احمر سے تنکیر کے بعد علمیت چلی گئی تو وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہ رہا لہذا **مثل احمر** تنکیر کے بعد وصف اصلی اور سبب آخری وجہ سے غیر منصرف ہوگا قولہ **فان قلت:**۔ یہ ایک اعتراض ہے جو **لم یبق فیہ مانع الخ** پر وارد ہوتا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **مثل احمر** میں تنکیر کے بعد جس طرح وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے اسی طرح وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے پر باعث بھی نہیں ہے پھر سیبویہ نے وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیوں کیا ہے اور خلاف اصل یعنی غیر منصرف کو کیوں اختیار کیا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ باعث وصفیت اصلیہ کے اعتبار پر **اسود** اور **ارقم** کا غیر منصرف ہونا ہے۔ باوجودیکہ **اسود** اور **ارقم** سے وصفیت اصلیہ زائل ہو چکی ہے کیونکہ یہ سانپ کے نام ہیں یعنی **اسود** اور **ارقم** جو سانپ کے نام ہیں ان میں وصف زائل ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں وصف کا اعتبار کیا گیا لہذا **مثل احمر** میں بھی وصف کا اعتبار کیا جائے گا قولہ **وفیہ بحث:**۔ شارح فرماتے ہیں سابقہ جواب میں بحث ہے یعنی **مثل احمر** کو **اسود** اور **ارقم** پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان سے وصفیت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی بلکہ کچھ نہ کچھ باقی ہے اس لئے کہ **اسود** کالے سانپ کا نام ہے اور **ارقم** چتکبرے سانپ کا نام ہے لیکن **مثل احمر** میں تو علمیت کی وجہ سے وصفی معنی بالکلیہ زائل ہو گئے ہیں۔ لہذا **اسود** اور **ارقم** میں وصف کے اعتبار کرنے سے لازم نہیں آتا کہ **مثل احمر** میں بھی تنکیر کے بعد وصف کا اعتبار کیا جائے کیونکہ **مثل احمر** سے تو وصفیت بالکلیہ زائل ہو گئی ہے اور احمر سے اسکا وصفی معنی یعنی سرخ شی ہرگز مفہوم نہیں ہوتا اور جو چیز بجمیع وجوہ معدوم ہو جائے تو وہ موثر نہیں ہوتی۔

☆فائدہ☆ مخفی نہ رہے کہ اخفش اور سیبویہ میں اختلاف بمقتضائے قیاس ہے اخفش کہتے ہیں کہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ زائل شدہ چیز کا اعتبار نہ کیا جائے اور سیبویہ کہتے ہیں کہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ جب مانع ھی منتفی ہو تو زائل شدہ چیز کا اعتبار کیا جائے رہا استعمال عرب تو تمام مذکور میں تنکیر کے بعد غیر منصرف مسموع ہے (بشیر)

واما الاخفش فذهب الی انه منصرف فان الوصفية قد زالت بالعلمية والعلمية بالتنكير والزائل لا يعتبر من غير ضرورة فلم يبق فيه الا سبب واحد هو وزن الفعل والالف والنون وهذا القول اظهر ولما اعتبر سيبويه الوصف الاصلی بعد التنكير وان كان زائلا لزمه ان يعتبره فی حال العلمية ايضا فيمتنع نحو حاتم من الصرف للوصف الاصلی والعلمية فاجاب عنه المصنف بقوله ولا يلزمه ای سيبويه من اعتباره الوصفية الاصلية بعد التنكير فی مثل احمر علما باب حاتم ای كل علم كان فی الاصل وصفا مع بقاء العلمية بان اعتبر فيه ايضا الوصفية الاصلية وحكم بمنع صرفه للعلمية والوصفية الاصلية لما يلزم فی باب حاتم علی تقدير منعه من الصرف من اعتبار المتضادين يعنی الوصفية والعلمية فان العلم للخصوص والوصف للعموم

بہرحال اخفش تو وہ اسبات کی طرف گئے ہیں کہ احمر تنکیر کے بعد منصرف ہے کیونکہ وصفیت علمیت کی وجہ سے زائل ہوگئی اور علمیت تنکیر کی وجہ سے زائل ہوگئی اور زائل کا بلا ضرورت اعتبار نہیں کیا جاتا پس احمر میں ایک سبب باقی رہ گیا اور وہ وزن فعل ہے اور سکران میں الف ونون ہے اور یہ قول اظہر ہے اور جبکہ سیبویہ نے مثل احمر میں تنکیر کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کیا اگرچہ وہ وصفیت زائل ہوگئی ہے تو سیبویہ کو لازم آتا ہے کہ وہ علمیت کی حالت میں بھی وصف اصلی کا اعتبار کرے پس حاتم جیسا کلمہ صرف سے ممتنع ہو جائیگا وصف اصلی اور علمیت کی وجہ سے تو مصنف نے اس کا جواب اپنے اس قول سے دیا (اور اسے لازم نہیں آتا) یعنی سیبویہ کو مثل احمر میں علمیت کی حالت میں تنکیر کے بعد وصف اصلی کے اعتبار کرنے سے (حاتم کا باب) یعنی ہر وہ علم جو اصل میں وصف تھا بقاء علمیت کے ساتھ تو سیبویہ کو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باب حاتم میں بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرے اور علمیت اور وصفیت کی وجہ سے اس کے غیر منصرف ہونے کا حکم کرے (کیونکہ لازم آتا ہے) باب حاتم کو غیر منصرف پڑھنے کی صورت میں (اعتبار کرنا دو متضاد چیزوں کا) یعنی وصفیت اور علمیت کا کیونکہ علم خصوص کیلئے ہے اور وصف عموم کیلئے

قولہ **واما الاخفش**: بہرحال اخفش تو وہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ احمر تنکیر کے بعد منصرف ہے کیونکہ وصفیت علمیت کی وجہ سے زائل ہوگئی اور علمیت تنکیر کی وجہ سے زائل ہوگئی اور زائل کا بلا ضرورت اعتبار نہیں کیا جاتا پس احمر میں ایک سبب باقی رہ گیا جو وزن فعل ہے اور سکران میں الف ونون ہے۔ قولہ **وهذا القول اظهر**:۔ اور یہ اخفش کا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ معدوم من کل الوجوہ موثر نہیں ہوا کرتا لیکن فاضل رضی نے لکھا ہے کہ حق بات وہ ہے جو سیبویہ نے کہی ہے کیونکہ اخفش نے اپنی کتاب اوسط میں لکھا ہے کہ مثل احمر میں میرا اختلاف قیاس کی رو سے ہے رہی سماع کی بات تو مثل احمر کا غیر منصرف ہونا عرب سے سنا گیا ہے۔ قولہ **ولما اعتبر**:۔ یہ واؤ استینافیہ ہے اور اس عبارت سے شارح نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول "ولا یلزمہ" ایک اعتراض کا جواب ہے جو اخفش کی جانب سے سیبویہ پر وارد کیا گیا ہے تقریر اعتراض یہ ہے کہ اگر وصف اصلی علمیت کے زوال کے بعد منع صرف میں معتبر ہو جیسا کہ سیبویہ نے احمر میں اعتبار کیا ہے تو واجب ہے حاتم جیسے اعلام میں بحالت علمیت بھی وصف اصلی کا اعتبار کریں کیونکہ تضاد تو علمیت محققہ اور وصف فی الحال میں ہے جو یہاں لازم نہیں آتا لہٰذا حاتم بوجہ وصف اصلی اور علمیت کے

فی حکم واحد وھو منع صرف لفظ واحد بخلاف ما اذا اعتبرت الوصفیۃ الاصلیۃ مع سبب آخر کما فی اسود وارقم فان قلت التضاد انما ھو بین الوصفیۃ المحققۃ والعلمیۃ لا بین الوصفیۃ الاصلیۃ الزائلۃ والعلمیۃ فلو اعتبرت الوصفیۃ الاصلیۃ والعلمیۃ فی منع صرف مثل حاتم لا یلزم اجتماع المتضادین قلنا تقدیر احد الضدین بعد زوالہ مع ضد آخر فی حکم واحد وان لم یکن من قبیل اجتماع المتضادین لکنہ شبیہ بہ فاعتبارھما معا غیر مستحسن

(حکم واحد میں) اور وہ لفظ واحد کا غیر منصرف ہونا ہے برخلاف اس کے جبکہ وصفیت اصلیہ کا کسی اور سبب کے ساتھ اعتبار کیا جائے جس طرح کہ اسود اور ارقم میں پھر اگر تم کہو کہ تضاد تو صرف وصفیت موجودہ اور علمیت کے درمیان ہے نہ کہ وصفیت اصلیہ زائلہ اور علمیت کے درمیان تو اگر مثل حاتم کے غیر منصرف ہونے میں وصفیت اصلیہ اور علمیت کا اعتبار کیا جائے تو دو متضاد چیزوں اعتبار کرنا لازم نہیں آیگا پس ہم جواب دیں گے کہ دو ضدوں میں سے ایک کا اس کے زوال کے بعد ضد آخر کے ساتھ حکم واحد میں فرض کرنا اگرچہ اجتماع ضدین کے قبیل سے نہیں لیکن یہ اجتماع ضدین کے مشابہ ہے اس لئے ان دونوں کو ایک ساتھ اعتبار کرنا غیر مستحسن ہے

غیر منصرف ہونا چاہئے. جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مثل احمر میں تنکیر کے بعد وصفیت اصلیہ کے اعتبار کرنے سے سیبویہ پر یہ لازم نہیں کہ وہ باب حاتم میں بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کریں کیونکہ احمر جیسے اسماء میں وصفیت کے اعتبار سے کوئی مانع نہیں ہے اور حاتم جیسے اعلام میں مانع موجود ہے وہ یہ کہ لفظ واحد کے حکم منع صرف میں متضادین کا اعتبار لازم آیگا جو اجتماع ضدین کی مشابہت کی وجہ سے مستحسن نہیں اور غیر مستحسن بلغاء کے کلام میں نہیں پایا جاتا لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے. قولہ **وھو منع صرف الخ:** ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ایک حکم میں علمیت اور وصفیت دونوں کا اعتبار کرنا جائز ہے جیسے **عمر** کے غیر منصرف ہونے میں علمیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور **احمر** کے غیر منصرف ہونے میں وصفیت کا اعتبار کیا گیا ہے تو ایک حکم (غیر منصرف) میں علمیت اور وصفیت متضادین کا اعتبار تو ہو گیا لہٰذا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ ایک حکم میں متضادین کا اعتبار جائز نہیں. شارح نے جواب دیا کہ متضادین کا اعتبار ایک حکم کے اندر لفظ واحد میں ناجائز ہے اور دو لفظوں میں جائز ہے جیسے **عمر** اور **احمر** میں بخلاف اس صورت کے کہ جب وصفیت اصلیہ کا کسی دوسرے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جائے جیسے **اسود** اور **ارقم** میں وصفیت اصلیہ کا وزن فعل کے ساتھ اعتبار کیا گیا ہے اور اسمیں علمیت بھی پائی جاتی ہے تو اس قسم کا اجتماع ضدین جائز ہے کہ **اسود** اور **ارقم** وصفیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہیں. قولہ **فان قلت** :۔یہاں سے شارح مصنف پر اعتراض کر کے اسکا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ مصنف کا یہ کہنا درست نہیں کہ سیبویہ اگر **باب حاتم** میں وصفیت اصلیہ کو علمیت کے ساتھ معتبر مانے تو اس سے اجتماع متضادین لازم آتا ہے کیونکہ تضاد تو وصفیت محققہ اور علمیت میں ہے وصفیت اصلیہ زائلہ اور علمیت میں تو تضاد نہیں ہے اور **حاتم** میں وصفیت زائل ہو گئی ہے لہٰذا یہاں اجتماع متضادین لازم نہیں آتا. قولہ **قلنا**:۔اسمیں شارح نے اعتراض مذکورہ کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دو ضدوں میں سے ایک کا اس کے زوال کے بعد حکم واحد میں یعنی لفظ واحد کے غیر منصرف ہونے میں. دوسری ضد کے ساتھ اعتبار کرنا اگرچہ از قبیل اجتماع متضادین نہیں کہ ایک ضد اعتباری اور دوسری وجودی ہے لیکن اجتماع متضادین کے مشابہ ہے اس لئے دونوں کا ایک ساتھ اعتبار کرنا امر غیر مستحسن یعنی ناپسندیدہ بات ہے.

وجمیع الباب ای باب غیر المنصرف باللام ای بدخول لام التعریف علیه او الاضافة ای اضافته الی غیره ینجر ای یصیر مجرورا بالکسر ای بصورة الکسر لفظا وتقدیرا وانما لم یکتف بقوله ینجر لان الانجرار قد یکون بالفتح

(اور تمام باب) یعنی باب غیر منصرف (لام کی وجہ سے) یعنی اس پر لام تعریف کے داخل ہونے کی وجہ سے (یا اضافت کی وجہ سے) یعنی غیر منصرف کی اس کے غیر طرف اضافت کی وجہ سے (مجرور ہو جاتا ہے) یعنی (کسرہ کے ساتھ) مجرور ہو جاتا ہے یعنی بصورت کسرہ مجرور ہو جاتا ہے لفظاً یا تقدیراً اور مصنف نے اپنے قول "ینجر" پر اکتفاء نہیں کیا کیونکہ مجرور ہونا کبھی فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے

قولہ **ای باب غیر منصرف**:۔ اس تفسیر میں شارح نے یہ بتایا ہے کہ مصنف کے قول "**وجمیع الباب**" میں **الباب** کا الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اس سے مراد باب غیر منصرف ہے نہ کہ **باب مافیه علمیة مؤثرة** قولہ **باللام**:۔ شارح نے بدخول لام التعریف سے تفسیر کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول "**باللام**" کا با سببیہ ہے اور سبب ہمیشہ وصف ہوتا ہے اور لام ایک حرف کا نام ہے یہ وصف نہیں ہے لہذا کافیہ کی عبارت **باللام** درست نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ عبارت میں حذف ہے اور اصل عبارت اسطرح ہے **وجمیع الباب بدخول اللام** اور دخول وصف ہے اور **لام التعریف** سے بھی ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ غیر منصرف پر لام داخل ہونے سے اس پر کسرہ آ جاتا ہے کیونکہ **المال لاحمد** میں **احمد** پر لام داخل ہے لیکن کسرہ نہیں آیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ لام جارہ ہے اور مصنف کی مراد لام تعریف ہے یعنی لام تعریف داخل ہونے سے تمام باب غیر منصرف مجرور بالکسر ہو جاتا ہے۔ قولہ **ای اضافته الی غیره**:۔ اس تفسیر میں شارح نے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ غیر منصرف پر اضافت کے سبب کسرہ آ جاتا ہے کیونکہ غلام احمد میں احمد مضاف الیہ ہے مگر اس کے باوجود اس پر کسرہ نہیں آیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اضافت سے مراد مضاف ہونا ہے نہ کہ مضاف الیہ ہونا اور مذکورہ مثال میں **احمد** مضاف نہیں بلکہ مضاف الیہ ہے۔ قولہ **بصورة الکسر**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **الکسر** تام کے بغیر مبنی کے القاب کے ساتھ خاص ہے اور ہماری گفتگو حرکات اعرابیہ کے متعلق ہے لہذا مصنف کو **ینجر بالکسرة** تاء کے ساتھ لکھنا چاہئے تھا جو القاب معرب و مبنی میں مشترک ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں کسر سے کسر کی صورت مراد ہے اور کسرہ کسر کی صورت ہے۔ قولہ **لفظا وتقدیرا**:۔ اس کا اضافہ کر کے شارح نے ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ لام تعریف داخل ہونے اور مضاف ہونے سے ہر غیر منصرف پر کسرہ آ جاتا ہے صحیح نہیں کیونکہ **مررت بالحبلی** اور **مررت بحبلکم** میں **حبلی** پر دخول لام اور مضاف ہونے کے باوجود کسرہ نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ کسرہ سے عام مراد ہے کہ لفظی ہو جیسے **مررت بالاحمد وباحمدکم** میں یا کسرہ تقدیری ہو جیسے **مررت بالحبلی وبحبلکم** میں۔ قولہ **وانما لم یکتف**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے **ینجر** کے بعد بالکسر کیوں بڑھایا ہے اگر صرف **ینجر** پر اکتفاء کرتے تو کیا خرابی تھی؟ شارح نے جواب دیا کہ مجرور ہونا کبھی فتح کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی کسرہ کے ساتھ اور یہاں صورت ثانیہ مراد ہے اس لئے بالکسر کا اضافہ کیا۔ کیونکہ **صرف ینجر** کہنے سے یہ مقصود حاصل نہ ہوتا۔

ولا بان يقول ينكسر لان الكسر يطلق على الحركات البنائية ايضا وللنحاة خلاف في ان هذا الاسم في هذه الحالة منصرف او غير منصرف فمنهم من ذهب الى انه منصرف مطلقا لان عدم انصرافه انما كان لمشابهته الفعل فلما ضعفت هذه المشابهة بدخول ما هو من خواص الاسم اعنى اللام او الاضافة تقويت جهة الاسمية فرجع الى اصله الذى هو الصرف فدخله الكسر دون التنوين لانه لا يجتمع مع اللام والاضافة ومنهم من ذهب الى انه غير منصرف مطلقا

اور نہ "منکسر" کہنے پر اکتفاء کیا کیونکہ کسر کا اطلاق حرکات بنائیہ پر بھی ہوتا ہے اور نحویوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ اسم غیر منصرف دخول لام اور اضافت کی حالت میں منصرف ہے یا غیر منصرف پس بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ یہ منصرف ہے مطلقا کیونکہ اس اسم کا غیر منصرف ہونا فعل کے ساتھ اسکی مشابہت کی وجہ سے تھا پس جب یہ مشابہت اس چیز کے داخل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوگئی جو کہ اسم کے خواص میں سے ہے یعنی دخول لام یا اضافت تو جہت اسمیت قوی ہوگئی لہذا اسم غیر منصرف اپنی اصل کی طرف لوٹ آیا جو کہ منصرف ہونا ہے تو اس پر کسرہ آ گیا تنوین نہیں آئی کیونکہ وہ لام اور اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اور نحویوں میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ اسم غیر منصرف ہے مطلقا

قولہ **ولا بان يقول**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے ینکسر کیوں نہیں کہا جو مختصر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ **ینکسر** اس لئے نہیں کہا کہ کسر کا اطلاق غالبا حرکت بنائیہ پر ہوتا ہے۔ جس سے غیر منصرف کے متعلق یہ وہم ہوتا کہ وہ دخول لام یا اضافت کی وجہ سے مبنی بن جاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کیونکہ دخول لام یا مضاف ہونا بناء کے اسباب میں سے نہیں ہے قولہ **وللنحاة خلاف**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم غیر منصرف دخول لام یا اضافت کے وقت غیر منصرف ہی رہتا ہے یا منصرف بن جاتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس کے متعلق تین مذھب ہیں۔ اول۔ یہ کہ اسم غیر منصرف مطلقا منصرف ہو جاتا ہے دو سبب باقی رہیں یا نہ رہیں اس لئے کہ اسم کا غیر منصرف ہونا احتیاج اور فرعیت میں فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا جو لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے سے ضعیف ہوگئی۔ کیونکہ دخول لام اور اضافت اسم کے خواص میں سے ہیں اور اسمیت کی جہت قوی ہوگئی لہذا اسم اپنی اصل یعنی انصراف کی طرف لوٹ آیا لیکن اس پر کسرہ آتا ہے کیونکہ مانع زائل ہوگیا ہے نیز لام یا اضافت کے ساتھ کسرہ کا اجتماع جائز ہے مگر تنوین نہیں آتی اگرچہ مانع زائل ہوگیا ہے کیونکہ لام تعریف کے مدخول اور مضاف پر تنوین نہیں آتی۔ مذھب دوم۔ یہ ہے کہ اسم غیر منصرف اس صورت میں مطلقا غیر منصرف رہتا ہے خواہ دو سبب باقی رہیں یا نہ رہیں۔

قولہ **من خواص الاسم**:۔ یہ من بیانیہ ہے اور شارح کے قول "ما ھو" میں واقع لفظ ما کا بیان ہے اصل عبارت اس طرح ہے **بدخول خواص الاسم** اور شارح کا قول "اعنی اللام او الاضافۃ" خواص اسم کا بیان ہے اسم کے خواص اگرچہ کثیر ہیں لیکن جن کی وجہ سے فعل کے ساتھ اسم کی مشابہت ضعیف ہو جاتی ہے وہ صرف دخول لام و اضافت ہے باقی خواص اسم کی وجہ سے مشابہت ضعیف نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں لفظا اور معنی ہر ایک میں اثر انداز ہوتے ہیں لفظا میں اسطرح کہ ان سے تنوین ساقط ہو جاتی ہے اور معنی میں اس طرح کہ یہ دونوں مفید تعریف ہیں اس لئے ان دونوں سے مشابہت ضعیف ہو جاتی ہے قولہ **لانہ لا یجتمع**:۔ تنوین لام یا اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اس لئے کہ لام اپنے مدخول کی تعریف کیلئے موضوع ہے اور تنوین اپنے مدخول کی تنکیر کیلئے اور اضافت اتصال و امتزاج کی دلیل ہے اور تنوین انفصال و جدائی کی دلیل ہے تو لام، اضافت اور تنوین کے درمیان منافات ہے اس لئے تنوین لام یا اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ (محرم) ☆ فائدہ ☆ اسم کے خواص دو قسم پر ہیں۔ ۱۔ جو اسم کے مدلول کو متغیر کرتے ہیں جیسے لام اور اضافت جنکی وجہ سے اسم نکرہ معرفہ ہو جاتا ہے ۲۔ جو اسم کے مدلول کو متغیر نہیں کرتے جیسے حرف جر وغیرہ۔

والممنوع من غیر المنصرف بالاصالتھو التنوین وسقوط الکسر انماھو بتبعیۃ التنوین وحیث ضعفت مشابھتہ للفعل لم تؤثر الافی سقوط التنوین دون تابعہ الذی ھو الکسر فعاد الکسر الی حالہ وسقط التنوین لامتناعہ من الصرف ومنھم من ذھب الی ان العلتین ان کانتاباقیتین مع اللام او الاضافۃ کان الاسم غیر منصرف وان زالتامعا اوزالت احدٰھما کان منصرفا وبیان ذلک ان العلمیۃ تزول باللام والاضافۃ فان کانت العلمیۃ شرطا للسبب الآخر زالتامعا کمافی ابراھیم وان لم تکن شرطا کمافی احمد زالت احدٰھما وان لم تکن ھناک علمیۃ کمافی احمر بقیت العلتان علی حالھما وھذا القول انسب بما عرّف بہ المصنف غیر المنصرف

اور جو چیز غیر منصرف سے بالاصالت ممتنع ہے وہ صرف تنوین ہے اور غیر منصرف سے کسرہ کا سقوط تنوین کی معیت میں ہے اور جب غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت ضعیف ہوگئی تو وہ مشابہت صرف سقوط تنوین میں مؤثر ہوگی اس کے تابع میں مؤثر نہیں ہوگی جو کہ وہ کسرہ ہے پس کسرہ اپنی حالت پر لوٹ آیا اور تنوین اسم کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگئی اور نحویوں میں سے کچھ اس طرف گئے ہیں کہ اگر لام یا اضافت کے ساتھ دونوں علتیں باقی رہیں تو اسم غیر منصرف ہوگا اور اگر دونوں ایک ساتھ زائل ہوجائیں یا ان میں سے ایک زائل ہوجائے تو اسم منصرف ہوگا اور اس تیسرے مذھب کا بیان یہ ہے کہ علمیت لام اور اضافت کی وجہ سے زائل ہوجاتی ہے پس اگر علمیت دوسرے سبب کیلئے شرط ہو تو دونوں علتیں ایک ساتھ زائل ہوجائیں گی جیسے ابراھیم میں اور شرط نہ ہو جیسے اَحمد میں تو ان میں سے ایک علت زائل ہوجائیگی اور اگر وہاں علمیت نہ ہو جیسے احمر میں تو دونوں علتیں اپنے حال پر باقی رہیں گی اور یہ قول اسکے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے جس سے مصنف نے غیر منصرف کی تعریف کی ہے۔

قولہ **والممنوع** :۔ یہ مذھب دوم کی دلیل ہے کہ غیر منصرف میں بالاصالت تنوین ممنوع ہے اور کسرہ کا سقوط تنوین کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے اور چونکہ لام تعریف داخل ہونے یا اضافت سے غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت ضعیف ہوجاتی ہے لہٰذا یہ مشابہت ضعیفہ صرف سقوط تنوین میں مؤثر ہوتی ہے تنوین کے تابع میں مؤثر نہیں ہوتی لہٰذا کسرہ باقی رہا اور تنوین کا سقوط اسم کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے ہوا۔ مذھب سوم۔ یہ ہے کہ لام تعریف داخل ہونے یا مضاف ہونے سے اگر دونوں سبب باقی رہیں تو اسم غیر منصرف ہوگا۔ اور اگر دونوں معا زائل ہوجائیں یا ایک سبب زائل ہوجائے تو اسم منصرف ہوگا قولہ **وبیان ذلک** :۔ یعنی مذھب ثالث کا بیان اور وضاحت یہ ہے کہ علمیت دخول لام اور اضافت سے زائل ہوجاتی ہے پس علمیت اگر سبب آخر کے لئے شرط ہو تو دونوں علتیں معا زائل ہوجائیں گی جیسے ابراھیم میں اور اگر علمیت شرط نہ ہو جیسے احمد میں تو ایک علت زائل ہوجائیگی اس صورت میں بھی اسم منصرف ہوجائے گا۔ اور اگر اسم غیر منصرف میں علمیت نہ ہو جیسے احمر میں تو دونوں علتیں باقی رہیں گی اور اسم غیر منصرف رہے گا اور یہ مذھب ثالث غیر منصرف کی مذکورہ تعریف کے بہت مناسب ہے۔ اور وہ تعریف، غیر المنصرف مافیہ علتان الخ ہے۔

قولہ **وسقوط التنوین** :۔ یعنی اسم کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تنوین کا سقوط باقی رہا اگرچہ دخول لام یا اضافت کی وجہ سے فعل کے ساتھ اسکی مشابہت ضعیف ہوگئی ہے اور کسرہ کی مثل تنوین نے عود نہیں کیا کہ عود کا کوئی موجب نہیں (جمال) قولہ **تزول باللام** :۔ کیونکہ اگر علمیت باقی رہے تو معرف کی تعریف لازم آئیگی جو تحصیل حاصل

(المرفوعات) جمع المرفوع لا المرفوعة لان موصوفه الاسم وهو مذكر لا يعقل ويجمع هذا الجمع مطردا صفة المذكر الذي لا يعقل كالصافنات للذكور من الخيل وجمال سبحلات اي ضخمات وكالايام الخاليات

(مرفوعات) یہ مرفوع کی جمع ہے مرفوعۃ کی نہیں اس لئے کہ مرفوع کا موصوف اسم ہے اور وہ مذکر لایعقل ہے اور اس مذکر کی صفت جو کہ لایعقل ہے ہمیشہ یہ جمع آتی ہے جیسے صافنات مذکر گھوڑوں کے لئے اور جمال سجلات یعنی موٹے اور جیسے ایام الخالیات

(**المرفوعات**) میں کئی احتمال ہیں اول۔ یہ موقوف ہے کیونکہ عنوان ہے اور عنوان کیلئے اعراب نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ عامل کے ساتھ مرکب ہی نہیں ہوتا اور اعراب اس کیلئے ہوتا ہے جو عامل کے ساتھ مرکب ہو۔ دوم۔ یہ مرفوع ہے اس بنا پر کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے **ای هذه المرفوعات** ۔ یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے **ای المرفوعات هذه** یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر **هوما اشتمل** ہے۔ سوم۔ یہ منصوب ہے اس بنا پر کہ فعل مقدر کا مفعول ہے **ای اشرع المرفوعات**۔ چہارم۔ یہ مجرور ہے اس لئے کہ مضاف مقدر کا مضاف الیہ ہے **ای بحث المرفوعات**. **قوله جمع المرفوع** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ لفظ **المرفوعات** میں دو احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ مرفوع کی جمع ہو اور یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مرفوعات جمع مؤنث ہے جس کا مفرد مؤنث ہونا چاہئے اور لفظ مرفوع مذکر ہے دوم۔ یہ کہ یہ مرفوعۃ کی جمع ہو اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مرفوع، منصوب اور مجرور ہونا اسم کی صفت ہے اور اسم مذکر ہے لہٰذا اس کی صفت بھی مذکر ہونی چاہئے نہ کہ مؤنث۔ شارح نے جواب دیا کہ المرفوعات مرفوع کی جمع ہے کیونکہ مرفوع ہونا مذکر غیر عاقل اسم کی صفت ہے اور مذکر غیر عاقل کی صفت کی جمع قیاساً اس وزن پر یعنی الف تا کے ساتھ آتی ہے قولہ **كالصافنات** یعنی لفظ صافن مذکر گھوڑے کی صفت ہے جس کی جمع الف تا کے ساتھ آتی ہے کہا جاتا ہے **الخيول الصافنات** اور جمال سجلات جو بکسر جیم جمل کی جمع ہے جو مذکر اونٹ کو کہا جاتا ہے اس کی صفت سجلات ہے اور سجل بروزن قِمَطر بمعنی فربہ اونٹ جسکی جمع سجلات ہے کہا جاتا ہے جمال سجلات (فربہ اونٹ) اور جیسے الایام الخالیات

ہے اور اس لام سے مراد لام تعریف ہے ☆ فائدہ ☆ دخول لام یا اضافت کے ساتھ اسم غیر منصرف کے غیر منصرف باقی رہنے یا منصرف ہو جانے میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے مصنف نے اسکا ذکر نہیں کیا (محرم) قولہ **المرفوعات**:۔ مناسب یہ تھا کہ ماتن "**المرفوع**" کہتا جس میں دو خوبیاں ہیں اول یہ کہ تعریف میں مذکور ضمیر ھو کا مرجع صراحتاً مذکور ہو جاتا دوم۔ یہ کہ مقام تعریف بھی اسی کو چاہتا ہے کہ ماتن "**المرفوع**" کہتا کہ تعریف جنس کی ہوتی ہے تو **هو ما اشتمل الخ** اسی جنس مرفوع کی تعریف قرار پاتی لیکن ماتن نے صیغہ جمع **المرفوعات** لا کر اس وہم کا ازالہ کیا ہے کہ مرفوع صرف نوع واحد میں منحصر ہے جیسا کہ ماتن کے قول **فالرفع علم الفاعلية** سے معلوم ہوتا ہے۔ قولہ **جمع المرفوع لا المرفوعة** ۔ یہ دعویٰ ہے جو ایجاب وسلب سے مرکب ہے اور لان موصوفہ جز سلبی کی دلیل ہے اور یجمع الخ جز ایجابی کی دلیل ہے۔ قولہ **الصافنات**: صافن کی جمع ہے اور صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں اور چوتھی کے کھر پہ کھڑا ہو۔ قولہ **كالايام**: یہ کالصافنات پر معطوف ہے۔ معطوف علیہ از قبیل اجسام ہے اور معطوف از قبیل ازمان ہے۔ ہے

(ترکیب) **جمع المرفوع**، یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے **اي هي جمع المرفوع** اور **هذا الجمع**، منصوب بنزع الخافض ہے **اي على هذا الجمع**، **مطردا** تمیز ہے اس نسبت سے جو فعل یجمع کی اس کے نائب فاعل کی طرف ہے اور تمیز فعل کے نائب فاعل (صفۃ) پر مقدم کی گئی ہے تا کہ اپنے عامل (یجمع) کے قریب ہو جائے اور قولہ **لا يعقل**، **مذكر** کی صفت ہے۔ ☆ فائدہ ☆ چونکہ مذکر لایعقل کو نقصان عقل میں مؤنث سے مشابہت ہے کیونکہ مذکر غیر عاقل میں عدم عقل ہے اور مؤنث میں قصور عقل ہے اس لئے مذکر غیر عاقل کی صفت کی جمع الف و تا کے ساتھ آتی ہے۔

هو ای المرفوع الدال علیه المرفوعات لان التعریف انما یکون للماهیة لا للافراد ما اشتمل ای اسم اشتمل علی علم الفاعلیة ای علامة کون الاسم فاعلا وهی الضمة والواو والالف

(وہ) یعنی مرفوع کہ جس پر مرفوعات دلالت کررہا ہے کیونکہ تعریف صرف ماہیت کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی (وہ جو مشتمل ہو) یعنی وہ اسم ہے جو مشتمل ہو (فاعلیت کی علامت پر) یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت پر اور وہ علامت ضمہ، واؤ اور الف ہے

اور لفظ خالی مذکر غیر عاقل یوم کی صفت ہے اس لئے اس کی جمع الف تاء کے ساتھ **خالیات** آتی ہے کہا جاتا ہے **ایام خالیات**. قولہ **ای المرفوع**:۔ شارح **المرفوع** کا اضافہ کرکے ضمیر کا مرجع بیان کررہے ہیں یعنی **ھو** ضمیر کا مرجع **المرفوع** ہے جو **المرفوعات** (جمع) کے ضمن میں مذکور ہے اور اس میں شارح رضی پر رد بھی ہے جنہوں نے ضمیر کا مرجع **المرفوعات** بتایا ہے بایں قاعدہ کہ **الضمیر اذا دار بین المرجع والخبر فرعایة الخبر اولی** چونکہ یہاں لفظ **ما** خبر ہے جو مذکر ہے اس لئے اس کی رعایت میں ضمیر مذکر لائی گئی ہے وجہ رد یہ ہے کہ مرجع مرفوعات ہو تو تعریف افراد کی لازم آئیگی جبکہ تعریف افراد کی نہیں ہوتی بلکہ ماہیت کی ہوتی ہے. قولہ **ای اسم اشتمل**:۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مرفوع کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ یہ تعریف اس حرف پر بھی صادق آتی ہے جو کل اعراب ہے۔ مثلاً جاءنی زید میں زید کی دال شئی ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں لفظ **ما** سے مراد اسم ہے جس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ بحث اسم کی ہے اور زید کی دال اسم نہیں ہے بلکہ حرف ہے لہٰذا فاعل کی تعریف مانع ہے ☆ فائدہ ☆ چونکہ لفظ **ما** موصوف ہے جس کیلئے صفت ضروری ہے اس لئے شارح نے ما کے بعد اس کی صفت **اشتمل** ذکر کی ہے اگر "**ما**" کی تفسیر **اشتمل** سے پہلے کرتے اور یہ کہتے **ما ای اسم اشتمل** تو اچھا تھا کہ اس میں اختصار ہے. قولہ **ای علی علامة**:۔ یہ اعتراض مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حروف وحرکات اعرابیہ پر علم کا اطلاق درست نہیں کیونکہ علم اسم کی قسم ہے اور اسم کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ لفظ موضوع کو کہتے ہیں اور حروف وحرکات میں وضع نہیں ہوتی شارح نے جواب دیا کہ یہاں علم سے مراد علامت ہے قولہ **کون الاسم فاعلا**:۔ یہ بھی اعتراض مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ماتن نے علم الفاعلیۃ کہا ہے علم الفاعل کیوں نہیں کہا جو مختصر ہے. شارح نے جواب دیا کہ رفع فاعل ہونے کی علامت ہے نہ کہ

قولہ **لان التعریف**:۔ ﴿سوال﴾ مرفوعات کے ضمن میں مذکور مرفوع اس جمع کا مفرد ہے کیونکہ جمع افراد پر دلالت کرتی ہے تو اس صورت میں فرد کی تعریف لازم آئیگی حالانکہ تعریف فرد کی نہیں ہوتی بلکہ جنس کی ہوتی ہے ﴿جواب﴾ جمع کی دلالت جس طرح کہ افراد پر ہوتی ہے اسی طرح جنس پر بھی ہوتی ہے پس یہاں ضمیر کا مرجع جنس مرفوع ہے نہ کہ فرد مرفوع ☆ فائدہ ☆ جنس، ماہیت اور حقیقت تینوں ایک معنی میں ہیں اور ان کا اطلاق مفرد پر ہوتا ہے عام ازیں کہ جنس ہو جیسے حیوان یا نوع ہو جیسے انسان قولہ **علی علامة**. شارح نے علامۃ کہہ کر اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ یہاں لفظ علم کے معنی شئی معین یا پہاڑ نہیں بلکہ مراد علامت ہے. قولہ **والمراد**:۔ اشتمال سے اشتمال الموصوف علی الصفۃ مراد لینے کی صورت میں یہ اعتراض ہوگا کہ جاءنی ابوک میں ابو پر مرفوع کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ابوک میں علامت رفع واؤ ہے جو کہ اس کا جز ہے نہ کہ صفت اسی لئے بعض حضرات نے یہاں اشتمال سے مراد ملابست لی ہے جو عام ہے کہ کل اپنے جز سے ملابس ہو یا موصوف اپنی صفت سے ملابس ہو ☆ فائدہ ☆ اشتمال چند قسم پر ہے (۱) اشتمال الکل علی الجزء (۲) اشتمال الموصوف علی الصفۃ (۳) اشتمال الظرف علی المظروف (۴) اشتمال الکل علی الجزء باعتبار الصدق (سوال یا سو لی) قولہ **کون الاسم فاعلا**:۔ اس اضافی عبارت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مصنف کے قول **الفاعلیۃ** کی یا مصدریہ ہے جسکو کون الاسم کے ساتھ تعبیر کرکے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جس لفظ کے آخر میں یہ یاء ہو اسکو لفظ کون کی خبر بنایا جاسکتا ہے ای کون الاسم فاعلا.

والمراد باشتمال الاسم عليها ان يكون موصوفا بها لفظا او تقديرا او محلا ولا شک ان الاسم موصوف بالرفع المحلیّ اذ معنى الرفع المحلى انه فى محلٍ لو كان ثمه معرب لكان مرفوعا لفظا او تقديرا فكيف يختص الرفع بما عدا الرفع المحلى وهو يبحث مثلا عن احوال الفاعل اذا كان مضمرا متصلا كما سيجىء فمنه اى من المرفوع او مما اشتمل على علم الفاعلية الفاعل

اوراسم کے فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسم اس علامت سے موصوف ہو لفظاً یا تقدیراً یا محلاً اور کوئی شک نہیں کہ اسم رفع محلی کے ساتھ موصوف ہے کیونکہ رفع محلی کا معنی یہ ہے کہ اسم ایسے محل میں ہے کہ اگر اس جگہ اسم معرب ہوتا تو وہ لفظاً یا تقدیراً مرفوع ہوتا. پس رفع، رفع محلی کے غیر کے ساتھ کیسے خاص ہوگا حالانکہ نحوی مثلاً فاعل کے احوال سے بحث کرتا ہے جبکہ فاعل ضمیر مرفوع متصل ہو جیسا کہ اس کا بیان آئیگا (پس اس میں سے) یعنی مرفوع میں سے یا اس میں سے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہے (فاعل ہے)

ذات فاعل کی مثلاً جاءنی رجل میں رجل، فاعل ہے اور رفع فاعل ہونے کی علامت ہے ذات فاعل کی علامت نہیں ہے ورنہ رأیت رجلا میں بھی رفع ہوتا کیونکہ ذات رجل یہاں بھی موجود ہے. قولہ **والمراد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اشتمال سے مراد اشتمال الکل علی الجزء ہے پس اس تقدیر پر مرفوع کی تعریف صرف مرفوع بالحرف پر صادق آئیگی نہ کہ مرفوع بالحرکت پر کیونکہ حرکت کلمہ کا جزء نہیں. شارح نے جواب دیا کہ یہاں اشتمال سے مراد اشتمال الموصوف علی الصفۃ ہے جیسے جاءنی زید میں رفع زید، فاعل کیلئے مثل صفت کے ہے کہ غیر مستقل ہے اور معرب، زید کے تابع ہے. قولہ **لفظا او تقديرا او محلا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مرفوع کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ جاءنی موسیٰ اور جاءنی ھٰؤلاء کے مرفوع پر صادق نہیں آتی اسلئے کہ ان مثالوں میں مرفوع فاعلیت کی علامت پر مشتمل نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ فاعلیت کی علامت عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے جاءنی زید میں خواہ تقدیری ہو جیسے جاءنی موسیٰ میں خواہ محلی ہو جیسے جاءنی ھٰؤلاء میں یعنی جاءنی موسیٰ اور جاءنی ھٰؤلاء میں فاعل علامت فاعلیت پر مشتمل ہے اور وہ علامت تقدیری اور محلی ہے. قولہ **ولا شک**:۔ اسمیں شارح ہندی علیہ الرحمۃ پر رد ہے کیونکہ اس نے ھٰؤلاء کے ساتھ مرفوع کی تعریف پر وارد ہونے والے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جاءنی ھٰؤلاء میں ھٰؤلاء مرفوع ہے مگر علامت رفع پر مشتمل نہیں ہے لہٰذا مرفوع کی تعریف جامع نہیں ہے پھر جواب دیا ہے کہ مذکورہ بالا تعریف مطلق مرفوع کی نہیں بلکہ مرفوع لفظی اور تقدیری کی ہے لہٰذا اگر ھٰؤلاء پر مرفوع کی تعریف صادق نہیں آتی تو اسمیں کوئی قباحت نہیں ہے شارح جامی فرماتے ہیں کہ اسم رفع لفظی اور تقدیری کی مثل رفع محلی پر بھی مشتمل ہوتا ہے اور رفع محلی سے مراد یہ ہے کہ اسم ایسے محل میں ہو کہ اگر اس جگہ کوئی معرب ہو تو وہ لفظاً یا تقدیراً مرفوع ہو جائے۔ پس رفع کو رفع محلی کے ماعدا یعنی رفع لفظی اور تقدیری سے خاص کرنا کیونکر صحیح ہوگا حالانکہ نحوی احوال فاعل سے بحث کرتے ہیں جبکہ وہ ضمیر متصل ہو. قولہ **من المرفوع**:۔ اس سے شارح کا مقصود فمنه کی ضمیر کا مرجع بتانا ہے جسمیں دو احتمال ہیں اول. یہ کہ مرجع لفظ مرفوع

قولہ **فمنه**:۔ اس میں فا برائے تفصیل اور **من** تبعیضیہ ہے اور یہ خبر مقدم ہے اور **الفاعل** مبتدا مؤخر ہے یا **منه** مبتدا ہے اور **الفاعل** اس کی خبر ہے تو تقدیر عبارت اس طرح ہے **فبعضه الفاعل** اور یہی ترکیب اولیٰ ہے کیونکہ مبتدا میں اصل تقدیم ہے اور بعض نے کہا کہ **فمنه** شرط محذوف کا جواب ہے **اى اذا عرفت هذا.**

(فائدہ) **فمنه** کی ضمیر مجرور کا مرجع **المرفوعات** بتاویل مذکور بھی بن سکتا ہے اس صورت میں **ومنها المبتدأ والخبر** سے موافقت بھی ہو جائیگی (تحفہ خادمیہ)

وانما قدمه لانه اصل المرفوعات عندالجمهور لانه جزء الجملة الفعلية التی هی اصل الجُمل ولان عامله اقوی من عامل المبتدأ وقیل اصل المرفوعات المبتدأ لانه باقٍ علی ما هو الاصل فی المسند الیه وهو التقدم بخلاف الفاعل ولانه یحکم علیه بکل حکم جامد او مشتق فکان اقوی بخلاف الفاعل فانه لایحکم علیه الا بالمشتق وهو ای الفاعل ما ای اسم

اور مصنف نے فاعل کو اس لئے مقدم کیا کہ وہ جمہور کے نزدیک مرفوعات کی اصل ہے کیونکہ وہ جملہ فعلیہ کا جز ہے جو کہ تمام جملوں کی اصل ہے اور اس لئے کہ اس کا عامل مبتدا کے عامل سے زیادہ قوی ہے اور کہا گیا ہے کہ تمام مرفوعات کی اصل مبتدا ہے کیونکہ وہ اس پر باقی ہے جو مسندالیہ میں اصل ہے اور وہ مقدم ہونا ہے برخلاف فاعل کے اور اس لئے کہ مبتدا پر جامد یا مشتق میں سے ہر ایک کا حکم لگایا جاسکتا ہے لہٰذا وہ زیادہ قوی ہوا برخلاف فاعل کے کہ اس پر صرف مشتق ہی کا حکم لگایا جاتا ہے (اور وہ) یعنی فاعل (وہ ہے) یعنی اسم ہے

ہو دوم یہ کہ مرجع ما اشتمل ہو قولہ **وانما قدمه**:۔ اسمیں اس بات کا بیان ہے کہ اصل مرفوعات میں فاعل ہے یا مبتدا تو جمہور کے نزدیک اصل فاعل ہے اور یہی مصنف کا مختار ہے اسی لئے مصنف نے فاعل کو مقدم کیا ہے۔ قولہ **لانه جزء**:۔ یہ فاعل کے اصل ہونے پر جمہور کی پہلی دلیل ہے یعنی فاعل جملہ فعلیہ کا جز ہے اور جملہ فعلیہ جملوں میں اصل ہے کیونکہ افادہ اور استفادہ جملہ فعلیہ میں اظہر ہے لہٰذا اصل کا جز بھی اصل ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ فاعل کا عامل قوی ہے مبتدا کے عامل سے کہ فاعل کا عامل لفظی ہے اور عامل کا قوی ہونا معمول کے قوی ہونے کی دلیل ہے اور قوی کو مقدم ہونا چاہئے۔ قولہ **وقیل**:۔ یہاں سے شارح سیبویہ کی دلیل بیان کر رہے ہیں جس کے نزدیک مرفوعات میں مبتدا اصل ہے سیبویہ کہتا ہے کہ مسندالیہ میں اصل تقدیم ہے اور مبتدا اپنی اصل پر باقی ہے یعنی اکثر یہ پہلے ہوتا ہے اور فاعل اپنے اصل سے ہٹا ہوا ہے کیونکہ فعل کے بعد ہوتا ہے لہٰذا مبتدا جو اپنی اصل پر باقی ہے وہ اصل ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مبتدا کی طرف مشتق اور جامد ہر ایک کی نسبت ہوتی ہے اور جامد و مشتق کے ساتھ حکم لگایا جاسکتا ہے لیکن فاعل کی طرف جامد کی نسبت نہیں ہوتی اس لئے مبتدا بنسبت فاعل کے قوی اور اصل ہوا کہ کسی شی پر کثرت حکم شی کی قوت کی دلیل ہے۔ قولہ **ای الفاعل**:۔ شارح نے ای الفاعل کہہ کر ضمیر مرفوع کا مرجع بتایا ہے اور لفظ ما کی تفسیر اسم سے کر کے اس بات کی

قولہ **فسنه الفاعل** ☆ فائدہ ☆ شارح نے **فسنه** کی ضمیر کے دو مرجع ذکر کیے ہیں اول۔ **المرفوع** اس صورت میں ضمیر مرفوع ھو اور ضمیر مجرور دونوں کا مرجع ایک ہو جائیگا دوم۔ **ما اشتمل** اس صورت میں قرب مرجع کی رعایت ہے اور علامہ نور الحق فرماتے ہیں کہ ضمیر کا مرجع **المرفوع** بنانا اولیٰ ہے کہ وہ محدود ہے اور تقسیم محدود کی ہوتی ہے نہ کہ حد کی اور **ما اشتمل** حد ہے نہ کہ محدود قولہ **اصل المرفوعات**:۔ یہی وجہ ہے کہ مرفوع کی تعریف میں فاعل کا ذکر کیا ہے یعنی **ما اشتمل علی علم الفاعلية** سے مرفوع کی تعریف کی ہے (نور الحق) قولہ **وقیل**:۔ شارح نے سیبویہ کی دلیل لفظ قیل کے ساتھ ذکر کر کے دلیل کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے دلیل اول میں وجہ ضعف یہ ہے کہ تقدیم اس مسندالیہ میں اصل ہے جو فاعل نہ ہو اور فاعل میں تاخیر اصل ہے۔ دلیل دوم میں وجہ ضعف یہ ہے کہ مبتدا پر مشتق اور جامد کے ساتھ حکم لگانا اس کی قوت کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے کیونکہ قوت اختصاص سے مستفاد ہوتی ہے نہ عموم سے دیکھئے بوتمیم نے ما اور لا مشابہ بلیس کو عمل نہیں دیا کہ ان میں عموم ہے کہ اسم اور فعل دونوں پر داخل ہوتے ہیں قولہ **لانه جزء الجملة الفعلية**:۔ ☆ سوال ☆ زید قائم ابوہ، میں ابوہ جملہ اسمیہ کا جز ہے لہٰذا جملہ فعلیہ کا جز ہونے کی وجہ سے فاعل کو اصل قرار دینا صحیح نہ ہوا ☆ جواب ☆ یہ قلیل و نادر ہے والقلیل کالمعدوم قولہ **ولان عامله اقوی**:۔ ☆ سوال ☆ خبر ان اور خبر لائے نفی جنس کا عامل بھی لفظی ہے لہٰذا ان میں سے کسی کو اولا ذکر کرنا چاہئے ☆ جواب ☆ تقدیم فاعل کا مرجح موجود ہے یعنی عامل کا فعل ہونا اور خبر ان وغیرہ کا عامل حرف ہے

حقیقة او حکما لیدخل فیه مثل قولهم اعجبنی ان ضربت زیدا اسند الیه الفعل بالاصالة لابالتبعیة لیخرج عن الحد توابع الفاعل و کذاالمراد فی جمیع حدود المرفوعات و المنصوبات والمجرورات غیر التابع بقرینة ذکر التوابع بعدها او شبهه ای ما یشبهه فی العمل وانما قال ذٰلک لیتناول فاعل اسم الفاعل والصفة المشبهتوالمصدر واسم الفعل وافعل التفضیل والظرف

حقیقۃً یا حکماً تاکہ اس میں نحویوں کے قول "اعجبنی ان ضربت زیدا" کی مثل داخل ہوجائے (جس کی طرف فعل مسند کیا گیا ہو) بالاصالۃ نہ بالتبعیۃ تاکہ فاعل کے توابع تعریف سے خارج ہوجائیں اورا سی طرح مرفوعات اور منصوبات اور مجرورات کی تمام تعریفات میں تابع کا غیر مراد ہے بایں قرینہ کہ توابع کا ذکر انواع ثلثہ کے بعد موجود ہے (یا شبہ فعل) یعنی وہ جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو اور مصنف نے "اوشبہ" اس لئے کہا تاکہ یہ تعریف اسم فاعل اور صفت مشبہ اور مصدر اور اسم فعل اور اسم تفضیل اور ظرف کے فاعل کو شامل ہوجائے

طرف اشارہ کیا ہے کہ ما سے مراد اسم ہے اور ما موصوفہ ہے کیونکہ یہ خبر کی جگہ واقع ہے اور خبر نکرہ ہوتی ہے. قولہ **حقیقة اوحکما**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اعجبنی ان ضربت زیدا میں ان ضربت زیدا فاعل ہے لیکن اسم نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ فاعل کی تعریف میں لفظ ما سے مراد اسم ہے اور اسم میں تعمیم ہے کہ حقیقۃً اسم ہو یا حکماً اور ان ضربت زیدا بتاویل مصدر حکماً اسم ہے. قولہ **لیدخل**:۔ یہ عمرا مقدر کے متعلق ہے یعنی ہم نے اسم میں تعمیم اس لئے کی ہے کہ مثل اعجبنی ان ضربت زیدا کی ترکیب کا فاعل اس میں داخل رہے. قولہ **بالاصالة**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں جاءنی زید وعمرو کا عمرو داخل ہوگیا ہے کہ اسکی طرف بھی فعل مسند ہے حالانکہ وہ فاعل نہیں بلکہ تابع ہے. شارح نے جواب دیا کہ اسناد سے مراد اسناد بالاصالت ہے اور ترکیب مذکور میں عمرو کیطرف فعل کا اسناد بالاصالۃ نہیں بلکہ بالتبعیت ہے لہٰذا عمرو فاعل کی تعریف میں داخل نہیں ہے. قولہ **بقرینة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف میں مصنف نے مطلق اسناد کا ذکر کیا ہے لیکن شارح نے اس سے اسناد مقید یعنی اصالۃً اسناد مراد لیا ہے اور مطلق بول کر مقید مراد لینا مجاز ہے جو تعریف میں معیوب ہے ایسا کیوں کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ قرینہ موجود ہو تو تعریف میں مجاز مراد لینا معیوب نہیں، اور یہاں قرینہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ توابع کا ذکر آئندہ آرہا ہے. قولہ **اوشبهه**:۔ یہ **الفعل** پر معطوف ہے یعنی فاعل وہ اسم ہے جسکی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور شبہ فعل وہ ہے جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو مصنف نے **اوشبهه** کہا تاکہ فاعل کی تعریف اسم فاعل، صفت مشبہ، مصدر، اسم فعل، اسم تفضیل اور ظرف کے فاعل کو شامل ہوجائے یعنی فاعل کی دو قسمیں ہیں، اول۔ وہ جس کی جانب فعل مسند ہو، دوم۔ وہ

اور اسم کان فاعل میں داخل ہے. قولہ **بالاصالة**:۔ بعض محققین نے کہا کہ **بالاصالة** کی قید تمام توابع کے اخراج کیلئے نہیں لگائی گئی بلکہ صرف معطوف اور بدل کے اخراج کیلئے لگائی گئی ہے کیونکہ ان میں اسناد ہوتا ہے اور باقی توابع میں اسناد نہیں ہوتا لہٰذا وہ اسند سے خارج ہوگئے. قولہ **ما یشبهه**:۔ شارح نے شبہہ (مصدر) کی تفسیر ما یشبہ کے ساتھ فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو مصدر عامل ہو وہ فعل کے حکم میں ہوتا ہے (محرم افندی) قولہ **فی العمل**:۔ یعنی جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو اس سے شارح کا مقصد مصدر کو شبہ فعل میں داخل کرنا ہے کہ مصدر مفعول مطلق نہ ہو تو فعل والا عمل کرتا ہے.

وقدم ای الفعل اوشبهه علیه ای علی ذلک الاسم واحترز به عن نحو زید فی زید ضرب لانه مما اسند الیه الفعل لان الاسناد الی ضمیر شیء اسناد الیه فی الحقیقة لکنه مؤخر عنه والمراد تقدیمه علیه وجوبا لیخرج عنه المبتدأ المقدم علیه خبره نحو کریم من یکرمک فان قلت قد یجب تقدیمه اذا کان المبتدأ نکرۃ والخبر ظرفا نحو فی الدار رجل قلت المراد وجوب تقدیم نوعه ولیس نوع الخبر مما یجب تقدیمه بخلاف نوع ما اسند الی الفاعل

(اور مقدم کیا گیا ہو) یعنی فعل یا شبہ فعل (اس پر) یعنی اس اسم پر اور مصنف نے "قدم علیہ" کی قید کے ساتھ زیدٌ کی مثل سے احتراز کیا جو زید ضرب میں موجود ہے کیونکہ زید اس قبیل سے ہے جس کی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہے اس لئے کہ کسی شئی کی جانب راجع ضمیر کی طرف اسناد دراصل اسی شئی کی طرف اسناد ہے لیکن فعل ،اسم سے مؤخر ہے اور فعل یا شبہ فعل کی اس اسم پر تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے تا کہ فاعل کی تعریف سے وہ مبتدا خارج ہوجائے جس پر اس کی خبر مقدم ہے جیسے کریم من یکرمک پس اگر تم کہو کہ کبھی خبر کی تقدیم واجب ہوتی ہے جبکہ مبتدا نکرہ اور خبر ظرف ہو جیسے فی الدار رجل تو میں کہوں گا کہ فعل یا شبہ فعل کی تقدیم سے ان کی نوع کی تقدیم مراد ہے اور نوع خبر اس قبیل سے نہیں جس کی تقدیم واجب ہو برخلاف ما أسند الی الفاعل کی نوع کے

جسکی جانب شبہ فعل مسند ہو قولہ **ای الفعل** :۔اس میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ قدم کا نائب فاعل فعل یا شبہ فعل ہے اور **علی ذلک الاسم** کے بڑھانے سے مقصود **علیه** کی ضمیر مجرور کا مرجع بتاتا ہے قولہ **واحترز به** :۔یعنی مصنف کا قول **قدم علیه** قید احترازی ہے اور اس سے **زید ضرب** کی ترکیب کے زید سے احتراز ہے کیونکہ زید کی طرف فعل کی نسبت تو ہے کہ زید ضرب کی ضمیر کا مرجع ہے اور شئی کی ضمیر کی طرف اسناد اس شئی کی طرف ہے لیکن فعل **ضرب** مؤخر ہے قولہ **والمراد** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس میں **کریم من یکرمک** کی مثال کا مبتدا (من) داخل ہو گیا اس لئے کہ وہ مسند الیہ بھی ہے اور اس پر کریم شبہ فعل مقدم بھی ہے۔شارح نے جواب دیا کہ فاعل کی تعریف میں فعل یا شبہ فعل کی تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے اور مثال مذکور میں **کریم** کی تقدیم جوازی ہے لہذا فاعل کی تعریف سے مثال مذکور کا مبتدا خارج ہوا اور تعریف مانع ہوئی قولہ **فان قلت** :۔یہ اوپر والے سوال کے جواب پر اعتراض ہے کہ ہم نے مانا کہ فاعل کی تعریف میں تقدیم سے مراد تقدیم وجوبی ہے لیکن بعض صورتوں میں خبر کی تقدیم بھی وجوبی ہوتی ہے جبکہ مبتدا نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو جیسے فی الدار رجل ۔شارح نے جواب دیا کہ یہ خبر کی تقدیم مبتدا پر تقدیم فردی ہے یعنی خبر کے بعض افراد بعض صورتوں میں وجوبا مقدم ہوتے ہیں اور فاعل کی تعریف میں تقدیم سے مراد تقدیم نوعی ہے اور نوع فاعل پر فعل یا شبہ فعل کے تمام افراد وجوبا مقدم ہوتے ہیں.

قولہ **وقدم** :۔یہ واؤ حالیہ ہے اور جملہ محل نصب میں ہے الفعل اوشبہہ سے حال ہونے کی وجہ سے اور علی طریقۃ قیام الفعل اوشبہہ میں جہۃ کے معنی کا بیان ہے کہ جہۃ بمعنی طرز و طریقہ ہے قولہ **والمراد** :۔اور تقدیم وجوبی مراد ہونے پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے مطلقا تقدیم کا ذکر کیا ہے اور مطلق تقدیم کا فرد کامل تقدیم وجوبی ہے اور کریم من یکرمک میں کلمہ کریم کی تقدیم وجوبی نہیں بلکہ سامع کو مبتدا کا شوق دلانے کیلئے ہے جیسے درج ذیل شعر میں اشتیاق الی المبتدا کے طور پر خبر کو مقدم کیا گیا ہے۔ ثلاثۃ تجلو من القلب الحزن .... الماء والخضراء والوجہ الحسن تین چیزیں دل کے حزن اور غم کو دور کردیتی ہیں،پانی اور سبزہ اور روئے زیبا.

علی جهة قیامه ای اسنادا واقعا علی طریقة قیام الفعل او شبهه به ای بالفاعل فطریق قیامه به ان یکون علی صیغة المعلوم او علی ما فی حکمها کاسم الفاعل والصفة المشبهة واحترز بهذا القید عن مفعول مالم یسم فاعله کزید فی ضرب زید علی صیغة المجهول والاحتیاج الی هذا القید انما هو علی مذهب من لم یجعله داخلا فی الفاعل کالمصنف واما علی مذهب من جعله داخلا فیه کصاحب المفصل فلا حاجة الی هذا القید بل یجب ان لا یقید به

(اس کے قیام کے طور پر) یعنی ایسا اسناد جو فعل یا شبہ فعل کے قیام کے طور پر ہو (اس کے ساتھ) یعنی فاعل کے ساتھ پس فعل یا شبہ فعل کے فاعل کے ساتھ قیام کا طریقہ یہ ہے کہ فعل صیغہ معلوم پر ہو یا اس صیغہ پر جو معلوم کے حکم میں ہے جیسے اسم فاعل اور صفت مشبہ اور مصنف نے "علی جہۃ قیامہ بہ" کے ساتھ مفعول مالم یسم فاعلہ سے احتراز کیا جیسے ضرب زید بصیغہ مجہول کی مثال میں زید ہے اور اس قید کی ضرورت اس شخص کے مذھب پر ہے جو مفعول مالم یسم فاعلہ کو فاعل میں داخل نہیں کرتا لیکن اس شخص کے مذھب پر جو مفعول مالم یسم فاعلہ کو فاعل میں داخل کرتا ہے جیسے صاحب مفصل تو اس کے نزدیک اس قید کی ضرورت نہیں بلکہ واجب ہے کہ فاعل کی تعریف اس قید کے ساتھ مقید نہ کی جائے

قولہ **ای اسنادا واقعا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول **علی جهة قیامه** کا اعراب محلی کیا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جار مجرور جس عبارت میں واقع ہو اسکا اعراب محلی ہوتا ہے۔ شارح نے **واقعا** کا لفظ بڑھا کر جواب دیا کہ یہاں اسکا اعراب محلی بنا بر صفت مصدر نصب ہے یعنی یہ جار مجرور **واقعا** کے متعلق ہو کر **اسنادا** مقدر کی صفت ہے جو مفعول مطلق ہے اور **به** کی ضمیر کا مرجع فاعل ہے۔ قولہ **فطریق قیامه** :۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فاعل کی مذکورہ بالا تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے **مات زید** اور **طال زید** کی ترکیب کا فاعل خارج ہو گیا اس لئے کہ قیام سے متبادر یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہو اور مذکورہ ترکیبوں میں موت اور طول فاعل سے صادر نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ فعل یا شبہ فعل کے فاعل کے ساتھ قائم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فعل بصیغہ معروف ہو یا جو اسکے حکم میں ہے جیسے اسم فاعل اور صفت مشبہ خواہ فعل فاعل سے صادر ہو یا فعل فاعل کے ساتھ قائم ہو اور موت اور طول مذکورہ مثالوں میں فاعل کے ساتھ قائم ہے لہذا تعریف جامع ہے۔ قولہ **واحترز بهذا القید** :۔ یعنی مصنف کا قول "**علی جهة قیامه**" قید احترازی ہے جس سے ضرب زید کی ترکیب کے نائب فاعل یعنی زید سے احتراز ہے کیونکہ ضرب صیغہ معلوم نہیں بلکہ صیغہ مجہول ہے قولہ **والاحتیاج**:۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور صاحب مفصل نے فاعل کی تعریف میں **علی جهة قیامه** کی قید ذکر نہیں کی پس مصنف نے اسکی مخالفت کرتے ہوئے یہ قید کیوں ذکر کی ہے شارح نے جواب دیا کہ یہ قید انکے نزدیک ہے جو نائب فاعل کو فاعل کی تعریف میں داخل نہیں مانتے اور مصنف ان میں سے ہیں، اور جو حضرات نائب فاعل کو فاعل کی تعریف میں داخل مانتے ہیں جیسے صاحب مفصل تو انکے نزدیک یہ قید

☆سوال☆ فاعل کی تعریف میں **علی جهة قیامه به** کا کیا فائدہ ہے☆ جواب☆ یہ قید نہ ہو تو نائب فاعل پر فاعل کی تعریف صادق آئیگی جیسے ضرب زید میں واقع لفظ زید پس قید مذکور سے یہ فاعل کی تعریف سے خارج ہو گیا قولہ **بل یجب ان لا یقید به**:۔ فاعل کی تعریف کو علی جہۃ قیامہ بہ کی قید سے مقید نہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ فاعل کی تعریف میں نائب فاعل داخل ہو جائے جیسا کہ صاحب مفصل اور عبدالقاہر کا مذھب ہے۔

مثل زید فی قام زید فهذا مثال لما اسند الیه الفعل ومثل ابوه فی زید قائم ابوه فهذا مثال لما اسند الیه شبه الفعل والاصل فی الفاعل ای ما ینبغی ان یکون الفاعل علیه ان لم یمنع مانع ان یلی الفعل المسند الیه ای یکون بعده من غیر ان یتقدم علیه شئی آخر من معمولاته

(جیسے) زید ہے (قام زید میں) پس یہ قول اس کی مثال ہے جسکی طرف فعل کا اسناد کیا گیا ہو (اور) جیسے ابوہ ہے (زید قائم ابوہ میں) تو یہ اسکی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل کا اسناد کیا گیا ہو (اور اصل) فاعل میں یعنی وہ چیز کہ جس پر فاعل کا ہونا مناسب ہے اگر کوئی مانع منع نہ کرے (یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل ہو) وہ فعل جو فاعل کی طرف مسند ہو یعنی فاعل فعل کے بعد ہو اس کے بغیر کہ فعل کے معمولات میں سے کوئی دوسری شئی اس پر مقدم

بڑھ جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اس قید کا ترک ضروری ہے تاکہ نائب فاعل فاعل کی تعریف میں داخل رہے۔ قولہ **مثل زید**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے فاعل کی دو مثالیں ذکر کی ہیں۔ اول۔ قام زید۔ دوم۔ زید قائم ابوہ یہ دونوں جملہ ہیں اور فاعل جملہ نہیں ہوتا اسلئے فاعل کی دونوں مثالیں غلط ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں کل بول کر جز مراد لیا گیا ہے یعنی فاعل کی مثال زید ہے جو قام زید میں ہے اور فاعل کی مثال ابوہ ہے جو زید قائم ابوہ میں ہے پہلی اس فاعل کی مثال ہے جسکی طرف فعل مسند ہے اور دوسری اس فاعل کی مثال ہے جس کی طرف شبہ فعل مسند ہے۔ قولہ **والاصل فی الفاعل**: چونکہ بحث فاعل کی ہو رہی ہے اس لئے شارح نے **الاصل** کے بعد **فی الفاعل** کا اضافہ کر کے اس ابہام کو دور کیا ہے کہ اصل کس چیز میں ہے اور شارح کا قول **ای ماینبغی** ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اصل کے معنی ہیں قاعدہ کلیہ تو مصنف کی عبارت کے معنی ہوئے کہ فاعل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ فعل سے متصل ہو لہذا **ضربک زید** کی ترکیب ناجائز ہونی چاہئے کہ اس ترکیب میں فعل اور فاعل کے درمیان کاف ضمیر مفعول کے ساتھ فصل ہے حالانکہ یہ ترکیب جائز ہے شارح نے جواب دیا کہ اصل کے تین معنی ہیں۔ اول۔ قاعدہ کلیہ۔ دوم۔ ماینبنی علیہ وغیرہ۔ سوم۔ راجح۔ یہاں یہی تیسرے معنی مراد ہیں یعنی فاعل میں راجح اور اولی یہ ہے کہ فعل کے قریب ہو قولہ **ان لم یمنع مانع**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ماتن کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ فاعل میں راجح یہ ہے کہ فعل سے متصل ہو کیونکہ "**ما ضرب زید الا عمرو**" میں فاعل کا فعل سے اتصال راجح نہیں ہے بلکہ یہ اتصال ممنوع ہے شارح نے جواب دیا کہ فاعل کا فعل سے متصل ہونا اس وقت راجح اور اولی ہے جب اتصال سے کوئی چیز مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے یعنی فاعل کا الا کے بعد واقع ہونا قولہ **المسند الیہ**:۔ شارح نے **الفعل** کے بعد **المسند الیہ** کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **الفعل** کا لام عہد خارجی کیلئے ہے اور اس سے مراد وہ فعل ہے جو فاعل کی طرف مسند ہو قولہ **ای یکون بعدہ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **جاء الرجل** میں فاعل فعل سے متصل نہیں ہے کیونکہ درمیان میں لام تعریف ہے لہذا ماتن کا یہ قول غلط ہے کہ **والاصل ان یلی الفعل** شارح نے جواب دیا کہ فاعل کے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کا کوئی معمول فاعل سے پہلے نہ ہو اور **الرجل** میں فاعل (رجل)

قولہ **مثل زید**:۔ لفظ مثل کے اعراب میں دو احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ مبتدا محذوف کی خبر کی بنا پر مرفوع ہو ای **ھو مثل زید**۔ دوم۔ یہ کہ فعل مقدر کے مفعول بہ کی بنا پر منصوب ہو ای **امثل مثل زید**۔ (محرم) قولہ **ان یلی الفعل**:۔ اگرچہ شبہ فعل کے فاعل کا بھی یہی حکم ہے کہ شبہ فعل سے متصل ہو لیکن مصنف نے صرف فعل کے فاعل کا حکم بیان کیا ہے اس لئے کہ فعل اصل ہے اور اصل کے حکم میں فرع بھی داخل ہوتا ہے اور اسی بات پر تنبیہ کیلئے اسم ظاہر "**الفعل**" کو ذکر کیا ہے اور "**ان یلیہ**" نہیں کہا تاکہ الفعل کے لام سے اس فعل کی طرف اشارہ ہو جائے جو فاعل کی تعریف میں مذکور ہے۔

لانہ کالجزء من الفعل لشدۃ احتیاج الفعل الیہ ویدل علی ذٰلک اسکان اللام فی ضَرَبْتُ لانہ لدفع توالی اربع حرکات فیما ھو بمنزلۃ کلمۃ واحدۃ فلذٰلک الاصل الذی یقتضی تقدم الفاعل علی سائر معمولات الفعل جاز ضرب غلامہ زید لتقدم مرجع الضمیر وھو زید رتبۃً فلا یلزم الاضمار قبل الذکر مطلقا بل لفظا فقط وذٰلک جائز وامتنع ضرب غلامُہ زیدا لتاخر مرجع الضمیر وھو زید لفظا ورتبۃً فیلزم الاضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃً وذٰلک غیر جائز خلافا للاخفش وابن جنی ومستندھما فی ذٰلک قول الشاعر شعر جزیٰ ربہ عنی عدی بن حاتم ☆ جزاء الکلاب العاویات وقد فعل ☆

ہو کیونکہ فاعل فعل سے جز کی مانند ہے بوجہ فعل کے سخت احتیاج کے فاعل کی جانب اور فاعل کے کالجز ہونے پر ضربت کے لام کا اسکان دلالت کرتا ہے کیونکہ لام کا ساکن کرنا مسلسل چار حرکتوں کے دفع کرنے کیلئے ہے اس میں جو بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہے (پس اسی وجہ سے) یعنی اسی اصل کی وجہ سے جو تمام معمولات فعل پر فاعل کی تقدیم کا مقتضی ہے ضرب غلامہ زیدٌ جائز ہے بوجہ مقدم ہونے ضمیر کے مرجع کے جو زیدٌ ہے رتبہ کے اعتبار سے لہٰذا اس میں مطلقا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا بلکہ صرف لفظا لازم آتا ہے اور وہ جائز ہے (اور ضرب غلامہ زیدا ممتنع ہے) بوجہ مؤخر ہونے ضمیر کے مرجع کے باعتبار لفظا اور رتبہ کے اور وہ مرجع زید ہے. پس اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ لازم آیا اور وہ جائز نہیں برخلاف اخفش اور ابن جنی کے اور اضمار قبل الذکر کے جواز میں ان دونوں کی دلیل شاعر کا قول ہے جزیٰ ربہ الخ

ہیں اگر چہ لام تعریف مقدم ہے مگر وہ لام فعل کا معمول نہیں ہے اس لیے اس مثال میں قاعدہ کے مطابق فاعل فعل سے متصل ہے. قولہ لانہ کالجزء :۔ شارح نے اس عبارت میں فاعل کے اتصال بالفعل کی وجہ بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ فاعل بمنزلہ جز کے ہے فعل سے. کیونکہ فعل اپنے وجود میں فاعل کا بہت محتاج ہوتا ہے چونکہ جز اپنے کل سے متصل ہوتا ہے تو فاعل جو کالجزء ہے وہ بھی متصل ہی ہوگا. اور فاعل کے جز ہونے پر ضربت کے لام کلمہ کا سکون دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کا لام اس لئے ساکن کر دیا گیا ہے کہ بمنزلہ کلمہ واحدہ میں پے در پے چار حرکتیں نہ آئیں قولہ فلذٰلک :۔ اس عبارت میں فا برائے تفریع اور لام تعلیل کیلئے ہے اور ذٰلک کا مشارٌ الیہ الاصل ہے یعنی اسی قاعدہ کی وجہ سے جو فاعل کی تقدیم کا مقتضی ہے فعل کے باقی معمولات پر. یہ ترکیب ضرب غلامہ زید جائز ہے کیونکہ اس میں ضمیر مجرور کا مرجع زید رتبۃً مقدم ہے لہٰذا اس ترکیب میں صرف لفظا اضمار قبل الذکر ہے جو جائز ہے. قولہ وامتنع :۔ یعنی اسی قاعدہ کی وجہ سے "ضرب غلامہ زیدا " کی ترکیب ممتنع ہے کیونکہ اسمیں ضمیر کا مرجع لفظ زید لفظا اور رتبہ دونوں کے اعتبار سے مؤخر ہے چونکہ اس ترکیب میں اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً ہے اس لئے یہ ترکیب ممنوع ہے. قولہ خلافا للاخفش :۔ ضرب غلامہ زیدا کی ترکیب کے عدم جواز میں اخفش اور ابن جنی اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ

قولہ خلافا :۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور للاخفش اسی کے متعلق ہے ای خالف الجمہور خلافا للاخفش وابن جنی یعنی للاخفش فاعل ہے اور اس کا لام تبیین فاعل کیلئے ہے کیونکہ اخفش اور ابن جنی نے جمہور کی مخالفت کی ہے قولہ وابن جنی :۔ صاحب عقد النامی نے سیوطی سے نقل کیا ہے کہ ابن جنی امام

واجيب عنه بان هذا لضرورة الشعر و المراد عدم جوازه فى سعة الكلام وبانه لا نسلم ان الضمير يرجع الى العدى بل الى المصدر الذى يدل عليه الفعل اى جزى رب الجزاء واذا انتفى الاعراب الدال على فاعلية الفاعل ومفعولية المفعول بالوضع لفظافيهما اى فى الفاعل المتقدم ذكره صريحا وفى ضمن الامثلة والمفعول المتقدم ذكره فى ضمن الامثلة

اوران کی دلیل کا جواب بایں طور دیا گیا ہے کہ یہ جواز ضرورت شعری کی وجہ سے ہے اور عدم جواز سے مراد نثر کلام میں اضمار قبل الذکر کا عدم جواز ہے اور بایں طور کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ضمیر عدی کی جانب لوٹتی ہے بلکہ ضمیر اس مصدر کی جانب لوٹتی ہے جس پر فعل جزی دلالت کرتا ہے ای جزی رب الجزاء یعنی جزادے اسکو رب جزا (اور جب اعراب منتفی ہو) جو وضع کے اعتبار سے فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دال ہے (لفظ کے اعتبار سے ان دونوں میں) یعنی فاعل میں جس کا ذکر صراحۃ اور مثالوں کے ضمن میں گذر چکا ہے اور مفعول میں جس کا ذکر مثالوں کے ضمن میں گذر چکا ہے

ترکیب بھی جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ دونوں طرح ہو تو وہ بھی جائز ہے اور انکی دلیل شاعر کا قول ہے جسمیں ربہ کی ضمیر **عدی** کی طرف راجع ہے اور **عدی** ترکیب میں **جزی** کا مفعول ہے جو لفظا اور رتبۃ موخر ہے چونکہ یہ اضمار قبل الذکر ایک فصیح شاعر کے کلام میں موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ ترجمہ شعر:۔ عدی بن حاتم کا رب اسے میرے بدلے بھونکنے والے کتوں کی سی جزادے اور اس نے یہ کر دیا یعنی جزادے دی قولہ **واجیب عنه** :۔ اسمیں شارح نے اخفش اور ابن جنی کی دلیل کا جواب دیا ہے جو تسلیمی ہے یعنی بعد از تسلیم ہم کہتے ہیں کہ شعر میں اضمار قبل الذکر ضرورت شعری کی وجہ سے ہے اور اس کا عدم جواز نثر کلام میں ہے اور جواب دوم یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ شعر میں ضمیر کا مرجع عدی بن حاتم ہے بلکہ اسکا مرجع وہ مصدر ہے جس پر فعل **جزی** دلالت کرتا ہے پس تقدیر عبارت اسطرح ہے **جزی رب الجزاء** اور اس تقدیر پر شعر میں اضمار قبل الذکر نہیں ہے۔ قولہ **واذا انتفی الاعراب**:۔ یہاں سے مصنف فاعل کا دوسرا حکم بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ کن صورتوں میں فاعل کی تقدیم واجب ہے اور کن صورتوں میں فاعل کی تاخیر واجب ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں میں اعراب لفظی اور قرینہ منتفی ہو قولہ **ای الدال**:۔ اس عبارت میں شارح نے اس اعراب کی تعریف کی ہے جو فاعل اور مفعول پر ہوتا ہے یعنی اعراب وہ ہے جو فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر باعتبار وضع کے دلالت کرے۔ قولہ **ای فی الفاعل** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **فیهما** کی ضمیر مجرور فاعل اور مفعول کی طرف راجع ہے جبکہ فاعل مذکور ہے اور مفعول

ابو الفتح عثمان بصری کی کنیت ہے جو جیم کے کسرہ اور یا کے سکون کے ساتھ جنی کا معرب ہے اور انکی یا نسبت کی نہیں ☆ فائدہ ☆ علامہ عصام فرماتے ہیں کہ اخفش اور ابن جنی اضمار قبل الذکر کو صرف ایک صورت میں جائز مانتے ہیں نہ مطلقا اور وہ صورت یہ ہے کہ جب ضمیر فاعل سے متصل ہو اور اس کا مرجع مفعول موخر ہو جیسے ضرب غلامہ زید اور ان کے نزدیک وجہ جواز یہ ہے۔ کہ یہ حضرات مفعول موخر کو رتبۃ مقدم مانتے ہیں لہذا انکے نزدیک یہ اضمار قبل الذکر صرف لفظا ہے نہ رتبۃ اور یہ جائز ہے اور یہ بات صحیح نہیں کہ انکے نزدیک وہ اضمار قبل الذکر بھی جائز ہے جو لفظا اور رتبۃ ہو قولہ **عدی بن حاتم**:۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول ہیں غالبا دور جاہلیت میں انکی ہجو میں یہ شعر کہا گیا قولہ **واجیب عنه** :۔ جواب اول کی صورت میں لفظ رب بمعنی پروردگار ہوگا ترجمہ یہ ہوگا کہ عدی بن حاتم کا پروردگار اسکو میرے بدلے میں ایسی سزا دے جیسے بھونکنے والے کتوں کو دی جاتی ہے اور وہ دے بھی چکا اور دوسرے جواب کی صورت میں لفظ رب بمعنی صاحب ہوگا اور مطلب ہوگا کہ جزا دے صاحب جزا قولہ **فی ضمن الامثلة**:۔ ☆ سوال ☆ قام زید اور ضرب غلامہ زید میں تو فاعل اور مفعول کا فرد مذکور ہے جنس مذکور نہیں ☆ جواب ☆ فرد کا تحقق جنس کے بغیر نہیں

والقرینۃ ای الامر الدال علیهما لا بالوضع اذ لا یعهد ان یطلق علی ما وضع بازاء شئی انه قرینة علیه فلا یرد علیه ان ذکر الاعراب مستغنی عنه اذ القرینة شاملة له وهی اما لفظیة نحو ضربت موسیٰ حبلیٰ او معنویة نحو اکل الکمثری یحیٰ او کان الفاعل مضمرا متصلا بالفعل بارزا کضربت زیدا او مستکنا کزید ضرب غلامه بشرط ان یکون المفعول متاخرا عن الفعل لئلا ینتقض بمثل زیدا ضربت او وقع مفعوله ای مفعول الفاعل

(اور قرینہ) یعنی وہ امر جو فاعلیت اور مفعولیت پر بلا وضع دال ہے کیونکہ یہ معہود نہیں کہ جو شی کسی شی کے مقابلہ میں وضع کی گئی ہو اس پر اطلاق کیا جائے کہ وہ شی اس شی پر قرینہ ہے لہٰذا قرینہ کے ذکر پر یہ اعتراض نہیں وارد ہوگا کہ اعراب کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قرینہ اعراب کو شامل ہے اور قرینہ یا تو لفظی ہوگا جیسے ضربت موسیٰ حبلیٰ یا معنوی ہوگا جیسے اکل الکمثریٰ یحییٰ (یا ہو وہ) فاعل (ضمیر متصل) فعل کے ساتھ خواہ بارز ہو جیسے ضَرَبْتُ زیدا یا مستتر جیسے زید ضرب غلامہ اس شرط کے ساتھ کہ مفعول بہ فعل سے مؤخر ہوتا کہ مصنف کے قول زیدا ضربت کی مثل سے منتقض نہ ہو (یا اس کا مفعول واقع ہو) یعنی فاعل کا مفعول

غیر مذکور ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آیا جو نا جائز ہے شارح نے جواب دیا کہ سابق میں فاعل کا صراحۃً ذکر ہو چکا ہے اور مثالوں کے ضمن میں بھی اور مفعول کا ذکر اگرچہ صراحۃً نہیں ہوا لیکن مثالوں کے ضمن میں اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے لہٰذا عبارت میں اضمار قبل الذکر نہیں ہے۔ قولہ **ای الامر الدال**:۔ اس عبارت میں شارح نے قرینہ کی تعریف کی ہے یعنی قرینہ وہ ہے جو فاعل ہونے اور مفعول ہونے پر دلالت کرے لیکن اس غرض کیلئے موضوع نہ ہو کیونکہ دال بالوضع کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اس چیز کیلئے قرینہ ہے متعارف نہیں ہے۔ قولہ **فلا یرد علیه**:۔ یہ شارح ھندی پر رد ہے اس وجہ سے کہ اس نے کہا کہ ماتن کیلئے یہ کافی تھا کہ وہ "**اذا انتفی القرینة**" کہتا۔ کیونکہ قرینہ امر دال علی تعیین شئی کو کہتے ہیں اور یہی اعراب کے معنی ہیں۔ شارح جامی نے **بالوضع** کہہ کر اعراب اور قرینہ کے درمیان فرق بیان کیا ہے جس سے واضح ہو گیا کہ اعراب اور قرینہ ایک چیز نہیں لہٰذا قرینہ کا ذکر اعراب کے ذکر سے مستغنی نہیں کرتا۔ قولہ **وهی اما لفظیة**:۔ اعراب اور قرینہ کے درمیان فرق بیان کرنے کے بعد شارح قرینہ کے اقسام بیان کرتے ہیں یعنی قرینہ کی دو قسمیں ہیں، اول۔ قرینہ لفظیہ جیسے ضربت موسیٰ حبلیٰ میں تاء تانیث حبلیٰ کے فاعل ہونے کا قرینہ ہے اور دوم۔ قرینہ معنویہ جیسے اکل الکمثریٰ یحییٰ میں (اکل) کا معنی یحییٰ کے فاعل ہونے کا قرینہ ہے کیونکہ کمثریٰ ماکول ہے۔ قولہ **او کان مضمرا**:۔ یہاں سے تقدیم فاعل کی دوسری صورت بیان کرتے ہیں۔ شارح نے **الفاعل** سے کان کا اسم بتایا ہے یعنی فاعل ضمیر متصل بالفعل ہو خواہ بارز ہو جیسے ضربت زیداً خواہ مستتر ہو جیسے زید ضرب غلامَہٗ تو فاعل کی تقدیم واجب ہے۔ قولہ **بشرط**:۔ یہ صاحب وافیہ کے اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ زیداً ضربت کی ترکیب میں فاعل ضمیر متصل بالفعل ہے اسکے باوجود مفعول پر مقدم نہیں ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بات صحیح نہیں کہ فاعل ضمیر متصل ہو تو اسکی تقدیم واجب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ تقدیم فاعل اس وقت واجب ہے جبکہ مفعول فعل سے مؤخر ہو اور مثال مذکور میں مفعول فعل سے پہلے ہے لہٰذا اس مثال میں تقدیم فاعل واجب نہیں۔ قولہ **او وقع مفعوله**:۔ یہ وجوب تقدیم فاعل کی تیسری صورت کا بیان ہے یعنی

ہونا لہٰذا جنس بھی مذکور ہے (عبد) قولہ **القرینة**:۔ قرینہ وہ چیز ہے جو کسی چیز کی تعیین پر دلالت کرے لیکن وضع کو اس تعیین میں دخل نہ ہو قرینہ فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی مقرونہ اور تاء اسکے آخر میں نقل کی ہے یا اس لئے کہ **القرینة** "**البینة**" محذوف کی صفت ہے۔ (مقتدر)

بعد الا بشرط توسطها بينهما فى صورتى التقديم والتاخير نحو ما ضرب زيد الا عمرا او بعدمعناها نحو انما ضرب زيد عمرا وجب تقديمه اى تقديم الفاعل على المفعول فى جميع هذه الصور اما فى صورة انتفاء الاعراب فيهما والقرينة فللتحرز عن الالتباس واما فى صورة كون الفاعل ضميرا متصلا فلمنافاة الاتصال الانفصال واما فى صورة وقوع المفعول بعد الا لكن بشرط توسطها بينهما فى صورتى التقديم والتاخير فئلا ينقلب الحصر المطلوب فان المفهوم من قوله ماضرب زيد الا عمرا انحصار ضاربية زيد فى عمرو مع جواز ان يكون عمرو مضروبا لشخص آخر والمفهوم من قوله ماضرب عمرا الازيد انحصار مضروبية عمرو فى زيد مع جواز ان يكون زيد ضاربا لشخص آخر

(الا کے بعد) اس شرط کے ساتھ کہ الا تقدیم وتاخیر کی دونوں صورتوں میں فاعل اور مفعول کے درمیان ہو (یا الا کے معنی کے بعد) جیسے انما ضرب زید عمرا (تو اس کو مقدم کرنا واجب ہے) یعنی ان تمام صورتوں میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے بہرحال ان دونوں میں اعراب اور قرینہ کے منتفی ہونے کی صورت میں تو التباس سے بچنے کیلئے اور بہرحال فاعل کے ضمیر متصل ہونے کی صورت میں تو بوجہ منافات کے اتصال وانفصال میں اور بہرحال مفعول کے الا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں ساتھ پائے جانے شرط الا کے متوسط ہونے کے تقدیم وتاخیر کی دونوں صورتوں میں تو وہ اس لئے کہ حصر مطلوب منقلب نہ ہو جائے کیونکہ قائل کے قول "ماضرب زید الا عمرا" کا مفہوم زید کے ضارب ہونے کا انحصار ہے عمرو میں باوجود جائز ہونے اس بات کے کہ عمرو کسی شخص آخر کا مضروب ہو اور جو قائل کے قول "ماضرب عمرا الا زید سے مفہوم ہو رہا ہے وہ عمرو کی مضروبیت کا انحصار ہے زید میں باوجود جائز ہونے اس بات کے کہ زید کسی شخص آخر کا ضارب ہو

جب فاعل کا مفعول الا کے بعد واقع ہو تو فاعل کی تقدیم واجب ہے جیسے ماضرب زید الا عمرا قولہ **بشرط توسطها**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا **ماضرب الا عمرا زید** سے منقوض ہے اس لئے کہ یہاں مفعول الا کے بعد واقع ہے اس کے باوجود فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس صورت میں ایک شرط یہ ہے کہ لفظ الا فاعل اور مفعول کے درمیان ہو تقدیم فاعل وتاخیر مفعول دونوں صورتوں میں اور مذکورہ مثال میں الا فاعل اور مفعول کے درمیان نہیں آیا اس لئے مذکورہ مثال میں فاعل کی تقدیم واجب نہیں ہے اور ماضرب زید الا عمرا میں فاعل کی تقدیم واجب ہے کیونکہ اس میں لفظ الا فاعل اور مفعول دونوں کے درمیان ہے۔ قولہ **او بعد معناها**: یہ وجوب تقدیم فاعل کی چوتھی صورت ہے اور معنی الا سے مراد انما ہے یعنی مفعول انما کے بعد واقع ہو اور فاعل مفعول سے پہلے ہو تو فاعل کی تقدیم واجب ہے جیسے **انما ضرب زید عمرا**۔ قولہ **اما فی صورة**۔ یہاں سے شارح صور اربعہ مذکورہ میں سے ہر ایک میں تقدیم فاعل کی علت بیان کرتے ہیں صورت اول یعنی قرینہ اور اعراب نہ ہونے کے وقت فاعل کی تقدیم واجب ہے تا کہ فاعل اور مفعول میں التباس نہ ہو اور صورت ثانیہ یعنی فاعل کی ضمیر متصل ہونے کی صورت میں تقدیم فاعل اس لئے واجب ہے کہ اتصال اور انفصال کے درمیان منافات ہے پس اگر

فلو انقلب احدھما بالآخر لانقلب الحصر المطلوب وانما قلنا بشرط توسطھا بینھما فی صورتی التقدیم والتاخیر لانہ لو قدم المفعول علی الفاعل مع الا فیقال ماضرب الاعمرا زید فالظاھر ان معناہ انحصار ضاربیۃ زید فی عمرو اذ الحصر انما ھو فی مایلی الا فلاینقلب الحصر المطلوب فلایجب تقدیم الفاعل لکن لم یستحسنہ بعضھم لانہ من قبیل قصر الصفۃ قبل تمامھا وانما قلنا الظاھر ان معناہ کذا لاحتمال ان یکون معناہ ماضرب احداً احدٌ الاعمرا زید فیفید انحصار صفۃ کل واحد منھما فی الآخر وھو ایضا خلاف المقصود

پس اگر ان دو میں سے ایک دوسرے سے منقلب ہوجائے تو حصر مطلوب بدل جائیگا اور ہم نے کہا کہ ساتھ متوسط ہونے الا کے تقدیم وتاخیر کی دونوں صورتوں میں کیونکہ اگر مفعول مع الا کے فاعل پر مقدم کیا جائے اور ماضرب الاعمرا زیدٌ کہا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی زید کے ضارب ہونے کا انحصار ہے عمرو میں کیونکہ حصر اسی میں ہوتا ہے جو الا سے متصل ہو پس حصر مطلوب منقلب نہ ہوگا لہٰذا فاعل کی تقدیم واجب نہ ہوگی لیکن بعض نحویوں نے اسے مستحسن نہیں سمجھا کیونکہ یہ قصر صفت قبل تمام الصفت کے قبیل سے ہے اور ہم نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ اسکا معنی ہو ماضرب احداً احدٌ الاعمرا زیدٌ یعنی کسی نے کسی کو نہیں مارا مگر زید نے عمرو کو پس یہ معنی فاعل اور مفعول میں سے ہر ایک کی صفت کے دوسرے میں انحصار کا فائدہ دے گا اور یہ معنی بھی خلاف مقصود ہے

فاعل مفعول سے مؤخر ہو جائے تو فعل سے منفصل اور جدا ہو جائیگا حالانکہ فاعل کو فعل سے متصل مانا گیا ہے اور تیسری صورت میں تقدیم فاعل اسلئے واجب ہے کہ حصر مطلوب منقلب اور تبدیل نہ ہو جائے کیونکہ ماضرب زید الاعمرا میں زید کی ضاربیت کا انحصار ہے جسکا معنی یہ ہے کہ زید نے صرف عمرو کو مارا عمرو کی مضروبیت کا انحصار نہیں بلکہ جائز ہے کہ عمرو کو کسی اور نے مارا ہو اور ماضرب عمرا الا زیدٌ میں عمرو کی مضروبیت کا انحصار ہے یعنی عمرو کو صرف زید نے مارا کسی اور نے نہیں مارا لیکن زید کسی اور کا بھی ضارب ہو یہ جائز ہے تو خلاف مقصود سے بچنے کیلئے فاعل کی تقدیم واجب ہے۔ قولہ وانما قلنا:۔ شارح یہاں سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے **بشرط توسطھا** کی قید اس لیئے بڑھائی ہے کہ اگر مفعول مع لفظ الا فاعل پر مقدم ہو جیسے **ماضرب الا عمرا زیدٌ** تو بظاہر اس مثال کا معنی زید کی ضاربیت کا انحصار ہے عمرو میں کیونکہ حصر اسمیں ہوتا ہے جو کلمہ الا کے قریب واقع ہو پس یہاں حصر مطلوب منقلب نہیں ہوگا لہٰذا تقدیم فاعل بھی واجب نہیں ہے لیکن اس ترکیب کو بعض نے مستحسن نہیں سمجھا کہ اسمیں صفت کے تمام ہونے سے پہلے صفت کا حصر لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے۔ قولہ **وانما قلنا**: یعنی ہم نے کہا **الظاھر ان معناہ انحصار ضاربیۃ زید فی عمرو** اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ مثال مذکور کے معنی ہوں ماضرب احداً احدٌ الاعمرا زید پس اس تقدیر پر فاعل اور مفعول میں سے ہر ایک کی صفت کا دوسرے میں انحصار ہوگا یعنی فاعل کی ضاربیت کا مفعول میں انحصار ہوگا اور مفعول کی مضروبیت کا فاعل میں انحصار ہوگا اور یہ بھی خلاف مقصود

قولہ **لکن لم یستحسنہ**:۔ یہاں پر بعض سے مراد اخفش، عبدالقاہر اور سکاکی ہیں مگر جمہور کے نزدیک ماضرب الاعمرا زید جائز نہیں کیونکہ مستثنیٰ بالا کا ماقبل الا کے عامل کا معمول نہیں ہوتا اور اس مثال میں عمرو مستثنیٰ بالا ہے اور اس کا مابعد زیدٌ ہے جو فعل سابق کا فاعل ہے (عبد)۔ قولہ **ایضا**:۔ یہ آض یئیض کا مصدر ہے اور فعل واجب الحذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس کے معنی ہیں **رجع ھذا المعنی الی الاول رجوعا**۔

واما وجوب تقديمه عليه في صورة وقوع المفعول بعد معنى الا لان الحصر ههنا في الجزء الاخير فلو أُخر الفاعل لانقلب المعنى قطعا واذا اتصل به اى بالفاعل ضمير مفعول نحو ضرب زيدا غلامه اووقع اى الفاعل بعد الا المتوسطة بينهما في صورتي التقديم والتاخير نحو ماضرب عمرا الازيد وفائدة هذا القيد مثل ماعرفت آنفا اووقع الفاعل بعدمعناها اى معنى الا نحو انما ضرب عمرا زيد اواتصل مفعوله به بان يكون المفعول ضميرا متصلا بالفعل وهو اى الفاعل غير ضمير متصل به نحو ضربك زيد وجب تاخيره اى تاخير الفاعل عن المفعول في جميع هذه الصور اما في صورة اتصال ضمير المفعول به فلئلايلزم الاضمار قبل الذكر لفظا ورتبةً واما في صورة وقوعه بعدالا او معناها فلئلا ينقلب الحصر المطلوب

اور بہرحال فاعل کی مفعول پر تقدیم صورت میں واقع ہونے مفعول کے معنی الا کے بعد تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ حصر آخری جز میں ہے پس اگر فاعل مؤخر کردیا جائے تو معنی یقیناً منقلب ہوجائیگا (اور جب متصل ہو اس کے ساتھ) یعنی فاعل کے ساتھ (مفعول کی ضمیر) جیسے ضرب زیدا غلامہ (یا واقع ہو) یعنی فاعل (الا کے بعد) جو فاعل اور مفعول کے درمیان متوسط ہے تقدیم وتاخیر کی دونوں صورتوں میں جیسے ماضرب عمرا الا زیدٌ اور الا کے متوسط ہونے کی قید کا فائدہ اسکی مثل ہے جو تم نے معلوم کرلیا (یا) واقع ہو فاعل بعد (اس کے معنی کے) یعنی الا کے معنی کے بعد جیسے انما ضرب عمرا زید (یا متصل ہو فعل کے ساتھ فاعل کا مفعول) اس طرح کہ مفعول ضمیر متصل بالفعل ہو (اور وہ) یعنی فاعل ضمیر (متصل نہ ہو) فعل کے ساتھ جیسے ضربک زیدٌ (تو اسکی تاخیر واجب ہے) یعنی ان تمام صورتوں میں مفعول سے فاعل کی تاخیر واجب ہے بہرحال فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر کے اتصال کی صورت میں تو اس لئے کہ اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ لازم نہ آئے اور بہرحال مفعول کی ضمیر کے الا یا معنی الا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں تاخیر کا وجوب اس لئے ہے کہ حصر مطلوب منقلب نہ ہوجائے

ہے. کیونکہ مقصود کسی ایک کی صفت کا انحصار ہے آخر میں قولہ **واما وجوب تقديمه** :۔ یعنی جب مفعول معنی الا کے بعد واقع ہو تو اس صورت میں تقدیم فاعل اس لئے واجب ہے کہ یہاں حصر جز آخر میں ہے پس اگر فاعل مؤخر کردیا جائے تو معنی کلام یقیناً منقلب ہوجائیں گے اور خلاف مقصود لازم آئے گا. قولہ **واذا اتصل به** :۔ تقدیم فاعل علی سبیل الوجوب کے مواضع ذکر کرنے کے بعد یہاں سے مصنف تاخیر فاعل کے مواضع بیان کرتے ہیں اول ۔ جب فاعل کے ساتھ مفعول کو راجع ضمیر متصل ہو تو فاعل کی تاخیر واجب ہے جیسے ضرب زیدا غلامہ دوم ۔ فاعل الا کے بعد واقع ہو جبکہ لفظ الا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہو جیسے ماضرب عمرا الا زید. سوم ۔ فاعل معنی الا کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب عمرا زید. چہارم ۔ جب فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو اور فاعل ضمیر متصل نہ ہو بایں طور کہ فاعل ضمیر ہی نہ ہو یا ضمیر تو ہو لیکن فعل سے متصل نہ ہو جیسے ضربک زید میں فاعل ضمیر متصل نہیں ہے لیکن زید ضربک میں تقدیم مفعول واجب نہیں کیونکہ اسم فاعل میں ضمیر مستتر متصل بالفعل ہے لہٰذا مصنف کا قول "وہو غیر متصل" لغو نہیں کما قیل تو ان تمام صورتوں میں مفعول پر فاعل کی تاخیر واجب ہے اور ان صورتوں میں تاخیر فاعل کی وجہ شرح میں مذکور ہے.

واما فی صورۃ کون المفعول ضمیرا متصلا والفاعل غیر متصل فلمنافاۃ الاتصال الانفصال بتوسط الفاعل الغیر المتصل بینہ وبین الفعل بخلاف ما اذا کان الفاعل ایضا ضمیرا متصلا فانہ حینئذ یجب تقدیم الفاعل نحو ضربتک وقد یحذف الفعل الرافع للفاعل لقیام قرینۃ دالۃ علی تعیین المحذوف جوازا ای حذفا جائزا فی مثل زید ای فی ما کان جوابا لسوال محقق لمن قال من قام سائلا عمن یقوم بہ القیام فیجوز ان تقول زید بحذف قام ای قام زید

اور بہرحال مفعول کے ضمیر متصل ہونے اور فاعل کے غیر متصل ہونے کی صورت میں بوجہ اتصال وانفصال میں منافات کے فاعل غیر متصل کے فعل اور مفعول کے درمیان ہونے کی وجہ سے برخلاف اس کے کہ جب فاعل بھی ضمیر متصل ہو کیونکہ اس وقت تقدیم فاعل واجب ہے جیسے ضربتک (اور کبھی فعل حذف کیا جاتا ہے) جو فاعل کا رافع ہے (قیام قرینہ کے وقت) جو فعل محذوف کی تعیین پر دلالت کرنے والا ہے (جوازا) یعنی حذف جائز (زید کی مثل میں) یعنی اس میں جو سوال محقق کا جواب ہو (اس کیلئے جس نے کہا کون کھڑا ہوا) سوال کرنے والا اس کے بارے میں جس کے ساتھ قیام قائم ہے لہذا جائز ہے کہ تم زید کہو قام کو حذف کرکے ای قام زید

قولہ **اما فی صورۃ**:۔ یعنی جب فاعل کے ساتھ مفعول کو راجع ضمیر متصل ہو تو فاعل کی تاخیر واجب ہے تاکہ اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً لازم نہ آئے اور فاعل کے لفظ الا یا معنی الا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تاخیر واجب ہے تاکہ حصر مطلوب منقلب نہ ہو اور مفعول کے ضمیر متصل بالفعل کی صورت میں جبکہ فاعل متصل نہ ہو تاخیر فاعل اس لئے واجب ہے کہ بصورت تقدیم فاعل درمیان فعل اور مفعول کے اتصال نہیں رہے گا قولہ **وقد یحذف الفعل**:۔ شارح نے الرافع للفاعل بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جسطرح فاعل کا فعل محذوف ہوتا ہے اسی طرح شبہ فعل بھی محذوف ہوتا ہے تو مصنف نے اسکو کیوں نہیں ذکر کیا اور اسطرح کیوں نہیں کہا **وقد یحذف الفعل و شبهه** شارح نے جواب دیا کہ ماتن کی مراد فعل سے فاعل کا رافع ہے جو فعل وشبہ فعل دونوں کو عام ہے یا یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ زیر بحث فاعل ہے لہذا اسکی بحث میں حذف فعل کا ذکر خروج عن المبحث ہے یعنی مقام کے مناسب نہیں۔ جواب یہ ہے کہ بظاہر یہ فعل کا بیان ہے لیکن حقیقت میں یہ بھی فاعل کا بیان ہے کہ فاعل کو رفع دینے والا فعل کبھی محذوف ہوتا ہے یعنی کبھی بوقت قرینہ دالۃ علی التعیین فاعل کے رافع (فعل یا شبہ فعل) کو حذف کردیا جاتا ہے اور **ای حذفا جائزا** سے شارح کا مقصد سوال مقدر کا جواب دینا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **جوازا** اسکے قول **یحذف**" کا مفعول مطلق ہے حالانکہ فعل مذکور کے ہم معنی ہونے کی شرط یہاں مفقود ہے اسکی کیا وجہ ہے شارح نے جواب دیا کہ جوازا باعتبار موصوف مقدر کے مفعول مطلق ہے **ای حذفا جوازا** اب سوال ہوا کہ صفت اپنے موصوف پر محمول ہوتی ہے اور جوازا کا حمل جائز نہیں کیونکہ یہ مصدر کا حمل مصدر پر ہوجائیگا شارح نے اپنے قول جائزا سے اسکا جواب دیا ہے کہ **جوازا** مصدر بمعنی للفاعل بمعنی جائزا ہے لہذا یہ حمل درست ہے قولہ **فی مثل زید**:۔ یعنی فاعل کے عامل (رافع)

قولہ **وقد یحذف**۔ ﴿سوال﴾ مصنف کے قول **وقد یحذف**" میں کلمہ قد برائے تقلیل ہے جس سے حذف فعل کا جواز معلوم ہورہا ہے لہذا مصنف کا قول **جوازا** مستدرک اور اس کا قول **وجوبا** لغو ہے کیونکہ واجب قلیل نہیں ہوتا (عصام) ﴿جواب﴾ کلمہ قد برائے تحقیق ہے جس طرح کہ ارشاد باری قد یعلم اللہ میں کلمہ قد برائے تحقیق ہے (عقد لآلی) قولہ **لقیام قرینۃ**:۔ **لقیام** کا لام توقیت کیلئے ہے علت کیلئے نہیں ہے کیونکہ قیام قرینہ شرط ہے علت نہیں کہ علت وجوب کی متقضی ہے

ویجوز ان تقول قام زید بذکرہ وانما قدر الفعل دون الخبر لان تقدیر الخبر یوجب حذف الجملۃ وتقدیر الفعل حذف احد جزأیہا والتقلیل فی الحذف اولی

اور جائز ہے کہ تم کہو قام زید قام کو ذکر کرنے کے ساتھ اور فعل کو مقدر کیا گیا ہے نہ کہ خبر کو اس لئے کہ خبر کی تقدیر جملہ کے حذف کو واجب کرتی ہے اور فعل کی تقدیر جملہ کے دو جزوں میں سے ایک کے حذف کو واجب کرتی ہے اور حذف میں تقلیل اولی ہے

کا حذف وہاں جائز ہے جہاں فاعل سوال محقق کا جواب واقع ہو مثلا کسی نے من قام کہہ کر اس شخص کے بارے سوال کیا جس سے قیام صادر ہوا تو تم نے جواب میں کہا زید جسکی تقدیر قام زید ہے. یہاں تم فعل کو ذکر کر کے قام زید بھی کہہ سکتے ہو قولہ **وانما قدر** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے مذکورہ ترکیب کو حذف فعل کے باب سے مانا ہے یعنی تقدیر عبارت قام زید قرار دی ہے حذف خبر کے باب سے نہیں مانا یعنی تقدیر عبارت **زید قام** نہیں بنائی اسکی کیا وجہ ہے. شارح نے جواب دیا کہ ترکیب مذکور کو حذف فعل کے باب سے اس لئے مانا ہے کہ فعل مقدر مانیں تو جملہ کے ایک جز کا حذف کرنا لازم آتا ہے یعنی مسند کا اور خبر مقدر مانیں تو پورا جملہ جو خبر واقع ہو رہا ہے محذوف ماننا پڑتا ہے اور تقلیل فی الحذف اولی ہے اس لئے فعل کو مقدر مانا نہ خبر کو جسکی تفصیل یہ ہے کہ من قام کہہ کر سوال کرنے والا صدور فعل سے تو باخبر ہے لیکن جس سے فعل قیام صادر ہوا اس سے سائل بے خبر ہے اور مخاطب سے اسکی تعیین کرنا چاہتا ہے اس لئے کہا من قام. اس سوال میں کلمہ من استفہامیہ محلا مرفوع مبتدا ہے اور قام اپنے فاعل سے مل کر مبتدا کی خبر ہے. جس کا جواب زیدٌ ہے یعنی جس کیلئے قیام ثابت ہے وہ زید ہے پس اسکی تقدیر قام زید ہو تو جملہ کی ایک جز یعنی مسند محذوف ہوگا کیونکہ مسند الیہ فاعل جو زید ہے موجود ہے اور تقدیر فعل کی صورت میں تقلیل حذف ہے اور اگر تقدیر زید قام ہو تو فعل قام کو ہمراہ اس کے فاعل کے محذوف ماننا پڑیگا جس میں تکثیر فی الحذف ہے اور حذف میں تقلیل اولی ہے کیونکہ حذف میں اختلاف اصل ہے اور خلاف اصل کا بقدر ضرورت اعتبار کیا جاتا ہے لہذا جواب کی تقدیر قام زید اولی ہے نیز اس میں سائل کے مطلوب یعنی فاعل کی تعیین کا بیان ہے.

قولہ **وانما قدر الفعل** :۔ یہ شارح رضی کے سوال کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ جواب کا سوال کے مطابق ہونا اولی ہے اور سوال یعنی من قام جملہ اسمیہ ہے لہذا جواب بھی جملہ اسمیہ ہونا چاہئے ای **زید قام**۔ شارح نے جو جواب دیا ہے وہ ظاہری ہے اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ سوال بظاہر جملہ اسمیہ ہے لیکن اصل میں جملہ فعلیہ ہے کیونکہ استفہام بالفعل اولی ہے یعنی من قام اصل میں اقام زید ام قام عمرو تھا لہذا اصل کے مطابق جواب بھی قام زید ہے یعنی فعل محذوف ہے نہ کہ خبر (نعمت) قولہ **والتقلیل فی الحذف**:۔ یعنی حذف میں تقلیل بہتر ہے کیونکہ حذف خلاف اصل ہے ☆سوال☆ جس طرح حذف میں تقلیل اولی ہے اسی طرح سوال وجواب میں موافقت بھی اولی ہے لہذا ان دونوں میں تعارض ہوا تو ایسی صورت میں حذف فعل کو ترجیح دینا درست نہیں کہ یہ ترجیح بلا مرجح ہے نیز ارباب اعتبار علی شریطۃ التفسیر میں رعایت مناسبت کو سلامت من الحذف پر ترجیح دی گئی ہے لہذا اس کا کیا جواب ہے؟ جواب یہ ہے کہ سائل فعل کو جانتا ہے لیکن فاعل کو نہیں جانتا لہذا سائل کا سوال اس شخص کے بارے میں ہے جو فاعل ہے پس فاعل کو بیان کر کے جواب دیا جائے تو یہ جواب سائل کے سوال کے مطابق ہوگا. جواب دوم۔ سائل کو حکم میں تردد نہیں لہذا خبر کو حذف کیا جائے تو اصل عبارت یوں ہوگی زیدٌ قام اور یہ جواب تقویت حکم کا فائدہ دے گا کہ اسمیں اسناد مکرر ہے اول قام کی اسناد اسکے فاعل کی طرف دوم اس جملہ کی اسناد مبتدا کی طرف اور تکرار اسناد تقویت حکم کا فائدہ کرتی ہے کما تقرر فی علم المعانی حالانکہ تکرار اسناد کے ذریعے اسوقت جواب دیا جاتا ہے جب سائل حکم میں متردد ہو اور یہاں سائل متردد نہیں بلکہ فاعل سے ناواقف ہے لہذا حذف فعل ضروری ہوا تاکہ جواب معنی سوال کے مطابق ہو جائے اور خبر کو محذوف ماننے سے جواب صرف باعتبار صورت سوال کے مطابق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ بغیر معنوی مطابقت کے صرف صوری مطابقت مقصود نہیں کما لا یخفی علی اصحاب المعانی (جامع) ﴿فائدہ﴾ حذف فعل جوازا دو قسم پر ہے ا۔ سوال ملفوظ کے جواب میں محذوف ہو دوم۔ سوال محذوف کے جواب میں محذوف لہذا حذف جوازا کی دو مثالیں ذکر کرنی پڑیں۔

وكذا يحذف الفعل جوازا فيما كان جوابا لسئوال مقدر نحو قولِ الشاعر في مرثية يزيد بن نَهْشَلٍ لِيُبْكَ عَلى البناء للمفعول يزيد مرفوع على انه مفعول مالم يسم فاعله ضارِعٌ اى عاجز ذليل و هو فاعل الفعل المحذوف اى يَبْكيه ضارعٌ بقرينة السئوال المقدر وهو مَنْ يَبكيه واما على رواية لِيَبْكِ يزيدَ على البناء للفاعل ونصب يزيد فليس مما نحن فيه لخصومة متعلق بضارع اى يَبْكيه مَنْ يذلُّ ويعجز عن مقاومة الخصماء لانه كان ظهيراً للعَجَزَة والاذلاء وآخر البيت ومختبط مما تطيحُ الطوائحُ والمختبط السائلُ من غير وسيلة والاطاحةُ الاهلاكُ والطوائح جمع مطحية على غير القياس كلواقح جمع مُلْقِحة ومما يتعلق بمختبط وما مصدرية يعني ويبكيه ايضاً من يسئل بغير وسيلة مِن اَجْلِ اهلاك المهلِكات ماله وما يتوسل به الى تحصيل المال لانه كان مُعْطِي السائلين بغير وسيلة

اوراسی طرح فعل جوازی طور پر حذف کیا جاتا ہے اس میں جو سوال مقدر کا جواب ہو جیسے یزید بن نہشل کے مرثیہ میں شاعر کا قول ہے (لیبک) مبنی بر مفعول (یزید) یہ مفعول مالم یسم فاعلہ کی بنا پر مرفوع ہے (ضارع) یعنی عاجز اور ذلیل اور وہ فعل محذوف کا فاعل ہے ای یبکیہ ضارع یعنی اس کو عاجز روئے ساتھ قرینہ سوال مقدر کے اور وہ من یبکیہ ہے بہر حال لیَبْکِ یزیدَ مبنی بر فاعل کی روایت کی بنا پر یزید کے نصب کے ساتھ تو وہ اس سے نہیں جسکی ہم بحث کر رہے ہیں (لخصومۃ) ضارع کے متعلق ہے یعنی یزید کو ہر وہ شخص روئے جو عاجز اور ذلیل ہو دشمنوں کے انتقام لینے سے کیونکہ یزید کمزور اور عاجز لوگوں کا مددگار تھا اور بیت کا آخر ومختبط الخ ہے اور مختبط سائل بلاوسیلہ ہے اور اطاحت ہلاک کرنا ہے اور طوائح مطیحہ کی جمع ہے خلاف قیاس پر جس طرح لواقح ملقحہ کی جمع ہے اور مما مختبط کے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی یزید کو وہ شخص بھی روئے جو سائل بلاوسیلہ ہے اس وجہ سے کہ اسکے مال واسباب کو مہلکات نے ہلاک کر ڈالا ہے اور اس چیز کو بھی جسکو وہ تحصیل مال کا ذریعہ بناتا تھا کہ وہ سائلین بلاوسیلہ کو مال دیا کرتا تھا

قولہ وكذا ۔ یعنی جسطرح سوال محقق کا جواب واقع ہو تو فعل کا حذف جائز ہے اسی طرح سوال مقدر کے جواب میں بھی فعل حذف کیا جاتا ہے جیسا کہ یزید بن نہشل کے مرثیہ میں درج ذیل شعر لیبک بصیغہ مجہول ہے اور یزید نائب فاعل کی بنا پر مرفوع ہے (ضارع) بمعنی عاجز اور ذلیل یہ فعل محذوف کا فاعل ہے ای **يبكيه ضارع** اور حذف فعل پر قرینہ سوال مقدر ہے جو **من يبكيه** ہے لیکن اگر **ليبك** بصیغہ معلوم پڑھا جائے اور یزید منصوب ہو تو یہ شعر حذف فعل کے باب سے نہیں ہوگا بلکہ اس صورت میں **ضارع ليبك** کا فاعل بن جائیگا **لخصومة** یہ ضارع کے متعلق ہے یعنی یزید کو وہ شخص روئے جو لوگوں کی دشمنی کے سبب عاجز اور ذلیل اور تنگ ہو کیونکہ وہ ذلیل اور عاجز لوگوں کا معاون اور مددگار تھا (**مختبط**) کے معنی سائل بلاوسیلہ کے ہیں اور اطاحت کے معنی اہلاک کے ہیں اور طوائح مطیحہ کی جمع ہے جو خلاف قیاس ہے جیسے لواقح ملقحہ کی جمع ہے اور مما جار مجرور مختبط کے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی یزید کے مرنے پر اسکو وہ شخص روئے جسکے مال اور تحصیل مال کے ذرائع کو

وقد يحذف الفعل الرافع للفاعل لقرينة دالة على تعينه وجوبا اى حذفا واجبا في مثل قوله تعالى وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ اى في كل موضع حُذف الفعل ثم فُسِّر لرفع الابهام الناشئ من الحذف فانه لو ذكر المفسَّر لم يبق المفسِّر مفسِّراً بل صار حشوا بخلاف المفسَّر الذى فيه ابهامٌ بدون حذفه فانه يجوز الجمع بينه وبين مفسِّره كقولك جاء نى رجل اى زيد فتقدير الآية "فَإِنِ اسْتَجَارَكَ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فاحدٌ فيها فاعل فعل محذوف وجوبا وهو استجارك الاول المفسَّرُ باستجارك الثانى وانما وجب حذفه لان مفسِّره قائم مقامه مغنٍ عنه

(اور) کبھی فاعل کو رفع دینے والے فعل کو فعل کی تعیین پر دلالت کرنے والے قرینہ کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے (وجوبی طور پر) یعنی حذف واجب کے طور پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وان احدٌ من المشرکین" کے مثل میں یعنی ہر ایسے موضع میں جہاں فعل کو حذف کر دیا گیا ہو پھر حذف سے پیدا ہونے والے ابہام کو ختم کرنے کے لئے فعل کی تفسیر کر دی گئی ہو کیونکہ فعل مفسَّر کو ذکر کیا جائے تو تفسیر کرنے والا فعل تفسیر کرنے والا باقی نہیں رہے گا بلکہ وہ لغو ہو جائیگا برخلاف اس مفسَّر کے جس میں حذف کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے ابہام ہو کہ اسکو اور اس کے مفسِّر (بالکسر) کو جمع کرنا جائز ہے جیسے تمہارا قول ہے جاء نی رجل ای زید۔ پس آیت کی تقدیر وان استجارک احدٌ من المشرکین استجارک ہوگی۔ پس اس ارشاد میں احدٌ فعل محذوف وجوبا کا فاعل ہے اور وہ فعل محذوف استجارک اول ہے جسکی تفسیر استجارک ثانی سے کی گئی ہے اور استجارک اول کا حذف اس لئے واجب ہے کہ اسکا مفسِّر اس کے قائم مقام اور اس کے ذکر سے بے نیاز کرنے والا ہے

زمانہ کے حوادث اور مہلکات نے جاہ و برباد کر دیا ہو کیونکہ یزید سائل بلا وسیلہ کا معاون تھا قولہ **وقد یحذف** :۔ اسمیں شارح نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **وجوبا** مصنف کے قول جوازا پر معطوف ہے یعنی بوقت قیام قرینہ فاعل کا فعل کبھی وجوبا حذف کر دیا جاتا ہے۔ قولہ **فی مثل** :۔ مثل قولہ تعالیٰ سے مراد ہر وہ ترکیب ہے کہ جہاں حذف فعل کے بعد ابہام پیدا ہو گیا ہو جسکو رفع کرنے کیلئے تفسیر کر دی گئی ہو اس حذف اور تفسیر کی غرض یہ ہے کہ تفسیر بعد الابہام اوقع فی النفس ہے جیسے آیہ کریمہ میں "**احد**" کو رفع دینے والا فعل حذف کر کے استجارک سے اسکی تفسیر کر دی گئی ہے یہاں حذف فعل اس لئے واجب ہے کہ اگر فعل مفسَّر ذکر کیا جائے تو فعل مفسِّر مفسِّر نہیں رہے گا بلکہ حشو اور زائد ہو جائیگا قولہ **بخلاف المفسر** :۔ اسمیں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع تو جائز ہے جیسے جاء نی رجل ای زید میں لہٰذا یہ حذف واجب نہیں ہونا چاہئے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع جائز ہے کہ جسمیں ابہام حذف کی وجہ سے نہ پیدا ہوا ہو جیسے جاء نی رجل ای زید میں رجل کے نکرہ ہونے کی وجہ سے ابہام ہے جسکو دور کرنے کیلئے مفسِّر (زید) لایا گیا ہے اور آیت کریمہ میں ابہام استجارک کے حذف سے پیدا ہوا ہے جسکو دور کرنے کیلئے فعل محذوف استجارک کی تفسیر کی گئی اس لئے اس مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع جائز نہیں قولہ **وانما وجب حذفہ** :۔ یعنی آیت میں حذف فعل اس لئے واجب ہے کہ مفسِّر محذوف کا قائم مقام ہے اور محذوف کے ذکر سے مستغنی کرنے والا ہے۔

ولا یجوز ان یکون اَحَدٌ مرفوعا بالابتداء لامتناع دخول حرف الشرط علی الاسم بل لابدله من الفعل وقد یحذفان ای الفعل والفاعل معاً دون الفاعل وحده فی مثل نعم جواباً لمن قال اقام زید ای نعم قام زید فحذفت الجملۃ الفعلیۃ وذُکر نعم فی مقامہا وھذا الحذف جائز بقرینۃ السوال لا واجب لعدم قیام ما یؤدی مؤداہ فی مقامہ کالمفسِّر فیلزم فی الکلام استدراک

اور یہ جائز نہیں کہ احدٌ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو بوجہ ممتنع ہونے حرف ندا کے دخول کے مبتدا پر بلکہ حرف شرط کیلئے فعل کا ہونا ضروری ہے (اور کبھی دونوں حذف کئے جاتے ہیں) یعنی فعل اور فاعل (ایک ساتھ) نہ تنہا فاعل (نعم کی مثل میں) درانحالیکہ جواب ہے (اس شخص کیلئے جس نے کہا اقام زیدٌ) یعنی نعم قام زید. پس جملہ فعلیہ حذف کردیا گیا اور جملہ کی جگہ نَعَم ذکر کردیا گیا اور یہ حذف بقرینہ سوال جائز ہے واجب نہیں کیونکہ قام زید کی جگہ ایسی چیز کا قیام نہیں جو مفسِّر کی مثل قام زیدٌ کے مفہوم کو ادا کر سکے. پس کلام میں بے فائدہ زیادتی لازم آئے

قولہ **ولا یجوز**:۔ اسمیں ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آیت میں لفظ **احد** فعل محذوف کا فاعل نہ ہو بلکہ مبتدا ہو لہٰذا آیت کو حذف فعل کی مثال بنانا درست نہیں. شارح نے جواب دیا کہ لفظ احدٌ کا بنا بر مبتدا مرفوع ہونا جائز نہیں اس لئے کہ یہ نکرہ ہے جبکہ مبتدا معرفہ ہوتا ہے اور اس لئے کہ یہ اسم ہے اور حرف شرط کا اسم پر داخل ہونا ممنوع ہے اور آیت کریمہ میں حرف شرط اسم پر داخل ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں فعل محذوف ہے جو حرف شرط کا مدخول ہے. قولہ **وقد یحذفان**:۔ شارح نے **ای الفعل والفاعل** بڑھا کر **یحذفان** کا فاعل بتا دیا ہے یعنی کبھی فعل اور فاعل دونوں محذوف ہوتے ہیں نہ اکیلا فاعل کہ اسکا حذف ناجائز ہے مگر عند الکسائی جیسے اقام زید کے جواب میں نَعَم کہنا یعنی نعم قام زید پس جملہ فعلیہ حذف کر کے اسکی جگہ نعم رکھدیا گیا. قولہ **وھذا الحذف جائز** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ نعم چونکہ فعل اور فاعل کے قائم مقام ہے لہٰذا یہ حذف وجوبی ہونا چاہئے شارح نے جواب دیا کہ یہ حذف بقرینہ سوال جائز ہے واجب نہیں ہے کیونکہ قام زید کی جگہ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو مفسِّر کی مثل قام زید کے مفہوم کو ادا کر سکے اور اسکے یعنی محذوف کے ذکر سے کلام میں استدراک لازم آئے جیسا کہ فعل مفسَّر کے ذکر سے فعل مفسِّر کا استدراک لازم آتا ہے نیز نعم حرف ہونے کیوجہ سے غیر مستقل ہے جو فعل اور فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا

قولہ **لامتناع** :۔ اخفش کے نزدیک حرف شرط کا دخول ایسے جملہ پر بھی جائز ہے جسکی خبر فعل ہو لہٰذا ان کے مذھب پر آیت کریمہ فعل کے حذف وجوبی کی مثال نہیں بن سکے گی. قولہ **ذکر نعم**:۔ لفظ **نعم** اگرچہ حذف فعل اور فاعل سے قبل موجود تھا جیسا کہ اس پر مفسِّر کا قول "ای نعم قام زید" دال ہے لیکن اس کے قائم مقام ہونے کا اعتبار بعد کو کیا گیا ☆فائدہ☆ کلمہ **نَعَم** حرف ایجاب وتصدیق ہے جو اثبات ونفی دونوں کے بعد آتا ہے اور بلیٰ نفی کے بعد آتا ہے۔ شاعر نے ان حروف کے مابین فرق اس طرح نظم میں کیا ہے.

بعد نفی قل نعم لا بعد ایجاب کذا..... بعد ایجاب نعم لا بعد ایجاب بلی.

نفی کے بعد نعم کہو ایجاب کے بعد لا کہو اسی طرح ایجاب کے بعد نعم کہو ایجاب کے بعد بلی نہ کہو بلکہ نفی کے بعد بلی کہو۔ (مفتی) قولہ **لعدم قیام** :۔ یعنی **نعم** نہ فعل کے قائم مقام ہے نہ فاعل کے اور نہ دونوں کے کہ غیر مستقل بالمفہومیت مستقل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ حذف قائم مقام نہ ہونے کیوجہ سے جائز ہے واجب نہیں اور حرف ندا کا ادعو کے قائم مقام ہونا سماعی ہے لہٰذا دوسرے لفظ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا (فائدہ) کلمہ معاً شیخ رضی کے نزدیک محذ فان سے ظرف کی بنا پر منصوب ہے ای محذ فان فی زمان اور علامہ عصام کے نزدیک بنا بر حالیت کے منصوب ہے ای مجتمعین اور معاً کا الف خلیل کے نزدیک تنوین سے بدل ہے اور یونس واخفش کے نزدیک لام سے بدل ہے

وانما قدرت الجملۃ الفعلیۃ لاالاسمیۃ بان یقال ای نعم زیدٌ قام لیکون الجواب مطابقا للسوال فی کونہ جملۃ فعلیۃ واذا تنازع الفعلان بل العاملان اذِالتنازُع یجری فی غیر الفعل ایضا نحو زیدٌ معط ومُکرِمٌ عمرا وبکرٌ کریمٌ وشریفٌ ابوہ واقتصرعلی الفعل لاصالتہ فی العمل وانما قال الفعلان مع ان التنازعَ قد یقع فی اکثر من فعلین اقتصاراً علی اقلِ مراتب التنازع وھوالاثنان ظاھرا ای اسماًظاھرا واقعا بعدھما ای بعد الفعلین اذِالمتقدمُ علیھما او المتوسطُ بینھما معمول للفعل الاول اذھو یستحقہ قبل الثانی فلا یکون فیہ مجال التنازع

اور جملہ فعلیہ مقدر کیا گیا نہ کہ جملہ اسمیہ اس طرح کہ کہا جاتا ای نعم زید قام تاکہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں سوال کے مطابق ہوجائے (اور جب تنازع کریں دو فعل) بلکہ دو عامل کیونکہ تنازع غیر فعل میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے زیدٌ معطٍ ومکرمٌ عمرا اور بکرٌ کریمٌ وشریف ابوہ اور مصنف نے فعل کے ذکر پر اکتفاء کیا اس کے عمل میں اصل ہونے کی وجہ سے اور مصنف نے الفعلان بصیغہ تثنیہ کہا اس کے باوجود کہ تنازع کبھی دو فعلوں سے زائد میں بھی پایا جاتا ہے تنازع کے اقل مراتب پر اکتفاء کرتے ہوئے اور وہ دو فعل ہیں (ظاہر میں) یعنی اسم ظاہر میں جو واقع ہو (ان دو کے بعد) یعنی دو فعلوں کے بعد اس لئے کہ جو اسم ان پر مقدم ہو یا ان کے درمیان واقع ہو وہ فعل اول کا معمول ہے کیونکہ فعل ثانی سے پہلے فعل اول اس اسم کا مستحق ہے لہٰذا اس میں تنازع کی مجال ہی نہیں

قولہ **وانما قدرت** :۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ترکیب مذکورہ میں جملہ فعلیہ مقدر مانا گیا ہے یعنی **نعم قام زید** جملہ اسمیہ نہیں مقدر مانا گیا یعنی **نعم زید قام** اسکی کیا وجہ ہے شارح نے جواب دیا کہ جملہ فعلیہ اس لئے مقدر مانا ہے کہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں سوال کے مطابق ہوجائے کہ سوال جملہ فعلیہ ہے ای قام زید نیز اسمیں تقلیل فی الحذف ہے جملہ اسمیہ کی بہ نسبت قولہ **وانما قال الفعلان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تنازع دو عامل سے زیادہ میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے **کما صلیت وسلمت الخ** پھر ماتن نے دو کی تخصیص کیوں کی ہے شارح نے جواب دیا کہ دو فعلوں کا ذکر حصر کیلئے نہیں بلکہ تنازع کے اقل مراتب کا بیان ہے کہ تنازع دو سے کم میں نہیں ہوتا قولہ **ای اسما ظاھرا** :۔ **اسماً** بڑھانے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ مصنف کا قول **ظاھرا** اسما مقدر کی صفت ہے اور **واقعا** ذکر کرکے **بعدھما** ظرف کا متعلق بیان کیا ہے یعنی جب دو عامل ایک اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان دونوں کے بعد واقع ہے قولہ **اذ المتقدم** :۔ اسمیں شارح نے **بعدھما** کی قید کا فائدہ بیان کیا ہے یعنی بعدہما کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر اسم ظاہر فعلین پر مقدم ہو یا دونوں میں متوسط ہو تو ان دونوں صورتوں میں وہ پہلے فعل کا معمول ہوگا کیونکہ وہ فعل ثانی سے پیشتر مستحق ہے۔ پس اس اسم ظاہر میں تنازع متحقق نہیں ہوگا۔

قولہ **قد یقع** :۔ یعنی تنازع دو سے زائد فعلوں میں ہوتا ہے علامہ عصام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین فعلوں کا تنازع مسموع ہے زائد کا نہیں لیکن حواشی الفیہ میں ہے کہ چار فعلوں سے زائد میں بھی تنازع مسموع ہے جیسے اللھم صل علی محمد کما صلیت وسلمت وبارکت ورحمت وترحمت علی ابراھیم قولہ **بل العاملان** :۔ کلمہ بل میں تین احتمال ہیں اول۔ یہ کہ تقسیم کیلئے ہو اور فعل سے عامل مراد لینا کسی شی کو ذکر کرکے اسکی صفت مشہورہ مراد لینے کے قبیل سے ہو یا اصل کو فرع پر اور اکثر کو اقل پر غلبہ دینے کے قبیل سے ہو دوم۔ یہ کہ کلمہ بل ترقی کیلئے ہو سوم یہ کلمہ بل اضراب کیلئے ہو اور مناسب یہ ہے کہ مصدر کے علاوہ عامل مراد ہو کیونکہ اعجبنی ضرب وقتل زید کی مثل میں دونوں مذھب پر قطع

ومعنى تنازعِهما فيه انهما بحسب المعنى يتوجهان اليه ويصح ان يكون هو مع وقوعه فى ذلك الموضع معمولا لكل واحدمنهما على البَدَل فحينئذ لايتصور تنازعهما فى الضمير المتصل لا ن المتصل الواقعَ بعدهما يكون متصلا بالفعل الثانى وهو مع كونه متصلا بالفعل الثانى لايجوزان يكون معمولاللفعل الاول كمالايخفى واماالضمير المنفصل الواقع بعدهما نحوماضَرَبَ واكرمَ الاانافيه تنازع لكنْ لايمكن قطعه بما هوطريقُ القطع عندهم وهو اضمار الفاعل فى الاول عند البصريين وفى الثانى عند الكوفيين لانه لايمكن اضماره مع الا لانه حرف لا يصح اضماره ولابدونه لفساد المعنى لانه يفيدنفىَ الفعل عن الفاعل والمقصود اثباته له

اوراسم ظاہر میں فعلین کے تنازع کا معنی یہ ہے کہ دونوں فعل معنی کے اعتبار سے اس اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بات صحیح ہو کہ اسم ظاہر اپنے مقام میں ہوتے ہوئے ان میں سے ہرایک کا بطریق بدل معمول بن سکے پس اس وقت دونوں فعلوں کا تنازع ضمیر متصل میں متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ ضمیر متصل جو کہ فعلین کے بعد ہوگی وہ فعل ثانی سے متصل ہوگی اور فعل اول کیلئے اس کا معمول بننا جائز نہیں ہوگا جیسا کہ وہ مخفی نہیں اور بہرحال ضمیر منفصل جو ان کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب واکرم الا أنا پس اس میں تنازع ہے لیکن اس تنازع کو اس طریق سے ختم کرنا ممکن نہیں جو نحات میں معروف ہے اور وہ بصریوں کے نزدیک اضمار فاعل ہے فعل اول میں اور کوفیوں کے نزدیک فعل ثانی میں اس لئے کہ ضمیر منفصل کا کلمہ الا کے ساتھ اضمار ممکن نہیں کہ الا حرف ہے جس کا اضمار صحیح نہیں اور نہ ہی الا کے بغیر اضمار ممکن ہے بوجہ فساد معنی کے کیونکہ الا کے بغیر اضمار فاعل سے فعل کی نفی کا افادہ کریگا جبکہ مقصود فاعل کے لئے فعل کا اثبات ہے

قولہ **ومعنی تنازعهما**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تنازع کے معنی ہیں کسی چیز میں باہم جھگڑا کرنا جو کہ جاندار کی صفت ہے اور فعل جاندار نہیں ہے۔پس فعل کی طرف تنازع کی نسبت کرنا درست نہیں شارح نے جواب دیا کہ یہاں تنازع کا لغوی معنی (باہم جھگڑا کرنا) مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے یعنی دو فعلوں کا بحسب المعنی ایک اسم ظاہر کیطرف عمل کرنے کیلئے متوجہ ہونا اور وہ اسم ظاہر اس موضع میں ہوتے ہوئے علی سبیل البدلیت ہر ایک فعل کا معمول بن سکتا ہو۔پس اس تقدیر پر تنازع ضمیر متصل میں متصور نہیں کیونکہ ضمیر متصل فعل ثانی سے متصل ہوگی اور فعل ثانی سے متصل ہوتے ہوئے اسمیں فعل اول کا معمول بننے کی صلاحیت نہیں ہوگی جو کہ ایک واضح بات ہے۔قولہ **واما الضمیر المنفصل**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسم ظاہر کیطرح ضمیر منفصل میں بھی تنازع ہوتا ہے پس ماتن نے صرف اسم ظاہر کو کیوں خاص کیا

تنازع کی نفی اس لئے کہ صدر میں اضمار فاعل درست نہیں ہے جبکہ قطع تنازع اضمار فاعل کے ساتھ ہوتا ہے (عبد) قولہ **ماضرب واکرم الاانا**:۔﴿سوال﴾ اس مثال میں فعل غائب کا ضمیر متکلم کی طرف اسناد کیا گیا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ فعل غائب کا ضمیر غائب یا اسم ظاہر کی طرف اسناد کیا جاتا ہے ﴿جواب اول﴾ فعل کا غائب، مخاطب اور متکلم ہونا مسند الیہ کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی فعل کا مسند الیہ اگر غائب ہو تو فعل غائب ہوتا ہے مخاطب ہو تو مخاطب ہوتا ہے اور متکلم ہو تو متکلم ہوتا ہے پس مثال مذکور میں فعل متکلم ہے۔﴿جواب دوم﴾ مذکورہ مثال میں ضمیر متکلم مسند الیہ نہیں بلکہ حقیقت میں مسند الیہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے جو غائب ہے ای **ماضرب واکرم احدالاانا** (عقد الناجی) قولہ **لایصح اضماره**:۔اور اس لئے بھی کہ انا ضمیر متکلم ہے جو ماضی میں مستتر نہیں ہو سکتی اور اسکو بارز لانا کسی کا مذہب نہیں (مصریہ)

و مراد المصنف بالتنازع ههنا مایکون طریق قطعه اضمار الفاعل فلهٰذا خصه بالاسم الظاهر و اما التنازع الواقع فی الضمیر المنفصل فعلی مذهب الکسائی یُقطع بالحذف و اما علی مذهب الفراء فیعملان معاو اما علی مذهب غیرهما فلا یمکن قطعه لان طریق القطع عندهم الاضمارُ وهو ممتنع

اور یہاں پر تنازع سے مصنف کی مراد وہ تنازع ہے جس کا قطع بطریق اضمار فاعل ہو اس لئے مصنف نے تنازع کو اسم ظاہر کے ساتھ خاص کیا ہے بہر حال وہ تنازع جو ضمیر منفصل میں واقع ہے تو کسائی کے مذہب پر وہ حذف سے قطع کیا جائیگا اور فراء کے مذہب پر دونوں فعل ایک ساتھ عمل کریں گے اور ان کے غیر کے مذہب پر اس تنازع کا قطع کرنا ممکن ہی نہیں اس لئے کہ طریق قطع ان کے نزدیک اضمار ہے اور اضمار منفصل ممتنع ہے

ہے شارح نے جواب دیا کہ ضمیر منفصل جو دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب واکرم الا انا اسمیں تنازع ہے لیکن نحاۃ کے نزدیک تنازع ختم کرنے کا جو طریقہ معروف ہے اس سے یہ تنازع ختم نہیں ہوسکتا اور وہ طریقہ بصریوں کے نزدیک یہ ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے اور فعل اول میں فاعل کی ضمیر مانی جائے اور کوفیوں کے نزدیک فعل اول کو عمل دیکر فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر مان لی جائے پس یہاں ضمیر منفصل میں اضمار فاعل مع الا تو ممکن نہیں کہ الا حرف ہے اور حرف کو فعل میں مستتر نہیں مانا جاسکتا اور بغیر الا کے بھی اضمار درست نہیں کہ معنی فاسد ہوتے ہیں اس لئے کہ متکلم کا مقصود ضرب اور اکرام کا اثبات ہے اور اس تقدیر پر یعنی الا کے بغیر اضمار کی صورت میں اسکی نفی لازم آتی ہے قولہ **ومراد المصنف**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ضمیر منفصل جب مفعول واقع ہو جیسے ماضربت وشتمت الا ایاک تو اس صورت میں مفعول محذوف مان کر تنازع ختم کیا جاسکتا ہے کہ مفعول کا حذف بالاتفاق جائز ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ضمیر منفصل میں قطع تنازع نہیں ہوسکتا درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی یہاں قطع تنازع سے مراد وہ تنازع ہے جس کے قطع کا طریقہ اضمار فاعل ہے اسی لئے مصنف نے اس تنازع کو اسم ظاہر سے خاص کیا ہے قولہ **واما التنازع الواقع**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ضمیر منفصل میں تنازع ہوجائے تو کسی کے نزدیک اس کا قطع ممکن بھی ہے اور کیسے شارح نے جواب دیا کہ کسائی کے نزدیک یہ قطع تنازع حذف فاعل سے کیا جائیگا جیسے ماضرب الا انا واکرم الا انا کیونکہ اسکے نزدیک حذف فاعل جائز ہے لیکن اضمار جائز نہیں اور فراء کے نزدیک دونوں فعلوں کو عمل دیکر یہ تنازع ختم کیا جائیگا اگرچہ اس سے معمول واحد پر دو علتوں کا توارد لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے مگر یہ ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا گیا ہے اور باقی حضرات کے نزدیک اس صورت میں قطع تنازع ممکن نہیں جیسا کہ ابھی گذرا ہے کہ اضمار مع الا اور بدون الا دونوں جائز نہیں۔

قولہ **فعلی مذهب الکسائی**:۔ شارح کا قول "**فعلی**" کلمہ اَمّا کا جواب ہے اور جار مجرور **یقطع** کے متعلق ہے اور ظرف لغو ہونے کے باوجود ظرف کو متعلق پر برائے حصر مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ حذف فاعل صرف کسائی کے نزدیک جائز ہے۔ (محرم) قولہ **معاً**:۔ یہ یعملان کے فاعل سے حال ہے یعنی حال ہونے ان دونوں فعل کے مصاحب اور شریک عمل میں یعنی دونوں فعل ایک ساتھ ضمیر میں عمل کریں قولہ **فیعملان**:۔ یہ مضارع مثبت ہے اور مضارع مثبت جب جزا واقع ہو تو اس میں فاء کا لانا جائز ہے جیسے ارشاد باری ہے ومن عاد فینتقم اللہ منہ اور ترک فاء بھی جائز ہے قولہ **الاضمار**:۔ ☆سوال☆ اصطلاح نحات میں اضمار کے معنی ہیں ضمیر لانا خواہ بارز ہو یا مستتر لہٰذا فاعل کا اضمار الا کے ساتھ اس طرح ممکن ہے کہ فاعل کو ضمیر بارز لایا جائے اور یہ اس بات پر موقوف نہیں کہ الا کا اضمار صحیح ہو☆جواب☆ یہاں پر اضمار سے اس کے لغوی معنی یعنی استتار مراد ہیں اور حرف کا استتار ضمیر کی طرح جائز نہیں لہٰذا فاعل کو مستتر لانا اس طرح ہے کہ الا بھی مستتر ہونے میں اسکا شریک ہو یہ جائز نہیں (جامع)

كما عرفت فقد يكون اى تنازع الفعلين فى الفاعلية بان يقتضىَ كل منهما ان يكون الاسم الظاهر فاعلا له فيكونانِ متفقين فى اقتضاء الفاعلية مثل ضربنى واكرمنى زيد وقد يكون تنازعهما فى المفعولية بان يقتضىَ كلٌّ منهما ان يكون الاسم الظاهر مفعولاله فيكونان متفقين فى اقتضاء المفعولية مثل ضربتُ واكرمتُ زيدا وقد يكون تنازعهما فى الفاعلية والمفعولية وذلك يكون على وجهين احدهما ان يقتضى كل منهما فاعليةَ اسم ظاهر ومفعوليةَ اسم ظاهر آخر فيكونان متفقين فى ذلك الاقتضاء مثل ضَرَبَ واَهَانَ زيدٌ عمرا وليس هذا قسما ثالثا من التنازع بل هو اجتماع القسمين الاولين

جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا (پس کبھی ہوتا ہے) یعنی تنازع فعلین (فاعل ہونے میں) اس طرح کہ دونوں فعلوں میں سے ہرایک اس بات کا مقتضی ہو کہ اسم ظاہر اس کا فاعل ہو پس دونوں فعل فاعل کا تقاضا کرنے میں متفق ہوں (جیسے ضربنی واکرمنی زید (اور) کبھی ہوتا ہے ان کا تنازع (مفعول ہونے میں) اس طرح کہ دو فعلوں میں ہرایک یہ تقاضا کرے کہ اسم ظاہر اس کا مفعول ہو پس دونوں فعل اسم ظاہر کی مفعولیت کے تقاضا میں متفق ہوں (جیسے ضربت واکرمت زیدا اور) کبھی ہوتا ہے ان کا تنازع (فاعل ہونے اور مفعول ہونے میں) اور یہ دو صورتوں پر ہے ایک یہ کہ ان میں سے ہرایک فعل ایک اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرے کے مفعول ہونے کا پس دونوں فعل اس اقتضاء میں متفق ہوں جیسے ضرب واھان زید عمرا اور یہ تنازع کی قسم ثالث نہیں بلکہ یہ پہلی دو قسموں کا اجتماع ہے

قولہ **فقد یکون** :۔ یہ تنازع کی قسم اول کا بیان ہے شارح نے "**ای تنازع الفعلین**" کا اضافہ کر کے یکون کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے یعنی تنازع کبھی اسم ظاہر کے فاعل ہونے میں ہوتا ہے بایں صورت کہ ہرایک فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے کو چاہتا ہے پس اس صورت میں دونوں فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے کے اقتضاء میں متفق ہوتے ہیں جیسے ضربنی واکرمنی زید قولہ **وقد یکون** :۔ یہ تنازع کی قسم ثانی کا بیان ہے شارح نے قد یکون کا اضافہ کر کے اشارہ کیا ہے کہ یہ سابقہ جملہ پر معطوف ہے یعنی کبھی دونوں فعلوں کا تنازع اسم ظاہر کے مفعول ہونے میں ہوتا ہے بایں طور کہ ہرایک فعل یہ چاہتا ہے کہ اسم ظاہر اسکا مفعول ہو پس اس صورت میں دونوں فعل اقتضاء مفعولیت میں متفق ہوتے ہیں جیسے ضربت واکرمت زیدا قولہ **وقد یکون** :۔ یہ تنازع کی قسم ثالث کا بیان ہے یعنی کبھی دونوں فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے اور مفعول ہونے میں تنازع کرتے ہیں قولہ **و ذلک یکون** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب دو فعلوں کا تنازع اسطرح ہوا کہ ایک فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا مقتضی ہے اور دوسرا فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے کا مقتضی ہے تو دونوں فعل اقتضاء میں مختلف ہوئے لہٰذا مشکلین کی قید ضرورت سے زائد ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ تنازع فعلین کا اسم ظاہر کی فاعلیت ومفعولیت میں دو طرح ہے اول یہ کہ دونوں فعل ایک اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہیں اور دونوں ہی

قولہ **فی الفاعلیۃ** :۔ فاعلیہ کی یا مصدریہ ہے یعنی کبھی اسم ظاہر کے فاعل ہونے پر تنازع ہوتا ہے خواہ وہ فاعل حقیقی ہو یا حکمی لہٰذا فاعلیت میں نائب فاعل بھی داخل ہے جیسے مُنکَم اور اکرم زید کیونکہ نائب فاعل احکام میں فاعل کا شریک ہے (عقد)

وثانیھما ان یقتضی احد الفعلین فاعلیۃَ اسم ظاھر و الآخرُ مفعولیۃَ ذٰلک الاسم الظاھر بعینہ و لاشک فی اختلاف اقتضاء الفعلین فی ھٰذہ الصور فھٰذا ھو القسم الثالث المقابل للاولین فقولہ مختلفین لتخصیص ھٰذہ الصور بالارادۃ یعنی قد یکون تنازع الفعلین و العاقی الفاعلیۃ والمفعولیۃ حال کون الفعلین مختلفین فی الاقتضاء وذٰلک لا یتصور الا اذا کان الاسم الظاھر المتنازع فیہ واحداً و انما لم یورد مثالاً للقسم الثالث لانہ اذا اُخِذَ فعل من المثال الاول وفعل من المثال الثانی حصل مثال للقسم الثالث وذٰلک یتصور علی وجوہ کثیرۃ مثل ضربنی وضربتُ زیدا واکرمنی واکرمتُ زیداً وضربنی واکرمتُ زیداً واکرمنی وضربتُ

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو فعلوں میں سے ایک فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل بعینہ اسی اسم ظاہر کی مفعولیت کا تقاضا کرے اور اس صورت میں فعلین کے اس اقتضاء کے اختلاف میں کوئی شک نہیں اور یہی تنازع کی قسم ثالث ہے جو پہلی دو قسموں کے مقابل ہے پس مصنف کا قول (مختلفین) بالارادہ اسی صورت کی تخصیص کیلئے ہے یعنی کبھی تنازع فعلین فاعلیت اور مفعولیت میں واقع ہوتا ہے حال ہونے فعلین کے مختلف اقتضاء میں اور یہ قسم ثالث صرف اسی صورت میں متصور ہوسکتی ہے کہ وہ اسم ظاہر کہ جس میں تنازع ہے ایک ہو اور مصنف نے قسم ثالث کی مثال ذکر نہیں کی اس لئے کہ جب مثال اول سے ایک فعل لے لیا جائے اور مثال ثانی سے ایک فعل تو قسم ثالث کی مثال حاصل ہو جائیگی اور قسم ثالث کی مثال کے حصول کی وجوہ کثیرہ ہیں جیسے ضربنی وضربت زیدا اور اکرمنی واکرمت زیدا اور ضربنی واکرمت زیدا اور اکرمنی وضربت

دوسرے اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہیں پس اس صورت میں دونوں اقتضاء میں متفق ہوئے جیسے ضرب واہان زید عمراً اور یہ تنازع کی قسم ثالث نہیں ہے بلکہ اسمیں پہلی دونوں قسموں کا اجتماع ہے۔دوم۔یہ کہ جس اسم ظاہر کو ایک فعل فاعل بنانا چاہتا ہے دوسرا اسی کو مفعول بنانا چاہے اور یہ تنازع کی قسم ثالث ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں فعل اقتضاء میں مختلف ہیں پس مصنف کا قول مختلفین بے فائدہ نہیں بلکہ اسی صورت ثانیہ کو خصوصیت کے ساتھ مراد لینے کیلئے ہے۔قولہ **حال کون الفعلین**:۔اسمیں شارح نے یہ اشارہ کیا ہے کہ **مختلفین** ترکیب میں فعلین سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی تنازع کبھی اسم ظاہر کے فاعل اور مفعول ہونے میں ہوتا ہے دراں حالیکہ فعلین کا اقتضاء مختلف ہوتا ہے اور یہ صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اسم ظاہر متنازع فیہ ایک ہو۔قولہ **وانما لم یورد مثالا**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے پہلی دو قسموں کی طرح قسم ثالث کی مثال کیوں نہیں لکھی شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے تیسری قسم کی مثال اس لئے نہیں لکھی کہ اگر ایک فعل پہلی مثال سے اور ایک فعل دوسری مثال سے لیکر جمع کردیں تو وہ قسم ثالث کی مثال بن جائیگی جسکی بہت سی صورتیں بنتی ہیں جیسے ضربنی وضربت زیدًا وغیرہ.

قولہ **قد یکون تنازع الفعلین**:۔اس عبارت میں شارح نے تین چیزیں بیان کی ہیں۔اول۔یہ کہ مصنف کا قول "**مختلفین**" حال واقع ہو رہا ہے۔دوم۔یہ کہ ذوالحال **الفعلین** ہے کیونکہ **الفعلین** ایسا مضاف الیہ ہے جسکو مضاف کی جگہ رکھ کر **وقد یکون الفعلان متنازعین فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ** بول سکتے ہیں۔سوم۔یہ کہ حال کا عامل معنی فعل ہے جو ضمیر راجع بسوئے مصدر سے مستفاد ہو رہا ہے یعنی تنازع (محرم)

زیداو غیر ذٰلک ممایکون الاسم الظاھرمرفوعا فیختار النحاۃالبصریون اعمالَ الفعل الثانی لقربہ مع تجویزاعمال الاول ویختارالنحاۃ الکوفیون الاولَ ای اعمال الفعل الاول مع تجویزاعمال الثانی لسبقہ وللاحترازعن الاضمار قبل الذکر فان اَعملتَ الفعل الثانی کما ھو مذھب البصریین وبدأبہ لانہ المذھب المختار الاکثراستعمالا اضمرتَ الفاعل فی الفعل الاول اذااقتضی الفاعل لجوازالاضمارقبل الذکر فی العمدۃ بشرط التفسیروللزوم التکراربالذکروامتناع الحذف

زیدا اوراس کے علاوہ ان صورتوں سے جن میں اسم ظاہر مرفوع ہو(پس پسند کرتے ہیں) نحوی (بصری عمل دینا) فعل (ثانی کو) اس کے قرب کی وجہ سے ہمراہ جائز رکھنے اسکے فعل اول کے اعمال کو اور پسند کرتے ہیں نحوی (کوفی اول کو) یعنی عمل دینا فعل اول کو ہمراہ جائز رکھنے کے فعل ثانی کے عمل دینے کو بوجہ اسکے سابق ہونے کے اور اضمار قبل الذکر سے بچنے کیلئے (پس اگر تم عمل دو) فعل (ثانی کو) جیسا کہ بصریوں کا مذھب ہے اور مصنف نے بصریوں کے مذھب کے بیان سے ابتدا کی کیونکہ وہ مذھب مختار اور کثیر الاستعمال ہے (تو فاعل کیلئے ضمیر لاؤ) فعل (اول میں) جب وہ فاعل کو چاہتا ہو کیونکہ عمدہ میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے اور اس لئے کہ فاعل کو ذکر کرنے سے تکرار لازم آتا ہے اور بوجہ ممتنع ہونے حذف فاعل

قولہ **فیختار البصریون** :۔تنازع فعلان کے اقسام بیان کرنے کے بعد اب مذاھب بیان کرتے ہیں کہ کس کے نزدیک پہلے فعل کو عمل دینا اولی اور بہتر ہے اور کس کے نزدیک دوسرے فعل کو عمل دینا اولی اور بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ نحات بصرہ کے نزدیک دوسرے فعل کو عمل دینا مختار ہے اگرچہ اول کو عمل دینا جائز ہے۔شارح نے **البصریون** سے پہلے **النحاۃ** مقدر کرکے یہ اشارہ کیا ہے کہ **البصریون** اسم منسوب ہے جو صفت ہے اور اسکا موصوف **النحاۃ** مقدر ہے قولہ **لقربہ**:۔شارح نے **لقربہ** سے نحات بصرہ کی دلیل ذکر کی ہے یعنی فعل ثانی کو عمل دینا اس لئے اولی ہے کہ یہ اسم ظاہر کے قریب ہے **والحق للقریب ثم للبعید** قولہ **ویختار**:۔یعنی نحاۃ کوفہ کے نزدیک پہلے فعل کو عمل دینا مختار ہے اگرچہ دوسرے فعل کو عمل دینا بھی جائز ہے اس لئے کہ وہ سابق ہے **والحق للسابق** اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل اول کو عمل دینے سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئیگا قولہ **فان اعملت**:۔مصنف فرماتے ہیں کہ اگر تم فعل ثانی کو عمل دو جیسا کہ بصریین کا مختار ہے اور فعل اول فاعل کا مقتضی ہو تو فعل اول میں فاعل ضمیر لاؤ شارح فرماتے ہیں کہ تنازع کی صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا مذھب مختار اور کثیر الاستعمال ہے اس لئے مصنف نے اس مذھب کو پہلے بیان کیا ہے قولہ **لجواز الاضمار**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قطع تنازع کے تین طریقے ہیں ﴿۱﴾ حذف ﴿۲﴾ ذکر ﴿۳﴾ اضمار صورت مذکورہ میں اگر حذف اختیار کیا جائے تو بغیر قائم مقام کے حذف فاعل لازم آئیگا جو جائز نہیں اور اگر فاعل ذکر کیا جائے تو تکرار لازم آئیگا جو فی نفسہ قبیح ہے اور اضمار سے اضمار قبل الذکر لازم آئیگا وہ بھی درست نہیں جب کوئی صورت درست نہیں تو تنازع کیسے ختم کیا جائیگا شارح نے جواب دیا کہ اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اس لئے اسکو اختیار کیا جائیگا کیونکہ ذکر سے تکرار لازم

قولہ **وبدأبہ** :۔اور مذھب بصریین کو اولا ذکر کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ کتاب بصریین کے مذھب میں ہے اور مؤلف کتاب بھی بصری ہیں نیز اس تقدیم میں نشر موافق لف ہے یعنی لف ونشر مرتب ہے۔(محرم) قولہ **للزوم التکرار**:۔یعنی انہوں نے ذکر فاعل کو اختیار نہیں کیا اسلئے کہ تکرار ہے جو غیر مستحسن ہے جیسے ضربنی زید واکرمنی زید۔﴿فائدہ﴾ حسنی وحسبھما مطلقین اثریان مطلقا میں اظہار مفعول سے تکرار نہیں ہے کہ یہ مفرد وتثنیہ ہونے میں مختلف ہیں۔

علی وفق الاسم الظاهر الواقع بعدالفعلین ای علی موافقته افراداوتثنیۃًوجمعاًوتذکیراًوتانیثا لانہ مرجع الضمیر والضمیریجب ان یکون موافقاًللمرجع فی ھذہ الامور دون الحذف لانہ لایجوزحذ ف الفاعل الااذاسد شیء مسدہ خلافا للکسائیّ فانہ لایُضمِرالفاعل بل یحذفہ تحرزاًعن الاضمار قبل الذکرویظھراثر الخلاف فی نحوضربانی واکرمنی الزیدان عند البصریین وضربنی واکرمنی الزیدان عندالکسائی وجازای اعمال الفعل الثانی مع اقتضاء الفعل الاول الفاعلَ خلافا للفراء فانہ لایُجَوِّز اعمالَ الفعل الثانی عند اقتضاء الاول الفاعلَ لانہ یلزم علی تقدیر اعمالہ اِما الاضمار قبل الذکر کما ھو مذھب الجمھور او حذف الفاعل کماھو مذھب الکسائی بل یجب عندہ اعمال الفعل الاول فان اقتضی الثانی الفاعلَ اَضمَرتَہ وان اقتضی المفعولَ حذفتَہ اواَضمرتَہ تقول ضربنی واکرمانی الزیدان ولایلزم حینئذٍ محذور

کے اسم (ظاہر کے موافق) جو کہ فعلین کے بعدواقع ہے یعنی اسم ظاہر کی موافقت پر مفرداور تثنیہ اورجمع اورمذکرومؤنث ہونے میں کیونکہ وہ اسم ظاہر ضمیر کا مرجع ہے اور ضمیر کیلئے ان امور میں مرجع کے موافق ہونا ضروری ہے (نہ کہ حذف کرنا) اس لئے کہ حذف فاعل جائزنہیں مگر جبکہ کوئی شی اس کے قائم مقام کی جائے (برخلاف کسائی کے) کہ وہ فاعل کیلئے ضمیر نہیں لاتے بلکہ اسکوحذف کرتے ہیں اضمارقبل الذکر سے بچنے کیلئے اوراس اختلاف کا اثر ضربانی واکرمنی الزیدان کی شکل میں ظاہر ہوگا بصریین کے نزدیک اورضربنی واکرمنی الزیدان کسائی کے نزدیک (اور جائز ہے) یعنی فعل ثانی کوعمل دیناباوجودتقاضا کرنے فعل اول کے فاعل کا (برخلاف فراء کے) کہ وہ فعل اول کے فاعل کا تقاضا کرنے کے وقت فعل ثانی کوعمل دیناجائزنہیں مانتے کیونکہ اسے عمل دینے کی صورت میں یااضمارقبل الذکر لازم آئیگا جیسا کہ یہ جمہور کامذھب ہے یاحذف فاعل جیسا کہ یہ امام کسائی کامذھب ہے بلکہ فراء کے نزدیک فعل اول کوعمل دیناواجب ہے پس اگر فعل ثانی فاعل کامقتضی ہوتواس کیلئے ضمیرلاؤاوراگرمفعول کامقتضی ہوتواسکو حذف کردیاضمیرلاؤتم کہوگے ضربنی واکرمانی الزیدان اوراس وقت کوئی امرممنوع لازم نہیں آئیگا

آتا ہےاورحذف فاعل ممتنع ہے.قولہ **علی وفق الاسم الظاھر**:۔یعنی اس ضمیرکوافراد،تثنیہ،جمع اورتذکیروتانیث میں اسم ظاہر کےمطابق رکھاجائیگا جوفعلین کے بعد ہے کیونکہ وہ اس ضمیر کامرجع ہےاورضمیرکاان امورمیں مرجع کےمطابق ہوناضروری ہے.قولہ **دون الحذف**:۔یعنی مذکورہ صورت میں فاعل کومحذوف نہیں ماناجائیگا کہ حذف فاعل بلاقائم مقام جائزنہیں مگرکسائی اسمیں اختلاف کرتے ہیں یعنی وہ فعل اول میں اضمار کے قائل نہیں تاکہ اضمارقبل الذکرلازم نہ آئے بلکہ وہ حذف فاعل کے قائل ہیں اوراس اختلاف کاثمرہ یہی نکلےگا کہ عام نحات بصرہ توضربانی واکرمنی الزیدان (باضمارفاعل) کہیں گےاورکسائی ضربنی واکرمنی الزیدان (بحذف فاعل) کہیں گے.قولہ **وجاز**:۔اورفعل ثانی کوعمل دیناجائز ہے باوجودیکہ فعل اول فاعل کامقتضی ہومگرفراء نے اختلاف کیا ہےوہ کہتے ہیں کہ اگرفعل اول فاعل کامقتضی ہوتوفعل ثانی کوعمل دیناجائزنہیں

وقیل رُوِیَ عنہ تشریک الرافعین اواضمارہ بعدالظاہر کما فی صورۃ تاخیرالناصب تقول ضَرَبَنی واکرمنی زیدٌھووضربنی واکرمتُ زیداًھوورِوایۃالمتن غیرمشھورۃعنہ وحذفتَ المفعولَ تحرزاًعن التکرارلوذُکِروعن الاضمارقبل الذکرفی الفضلۃلواُضمِر اِن استُغنِیَ عنہ والاای وان لم یستغنَ عنہ اظہرتَ ای المفعول نحو حسبنی منطلقا وحسبتُ زیداً منطلقاً لانہ لا یجوزحذف احدِمفعولَی باب حسبتُ ولایجوزاضمارہ لئلا یلزمَ الاضمارقبل الذکر

اور کہا گیا ہے کہ فراء سے تشریک رافعین یا فعل اول کے فاعل کو اسم ظاہر کے بعد ضمیر لانا مروی ہے جس طرح کہ تاخیر ناصب کی صورت میں تم کہو گے ضربنی واکرمنی زید ھواور ضربنی واکرمت زیدا ھواور متن کی روایت فراء سے مشہور نہیں (اور مفعول کو حذف کرو گے) تکرار سے بچنے کیلئے اگر مفعول کو ذکر کیا جائے اور فضلہ میں اضمار قبل الذکر سے بچنے کیلئے اگر مفعول ضمیر لایا جائے (اگر مفعول سے استغناء ہو) اور اگر مفعول کے بغیر کام نہ چل سکے (تو ظاہر کرو گے) یعنی مفعول کو جیسے حسبنی منطلقا وحسبت زیدا منطلقا کیونکہ باب حسبت کے دو مفعولوں میں سے ایک کو حذف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اسکا اضمار جائز ہے تاکہ فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے

کیونکہ فعل ثانی کو عمل دینے سے اضمار قبل الذکر لازم آئیگا جیسا کہ جمہور کا مذھب ہے یا حذف فاعل لازم آئیگا جیسا کہ وہ کسائی کا مذھب ہے اور دونوں عمل ممنوع ہیں بلکہ فراء کے نزدیک اس صورت میں پہلے فعل کو عمل دینا واجب ہے پس اگر دوسرا فعل فاعل کا مقتضی ہو تو فاعل کو ضمیر لائیں گے اور اگر مفعول کا مقتضی ہو تو مفعول کو محذوف مانیں گے یا ضمیر لائیں گے جیسے ضربنی واکرمنی الزیدان اور اسمیں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آئیگی نہ اضمار قبل الذکر اور نہ حذف فاعل قولہ **وقیل روی عنہ**:۔ یعنی امام فراء کا مذھب جو متن میں ہے وہ غیر مشہور ہے اور مصنف نے اس غیر مشہور روایت کو ذکر کیا ہے تاکہ یہ مشہور ہو جائے اور روایت مشہورہ کے مطابق فراء کے نزدیک قطع تنازع کے دو طریقے ہیں ﴿اول﴾ تشریک رافعین یعنی دونوں فعلوں کو اسم ظاہر کا رافع قرار دیتے ہیں. ﴿دوم﴾ یہ کہ فعل اول کے فاعل کو اسم ظاہر کے بعد بطور ضمیر منفصل لایا جائے جسطرح کہ تاخیر ناصب کی صورت میں ہے تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے جیسے ضربنی واکرمنی زید ھو جبکہ دونوں فعل فاعل کے مقتضی ہوں اس مثال میں فعل اول کے فاعل کو اسم ظاہر کے بعد ضمیر منفصل لا کر تنازع کو ختم کیا گیا ہے اور ضربنی واکرمت زیدا ھو جبکہ دوسرا فعل مفعول کا مقتضی ہو. قولہ **وحذفت المفعول**:۔ یعنی اگر دونوں فعلوں کا تنازع اسم ظاہر کے مفعول ہونے میں ہو اور تم فعل ثانی کو عمل دو تو فعل اول کا مفعول محذوف مانو تاکہ بصورت ذکر مفعول کا تکرار نہ ہو اور بصورت ضمیر لانے کے اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے قولہ **ان استغنی عنہ**:۔ یہ فعل مبنی للمفعول یا تو شرط ہے اور اسکی جزاء محذوف ہے یعنی حذفت یا حذفت مذکور اسکی جزاء ہے یعنی حذف مفعول اسوقت جائز ہے جب اسکے ذکر سے استغناء ہو ورنہ مفعول کا اظہار ضروری ہے جیسے حسبنی منطلقا وحسبت زیدً امنطلقا میں پہلے فعل کے مفعول کو ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ باب حسبت کے ایک مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں اور مفعول کو ضمیر لائیں تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آئیگا یہ بھی جائز نہیں لہذا مفعول کا اظہار ضروری ہوا .

قولہ **تشریک الرافعین**:۔ تشریک رافعین باطل ہے کیونکہ عوامل موثرہ علت مستقلہ کے حکم میں ہوتے ہیں تو جس طرح دو علت مستقلہ کا اجتماع ایک معلول پر باطل ہے اسی طرح دو رافع کا ایک فاعل پر اجتماع بھی باطل ہے. (تیسیر الناجیہ) قولہ **اظہرت**:۔ یہ شارح کے قول "والا" کی جزاء ہے کیونکہ والا اصل میں ان لا ہے. (محرم)

فی الفضلة وان اعملتَ الفعل الاول کما هو مختار الکوفیین اضمرتَ الفاعلَ فی الفعل الثانی لو اقتضاه نحو ضَرَبَنی و اکرمنی زیدٌ اذا جعلت زید الفاعل ضربنی واضمرت فی اکرمنی ضمیرا راجعا الی زید لتقدمه رتبة فلا محذورَ فیه حینئذٍ لا حذف الفاعل و لا الاضمار قبل الذکر لفظا و رتبة بل لفظا فقط وهو جائز قوله وَاضمرتَ المفعول فی الفعل الثانی لو اقتضاه علی المذهب المختار ولم تحذفه وان جاز حذفه لئلا یتوهم ان مفعول الفعل الثانی مغایر للمذکور ویکون الضمیر حینئذٍ راجعا الی لفظ مقدم رتبةً کما تقول ضربنی و اکرمتهٗ زید الا ان یمنع مانع من الاضمار کما هو القول المختار ومن الحذف کما هو القول الغیر المختار فتظهر المفعول فانه اذا امتنع الاضمار والحذف لاسبیل الا الی الاظهار

(اور اگر تم عمل دو) فعل (اول کو) جیسا کہ وہ کوفیین کا مختار ہے (تو ضمیر لاؤ فاعل کیلئے) فعل (ثانی میں) اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو جیسے ضربنی واکرمنی زید جبکہ تم زید کو ضربنی کا فاعل بناؤ اور اکرمنی میں ضمیر راجع بسوئے زید لاؤ زید کے رتبۃً مقدم ہونے کی وجہ سے پس اسمیں اسوقت کوئی محذور لازم نہیں آتا نہ فاعل کا حذف اور نہ اضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃً بلکہ صرف لفظا اور وہ جائز ہے (اور) تم ضمیر لاؤ (مفعول کیلئے) دوسرے فعل میں اگر وہ مفعول کا تقاضا کرے مذھب (مختار پر) اور مفعول ثانی کو حذف نہیں کروگے اگرچہ اس کا حذف کرنا جائز ہے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ فعل ثانی کا مفعول مذکور کے مغایر ہے پس اسوقت ضمیر ایسے لفظ کی طرف راجع ہوگی جو کہ رتبۃً مقدم ہے جیسے تم کہوگے ضربنی واکرمتہ زید (مگر یہ کہ کوئی مانع منع کرے) اضمار سے جیسا کہ قول مختار ہے اور حذف سے جیسا کہ وہ قول غیر مختار ہے (پس ظاہر کردو) مفعول کو کیونکہ جب اضمار اور حذف ممتنع ٹھیرا تو اظہار کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا

قولہ **وان اعملت الفعل الاول** :۔ اور اگر کوفیوں کے مذھب پر فعل اول کو عمل دو اور فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو تو اسمیں فاعل کی ضمیر لاؤ جیسے ضربنی واکرمنی زید جب تم لفظ زید کو ضربنی کا فاعل بناؤ اور اکرمنی میں ضمیر فاعل لاؤ جسکا مرجع لفظ زید ہو کہ وہ رتبۃً مقدم ہے پس اسمیں کوئی محذور نہیں نہ حذف فاعل اور نہ اضمار قبل الذکر لفظا اور نہ رتبۃً بلکہ صرف اضمار قبل الذکر لفظا ہے اور وہ جائز ہے قولہ **اضمرت المفعول** :۔ اور اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو تو بنابر مذھب مختار اس میں مفعول کی ضمیر لاؤ اور مفعول کو حذف نہ کرو اگرچہ مفعول کا حذف جائز ہے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ فعل ثانی کا مفعول اسم ظاہر مذکور کے مغایر ومخالف ہے اور یہ ضمیر اسوقت اس لفظ کی طرف راجع ہوگی جو رتبۃً مقدم ہے مثلاً تم کہوگے ضربنی واکرمتہ زید قولہ **الا ان یمنع مانع** :۔ یعنی فعل ثانی میں اضمار مفعول سے جو کہ قول مختار ہے کوئی مانع موجود ہو یا حذف مفعول سے جو کہ قول غیر مختار ہے کوئی مانع موجود ہو تو فعل ثانی کا مفعول ظاہر کرو کیونکہ جب اضمار مفعول اور حذف مفعول دونوں ناجائز اور ممنوع ٹھیرے تو اظہار مفعول کے سوا کوئی چارہ نہیں

قولہ **علی المذھب المختار** :۔ یعنی پسندیدہ استعمال پر حذف نہ کرو کہ مرجوح ہے اور اس لئے کہ یہ وہم نہ ہو کہ مفعول ثانی مفعول مذکور کا مغایر ہے کیونکہ بصورت مغایرت اسم متنازع فیہ ایک نہیں ہوگا بلکہ متعدد ہو جائیگا جس میں تنازع متصور نہیں (عبد) قولہ **الا ان یمنع مانع** :۔ مصنف کا یہ قول حذف اور اضمار دونوں سے استثناء ہے اور اس پر قرینہ مصنف کا قول "فتظہر" ہے (عبد) اور یہ قرات الایم کذا کی مثل استثناء مفرغ ہے کلام موجب میں کیونکہ معنی نفی ہے۔

نحو حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقا حیث أُعمل حسبنی فجعل الزیدان فاعلا له ومنطلقا مفعولا له واضمر المفعول الاولُ فی حسبتهما واُظهر المفعول الثانی وهو منطلقین للمانع وهو انه لو اضمر مفرداً خالف المفعول الاول ولو اضمر مثنی خالف المرجع وهو قوله منطلقا ولا یخفی انه لایتصور التنازع فی هذه الصورة الا اذا لاحظت المفعول الثانی اسمادالا علی اتصاف ذات ما بالانطلاق من غیر ملاحظة تثنیته وافراده والا فالظاهر انه لاتنازع بین الفعلین فی المفعول الثانی لان الاول یقتضی مفعولا مفردا والثانی مفعولا مثنی فلایتوجهان الی امر واحد

جیسے حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقا جب حسبنی کو عمل دیا گیا اور زیدان کو اس کا فاعل بنایا گیا اور منطلقا کو مفعول اور حسبتهما میں مفعول اول کو ضمیر لایا گیا اور مفعول ثانی کو مانع کی وجہ سے ظاہر کیا گیا اور وہ منطلقین ہے اور مانع یہ ہے کہ اگر ضمیر مفرد لائی جائے تو مفعول اول کے مخالف ہوگی اور اگر ضمیر تثنیہ لائی جائے تو مرجع کے مخالف ہوگی اور وہ مرجع منطلقا ہے اور مخفی نہ رہے کہ اس صورت میں منطلقا میں تنازع متصور نہیں مگر جب تم مفعول ثانی کو تثنیہ و مفرد لحاظ کئے بغیر ایسا اسم اعتبار کرو جو کسی ذات کے متصف بالانطلاق پر دلالت کرنے والا ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ مفعول ثانی یعنی منطلقا میں تنازع فعلین نہیں ہے کیونکہ فعل اول مفعول مفرد کا مقتضی ہے اور فعل ثانی مفعول مثنی کا پس دونوں فعل امر واحد کی طرف متوجہ نہ ہوئے

جیسے حسبنی و حسبتهما منطلقین الزیدان منطلقا اس مثال میں فعل اول (**حسبنی**) کو بر بناء مذہب کوفیہ عمل دیا گیا اور **الزیدان** اسکا فاعل اور **منطلقا** مفعول ثانی قرار پایا اور فعل ثانی (**حسبتهما**) میں اول مفعول ضمیر تثنیہ (**هما**) قرار پائی اور مفعول ثانی (**منطلقین**) کی جگہ ضمیر مفرد لائی جائے تو وہ مفعول اول (ضمیر تثنیہ) کے خلاف ہوگی اور اگر ضمیر تثنیہ لائی جائے یعنی **ایاهما** تو مرجع کے خلاف ہوگی جو کہ منطلقا (مفرد) ہے۔ قولہ **ولا یخفی**:۔ اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر پر تنبیہ فرمائی ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مذکورہ مثال تنازع فعلان کے باب سے نہیں بنتی کیونکہ تنازع میں یہ شرط ہے کہ دونوں فعل امر واحد کی طرف متوجہ ہوں اور گذشتہ مثال میں فعلین ایک امر کی طرف متوجہ نہیں ہیں کیونکہ پہلا فعل (**حسبنی**) مفعول مفرد چاہتا ہے اور دوسرا فعل (**حسبتهما**) مفعول مثنی کو چاہتا ہے جب فعلین کا اقتضا ایک نہ ہوا تو یہ مثال از قبیل تنازع نہ ہوئی۔ قولہ **الا اذا**:۔ اس عبارت میں شارح نے اوپر والے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منطلقا کو جب واحد اور تثنیہ کی صفت کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو مثال مذکور میں تنازع ممکن نہیں البتہ اگر واحد اور تثنیہ ہونے سے قطع نظر کیا جائے اور ان سے مراد ایسا اسم لیا جائے جو انطلاق کی صفت کے ساتھ متصف ہونے والے پر دلالت کرے تو یہ مثال تنازع کی بن جائیگی۔

قولہ **خالف الاول**:۔ حالانکہ مفعول ثانی کا مفعول اول کے موافق ہونا ضروری ہے کیونکہ مفعول اول ثانی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور موصوف و صفت میں موافقت ضروری ہے۔ قولہ **من غیر ملاحظة**:۔ یعنی مطلق میں دو احتمال ہیں اول۔ یہ کہ اس سے کوئی سی ذات متصف بالانطلاق مراد ہو بلا لحاظ مفرد یا تثنیہ کے دوم۔ یہ کہ اس سے مطلق مقید بالوحدة مراد ہو صورت ثانیہ میں تنازع متصور نہیں پہلی صورت میں ہے۔ ☆سوال☆ لفظ مطلق تو مقید بالوحدة پر دلالت کرتا ہے یعنی ایک صاحب انطلاق پر کہ یہ مفرد ہے ☆جواب☆ اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ لفظ مفرد ذکر کیا جاتا ہے مگر اس سے وحدت کا معنی ملحوظ نہیں ہوتا اور لفظ مطلق بھی اسی قبیل سے ہے (عبد) قولہ **فالظاهر انه**:۔ شارح نے فالظاہر کہا کیونکہ غیر ظاہر یہ ہے کہ اس میں تنازع ممکن ہے کیونکہ اسم سے مراد وہ اسم ہے جو فقط ذات پر دلالت کرنے والا ہے کیونکہ تثنیہ و جمع عوارض سے ہیں تنازع

فلاتنازع ولما استدل الکوفیون علی اولویۃ اعمال الفعل الاول بقول امرئ القیس .شعر ولو انما اَسعٰی لِادنی معیشۃٍ ☆کفانی ولم اطلب قلیل من المال ☆حیث قالوا قد توجہ الفعلان اعنی کفانی ولم اطلب الی اسم واحدٍ وھو قلیل من المال فاقتضی الاولُ رفعَہ بالفاعلیۃ والثانی نَصبَہ بالمفعولیۃ وامرؤ القیس الذی ھو افصح شعراء العرب اَعمَلَ الاولَ فلولم یکن اعمالُ الاولِ اولی لَمَا اختارہ اذلا قائل بتساوی الاعمالین فاجاب المصنف عن طرف البصریین وقال وقول امرئ القیس ☆کفانی ولم اطلب قلیل من المال ☆لیس منہ ای باب التنازع لفساد المعنی علی تقدیر توجہ کل من کفانی ولم اطلب الی قلیل من المال

لہذا تنازع نہ ہوا اور جبکہ کوفیین نے فعل اول کو عمل دینے کے اولیٰ ہونے پر امرؤ القیس کے اس قول سے استدلال کیا۔ ولو انما اسعی الخ اور اگر میں معمولی معیشت کیلئے کوشش کرتا تو مجھے کافی ہوتا اور میں طلب نہ کرتا تھوڑا مال جہاں انہوں نے کہا کہ اس شعر میں دو فعل یعنی کفانی اور لم اطلب ایک اسم کی طرف متوجہ ہیں اور وہ قلیل من المال ہے۔ پس فعل اول بنا بر فاعلیت کے قلیل کے رفع کا مقتضی ہے اور فعل ثانی بنا بر مفعولیت کے اس کے نصب کا اور امرؤ القیس جو شعراء عرب میں افصح ہے اس نے فعل اول کو عمل دیا ہے پس اگر پہلے فعل کو عمل دینا اولیٰ نہ ہوتا تو وہ اسکو پسند نہ کرتا کیونکہ تساوی اعمالین کا تو کوئی قائل نہیں تو مصنف نے بصریوں کی جانب سے جواب دیا اور کہا کہ (امرؤ القیس کا قول کفانی ولم اطلب الخ اس سے نہیں) یعنی تنازع فعلین کے باب سے نہیں (معنی کے فساد کی وجہ سے) اور بر تقدیر متوجہ ہونے کفانی اور لم اطلب میں سے ہر ایک کے قلیل من المال کی طرف

قولہ **ولما استدل الکوفیون**:۔اس عبارت میں شارح ایک سوال کی تمہید اور تقریر بیان کر رہے ہیں جو صاحب کافیہ پر وارد ہوا اور وہ یہ ہے کہ مصنف نے نحات بصرہ کا مذھب پہلے بیان کر کے اسکے اولیٰ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن امرؤ القیس جو شعراء عرب میں افصح تھا اس نے اپنے ایک شعر میں فعل اول کو عمل دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نحاۃ کوفہ کا مذھب مختار ہے کیونکہ دونوں فعلوں کو عمل دینا کسی کے نزدیک یکساں نہیں ہے اور امرؤ القیس کا وہ شعر یہ ہے کہ ولو انما اسعی لادنی معیشۃٍ کفانی ولم اطلب قلیل من المال ،اس شعر میں دو فعل یعنی کفانی اور لم اطلب ایک اسم کی طرف متوجہ ہیں جو قلیل من المال ہے پہلا فعل بنا بر فاعل ہونے کے اس اسم کا رفع چاہتا ہے اور دوسرا بنا بر مفعول ہونے کے اسکے نصب کو چاہتا ہے اور امرؤ القیس نے پہلے فعل کو عمل دیا ہے کیونکہ اس سے لفظ قلیل رفع کے ساتھ مروی ہے۔قولہ **وقول امرئ القیس**:۔یہ مصنف نے بصریوں کی طرف سے کوفیوں کے استدلال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اس شعر میں تنازع فعلین نہیں ہے کیونکہ تنازع ماننے سے شعر کا معنی فاسد ہو جاتا ہے لہذا اس شعر سے استدلال باطل ہے کہ تنازع کے وقت فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے۔قولہ **لفساد المعنی**:۔فساد معنی کی تشریح ایک ضابطہ کے جاننے پر موقوف ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ کلمہ لَو جو حرف شرط ہے اسکی شرط و جزا یا جو کسی ایک پر معطوف ہو اگر مثبت ہو تو منفی ہو جاتا ہے اور

میں ان کا اعتبار نہیں لہذا دونوں مفعول امر واحد ہیں۔قولہ **لاستلزامہ**:۔یہ فساد معنی کی علت ہے اور مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے جو ضمیر مجرور راجع بسوئے توجہ کل ہے اور مصدر کا مفعول عدم السعی ہے اور انتفاء مصدر مضاف بسوئے فاعل ہے جو کفایہ قلیل من المال اور عدم السعی پر معطوف ہے اور ثبوت طلب انتفاء پر معطوف ہے یا عدم السعی پر۔

لاستلزامه عدم السعی لادنی معیشة و انتفاء کفایة قلیلٍ من المال وثبوت طلبه المنافی لکل منهما وذلک لان لو تَجْعَلُ مدخولَها المثبتَ شرطاکان اوجزاء اومعطوفاعلی احدهمامنفیا والمنفی من ذلک مثبتافعلی هذا ینبغی ان یکون مفعولُ لم اطلب محذوفاای لم اطلبِ العزّ والمجد کمایدل علیه البیت المتأخراعنی قوله .شعرولکنما أسعٰی لمجدٍ مؤثل ☆وقدیدرک المجدَالمؤثل امثالی ☆وحینئذٍ یستقیم المعنی یعنی انالاأسعٰی لادنی معیشةٍ ولایکفینی قلیل من المال ولکنی اطلب المجدالاثیل الثابت واسعٰی له مفعول مالم یسم فاعله ای مفعول فعل او شبه فعل لم یذکر فاعله

کیونکہ یہ توجیہ مستلزم ہے تھوڑی سی معاش کیلئے عدم سعی کواورقلیل من المال کے کافی نہ ہونے کو اورشاعر کی اس طلب کے ثبوت کو جو عدم سعی اورانتفاء قلیل من المال میں سے ہرایک کے منافی ہے اور یہ استلزام اس لئے ہے کہ حرف لو اپنے مدخول مثبت کوخواہ وہ شرط ہو یاجزاء یاان میں سے کسی ایک پر معطوف ہواسکومنفی کردیتا ہے اور ان میں سے منفی کومثبت کردیتا ہے پس اس تقدیر کی بناپر مناسب یہ ہے کہ لم اطلب کامفعول محذوف ہوای لم اطلب العزوالمجد جیسا کہ اس پر بعدوالا بیت دلالت کررہا ہے یعنی شاعرکاقول ولکنما اسعٰی الخ جس کا معنی ہے اورلیکن میں پائدار بزرگی کا طالب ہوں اورکبھی مجھ جیسے لوگ دائمی بزرگی کو پالیتے ہیں اوراس وقت معنی مستقیم ہوتاہے یعنی میں کمترمعیشت کے لئے کوشش نہیں کرتااور مجھے تھوڑا مال کفایت نہیں کرتالیکن میں پائیدار بزرگی کوطلب کرتا ہوں اوراسکی کوشش کرتاہوں(مفعول مالم یسم فاعلہ)یعنی اس فعل یاشبہ فعل کامفعول کہ جس کافاعل ذکرنہیں کیاگیا

منفی ہوتومثبت ہوجاتا ہے یہ ضابطہ جاننے کے بعدمصنف کے جواب کی تشریح یہ ہے کہ اگرشعرمذکورمیں فعلین کاتنازع ماناجائے توضابطہ مذکورہ کے مطابق **اسعٰی** بمعنی **لااسعٰی** ہوجائیگااور **کفانی** بمعنی **لم یکفنی** اور **لم اطلب** بمعنی **طلبت** کے ہوجائیگاتوشعرکامعنی ہوجائیگا**لم اسع لادنی معیشةولم یکفنی قلیل من المال وطلبت قلیلا من المال** یعنی میں نے ادنی معیشت کی کوشش نہیں کی اورقلیل مال مجھے کافی بھی نہیں اورمیں طلب کرتاہوں قلیل مال کواورطلبت قلیلا من المال بلاشبہ لم اسع اورلم یکفنی دونوں کے منافی ہے۔ **قوله فعلی هذا** :۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگرشعرمذکورتنازع فعلین کے قبیلہ سے نہیں ہے توپھرلم اطلب کامفعول بہ کیاہے شارح نے جواب دیاکہ لم اطلب کامفعول بہ محذوف ہےای **لم اطلب العزوالمجد** اوراس حذف پربعدوالہ شعرقرینہ ہےاوروہ یہ ہے **ولکنما اسعٰی الخ** دونوں اشعارکاترجمہ یہ ہوگاکہ میں ادنی معیشت کیلئے کوشش نہیں کرتااورنہ قلیل مال مجھے کافی ہے بےشک میں پائیدار بزرگی کیلئے کوشش کرتاہوں اورمجھ جیساشخص پائیداربزرگی پالیتاہے۔**قوله مفعول مالم یسم فاعله**:۔شارح نے مفعول فعل اوشبہ فعل کے اضافہ سے اس بات پرتنبیہ کی ہے کہ مصنف کے کلام میں واقع لفظ**ما** سے مراد فعل یاشبہ فعل ہےاور **لم یذکر** سےایک اعتراض کاجواب دیاہےجسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کےقول**لم یسم** سے معلوم ہوتاہے کہ فاعل کاوجودنہیں ہےاوراسکےقول**حذف فاعله** سے معلوم ہوتاہے کہ اسکاوجودہے پس مصنف کی عبارت میں تناقض ہے شارح نے جواب دیاہے کہ اس جگہ لم یسم بمعنی لم یذکر ہے یعنی اس فعل یاشبہ فعل کامفعول کہ جسکافاعل مذکورنہ

وانما لم یفصله عن الفاعل ولم یقل ومنه کما فصل المبتدأ حیث قال ومنها المبتدأ لشدة اتصاله بالفاعل حتی سماه بعض النحاة فاعلا کل مفعول حذف فاعله ای فاعل ذلک المفعول وانما اضیف الی المفعول لملابسة کونه فاعلا لفعل متعلق به واقیم هو ای المفعول مُقامَه ای مُقامَ الفاعل فی اسنا دالفعل اوشبهه الیه وشرطه ای شرط مفعول مالم یسم فاعله فی حذف فاعله

اورمصنف نے ومنہ کہہ کراس کوفاعل سے جدانہیں کیاجس طرح کہ مبتداکوجداکیاجہاں کہ کہاہے ومنہاالمبتدأ مفعول مالم یسم فاعلہ کے فاعل کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے یہاں تک کہ بعض نحویوں نے مفعول مالم یسم فاعلہ کانام فاعل رکھاہے(ہروہ مفعول ہے کہ جس کافاعل حذف کیاگیاہو)یعنی اس مفعول کافاعل اورفاعل کی اضافت مفعول کی طرف اس ملابست اورتعلق کی وجہ سے کی ہے کہ وہ فاعل اس فعل کافاعل ہے جومفعول کے ساتھ متعلق ہے(اوراسے قائم کیاگیاہو)یعنی مفعول کو(اس کے مقام پر)یعنی فاعل کے مقام پرفعل یاشبہ فعل کی مفعول کی طرف نسبت کرنے میں (اوراسکی شرط)یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کے فاعل کوحذف کرنے

ہوپس تناقض جاتارہا**قولہ وانما لم یفصلہ**:۔اسمیں شارح نے ایک سوال کاجواب دیاہےجسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوعات کی ایک مستقل قسم ہے جیسے مبتداایک مستقل قسم ہے لہذاو**منہ** کہہ کراسکوفاعل سے علیحدہ کیوں نہیں کیاگیاجیساکہ **ومنھا المبتدأ** کہہ کرمبتدا کوعلیحدہ کیاگیاہے۔شارح نے جواب دیاکہ مصنف نے ومنہ کہہ کراسکوعلیحدہ اس لئےنہیں کیاکہ مفعول مالم یسم فاعلہ کوفاعل سے بہت گہرا تعلق ہے حتی کہ بعض نحات نے اسکوفاعل کے نام کے ساتھ موسوم کیاہے۔**قولہ ای فاعل ذلک المفعول**:۔اس تفسیر سے شارح کامقصودمصنف کے قول **حذف فاعلہ** کی ضمیرمجرورکامرجع بتاتاہے یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ وہ مفعول ہے جسکافاعل حذف کرکے مفعول کواسکے قائم مقام کردیا گیاہو**قولہ وانما اضیف**:۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول **فاعلہ** کی ضمیرکامرجع مفعول کوبنانادرست نہیں اس لئے کہ فاعل فعل کاہوتاہے نہ کہ مفعول کا۔شارح نے جواب دیاکہ یہ اضافت ادنی تعلق ومناسبت کی وجہ سے ہے یعنی فاعل کوفعل سے تعلق ہے اورفعل کومفعول سے تعلق ہے توفاعل کومفعول سے بواسطہ فعل تعلق ہوااس تعلق کے پیش نظرفاعل کی اضافت مفعول کی طرف کردی گئی۔**قولہ واقیم ھو**:۔شارح نے **اَلْمَفْعُوْلُ** بڑھاکریہ اشارہ کیاہے کہ ھوضمیرکامرجع **المفعول** ہے یعنی فاعل کی جگہ مفعول رکھ دیاگیاہو۔**قولہ فی اسناد الفعل**:۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول کوفاعل کے قائم مقام کرناممکن نہیں کیونکہ مفعول پرفعل واقع ہوتاہےاورفاعل سے فعل صادرہوتاہےاوران دونوں میں تناقض ہےتومفعول فاعل کے قائم مقام کیسے ہوسکتاہے۔شارح نے جواب دیاکہ مفعول کافاعل کے قائم مقام ہونااس سے مرادفعل یاشبہ فعل کی اسنادمیں قائم مقام ہوتاہے۔**قولہ وشرطہ**:۔شارح نے **ای شرط مفعول مالم یسم فاعلہ** سے ضمیرکامرجع بتایاہےاور**فی حذف فاعلہ** میں یہ بتایاہے کہ یہ شرط ذات مفعول مالم یسم فاعلہ کی نہیں ہے بلکہ حذف فاعل اورمفعول کوفاعل کی

قولہ کل مفعول:۔مصنف کایہ قول مبتداکی خبرہےاورلفظ کل بیان اطرادکیلئے لایاگیاکیونکہ لفظ کل جب نکرہ کی طرف مضاف ہوتواحاطہ افرادکاافادہ کرتاہےجیسے کل رما ماکو

قولہ واُقیم:۔یہ مصنف کے قول "**حُذِف**" پرمعطوف ہےاورھوضمیرمستترکی تاکیدہےتاکہ کسی کویہ وہم نہ ہوکہ **اُقیم**کااسنادمقام کی طرف ہےاورعبارت فاسدالمعنی ہےاورلفظ مقام بضم میم اقامت سےظرف مکان منصوب بنابرظرفیت ہےاورضم میم پرقرینہ فعل اقیم ہےکیونکہ میم کےفتح کےساتھ ثلاثی مجردکاظرف آتاہےاوراقیم ثلاثی مزیدفیہ ہے۔(محرم)

واقامته مُقام الفاعل اذا کان عامله فعلا ان تغَیَّرَ صیغةُ الفعل الیٰ فُعِلَ ای الی الماضی المجهول او یُفْعَلُ ای الی المضارع المجهول فیتناول مثل افْتُعِلَ واستُفْعِلَ ویُفْتَعَلُ ویُسْتَفْعَلُ وغیرها من الافعال المجهولة المزید فیها ولا یقع موقع الفاعل المفعول الثانی من مفعولی باب عَلِمْتُ لانه مسند الی المفعول الاول اسنادا تاما فلو اُسْنِدَ الفعلُ الیه ولا یکون اسناده الا تاما لزم کونه مسندا او مسندا الیه معا مع کون کل من الاسنادین تاما بخلاف اعجبنی ضرب زید عمرا لان احد الاسنادین وهو اسناد المصدر غیر تام

اور اس کو فاعل کی جگہ رکھنے کی شرط جبکہ اس کا عامل فعل ہو (یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فُعِل کی طرف متغیر کر دیا جائے) یعنی ماضی مجہول کی طرف (یا یُفعَل کی طرف) یعنی مضارع مجہول کی طرف لہٰذا یہ مثل اُفتُعِل اور استُفعِل اور یُفتعَل اور یُستفعَل وغیرہ کو شامل ہو جائیگا جو کہ افعال مجہول مزید فیہا ہیں (اور نہیں واقع ہوتا) فاعل کی جگہ پر (مفعول ثانی باب علمت) کے دو مفعولوں (میں سے) کیونکہ وہ مفعول اول کی طرف مسند باسناد تام ہے پس اگر مفعول ثانی کی طرف فعل مسند کیا جائے اور فعل کی اسناد بھی تام ہوگی تو مفعول ثانی کا ایک ساتھ مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئیگا باوجود ہر ایک اسناد کے تام ہونے کے برخلاف اعجبنی ضرب زید عمرا کے اس لئے کہ اس میں احد الاسنادین اور وہ مصدر کی اسناد ہے غیر تام ہے

جگہ رکھنے کی شرط ہے۔ قولہ **اذا کان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **وشرطه ان تغیر الخ** صحیح نہیں ہے کیونکہ اسم مفعول کے مفعول مالم یسم فاعلہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی جیسے زید مضروب غلامہ۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے جو شرط بیان کی ہے یہ اس وقت ہے جب مفعول مالم یسم فاعلہ کا عامل فعل ہو اور شبہ فعل کے صیغے کا حکم یہاں متروک ہے اور وہ یہ ہے کہ شبہ فعل کا صیغہ اسم مفعول کے صیغہ کی طرف بدل دیا جائے۔ قولہ **ای الی الماضی المجهول**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **شرطه ان تغیر الخ** صحیح نہیں اس لئے کہ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد و مزید فیہ کے مفعول مالم یسم فاعلہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی کیونکہ ان کا صیغہ **فعل یا یفعل** کی طرف متغیر نہیں کیا جاتا۔ شارح نے جواب دیا کہ **فُعِلَ** ماضی مجہول کا نام ہے اور **یُفعَل** مضارع مجہول کا نام ہے جو تمام ابواب کی ماضی مجہول اور مضارع مجہول کو شامل ہے لہٰذا یہ **افتعل** اور **استفعل** اور **یفتعل** اور **یستفعل** وغیرہ کو شامل ہے۔ قولہ **ولا یقع**:۔ چونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ہر مفعول فاعل کے قائم مقام ہو سکتا ہے اس لئے مصنف نے اس وہم کو دور کرنے کیلئے ان مفاعیل کو بیان کیا جو فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے چنانچہ فرمایا کہ باب علمت کے دو مفعول میں سے مفعول ثانی فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا شارح نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ باب علمت کا مفعول ثانی مفعول اول کیطرف مسند باسناد تام ہوتا ہے اور جب اسکو فاعل کا قائم مقام بنایا جائیگا تو اسناد تام سے وہ مسند الیہ ہو جائیگا اور ایک ترکیب میں ایک اسم کا اسناد تام کے ساتھ مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئیگا جو جائز نہیں ہے۔ قولہ **بخلاف اعجبنی ضرب زید عمرا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ شئی واحد کا مسند اور مسند الیہ معاً واقع ہونا جائز ہے جیسے اعجبنی ضرب زید عمرا میں کہ اسمیں ضرب مسند اور مسند الیہ واقع ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اسمیں دونوں اسناد تام نہیں بلکہ مصدر (ضرب) کا اسناد غیر تام ہے.

ولا المفعول الثالث من مفاعیل باب اَعلمت اذ حکمه حکم المفعول الثانی من باب علمت فی کونه مسندا والمفعول له بلا لامٍ لان النصب فیه مشعر بالعلیة فلو اسند الیه لفات النصب والاشعار بخلاف ما اذا کان مع اللام نحو ضُرِبَ للتادیب والمفعول معه کذٰلک ای کل من المفعول له والمفعول معه کذٰلک ای کا لمفعول الثانی والثالث من باب علمت واعلمت فی انهما لایقعان موقع الفاعل امّا المفعول له فلِما عرفتَ واَمّا المفعول معه فلانه لایجوز اقامته مُقام الفاعل مع الواو التی اصلها العطف وهی دلیل الانفصال والفاعل کالجزء من الفعل ولا بدون الواو فانه لم یعُرَف حینئذ کونه مفعولا معه

(اور نہ) مفعول (تیسرا باب اعلمت کے) مفاعیل (میں سے) کیونکہ اعلمت کے مفعول ثالث کا حکم علمت کے مفعول ثانی کا حکم ہے اس کے مسند ہونے میں (اور مفعول لہ) بغیر لام کے اس لئے کہ مفعول لہ میں نصب علت ہونے پر دال ہے. پس اگر فعل کو مفعول لہ کی طرف مسند کر دیا جائے تو نصب اور علیت پر دلالت فوت ہو جائیگی برخلاف اس کے کہ مفعول لہ لام کے ساتھ ہو جیسے ضرب للتادیب (اور مفعول معہ بھی اسی طرح ہے) یعنی مفعول لہ اور مفعول معہ میں سے ہر ایک اس طرح ہے یعنی باب علمت کے مفعول ثانی اور باب اعلمت کے مفعول ثالث کی طرح ہے اس بات میں کہ یہ دونوں فاعل کی جگہ واقع نہیں ہوتے بہرحال مفعول لہ تو اس وجہ سے جو تم نے جان لی اور بہرحال مفعول معہ تو وہ اس لئے کہ اس کا فاعل کی جگہ رکھنا واؤ کے ہمراہ جس کی اصل عطف ہے جائز نہیں کہ واؤ انفصال کی دلیل ہے اور فاعل فعل سے جز کی مانند ہوتا ہے اور واؤ کے بغیر بھی جائز نہیں کیونکہ اسوقت اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہ ہوگا

قولہ **ولا المفعول الثالث**:۔ یعنی باب اعلمت کا مفعول ثالث بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ مسند باسناد تام ہونے میں اسکا حکم علمت کے مفعول ثانی جیسا ہے لہٰذا اسکو فاعل کے قائم مقام کرنے سے بھی ایک ترکیب میں ایک اسم کا باسناد تام مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئیگا جو صحیح نہیں ہے. قولہ **بلا لام**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ قول درست نہیں کہ مفعول لہ فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اس لئے کہ **ضُرِبَ للتادیب** میں **التادیب** مفعول لہ ہے حالانکہ یہ فاعل کے قائم مقام ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مفعول لہ سے مصنف کی مراد وہ ہے جو لام کے بغیر ہو اور **للتادیب** لام کے ساتھ ہے اور مفعول لہ بغیر لام کے فاعل کے قائم مقام اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کا نصب علت ہونے پر دال ہے اور اسکو فاعل کا قائم مقام بنا دیا جائیگا تو وہ مرفوع ہو جائیگا اور اسکا نصب زائل ہو جائیگا اور علت ہونے پر دلالت نہیں کریگا. قولہ **والمفعول معه**:۔ یعنی مفعول لہ اور مفعول معہ **علمت** کے مفعول ثانی اور **اعلمت** کے مفعول ثالث کی مانند فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے مفعول لہ کی وجہ تو معلوم کر چکے ہو اور مفعول معہ کو فاعل کے قائم مقام بنانے کی دو صورتیں ہیں. اول۔ واؤ کے ساتھ اور دوم۔ واؤ کو حذف کر کے واؤ

قولہ **بخلاف**:۔ اس عبارت میں شارح رضی پر رد مقصود ہے جس نے کہا کہ شی واحد کا حالت واحدہ میں مسند اور مسند الیہ ہونا مفتقر نہیں جیسے اعجبنی ضرب زید عمرا میں ضرب اعجبنی کا مسند الیہ ہے اور زید کی طرف مسند ہے جیسے تیرے قول "فرس غلام زید" میں لفظ غلام کا مضاف اور مضاف الیہ ہونا حالت واحدہ میں مفتقر نہیں البتہ اگر کوئی

واذاوُجدالمفعول به فی الکلام مع غیرہ من المفاعیل التی یجوزوقوعہاموقع الفاعل تعین ای المفعول بہ لہ ای لوقوعہ موقع الفاعل لشدۃ شبھہ بالفاعل فی توقف تعقل الفعل علیھمافان الضرب مثلا کماانہ لایمکن تعقلہ بلاضارب کذٰلک لایمکن تعقلہ بلامضروب بخلاف سائر المفاعیل فانھالیست بھذہ الصفۃ تقول ضُرِبَ زیدٌ بـاقامۃ المفعول بہ مُقام الفاعل یومَ الجمعۃ ظرف زمان امامَ الامیر ظرف مکان ضرباشدیدامفعولٌ مطلق للنوع باعتبار الصفۃ وفائدۃ وصف الضرب بالشدۃ التنبیہُ علی ان المصدر لایقوم مقام الفاعل بلاقیدمخصِّص اذ لا فائدۃَ فیہ لدلالۃالفعل علیہ

(اور جب مفعول بہ پایا جائے) کلام میں ان دیگر مفاعیل کے ہمراہ جن کا فاعل کی جگہ واقع ہونا جائز ہے (تو متعین ہوجائیگا) یعنی مفعول بہ (اس کیلئے) یعنی فاعل کی جگہ واقع ہونے کیلئے بوجہ شدید مشابہت کے فاعل کے ساتھ فعل کے تعقل کے موقوف ہونے میں ان دونوں پر کیونکہ ضرب مثلا جس طرح کہ اس کا تعقل ضارب کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح اس کا تعقل مضروب کے بغیر بھی ممکن نہیں بر خلاف باقی مفاعیل کے کہ وہ اس صفت کے ساتھ متصف نہیں (تم کہتے ہو ضرب زیدٌ) مفعول بہ کو فاعل کی جگہ رکھتے ہوئے (یوم الجمعۃ) یہ ظرف زمان ہے (امام الامیر) یہ ظرف مکان ہے (ضربا شدیدا) یہ باعتبار صفت کے مفعول مطلق برائے نوع ہے اور ضرب کو شدت کے ساتھ متصف کرنے کا فائدہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مصدر قید مخصص کے بغیر فاعل کے قائم مقام نہیں ہوتا اس لئے کہ مصدر مطلق کے قائم مقام کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بوجہ دلالت کرنے فعل کے اس پر

کے ساتھ مفعول معہ کو اس لئے قائم مقام فاعل کے نہیں بنا سکتے کہ یہ واؤ دراصل واؤ عاطفہ ہے جو اپنے ماقبل سے اپنے مابعد کے منفصل ہونے پر دلیل ہوتی ہے اور فاعل فعل کیلئے بمنزلہ جز کے ہوتا ہے جو دلیل اتصال ہے لہٰذا اگر واؤ کے ساتھ مفعول معہ کو فاعل کے قائم مقام بنادیا جائے تو ایک وقت میں ماقبل سے اتصال اور انفصال لازم آئیگا جو باطل ہے اور واؤ کے بغیر فاعل کا قائم مقام اس لئے نہیں ہوسکتا کہ واؤ کے بغیر وہ مفعول معہ نہیں رہے گا۔

قولہ **واذاوجدالمفعول**:۔ اور جب مفعول بہ کلام میں پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں متعین ہوجائیگا شارح نے **مع غیرہ من المفاعیل** کا اضافہ کرکے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام میں اگر صرف مفعول بہ ہو تو مفعول مالم یسم فاعلہ بننے کیلئے وہ آپ ہی متعین ہوجائیگا لہٰذا مصنف کے اس قول کی کوئی حاجت نہیں کہ **اذا وجد المفعول بہ تعین** شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی مراد تنہا مفعول بہ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ مفعول بہ جب دوسرے ان مفاعیل کے ساتھ کلام میں واقع ہو جو مفعول مالم یسم فاعلہ بن سکتے ہیں تو مفعول بہ متعین ہوجائیگا کیونکہ مفعول بہ کو فاعل کے ساتھ گہری مشابہت ہے اس لئے کہ فعل متعدی کا تعقل جس طرح فاعل پر موقوف ہے اسی طرح مفعول بہ پر بھی موقوف ہے چنانچہ ضرب کا تعقل جسطرح ضارب کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح مضروب کے بغیر بھی ممکن نہیں اور دیگر مفاعیل ایسے نہیں ہیں قولہ **ضرب زید**:۔ یعنی مفعول بہ کو فاعل کے قائم مقام کروگے تو **ضرب زید** کہوگے حالانکہ دیگر مفاعیل جو فاعل کے قائم مقام ہوسکتے ہیں موجود ہیں جیسے **یوم الجمعۃ** جو ظرف زمان ہے **امام الامیر** جو ظرف مکان ہے اور **ضربا شدیداً** باعتبار صفت شدت کے مفعول مطلق برائے نوع ہے قولہ **وفائدۃ**:۔ یہ

لفظ کسی چیز کی طرف مسند ہو اور بعینہ وہ چیز اس لفظ کی طرف مسند ہو تو یہ جائز نہیں۔ **لـلـزوم الـدور** شارح فرماتے ہیں کہ مثال مذکور میں دونوں اسناد تام نہیں ہیں۔

فی دارہ جارٌ ومجرورٌ شبیہٌ بالمفاعیل اقیم مُقام الفاعل مثلھا فتعیّنَ زیدٌ وان لم یکن ای وان لم یوجد فی الکلام المفعولُ بہ فالجمیع ای جمیعُ ماسوی المفعول بہ سواءٌ فی جواز وقوعھا موقع الفاعل والمفعول الاولُ من باب اعطیت ای الفعلِ المتعدی الی مفعولین ثانیھا غیر الاول اولٰی بان یقام مَقامَ الفاعل منَ المفعول الثانی لان فیہ معنی الفاعلیۃ بالنسبۃ الی الثانی لانہ عاطٍ ای آخذٌ نحو اُعطی زیدٌ درھما مع جواز اُعطی درھمٌ زیداً وذلک عند الامن من اللبس واما عند عدمہ فیجب اقامۃ المفعول الاول نحو اُعطی زیدٌ عمراً

(فی دارہ) یہ جار مجرور مفاعیل کے مشابہ ہے مفاعیل کی مثل فاعل کے قائم مقام کیا جاتا ہے (پس زید متعین ہوگیا اور اگر نہ ہو) یعنی اگر کلام میں مفعول بہ نہ پایا جائے (تو تمام) یعنی مفعول بہ کے سوا تمام مفاعیل فاعل کے قائم مقام ہونے کے جواز میں (برابر ہیں اور) مفعول (اول اعطیت کے باب سے) یعنی فعل متعدی بدو مفعول کہ جن کا دوسرا مفعول پہلے کا غیر ہے (اولی ہے) فاعل کے قائم مقام ہونے کیلئے مفعول (ثانی سے) کیونکہ مفعول اول میں مفعول ثانی کی بہ نسبت فاعلیت کا معنی ہے کیونکہ وہ عاطی یعنی لینے والا ہے جیسے اُعطی زیدٌ درھما ہمراہ جائز ہونے اُعطی درھم زیدا اور یہ اولی ہونا التباس سے امن کے وقت ہے لیکن عدم امن کے وقت پس مفعول اول کو فاعل کے قائم مقام کرنا واجب ہے جیسے اُعطی زید عمرا

ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی مثال ضــربــاً سے حاصل ہوگئی ہے پھر اسکے بعد صفت (**شدیداً**) کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے شارح نے جواب دیا ہے کہ مصدر جب تک کسی قید تخصص سے مقید نہ ہو فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا کیونکہ مصدر مطلق جو تاکید کیلئے ہوتا ہے اس پر تو فعل دلالت کرتا ہے لہذا اس کے قائم مقام فاعل کے ہونے کیلئے قید تخصص ضروری ہے. قولہ **فی دارہ** :۔ یہ جار مجرور مفاعیل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ان کی طرح فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے. قولہ **فتعین**: پس زید اس مثال میں نائب فاعل کیلئے متعین ہوگیا. قولہ **وان لم یوجد** :۔ شارح نے **لم یکن** کی **لم یوجد** سے تفسیر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں کان تامہ ہے ناقصہ نہیں یعنی اگر کلام میں مفعول بہ نہ ہو اور باقی مفاعیل موجود ہوں تو نائب فاعل بننے میں سب برابر ہیں جسے چاہو نائب فاعل بنادو. قولہ **والاول**:۔ یعنی **باب اعطیت** کا مفعول اول فاعل کے قائم مقام ہونے کیلئے مفعول ثانی سے اولی ہے. **باب اعطیت** سے مراد وہ متعدی بدو مفعول ہے جس کا مفعول ثانی اول کا غیر ہو اور وجہ اولویت یہ ہے کہ اس باب کے مفعول اول میں بنسبت مفعول ثانی کے فاعلیت کے معنی زیادہ پائے جاتے ہیں کہ مفعول اول حقیقت میں آخذ (لینے والا) ہے مثلاً اُعطی زید درھما کہنا اولی ہے اگرچہ اُعطی درھم زیدا کہنا بھی جائز ہے. قولہ **وذلک عند**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **اُعطیَ زیدٌ عمراً** سے یہ قاعدہ منتقض ہوتا ہے کیونکہ اس مثال میں **زید** کو فاعل کا قائم مقام بنانا متعین ہے اور مفعول ثانی (**عمراً**) کو فاعل کا قائم مقام بنا کر اُعطی عمرو زیدا کہنا صحیح نہیں ہے لہذا مصنف کا یہ کہنا کہ باب اعطیت کے مفعول ثانی کو بھی فاعل کے قائم مقام کرنا جائز ہے درست نہ ہوا شارح نے جواب دیا کہ یہ جواز اس وقت ہے جب التباس سے امن ہو ورنہ مفعول اول کو قائم مقام بنانا واجب ہے مثلاً اُعطی زید عمرًا میں اگر اُعطی عمرو زیدا کہیں تو خلاف مقصود لازم آئیگا کیونکہ مقصود یہ ہے کہ زید کو عمرو دیا گیا اور اُعطی عمرو زیدًا کے معنی ہوسکتے کہ

ومنها المبتدأ والخبر وفی بعض النسخ ومنه یعنی من جملة المرفوعات او من جملة المرفوع المبتدأ والخبر جمعهما فی فصل واحد للتلازم الواقع بینهما علی ماهو الاصل فیهما واشتراکهما فی العامل المعنوی **فالمبتدأ هو الاسم** لفظا او تقدیراً لیتناول نحو ان تصوموا خیرٌ لکم **المجرد عن العوامل اللفظية** ای الذی لم یوجد فیه عامل لفظی اصلا واحترز به عن الاسم الذی فیه عامل لفظی کاسمی اَنّ وکانّ وکانّه اراد بالعامل اللفظی ما یکون مؤثراً فی المعنی لئلا یخرج عنه مثل بحسبک درهم **مسندا اليه** واحترز به عن الخبر وثانی قِسمي المبتدأ الخارج عن هذا القسم فانهما لایکونان الا مسندین

(اوران میں سے مبتدا اور خبر ہے) بعض نسخوں میں ومنہ ہے یعنی جملہ مرفوعات میں سے یا جملہ مرفوع میں سے مبتدا اور خبر ہے مصنف نے ان دونوں کو فصل واحد میں جمع کیا اس تلازم کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہے اس کے مطابق جو مبتدا وخبر میں اصل ہے اور ان دونوں کے عامل معنوی میں اشتراک کی وجہ سے (پس مبتدا وہ اسم ہے) خواہ اسم لفظا ہو یا تقدیرا تا کہ مبتدا کی تعریف ارشاد باری تعالیٰ ان تصوموا خیر لکم کی مانند کو شامل ہو جائے (جو کہ خالی ہو عوامل لفظیہ سے) یعنی جس میں عامل لفظی بالکل نہ پایا گیا ہو اور مصنف نے المجرد کی قید سے اس اسم سے احتراز کیا ہے جس میں عامل لفظی ہو جیسے انّ اور کانّ کے دو اسم اور گویا کہ مصنف نے عامل لفظی سے وہ عامل مراد لیا ہے جو معنی میں مؤثر ہوتا ہے تا کہ مبتدا کی تعریف سے بحسبک درھم جیسا مبتدا خارج نہ ہو جائے (درانحالیکہ مسند الیہ ہو) اور مصنف نے اس قید کے ساتھ خبر سے اور مبتدا کی دونوں قسموں میں سے قسم ثانی جو کہ مبتدا کی اس قسم اول سے خارج ہے اس سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں صرف مسند ہیں

عمرو کو زید دیا گیا قولہ **ومنها المبتدأ**:۔ ضمیر مجرور کا مرجع **المرفوعات** ہے۔ کافیہ کے جس نسخہ میں **ومنه** ہے اسکے مطابق ضمیر کا مرجع **المرفوع** ہوگا قولہ **جمعهما**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبتدا اور خبر مرفوعات کی دو جدا جدا قسمیں ہیں صاحب کافیہ نے ان دونوں کو ایک فصل میں یعنی ایک **منها** یا **منه** کے تحت جمع کیوں کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ایک تو اس لئے کہ ان دونوں میں تلازم ہے یعنی عموما ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا ذکر کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ دونوں کا عامل معنوی ہے۔ قولہ **واحترز به**:۔ یعنی مصنف کا قول **المجرد** قید احترازی ہے جسکے ساتھ مصنف نے اس اسم سے احتراز کیا ہے جسمیں عامل لفظی ہوتا ہے جیسے حروف مشبہ بالفعل کا اسم قولہ **وکانه اراد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ مبتدا پر کبھی عامل لفظی بھی ہوتا ہے جیسے بحسبک درھم میں حسبک مبتدا ہے جس پر باجارہ داخل ہے لہٰذا یہ قول صحیح نہ ہوا کہ مبتدا پر عامل لفظی نہیں ہوتا۔ شارح نے جواب دیا کہ عامل لفظی سے وہ عامل لفظی مراد ہے جو معنی میں مؤثر ہو اور مذکورہ مثال میں با زائدہ ہے معنی میں مؤثر نہیں ہے لہٰذا مبتدا کی تعریف جامع ہے۔ قولہ **مسندا اليه**:۔ یہ قید احترازی ہے اور اس کے ساتھ خبر اور مبتدا کی قسم ثانی سے احتراز ہے کیونکہ وہ دونوں مسند ہوتے ہیں۔

قولہ **ومنها المبتدأ والخبر**:۔ یہ لفظ الفاعل پر معطوف ہے کہ دونوں جملوں میں مسند اور مسند الیہ کا تناسب پایا جاتا ہے اور مصنف کا قول **مفعول مالم یسم فاعله** معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے جسکو معطوف علیہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے (عبد الحکیم) قولہ **مؤثر فی المعنی**:۔ اور عامل سے مؤثر فی المعنی مراد ہونے پر قرینہ عامل کی تعریف ہے۔ یعنی العامل ما به یتقوم المعنی المقتضی للاعراب۔ قولہ **الذی لم یوجد فیه**:۔ اسمیں اس بات کیجانب اشارہ ہے کہ تجرید سے

او الصفة سواء كانت مشتقة كضارب ومضروب وحَسَنٍ اوجاريةً مجراها كقريشي الواقعةُ بعدحرف النفي كما ولا او الف الاستفهام ونحوه كهل وما ومن وعن سيبويه جوازا لابتداء بها من غير استفهام ونفي مع قبح والاخفش يرى ذلك حَسَناً وعليه قول الشاعر ع فخيرٌ نحن عند الناس منكم ☆فخير مبتدأ ونحن فاعله ولو جُعِلَ خير خبرا عن نحن لَفُصِلَ بين اسم التفضيل و معموله الذى هو من باجنبي وهو غير جائز لضعف عمله بخلاف ما لو كان فاعلا لكونه كالجزء

(یا صفت ہو) خواہ وہ صفت مشتقہ ہو جیسے ضارب اور مضروب اور حسن یا مشتق کے قائم مقام ہو جیسے قریشی (جو واقع ہو حرف نفی کے بعد) جیسے ما اور لا (یا الف استفہام کے بعد) اور اس جیسے کے بعد جیسے ھل اور ما اور مَن اور سیبویہ سے استفہام کے بغیر صیغہ صفت کے مبتدا واقع ہونے کا جواز منقول ہے قباحت کے ساتھ اور اخفش اسکو حسن دیکھتا ہے اور اخفش کی رائے پر شاعر کا قول ہے فخیر الخ ہم لوگوں کے نزدیک تم سے بہتر ہیں پس خیرٌ مبتدا اور نحن اس کا فاعل ہے اور اگر خیر کو نحن کی خبر مقدم قرار دیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول جو کہ مِن ہے کے درمیان اجنبی کے ساتھ فاصلہ ہو جائیگا اور وہ جائز نہیں ہے بوجہ ضعیف ہونے اسم تفضیل کے عمل کے برخلاف اس کے کہ نحن خیرٌ کا فاعل ہو بوجہ جز کی مانند ہونے فاعل کے

قولہ **او الصفة** :۔ یہ مبتدا کی قسم ثانی کا بیان ہے. شارح نے صفت میں تعمیم کر کے سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے اَقریشی زید کا مبتدا خارج ہو گیا اس لئے کہ یہ مبتدا کی قسم ثانی ہے مگر صفت کا صیغہ نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہاں صفت سے عام مراد ہے کہ صفت مشتق ہو جیسے ضارب یا قائم مقام مشتق ہو جیسے قریشی کیونکہ اسم منسوب اسم مشتق کے حکم میں ہوتا ہے. قولہ **الواقعة** :۔ یعنی مبتدا کی دوسری قسم وہ صفت کا صیغہ ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہو جیسے ما اور لا یا الف استفہام یا اس کی مثل کے بعد واقع ہو جیسے ھل، ما اور من یعنی مذکورہ حروف میں سے کسی کے بعد صفت کا صیغہ واقع ہو تو وہ مبتدا ہوتا ہے اگرچہ مسند الیہ نہ ہو قولہ **وعن سيبويه** :۔ یعنی سیبویہ کے نزدیک صیغہ صفت کا مبتدا واقع ہونا حرف نفی اور الف استفہام کے بغیر بھی جائز ہے مگر قبیح ہے اور اخفش کے نزدیک حسن ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے **فخير عند الناس** وجہ تمسک یہ ہے کہ اس شعر میں خیر صیغہ صفت مبتدا ہے اور نحن اس کا فاعل ہے اور مذکورہ کسی شی پر اس کا اعتماد نہیں قولہ **ولو جعل** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مذکورہ شعر میں لفظ **نحن** کو مبتدا اور خیر کو خبر مقدم کیوں نہیں بنالیا جاتا. شارح نے جواب دیا کہ لفظ **خير** کو اگر **نحن** کی خبر بنایا جائے تو صیغہ اسم تفضیل **خير** اور اس کے معمول **من** کے درمیان اجنبی (**نحن**) کے ساتھ فاصلہ ہو جائیگا جو جائز نہیں کیونکہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے لیکن اگر **نحن** اسم تفضیل کا فاعل ہو تو فاصلہ بالاجنبی نہیں ہوگا کیونکہ فاعل کالجزء ہوتا ہے.

مراد عدم وجدان ہے لہٰذا تجرد بمعنی وجود کو نہیں چاہتا قولہ **او الصفة** :۔ یہ **الاسم** پر معطوف ہے اس لئے مرفوع ہے اور اس میں کلمہ او شک متکلم یا تشکیک مخاطب کیلئے نہیں ہے بلکہ مبتدا کی دو قسموں کی طرف منقسم ہونے کی تفصیل کیلئے ہے لہٰذا یہ تعریف کے منافی نہیں ہے. قولہ **الواقعة** :۔ چونکہ صیغہ صفت کے عمل کیلئے اعتماد ضروری ہے اس لئے کہا **بعد النفي اوالف الاستفهام** اور صیغہ صفت تو چھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز پر اعتماد کے بعد عمل کرتا ہے مگر یہاں دو کو ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے اس کی تفصیل وقایۃ النحو میں دیکھیں قولہ **خير** :۔ یہ اسم تفضیل ہے اصل میں اخیر تھا تخفیف بالحذف کے بعد خیر ہوا جس طرح کہ تخفیف بالحذف کے بعد اسی معنی، وانثی بنا. (محرم)

رافعةلظاهر اوما یجری مجراه وهو الضمیر المنفصل لئلایخرج عنه نحو قوله تعالیٰ اراغب انت عن آلهتی یاابراهیم واحترزبه عن نحواقائمان الزیدان لان اقائمان رافع لضمیر عائد الی الزیدان ولو کان رافعاًلهذاالظاهر لم یجز تثنیته مثل زیدقائم مثال للقسم الاول من المبتدأ وما قائم ، الزیدان مثال للصفة الواقعةبعدحرف النفی واقائم،الزیدان مثال للصفةالواقعة بعد حرف الاستفهام فان طابقت الصفةالواقعة بعدحرف النفی والاستفهام

(رفع دینے والا اسم ظاہر کو) اور جو اسم ظاہر کے قائم مقام ہے اور وہ ضمیر منفصل ہے تاکہ ارشاد باری تعالیٰ أراغب أنت عن آلھتی یا ابراہیم کی مثل مبتدا کی قسم ثانی سے خارج نہ ہوجائے اور مصنف نے رافعۃ لظاہر کی قید سے اقائمان الزیدان کی مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ اقائمان اس ضمیر کو رفع دے رہا ہے جو زیدان کی طرف راجع ہے پس اگر یہ اسم ظاہر کیلئے رافع ہوتا تو اس کو تثنیہ لانا جائز نہ ہوتا جیسے (زید قائم) یہ مبتدا کی قسم اول کی مثال ہے (اور ما قائم الزیدان) یہ صفت کے صیغہ کی مثال ہے جو حرف نفی کے بعد واقع ہے (اور اقائم الزیدان) یہ اس صفت کی مثال ہے جو حرف استفہام کے بعد واقع ہے (پس اگر مطابق ہو وہ) صفت جو حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع ہو

قولہ **رافعة لظاهر**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے صرف اسم ظاہر کا ذکر کیا کیونکہ ضمیر منفصل ظاہر کے حکم میں ہے۔ قولہ **او مایجری مجراه**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ **اراغبٌ انت** کی ترکیب میں **اراغب** صیغہ صفت مبتدا ہے لیکن ظاہر کو رفع نہیں دے رہا بلکہ انت ضمیر کو رفع دے رہا ہے لہٰذا **رافعة لظاهر** کی قید صحیح نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ اسم ظاہر عام ہے حقیقی ہو یا حکمی اور ضمیر منفصل اسم ظاہر کے حکم میں ہے۔ قولہ **واحترزبه**:۔ یعنی **رافعة لظاهر** قید احترازی ہے اور اس کے ساتھ **اقائمان الزیدان** سے احتراز ہے اس لئے کہ **اقائمان** اس ضمیر کو رفع دے رہا ہے جو **الزیدان** کی طرف راجع ہے کیونکہ صیغہ صفت اگر اسم ظاہر کو رفع دیتا تو تثنیہ نہ ہوتا بایں قاعدہ کہ **اذا کان الفاعل اسما ظاهرا وحد الفعل ابدا**۔ قولہ **مثل زیدقائم**:۔ یہ مبتدا کی قسم اول کی مثال ہے اور **ماقائم الزیدان واقائم الزیدان** یہ مبتدا کی قسم ثانی کی مثال ہے۔ قولہ **الصفة الواقعة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **طابقت** کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ اول:۔ یہ کہ مرجع مطلق صفت ہو۔ دوم:۔ یہ کہ مرجع صفت مذکورہ مع القیود ہو اور یہ دونوں صحیح نہیں اول اس لئے کہ مطلق صفت مرجع ہو تو قائم زید میں امرین جائز ہونگے حالانکہ اس مثال میں زید کا مبتدا ہونا اور قائم کا خبر مقدم ہونا متعین ہے اور امر ثانی یعنی قائم کا مبتدا ہونا اور زید کا خبر ہونا جائز نہیں۔ دوم۔ اس لئے درست نہیں کہ قائم زید میں جب قائم زید کو رفع دے تو دو طریقے جائز ہونگے حالانکہ یہاں زید کو مبتدا بنانا درست نہیں کہ اس کا عامل قائم ہے جو لفظی ہے جبکہ مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں مرجع درست نہیں تو طابقت کی ضمیر کا مرجع کیا ہوگا۔ شارح نے جواب دیا کہ طابقت کی ضمیر کا مرجع وہ صفت کا صیغہ ہے جو حرف نفی یا الف استفہام کے

قولہ **عائد الی الزیدان**:۔ **اقائمان الزیدان** میں اقائمان کی ضمیر الزیدان کی طرف لوٹنے میں اضمار قبل الذکر لفظاً و معنیً لازم نہیں آتا ہے بلکہ صرف لفظاً لازم آتا ہے کیونکہ **الزیدان** مبتدا ہے جس میں اصل تقدیم ہے۔ (عبدالرحمٰن) لہٰذا اس مثال میں صیغہ صفت مبتدا نہیں کیونکہ رافع لظاہر نہیں۔ قولہ **فان طابقت مفردا**:۔ علامہ عصام فرماتے ہیں کہ اولیٰ اور اخصر یہ تھا کہ مصنف فان کان مفردا، کہتے لیکن صاحب محرم فرماتے ہیں کہ اوضح اور اظہر مصنف کی عبارت ہے یعنی فان طابقت مفردا کیونکہ

اسمًا مفردًا مذکورًا بعدها نحو ما قائم زید و اقائم زید و احترز به عما اذا طابقت مثنًى نحو اقائمان الزیدان او مجموعًا نحو اقائمون الزیدون فانها حینئذٍ خبر لیس الا جاز الامران کون الصفة مبتدأ و ما بعدها فاعلها یسد مسدّ الخبر و کون ما بعدها مبتدأ و الصفة خبرًا مقدمًا علیه فههنا ثلث صور احدها اقائمان الزیدان و یتعین حینئذٍ ان یکون الزیدان مبتدأ و اقائمان خبرًا مقدمًا علیه و ثانیتها اقائم الزیدان و یتعین حینئذٍ ان یکون الزیدان فاعلًا للصفة قائمًا مقام الخبر و ثالثتها اقائم زید و یجوز فیه الامران کما عرفت

اس اسم (مفرد کے) جو صفت کے بعد مذکور ہے جیسے ما قائم زیدٌ اور اقائم زیدٌ اور مصنف نے مفردا کی قید کے ساتھ اس صورت سے احتراز کیا جبکہ صیغہ صفت تثنیہ کے مطابق ہو جیسے اقائمان الزیدان یا جمع کے مطابق ہو جیسے اقائمون الزیدون کیونکہ اس وقت یہ صفت خبر کے سوا کچھ نہیں (تو دونوں صورتیں جائز ہیں) صفت کا مبتدا ہونا اور اس کے مابعد کا اس کا فاعل ہونا جو خبر کا قائم مقام ہے اور صفت کے مابعد کا مبتدا ہونا اور صفت کا خبر ہونا جو مبتدا پر مقدم ہے پس اس جگہ تین صورتیں ہیں جن میں سے ایک اقائمان الزیدان ہے اور اس وقت الزیدان کا مبتدا ہونا اور اقائمان کا خبر مقدم علی المبتدأ ہونا متعین ہے اور ان میں سے دوسری صورت اقائم الزیدان ہے اور اس وقت الزیدان کا صفت کیلئے فاعل ہونا جو خبر کے قائم مقام ہے متعین ہے اور تیسری صورت ان میں سے اقائم زیدٌ ہے اور اس میں دونوں امر جائز ہیں جیسا کہ تم نے معلوم کرلیا

بعد واقع ہو لہٰذا کوئی محذور لازم نہیں آتا قولہ **اسما مفردا**:۔ یعنی وہ صیغہ صفت مفرد ہونے میں مابعد اسم ظاہر کے موافق ہو تو اس میں دو امر جائز ہیں پس مصنف کے قول "**مفردا**" سے اس صیغہ صفت سے احتراز ہے جو تثنیہ ہونے میں یا جمع ہونے میں اسم ظاہر کے موافق ہو جیسے اقائمان الزیدان اور اقائمون الزیدون. کیونکہ اس وقت صیغہ صفت صرف خبر ہی ہوگا قولہ **لیس الا**:۔ ای لیس الصفة شیئًا الا الخبر یعنی اس ترکیب میں مستثنیٰ محذوف ہے. قولہ **جاز الامران**:۔ یہ شرط مذکور کی جزا ہے. ﴿امر اول﴾۔ یہ کہ صیغہ صفت مبتدا ہو اور مابعد فاعل قائم مقام خبر. ﴿امر دوم﴾ یہ کہ صیغہ صفت خبر مقدم اور مابعد مبتدا ہو. قولہ **فههنا ثلث صور**:۔ پہلی صورت اقائمان الزیدان. اس میں الزیدان مبتدا اور اقائمان خبر مقدم ہے. دوسری صورت اقائم الزیدان. اس میں الزیدان فاعل ہے صفت کا اور قائم مقام خبر ہے. تیسری صورت اقائم زید. اس میں امرین جائز ہیں جیسا کہ مذکور ہوا.

ما قبل میں مذکور **الصفة الواقعة الخ** ہے (محرم) قولہ **مفردا**:۔ لفظ مفردا صفت ہے جس کیلئے موصوف ضروری ہے اس لئے شارح نے لفظ اسما مقدر کرکے مفردا کا موصوف بنایا ہے کہ زیر بحث اسم کے مرفوعات ہیں قولہ **لیس الا**:۔ ای **تلک الصفة الاخبرا** یعنی یہ صیغہ صفت صرف خبر ہوگا. پس کلمہ لیس جو صفت کی طرف مسند ہے اس کی تذکیر خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے اور اس ترکیب میں مستثنیٰ تخفیفا محذوف ہے. (مقتد) قولہ **کون الصفة مبتدأ**:۔ یہ الامران سے بدل البعض ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے ای احدهما کون الصفة قولہ **فههنا ثلث صور**:۔ شارح کا قول **فههنا** خبر مقدم ہے اور ثلث صور مبتدا موخر ہے یعنی جہاں صفت اپنے مابعد اسم مفرد کے مطابق ہو اس جگہ بحسب الوجود تین صورتیں ہیں لیکن قسمت عقلیہ کی رو سے چار صورتیں ہیں اور چوتھی صورت دوسری صورت کا عکس ہے یعنی صفت تثنیہ یا جمع ہو اور اس کا مابعد اسم مفرد ہو جیسے اقائمان یا اقائمون زید اور یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ صفت کو مبتدا اور مابعد کو فاعل قائم مقام خبر بنانا ممکن نہیں کیونکہ بظاہر تعدد فاعل لازم آئیگا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ مابعد اسم مبتدا اور صفت خبر مقدم ہو کیونکہ مبتدا و خبر میں مطابقت نہیں ہوگی. (محرم)

والخبر هو المجرد ای هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية لان الكلام في مرفوعات الاسم فلا يصدق على يضرب في يضرب زيد انه المجرد المسند به المغاير للصفة المذكورة لانه ليس باسم المسند به ای ما يوقع به الاسناد واحترز به عن القسم الاول من المبتدأ لانه مسند اليه لا مسند به المغاير للصفة المذكورة في تعريف المبتدأ واحترز به عن القسم الثاني من المبتدأ ولك ان تقول المراد المسند به الى المبتدأ او تجعلَ الباء في به بمعنى الى والضميرَ المجرورَ راجعا الى المبتدأ وعلى التقديرين يخرج به القسم الثاني من المبتدأ ويكون قوله المغاير للصفة المذكورة تاكيداً

(اور خبر وہ ہے جو خالی ہو) یعنی وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو کیونکہ کلام اسم کے مرفوعات میں ہے. پس یضرب زید میں یضرب پر یہ صادق نہیں آئیگا کہ یضرب عوامل لفظیہ سے خالی مسند بہ ہے جو مغایر ہے صفت مذکورہ کا کیونکہ یضرب اسم نہیں ہے (مسند بہ ہو) یعنی جس کے ساتھ اسناد واقع کیا جائے اور مصنف نے المسند بہ کی قید کے ساتھ مبتدا کی قسم اول سے احتراز کیا ہے کیونکہ وہ مسند الیہ ہے مسند بہ نہیں (جو مغایر ہو اس صفت کے جو مذکور ہے) مبتدا کی تعریف میں اور مصنف نے المغایر للصفۃ کے ساتھ مبتدا کی قسم ثانی سے احتراز کیا ہے اور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ المسند بہ سے مراد مسند بہ بجانب مبتدا ہے یا تم بہ میں باء کو بمعنی الی اور ضمیر مجرور کو مبتدا کی طرف راجع کر دو اور دونوں تقدیروں پر المسند بہ کی قید کے ساتھ مبتدا کی قسم ثانی خارج ہو جاتی ہے اور مصنف کا قول ''المغایر للصفۃ المذکورۃ'' تاکید ہوگا

قولہ **والخبر هو المجرد**:۔ شارح نے الاسم کا اضافہ کر کے سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ خبر کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے. اس لئے کہ اسمیں یضرب زید کا فعل مضارع داخل ہو گیا کیونکہ مذکورہ ترکیب میں یضرب مسند بہ ہے اور عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور صفت مذکورہ کے مغایر ہے. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول **المجرد** سے پہلے اس کا موصوف **(الاسم)** مقدر ہے کیونکہ اسم کے مرفوعات زیر بحث ہیں لہذا خبر کی تعریف یضرب زید کے مضارع پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ اسم نہیں ہے. قولہ **ای ما یوقع به الاسناد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **المسند** اسناد سے ہے جو متعدی بنفسہ ہوتا ہے لہذا اس کو باء کے ساتھ متعدی کرنا صحیح نہیں. شارح نے جواب دیا ہے کہ اسناد ایقاع کے معنی کو متضمن ہے اس لئے وہ باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ فعل یا شبہ فعل کا اسناد جب ایسی ضمیر کی طرف ہو جس کا مرجع فعل یا شبہ فعل کا مصدر ہو تو وہ بمعنی یقع یا یوقع ہوتا ہے اور یہاں پر المسند کا اسناد ضمیر کی طرف ہے جسکا مرجع مصدر اسناد ہے. قولہ **ولک ان تقول**:۔ یہاں سے **المسند به** پر وارد ہونے والے اعتراض کے مزید دو جواب دے رہے ہیں ﴿اول﴾ یہ کہ مصنف کا قول **المسند به** تام ہے جیسے المسند الیہ تام ہے اور المسند بہ کے بعد جار مجرور مقدر ہے یعنی المسند بہ الی المبتدأ. ﴿دوم﴾ یہ کہ المسند بہ کی باء بمعنی الی ہے اور ضمیر مجرور کا مرجع مبتدا ہے. معنی یہ ہے کہ خبر ایسا اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مبتدا کی طرف مسند ہو. ان دونوں توجیہوں کے پیش نظر المسند بہ سے مبتدا کی قسم ثانی خارج ہو جائیگی اور المغایر، المسند بہ کی تاکید ہوگی. وجہ خروج یہ ہے کہ المسند بہ الی المبتدأ کا معنی ہے جو مبتدا کی طرف مسند ہو اور ظاہر ہے کہ مبتدا کی قسم ثانی خود مبتدا ہے وہ مبتدا کی جانب مسند نہیں بلکہ فاعل کی جانب مسند ہے.

واعلم ان العامل فی المبتدأ والخبر هو الابتداء ای تجرید الاسم عن العوامل اللفظیة لیُسنَدَ الیٰ شیءٍ اویُسنَدَ الیه شیءٌ فمعنی الابتداء عامل فی المبتدأ والخبر رافع لهما عند البصریین واما عند غیرهم فقال بعضهم الابتداء عامل فی المبتدأ والمبتدأ فی الخبر وقال الآخرون ان کل واحد من المبتدأ والخبر عامل فی الآخر وعلی هذا لایکونان مجردین عن العوامل اللفظیة و اصل المبتدأ ای ماینبغی ان یکون المبتدأ علیه اذا لم یمنع مانعٌ ا لتقدیم علی الخبر لفظا لان المبتدأ ذات والخبر حالٌ من احوالها والذات مقدمة علی احوالها

جان لو کہ مبتدا اور خبر میں عامل ابتداء ہے یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی کرنا تا کہ وہ کسی چیز کی طرف مسند کیا جائے یا اسکی طرف کوئی چیز مسند کی جائے. پس بصریوں کے نزدیک معنی ابتداء مبتدا اور خبر میں عامل ہے جو ان دونوں کیلئے رافع ہے اور بہرحال بصریوں کے غیر کے نزدیک تو بعض نے کہا مبتدا میں عامل ابتداء ہے اور مبتدا خبر میں عامل ہے اور بعض دوسروں نے کہا کہ مبتدا اور خبر میں سے ہرایک دوسرے میں عامل ہے. پس ان دونوں تقدیروں پر مبتدا اور خبر عوامل لفظیہ سے خالی نہیں ہونگے (اور مبتدا کی اصل) یعنی وہ چیز کہ جس پر مبتدا کا ہونا مناسب ہے جبکہ کوئی مانع منع نہ کرے (مقدم ہونا ہے) خبر پر لفظا اس لئے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے احوال پر مقدم ہوتی ہے

قولہ **واعلم ان العامل**:۔ اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مبتدا وخبر میں سے ہرایک دوسرے میں عامل ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ مبتدا وخبر عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں صحیح نہ ہوا شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ تین مذہب ہیں ﴿اول﴾ یہ کہ مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنی ابتدا ہوتا ہے یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا تا کہ کسی شی کیطرف اس کا اسناد ہو یا اسکی طرف کسی دوسری شی کا اسناد ہو۔ یہ بصریین کا مذھب ہے اور یہی مذھب مختار ہے اور اسی مذھب کو کتاب میں بیان کیا گیا ہے. ﴿دوم﴾ یہ کہ مبتدا کا عامل معنوی ہے اور خبر کا عامل لفظی ہے یعنی خود مبتدا خبر میں عامل ہے. ﴿سوم﴾ یہ کہ مبتدا اور خبر میں سے ہرایک دوسرے میں عامل ہے. قولہ **واصل المبتدأ**:۔ شارح نے **ای ماینبغی** بڑھا کر ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اصل کا معنی قاعدہ ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ فی الدار رجل کی ترکیب جس میں مبتدا خبر سے مؤخر ہے خلاف قاعدہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہو حالانکہ یہ ترکیب جائز ہے. شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ اصل کا معنی قاعدہ نہیں بلکہ اصل سے وہ حالت مراد ہے جو مبتدا کیلئے کسی عارض کے بغیر ثابت ہو اور مثال مذکور میں مبتدا کی عدم تقدیم بوجہ عارض کے ہے کہ وہ نکرہ ہے اور مبتدا میں تقدیم اصل اس وقت ہے جب کوئی مانع نہ ہو قولہ **لان المبتدأ**: اسمیں شارح مبتدا کی تقدیم کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ مبتدا میں اصل تقدیم اس لئے ہے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے احوال پر مقدم ہوتی ہے.

قولہ **ای تجرید الاسم**:۔ تجرید مصدر مضاف بسوئے مفعول ہے اور فاعل محذوف ہے ای **تجریدک الاسم** یعنی تیرا مجرد اور خالی کرنا ہے اسم کو عوامل لفظیہ سے تاکہ وہ اسم کسی شی کی طرف مسند ہو جیسے مبتدا کی قسم ثانی میں یا اس اسم کی طرف کوئی چیز مسند ہو جیسے مبتدا کی قسم اول. قولہ **واصل المبتدأ التقدیم**:۔ چونکہ عامل میں اصل تقدیم ہے خواہ لفظا تقدیم ہو یا رتبۃ اور مبتدا کے ذکر سے عامل متحقق اور ثابت ہو جاتا ہے تو مبتدا کا مقدم کرنا عامل کے مقدم کرنے کا سبب ہے اس لئے مبتدا میں اصل تقدیم ہے یعنی مبتدا کو مقدم کر دیا جاتا ہے تاکہ عامل مقدم ہو جائے. (مقصد) یا مبتدا میں تقدیم اس لئے اصل ہے کہ وہ محکوم علیہ ہے اور فعل چونکہ محکوم علیہ میں عامل

ومن ثمّ ای ومن اجل ان الاصل فی المبتدأ التقدیمُ لفظا جاز قولهم فی داره زید مع کون
الضمیر عائداً الی زید المتاخر لفظا لتقدمه رتبةً لاصالة التقدیم وامتنع قولهم صاحبها فی
الدار لعود الضمیر الی الدار وهو فی حیّز الخبر الذی اصله التاخیرُ فیلزم عود الضمیر الی
المتاخر لفظا ورتبةً وهو غیر جائز وقد یکون المبتدأ نکرة وان کان الاصل فیه ان یکون معرفة
لان للمعرفة معنی معیناً والمطلوب المهم الکثیر الوقوع فی الکلام انما هو الحکم علی الامور
المعینة ولکنه لایقع نکرة علی الاطلاق بل اذا تخصصتْ تلک النکرة بوجهٍ مّا من وجوه
التخصیص اذ بالتخصیص یقل اشتراکها فتقرب من المعرفة

(اوراسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ مبتدا میں اصل تقدیم ہے لفظ کے اعتبار سے (جائز ہے) اہل عرب کا قول (فی دارہ زید) باوجودیکہ
ضمیر زید کی طرف راجع ہے جو کہ لفظا مؤخر ہے کیونکہ زید رتبۃ مقدم ہے مبتدا میں تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے (اور ممتنع ہے) اہل
عرب کا قول (صاحبہا فی الدار) بوجہ لوٹنے ضمیر کے دار کی طرف اور وہ حیز خبر میں ہے جس کی اصل تاخیر ہے۔ پس ضمیر کا اس کی طرف لوٹنا لازم
آتا ہے جو لفظا ورتبۃ مؤخر ہے اور وہ ناجائز ہے (اور مبتدا کبھی نکرہ ہوتا ہے) اگرچہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو کیونکہ معرفہ کا معنی معین ہے
اور وہ مطلوب جو کلام عرب میں مقصود اور کثیر الوقوع ہے وہ امور معینہ پر حکم لگانا ہے لیکن مبتدا مطلقا نکرہ واقع نہیں ہوتا بلکہ (جب مخصوص
ہوجائے) وہ نکرہ (کسی وجہ سے) وجوہ تخصیص میں سے اس لئے کہ تخصیص سے نکرہ کا اشتراک کم ہوجاتا ہے پس وہ معرفہ کے قریب ہوجاتا ہے

قولہ ومن ثم: شارح نے ومن اجل کا اضافہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ متن میں مذکور کلمہ (من) سببیہ ہے اور ثم اسم اشارہ ہے
جس کا مشار الیہ اصل مذکور ہے مصنف نے اس عبارت میں اصل مذکور پر دو تفریعیں بٹھائی ہیں۔ ﴿اول﴾ وجودی جیسے فی دارہ زید کی ترکیب کا جواز
اگرچہ اسمیں اضمار قبل الذکر ہے لیکن صرف لفظا ہے کیونکہ اس اصل کے پیش نظر لفظ زید جو مبتدا ہے از روئے رتبہ مقدم ہے اور ﴿دوسری﴾ تفریع عدمی
ہے جیسے صاحبہا فی الدار کی ترکیب کا عدم جواز۔ کیونکہ ضمیر لفظ دار کی طرف راجع ہے اور وہ حیز خبر میں ہے جبکہ خبر میں اصل تاخیر ہے لہٰذا یہ ترکیب اضمار قبل
الذکر کی وجہ سے ممتنع ہے۔ قولہ **وقد یکون المبتدأ نکرة:** یعنی کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے اگرچہ اصل مبتدا میں یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو کیونکہ معرفہ کیلئے
معنی معین ہے اور مطلوب کثیر الوقوع کلام عرب میں امور معینہ پر حکم لگانا ہے اور جو کثیر الوقوع ہو وہی اصل ہوتا ہے لیکن نکرہ محضہ مبتدا نہیں ہوتا بلکہ نکرہ
مخصصہ مبتدا ہوتا ہے یعنی جب وجوہ تخصیص میں سے کسی ایک وجہ سے نکرہ کے عموم اور اشتراک میں تقلیل ہوجائے تو وہ نکرہ مبتدا واقع ہوجاتا ہے۔

ہے اس لئے جملہ فعلیہ میں اسکو مقدم کیا گیا ہے (محرم) قولہ **ان الاصل فی المبتدأ:** ☆سوال☆ مبتدا میں اصل اور راجح تقدیم نہیں بلکہ بعض مبتدا میں تقدیم ممتنع
ہے جیسے فی الدار رجل میں رجل مبتدا ہے جسکو مقدم کرنا جائز نہیں کہ نکرہ محضہ ہے اور نکرہ محضہ مبتدا نہیں بن سکتا ☆جواب☆ مبتدا کو مقدم کرنا اس وقت اصل اور راجح ہے
جب کوئی چیز مانع من التقدیم موجود نہ ہو اور مثال مذکور میں مبتدا کا نکرہ ہونا مانع ہے (صمام وخادمیہ) قولہ **جاز قولهم:** یعنی عرب کا قول **فی داره زید** جائز ہے
اگرچہ ضمیر کا مرجع لفظ زید ہے اور وہ ضمیر سے مؤخر ہے کیونکہ زید لفظ کے اعتبار سے مؤخر ہے لیکن رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے ﴿فائدہ﴾ شارح کے قول **قولهم** کی ضمیر کا
مرجع عرب ہے یعنی عرب کا قول اسلئے کہ لفظ عرب لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے جس طرح کہ لفظ قوم یا اس ضمیر کا مرجع نحاۃ ہے یعنی نحویوں کا قول

مثل قوله تعالى ولعبد مؤمن خير من مشرك فان العبد متناول للمؤمن والكافر وحيث وصف بالمؤمن تخصص بالصفة فجعل مبتدأ و خير خبره ومثل قولك ارجل في الدار ام امرأة فان المتكلم بهذا الكلام يعلم ان احدهما في الدار فيسئل المخاطب عن تعيينه فكانه قال اى من الامرين المعلوم كون احدهما في الدار كائن فيها فكل واحد منهما تخصص بهذه الصفة فجعل رجل مبتدأ و في الدار خبره ومثل قولك ما احد خير منك فان النكرة فيها وقعت في حيز النفي فافادت عموم الافراد وشمولها فتعينت وتخصصت فانه لا تعدد في جميع الافراد بل هو امر واحد

(جیسے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد (ولعبدٌ مؤمن خیر من مشرک) اس لئے کہ لفظ عبد مؤمن اور کافر کو شامل ہے اور جب اس کو مؤمن کے ساتھ موصوف کیا گیا تو وہ صفت کی وجہ سے خصوصیت پا گیا لہٰذا وہ مبتدا بنا دیا گیا اور خیرٌ کو اس کی خبر (اور) تمہارے قول (أرجل في الدار أم امرأة) کی مثل کیونکہ اس کلام کا متکلم اس بات کو جانتا ہے کہ مرد اور عورت میں سے ایک گھر میں موجود ہے پس وہ مخاطب سے اس ایک کے تعیین کا سوال کرتا ہے تو گویا کہ متکلم نے کہا ان دو امروں میں سے کہ جن میں سے ایک کا گھر میں ہونا معلوم ہے گھر میں کونسا امر ہے۔ پس ہر واحد مرد اور عورت میں سے اس صفت کے ساتھ خصوصیت پایا گیا لہٰذا وہ مبتدا بنا دیا گیا اور فی الدار اس کی خبر (اور) تمہارے قول (ما احدٌ خیرٌ منک) کی مثل کہ اس جملہ میں نکرہ نفی کے تحت واقع ہوا تو اس نے افراد کے عموم و شمول کا فائدہ دیا پس نکرہ متعین اور مخصوص ہو گیا کیونکہ نکرہ کے تمام افراد میں کوئی تعدد نہیں بلکہ وہ امر واحد ہے

قولہ **مثل قولہ تعالیٰ**:۔ اکیس وجوہ تخصیص میں سے پہلی وجہ کا بیان ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ اس ارشاد میں لفظ عبد مبتدا ہے جو نکرہ ہے اور صفت (مومن) کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے۔ قولہ **ومثل قولک**:۔ یعنی تیرے قول ارجل فی الدار ام امرأۃ میں رجل نکرہ مخصصہ مبتدا واقع ہو رہا ہے اور امرأۃ اس پر معطوف ہے اور اس میں علم متکلم کے لحاظ سے تخصیص ہے کیونکہ اس کلام کا متکلم اتنا تو جانتا ہے کہ مرد اور عورت میں سے کوئی ایک گھر میں ہے وہ مخاطب سے تعیین کرانا چاہتا ہے۔ قولہ **فکانہ قال**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبتدا امر لفظی ہے اور علم متکلم امر ذہنی ہے پس امر لفظی کی تخصیص امر ذہنی سے کیسے ہو سکتی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ متکلم کا علم اگرچہ امر ذہنی ہے لیکن یہاں پر مؤول بامر لفظی ہے پس گویا کہ متکلم نے یہ کہا کہ امرین معلومین میں سے کونسا امر معلوم دار میں ہونے والا ہے پس رجل اور امرأۃ میں سے ہر ایک اس صفت یعنی علم متکلم کی وجہ سے خاص ہو گیا۔ قولہ **ما احد خیر منک**:۔ یہ اس نکرہ کی مثال ہے جسمیں تخصیص عموم و شمول افراد کی وجہ سے ہوئی ہے اس

قولہ **ما احد**:۔ بنی تمیم کے نزدیک کلمہ ما عمل نہیں کرتا اس لئے اس مثال میں لفظ احد ان کے نزدیک مبتدا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ اسکی متفق علیہ مثال تمرۃ خیر من جرادۃ ہے۔ قولہ **لا تعدد فی جمیع الافراد**:۔ یہ شیخ رضی کے سوال کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکرہ کا مخصوص بالعموم ہونا باطل ہے ورنہ ایک وقت میں اسم واحد میں عموم و خصوص لازم آئیگا جو اجتماع متنافیین ہے کہ عموم بمعنی تقلیل اشتراک ہے اور خصوص بمعنی تقلیل اشتراک اور اجتماع متنافیین باطل ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے پس مبتدا نکرہ کا مخصوص بالعموم ہونا باطل ہوا۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تخصیص سے مراد تفرد لیا جائے تو وہ بلاشبہ عموم اور شمول کی ضد ہے لیکن یہاں تخصیص سے مراد تفرد نہیں بلکہ مراد تقلیل عموم اور رفع احتمالات ہے جو عموم کے منافی نہیں بلکہ عموم سے حاصل ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں اگر زید سے خیریت کی نفی کی جاتی تو عمرو کی خیریت کا

وکذا کل نکرۃ فی الاثبات قصد بھا العموم نحو تمرۃ خیر من جرادۃ ومثل قولھم شرٌّ اھرَّ ذا ناب لتخصصہ بما یتخصص بہ الفاعل لشبھہ بہ اذ یستعمل فی موضع ما اھر ذا ناب الا شر وما یتخصص بہ الفاعل قبل ذکرہ ھو صحۃ کونہ محکوما علیہ بما اسند الیہ فانک اذا قلت قام علم منہ ان ما یذکر بعدہ امر یصح ان یحکم علیہ بالقیام فاذا قلت رجل فھو فی قوۃ رجل موصوف بصحۃ الحکم علیہ بالقیام

اور اسی طرح ہر وہ نکرہ جو اثبات میں واقع ہو اور نکرہ سے مقصود عموم ہو جیسے تمرۃ خیر من جرادۃ (اور) جیسے اہل عرب کا قول (شرٌّ اھرَّ ذا ناب) کیونکہ یہ اس معنی سے خصوصیت پایا گیا جس سے فاعل خصوصیت پاتا ہے کیونکہ شرٌّ فاعل کے مشابہ ہے اس لئے کہ وہ ما اھرَّ ذا ناب الا شرٌّ کی جگہ میں مستعمل ہوتا ہے اور فاعل اپنے مذکور ہونے سے پہلے جس معنی کے ساتھ خصوصیت پاتا ہے وہ اس کے محکوم علیہ ہونے کی صحت ہے اس چیز کے ساتھ جو اس کی طرف مسند ہے پس جب تم نے کہا قام تو اس سے معلوم ہو گیا کہ جو اس کے بعد ذکر کیا جائیگا وہ ایسا امر ہو گا کہ جس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہو گا پھر جب تم نے کہا رجل تو وہ ایسے رجل کی قوت میں ہے جو اس امر کے ساتھ موصوف ہے کہ اس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے

لئے کہ اس مثال میں احد نکرہ ہے جو نفی کے حیز میں واقع ہے اور نکرہ جب نفی کے حیز میں واقع ہو تو اس سے عموم وشمول مفہوم ہوتا ہے جسکی وجہ سے نکرہ متعین ہو جاتا ہے کیونکہ جمیع افراد میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ وہ امر واحد مانا جاتا ہے جیسے دس کا عدد ہے یہ مجموعہ امر واحد مانا جاتا ہے افراد کے تعدد کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا۔ قولہ **وکذا کل نکرۃ فی الاثبات**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ استغراق وشمول سے تخصیص کیا اس نکرہ کے ساتھ خاص ہے جو حیز نفی میں واقع ہو۔ شارح نے جواب دیا کہ نکرہ جب اثبات میں ہو اور عموم وشمول کا فائدہ دے تو اسمیں بھی تخصیص ہو جاتی ہے جیسے تمرۃ خیر من جرادۃ جس کا معنی ہے کل تمرۃ خیر من کل جرادۃ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے واقعہ اس طرح ہے کہ اہل حمص نے حضرت کعب احبار سے پوچھا کہ حالت احرام میں کوئی شخص ٹڈی کو مار دے تو اس پر کیا جنایت ہے آپ نے فرمایا کہ ہر ٹڈی کے عوض ایک درھم تو حضرت عمر نے فرمایا کہ ایک کھجور کیونکہ تمرۃ خیر من جرادۃ یعنی ہر کھجور ٹڈی سے افضل ہے۔ قولہ **ومثل قولھم**:۔ یہ اس نکرہ کی مثال ہے جس کی تخصیص فاعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے فاعل کے تخصص سے ہوئی ہے کیونکہ معنی کے اعتبار سے لفظ شرٌّ فاعل ہے اس لئے کہ اصل میں یہ جملہ اس طرح ہے ما اھرّ ذا ناب الا شرٌّ جس میں شرٌّ ضمیر مستتر سے بدل ہونے کی وجہ سے فاعل ہے کہ بدل عن الفاعل بھی فاعل ہوتا ہے پھر بقصد حصر شر کو مقدم کر دیا گیا اور جس چیز کے ساتھ فاعل میں تخصیص ہوتی ہے فاعل کے ذکر کرنے سے پیشتر وہ اس کا محکوم علیہ ہوتا ہے اس چیز کا جو فاعل کی طرف مسند ہے۔

احتمال باقی رہتا اور اگر عمرو سے خیریت کی نفی کی جاتی تو بکر کی نفی کا احتمال باقی رہتا لم جرا پس جب ما احدٌ خیر منک کہا تو جملہ احتمالات مرتفع ہو گئے (بشیر وعقد) قولہ **شر اھر ذا ناب**:۔ ناب سامنے والے دانتوں کو کہتے ہیں اور ذی ناب سے مراد کتا ہے اور یہ ضرب المثل ہے جو ایسے ظالم مردم آزار شخص کے حق میں بولی جاتی ہے جو کسی گردش میں پھنس کر عاجز ہو جائے تو وہ گردش بمنزلہ کلب کے ہے اور وہ ظالم بمنزلہ ذی ناب یعنی کتے کے ہے (بشیر) قولہ **اذ یستعمل**:۔ ☆سوال☆ ما اھرّ ذا ناب الا شر میں کلمات حصر موجود ہیں مگر شر اھر ذا ناب میں کلمات حصر نہیں ہیں پھر ثانی اول کے معنی میں کیسے ہوگا ☆جواب☆ شرٌّ اھرّ ذا ناب اصل میں اَھرّ ذا ناب شرٌّ تھا جب شرٌّ کو مقدم کیا تو اس سے حصر مستفاد ہو گیا کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہے۔ رہی یہ بات کہ شرٌّ کو فاعل سے بدل بنایا گیا ہے فاعل نہیں بنایا گیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر شرٌّ معین فاعل ہوتو پھر اسکی تقدیم جائز نہیں لان تقدیم الفاعل علی الفعل لا یجوز ☆سوال☆ شر کو ضمیر سے بدل بنانا صحیح نہیں اس لئے کہ جب نکرہ معرفہ سے بدل ہو تو بدل کی نعت واجب ہے اور یہاں بدل کی نعت مفقود ہے۔ ☆جواب☆ ضمیر کا مرجع معلوم ہو تو وہ معرفہ ہوتی ہے اور اس ضمیر کا مرجع معلوم نہیں (یاسولی)

واعلم ان المهر للكلب بالنباح المعتاد قد يكون خيرا كما اذا كان مجئى حبيب مثلا وقد يكون شرا كما اذا كان مجئى عدو والمهر له بنباح غير معتاد يتشائم به فيكون شرا الاخير فعلى الاول يصح القصر بالنسبة الى الخير فمعناه شر لاخير اهر ذاناب وعلى الثانى لايصح القصر فيقدر وصف حتى يصح القصر فيكون المعنى شر عظيم لا حقير اهر ذاناب وهذا امثل يضرب لرجل قوى ادركه العجز فى حادثة ومثل قولك فى الدار رجل لتخصصه بتقديم الخبر لانه اذا قيل فى الدار علم ان مايذكر بعده موصوف بصحة استقراره فى الدار فهو فى قوة التخصص بالصفة ومثل قولك

جان لو کہ کتے کو بھونکانے والی چیز نُباح معتاد یعنی عادی بھونکنے کے ساتھ کبھی خیر ہوتی ہے جیسے کہ مثلا جب دوست کا آنا ہو اور کبھی شر جیسے جب دشمن کا آنا ہو اور کتے کو بھونکانے والی غیر معتاد بھونک سے بدفالی لی جاتی ہے پس یہ نُباح شر ہی ہوگا نہ کہ خیر. پس اول میں قصر بہ نسبت خیر صحیح ہوگا لہٰذا اس کا معنی ہوگا شرٌ لاخیر اھرّ ذاناب یعنی شر ہی ہے نہ کہ خیر جس نے کتے کو بھونکایا اور بنابر ثانی حصر صحیح نہیں ہوگا تو وصف مقدر کیا جائیگا تا کہ قصر صحیح ہو جائے لہٰذا معنی ہوگا شرٌ عظیم لاحقیرٌ اھرذاناب اور یہ ایک کہاوت ہے جو ایسے قوی مرد کیلئے بیان کی جاتی ہے جس کو کسی حادثہ میں عجز نے پا لیا ہو (اور) جیسے تمہارے قول (فی الدار رجل) کی مثل اس لئے کہ رجل تقدیم خبر کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے کیونکہ جب کہا گیا فی الدار تو معلوم ہوا کہ فی الدار کے بعد جو ذکر کیا جائیگا وہ دار کے اندر اپنے استقرار کی صحت کے ساتھ موصوف ہوگا پس یہ تخصیص بالصفۃ کے حکم میں ہے (اور) تمہارے قول

کیونکہ جب تم کہو قام تو مخاطب کو یہ علم ہو جائیگا کہ اس کے بعد جو چیز مذکور ہوگی اس پر قیام کا حکم کرنا صحیح ہوگا لہٰذا جب قام کے بعد تم نے رجلٌ کہا تو یہ اس رجل کے حکم میں ہے جس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے. پس رجلٌ مخصوص ہو گیا اسی طرح مثال مذکور میں شرٌ بھی معنی فاعلیت کی وجہ سے مخصوص ہو گیا. قولہ **واعلم ان المهر** :۔ اس عبارت میں شارح نے ایک سوال وارد کر کے اسکا جواب دیا ہے. سوال یہ ہے کہ تخصیص کے معنی ہیں قلت اشتراک اور **شرٌ اهر ذاناب** میں ایک صورت میں تو قلت اشتراک سمجھ میں آتی ہے مگر دوسری صورت میں نہیں آتی کیونکہ کتے کا بھونکنا کبھی معتاد ہوتا ہے جو خیر ہوتا ہے جیسے صاحب خانہ کے دوست کی آمد پر بھونکنا اور کبھی شر جیسے صاحب خانہ کے دشمن کی آمد پر. اس صورت میں بہ نسبت شر کے حصر صحیح ہو جائیگا اور معنی ہونگے شرٌ لاخیر اھرذاناب. لیکن کتے کا بھونکنا نُباح غیر معتاد کے ساتھ ہو تو اس سے بدفالی لی جاتی ہے. جو شر ہوتا ہے نہ کہ خیر لہٰذا اس صورت میں حصر صحیح نہیں شارح نے **فیقدر** سے اس کا جواب دیا ہے کہ کتے کے غیر معتاد طریقہ پر بھونکنے کی صورت میں صحت حصر کیلئے ایک صفت مقدر کرنی پڑے گی پس عبارت کی تقدیر **شر عظیم لاحقیر اهر ذاناب** ہوگی. یہ ایک کہاوت ہے جو ایسے قوی مرد کیلئے بولی جاتی ہے جسے کسی حادثہ میں عاجزی لاحق ہو جائے. قولہ **فى الدار رجل** :۔ اس مثال میں رجل (مبتدا) میں تقدیم خبر کی وجہ سے تخصیص ہے اس لئے کہ جب فی الدار کہا گیا تو معلوم ہوا کہ جو فی الدار کے بعد ذکر کیا جائیگا وہ استقرار فی الدار کی صفت کے ساتھ متصف ہوگا پس جب رجل کہا گیا تو گویا کہ یہ ایسا ہے جیسے **فى الدار رجل فيه صلاحية الاستقرار فى الدار** ، ہے. پس رجل تخصیص بالصفۃ کی قوت میں ہے.

قولہ **فى الدار رجل** :۔ اس مثال میں جار مجرور نحات بصرہ کے نزدیک خبر مقدم ہے اور رجل مبتدا ہے ظرف کا فاعل نہیں کیونکہ اسم ظاہر میں ظرف کے عمل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اشیائے ستہ میں سے کسی ایک پر اس کا اعتماد ہو اور یہاں اعتماد مفقود ہے اور رجل اپنی خبر ظرف کے مقدم ہونے کی وجہ سے نکرہ مخصصہ ہو گیا ہے (محرم)

سلام علیک لتخصصه بالنسبة الی المتکلم اِذ اصله سلمتُ سلاماعلیک فحذف الفعل وعُدل الی الرفع لقصدالدوام والاستمرار فکانه قال سلامی ای سلام مِن قِبَلی علیک هذا هوالمشهورفیمابین النحاۃوقال بعض المحققین منهم مدارصحة الاخبارعن النکرة علی الفائدة لا علی ماذکروہ من التخصیصات التی یحتاج فی توجیهاتهاالی هذہ التکلفات الرکیکة الواهیةفعلی هذا یجوزان یقال کوکب انقض الساعةلحصول الفائدة ولایجوزان یقال رجل قائم لعدمه وهذا القول اقرب الی الصواب

(سلام علیک) کی مثل کیونکہ سلام متکلم کی جانب نسبت کی وجہ سے خاص ہوگیا ہے اس لئے کہ اسکی اصل سَلَّمتُ سلاماہے پس فعل کوحذف کردیا گیا اوردوام واستمرارکی غرض سے رفع کی طرف عدول کیا گیاتو گویا کہ متکلم نے کہاسلامی یعنی سلام من قبلی علیک یہی نحات میں مشہور ہے اورانہیں میں سے بعض محققین نحات نے کہا کہ نکرہ سے خبردینے کی صحت کامدارفائدہ پر ہے ان تخصیصات پرنہیں جن کونحات نے ذکرکیا ہے کہ جن کی توجیہات میں ان تکلفات رکیکہ واھیہ کی طرف احتیاج پیش آتی ہے لہٰذااس قول کی بناپرکوکبٌ اِنقض الساعۃ کہنا جائز ہے حصول فائدہ کی وجہ سے اوررجل قائم کہنا جائزنہیں عدم فائدہ کی وجہ سے اوریہ قول صواب کے زیادہ قریب ہے

قولہ **سلام علیک**:۔اسمیں متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے تخصیص ہے اس لئے کہ یہ اصل میں **سلمت سلامًا علیک** تھاپس فعل حذف کرکے **سلامًا** کی نصب کوبغرض دوام واستمراررفع کی طرف پھیردیا گیا کیونکہ دعامیں دوام واستمرارمقصودتھاپس گویاکہ قائل نے یوں کہا**سلامی ای سلام من قبلی علیک** یہ وجوہ تخصیص وہ ہیں جونحات کے درمیان مشہورومروج ہیں قولہ **وقال بعض المحققین**:۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ نکرہ غیرمخصصہ بھی مبتداواقع ہوتا ہے جیسے **کوکب انقض الساعة** میں کوکب مبتداواقع ہے لہٰذا مصنف کایہ کہنادرست نہ ہواکہ نکرہ بعدازتخصیص مبتداواقع ہوتا ہے شارح نے جواب دیاکہ بعض محققین کے نزدیک نکرہ کے مبتداہونے کیلئے در اصل شرط یہ ہے کہ اس کے سننے کے بعدمخاطب کے علم میں زیادتی پیداہوجیسے مثال مذکورسننے سے مخاطب کے علم میں زیادتی ہوتی ہے کہ ایک ستارہ ابھی ٹوٹا ہے اورنکرہ کے مبتداہونے کی صحت کامداران تکلفات رکیکہ پرنہیں لہٰذامحققین کے قول کے پیش نظر **کوکب انقض الساعة** میں چونکہ نکرہ مخاطب کے علم میں اضافہ کررہا ہے اس لئے اسکامبتداہونادرست ہے اور **رجل قائم** میں رجل نے مخاطب کے علم میں اضافہ نہیں کیا کیونکہ ہرآدمی جانتا ہے کہ عالم میں کوئی مردضرورکھڑا ہے اس لئے اس نکرہ کا مبتدا واقع ہونا صحیح نہیں ہے اور یہی اقرب الی الصواب ہے.

قولہ **اقرب الی الصواب**:۔جس قول کوعلامہ جامی نے اقرب الی الصواب کہا ہے وہ امام ابن الدیان کاقول ہے جوجمہورکے قول کے منافی ہے بعض حضرات نے بطور تطبیق یہ کہا ہے کہ قول جمہوربنظرمبتدی ہے جس کوفائدہ اورعدم فائدہ کے مواد میں امتیازنہیں فہم مبتدی کیلئے مذکورہ بالاوجوہ تخصیص کاضبط کیا گیااورامام مذکورکاقول ایسے اشخاص کیلئے ہے جوفائدہ وعدم فائدہ کے موادمیں امتیازرکھتے ہوں (محرم) قولہ **سلام من قبلی**:۔یہ تفسیراس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سلامی میں لفظ سلام اضافت کی وجہ سے معرفہ نہیں ہوابلکہ یہ نکرہ مخصصہ ہے جس طرح کہ نصب کی صورت میں تھایعنی سلامًا علیک میں اس لئے علامہ جمال الدین نے فرمایاکہ اگرشارح فکانہ قال سلامی کے بجائے فکانہ قال سلامًا منی کہتے توانکوسلامًا من قبلی کے ساتھ تفسیرکرنے کی حاجت نہ ہوتی قولہ **اقرب الی الصواب**:۔کیونکہ استعمال اسکامؤید ہے جیسے ارشادباری تعالیٰ وجوہ یومئذ

ولـمـا كان الخبر المعرّف فيما سبق مختصًا بالمفرد لكونه قسماً من الاسم فلم يكن الجملة داخلةفيه اراد ان يشير الى ان خبر المبتدأقديقع جملةايضاً فقال والخبرقديكون جملة اسمية مثل زيد ابوه قائم وفعليةً مثل زيد قام ابوه ولم يذكر الظرفيةَ لانها راجعةٌ الى الفعلية واذا كان الخبر جملةً و الجملة مستقلةٌ بنفسهالاتقتضى الارتباط بغيرها فلابدفى الجملةالواقعة خبراً عن المبتدأمن عائد يربطهابه وذٰلك العائداماضمير كمافى المثالين المذكورين او غيره كاللام فى نعم الرجلُ زيدٌ او وضع المظهر موضع المضمر فى نحو الحاقّة ماالحاقّةاو كون الخبرتفسيراًللمبتدأ نحو قل هو الله احدٌ

اورجبکہ خبر جسکی ماسبق میں تعریف کی گئی ہے مفرد کے ساتھ مختص تھی کیونکہ وہ خبر اسم کی قسم ہے پس خبر جملہ اس تعریف میں داخل نہیں تھی تو مصنف نے ارادہ کیا کہ وہ اس بات کی طرف اشارہ کردے کہ مبتدا کی خبر کبھی جملہ بھی واقع ہوتی ہے تو کہا (اور خبر کبھی جملہ) اسمیہ (ہوتی ہے جیسے زیدٌ ابوہ قائم اور) فعلیہ جیسے (زیدٌ قام ابوہ) اور مصنف نے جملہ ظرفیہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ جملہ فعلیہ کی طرف راجع ہے اور جب خبر جملہ ہو اور جملہ مستقل بنفسہا ہے جو اپنے غیر کے ساتھ مربوط ہونے کا تقاضا نہیں کرتا (تو ضروری ہے) اس جملہ میں جو مبتدا سے خبر واقع ہو (عائد سے) جو جملہ کو مبتدا سے مربوط کردے اور جملہ کی طرف عائد یعنی لوٹنے والی چیز یا ضمیر ہوگی جیسے کہ مذکورہ دو مثالوں میں ہے یا ضمیر کے علاوہ کوئی دوسری چیز جیسے نعم الرجل زید میں لام ہے یا اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھنا جیسے الحاقۃ ما الحاقۃ میں ہے یا خبر کا مبتدا کی تفسیر ہونا جیسے قل ھو اللہ احد

قولہ ولما كان الخبر :۔ یہ عبارت ایک سوال پر تنبیہ ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ خبر کی مذکورہ بالا تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ یہ تعریف صرف خبر مفرد کی ہے جبکہ خبر جملہ بھی ہوتی ہے جیسے زيد ابوه قائم اس کا جواب یہ ہے کہ خبر کی تعریف میں مذکور لفظ الاسم میں تعمیم ہے کہ حقیقۃً اسم ہو یا حکماً اور مصنف کا قول والخبر قد يكون اسی تعمیم کا بیان ہے یعنی اکثر و بیشتر خبر اسم حقیقی (مفرد) ہوتی ہے اور کبھی کبھی اسم حکمی (جملہ) بھی ہوتی ہے۔ ﴿فائدہ﴾ مصنف نے جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی مثال دی ہے لیکن جملہ ظرفیہ کی مثال نہیں دی اس لئے کہ جملہ ظرفیہ کو جملہ فعلیہ میں داخل مانا ہے کہ ظرف فعل کے قائم مقام ہو کر فاعل کو رفع کرتا ہے مثلاً فی داره زيد میں ظرف نے فعل استقر کے قائم مقام ہو کر زید کو رفع دیا ہے

قولہ واذا كان الخبر :۔ اس عبارت میں شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ مصنف کا قول فلا بد شرط مقدر کی جزا ہے۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مبتدا کی خبر جب جملہ ہو تو اسمیں عائد برائے ربط ضروری ہے اس لئے کہ جملہ مستقل بنفسہ اور ماقبل سے غیر مربوط ہوتا ہے تو مبتدا سے خبر کو مربوط کرنے کیلئے خبر میں عائد ضروری ہے اور وہ عائد کبھی ضمیر ہوتی ہے جیسے گذشتہ مثالوں میں عائد ضمیر ہے اور کبھی ضمیر کا غیر۔ جیسے نعم الرجل زید میں الف ولام عائد ہے اور کبھی اسم ظاہر ضمیر کی جگہ واقع ہو کر عائد کا کام دیتا ہے جیسے الحاقة ما الحاقة اور کبھی خبر مبتدا کی تفسیر ہوتی ہے اور رابطہ کا فائدہ دیتی ہے جیسے قل هو الله احد اس ارشاد میں کلمہ احد مبتدا ثانی یعنی اسم جلالت کی خبر ہے اور پھر یہ جملہ مبتدا اول یعنی ضمیر شان کی خبر ہے۔

ناضرۃ ہے۔ قولہ ولم يذكر الظرفية :۔ یعنی مصنف نے جملہ ظرفیہ کی مثال نہیں دی مثلاً زیدٌ فی الدار کہ ظرف جملہ فعلیہ میں داخل ہے اس لئے کہ ظرف فعل کے قائم مقام ہو کر فاعل کو رفع کرتا ہے اور جملہ شرطیہ کی مثال بھی ترک کردی ہے اس لئے کہ اہل عرب کے نزدیک شرط جزا کیلئے قید ہے اور جزا یا جملہ اسمیہ ہوگی یا جملہ فعلیہ کیونکہ نحویوں کے نزدیک جزا ہی کلام ہے نہ شرط و جزا کا مجموعہ قولہ فى الجملة :۔ اور خبر مفرد میں بھی عائد ضروری ہے جبکہ خبر مشتق یا جامد بتاویل مشتق ہو (عبدالغفور)۔

وقد يحذف العائد اذا كان ضمير القيام قرينةٍ نحو البُرّ الكُرّ بستين درهماً والسمن منوان بدرهم اى الكُرّ منه ومنوان منه بقرينةِ اَنَّ بائعَ البُرِّ والسمنِ لا يُسَعِّر غيرهما وما وقع ظرفاً اى الخبر الذى وقع ظرف زمانٍ او مكان او جاراً او مجروراً فالاكثر من النحاة وهم البصريون على انه اى الخبر الواقع ظرفاً مقدر اى مؤول بجملةٍ بتقدير الفعل فيه لانه اذا قدر فيه الفعل يصير جملة بخلاف ما اذا قدر فيه اسم الفاعل كما هو مذهب الاقل وهم الكوفيون فانه يصير حينئذٍ مفرداً

(اور کبھی حذف کیا جاتا ہے) عائد جبکہ عائد ضمیر ہو بوقت قیام قرینہ جیسے البُرُّ اَلْکُرُّ بستین درھما والسمن منوان بدرھم یعنی الکر منہ اور منوان منہ اس قرینہ سے کہ گیہوں اور گھی کا بیچنے والا ان دو کے علاوہ کا نرخ نہیں بیان کرتا (اور جو ظرف واقع ہو) یعنی وہ خبر جو ظرف زمان یا ظرف مکان یا جار و مجرور واقع ہو (تو اکثر) نحویوں سے اور وہ بصریین ہیں اس امر پر ہیں (کہ وہ) یعنی خبر جو ظرف واقع ہے (مقدر ہوتی ہے) یعنی تاویل کی ہوئی ہوتی ہے (جملہ کے ساتھ) اس میں فعل کی تقدیر کے ساتھ کیونکہ جب اس خبر میں فعل مقدر کیا جائیگا تو وہ جملہ ہو جائیگی بخلاف اس کے کہ جب اس میں اسم فاعل مقدر کیا جائے جیسا کہ وہ اقل کا مذھب ہے اور وہ کوفیین ہیں تو وہ خبر اس وقت مفرد ہو جائیگی

قولہ **وقد یحذف**:۔ اس سے مراد ضمیر ہی ہے کہ کوئی دوسرا عائد حذف کو قبول نہیں کرتا اور مصنف کا یہ قول قاعدہ مذکورہ پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **البر الکر بستین درھما** میں خبر **الکر بستین درھما** جملہ ہے مگر عائد سے خالی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مصنف کا قول **فلابد من عائد** درست نہیں ہے اس کا جواب خود مصنف نے **وقد یحذف** سے دیا ہے۔ یعنی کبھی وہ عائد محذوف ہوتی ہے (اگر حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو) پس گذشتہ مثال **البر الکر بستین درھما** میں عائد محذوف ہے اور اصل عبارت اسطرح ہے **البر الکر منه بستین درھما** اور ضمیر کے حذف پر قرینہ یہ ہے کہ گندم فروخت کرنے والا گندم ہی کا نرخ بتاتا ہے نہ کہ کسی اور چیز کا قولہ **ای الخبر الذی**:۔ اس تفسیر میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مصنف کے قول **وما وقع** میں لفظ ما سے مراد خبر ہے یعنی وہ خبر جو ظرف زمان یا ظرف مکان یا جار مجرور ہو تو وہ اکثر نحات بصرہ کے نزدیک مقدر بجملہ ہوتی ہے۔ قولہ **مؤول**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے قول **مقدر بجملة** میں تقدیر کا صلہ باء ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر کا صلہ فی آتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس جگہ تقدیر بمعنی تاویل ہے اور تاویل کا صلہ باء آتا ہے اسلئے یہاں مقدر بمعنی مؤول کا صلہ باء آیا ہے۔ قولہ **ای بتقدیر الفعل فیه**: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ظرف تو مفرد ہوتا ہے اسکو جملہ کیسے کہا گیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس ظرف کو فعل مقدر کی وجہ سے جملہ کہا گیا ہے یعنی جب ظرف سے پہلے فعل مقدر ہوگا تو ظرف جملہ ہو جائیگا اور نحات کوفہ کے نزدیک یہ ظرف مؤول باسم الفاعل ہوتا ہے۔

قولہ **مقدر بجملة**:۔ یعنی بظاہر خبر ظرف ہے لیکن حقیقت میں خبر جملہ فعلیہ ہے کیونکہ مثبت فعل ماضی یا مثبت فعل مضارع محذوف اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہونے کے بعد مبتدا کی خبر بنتا ہے تو بصریہ کے نزدیک اگرچہ مقدر صرف فعل ہی ہے کیونکہ ضمیر مستتر ظرف کو منتقل ہو گئی ہے لیکن صرف فعل بصریہ کے نزدیک خبر نہیں بلکہ جملہ فعلیہ خبر ہے اس لئے ماتن نے مقدر بجملة کہا (جواہر صافیہ) قولہ **وھم الکوفیون**:۔ علامہ سرمحشی فرماتے ہیں کہ تقدیر اسم فاعل وجوبا کو عام شروح کافیہ میں کوفیین کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مغنی اللبیب اور ہمع الھوامع میں ہے کہ ظرف جب محل خبر میں ہو تو کوفیہ اور ابن طاہر و ابن خروف کے نزدیک اس کا کوئی متعلق ہی نہیں ہوتا ہاں یہ مسلک

وجه الاکثر ان الظرف لابد له من متعلّق عامل فیه والاصل فی العمل هو الفعل فاذا وجب التقدیر فالاصل اولی ووجه الاقل انه خبر والاصل فی الخبر الافراد ثم ان الاصل فی المبتدأ التقدیمُ وجاز تاخیره لکنه قد یجب لعارض کما اشار الیه بقوله واذا کان المبتداء مشتملا علی ماله صدر الکلام ای علی معنی وجب له صدر الکلام کالاستفهام فانه یجب حینئذ تقدیمه حفظا لصدارته مثل مَن ابوک فان مَن مبتداء مشتمل علی ماله صدر الکلام وهو الاستفهام فان معناه اهذا ابوک ام ذاک وابوک خبره وهذا مذهب سیبویه وذهب بعض النحاة الی ان ابوک مبتداء لکونه معرفة ومَن خبره الواجبُ تقدیمه علی المبتدأ لتضمنه معنی الاستفهام

اور اکثر کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کیلئے متعلق بفتح اللام کا ہونا ضروری ہے جو ظرف میں عامل ہو اور عمل میں اصل فعل ہے پس جب تقدیر واجب ہوئی تو اصل اولی ہے اور اقل کی دلیل یہ ہے کہ ظرف خبر ہے اور اصل خبر میں مفرد ہونا ہے پھر مبتدا میں اصل تقدیم ہے اور اسکی تاخیر بھی جائز ہے لیکن وہ تقدیم کبھی عارض کی وجہ سے واجب ہوتی ہے جس طرح کہ مصنف نے اس طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے (اور مبتدا جب ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کیلئے صدارت کلام ہے) یعنی ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کیلئے کلام کے ابتداء میں آنا ضروری ہے جیسے استفہام ہے تو اس وقت مبتدا کی تقدیم واجب ہے اس کی صدارت کی حفاظت کیلئے (جیسے مَن ابوک) پس مَن مبتدا ہے جو اس معنی پر مشتمل ہے جس کیلئے صدارت کلام ہے اور وہ معنی استفہام ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اھذا ابوک اَم ذاک اور ابوک مبتدا کی خبر ہے اور یہ سیبویہ کا مذھب ہے اور کچھ نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ابوک مبتدا ہے کیونکہ وہ معرفہ ہے اور مَن اس کی خبر ہے جس کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے اس لئے کہ مَن معنی استفہام کو متضمن ہے

قولہ **ووجه الاکثر** :۔اور اکثرین (نحات بصرہ) کی دلیل یہ ہے ظرف از قبیل معمولات ہے جس کیلئے عامل ضروری ہے اور عمل میں چونکہ فعل اصل ہے کہ اسکی وضع ہی عمل کیلئے ہوئی ہے لہذا ظرف میں تقدیر فعل اولی ہے ،اور اقلین یعنی نحات کوفہ کی دلیل یہ ہے کہ ظرف مذکور چونکہ خبر ہے اور خبر میں اصل افراد ہے لہذا اسکو مفرد کی تاویل میں کرنا اولی ہے۔قولہ **علی معنی** :۔اس تفسیر میں شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ لفظ **ما** سے مراد معنی ہے یعنی جب مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جس کیلئے صدارت کلام واجب ہے جیسے معنی استفہام تو اسوقت بغرض حفظ صدارت معنی استفہام مبتدا کی خبر پر تقدیم واجب ہے جیسے من ابوک میں کلمہ من مبتدا ہے جو معنی استفہام کو متضمن ہونے کیوجہ سے مقتضی صدارت کلام ہے تو اسکی تقدیم واجب ہے کیونکہ بصورت تاخیر اسکی صدارت باطل ہو جائیگی۔قولہ **فان معناہ** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **من ابوک** کی ترکیب میں کلمہ من نکرہ ہے جسکا مبتدا واقع ہونا درست نہیں ہے کیونکہ مبتدا معرفہ ہوتا ہے یا نکرہ مخصصہ ،شارح نے جواب دیا کہ لفظ من اس جگہ نکرہ مخصصہ ہے کیونکہ من ابوک کے معنی ہیں اھذا ابوک ام ذاک پس من صفت عموم کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے اور نکرہ مخصصہ مبتدا واقع ہوتا ہے اور یہ سیبویہ کا

سیبویہ اور ابن مالک کا ہے۔(بشیر الناجیہ) قولہ **والاصل فی الخبر الافراد** :۔خبر میں افراد اصل ہے تا کہ کلام کے دونوں رکن موافق ہو جائیں کہ موافقت ربط کو جلدی قبول کرتی ہے (جمال) قولہ **فان معناہ** :۔یعنی من ابوک میں کلمہ من مآل کے اعتبار سے معرفہ ہے لیکن اجمال کے مرتبہ میں رکھکر من ابوک کہا۔

او کانا ای المبتدأ والخبر معرفتین متساویین فی التعریف او غیر متساویین ولا قرینة علی کون احدهما مبتدأ والآخر خبراً نحو زید ، المنطلقُ او کانا متساویین فی اصل التخصیص لا فی قدره حتی لو قیل غلامُ رجل صالح خیر منک لوجب تقدیمه ایضا مثل افضل منی افضل منک رفعاً للاشتباه او کان الخبر فعلاله ای للمبتدأ احترازٌ عما لایکون فعلاله کما فی قولک زید قام ابوه فانه لا یجب فیه تقدیم المبتداء لجواز قام ابوه زید لعدم الالتباس مثل زید قام

(یا ہوں دونوں) یعنی مبتدا وخبر (معرفے) تساوی تعریف میں یا غیر تساوی اوران دو میں سے کسی ایک کے مبتدا ہونے اور دوسرے کے خبر ہونے پر قرینہ نہ ہو جیسے زیدن المطلق (یا) ہوں وہ دونوں (برابر) اصل تخصیص میں نہ کہ مقدار تخصیص میں یہاں تک کہ اگر کہا جائے غلام رجل صالح خیر منک تو بھی مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہوگا (جیسے افضل منی افضل منک) اشتباہ کو ختم کرنے کیلئے (یا خبر اس کیلئے فعل ہو) یعنی مبتدا کیلئے یہ احتراز ہے اس سے کہ خبر مبتدا کیلئے فعل نہ ہو جیسا کہ تمہارے قول "زید قام ابوہ" میں کیونکہ اس صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب نہیں بوجہ جائز ہونے قام ابوہ زید کے اس لئے کہ اسمیں میں کوئی التباس نہیں ہے (جیسے زید قام

مذہب ہے اور بعض کے نزدیک من ابوک میں ابوک مرکب اضافی مبتدا ہے اور لفظ من اسکی خبر ہے جو معنی استفہام کو متضمن ہونے کیوجہ سے واجب التقدیم ہے۔ قولہ **او کانا معرفتین**:۔ شارح نے المبتدأ والخبر کا اضافہ کرکے کانا کی ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے۔ اور تساوین الخ سے مبتدا اور خبر کے معرفہ ہونے میں تعمیم کی ہے یعنی وہ دونوں تعریف میں برابر ہوں یا نہ ہوں قولہ **ولا قرینة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کبھی مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوتے ہیں لیکن مبتدا کو مقدم کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ مؤخر کرنا بھی جائز ہوتا ہے جیسے ابوحنیفہ ابو یوسف میں ابو یوسف مبتدا مؤخر ہے لہٰذا یہ قول صحیح نہ ہوا کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ تقدیم وجوبی کا حکم ایسی جگہ ہے جہاں کسی ایک معرفہ کے مبتدا ہونے اور دوسرے کے خبر ہونے کا قرینہ نہ ہو اور یہاں قرینہ موجود ہے کیونکہ یہاں ثانی کی تشبیہ مقصود ہے اول کے ساتھ اور تشبیہ میں مشبہ بہ مسند اور مشبہ مسند الیہ ہوتا ہے تو ابو یوسف کے مبتدا ہونے پر قرینہ موجود ہے یعنی مشبہ کا مسند الیہ ہونا قولہ **فی اصل التخصیص**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ قاعدہ کہ مبتدا اور خبر جب تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کی تقدیم واجب ہے صحیح نہیں کیونکہ **غلام رجل صالح خیر منک** میں غلام میں دو طرح تخصیص ہے ایک اس طرح کہ یہ رجل کیطرف مضاف ہے دوم۔ اس طرح کہ صالح اسکی صفت ہے کیونکہ صالح میں رفع کا احتمال ہے اور خیر جو اسکی خبر ہے اسمیں ایک اعتبار سے تخصیص ہے باوجود اس بات کے کہ مبتدا اور خبر تخصیص میں برابر نہیں پھر بھی مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مبتدا اور خبر جب نکرہ ہوں اور اصل تخصیص میں برابر ہوں خواہ مقدار تخصیص اور کیفیت تخصیص میں برابر ہوں یا نہ ہوں تو مبتدا کی تقدیم واجب ہے لہٰذا گذشتہ مثال میں بھی مبتدا کی تقدیم واجب ہے کہ اصل تخصیص میں برابر ہیں۔ قولہ **او کان الخبر**:۔ یا خبر مبتدا کا فعل ہو جیسے **زید قام** میں قیام زید کا فعل ہے۔ مصنف کا قول **له** احتراز ہے **زید قام ابوہ** سے کیونکہ اس مثال میں قیام زید کا فعل نہیں بلکہ اب کا فعل ہے لہٰذا اس میں مبتدا کی تقدیم واجب نہیں بلکہ **قام ابوہ زید** جائز ہے

وجب تقديمه ای تقديم المبتدأ على الخبر فى هذه الصور امافى الصور الاوّل فلما ذكرنا وامافى الصورة الاخيرة فلئلا يلتبس المبتدأ بالفاعل اذا كان الفعل مفردا مثل زيدقام فانه اذاقيل قام زيد التبس المبتدأبالفاعل اوبالبدل عن الفاعل اذا كان مثنى اومجموعافانه اذا قيل فى مثل الزيدان قاماوالزيدون قاموا قاماالزيدان وقاموا الزيدون يحتمل ان يكون الزيدان والزيدون بدلاعن الفاعل فالتبس المبتدأ به او بالفاعل على هذا التقدير ايضا على قول مَن يُجوز كونَ الالف و الواو حرفادالاعلى تثنية الفاعل وجمعه كالتاء فى ضربتْ هندٌ واذا تضمن الخبر المفرد ای الذی ليس بجملة صورة سواء كان بحسب الحقيقةجملةاوغيرجملة ماله صدر الكلام ای معنى وجب له صدر الكلام كالاستفهام مثل اين زيد فزيد مبتدأ واين اسم متضمن للاستفهام خبره

واجب ہے اسکی تقدیم) یعنی ان تمام صورتوں میں خبر پر مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے بہرحال پہلی صورثلثہ میں تو بوجہ اسکے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور بہرحال آخری صورت میں اس لئے واجب ہے کہ مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس نہ ہوجائے جبکہ فعل مفرد ہو جیسے زید قام کیونکہ جب قام زید کہا جائے تو مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس ہوگا یا بدل عن الفاعل کے ساتھ جبکہ فعل تثنیہ یا جمع ہو کیونکہ جب الزیدان قاما اور الزیدون قاموا کی شکل میں قاما الزیدان اور قاموا الزیدون کہا جائے تو احتمال ہے کہ الزیدان اور الزیدون فاعل سے بدل ہو پس مبتدا کا بدل عن الفاعل کے ساتھ التباس ہوگا یا اس تقدیر پر بھی فاعل کے ساتھ التباس ہوگا اس شخص کے قول پر جو الف اور واؤ کو فاعل کے تثنیہ اور جمع پر دلالت کرنے والا حرف تجویز کرتا ہے جیسے ضربت ھند میں تاء ہے (اور جب متضمن ہو خبر مفرد) یعنی جو صورۃ جملہ نہ ہو خواہ حقیقت کے اعتبار سے جملہ ہو یا جملہ نہ ہو (اس کو جس کیلئے صدر کلام ہے) یعنی اس معنی کو کہ جس کے لئے صدر کلام واجب ہے جیسے استفہام (جیسے این زید) پس زید مبتدا ہے اور این جو کہ معنی استفہام کو متضمن ہے اسکی خبر ہے

کیونکہ التباس نہیں ہے قولہ وجب تقدیمہ :۔ یعنی مذکورہ بالا صورتوں میں سے تین صورتوں کی وجہ تقدیم تو مذکور ہو چکی ہے اور آخری صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ بصورت تاخیر مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس ہوگا (جبکہ فعل مفرد ہو) مثلا زید قام کی بجائے قام زید کہیں تو التباس ہوگا یا بدل عن الفاعل کے ساتھ التباس ہوگا (اگر فعل تثنیہ یا جمع ہو) جیسے الزیدان قاما' الزیدون قاموا' کی بجائے قاما الزیدان اور قاموا الزیدون کہیں یا اس صورت میں بھی فاعل کے ساتھ التباس ہوگا اس شخص کے قول پر جو الف تثنیہ اور واؤ جمع کو فاعل نہیں مانتا بلکہ صرف فاعل کے تثنیہ یا جمع ہونے پر دلالت کرنے والا حرف مانتا ہے جیسے ضربت ھند' میں تاء ساکنہ صرف تانیث فاعل پر دلالت کرتی ہے۔ قولہ واذا تضمن الخبر :۔ اور جب خبر مفرد اس معنی کو متضمن ہو جس کیلئے صدارت کلام واجب ہے۔ شارح نے الذی لیس بجملة سے ایک سوال کا جواب

قولہ اذا تضمن الخبر :۔ مبتدا میں چھ معانی کیلئے صدر کلام واجب ہے لیکن خبر میں صرف استفہام کیلئے صدر کلام واجب ہے اسی فرق کو ظاہر کرنے کیلئے ماتن نے یہاں پر تضمن لکھا ہے اور اشتمل نہیں لکھا ورنہ یہ وہم ہوتا کہ شاید یہاں بھی چھ معانی صدر کلام کو واجب کرتے ہیں (جواہر)

وهو ظرف فان قدر بفعل كان الخبر جملة حقيقة مفردا صورة وان قدر باسم الفاعل كان الخبر مفردا صورة وحقيقة وعلى التقديرين ليس بجملة صورة واحترز به عن زيد اين ابوه اذلا تبطل بتاخيره صدارة ماله صدرُ الكلام لتصدره في جملته او كان الخبر بتقديمه مصحِّحا له اى للمبتدأ من حيث انه مبتدأ بتقديمه يصح وقوعه مبتدأ مثل في الدار رجل فان في الدار خبرٌ تخصّصَ المبتدأ بتقديمه كما عرفتَ فلو اُخِّرَ بقي المبتدأ نكرةً غير مخصوصة او كان لمتعلقه بكسر اللام

اور این ظرف ہے پس اگر اس کو فعل کے ساتھ مقدر کیا جائے تو خبر حقیقۃ جملہ ہوگی اور صورۃ مفرد ہوگی اور اگر اسے اسم فاعل کے ساتھ مقدر کیا جائے تو خبر صورۃ اور حقیقۃ مفرد ہوگی اور دونوں تقدیروں پر خبر صورۃ جملہ نہیں اور مصنف نے مفرد کی قید کے ساتھ زید این ابوہ کی مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ اس خبر کی تاخیر سے اسکی صدارت باطل نہیں ہوتی جس کیلئے صدر کلام ہے کیونکہ وہ اپنے جملہ کے شروع میں ہے (یا ہو) خبر اپنی تقدیم کی وجہ سے (اس کیلئے مصحح) یعنی مبتدا کیلئے اس حیثیت سے کہ وہ مبتدا ہے پس خبر کی تقدیم سے اس کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہو جائے (جیسے فی الدار رجل) پس فی الدار خبر ہے جس کی تقدیم کی وجہ سے مبتدا خاص ہو گیا ہے جیسا کہ تم معلوم کر چکے ہو لہٰذا اگر خبر کو مؤخر کیا جائے تو مبتدا نکرہ غیر مخصصہ باقی رہ جائیگا (یا) ہو (اس کے متعلق کیلئے) لام کے کسرہ کے ساتھ

دیا ہے سوال کی تشریح یہ ہے کہ مفرد جملہ کا مقابل ہے اس لئے این زید خبر مفرد کی مثال نہیں بن سکتی کیونکہ این ظرف ہے اور ظرف بتاویل جملہ ہوتی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں مفرد سے مراد یہ ہے کہ صورۃ مفرد ہو خواہ حقیقۃ مفرد ہو یا حقیقۃ جملہ ہو اور اسمیں شک نہیں کہ **این زید** نحات کوفہ کے نزدیک تو حقیقۃ مفرد ہے لیکن نحات بصرہ کے نزدیک صورۃ مفرد ہے پس **این زید** میں **زید** مبتدا ہے اور **این** جو معنی استفہام کو متضمن ہے اس کی خبر ہے کیونکہ ظرف مبتدا نہیں ہو سکتی۔ قولہ **وھو ظرف** :۔ یعنی این ظرف ہے اگر یہ ظرف مقدر بفعل ہو تو یہ حقیقۃ جملہ اور صورۃ مفرد ہے اور اگر مقدر باسم الفاعل ہو جیسا کہ مذھب کوفیین ہے تو صورۃ اور حقیقۃ مفرد ہے کیونکہ اسم فاعل جملہ نہیں ہوتا اور دونوں تقدیروں پر یہ صورۃ مفرد ہے اور اس سے زید این ابوہ کی مثل سے احتراز ہے اس لئے کہ اس ترکیب میں تاخیر خبر سے مالہ صدر الکلام کی صدارت باطل نہیں ہوتی کیونکہ این اپنے جملہ کے صدر یعنی شروع میں ہے۔ قولہ **او کان الخبر** :۔ یعنی خبر کی تقدیم سے مبتدا کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہو جیسے **فی الدار رجل** میں رجل نکرہ ہے جو مبتدا نہیں بن سکتا لیکن تقدیم خبر کے بعد اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہو گیا کیونکہ تقدیم خبر سے رجل نکرہ مخصصہ بن گیا جو مبتدا واقع ہوتا ہے تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ وہ مبتدا کیلئے مصحح ہے۔ قولہ **بتقدیمه** :۔ یہ احتراز ہے اس خبر سے جو تاخیر کی وجہ سے مبتدا کیلئے مصحح ہوتی ہے جیسے **زید قام** میں خبر کی تاخیر زید کے مبتدا ہونے کیلئے مصحح ہے کیونکہ اگر قام مقدم ہو جائے تو زید مبتدا نہیں ہوگا بلکہ فعل کا فاعل ہوگا۔ قولہ **او کان لمتعلقه ضمیر** :۔ متعلق بکسر لام ہے اور اسکو بفتح لام بھی پڑھ سکتے ہیں اس بنا پر کہ خبر فعل مقدر ہے جو مجرور بحرف جر کا متعلق بفتح لام ہے یعنی مبتدا کے ساتھ جب کوئی ایسی ضمیر متصل ہو کہ جسکا مرجع خبر کا متعلق ہے تو خبر کی تقدیم واجب ہے تا کہ اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً لازم نہ

ای کان لمتعلقِ الخبر التابع له بتبعية يمتنع معها تقديمه على الخبر فلا يرد نحو على الله عبده متوكل ضمير كائن في جانب المبتدأ راجع الى ذلک المتعلق اذلو اُخِّر لزم الاضمار قبل الذكر لفظا ومعنى مثل على التمرة مثلها زبدا فقوله مثلها ای مثل تمرة مبتدأ وفيه ضمير لمتعلق الخبر وهو التمرة لان الخبر هو قوله على التمرة والتمرة متعلق به مثل تعلق الجزء بالكل او كان الخبر خبرا عن اَنَّ المفتوحة الواقعة مع اسمها وخبرها المؤول بالمفرد مبتدأ اذ في تاخيره خوف لبسِ اَنَّ المفتوحة بالمكسورة في التلفظ لامكان الذهول عن الفتحة لخفائها وفي الكتابة مثل عندی انک قائم وجب تقديمه ای تقديم الخبر على المبتدا في جميع هذه الصور لما ذكرنا

یعنی خبر کے متعلق کیلئے جو کہ خبر کیلئے ایسی معیت کے ساتھ تابع ہو کہ اس معیت کے ساتھ تابع کی تقدیم خبر پر ممتنع ہو پس علی اللہ عبدہ متوکل کی مثل سے اعتراض وارد نہ ہوگا (ضمیر) ہونے والی (مبتدا) کی جانب (میں) راجع اس متعلق کی طرف کیونکہ اگر خبر کو مؤخر کیا جائے تو لفظا ومعنی اضمار قبل الذکر لازم آئیگا (جیسے علی التمرۃ مثلہا زبدا) پس مصنف کا قول "مثلہا ای مثل التمرۃ" مبتدا ہے اور اس میں متعلق خبر کیلئے جو کہ تمرۃ ہے ضمیر ہے کیونکہ خبر تو قائل کا قول "علی التمرۃ" ہے اور تمرۃ اس کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ جز کا تعلق کل کے ساتھ ہوتا ہے (یا ہو) خبر (خبر اَنّ سے) مفتوحہ جو کہ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہو کیونکہ خبر کی تاخیر میں اَنّ مفتوحہ کا اِنّ مکسورہ کے ساتھ تلفظ میں التباس کا خوف ہے اس لئے کہ فتحہ کے خفاء کی وجہ سے اس سے ذہول ممکن ہے یا کتابت میں (جیسے عندی انک قائم اس کی تقدیم واجب ہے) یعنی ان تمام صورتوں میں خبر کی تقدیم مبتدا پر واجب ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی

آئے۔ قولہ **التابع له بتبعية**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ مصنف کا یہ قول غلط ہے کہ مبتدا میں جب کوئی ایسی ضمیر ہو جس کا مرجع خبر کا تعلق رکھنے والا کوئی لفظ ہو تو خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ **على الله عبده متوكل** میں متوکل خبر ہے اور عبدہ مبتدا ہے جس میں ایک ایسی ضمیر ہے جسکا مرجع لفظ اللہ ہے اور لفظ اللہ خبر سے متعلق بکسر اللام ہے اس کے باوجود یہاں تقدیم خبر واجب نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ متعلق خبر سے مراد یہ ہے کہ اس خبر کا اس حیثیت سے تابع ہو کہ اس تابع کی تقدیم خبر پر ممتنع ہو جسطرح کہ **على التمرة مثلها زبداً** میں **مثلها** مبتدا ہے اور **على التمر** خبر ہے اور **التمرة** متعلق خبر ہے مثل تعلق جز و کل کے اور تمرۃ کو **على التمرة** پر مقدم کرنا ممتنع ہے ورنہ تقدم الشیٔ علی نفسہ لازم آئیگا اور **على الله عبده متوكل** میں اسم جلالت کو خبر پر مقدم کرنا ممتنع نہیں ہے بلکہ جائز ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع علی کا مجرور ہے وہ نہ خبر ہے اور نہ متعلق خبر بلکہ خبر متوکل ہے اس لئے اس مقولہ میں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ قولہ **او كان الخبر**:۔ یعنی اَنّ مفتوحہ اپنے اسم اور خبر سے ملکر بتاویل مفرد مبتدا واقع ہو تو اس مبتدا کی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے اس لئے کہ بصورت تاخیر خبر اَنّ مفتوحہ کا تلفظ یا کتابت میں اِنّ مکسورہ کے ساتھ التباس کا خوف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ فتح کے خفاء کی وجہ سے سامع کو معلوم نہ ہو سکے کہ متکلم نے فتح پڑھا ہے یا کسرہ یا فتح کتابت میں رہ گیا ہے تو التباس سے بچنے کیلئے تقدیم خبر واجب ہے تاکہ وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے ہمزہ کے فتحہ سے پڑھا

وقد یتعدّد الخبر من غیر تعدد المخبر عنه فیکون اثنین فصاعداً وذلک التعدد اما بحسب اللفظ والمعنی جمیعاً ویستعمل ذلک علی وجهین بالعطف مثل زید عالم وعاقل وبغیر العطف مثل زید عالم عاقل واما بحسب اللفظ فقط نحو ھذا حلوٌ حامض فانھما فی الحقیقۃ خبر واحد ای مزٌ وفی ھذہ الصورۃ ترک العطف اولی ونظر بعض النحاۃ الی صورۃ التعدد وجوّز العطف ولا یبعد ان یقال مراد المصنف بتعدد الخبر مایکون بغیر عاطف لان التعدد بالعاطف لاخفاء بہ لا فی الخبر ولا فی المبتدأ ولا فی غیرھما وایضاً المتعدد بالعطف لیس بخبر بل ھو من توابعہ ولھذا اورد فی المثال الخبرَ المتعدد بغیر عاطف

(اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے) مُخبر عنہ کے تعدد کے بغیر پس دو یا اس سے زائد خبریں ہو سکتی ہیں اور یہ تعدد یا تو لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہوگا اور اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے عطف کے ساتھ جیسے زید عالم وعاقل اور بغیر عطف کے (جیسے زید عالم عاقل) یا صرف لفظ کے اعتبار سے جیسے ہذا حلو حامض کہ حلو اور حامض حقیقت میں خبر واحد ہیں یعنی مُز ، اور اس صورت میں ترک عطف اولی ہے اور بعض نحویوں نے تعدد کی صورت کو دیکھ کر عطف جائز رکھا اور بعید نہیں کہ کہا جائے کہ مصنف کی مراد تعدد خبر سے وہ تعدد ہو جو عطف کے بغیر ہو کیونکہ تعدد بالعاطف میں کوئی خفاء نہیں نہ خبر میں اور نہ مبتدا میں اور نہ ان کے غیر میں اور نیز متعدد بالعطف خبر نہیں بلکہ خبر کے توابع میں سے ہے اسی لئے مصنف نے مثال میں خبر متعدد بلا عاطف کو ذکر کیا ہے

جائے. کیونکہ درمیان کلام میں ان مفتوحہ پڑھا جاتا ہے جیسے عندی انک قائم قولہ **وقد یتعدد الخبر**:۔ یعنی خبریں کبھی متعدد ہوتی ہیں اور مُخبر عنہ (مبتدا) ایک ہوتا ہے پس خبریں دو ہوتی ہیں اور اس سے زیادہ بھی اور یہ خبر کا تعدد لفظاً اور معنی دونوں طرح ہوتا ہے اور اس کے استعمال کی دو صورتیں ہیں ایک عطف کے ساتھ جیسے زید عالم وعاقل اور دوسرے بغیر عطف کے جیسے **زید عالم عاقل** ۔اور کبھی صرف لفظ متعدد ہوتے ہیں مگر معنی متعدد نہیں ہوتا جیسے **ھذا حلو حامض** ۔یہ دونوں لفظ حقیقت میں خبر واحد ہیں اور اس کا معنی وہ کھٹمیٹھا ہے جو مٹھاس اور کھٹاس سے مرکب ہو اس دوسری صورت میں ترک عطف اولی ہے اور بعض نحات نے صوری تعدد کو دیکھ کر اس صورت میں بھی عطف کرنا جائز رکھا ہے. قولہ **ولا یبعد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ایک مبتدا کی متعدد خبریں جسطرح کہ عطف کے بغیر ہوتی ہیں اسی طرح عطف کے ساتھ بھی ہوتی ہیں جیسے زید عالم وعاقل تو مصنف نے اسکی مثال کیوں نہیں لکھی شارح نے جواب دیا کہ بعید نہیں کہ کہا جائے کہ تعدد خبر سے مصنف کی مراد وہ تعدد ہے جو عاطف کے بغیر ہو کیونکہ عاطف کے ساتھ تعدد میں کوئی خفاء نہیں نہ خبر کے تعدد میں اور نہ مبتدا کے تعدد میں نیز متعدد بالعاطف خبر نہیں بلکہ اس کے توابع میں سے ہے اسی وجہ سے مصنف نے متعدد کی مثال میں خبر بلا عاطف کو ذکر کیا ہے .

قولہ **وفی الکتابۃ**:۔ یہ فی اللفظ پر معطوف ہے یعنی خبر کو اگر مؤخر کرکے یوں کہا جائے کہ انک قائم عندی تو ان مفتوحہ کا مکسورہ کے ساتھ کتابت میں التباس ہوگا کیونکہ شروع کلام میں ان مکسورہ ہوتا ہے. قولہ **ترک العطف اولی**:۔ علامہ نور محمد حقی نے کافی کے حوالے سے لکھا ہے کہ دوسری صورت میں ترک عطف واجب ہے اور شارح نے جو ترک عطف کو اولی قرار دیا ہے اسکی تاویل یہی ہے کہ اولویت سے شارح کی مراد ایسی اولویت ہے جو حد وجوب کو پہنچنے والی ہے. (جواہر) قولہ **بل ھو من توابعہ**. شارح کی اس عبارت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے "قول زید عالم وعاقل" میں عالم وعاقل توابع میں سے ہیں لیکن معاملہ ایسا نہیں بلکہ معطوف خبر کے

ولو جُعل التعددُ اعم فالاقتصار عليه لذلك وقد يتضمن المبتدأ معنى الشرط وهو سببية الاول للثاني او للحكم به فلا يرد عليه نحو وما بكم من نعمة فمن الله فيشبه المبتدأ الشرط في سببيته للخبر كسببية الشرط للجزاء فيصح دخول الفاء في الخبر ويصح عدم دخوله فيه نظرا الى مجرد تضمن المبتدأ معنى الشرط واما اذا قصد الدلالة على ذلك المعنى في اللفظ فيجب دخول الفاء فيه واما اذا لم تقصد فلم يجب دخوله فيه بل يجب عدمه

اور اگر تعدد کو عام رکھا جائے تو تعدد بلا عطف کی مثال پر اکتفاء اسی عدم خفاء کی وجہ سے ہے (اور کبھی مبتدا معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے) اور وہ معنی شرط اول کا ثانی کے وجود یا اس کے حکم کیلئے سبب ہونا ہے پس مصنف کے قول "وقد یتضمن الخ" پر وما بکم من نعمۃ فمن اللہ کی مثل کے ساتھ اعتراض وارد نہ ہوگا تو مبتدا خبر کیلئے سبب ہونے میں شرط کے مشابہ ہو جاتا ہے جس طرح شرط جزا کیلئے سبب ہے (پس خبر میں دخول فاء صحیح ہے) اور عدم دخول فاء بھی صحیح ہے محض مبتدا کے معنی شرط کو متضمن ہونے کی طرف نظر کرتے ہوئے لیکن جب لفظ میں اس معنی پر دلالت کا قصد کیا جائے تو مبتدا میں دخول فاء واجب ہے اور جب دلالت کا قصد نہ کیا جائے تو خبر میں دخول فاء واجب نہیں بلکہ فاء کا داخل نہ ہونا واجب ہے

قولہ **ولو جعل** :۔ یعنی اگر مصنف کی مراد تعدد بلا عاطف نہ ہو بلکہ عام مراد ہو تو صرف تعدد بلا عاطف کی مثال پر اکتفاء اسی بناء پر ہے کہ تعدد بالعاطف میں نہ خفاء ہے نہ یہ حقیقۃً خبر ہے بلکہ خبر کا تابع ہے۔ قولہ **وهو سببية الاول للثاني** :۔ مصنف نے فرمایا کہ کبھی مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے جسکی وجہ سے خبر پر فاء کا لانا صحیح ہوتا ہے شارح نے **هو سببية الاول للثاني** سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مبتدا کی خبر پر فاء کے داخل ہونے کیلئے یہ شرط صحیح نہیں ہے کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول "وما بکم من نعمۃ فمن اللہ" میں "**ما**" موصولہ مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن نہیں ہے کیونکہ شرط کا معنی یہ ہے کہ اول سبب ہو ثانی کیلئے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مخاطبین کے پاس نعمت کا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہونے کا سبب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہونا سبب ہے اور مخاطبین کے پاس نعمت ہونا مسبب ہے شارح نے جواب دیا کہ یہاں شرط کے معنی ہیں کہ اول ثانی کے وجود یا ثانی کے حکم کیلئے سبب ہو اور مذکور ارشاد میں اگرچہ اول وجود ثانی کیلئے سبب نہیں ہے لیکن ثانی کے حکم کے لئے سبب ہے یعنی مخاطبین کے پاس نعمت ہونا سبب ہوا اس بات کیلئے کہ کہا جائے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قولہ **فيصح دخول الفاء** :۔ یعنی جب مبتدا معنی شرط کو متضمن ہو تو خبر میں فاء کا لانا صحیح ہے۔ شارح نے **ويصح عدم دخوله فيه** سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ شرط کے معنی پر دلالت کرنا متکلم کا مقصود ہے یا نہیں بنا بر اول خبر میں فاء کا لانا واجب ہے اور بنا بر ثانی ممنوع ہے لہٰذا مصنف کا قول **فيصح دخول الفاء** صحیح نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ صحیح دخول الفاء کا حکم محض مبتدا کے معنی شرط کو متضمن ہونے کی بناء پر ہے قطع نظر اس سے کہ متکلم کا مقصود ہے یا نہیں لیکن شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود ہو تو پھر خبر میں فاء کا لانا واجب ہے اور جب شرط کے معنی پر دلالت متکلم کا مقصود نہ ہو تو فاء کا دخول خبر پر ممنوع ہے بلکہ عدم دخول فاء واجب ہے ۔

تو اول سے ہے۔ قولہ **للحكم به** :۔ جمہور نحات میں شرط کے معنی یہی مشہور ہیں کہ اول ثانی کیلئے سبب ہو لیکن شیخ رضی کی تحقیق یہ ہے کہ شرط کے معنی ہیں کہ ثانی اول کو لازم ہو اس معنی کے اعتبار سے ارشاد باری تعالیٰ کو شرط میں داخل کرنے کیلئے اور للحکم بہ کی قید کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جس طرح کہ شارح نے قید کا اضافہ کیا ہے۔

وذلک المبتدأ المتضمن معنی الشرط إما الاسم الموصول بفعل او ظرف ای الذی جُعلت صلته جملة فعلية او ظرفية مؤولة بجملة فعلية بالاتفاق وانما اشترط ان تكون صلته فعلا او ظرفا مؤولا بالفعل ليتأكد مشابهته الشرط لان الشرط لا يكون الا فعلا وفی حكم الاسم الموصول المذكور الاسم الموصوف به او النكرة الموصوفة بهما ای باحدهما وفی حكمها الاسم المضاف اليها مثل الذی ياتينی هذا مثال للاسم الموصول بفعل او الذی فی الدار هذا مثال للاسم الموصول بظرف

(اور وہ) مبتدا جو شرط کے معنی کو متضمن ہے (یا تو ایسا اسم ہے جو فعل یا ظرف کے ساتھ موصول ہو) یعنی اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ جملہ فعلیہ یا جملہ ظرفیہ ہو جو باتفاق بصریین اور کوفیین جملہ فعلیہ کے ساتھ مؤول ہوتا ہے اور اسم موصول کے صلہ کیلئے فعل یا ظرف مؤول بفعل ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مبتدا کی شرط کے ساتھ مشابہت مؤکد ہو جائے کیونکہ شرط فعل ہی ہوتی ہے اور اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم ہے جو اسم موصول کے ساتھ موصوف ہو (یا نکرہ جو ان کے ساتھ موصوف ہو) یعنی ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ اور اسی نکرہ کے حکم میں وہ اسم ہے جو اس نکرہ کی جانب مضاف ہو (جیسے الذی یاتینی) یہ اس اسم کی مثال ہے جو موصول ہے فعل کے ساتھ (یا) الذی (فی الدار) یہ اس اسم کی مثال ہے جو موصول ہے ظرف کے ساتھ

قولہ وذلک: یعنی وہ مبتدا جو معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے یا تو وہ اسم موصول ہے جسکا صلہ جملہ فعلیہ یا جملہ ظرفیہ ہو جو مؤول بجملہ فعلیہ ہو اور اسم موصول کے صلہ کے فعل یا ظرف مؤول بفعل ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ مبتدا کی شرط کے ساتھ مشابہت پختہ ہو جائے کیونکہ شرط فعل ہی ہوتی ہے۔ **قولہ وفی حکم الاسم الموصول:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مذکورہ بالا قاعدہ ارشاد باری تعالیٰ "قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم" سے منقوض ہے اس لئے کہ اسمیں لفظ الموت ترکیب میں مبتدا ہے جس کی خبر پر فاء داخل ہے حالانکہ اس مبتدا کا صلہ فعل یا ظرف نہیں ہے بلکہ الذی تفرون اسکی صفت ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اسم موصول مذکور کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اسم موصول مذکور کے ساتھ موصوف ہے۔ **قولہ او النکرة الموصوفة بهما:** یعنی دوسری صورت مبتدا کے متضمن معنی شرط کی یہ ہے کہ مبتدا ایسا نکرہ ہو جسکی صفت جملہ فعلیہ یا ظرف ہو اور اس نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم ہے جسکی اضافت نکرہ موصوفہ مذکورہ کی طرف ہو۔ **قولہ الذی یاتینی:** یہ اس اسم کی مثال ہے جو موصول ہو فعل کے ساتھ اور **الذی فی الدار** اس اسم کی مثال ہے جو موصول ہو ظرف کے ساتھ **فلہ درهم** یہ خبر ہے جس پر فاء داخل ہے کیونکہ مبتدا معنی شرط کو متضمن ہے۔

قولہ جملة فعلية: اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کے قول **بفعل** سے مجازاً جملہ فعلیہ مراد ہے یعنی جز بولکر کل مراد لیا گیا ہے اسی طرح ظرف سے بھی مجازاً جملہ ظرفیہ مراد ہے اور ظرف جب خبر ہو تو کوفیہ کے نزدیک اگرچہ بتاویل مفرد ہوتی ہے لیکن یہاں پر ظرف بالاتفاق بتاویل جملہ ہے اس لئے کہ ظرف خبر نہیں بلکہ صلہ ہے اور صلہ جملہ ہوتا ہے (مقصود جواہر) **قولہ باحدهما:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ مصنف کیلئے مناسب یہ تھا کہ وہ **النکرة الموصوفة به** کہتے کیونکہ کلمہ او کے معطوف و معطوف علیہ کی طرف ضمیر مفرد لوٹتی ہے کہا جاتا ہے کہ زید او عمرو قائم، قائمان نہیں بولا جاتا قال اولی ان یقول بہ بافراد الضمیر۔ شارح نے جواب دیا کہ عبارت حذف پر محمول ہے ای باحدهما کیونکہ نکرہ ان دونوں کے ساتھ ایک ساتھ موصوف نہیں ہوتا بلکہ کسی ایک کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔

فله درهم واما مثال الاسم الموصوف بالاسم الموصول المذکور فقوله تعالی قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ ومثل کل رجل یاتینی هذا مثال للاسم الموصوف بفعل او کل رجل فی الدار هذا مثال للاسم الموصوف بظرف فله درهم واما مثال الاسم المضاف الی النکرة الموصوفة باحدهما فقولک کل غلام رجل یاتینی او فی الدار فله درهم ولیت ولعل من الحروف المشبهة بالفعل اذا دخلا علی المبتدا الذی یصح دخول الفاء علی خبره مانعان عن دخوله علیه

(فله درہم) لیکن وہ اسم جو کہ اسم موصول مذکور کے ساتھ موصوف ہو تو اسکی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ہے (اور) جیسے (کل رجل یاتینی) یہ اس اسم کی مثال ہے جو کہ موصوف ہے فعل کے ساتھ (یا) کل رجل (فی الدار) یہ مثال ہے اس اسم کی جو کہ موصوف ہے ظرف کے ساتھ (فلہ درہم) بہر حال اس اسم کی مثال جو کہ مضاف ہو ایسے نکرہ کی طرف جو موصوف ہو فعل یا ظرف کے ساتھ پس وہ تمہارا قول "کل غلام رجل یاتینی اور فی الدار فلہ درہم ہے (اور لیت اور لعل) حروف مشبہ بالفعل میں سے جب اس مبتدا پر داخل ہوں جس کی خبر پر فاء کا داخل ہونا صحیح ہے (روکنے والے ہیں) خبر پر فاء کے دخول سے

قولہ واما مثال الاسم :۔ یعنی اس اسم کی مثال جو کہ اسم موصول مذکور کے ساتھ موصوف ہو پس وہ مثال یہ ارشاد ہے قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم قولہ ومثل کل رجل یاتینی :۔ یہ اس اسم کی مثال ہے جسکی صفت جملہ فعلیہ ہے اور کل رجل فی الدار اس اسم کی مثال ہے جسکی صفت ظرف مؤول بجملہ فعلیہ ہے قولہ واما مثال الاسم المضاف :۔ یعنی اس اسم کی مثال جو نکرہ موصوفہ باحدہما کی طرف مضاف ہو کل غلام رجل الخ ہے قولہ لیت ولعل مانعان :۔ لیت اور لعل جو حروف مشبہ بالفعل میں سے ہیں یہ جب ایسے مبتدا پر داخل ہو جائیں جسکی خبر پر دخول فاء صحیح ہو تو یہ دخول فاء سے مانع بن جاتے ہیں۔ مصنف کا یہ قول ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ ماتن کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ مبتدا جب شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اسکی خبر پر دخول فاء صحیح ہے کیونکہ لیت الذی یاتینی فلہ درہم کہنا صحیح نہیں ہے۔ مصنف نے جواب دیا کہ لیت اور لعل خبر پر فاء کے داخل ہونے سے مانع ہیں قولہ لان صحة دخوله علیه :۔ اس عبارت میں شارح علیہ الرحمۃ لیت اور لعل کے دخول فاء سے مانع ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ خبر پر دخول فاء کی صحت اس پر مبنی تھی کہ مبتدا بسبب متضمن ہونے معنی شرط کو شرط کے مشابہ ہو گیا تھا اور خبر جزا کے مشابہ ہو گئی تھی لیکن یہ مشابہت لیت اور لعل کے داخل ہونے سے جاتی رہی کیونکہ یہ کلام کو انشائی بنا دیتے ہیں اور شرط و جزا کا مجموعہ کلام خبری ہوتا ہے جب مشابہت ختم ہو گئی تو دخول فاء صحیح نہ رہا اور یہ عدم دخول فاء اتفاقی ہے پس لیت او لعل الذی یاتینی او فی الدار فله درهم نہیں کہا جائیگا یعنی فاء کے ساتھ

قولہ قل ان الموت :۔ یہ مثال بظاہر اگرچہ ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس میں اسم موصول کا موصوف یعنی الموت مبتدا نہیں ہے بلکہ حرف مشبہ بالفعل کا اسم ہے مگر چونکہ مبتدا میں تعمیم ہے کہ فی الحال مبتدا ہو یا اصل میں جس پر قرینہ مصنف کا قول ولیت ولعل مانعان ہے اور حروف مشبہ بالفعل کا اسم اصل میں مبتدا ہے اس لئے اس مثال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (جواہر) ☆سوال☆ اس ارشاد میں اول یعنی فرار من الموت موت کا سبب نہیں لہٰذا اسمیں شرط کا معنی متحقق نہیں ☆جواب☆ اس میں شرط کا معنی متحقق اور ثابت ہے اس طرح کہ جب کوئی شخص موت سے بھاگا پھر اسکو موت نے آلیا تو اس پر یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ یہ وہی موت ہے جس سے تو نے راہ فرار اختیار کی یا سبب سے مراد سبب حقیقی نہیں بلکہ وہ امر مراد ہے جسکو متکلم نے کسی غرض کیلئے سبب اعتبار کیا ہو خواہ واقع کے مطابق وہ سبب ہو یا نہ ہو اور فرار من الموت کو متکلم نے سبب اعتبار کیا ہے اس لئے وہ ملاقات موت کا سبب ہے قولہ کل رجل یاتینی :۔ اس مثال میں کلمہ کل مبتدا ہے جو رجل کی طرف مضاف ہے اور جملہ یاتینی رجل کی صفت ہے چونکہ لفظ کل کو تذکیر وغیرہ میں مضاف الیہ کا حکم حاصل ہوتا ہے تو لفظ کل ایسا مبتدا ہوا جسکی صفت فعل ہے قولہ او فی الدار :او تردید کیلئے نہیں بلکہ عبارت میں تعمیم کیلئے ہے

لان صحة دخوله عليه انما كانت لمشابهة المبتدأ والخبر للشرط والجزاء وليت ولعل تزيلان تلك المشابهةَ لانهما تُخرجان الكلام من الخبرية الى الانشائية والشرط والجزاء من قبيل الاخبار وذلك المنع انما هو بالاتفاق من النحاة فلا يقال ليت اولعل الذى ياتينى اوفى الدار فله درهم فان قيل باب كان وباب علمت ايضا مانعان بالاتفاق فماوجه تخصيص ليت ولعل قيل تخصيصهما ببيان الاتفاق انما هو من بين الحروف المشبهة لامطلقا ووجه ذلك التخصيص الاهتمامُ ببيان الاختلاف الواقع فيها والحق بعضهم قيل هو سيبويه إنَّ المكسورة بهما اى بليت ولعل فى المنع عن دخول الفاء على الخبر والاصح انها لا تمنع عنه لانها لا تُخرِج الكلامَ عن الخبرية الى الانشائية يؤيده قوله تعالى إنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَا تُوْا وَهم كُفَّارٌ فلن يقْبَلَ تَوْبَتُهُم

اس لئے کہ خبر پر دخول فاء کی صحت مبتدا وخبر کے شرط وجزا سے مشابہت کی وجہ سے تھی اور لیت اور لعل اس مشابہت کو زائل کر دیتے ہیں کیونکہ یہ دونوں کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نکالتے ہیں اور یہ منع کرنا نحویوں کے (اتفاق کے ساتھ) ہی ہے لہذا لیت یا لعل الذی یاتینی اوفی الدار فلہ درھم نہیں کہا جائیگا پس اگر اعتراض کیا جائے کہ باب کان اور باب علمت بھی بالاتفاق دخول فاء سے مانع ہیں پھر لیت اور لعل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جواب دیا گیا کہ بیان اتفاق کے ساتھ لیت اور لعل کی تخصیص حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے مطلقا نہیں اور اس تخصیص کی وجہ اس اختلاف کے بیان کا قصد ہے جو لیت اور لعل میں واقع ہے (اور ان کے بعض نے لاحق کیا ہے) کہا گیا ہے کہ وہ سیبویہ ہے (إن) مکسورہ کو (ان دونوں کے ساتھ) یعنی لیت اور لعل کے ساتھ خبر پر فاء کے داخل ہونے سے منع کرنے میں اور اصح یہ ہے کہ ان مکسورہ خبر پر فاء کے داخل ہونے سے مانع نہیں کیونکہ یہ کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نہیں نکالتا جس کی تائید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل توبتھم کرتا ہے۔

قولہ **فان قیل**:۔ شارح علیہ الرحمۃ لیت اور لعل کے مانع ہونے پر ایک اعتراض وارد کر رہے ہیں جسکی تفصیل یہ ہے کہ باب کان اور باب علمت بھی خبر پر فاء کے داخل ہونے سے بالاتفاق مانع ہیں پس لیت اور لعل کی خصوصیت کیا ہے کہ صرف انکا ذکر کیا گیا ہے۔ قولہ **قیل**:۔ یہ اوپر والے اعتراض کا جواب ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ بیان اتفاق کے ساتھ لیت اور لعل کی تخصیص حروف مشبہ بالفعل سے ہے مطلقا نہیں یعنی مراد یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل میں سے یہ دونوں بالاتفاق مانع ہیں اور انّ وغیرہ کے مانع ہونے میں اختلاف ہے مراد یہ نہیں کہ صرف انہی کے مانع ہونے میں اتفاق ہے اور کان وغیرہ کے دخول فاء سے مانع ہونے میں اتفاق نہیں ہے۔ قولہ **ووجہ ذلک التخصیص**:۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **لیت** اور **لعل** کی مثل جب افعال ناقصہ اور افعال قلوب بھی خبر پر فاء کے داخل ہونے سے بالاتفاق مانع ہیں تو لیت اور لعل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ ان دو کی تخصیص کا باعث اس اختلاف کا اہتمام ہے جو حروف مشبہ بالفعل میں واقع ہے۔ قولہ **والحق بعضھم**:۔ شارح نے ھو سیبویہ کا اضافہ کر کے یہ واضح کیا کہ بعض سے مراد یہاں سیبویہ ہے یعنی سیبویہ نے انّ مکسورۃ الھمزۃ کو لیت اور لعل کے ساتھ ملحق کر کے اسکو بھی خبر پر دخول فاء سے مانع قرار دیا ہے اس بناء پر کہ شرط وجزا میں تردد پایا جاتا ہے اور انّ مکسورہ تحقیق کیلئے ہے اس

فان قیل قد اَلحق بعضُهم اَنّ المفتوحة ولکنّ بلیت ولعل فماوجه تخصیصِ اِنّ المکسورة بالالحاق قیل بعضهم الذی الحق اِنّ بهماهو سیبویه فاعتدبقوله وذکره ولم یعتدّبقول من سواه فلم یذکره مع ان کلاالقولین لایساعدهماالقرآن وکلام الفصحاء فمایدل علی عدم منع اِنّ المکسورة عن دخول الفاء علی الخبر ماسبق ومایدل علی عدم منع اَنّ المفتوحة ولٰکنّ عن دخول الفاء قوله تعالی وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وقول الشاعر

شعر فواللّٰه مافارقتکم قالیاًلکم ☆ ولٰکنّ مایقضٰی فسوف یکون ☆

پس اگراعتراض کیا جائے کہ بعض نحویوں نے تو اَن مفتوحہ اور لٰکن کو بھی لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے پھر الحاق کے ساتھ اِن مکسورہ کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہے؟۔ جواب دیا گیا ہے جن بعض نے ان مکسورہ کو لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے وہ سیبویہ ہے تو مصنف نے اس کے قول کو وقعت دی اور اس کو ذکر کر دیا اور سیبویہ کے غیر کے قول کو وقعت نہیں دی اس لئے اسکو ذکر نہیں کیا باوجودیکہ قرآن مجید اور فصحاء کا کلام دونوں قولوں کی موافقت نہیں کرتا۔ پس جو دلیل ان مکسورہ کے خبر پر دخول فاء سے مانع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ ہے جو گذر چکی اور وہ دلیل جو اَن مفتوحہ اور لٰکن کے خبر پر دخول فاء سے مانع نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للّٰہ خمسہ اور شاعر کا یہ قول ہے فواللّٰہ الخ

لئے اِنّ مکسورہ کے مدخول میں شرط وجزا کا معنی نہیں پایا جاتا لہٰذا یہ بھی دخول فاء سے مانع ہے لیکن اصح یہ ہے کہ ان مکسورہ خبر پر دخول فاء سے مانع نہیں ہے کیونکہ یہ کلام کو خبریت سے انشائیت کی طرف نہیں نکالتا اور ارشاد باری تعالیٰ ان الذین کفروا الخ اسکی تائید کرتا ہے۔ قولہ **فان قیل** :۔ یہاں سے ایک اعتراض قائم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بعض نحویوں نے ان مفتوحہ اور لٰکن کو بھی لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ بیان الحاق میں صرف ان مکسورہ کے ذکر پر مصنف نے اکتفاء کیا ہے شارح کے قول **فماوجه** میں **ما** بمعنی ای شیء ہے۔ قولہ **قیل** :۔ اس سے شارح نے مذکورہ بالا سوال کا بایں طور جواب دیا ہے کہ چونکہ ان مکسورہ میں اختلاف کرنے والے سیبویہ ہیں اور ان مفتوحہ اور لٰکن میں اختلاف کرنے والے دوسرے نحوی ہیں اور سیبویہ کی شان نحو میں نہایت ارفع واعلیٰ ہے اس لئے مصنف نے صرف سیبویہ کا اختلاف ذکر کیا ہے باوجودیکہ قرآن کریم اور فصحاء کا کلام دونوں قولوں سے موافقت نہیں کرتا کیونکہ قرآن کریم اور فصحاء کے کلام میں ان مکسورہ اَنّ مفتوحہ اور لٰکن کی خبر پر فاء آیا ہے جیسا کہ شرح میں مذکور آیت اور شعر سے واضح ہے ﴿ترجمہ شعر﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم میں تم سے بغض رکھتے ہوئے جدا نہیں ہوا لیکن جو خدا کو منظور ہے وہ ہو کر رہے گا۔

قولہ **فواللّٰه** :۔ اس شعر میں واؤ قسمیہ ہے اور مافارقتکم جواب قسم ہے کیونکہ کبھی جواب قسم میں کلمہ ما نافیہ بھی لایا جاتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ماودعک ربک جو والضحیٰ کا جواب ہے قالیا فارقت کے فاعل سے حال ہے اور لٰکن مایقضیٰ محل استشہاد ہے جس کا اسم مایقضی اور خبر فسوف یکون ہے جس میں فاء موجود ہے۔ (مقد) قولہ **قول الشاعر مایقضی** :۔ کلمہ ما میں دو احتمال ہیں اول۔ یہ کہ موصولہ ہو چونکہ یہ یا مبتداء ہے جو اسم موصول ہے اور اسکا صلہ فعل ہے پس یہ شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اسکی خبر یعنی فسوف یکون پر فاء آئی ہے اور کلمہ لٰکن نے اپنے اسم پر داخل ہونے کے بعد خبر میں دخول فاء سے نہیں روکا دوم۔ یہ کہ یہ ما موصوفہ ہو اور شرط کے معنی کو متضمن ہو کیونکہ یہ وہ نکرہ ہے جس کی صفت فعل ہے اور اس مبتدا کی خبر پر فاء آئی ہے جسکو کلمہ لٰکن نے نہیں روکا اس طرح ارشاد باری تعالیٰ واعلموا انما غنمتم من شیء میں کلمہ ما میں دو احتمال ہیں اور اس ارشاد میں کلمہ ان نے خبر پر دخول فاء سے نہیں روکا جس سے معلوم ہوا کہ ان مفتوحہ اور لٰکن دخول فاء سے مانع نہیں۔

وقد یُحذف المبتدأ لقیامِ قرینۃٍ لفظیۃٍ او عقلیۃٍ جوازاً ای حذفا جائزاً لا واجبا وقد یجب حذفہ اذا قُطع النعت بالرفع نحو الحمدُ للہ اهلُ الحمد ای ھو اھل الحمد والما وجب حذفہ لیعلم انہ کان فی الاصل صفۃ فقُطع لقصد المدح او الذم او غیر ذلک فلو ظھر المبتدأ لم یتبین ذلک ویجب حذفہ ایضًا عند مَن قال فی نِعم الرجلُ زید اِنّ تقدیرَہ ھو زید کقول المستہل ای المبتدأ المحذوف جوازاً مثل المبتدأ المحذوفِ فی مقول المستھل المبصر للھلال الرافع صوتَہ عند اِبصارہ الھلال واللہ ای ھذا الھلال واللہ بالقرینۃ الحالیۃ

(اور کبھی مبتدا قیام قرینہ کے وقت حذف کیا جاتا ہے) لفظیہ ہو یا عقلیہ (بطور جواز) یعنی حذف جائز نہ واجب اور کبھی مبتدا کا حذف واجب ہوتا ہے جبکہ صفت کو رفع دیکر الگ کر لیا جائے جیسے الحمدللہ اہل الحمد ای ہو اہل الحمد اور مبتدا کا حذف اس لئے واجب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ خبر اصل میں صفت تھی پس بقصد مدح یا ذم یا اسکے علاوہ کسی غرض کیلئے موصوف سے الگ کردی گئی لہٰذا اگر مبتدا ظاہر کیا جائے تو وہ غرض عیاں نہ ہوگی اور مبتدا کا حذف کرنا اس شخص کے نزدیک بھی واجب ہے جو نعم الرجل زیدٌ کے متعلق کہتا ہے کہ اسکی تقدیر ھو زیدٌ ہے (جیسے مستہل کا قول) یعنی مبتدا محذوف بطور جواز اس مبتدا کی مثل ہے جو چاند دیکھنے کے وقت اپنی آواز کو بلند کرنے والے کے مقولہ میں محذوف ہے (الھلال واللہ) ای ھذا الھلال واللہ قرینہ حالیہ کی وجہ سے

قولہ **وقد یحذف المبتدأ** :۔ یعنی کبھی قیام قرینہ کے وقت مبتدا حذف کر دیا جاتا ہے خواہ وہ قرینہ لفظیہ ہو یا معنویہ ہو اور یہ حذف جائز ہے واجب نہیں شارح نے **ای حذفاً جائزاً** کا اضافہ کر کے **جوازاً** کی ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے اور اسکی مصدریت باعتبار موصوف کے ہے قولہ **وقد یجب حذفہ** :۔ یہ سوال کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حذف مبتدا دو قسم پر ہے۔ جائز اور واجب مصنف نے صرف اول کو کیوں ذکر کیا؟ شارح نے مضارع پر قد لگا کر اسکا جواب دیا ہے کہ حذف وجوبی قلیل ہے اس لئے اسکا ذکر نہیں کیا یعنی کبھی مبتدا کا حذف واجب ہوتا ہے جبکہ صفت کو رفع دیکر موصوف سے الگ کر دیا جائے جیسے **الحمد للہ اھل الحمد** میں اہل کے رفع کے ساتھ **ای ھو اھل الحمد** اسمیں اہل الحمد اسم جلالت کی صفت ہے مگر اسکو موصوف سے قطع کر کے خبر بنا دیا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نعت کو منعوت سے جدا کیا جائے تو نعت کو مرفوع پڑھتے ہیں تو اہل الحمد کو مرفوع پڑھیں گے اور اس صورت میں حذف مبتدا اس وجہ سے واجب ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اصل میں صفت تھی پھر مدح یا ذم یا اسکے علاوہ کسی غرض کیلئے موصوف سے الگ کرلی گئی پس اگر مبتدا کو ظاہر کیا جائے تو وہ غرض ظاہر نہ ہوگی قولہ **ویجب حذفہ ایضًا** :۔ یہ حذف وجوبی کا دوسرا مقام ہے یعنی مبتدا کا حذف واجب ہے اس شخص کے نزدیک جو نعم الرجل زید کی تقدیر **نعم الرجل ھو زید** بتاتا ہے قولہ **کقول المستھل** :۔ یعنی اس مبتدا کی مثال جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے اس مبتدا کی مثل ہے جو چاند دیکھنے والے کے قول میں ہے جو چاند دیکھ کر باواز بلند کہتا ہے الھلال واللہ ای ھذا الھلال واللہ۔ اس حذف پر قرینہ حال مستھل ہے کیونکہ اس کا مقصود ایک شی کو اشارہ سے متعین کر کے اس پر ہلالیت کا حکم کرنا ہے بنظر بر آں الھلال خبر سے پہلے (ھــذا) مبتدا محذوف ہے۔

وليس من باب حذف الخبر بتقدير الهلالُ هذا لان مقصود المستهل تعيين شئى بالاشارة والحكم عليه بالهلالية ليتوجه اليه الناظرون ويروه كما يراه وانما اتى بالقسم جريا على عادة المستهلين غالبا ولئلا يتوهم نصبُ الهلال عند الوقف وقد يحذف الخبر جوازا اى حذفا جائزا لقيام قرينة من غير اقامة شئى مُقامَه مثل الخبر المحذوف جوازا فى قولك خرجتُ فاذا السبع فان تقديرَه على المذهب الصحيح كما نص عليه صاحبُ اللباب خرجتُ فاذا السَّبُعُ واقف على ان يكون اذا ظرف زمان للخبر المحذوف من غير سادّ مسدّه اى ففى وقت خروجى السبُعُ واقف

اور یہ قول حذف خبر کے باب سے نہیں بتقدیر الھلال ھذا کیونکہ چاند دیکھنے والے کا مقصود ایک شئی کی اشارہ کے ساتھ تعیین کرکے اسپر ہلال ہونے کا حکم کرنا ہے۔ تا کہ دیکھنے والے اس شئی کی طرف متوجہ ہوں اور اسے دیکھیں جس طرح کہ وہ دیکھ رہا ہے۔ اور مصنف مثال میں قسم لائے ہیں چاند دیکھنے والوں کی غالب عادت پر اور اس لئے بھی کہ وقف کے وقت الھلال کے نصب کا وہم نہ ہوسکے (اور) کبھی حذف کی جاتی ہے (خبر جوازی طور پر) یعنی حذف جائز قیام قرینہ کے وقت کسی چیز کو قائم مقام کئے بغیر (جیسے) خبر محذوف جوازا تمہارے قول (خرجت فاذا السبع) میں اس لئے کہ اسکی تقدیر مذہب صحیح پر جیسا کہ اسپر صاحب لباب نے تصریح کی ہے خرجت فاذا السبع واقف ہے اس بنا پر کہ اذا ظرف زمان ہے اس خبر کے لیے جو محذوف ہے اور خبر محذوف کا کوئی قائم مقام نہیں ہے یعنی فھی وقت خروجی السبع واقف

قولہ **ولیس من باب**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مثال مذکور میں یہ احتمال بھی ہے کہ لفظ **الھلال** مبتدا ہو جسکی خبر محذوف ہو ای **الھلال ھذا** پھر اسکو حذف مبتدا کے باب سے کیوں بنایا گیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ مثال حذف خبر کے باب سے نہیں ہے کیونکہ مستھل کا مقصود اشارہ کے ساتھ شئی کی تعیین کرکے اس پر ہلالیت کا حکم لگانا ہوتا ہے تا کہ اس کی طرف ناظرین متوجہ ہوں اور جسطرح کہ وہ دیکھ رہا ہے اسی طرح وہ بھی دیکھیں اور اس کیلئے مبتدا کا حذف زیادہ موزون ہے۔ قولہ **وانما اتی بالقسم**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں واللہ کیوں زائد کیا گیا ہے جبکہ اسکو حذف مبتدا میں کوئی دخل نہیں شارح نے جواب دیا کہ اہل عرب کی عادت اکثر یہی ہے چاند دیکھنے کے وقت **الھلال واللہ** بولا کرتے ہیں تو مصنف نے ان کا پورا قول نقل کردیا ہے۔ قولہ **لئلا یتوھم**:۔ یہ مذکورہ بالا اعتراض کا دوسرا جواب ہے کہ اگر صرف **الھلال** ذکر کیا جائے تو وقف کی حالت میں کسی کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ یہ منصوب ہے اور فعل محذوف کا مفعول بہ ہے ای **رایت الھلال** لہذا یہ مثال صحیح نہیں ہے لیکن جب **واللہ** کا اضافہ کیا گیا تو **الھلال** پر وقف نہیں ہوگا کیونکہ یہ وسط ہوگیا ہے بلکہ اس کو مرفوع پڑھا جائیگا تو یہ وہم دور ہوجائیگا کہ حذف مبتدا کی مثال صحیح نہیں ہے قولہ **وقد یحذف الخبر جوازا**:۔ یعنی کبھی خبر جوازا حذف کردی جاتی ہے جبکہ حذف پر قرینہ موجود ہو اور قائم مقام موجود نہ ہو مثل اس خبر کے جو تیرے قول **خرجت فاذا السبع** میں جوازا محذوف ہے کیونکہ اسکی تقدیر بنا بر صحیح مذہب (جس پر صاحب لباب نے تصریح کی ہے) یہ ہے کہ **خرجت فاذا السبع واقف** اس مثال میں **السبع** مبتدا ہے جسکی خبر **واقف** محذوف ہے اس بنا پر کہ اذا خبر محذوف کا ظرف زمان ہو اور خبر محذوف کا قائم مقام نہ ہو کہ قائم مقام مقدم نہیں ہوتا ای

وقد یحذف الخبر لقیام قرینۃ وجوبا ای حذفا واجبا فیما التزم ای فی ترکیب التزم فی موضعہ ای موضع الخبر غیرُہ ای غیر الخبر وذٰلک فی اربعۃ ابواب علی ماذکرہ المصنف اولہا المبتدأ الذی بعد لولا مثل لولا زید لکان کذا ای لولا زید موجود لان لولا لامتناع الشئی لوجود غیرہ فیدل علی الوجود وقد التزم فی موضع الخبر جواب لولا فیجب حذفہ لقیام قرینتہ والتزام قائم مقامہ ھذا اذا کان الخبر عامًّا واما اذا کان خاصًّا فلا یجب حذفہ کما فی قولہ شعر ولولا الشعرُ بالعلماء یُزری ☆ لکنتُ الیومَ اشعرَ من لَبید ☆ ھذا علی مذہب البصریین وقال الکسائی الاسم الواقع بعدھا فاعل لفعل مقدر ای لولا وجد زید وقال الفراء لولا ھی الرافعۃ للاسم الذی بعدھا

(اور) کبھی خبر قیام قرینہ کے وقت حذف کی جاتی (وجوبا) یعنی حذف واجب کے طور پر (اس میں کہ لازم کیا گیا) یعنی اس ترکیب میں کہ لازم کیا گیا (اسکی جگہ میں) یعنی خبر کی جگہ میں (اس کا غیر) یعنی خبر کا غیر اور وہ چار ابواب میں ہے اس بنا پر کہ مصنف نے اسکو بیان کیا ان میں سے باب اول وہ مبتدا ہے جو لولا کے بعد واقع ہو (جیسے لولا زید لکان کذا) یعنی لولا زید موجود اس لئے کہ لولا ہونے والا ہے امتناع شئی کے لئے بسبب وجود اس کے غیر کے پس وہ وجود پر دلالت کرتا ہے اور جبکہ خبر کی جگہ میں لولا کے جواب کو لازم کردیا گیا ہے تو خبر کا حذف واجب ہے بوجہ موجود ہونے قرینہ کے اور بوجہ اس کے قائم مقام کے التزام کے یہ اس وقت ہے جبکہ خبر عام ہو اور لیکن جب خبر خاص ہو تو اس کا حذف کرنا واجب نہیں جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے اور اگر شعر گوئی علماء کو عیب دار نہ کرتی تو میں لبید سے بڑھ کر شاعر ہوتا اور یہ بصریوں کے مذھب کی بنا پر ہے اور کسائی نے کہا کہ لولا کے بعد واقع ہونے والا اسم فعل مقدر کا فاعل ہے ای لولا وجد زید اور فراء نے کہا کہ لولا اس اسم کا رافع ہے جو اس کے بعد واقع ہے

فنفی وقت خروجی السبع واقف ۔قولہ وقد یحذف الخبر :۔اور کبھی قیام قرینہ کے وقت خبر وجوبا حذف کردی جاتی ہے اسکی ترکیب میں کہ حذف خبر کے بعد خبر کی جگہ اس کے غیر کو لازم کردیا گیا ہو اور ایسے مقامات حسب تصریح مصنف چار ہیں۔﴿موضع اول﴾ وہ مبتدا ہے جو لولا کے بعد واقع ہو جیسے لولا زید لکان کذا اسکی تقدیر لولا زید موجود لکان کذا ہے۔یہاں خبر محذوف لفظ موجود ہے۔قولہ لانّ لولا :۔شارح علیہ الرحمۃ یہاں سے ترکیب مذکور میں خبر کے وجوبا محذوف ہونے کی وجہ بیان کررہے ہیں یعنی چونکہ حذف خبر پر قرینہ موجود ہے اور خبر کا قائم مقام بھی ہے اس لئے یہ حذف خبر واجب ہے قرینہ تو لفظ لولا ہے کیونکہ اسکا مدلول یہی ہے کہ اول شئی کا وجود ثانی کے انتفاء کا سبب ہے پس یہ کلمہ وجود پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام لولا کا جواب ہے۔یعنی لکان کذا جو خبر کی جگہ رکھدیا گیا ہے۔قولہ ھذا اذا کان الخبر: یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ خبر کے محذوف ہونے کا مذکورہ بالا قاعدہ درج ذیل شعر ولولا الشعر الخ سے منقوض ہے کیونکہ اس شعر میں مبتدا لولا کے بعد واقع ہے اس کے باوجود خبر محذوف نہیں۔شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ لولا کے بعد واقع مبتدا کی خبر کا حذف وجوبی اس وقت ہے جب خبر فعل عام ہو جیسے گذشتہ مثال میں لفظ موجود فعل عام ہے اور اگر خبر فعل خاص ہو تو اسکا حذف واجب نہیں۔اور شاعر کے قول میں خبر یزری فعل خاص ہے اور یہ خبر کا حذف وجوبا بصریین کا مذھب ہے اور کسائی کے نزدیک لولا کے بعد جو اسم واقع ہوگا وہ فعل مقدر کا فاعل ہوگا لہٰذا

وثانیها کل مبتدأ کان مصدرا صورة او بتاویله منسوبا الی الفاعل او المفعول او کلیهما و بعده حال او کان اسم تفضیل مضافا الی ذلک المصدر و ذلک مثل ذهابی راجلا و ضربُ زیدا قائما اذا کان زید مفعولا به و مثل ضربی زیدا قائما او قائمین و ان ضربتُ زیدا قائما و اکثر شُربی السویقَ ملتوتا و اخطبُ ما یکون الامیر قائما

اور ان میں سے دوسرا باب ہر وہ مبتدا ہے جو صریح مصدر یا تاویلی مصدر ہو جو کہ فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف منسوب ہو اور اس کے بعد حال ہو یا اسم تفضیل ہو جو اس مصدر کی جانب مضاف ہو اور وہ جیسے ذھابی راجلا اور ضرب زیدا قائما ہے جبکہ زید مفعول بہ ہو اور جیسے (ضربی زیدا قائما) یا قائمین اور ان ضربت زیدا قائما اور اکثر شربی السویق ملتوتا اور اخطب ما یکون الامیر قائما

اسکے نزدیک زید فعل محذوف کا فاعل ہوگا اور تقدیر عبارت اسطرح ہوگی **لولا وُجِدَ زید** اور فراء کے نزدیک کلمہ لولا اپنے مابعد اسم کا رافع ہے یعنی اسکے نزدیک لولا کا مابعد مبتدا محذوف الخبر نہیں بلکہ لولا مبتدا ہے اور مابعد اسکی خبر ہے ﴿فائدہ﴾ افعال عامہ چار ہیں جن کو شاعر نے اس طرح نظم کیا ہے شعر افعال عموم چار، ستند نزد ارباب عقول ☆ کون است وثبوت است و جود است وحصول ☆ قولہ **وثانیها کل مبتدأ**:۔ یعنی دوسرا موضع حذف خبر کا ہر وہ مبتدا ہے جو مصدر ہو صورۃً یا تاویلاً اور اپنے فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف منسوب ہو اور اس مصدر کے بعد حال واقع ہو یوں ہی وہ مبتدا بھی مراد ہے جو اسم تفضیل ہو اور مصدر مذکور کی طرف مضاف ہو جیسے **ذھابی راجلا** اور **ضربُ زیدا قائما** جبکہ زید مفعول بہ ہو تا کہ مثال مکرر نہ ہو پہلی اس مصدر صریح کی مثال ہے جو ضمیر فاعل کی طرف مضاف ہے اور ثانی اس مصدر کی مثال ہے جو مفعول کی طرف مضاف ہے اور **ضربی زیدا قائما** یہ دونوں کی طرف مضاف کی مثال ہے یعنی ضرب جو مصدر معروف ہے اسکی نسبت ضمیر متکلم کی طرف ہے جسکو نسبت اسنادی کہتے ہیں اور اسکی نسبت مفعول کی طرف بھی ہے جسکو نسبت ایقاعی کہتے ہیں اور ایک شی کی شیئین کی طرف نسبت جائز ہے اور مضاف سے ہماری مراد نسبت ہے اور **قائما** فاعل یا مفعول سے حال ہے اور **ضربی زیدا قائمین** اس حال کی مثال ہے جو دونوں سے حال ہے اور **اَنْ ضربت زیدا قائما** اور **قائمین** مصدر تاویلی کی مثالیں ہیں اور **اکثر شربی السویق ملتوتا** اس اسم تفضیل کی مثال ہے جو مصدر صریح کی طرف مضاف ہے۔ اور "اخطب ما یکون الامیر" اس اسم تفضیل کی مثال ہے جو مصدر تاویلی کی طرف مضاف ہے یعنی ما مصدریہ داخل ہونے سے یکون بمعنی کون ہو گیا ہے اور الامیر مصدر کا فاعل ہے اسکی اصل **اخطب کون الامیر حاصل اذا کان قائما** ہے۔

قولہ **منسوبا الی الفاعل**:۔ یعنی مبتدا ایسا مصدر ہو جو صرف فاعل کی طرف منسوب ہو بایں طور کہ فاعل کی جانب مضاف ہو یا صرف مفعول کی طرف منسوب ہو اس طرح کہ مفعول کی جانب مضاف ہو یا دونوں کی طرف منسوب ہو یعنی فاعل کی طرف مضاف ہو اور مفعول کو نصب دے یا مفعول کی طرف مضاف ہو اس مصدر میں اضافت اس لئے ضروری ہے کہ مصدر مضاف ہو کر مبتدا بن سکے گا قولہ **اذا کان زید مفعولا**:۔ چونکہ ضرب زیدا قائما میں احتمال ہے کہ زید ضرب کا فاعل ہو اس لئے کہا کہ جب زید مفعول ہوتا کہ یہ اضافت الی المفعول کی مثال بن سکے اور اضافت الی الفاعل کی مثال مکرر نہ ہو (محرم) قولہ **ملتوتا**:۔ یہ لت السویق لتا سے ماخوذ ہے اور مخلوط بالماء کے معنی میں ہے یعنی میرا ستو پینا اکثر اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ تر کر دیا گیا ہو قولہ **اخطب مایکون**:۔ یہ اس مبتدا کی مثال ہے جو اسم تفضیل ہے اور مصدر تاویلی کی طرف مضاف ہے کیونکہ کلمہ ما مصدریہ ہے اور ما یکون بمعنی کون ہے پھر کون بمعنی اکوان ہے کیونکہ افعل اپنے مضاف الیہ کا بعض ہوتا ہے اسی لئے اسکی اضافت متعدد کی طرف کی جاتی ہے ای اخطب اکوان الامیر حاصل اذا کان قائما یعنی امیر کے احوال سے کھڑے ہونے کے حال میں خطاب کرنا زیادہ فصیح ہوتا ہے۔

فذهب البصریون الی اَنَّ تقدیرہ ضربی زیدا حاصل اذا کان قائما فحذف حاصل کما تحذف متعلقات الظروف نحو زید عندک فبقی اذا کان قائما ثم حذف اذا مع شرطه العامل فی الحال واقیم الحال مقام الظرف لان فی الحال معنی الظرفیة فالحالُ قائم مقام الظرف القائم مقام الخبر فیکون الحال قائم مقام الخبر قال الرضی هذا ما قیل فیه وفیه تکلفاتٌ کثیرة والّذی یظهر لی ان تقدیرہ بنحو ضربی زیداً یلابسه قائما اذا اردت الحال عن المفعول وضربی زیداً یلابسنی قائما اذا کانت عن الفاعل اَو لی ثم نقول حُذف المفعول الذی هو ذو الحال فبقی ضربی زیداً یلابس قائما ویجوز حذف ذی الحال مع قیام القرینة کما تقول الذی ضربتُ قائما زیدٌ ای ضربته ثم حذف یلابس الذی هو خبر المبتدأ والعاملُ فی الحال وقام الحال مقامه کما تقول راشداً مهدیًا ای سِر راشداً مهدیًا فعلی هذا یکونون مستریحین من تلک التکلفات البعیدة

پس نحات بصرہ اس طرف گئے ہیں کہ اسکی تقدیر ضربی زیدا حاصل اذا کان قائما ہے تو حاصل کو حذف کیا گیا جیسا کہ متعلقات ظروف کو حذف کیا جاتا ہے جیسے زید عندک پس اذا کان قائما باقی رہ گیا پھر اذا کو اپنی اس شرط کے ساتھ جو حال میں عامل ہے حذف کر دیا گیا اور حال کو ظرف کے قائم مقام کر دیا گیا اس لئے کہ حال میں ظرفیت کا معنی موجود ہے پس حال اس ظرف کے قائم مقام ہوا جو کہ خبر کے قائم مقام ہے پس حال خبر کے قائم مقام ہو گیا رضی نے کہا کہ یہ وہ ہے جو ضربی زیدا قائما کی تقدیر میں کہا گیا ہے اور اس تقدیر میں بہت سے تکلفات ہیں اور جو میرے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تقدیر ضربی زیدا یلابسہ قائما کی مانند ہے جبکہ آپ مفعول سے حال کا ارادہ کریں اور ضربی زیدا یلابسنی قائما جبکہ آپ فاعل سے حال کا ارادہ کریں اولی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اس مفعول کو حذف کر دیا گیا جو کہ ذوالحال ہے تو ضربی زیدا یلابس قائما باقی رہا اور قرینہ کے ہوتے ہوئے ذوالحال کا حذف جائز ہے جیسا کہ تم کہتے ہو الذی ضربت قائما زیدای ضربتہ۔ پھر یلابس کو حذف کیا گیا جو کہ مبتدا کی خبر ہے اور حال میں عامل ہے اور حال یلابس کے قائم مقام ہو گیا جس طرح کہ تم کہتے ہو راشدا مھدیا پس اس تقدیر کی بنا پر نحات بصرہ ان تکلفات بعیدہ سے راحت پائیں گے

قولہ فذھب البصریون:۔ یعنی نحات بصرہ کے نزدیک ضربی زیدًا قائمًا کی اصل ضربی زیدا حاصل اذا کان قائما ہے پس حاصل کو حذف کر دیا گیا جس طرح کہ ظروف کے متعلقات کو حذف کیا جاتا ہے (جیسے زید عندک میں عند (ظرف) کا متعلق محذوف کر دیا گیا ہے) تو اذا کان قائمًا رہ گیا پھر اذا مع اپنی شرط (کان) کے جو حال میں عامل ہے حذف کر کے حال کو ظرف (اذا) کی جگہ رکھدیا گیا کیونکہ حال میں ظرفیت کا معنی ہے پس حال ظرف کے قائم مقام ہے اور ظرف خبر کے قائم مقام ہے پس حال خبر کے قائم مقام ہو گیا۔ قولہ قال الرضی :۔ رضی نے کہا کہ ضربی زیدا قائمًا کی مذکورہ تقدیر نحات بصرہ کے نزدیک ہے اور اسمیں بہت سے تکلفات ہیں۔ قولہ والذی یظھر لی :۔ میرے لئے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسکی تقدیر ضربی زیدا یلابسہ قائما ہے جبکہ قائمًا کو مفعول کی ضمیر سے حال بنایا جائے اور

وقال الکوفیون تقدیرہ ضربی زیداً قائماحاصل بجعل قائمًامن متعلقات المبتدأویلزمهم حذف الخبرمن غیرسد شئی مسدہ وتقیید المبتدأالمقصود عمومه بدلیل الاستعمال وذهب الاخفش الی ان الخبرالذی سَدّتِ الحالُ محلّه مصدرمضاف الی صاحب الحال ای ضربی زیداً ضربه قائماوذهب بعضهم الی ان هذا المبتدألا خبرله لکونه بمعنی الفعل اذالمعنی ما اضرب زیداالا قائما

اور نحات کوفہ نے کہا کہ اسکی تقدیر ضربی زیدا قائما حاصل ہے قائما کو مبتدا کے متعلقات سے قرار دیکر اور نحات کوفہ کو حذف خبر بلا قائم مقام لازم آتا ہے اور اس مبتدا کا مقید کرنا جس کا دلیل استعمال سے عموم مقصود ہے اور اخفش اس بات کی طرف گئے ہیں کہ وہ خبر کہ حال جس کے قائم مقام ہے وہ مصدر ہے جو ذوالحال کی طرف مضاف ہے ای ضربی زیدا ضربہ قائما اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ اس مبتدا کی کوئی خبر نہیں ہے اس لئے کہ یہ فعل کے معنی میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ما اضرب زیدا الا قائما۔

تقدیر **ضربی زیدایلابس حتی قائما** ہے جبکہ حال فاعل سے بنایا جائے اور یہی اولی ہے پھر مفعول کو حذف کردیا گیا جو ذوالحال ہے تو **ضربی زیدا یلابس قائما** رہ گیا اور ذوالحال کا حذف بوقت قیام قرینہ جائز ہے جیسا کہ "**الذی ضربت قائمازید**" میں ذوالحال کو حذف کردیا گیا ہے کیونکہ اسکی اصل **الذی ضربته قائما زید** ہے بعدہ فعل یلابس کو حذف کردیا گیا (جو مبتدا کی خبر ہے اور حال میں عامل ہے) اور حال **قائما** **یلابس** کے قائم مقام ہوگیا جیسا کہ تم کہتے ہو **راشداً مهدیا** ای **سر راشداً مهدیا** اس تقدیر پر تکلفات بعیدہ سے راحت ملے گی۔قولہ **وقال الکوفیون**:۔شارح علیہ الرحمۃ یہاں سے **ضربی زیداً قائما** کی تقدیر کے متعلق مذہب نحاۃ کوفہ بیان کررہے ہیں یعنی کوفیین یہ کہتے ہیں کہ مثال مذکور کی تقدیر **ضربی زیدا قائما حاصل** ہے.یہ حضرات قائمًا کو مبتدا کے متعلقات میں سے ٹھیراتے ہیں تو ان کے نزدیک قائمًا میں مبتدا عامل ہوگا لیکن ان کے مذہب کی بنا پر دو خرابیاں لازم آتی ہیں ﴿اول﴾ حذف خبر بلا قائم مقام کیونکہ حال جب مبتدا کے متعلقات اور متممات میں سے ٹھیرا تو وہ خبر کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔﴿دوم﴾ مبتدا مقید ہوجائیگا قائمًا کی قید کے ساتھ جبکہ استعمال شاہد ہے کہ متکلم کا مقصود مبتدا کا عموم ہے۔قولہ **وذهب الاخفش**:۔اور اخفش اس بات کی طرف گیا ہے کہ وہ خبر جسکے قائم مقام حال ہے وہ وہی مصدر ہے جو ذوالحال کی طرف مضاف ہے اس کے نزدیک اصل عبارت اس طرح ہے **ضربی زیداًضربه قائما** ۔اور یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ مصدر کو جو عامل ہے حذف کرنا اور اسکے معمول کو باقی رکھنا نحات کے نزدیک ممتنع ہے قولہ **وذهب بعضهم** :۔اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس مبتدا کی کوئی خبر نہیں ہے کیونکہ یہ بمعنی فعل ہے اس لئے کہ اس کا معنی ہے **ما اضرب زیداًالا قائما**۔

قولہ **بجعل قائما**:۔یعنی کوفیوں نے کہا کہ ضربی زیدا قائما کی تقدیر ضربی زیدا قائما حاصل ہے اور انکے نزدیک قائما کا تعلق کسی محذوف سے نہیں بلکہ وہ مبتدا کے متعلقات سے ہے یعنی قائما مصدر ضرب کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔شارح فرماتے ہیں کہ کوفیوں کی تقدیر میں دو خرابیاں ہیں اول۔یہ کہ قائما مبتدا کے متممات سے ہوجائیگا اور جو چیز مبتدا کے متممات سے ہو وہ خبر کے قائم مقام نہیں ہوسکتی لہٰذا خبر کا حذف بلا قائم مقام لازم آئیگا جو درست نہیں دوسری خرابی یہ ہے کہ قائما کو متعلقات مبتدا سے بنانے کی صورت میں مبتدا قیام کے ساتھ مقید ہوجائیگا حالانکہ استعمال شاہد ہے کہ متکلم کا مقصود مبتدا کا عموم ہے کیونکہ ضرب مصدر اسم جنس ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔

وثالثها كل مبتدأ اشتمل خبره على معنى المقارنة و عُطفَ عليه شئى بالواو التي بمعنى مع و ذلك مثل كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُه اى كل رجل مقرونٌ مع ضيعته فهذا الخبر واجب حذفه لان الواو يدل على الخبر الذي هو مقرون واقيم المعطوف في موضعه ورابعها كل مبتدأ يكون مُقْسَمًا به وخبره القَسَم و ذلك مثل لَعَمْرُكَ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا اى لعمرك وبقاؤك قَسَمي اى ما اُقسم به فلاشك ان لعمرك يدل على القسم المحذوف وجواب القسم قائم مقامه فيجب حذفه و العَمر والعُمر بمعنى واحد ولا يستعمل مع اللام الا المفتوح لان القسم موضع التخفيف لكثرة استعماله

اوران میں سے تیسرا باب ہروہ مبتدا ہے جسکی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہواور اس مبتدا پر کسی چیز کا واؤ بمعنی مع کے ساتھ عطف کیا گیا ہو (اور) وہ (جیسے کل رجل وضیعتہ) ای کل رجل مقرون مع ضیعتہ پس اس خبر کا حذف واجب ہے کیونکہ واؤ اس خبر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مقرون ہے اوران میں سے چوتھا باب ہروہ مبتدا ہے جو مقسم بہ ہواور اسکی خبر قسم ہو (اور) وہ جیسے (لعمرک لافعلن کذا) یعنی لعمرک وبقائک قسمی یعنی ما اقسم بہ پس کوئی شک نہیں کہ لعمرک قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے اور قسم کا جواب خبر کے قائم مقام ہے لہذا خبر کا حذف کرنا واجب ہے اور عمر بفتح عین اور عمر بضم عین ایک معنی میں ہے اور لام کے ساتھ صرف مفتوح العین استعمال ہوتا ہے اس لئے کہ قسم کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کی جگہ ہے

قولہ **وثالثها**:۔ اور تیسری جگہ جہاں حذف خبر واجب ہے ہروہ مبتدا ہے جسکی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہواور اس مبتدا پر واؤ بمعنی مع کے ساتھ کسی چیز کا عطف کیا گیا ہو جیسے کل رجل وضیعتہ اسمیں کل رجل مرکب اضافی مبتدا ہے جس پر واؤ بمعنی مع کے ساتھ ضیعتہ کا عطف کیا گیا ہے اور خبر محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے **کل رجل مقرون مع ضيعته** پس اس خبر کا حذف کرنا واجب ہے اس لئے کہ واؤ بمعنی مع حذف خبر (مقرون) پر قرینہ ہے اور معطوف خبر کے قائم مقام ہے۔ قولہ **رابعها**:۔ اور حذف خبر کا چوتھا مقام وہ مبتدا ہے جو مقسم بہ اور خبر اسکی قسم ہو جیسے **لعمرك لافعلن كذا اى لعمرك** اور **بقاؤك قسمى اى ما اقسم به** اس میں عمرک (مرکب اضافی) مبتدا ہے اور قسمی اسکی خبر ہے جسکا حذف واجب ہے کہ حرف لام قسم محذوف پر دال ہے اور جواب قسم، قسم کے قائم مقام ہے۔ قولہ **لعمرك**:۔ عمر بفتح عین اور عمر بضم عین دونوں کا ایک معنی ہے یعنی زندگی اور لام کے ساتھ صرف عمر بفتح عین استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمھون کیونکہ قسم بوجہ کثرت استعمال کے تخفیف کا مقام ہے اس لئے لام کے ساتھ عمر بالفتح مناسب ہے۔ قولہ **خبر ان**:۔ شارح نے ای من المرفوعات سے اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ خبر ان ترکیب میں مبتدا ہے جسکی خبر من المرفوعات مقدر ہے یعنی مرفوعات میں سے ان اور اسکے اخوات کی خبر ہے۔

قولہ **واقيم المعطوف فى موضعه**:۔ ☆سوال☆ ضیعتہ کو خبر کا قائم مقام قرار دینا درست نہیں کیونکہ یہ مبتدا پر معطوف ہونے کی وجہ سے مبتدا کا تابع ہے اور مبتدا کا تابع خبر کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ☆جواب☆ ضیعتہ اگر چہ بظاہر مبتدا پر معطوف ہے لیکن حقیقت میں وہ مقرون کی ضمیر مستتر پر معطوف ہے جو اسکا نائب فاعل ہے اور مبتدا کو راجع ہے پس جب ضیعتہ کا عطف حقیقتہ مبتدا پر نہ ہوا اور ضیعتہ مبتدا کا تابع نہ ہوا تو اس کا خبر کے قائم مقام ہونا درست ہوگیا ☆سوال☆ ضمیر متصل پر عطف کیلئے اولا اسکی تاکید ضمیر منفصل سے ضروری ہے اور مثال مذکور میں تاکید بالمنفصل نہیں ہے تو یہ عطف کیسے جائز ہوگا؟ ☆جواب☆ یہاں تاکید بالمنفصل کی شرط موجود ہے کیونکہ اصل عبارت اس طرح ہے کل رجل مقرون ھو وضیعتہ۔ پس اس صورت میں تین چیزوں کا حذف لازم آئیگا اور وہ یہ ہیں اول۔ خبر دوم۔ معطوف علیہ سوم۔ تاکید

خبرُ اِنَّ وَاَخَوَاتِہا ای من المرفوعات خبران واخواتہا ای اشباہہا من الحروف الخمس الباقیۃ وھی اَنَّ و کانَّ ولکن ولیت ولعل وھو مرفوع بھذہ الحروف لا بالابتداء علی المذھب الاصح لانھا لما شابھتِ الفعل المتعدی کماسجیئ عملتْ رفعاونصبامثلہ ھواَی خبر اِنَّ و اخواتھا المسندُالی شیئ آخر بعددخول احدھذہ الحروف علیھمافقولہ المسندشامل لخبر کان و خبر المبتدأوخبر لاالتی لنفی الجنس و غیرھاوبقولہ بعد دخول ھذہ الحروف خرج جمیعھا عنہ

(ان اوراس کے اخوات کی خبر) یعنی مرفوعات میں سے ان اوراس کے اخوات کی خبر ہے یعنی انّ کے امثال ان پانچ حروف میں سے جو باقی رہ گئے اور وہ اَنّ وکانّ ولکن ولیت ولعل ہیں۔اور وہ خبراصح مذھب کی بنا پر ان حروف سے مرفوع ہوتی ہے ابتدا کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ حروف جب فعل متعدی کے مشابہ ہوئے جیسا کہ آئے گا توفعل متعدی کی مثل رفع اور نصب کا عمل کیا (وہ) یعنی اِنّ واخوات ان کی خبر (مسند ہے) شئی آخر کی طرف (بعد داخل ہونے) ایک حرف کے (ان حروف میں سے) ان دونوں پر پس مصنف کا قول المسند خبرکان اور خبر مبتدا اور لائے نفی جنس وغیرہ کی خبر کو شامل ہے اور مصنف کے قول بعد دخول ھذہ الحروف کی قید کے ساتھ اِنّ کی خبر کے علاوہ تمام خبریں اس تعریف سے خارج ہو گئیں

قولہ **ای اشباھھا**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اخت کا اطلاق اس ذی روح پر ہوتا ہے جس کیلئے ماں ہو اور کلمہ ان ذی روح نہیں ہے لہٰذا یہاں پر اخت کا اطلاق درست نہیں ہے۔شارح نے جواب دیا کہ یہاں اخت سے اشباہ اور امثال مراد ہیں جو کہ اَنَّ کانّ لکن لیت اور لعل ہیں۔قولہ **وھو مرفوع** :۔یعنی وہ خبر انّ ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مرفوع ہوتی ہے (بنا برمذہب اصح کے) نہ کہ ابتدا کی وجہ سے کیونکہ یہ حروف جب فعل متعدی کے مشابہ ہیں جیسا کہ آئیگا تو انہوں نے اس جیسا عمل کیا یعنی رفع اور نصب دیا۔قولہ **ای خبر ان**:۔اور وہ خبر ان ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد کسی دوسری شی کی طرف مسند ہوتی ہے شارح نے لفظ **احد** بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ کہ بظاہر کافیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل تمام ایک اسم اور خبر پر داخل ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان حروف میں سے صرف ایک حرف داخل ہوتا ہے۔شارح نے جواب دیا کہ کافیہ کی عبارت میں مضاف محذوف ہے اور وہ لفظ **احد** ہے ای بعد دخول اَحَدِ ھذہ الحروف علیھما۔قولہ **فقولہ المسند** :۔یعنی خبر ان کی تعریف میں لفظ **المسند** جنس ہے جو خبر کان وغیرہ کو شامل ہے اور مصنف کا قول **بعد دخول الخ** قید احترازی ہے جس سے تمام خبریں خارج ہو گئیں کہ وہ کان وغیرہ کے داخل ہونے کے بعد مسند

قولہ **واشباھھا**:۔انّ کے اخوات اور اشباہ سے مراد وہ حروف ہیں جو فعل کی مشابہت میں اسم کو نصب اور خبر کو رفع کرتے ہیں۔پس اشباہ ان میں کلمہ لا داخل نہیں ہوگا کہ وہ فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل نہیں کرتا بلکہ انّ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور وہ مشابہت یہ ہے کہ انّ اثبات کی تحقیق کے لئے ہے اور کلمہ لا نفی کی تحقیق کیلئے ہے۔(مقتضی) قولہ **لما شابھت**:۔ان حروف کی فعل کے ساتھ مشابہت لفظی یہ ہے کہ یہ فعل کی طرح ثلاثی اور رباعی کی طرف منقسم ہوتے ہیں اور مبنی بر فتح ہوتے ہیں اور فعل کے ساتھ ان کی مشابہت معنوی ان کے معانی کا جزئی ہونا ہے جیسے فعل کے معنی جزئی ہوتے ہیں کیونکہ فعل کے مفہوم میں نسبت الی الفاعل داخل ہے تو جس طرح حققت کے معنی تضمنی تحقیق جزئی ہے اسی طرح اِنّ اور اَنّ کے اور جس طرح شبھت کے معنی تضمنی تشبیہ جزئی ہیں اسی طرح کانّ کے اور جس طرح کہ استدرکت کے معنی تضمنی استدراک جزئی ہیں تو لکن کے بھی اور جس طرح تمنیت کے معنی تضمنی تمنائے جزئی اور ترجیت کے معنی تضمنی ترجی جزئی ہیں۔لیت اور لعل کے معنی بھی اسی طرح ہیں (تیسیر الکامل) قولہ **عملت رفعاونصبا**:۔صاحب مفصل کہتے ہیں کہ یہ حروف اسماء پر داخل ہوتے ہیں اور ان کی ماضی مبنی بر فتح ہے لہٰذا ان کو فعل متعدی کا عمل فرعی دیا گیا۔

والمراد بدخول هذه الحروف عليهما ورودها عليهما لايراث اثرفيهما لفظا ومعنى فلاينتقض التعريف بمثل يقوم في قولنا ان زيدا يقوم ابوه فان يقوم ههنا من حيث اسناده الى ابوه ليس مما يدخل عليه ان بهذا المعنى بل انما دخل على جملة يقوم ابوه فلايحتاج الى ان يجاب عنه بان المراد بالمسند المسندُ الى اسماء هذه الحروف ويلزم منه استدراكُ قوله بعد دخول هذه الحروف ولاالى ان يجاب بان المراد بالمسندِ الاسم المسندُ فيحتاج الى تاويل الجملة بالاسم حيث يكون خبرها جملة مثل

اوران حروف کے اسم اور خبر پر دخول سے مراد ان کا ورود ہے مبتدا وخبر پر ان دونوں میں لفظا یا معنی اثر پیدا کرنے کے لئے لہذا تعریف مذکور ہمارے قول إنّ زیدا یقوم ابوہ میں یقوم کی مثل سے نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہاں یقوم اس حیثیت سے کہ اس کی اسناد ابوہ کی طرف ہے اس میں سے نہیں ہے کہ جس پر إنّ اس معنی کے اعتبار سے داخل ہوتا ہے بلکہ وہ یقوم ابوہ کے جملہ پر داخل ہے لہذا یہ جواب دینے کی حاجت نہیں ہوگی کہ تعریف میں مسند سے مراد وہ ہے جو ان حروف کے اسموں کی طرف مسند ہو کیونکہ اس جواب سے مصنف کے قول بعد دخول حذہ الحروف کا استدراک لازم آئے گا اور نہ یہ جواب دینے کی حاجت ہوگی کہ مسند سے مراد اسم مسند ہے پس جملہ کی اسم کے ساتھ تاویل کرنے کی حاجت ہو جہاں ان کی خبر جملہ ہو

ہوتی ہیں قولہ **والمراد** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے کیونکہ ان زیدا یقوم ابوہ کے یقوم پر صادق آتی ہے اس لئے کہ یقوم کلمہ إنّ کے داخل ہونے کے بعد ابوہ کی طرف مسند ہے حالانکہ یقوم خبر نہیں بلکہ یقوم ابوہ (جملہ) خبر ان ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول **بعد دخول** سے ایسا ورود مراد ہے کہ جس کے بعد یہ حروف لفظ ومعنی میں کچھ تبدیلی لائیں لفظ میں اس طرح کہ اسکو منصوب بنادیں اور معنی میں اس طرح کہ تاکید وغیرہ کا فائدہ دیں اور ان زیدا یقوم ابوہ میں حرف مشبہ بالفعل نے یقوم میں لفظی ومعنوی کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی کیونکہ یقوم ناصب وجازم سے خالی ہونے کیوجہ سے مرفوع ہے اور اسمیں تاکید وغیرہ کے معنی بھی پیدا نہیں ہوے لہذا خبر ان کی تعریف یقوم سے نہیں منتقض ہوتی اس لئے کہ یہاں یقوم اس حیثیت سے کہ ابوہ کی طرف مسند ہے اس خبر کی قسم سے نہیں ہے جس پر انّ لفظی و معنوی اثر پیدا کرنے کیلیے داخل ہوا بلکہ انّ یقوم ابوہ کے جملہ فعلیہ پر داخل ہوا ہے اس لئے کہ حرف مشبہ بالفعل کے ساتھ جملہ مرفوع ہے صرف یقوم مرفوع نہیں اسی طرح زید کیلئے علی سبیل التاکید جو ثابت ہے وہ بھی جملہ کا مفہوم ہے۔ قولہ **فلا یحتاج** :۔ یہ شارح ھندی پر رد ہے جنہوں نے یقوم کے ساتھ خبر ان پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ تعریف میں مذکور **المسند** سے وہ مسند مراد ہے جو ان حروف کے اسماء کی طرف مسند ہو اور ان زیدا یقوم ابوہ میں یقوم ابوہ کی طرف مسند ہے اسم ان کی طرف مسند نہیں ہے وجہ رد یہ ہے کہ اس صورت میں مصنف کا قول (بعد دخول ہذہ الحروف) مستدرک اور بے فائدہ ہو جائیگا۔ قولہ **ولاالی ان یجاب** :۔ اسمیں شارح نے مذکورہ سوال کے ایک دوسرے جواب کا رد کیا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ خبر ان کی تعریف میں مذکور **المسند** سے اسم مسند مراد ہے اور یقوم اسم مسند نہیں وجہ رد یہ ہے کہ اس صورت میں جو خبر جملہ ہو اسکی اسم کے ساتھ تاویل کرنی پڑیگی جیسے ان زیدا یقوم اسمیں جملہ کو اسم کی تاویل میں کرنا ہوگا۔

اِنَّ زیدا یقوم مثل قائم فی اِنَّ زیدا قائم فانه المسند بعد دخول هذه الحروف وَاَمْرُه کامر خبر المبتدأ ای حکمه کحکم خبر المبتدأ فی اقسامه من کونه مفردا وجملة ونکرة ومعرفة و فی احکامه من کونه واحداً ومتعدداً و مثبتا ومحذوفا وفی شرائطه من انه اذا کان جملة فلابد من عائد ولا یحذف الا اذا علم والمراد ان امره کامره بعد اَنْ یصح کونه خبر الوجود شرائطه وانتفاء موانعه ولایلزم من ذلک ان کل مایصح ان یکون خبر اللمبتدأ یصح ان یقع خبرا لباب اِنَّ حتی یرد انه یجوز اَنْ یقال اَین زید ومن ابوک ولایجوز ان یقال اِنَّ این زیداً واِنَّ من اباک

ان زیدا یقوم کی مانند (جیسے) قائم (اِنَّ زیدا قائم) میں کیونکہ وہ ان حروف کے دخول کے بعد مسند ہے (اور اس کا امر مبتدا کی خبر کے امر کی مثل ہے) یعنی اِنّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم جیسا ہے مبتدا کی خبر کے تمام اقسام میں یعنی مفرد ہونے اور جملہ ہونے اور نکرہ ہونے اور معرفہ ہونے میں اور اس کے احکام میں یعنی واحد ہونے و متعدد ہونے و مثبت ہونے و محذوف ہونے میں اور اس کے شرائط میں یعنی جب خبر جملہ ہو تو عائد ضروری ہے اور عائد کو حذف نہ کیا جائے گا مگر جبکہ وہ کسی قرینہ سے معلوم ہو اور مراد یہ ہے کہ اِنّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر جیسا ہے بعد اس کے کہ اس کا خبر ہونا صحیح ہو بوجہ اس کے شرائط کے وجود کے اور موانع کے انتفاء کے اور اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کا مبتدا کی خبر ہونا صحیح ہو اس کا باب اِنّ کی خبر واقع ہونا بھی صحیح ہو حتی کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ این زید اور من ابوک کہنا جائز ہے اور اِنّ این زیدا اور ان من اباک کہنا جائز نہیں

قولہ **مثل قائم**:۔ یعنی اس خبر کی مثال جو حروف مذکورہ سے کسی کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو لفظ قائم ہے جو ان **زیداً قائم** کی ترکیب میں واقع ہے کیونکہ وہ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد ان کے اسم کی طرف مسند ہے۔ قولہ **وامرہ**:۔ یعنی اِنّ اور اسکے اخوات کی خبر کا حکم مثل خبر مبتدا کے حکم کے ہے۔ مبتدا کی خبر کے تمام اقسام میں مثلاً مفرد ہونا، جملہ ہونا، نکرہ ہونا، معرفہ ہونا اور اس کے تمام احکام میں مثلاً واحد ہونا متعدد ہونا مثبت ہونا محذوف ہونا اور اسکے شرائط میں مثلاً جملہ ہو تو اسمیں عائد کا ہونا اور قیام قرینہ کے بغیر عائد کو حذف نہ کرنا۔ قولہ **والمراد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کافیہ کی عبارت **وامرہ کامر خبر المبتدأ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز مبتدا کی خبر واقع ہو سکتی ہے وہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر بھی واقع ہو سکتی ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ این زید اور من ابوک بولنا جائز ہے لیکن ان این زیدا اور ان من اباک بولنا جائز نہیں کیونکہ این اور من استفہام کیلئے ہیں اور ان تحقیق کیلئے ہے اور ان دونوں میں منافات ہے نیز استفہام کیلئے صدارت ضروری ہے جو ان کے داخل ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مراد یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر جیسا ہے بعد اسکے کہ شی کے خبر واقع ہونے کی شرائط موجود ہوں اور موانع نہ ہوں اور مذکورہ مثالوں میں مانع موجود ہے۔ قولہ **ولایلزم**:۔ یعنی امرہ کامر خبر المبتدأ سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز مبتدا کی خبر بن سکتی ہو اسمیں حروف مشبہ بالفعل کی خبر بننے کی صلاحیت بھی ہو حتی کہ **اِنّ این زیداً** اور **اِنّ من اباک** کے ساتھ اعتراض ہو کہ یہ جائز نہیں حالانکہ این زید اور مَن ابوک یہ دونوں ترکیبیں جائز ہیں خلاصہ یہ کہ امرہ کامر خبر المبتدأ میں تشبیہ وجود شرائط و انتفاء موانع کے

قولہ **من ابوک**:۔ ☆سوال☆ تقدیم مبتدا کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ من ابوک میں کلمہ من مبتدا ہے لہذا یہاں کلمہ من کو تقدیم خبر کی مثال بنانا صحیح نہیں ☆جواب☆ کلمہ من سیبویہ کے نزدیک مبتدا ہے اور بعض کے نزدیک کلمہ من خبر مقدم ہے اور اسی کے مذہب کی بنا پر من ابوک تقدیم خبر کی مثال ہے اور یہ جائز ہے لیکن ان من اباک جائز نہیں۔

الافی تقدیمه ای لیس امره کامر خبر المبتدأ فی تقدیمه فانه لایجوز تقدیمه علی الاسم وقد جاز تقدیم الخبر علی المبتداء وذلک لان هذه الحروف فروع علی الفعل فی العمل فارید ان یکون عملها فرعیا ایضا والعمل الفرعی للفعل ان یتقدم المنصوب علی المرفوع والاصلی ان یتقدم المرفوع علی المنصوب فلما اُعمِلَتِ العملَ الفرعیَ لم یتصرف فی معمولیها بتقدیم ثانیهما علی الاول کما یتصرف فی معمولَي الفعل لنقصانها عن درجة الفعل الا ان یکون الخبر ظرفا ای لیس امره کامر خبر المبتدأ فی تقدیمه الا اذا کان ظرفا فان حکمه اذاً حکمه فی جواز التقدیم اذا کان الاسم معرفة نحو قوله تعالی اِنَّ اِلَیْنَا اِیَابَهُمْ وفی وجوبه اذا کان الاسم نکرة نحو اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَةً وذلک لتوسعهم فی الظروف مالایتوسع فی غیرها

(مگر انکی تقدیم میں) یعنی ان کی خبر کا حکم انکی تقدیم میں مبتدا کی خبر جیسا نہیں اس لئے کہ ان کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں حالانکہ مبتدا کی خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا جائز ہے اور یہ اس لئے کہ یہ حروف عمل میں فعل کی فرع ہیں تو ارادہ کیا گیا کہ ان کا عمل بھی فرعی ہو اور فعل کا عمل فرعی یہ ہے کہ منصوب مرفوع پر مقدم ہو اور فعل کا عمل اصلی یہ ہے مرفوع منصوب پر مقدم ہو پس جب ان حروف کو عمل فرعی دیا گیا تو ان کے معمولین میں دوسرے کو پہلے پر مقدم کرنے کا تصرف نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فعل کے دونوں معمولوں میں تصرف کیا جاتا ہے بوجہ ان کے ناقص ہونے کے فعل کے درجہ سے (مگر یہ کہ ہو) خبر (ظرف) یعنی اِنّ کی خبر کا حکم تقدیم میں مبتدا کی خبر جیسا نہیں مگر جبکہ اِنّ کی خبر ظرف ہو پس اس وقت اِنّ کی خبر کا حکم جواز تقدیم میں مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے جبکہ اسم معرفہ ہو جیسے ارشاد باری تعالی ان الینا ایابھم اور وجوب تقدیم میں جبکہ اسم نکرہ ہو جیسے ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ اور یہ جواز یا وجوب تقدیم نحویوں کے ظروف میں وسعت دینے کی وجہ سے ہے جبکی غیر ظروف میں وسعت نہیں دی

وقت ہے۔ قولہ **الافی تقدیمه**:۔ یعنی خبر انّ کا حکم تقدیم میں مبتدا کی خبر جیسا نہیں ہے بلکہ خبر مبتدا کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے اور خبر ان کی تقدیم اسکے اسم پر جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حروف عمل کے اعتبار سے فعل کی فرع ہیں اس لئے ان کا عمل بھی فرعی ہے یعنی منصوب کا مرفوع پر مقدم ہونا اور عمل اصلی یہ ہے کہ مرفوع منصوب پر مقدم ہو پس جب ان حروف کو فعل کا عمل فرعی دیا گیا یعنی منصوب کو پہلے رکھدیا گیا اور مرفوع کو بعد میں تو اب انکے معمول میں تقدیم وتا خیر کے ساتھ تصرف نہیں ہوسکے گا جیسا کہ فعل کے معمول میں یہ تصرف ہوتا ہے۔ قولہ **الاان یکون**:۔ سابق میں بیان کیا گیا تھا کہ تقدیم خبر کے باب میں ان حروف کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر جیسا نہیں تو یہاں اس سے استثناء کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب خبر ظرف ہو تو ان حروف کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر جیسا ہے یعنی خبر ظرف ان حروف کے اسم پر جوازاً مقدم ہوجاتی ہے جبکہ اسم معرفہ ہو جیسے ان الینا ایابھم اور وجوباً مقدم ہوجاتی ہے جب اسم نکرہ ہو جیسے ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمۃ کیونکہ ظروف میں بڑی وسعت ہے۔

خبر لا التی الکائنۃ لنفی الجنس ای لنفی صفتہ اذ لا رجل قائم مثلا لنفی القیام عن الرجل لا لنفی الرجل نفسہ ھو المسند الی شیء آخر ھذا شامل لخبر المبتدأ و خبر انّ و کانّ و غیرھا بعد دخولھا ای بعد دخول لا فخرج بہ سائر الاخبار و المراد بدخولھا ما عرفت فی خبر انّ فلا یرد نحو یضرب فی لا رجل یضرب ابوہ نحو لا غلام رجلٍ ظریفٌ وانما عدل عن المثال المشھور وھو قولھم لا رجل فی الدار لاحتمال حذف الخبر وجعل فی الدار صفۃ بخلاف ما ذکرہ لان غلام رجل معرب منصوب لا یجوز ارتفاع صفتہ علی ما ھو الظاھر

جاتی (خبر لا کی جو) ہونے والا ہے (نفی جنس کے لئے) یعنی صفت جنس کی نفی کے لئے کیونکہ مثلاً لا رجل قائم رجل سے قیام کی نفی کے لئے ہے ذات رجل کی نفی کے لئے نہیں (وہ مسند ہے) شئی آخر کی طرف یہ لفظ المسند مبتدا کی خبر اور اِنّ اور کانّ وغیرہ کی خبر کو شامل ہے (اس کے دخول کے بعد) یعنی لا کے دخول کے بعد پس اس قید سے تمام خبریں خارج ہوگئیں اور لا کے دخول سے مراد وہی ہے جو اِنّ کی خبر میں آپکو معلوم ہوا لہٰذا لا رجل یضرب ابوہ میں یضرب کی مثل کا سوال وارد نہ ہوگا (جیسے لا غلام رجل ظریف) اور مصنف نے مشہور مثال سے عدول کیا اور وہ نحویوں کا قول لا رجل فی الدار ہے خبر کے محذوف ہونے اور فی الدار کے صفت بنائے جائے کے احتمال کی وجہ سے اس کے برخلاف جسکو مصنف نے ذکر کیا کیونکہ غلام رجل معرب منصوب ہے جسکی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں اس بناء پر جو ظاہر ہے

قولہ **خبر لا**:۔ یعنی مرفوعات میں سے لائے نفی جنس کی خبر ہے شارح نے **الکائنۃ** مقدر کر کے ظرف **لنفی الجنس** کا متعلق بتایا ہے اور ای **لنفی صفتہ** سے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **لنفی الجنس** درست نہیں ہے کیونکہ یہ لا جنس کی نفی کیلئے نہیں بلکہ جنس کی صفت کی نفی کیلئے موضوع ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں مضاف مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **لنفی صفۃ الجنس** کیونکہ مثلاً **لا رجل قائم**، میں ذات رجل کی نفی نہیں بلکہ رجل سے صفت قیام کی نفی مقصود ہے۔ قولہ **المسند**:۔ جو مسند ہوا کرتی ہے شی آخر کی طرف مصنف کا قول **المسند** جنس ہے جو خبر مبتدا وغیرہ جملہ اخبار کو شامل ہے اور مصنف کا قول **بعد دخولھا** قید احترازی ہے جس سے باقی جملہ اخبار سے احتراز ہے۔ قولہ **والمراد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف **لا رجل یضرب ابوہ** میں واقع **یضرب** پر صادق آتی ہے حالانکہ **یضرب** خبر نہیں ہے بلکہ جملہ **یضرب ابوہ** خبر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں بھی دخول سے مراد وہ ورود ہے جسکا بیان خبراً میں ہو چکا ہے لہٰذا **لا رجل یضرب ابوہ** کی ترکیب کے **یضرب** سے اعتراض نہیں ہوگا کہ اسمیں کلمہ لا نے لفظی یا معنوی کوئی اثر نہیں کیا۔ قولہ **وانما عدل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لائے نفی جنس کی مشہور مثال **لا رجل فی الدار** ہے مصنف نے اس مشہور مثال سے عدول کیوں کیا ہے اور **لا غلام رجل** الخ بطور مثال کیوں ذکر کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مشہور مثال میں کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ **فی الدار**، کائن کے متعلق ہو کر رجل کی صفت ہے اور خبر محذوف ہے لیکن **لا غلام رجل ظریف** میں یہ وہم نہیں ہو سکتا کیونکہ **غلام رجل** معرب منصوب ہے جسکی صفت کا مرفوع ہونا جائز نہیں کیونکہ معرب کا تابع لفظ کا تابع ہوتا ہے نہ کہ محل کا جیسا کہ ظاہر ہے

فیہا ای فی الدار خبر بعد خبر لاظرف ظریف ولا حالٌ لان الظرافۃ لایتقید بالظرف ونحوہ وانما اتی بہ لئلا یلزم الکذبُ بنفی ظرافۃ کلِ غلام رجلٍ ولیکون مثالا للنوعی خبرہا الظرفِ وغیرِہ ویحذف خبر لاھذہ حذفا کثیراً اذا کان الخبر عاما کالموجود والحاصلِ لدلالۃ النفی علیہ نحو لاالٰہ الااللہ ای لا الٰہ موجود الا اللہ وبنو تمیم لایُثبتونہ ای لایُظھرون الخبر فی اللفظ لان الحذف عندھم واجب اوّ المراد انّھم لایثبتونہ اصلا لالفظا ولاتقدیراً فیقولون معنی قولِھم لا اھلَ ولامالَ انتفی الاھلُ والمالُ فلایحتاج الی تقدیر خبر

(فیہا) یعنی فی الدار یہ لا کی خبر بعد الخبر ہے ظریف کی ظرف نہیں اور نہ حال ہے کیونکہ ظرافت ظرف اور اس جیسی چیز سے مقید نہیں ہوتی اور مصنف فیہا کو مثال میں اس لئے لائے کہ ہر مرد کے غلام کی ظرافت کی نفی سے کذب لازم نہ آئے اور اس لئے تا کہ یہ لا کی خبر کی دونوں قسموں ظرف اور غیر ظرف کی مثال ہوجائے (اور حذف کی جاتی ہے) اس لا کی خبر (بہت) جبکہ خبر فعل عام ہو جیسے موجود اور حاصل کیونکہ اسپر نفی دلالت کرتی ہے جیسے لاالٰہ الا اللہ یعنی لا الٰہ موجو الا اللہ (اور بنو تمیم اسکو ثابت نہیں کرتے) یعنی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے اس لئے کہ انکے نزدیک خبر کا حذف واجب ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ لا کی خبر کو ثابت ہی نہیں کرتے نہ لفظا اور نہ تقدیرا پس وہ کہتے ہیں کہ عرب کے قول لا اہل ولامال کا معنی ہے انتفی الاہل والمال پس خبر کو مقدر کرنے کی ضرورت نہیں

قولہ **ای فی الدار** :۔ اس تفسیر میں شارح نے **فیہا** کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے جو کہ **دار** ہے نیز یہ بتایا کہ **فیہا** خبر ثانی ہے اور ظریف صفت مشبہ کیلئے یہ ظرف اور اس سے حال نہیں ہے کیونکہ ظرافت کسی ظرف اور مکان وغیرہ سے مقید نہیں ہوتی بلکہ ظریف جہاں بھی ہو ظریف ہوتا ہے۔ قولہ **وانما اتی بہ** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مثال ممثل لہ کی توضیح کیلئے ہوتی ہے جو ایک ہی کافی ہوتی ہے مصنف نے لائے نفی جنس کی ایک خبر **ظریف** کے بعد دوسری خبر **فیہا** کو کیوں ذکر کیا ہے شارح نے جواب دیا کہ اگر وہ صرف **لا غلام رجل ظریف** لکھتے تو یہ معنی ہوتا کہ کسی مرد کا کوئی غلام ظریف نہیں ہے اور اس میں کذب کا شائبہ ہے جس سے بچنے کیلئے **فیہا** کہا نیز اسمیں یہ خوبی بھی ہے کہ لائے نفی جنس کی دونوں خبروں (ظرف وغیر ظرف) کی مثال آگئی ہے ﴿فائدہ﴾ شارح کے قول **الظرف** پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں اول۔ نصب بتقدیر اعنی۔ دوم۔ رفع بتقدیر مبتدا (ہما) سوم۔ جر بنا بر بدل از ماقبل۔ قولہ **ویحذف خبر لا ھذہ** :۔ اور لائے نفی جنس کی خبر کا حذف کثیر ہے جبکہ خبر افعال عامہ میں سے کوئی ہو جیسے موجود اور حاصل۔ کیونکہ خود لائے نفی جنس حذف خبر پر قرینہ ہے جیسے لا الٰہ الا اللہ ای لا الٰہ موجود الا اللہ۔ قولہ **وبنو تمیم لایثبتونہ** :۔ ماتن کی اس عبارت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ اول: یہ کہ بنو تمیم لائے نفی جنس کی خبر کو لفظوں میں ظاہر نہیں کرتے یعنی خبر کا حذف واجب مانتے ہیں۔ دوم: یہ کہ وہ اس خبر کو بالکل ثابت نہیں کرتے نہ لفظا اور نہ تقدیرا یعنی وہ لائے نفی جنس کیلئے خبر مانتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ لا اہل اور لا مال کا معنی ہے **انتفی الاھل والمال** یعنی کلمہ **لا** اصل میں اسم فعل بمعنی انتفی ہے اور مابعد اس کا فاعل ہے۔

قولہ **ای فی الدار** :۔ شارح علیہ الرحمۃ نے اس تفسیر میں فیہا کی ضمیر مجرور کا مرجع بتایا ہے حالانکہ دار مذکور نہیں ہے جبکہ ضمیر غائب کے مرجع کا مذکور ہونا ضروری ہے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ لا غلام رجل ظریف فیہا جواب ہے اس سوال کا کہ ہل فی الدار غلام رجل ظریف تو سوال میں مذکور لفظ دار مرجع ہے اور مرجع کیلئے اس قدر مذکور ہونا کافی ہے

وعلی التقدیرین یحملون ما یُری خبرا فی مثل لارجلَ قائم علی الصفة دون الخبر اسم ماولا المشبھتین بلیس فی معنی النفی والدخولِ علی المبتدأوالخبرولھذاتعملان عملہ ھوالمسند الیہ ھذا شامل للمبتدأولکل مسندالیہ بعددخولھماخرج بہ غیراسم ماولاوبماعرفتَ من معنی الدخول لایردمثل ابوہ فی مازید ابوہ قائم مثل مازید قائماولارجلَ افضلَ منک وانما اتی بالنکرةبعدلالان لالاتعمل الافی النکرةبخلاف مافانھاتعمل فی النکرةوالمعرفةھذہ لغة اھل الحجازواما بنوتمیم فلایثبتون لھماالعمل ویقولون الاسمُ والخبرُبعددخولھما مرفوعان بالابتداء کماکاناقبل دخولھماوعلی لغة اھل الحجازوَرَدَ القرآنُ نحوماھذا بشرا

اور دونوں تقدیروں پر اس اسم کو جو لا رجل قائم جیسی ترکیب میں خبر دیکھا جاتا ہے بنوتمیم صفت پر حمل کرتے ہیں خبر پر نہیں (اس ما اور لا کا اسم جو مشابہ ہیں لیس کے) نفی کے معنی اور مبتدا و خبر پر داخل ہونے میں اور اسی وجہ سے وہ لیس کا عمل کرتے ہیں (وہ مسند الیہ ہے) یہ شامل ہے مبتدا کو اور ہر مسند الیہ کو (ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد) اس قید کے ساتھ ما ولا کے اسم کا غیر خارج ہوگیا اور اس وجہ سے جو آپ نے دخول کا معنی پہچانا مازید ابوہ قائم میں ابوہ کی مثل سے اعتراض وارد نہ ہوگا (جیسے مازید قائما ولا رجل افضل منک) اور مصنف لا کے بعد نکرہ لائے کیونکہ لا صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے بخلاف ما کے کہ وہ نکرہ اور معرفہ دونوں میں عمل کرتا ہے یہ لغت اہل حجاز کی ہے لیکن بنوتمیم تو وہ ان دونوں کے لئے عمل ثابت ہی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اسم اور خبر ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہیں جسطرح کہ ان کے دخول سے پہلے تھے اور لغت اہل حجاز پر قرآن وارد ہوا ہے جیسے ماھذا بشرا

قولہ **وعلی التقدیرین**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ بنوتمیم اگر خبر ظاہر نہیں کرتے یا اسکا وجود نہیں مانتے تو جن تراکیب میں خبر مذکور ہے اسکو کیا مانتے ہیں۔شارح نے جواب دیا کہ وہ ''لا رجل قائم'' کی ترکیب میں قائم کو رجل کی صفت مانتے ہیں۔قولہ **اسم ماولا**:۔یعنی مرفوعات میں سے ما ولا مشابہ بلیس کا اسم ہے اور یہ ما ولا نفی میں اور مبتدا و خبر پر داخل ہونے میں لیس کے مشابہ ہیں اور اس مشابہت کی وجہ سے لیس کا عمل کرتے ہیں۔قولہ **ھوالمسند الیہ**:۔شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کا قول **المسند الیہ** شامل ہے مبتدا اور ہر مسند الیہ کو اور اسکے قول **بعد دخولھما** سے اسم ما ولا کے علاوہ تمام مسند الیہ خارج ہوگئے۔قولہ **وبما عرفت**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ تعریف درست نہیں کیونکہ مازید ابوہ قائم کے ابوہ پر صادق آتی ہے اس لئے کہ وہ بھی مسند الیہ ہے حالانکہ وہ **ما** کا اسم نہیں بلکہ یہ جملہ ما کی خبر ہے شارح نے جواب دیا کہ یہاں دخول سے مراد وہی معنی ہے جو ان کی بحث میں گذرا ہے یعنی دخول سے ما ولا کا ورود مراد ہے جس سے وہ لفظی یا معنوی تبدیلی پیدا کردیں اور مثال مذکور میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ ابوہ مرفوع ہے ابتداء کیوجہ سے۔قولہ **وانما اتی**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **ما** کی طرح اسم **لا** کی مثال میں مصنف نے معرفہ کیوں نہیں لکھا۔شارح نے جواب دیا ہے کہ **لا** کے بعد نکرہ اس لئے لائے ہیں کہ **لا** صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے بخلاف **ما** کے کہ وہ نکرہ و معرفہ دونوں میں عمل کرتا ہے۔قولہ **ھذا لغة**:۔اور یہ **ما ولا** کا عمل کرنا اہل حجاز کی

وهو ای عمل لیس فی لا دون ما شاذ قلیل لنقصان مشابهة لا بلیس لان لیس لنفی الحال ولا لیس کذلک فانه للنفی مطلقا بخلاف ما فانه ایضا لنفی الحال فیقتصر عمل لا علی مورد السماع نحو قوله شعر مَنْ صَدَّعن نِیرَانِها ☆ فانا ابنُ قیس لا براح ☆ ای لا براح لی ولا یجوز ان تکون لنفی الجنس لانها اذا کانت لنفی الجنس لا یجوز فیما بعدها الرفعُ مالم یتکرر ولا تکرار فی البیت اعلم ان المراد بالمسند والمسند الیه فی هذه التعریفات ما یکون مسندا او مسندا الیه بالاصالة لا بالتبعیة بقرینة ذکر التوابع فیما بعد فلا ینتقض بالتوابع

(اور وہ) یعنی لیس کا عمل (لا میں) نہ ما میں (شاذ ہے) قلیل ہے کیونکہ لا کی لیس کے ساتھ مشابہت ناقص ہے اس لئے کہ لیس حال کی نفی کیلئے ہے اور لا اس کی طرح نہیں ہے کیونکہ وہ مطلقا نفی کے لئے ہے بخلاف ما کے کہ وہ بھی حال کی نفی کے لئے آتا ہے۔ پس لا کا عمل مورد سماع پر مقصور رہے گا جیسے شاعر کا قول من صدا لخ یعنی لا براح لی، اور یہ جائز نہیں کہ شعر میں لا نفی جنس کے لئے ہو اس لئے کہ جب یہ نفی جنس کے لئے ہوگا تو اس کے مابعد میں رفع جائز نہیں ہوگا بغیر تکرار کے اور شعر میں تکرار نہیں ہے. جان لو کہ ان تعریفات میں مسند اور مسند الیہ سے مراد وہ مسند اور مسند الیہ ہے جو بالا صالت ہو نہ بالتبع اس قرینہ سے کہ مابعد میں تو ابع کا ذکر آرہا ہے لہذا یہ تعریف تو ابع سے نہیں ٹوٹے گی

لغت ہے رہے بنو تمیم تو وہ ما و لا کیلئے عمل کو ثابت نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اسم اور خبر **ما** اور لا کے داخل ہونے کے بعد ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہوتے ہیں جس طرح کہ ان کے داخل ہونے سے پہلے ابتدا کی وجہ سے مرفوع تھے اور اہل حجاز ہی کی لغت پر قرآن وارد ہوا ہے جیسے ما ہذا بشرا قولہ **ای عمل لیس** :۔اور وہ عمل بمشابہت لیس صرف لا میں شاذ ہے یعنی قلیل ہے اس لئے کہ لا کی مشابہت لیس کے ساتھ قلیل ہے کیونکہ لیس نفی حال کیلئے آتا ہے اور لا مطلق نفی کیلئے خواہ زمانہ حال میں ہو یا استقبال میں بخلاف ما کے کہ وہ لیس کی مثل نفی حال کیلئے آتا ہے پس جب لا کی مشابہت ناقص ہوئی تو لا کا عمل بھی ناقص اور قلیل ہو گیا۔ قولہ **فیقتصر** :۔ یعنی جب لا کی مشابہت لیس کے ساتھ ناقص و قلیل ہے تو اس کا عمل مورد سماع پر موقوف رہے گا یعنی اپنی طرف سے کوئی مثال وضع کی جائیگی تو اسمیں کلمہ **ما** استعمال ہوگا نہ کہ لا کیونکہ لا کے عمل کا مورد سماع صرف نکرہ ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے من صد عن الخ اس شعر میں لا مشابہ بلیس اور براح (نکرہ) اس کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے شارح نے **لا ای براح لی** سے اس خبر کی طرف اشارہ کیا ہے ﴿ترجمہ شعر﴾ جس شخص کا دل چاہے آتش حرب سے اعراض کرے پس میں قیس کا بیٹا ہوں لڑائی سے گریز نہیں کرونگا ۔قولہ **ولا یجوز** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **لا براح** میں لا نفی جنس کا کیوں نہیں مان لیا جاتا. شارح نے جواب دیا کہ یہ لا نفی جنس کا نہیں بن سکتا اس لئے کہ لائے نفی جنس کے مابعد کو رفع تکرار لا کے بغیر نہیں دیا جا سکتا اور شعر میں تکرار لا نہیں لہذا یہ لا نفی جنس کا نہیں بن سکتا ۔قولہ **اعلم ان المراد** :۔ یعنی مذکورہ تعریفات میں مسند اور مسند الیہ سے مراد وہ ہیں جو بالا صالت مسند اور مسند الیہ ہیں نہ کہ بالتبع جسکی طرف

قولہ **ای عمل لیس** :۔شارح نے اس تفسیر میں ہو ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے یعنی ضمیر کا مرجع عمل لیس ہے جو مثال سے مفہوم ہو رہا ہے یا مصنف کے قول **المشبہتین** سے مستفاد ہے کیونکہ ما و لا کی تشبیہ لیس کے ساتھ اس امر کو لازم کرتی ہے کہ ان کا عمل لیس کے مانند ہو پس عمل ان میں علاقہ تشبیہ ہوا یا مصنف کے قول **اسم ما و لا** میں اسم کی اضافت سے عمل مستفاد ہے جو مرجع ہے (جمال) قولہ **لنقصان** :۔اور اس مشابہت کی کمی کے سبب لا کے عمل میں بھی کمی آگئی اور اسکا عمل مورد سماع پر موقوف رہا۔

ولما فرغ من المرفوعات شرع في المنصوبات وقدمها على المجرورات لكثرتها ولخفة النصب فقال (المنصوبات) هو ما اشتمل على علم المفعولية قد تبين شرحه بما ذكر في المرفوعات والمراد بعلم المفعولية علامة كون الاسم مفعولا حقيقة او حكماً وهي اربع الفتحة والكسرة والالف والياء نحو رأيت زيداً ومسلمات واباک ومسلمَين ومسلمِين فمنه اي من المنصوب اوما اشتمل على علم المفعولية المفعول المطلق

اور جب مصنف مرفوعات سے فارغ ہوئے تو منصوبات میں شروع ہوئے اور منصوبات کو مجرورات پر انکی کثرت اور نصب کی خفت کی وجہ سے مقدم کیا پس کہا (المنصوبات) (منصوب وہ ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو) اس کی شرح اس بیان سے واضح ہو چکی جو مرفوعات میں مذکور ہوا اور علم مفعولیت سے مراد اسم کے حقیقۃً یا حکماً مفعول ہونے کی علامت ہے اور وہ علامتیں چار ہیں فتح اور کسرہ اور الف اور یاء جیسے رأیت زیداً اور مسلماتٍ اور اباک اور مسلمَین اور مسلمِین (پس اُس سے) یعنی منصوب میں سے یا اس میں سے جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو (مفعول مطلق ہے)

فاعل کی تعریف میں بھی اشارہ ہو چکا ہے بایں قرینہ کہ توابع کا ذکر بعد میں آرہا ہے لہٰذا یہ تعریفات توابع سے نہیں ٹوٹیں گی۔ قولہ **ولما فرغ:**۔ یعنی مصنف مرفوعات کے بیان سے فارغ ہو کر منصوبات کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں اور منصوبات کو ان کی کثرت کے پیش نظر مجرورات پر مقدم کر کے کہا المنصوبات قولہ **المنصوبات هو ما اشتمل**:۔ اس عبارت کی مکمل تشریح **المرفوعات** کے تحت گذر چکی ہے اسی کے مطابق یہاں **هو** ضمیر کا مرجع منصوب ہوگا اور اشتمال اور علم کے معنی بھی وہی ہونگے جو **المرفوعات** کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ قولہ **والمراد**:۔ یعنی مفعولیت کی علامت سے مراد اسم کے مفعول ہونے کی علامت ہے جو حقیقت کے اعتبار سے مفعول ہو جیسے مفاعیل خمسہ یا حکم کے اعتبار سے جیسے مفعول کے ملحقات یعنی حال وغیرہ اور علامت مفعولیت چار ہیں۔ اول۔ فتحہ جیسے رأیت زیداً میں۔ دوم۔ کسرہ جیسے رأیت مسلمات میں۔ سوم۔ الف جیسے رأیت اباک میں۔ چہارم۔ یاء جیسے رأیت مسلمَین و مسلمِین میں۔ قولہ **ای من المنصوب**:۔ اس عبارت میں شارح علیہ الرحمۃ نے **فمنه** کی ضمیر مجرور کا مرجع بیان کیا ہے جسمیں دو احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ مرجع منصوب ہو ای فبعض المنصوبات المفعول المطلق۔ دوم۔ یہ کہ مرجع ما اشتمل ہو۔ اول کی تقدیم اس بنا پر ہے کہ بحث منصوبات کی ہے اور بلحاظ قرب **ما اشتمل** مرجع ہے جس سے مراد منصوب ہی ہے۔

قولہ **المنصوبات**:۔ مصنف نے درج ذیل وجوہ کی بنا پر منصوبات کو مجرورات پر مقدم کیا ہے۔ اول۔ لخفۃ النصب اور خفیف کی جانب طبع کا میلان ہوتا ہے جو خفیف کی تقدیم کا باعث بنتا ہے۔ ☆سوال☆ خفت تو نصب کے افراد میں ہے نہ کہ اس کی بحث میں لہٰذا خفت کو تقدیم بحث کی وجہ بنانا درست نہیں ☆جواب☆ نصب کے افراد کی خفت اس بات کی متقاضی ہے کہ نصب کے افراد کو جر کے افراد پر مقدم کیا جائے جسکی وجہ سے نصب کی بحث کو بھی مقدم کر دیا گیا۔ دوم۔ لکثرۃ المنصوبات والکثرۃ ملحقا کثر۔ سوم۔ لعدۃ اتصالہا بالمرفوعات کہ انکے اکثر فاعل کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ چہارم۔ چونکہ مصنف کے قول **وانواعه رفع ونصب وجر** میں نصب، جر پر مقدم ہے تو اس ترتیب کی رعایت میں منصوبات کی بحث کو بھی مقدم کیا ہے (عبد مجرم) ☆سوال☆ منصوب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ مررت بمسلمات کے مسلمات پر صادق ہے کہ وہ بھی علامت مفعولیت یعنی کسرہ پر مشتمل ہے مگر کوئی بھی اسکو مفعول سے تعبیر نہیں کرتا۔ ☆جواب☆ منصوب کی تعریف میں حیثیت کی قید معتبر ہے یعنی منصوب وہ ہے کہ جس میں علامت مفعولیت مفعول ہونے کی حیثیت سے پائی جائے اور مثال مذکور میں مسلمات کا کسرہ مفعول ہونے کی حیثیت سے نہیں لہٰذا تعریف مانع ہے (عبد)

سمی به لصحة اطلاق صيغة المفعول عليه من غير تقييده بالباء او في او مع او اللام بخلاف المفاعيل الاربعة الباقية فانه لايصح اطلاق صيغة المفعول عليها الابعدتقييدها بواحدة منها فيقال المفعول به اوفيه اومعه اوله وهواى المفعول المطلق اسم مافعله فاعل فعل والمراد بفعل الفاعل اياه قيامه به بحيث يصح اسناده اليه لا ان يكون مؤثرًا فيه موجدًا اياه فلايرد عليه مثل مات موتا وجسم جسامةً وشرف شرفا و انما زيدلفظ الاسم لان مافعله الفاعل هوالمعنى والمفعول المطلق من اقسام اللفظ

مفعول مطلق کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس پر بہ یا فی یا مع یا لام کی قید کے بغیر صیغہ مفعول کا اطلاق صحیح ہے بخلاف مفاعیل اربعہ باقیہ کے کہ ان پر کسی ایک قید سے مقید کئے بغیر صیغہ مفعول کا اطلاق صحیح نہیں لہٰذا کہا جائیگا المفعول بہ یا المفعول فیہ یا المفعول معہ یا المفعول لہ (اور وہ) یعنی مفعول مطلق (اس کا نام ہے جس کو کیا ہو فعل کے فاعل نے) اور فاعل کے فعل کو کرنے سے مراد فاعل کے ساتھ فعل کا اس طرح قیام ہے کہ فعل کی اسناد فاعل کیطرف صحیح ہو یہ مراد نہیں کہ فاعل اس فعل میں مؤثر اور اسکو وجود میں لانے والا ہو لہٰذا اس پر مات موتا اور جسم جسامۃ اور شرف شرفا کی مثل کا اعتراض وارد نہ ہوگا اور مفعول مطلق کی تعریف میں لفظ اسم اس لئے زائد کیا گیا کہ جس کو فاعل نے کیا ہے وہ معنی ہے اور مفعول مطلق لفظ کے اقسام سے ہے

قولہ **سمی بہ**:۔ یعنی اس مفعول کا نام مفعول مطلق اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس پر لفظ مفعول کا اطلاق اسکو بہ وغیرہ کی قید سے مقید کئے بغیر صحیح ہے بخلاف مفاعیل اربعہ باقیہ کے کہ ان پر صیغہ مفعول کا اطلاق **بہ یا فیہ یا معہ یا لہ** کی قید کے بغیر صحیح نہیں لہٰذا کہا جائے گا المفعول بہ یا المفعول فیہ یا المفعول معہ یا المفعول لہ اسی لئے مصنف نے مفعول مطلق کے بیان کو باقی مفاعیل کے بیان پر مقدم کیا ہے کہ مطلق مقید پر مقدم ہوتا ہے۔ قولہ **وھو اسم ما**:۔ اور مفعول مطلق اس کا نام ہے جسے فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور وہ فعل مذکور کے ہم معنی ہو۔ شارح نے اپنے قول **والمراد بفعل الفاعل** سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی مذکورہ تعریف **مات زید موتا** اور **جسم جسامة** اور **شرف شرفا** کی مثل کے مفعول مطلق پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ موت، جسامت اور شرف میں سے کوئی بھی فعل مذکور کے فاعل یعنی زید کا فعل اور اسکا کیا ہوا نہیں بلکہ ہر ایک میں مؤثر اللہ تعالی ہے حالانکہ یہ تینوں مفعول مطلق ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مفعول مطلق کو فعل کے فاعل کے کرنے سے مراد یہ ہے کہ فعل فاعل کے ساتھ اسطرح قائم ہو کہ فعل کی اسناد فاعل کی طرف صحیح ہو یہ مراد نہیں کہ فاعل اس فعل میں مؤثر ہو اور اسکا موجد ہو اور ظاہر ہے کہ موت وغیرہ کی اسناد زید کی طرف صحیح ہے کہ مرنے والا، جسیم اور شریف زید ہی ہے۔ قولہ **وانما زید**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے مفعول مطلق کی تعریف میں لفظ اسم کیوں بڑھایا ہے یعنی **اسم مافعله الخ** کیوں کہا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اگر مصنف یہ لفظ نہ بڑھاتے تو مفعول مطلق کی تعریف معنی پر صادق آتی کیونکہ جسکو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے وہ معنی ہے جبکہ مفعول مطلق از قبیل اقسام لفظ ہے کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں معنی سے بحث نہیں کرتے اس لئے مصنف نے کہا کہ مفعول مطلق اس معنی کا نام ہے جسکو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو لہٰذا لفظ اسم کو ذکر کرنا بلاوجہ نہیں۔

ویدخل فیه المصادر کلها مذکور صفة للفعل وهو اعم من ان یکون مذکورا حقیقةً کما اذا کان مذکوراً بعینه نحو ضربته ضربًا او حکمًا کما اذا کان مقدرا نحو فضرب الرقاب او اسما فیه معنی الفعل نحو ضارب ضربًا وخرج به المصادر التی لم یذکر فعلها لاحقیقة ولا حکمًا نحو الضرب واقع علی زید بمعناه صفة ثانیة للفعل ولیس المراد به ان الفعل کائن بمعنی ذالک الاسم فان معنی الاسم جزء معناه بل المراد ان معنی الفعل مشتمل علیه اشتمال الکل علی الجزء فخرج به مثل تادیبا فی قولک ضربته تادیبا فانه وان کان مما فعله فاعل فعل مذکور لکنه لیس مما یشتمل علیه معنی الفعل

اور مصنف کے اس قول میں تمام مصادر داخل ہو جاتے ہیں (جو مذکور ہو) یہ فعل کی صفت ہے اور وہ فعل اس سے عام ہے کہ حقیقۃً مذکور ہو جیسا کہ جب بعینہٖ مذکور ہو جیسے ضربت ضربا یا حکماً مذکور ہو جیسا کہ جب مقدر ہو جیسے فضرب الرقاب یا ایسا اسم ہو جس میں فعل کا معنی ہو ضاربٌ ضربا اور مذکور کی قید کے ساتھ وہ مصادر خارج ہو گئے جن کے فعل حقیقۃً یا حکماً مذکور نہ ہوں جیسے الضرب واقع علی زید (جو اسکے معنی میں ہو) یہ فعل کی دوسری صفت ہے اور بمعناہ سے یہ مراد نہیں کہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو کیونکہ اسم کا معنی تو فعل کے معنی کا جز ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ فعل کا معنی اسم کے معنی پر مشتمل ہو جس طرح کہ کل جز پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا اس قید سے تادیبا جیسے مصادر خارج ہو گئے جو تیرے قول "ضربتہ تادیبا" میں ہے کیونکہ تادیبا اگرچہ مافعلہ فاعل فعلٍ مذکورٍ کے قبیل سے ہے لیکن وہ اس قبیل سے نہیں جس پر فعل کا معنی مشتمل ہوتا ہے

قولہ **ویدخل**:۔ یعنی مصنف نے مفعول مطلق کی تعریف میں جو اسم **مافعله فاعل فعل** کہا یہ بمنزلہ جنس کے ہے اور اسمیں تمام مصادر داخل ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ہر مصدر اپنے فاعل کا فعل ہے اور مصنف کے قول **مذکور** سے جو کہ فعل کی صفت اول ہے وہ تمام مصادر خارج ہو گئے جنکا فعل مذکور نہیں ہوتا جیسے **الضرب واقع علی زید** کا مصدر کہ اس سے پہلے فعل مذکور نہیں ہے۔ قولہ **وهو اعم**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں ہے اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ **فضرب الرقاب** کے مفعول پر صادق نہیں کہ اس کا فعل مذکور نہیں ہے حالانکہ یہ مفعول مطلق ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مذکور میں تعمیم ہے کہ حقیقۃً مذکور ہو جیسا کہ **ضربته ضربا** میں بعینہٖ مذکور ہے یا حکماً مذکور ہو یعنی عبارت میں مقدر ہو جیسے **فضرب الرقاب** میں ای **فاضربوا ضرب الرقاب** ۔ قولہ **او اسما**۔ یا اسم ہو جس میں فعل کا معنی ہو۔ یہ مقدرا پر معطوف ہے اور ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف ضاربٌ ضربا کے مفعول مطلق پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ **ضربا** سے پہلے کوئی فعل نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ فعل میں تعمیم ہے کہ حقیقۃً فعل ہو یا اسم جسمیں فعل کا معنی ہو جیسے ضاربٌ ضربا۔ قولہ **ولیس المراد**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فعل مذکور کا بمعنی مفعول مطلق ہونا محال ہے اس لئے کہ فعل کل ہے کہ زمانہ فعل کے معنی کا جز ہے اور مفعول مطلق جز ہے کہ اسکا معنی زمانہ سے خالی ہے اور کل و جز میں مغایرت ہوتی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ فعل مذکور کے بمعنی مفعول مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل کا معنی مفعول مطلق پر اسطرح مشتمل ہو جیسے کل جز پر مشتمل ہوتا

و کذٰلک خرج به مثل کراھتی فی نحو کرھت کراھتی فان للکراھۃاعتبارین احدھما کونھا بحیث قامت بفاعل الفعل المذکورو اشتق منھافعل اسنادالیه و لاشک ان معنی الفعل مشتمل علیھاحینئذوثانیھما کونھابحیث وقع علیھافعل الکراھۃفاذاذکرت بعدالفعل بالاعتبارالاول کمافی قولک کرھت کراھۃً فھومفعول مطلق و اذاذکرت بعده بالاعتبار الثانی کما فی قولک کرھت کراھتی فھو مفعول به لامفعول مطلق اذلیس ذٰلک الفعل مشتملا علیه بھذاالاعتباربل ھوواقع علیه وقوع الفعل علی المفعول به فخرج بھذاالاعتبار عن الحدوانطبق الحد علی المحدود جامعا ومانعًا

اوراسی طرح اس قید سے کراھتی کا مثل خارج ہوگیا جو کراھۃ کراھتی کی مثل میں ہے پس کراھۃ کیلئے دواعتبار ہیں ان میں سے ایک تو کرھت کا اس طرح ہونا ہے کہ وہ فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہوئی اور اس کراھت سے فعل مشتق کیا گیا جو فاعل کی طرف مسند کیا گیا اور شک نہیں کہ فعل کا معنی اس وقت اس پر مشتمل ہے دوسرا کراھت کا اس طرح ہونا کہ اس پر کراھت کا فعل واقع ہوا پس جب پہلے اعتبار سے فعل کے بعد کراھت کا ذکر کیا جائے جس طرح کہ تمہارے قول ”کرھت کراھۃ“ میں ہے تو وہ کراھۃ مفعول مطلق ہے اور جب کراھۃ کا ذکر فعل کے بعد دوسرے اعتبار سے کیا جائے جس طرح کہ تمہارے قول ”کرھت کراھتی“ میں ہے تو وہ مفعول بہ ہے مفعول مطلق نہیں ہے اس لئے کہ اس اعتبار سے فعل کرھت اس پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس پر واقع ہے جیسا کہ فعل مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے وہ مفعول مطلق کی تعریف سے خارج ہوگیا اور حد اپنے محدود پر جامع اور مانع ہو کر منطبق ہوگئی

ہے لہٰذا **بمعناہ** کی قید سے مفعول مطلق کی تعریف سے **ضربتہ تادیبا** کا مفعول خارج ہوا کیونکہ اسپر فعل مذکور مشتمل نہیں اگرچہ تادیب کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے۔ قولہ **و کذٰلک خرج**:۔ یعنی **بمعناہ** کی قید کے ساتھ **تادیبا** کی طرح **کراھتی** کا مثل بھی خارج ہوگیا جو کہ **کرھت کراھتی** میں واقع ہے یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف مانع نہیں اس لئے کہ **کرھت کراھتی** کے مفعول بہ پر صادق آتی ہے کیونکہ **کراھتی** فعل مذکور کے فاعل کا فعل ہے اور فعل مذکور کا معنی اسپر مشتمل بھی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ **بمعناہ** کی قید سے **کراھتی** کا مثل بھی مفعول مطلق کی تعریف سے خارج ہوگیا کیونکہ **کراھۃ** کے دو اعتبار ہیں ایک تو **کراھۃ** کا اس طرح ہونا کہ وہ فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہو اور اس سے فعل مشتق کیا گیا ہو جو فاعل کی طرف منسوب کیا گیا ہو اس اعتبار سے بلاشبہ فعل کا معنی **کراھۃ** پر مشتمل ہے۔ دوسرا **کراھۃ** کا اس طرح ہونا کہ اسپر **کراھۃ** کا فعل واقع ہوا پس جب اعتبار اول سے فعل کے بعد کراھۃ کا ذکر کیا جائیگا جیسا کہ تمہارے قول **کرھت کراھۃ** میں ہے تو کراھۃ مفعول مطلق ہوگا اور جب **کراھۃ** کو فعل کے بعد دوسرے اعتبار سے ذکر کیا جائیگا جیسا کہ تمہارے قول **کرھت کراھتی** میں ہے تو وہ مفعول بہ ہوگا مفعول مطلق نہیں ہوگا کیونکہ اس اعتبار سے کہ معنی فعل اسپر مشتمل نہیں ہے بلکہ اسپر واقع ہے جیسا کہ فعل مفعول بہ پر واقع ہوتا ہے پس اس اعتبار سے **کرھت کراھتی** میں واقع کراھتی مفعول مطلق کی تعریف سے خارج

وقد یکون المفعول المطلق للتاکید ان لم یکن فی مفهومہ زیادۃ علی مایفھم من الفعل و النوع ان دل علی بعض انواعہ والعدد ان دل علی عددہ مثل جلست جلوسًا للتاکید و جلسۃ بکسر الجیم للنوع وجلسۃ بفتحھا للعدد فالاول ای الذی للتاکید لا یثنی ولا یجمع لانہ دالٌ علی الماھیۃ المعراۃ عن الدلالۃ علی العدد والتثنیۃ والجمع یستلزمان العدد فلا یقال جلست جلوسین او جلوسات الا اذا قصد بہ النوع او العدد بخلاف اَخَوَیہ اللَّذین ھما للنوع و العدد نحو جلست جَلستین وجَلسات بکسر الجیم او فتحھا

(اور کبھی ہوتا ہے) مفعول مطلق (تاکید کیلئے) اگر اس کے مفہوم میں اس پر زیادتی نہ ہو جو فعل سے سمجھا جارہا ہے (اور نوع کیلئے) اگر مفعول مطلق فعل کے بعض انواع پر دلالت کرے (اور عدد کیلئے) اگر فعل کے عدد پر دلالت کرے (جیسے جلست جلوسا) تاکید کیلئے (اور جلسۃ) بکسر جیم نوع کیلئے (اور جَلسۃ) بفتح جیم عدد کیلئے (پس اول) یعنی وہ جو تاکید کیلئے ہے (تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا) کیونکہ وہ ایسی ماہیت پر دلالت کرتا ہے جو کہ تعدد پر دلالت کرنے سے خالی ہے اور تثنیہ وجمع تعدد کو مستلزم ہے پس جلست جلوسین یا جلست جلوسات نہیں کہا جاسکتا مگر جب کہ مفعول مطلق کے ساتھ نوع یا عدد کا قصد کیا جائے بخلاف تاکید کے دونوں بھائیوں کے جو وہ دونوں برائے نوع وعدد ہیں جیسے جلست جلستین وجلسات جیم کے کسرہ

ہو گیا اور تعریف اپنے معرف پر جامع ومانع ہو کر منطبق ہو گئی قولہ **وقد یکون للتاکید**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ مفعول مطلق کی تعریف کرنے کے بعد اسکے اقسام بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کبھی مفعول مطلق تاکید کیلئے ہوتا ہے اگر اسکے مفہوم میں اس مفہوم پر کوئی زیادتی نہ ہو جو فعل سے سمجھا جارہا ہے بلکہ دونوں متحد المفہوم ہوں جیسے جلست جلوسا، اور مفعول مطلق نوع کیلئے ہوتا ہے اگر فعل کے بعض انواع واقسام پر دلالت کرے جیسے جلست جِلسۃ اور مفعول مطلق عدد کیلئے ہوتا ہے اگر وہ فعل کے عدد پر دلالت کرے جیسے جلست جَلسۃ جیم کے فتحہ کے ساتھ قولہ **فالاول لایثنی ولا یجمع**:۔ پس قسم اول یعنی مفعول مطلق برائے تاکید تثنیہ وجمع نہیں لایا جاتا بلکہ حالت افراد پر ہی رہتا ہے کیونکہ وہ اسکی ماہیت پر دلالت کرتا ہے جو تعدد پر دلالت کرنے سے عاری اور خالی ہوتی ہے کہ ماہیت من حیث الماہیت شیئ واحد ہے اور تثنیہ وجمع تعدد کو مستلزم ہیں لہٰذا **جلست جلوسین یا جلست جلوسات** نہیں کہا جاسکتا قولہ **الا اذا قصد بہ**:۔ یہ **فلا یقال** سے استثناء ہے یعنی جب مفعول مطلق تاکیدی سے نوع یا عدد کا قصد کیا جائے گا تو وہ تثنیہ یا جمع آئے گا یعنی نوع واحد یا عدد واحد مراد ہونے کے وقت مفعول مطلق واحد آئے گا اور دو نوع یا دو عدد مراد ہونے کے وقت تثنیہ آئے گا اور جمع مراد ہونے کے وقت جمع آئے گا کیونکہ مفرد تثنیہ یا مجموع پر دلالت نہیں کرتا نیز اس صورت میں وہ دال علی الماہیت نہیں رہے گا اس لئے تثنیہ یا جمع آئے گا قولہ **بخلاف اخویہ**:۔ مفعول مطلق تاکیدی کے اخوین سے مراد مفعول مطلق نوعی اور عددی ہیں ان میں سے ہر ایک کو تثنیہ یا جمع لانا جائز ہے جیسے **جلست جلستین یا جلست جلسات** بکسر الجیم نوع کیلئے اور بفتح الجیم عدد کیلئے، اور یہ جواز اس وقت ہے جب اثنینیت اور جمعیت مقصود ہو اور مصنف کا قول "بخلاف" کائن کے متعلق ہو کر مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ہٰذا کائن بخلاف اخویہ

قولہ **للتاکید**:۔ مفعول مطلق میں اصل یہی ہے کہ تاکید کیلئے ہو لہٰذا اسکے اخوین کے بیان میں مصنف کو وقد یکون للنوع والعدد کہنا چاہئے تھا اور تاکید فعل سے مراد مصدر کی تاکید ہے کیونکہ ضربت کے معنی ہیں احدثت ضربا جب اسکے بعد ضربا کا ذکر کیا گیا تو گویا کہ متکلم نے کہا احدثت ضربا ضربا.

وقد يكون المفعول المطلق بغير لفظه اى مغايرا للفظ فعله اما بحسب المادة مثل قعدت جلوسا و اما بحسب الباب نحو أنبته الله نباتا و سيبويه يقدر له عاملا من بابه اى قعدت و جلست جلوسا و انبته الله فنبت نباتا و قد يحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق لقيام قرينة جوازا كقولك لمن قدم من سفره خير مقدم اى قدمت قدوما خير مقدم

یا تخ کے ساتھ (اور کبھی ہوتا ہے) مفعول مطلق (فعل کے لفظ کے غیر کے ساتھ) یعنی فعل کے لفظ کے مغایر ہوتا ہے یا باعتبار مادہ کے (جیسے قعدت جلوسا) اور یا باعتبار باب کے جیسے انبتہ اللہ نباتا اور سیبویہ اس مفعول مطلق کا عامل اس کے باب سے مقدر کرتے ہیں ای قعدت وجلست جلوسا اور انبتہ اللہ فنبت نباتا (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل) جو مفعول مطلق کا ناصب ہے (بوقت قیام قرینہ کے جوازا جیسے تمہارا قول "اس شخص کیلئے جو آئے) اپنے سفر سے (خیر مقدم) یعنی قدمت قدوما خیر مقدم

قولہ **وقد یکون**:۔ چونکہ مفعول مطلق میں اصل یہ ہے کہ وہ لفظا اور معنی میں اپنے فعل عامل کے موافق ہو اور صرف معنی میں موافقت خلاف اصل ہے اس لئے مصنف نے اس قسم کو کلمہ **قد** کے ساتھ ذکر کیا جو تقلیل کا افادہ کرتا ہے یعنی کبھی مفعول مطلق اپنے فعل کے لفظ کے مغایر ہوتا ہے اور اسکے ذکر سے مصنف کا مقصد اس وہم کو دور کرنا ہے کہ مفعول مطلق تاکیدی کیلئے ضروری ہے کہ من لفظ الفعل ہو اس لئے کہ یہ از قبیل تاکید لفظی ہے اور تاکید لفظی لفظ کے مکرر کرنے سے حاصل ہوتی ہے. قولہ **اما بحسب المادة**:۔ یہ مغایرت کا بیان ہے یعنی مفعول مطلق اور اس کے فعل کے لفظ میں مغایرت کی دو صورتیں ہیں. اول۔ یہ کہ وہ مغایرت باعتبار مادہ اور حروف اصلیہ کے ہو جیسے **قعدت جلوسا یا جلست قعودا**. دوم۔ یہ کہ وہ مغایرت باعتبار باب کے ہو جیسے **انبته الله نباتا** کہ فعل باب افعال سے ہے اور مصدر باب نصر سے مگر دونوں کا مادہ ایک ہے. قولہ **و سیبویه**:۔ شارح اس عبارت میں نحات کے اختلاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مازنی وغیرہ کے نزدیک **قعدت جلوسا** اور **انبته الله نباتا** میں مفعول مطلق کا ناصب فعل مذکور **قعدت** اور **انبت** ہے اور ابن حاجب کا مختار بھی یہی ہے لیکن سیبویہ ان دونوں مثالوں میں مفعول مطلق کا ناصب اسی باب سے فعل مقدر قرار دیتا ہے **ای قعدت وجلست جلوسا** اور **انبته الله فنبت نباتا**.

قولہ **وقد یحذف**:۔ اور کبھی مفعول مطلق کا فعل ناصب بوقت قیام قرینہ جوازا حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تیرا قول سفر سے آنے والے کیلئے **خیر مقدم** تقدیر عبارت اسطرح ہے **قدمت قدوما خیر مقدم** اس مثال میں لفظ خیر مفعول مطلق ہے جس کا ناصب محذوف ہے یعنی **قدمت**.

قولہ **مغایرا للفظ فعله**:۔ شارح نے لفظ غیر کو بمعنی مغایر کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے. جس کی تقریر یہ ہے کہ لفظ غیر بمعنی بدون ہے جس کے معنی ہو سکتے کہ کبھی مفعول مطلق بدون لفظ فعل کے ہوتا ہے اور یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ مفعول مطلق کی تعریف یہ ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور جسکو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے وہ بدون فعل کے کیسے ہوگا نیز مثال **قعدت جلوسا** مثل لہ کے مطابق نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تو فعل مذکور ہے. شارح نے جواب دیا کہ غیر کی اضافہ برائے تاکید ہے اور لفظ غیر بمعنی مغایر ہے (عبدالرحمن۔ کابلی) قولہ **سیبویه**:۔ مصنف نے یہاں پر سیبویہ کے مسلک کو ترک کر دیا ہے کیونکہ تقدیر خلاف اصل ہے اور اس لئے بھی کہ کچھ مفعول مطلق ایسے ہیں جو فعل سے مماثلت فی اللفظ نہیں رکھتے جیسے حلفت یمینا. (عبدالرحمن) قولہ **قعدت جلوسا**:۔ اگر قعود اور جلوس دونوں کے معنی ایک ہوں تو **قعدت جلوسا** مفعول مطلق من غیر لفظہ کی مثال بنے گی لیکن اگر قعود کے معنی لیٹنے کی حالت سے بیٹھنے کیلئے جائیں اور جلوس کے معنی حالت قیام سے بیٹھنے کیلئے جائیں تو جلوس کو مفعول مطلق بنانا درست نہیں ہوگا کیونکہ فعل اور مصدر میں لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے مغایرت ہے (عقد النامی).

فخیر اسم تفضیل و مصدریته باعتبار الموصوف او المضاف الیه لان اسم التفضیل له حکم ما اضیف الیه و وجوبا ای حذفا واجبا سماعا ای سماعیا موقوفا علی السماع لاقاعدة له یعرف بها نحو سَقیا ای سقاک الله سقیا و رَعیا ای رعاک الله رعیا و خیبة ای خاب خیبة من خاب الرجل خیبة اذا لم یَنَل ما طلب و جدعا ای جُدِعَ جدعا و الجدع قطع الانف و الاذن و الشفة و الید و حمدا ای حمدت حمدا و شکرا ای شکرت شکرا و عجبا ای عجبت عجبا فانه لم یوجد فی کلامهم استعمال الافعال العاملة فی هذه المصادر و هذا معنی وجوب الحذف سماعا

پس خیر اسم تفضیل ہے اور اس کا مصدر ہونا موصوف کے اعتبار سے ہے یا مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ اسم تفضیل کیلئے اس کا حکم ہوتا ہے جس کی طرف وہ مضاف ہو (اور وجوبا) یعنی بطور وجوب (سماعا) یعنی سماعی طور پر جو سماع پر موقوف ہے جس کیلئے کوئی قاعدہ نہیں جس سے وہ حذف جانا جائے (جیسے سقیا) یعنی سقاک اللہ سقیا (اور رعیا) یعنی رعاک اللہ رعیا (اور خیبۃ) یعنی خاب خیبۃ جو خاب الرجل خیبۃ سے ماخوذ ہے یہ کہا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے مطلوب کو نہ پائے (اور جدعا) یعنی جدع جدعا اور جدع ناک اور کان اور ہونٹ اور ہاتھ کے کاٹنے کو کہتے ہیں (اور حمدا) یعنی حمدت حمدا (اور شکرا) یعنی شکرت شکرا (اور عجبا) یعنی عجبت عجبا۔ پس کلام عرب میں ان مصادر میں عمل کرنے والے افعال کا استعمال نہیں پایا گیا اور وجوب حذف سماعا کا یہی معنی ہے

قولہ **فخیر اسم تفضیل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **خیر مقدم** کو مفعول مطلق کی مثال بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ **خیر** اسم تفضیل ہے جبکہ مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ **خیر** اسم تفضیل ہے اور اسکی مصدریت یا تو باعتبار موصوف مقدر کے ہے جو **قدوما** ہے ای قدمت قدوما خیر مقدم اور یا باعتبار مضاف الیہ کے ہے جو کہ مقدم ہے کیونکہ اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور جب لفظ خیر کی مصدریت ثابت ہوگئی تو اسکو مثال بنانا درست ہوا قولہ **ووجوبا**:۔ یہ جوازا پر معطوف ہے اور تقدیر **حذفا** مفعول مطلق ہے اور صحت حمل کیلئے شارح نے **وجوبا** کو بمعنی **واجبا** کر دیا ہے اسی طرح **سماعا** کو بمعنی **سماعیا** کر دیا ہے۔ حذف سماعی وہ ہے جس کے حذف کیلئے کوئی قاعدہ نہ ہو بلکہ چند مخصوص مثالوں میں حذف فعل عرب سے مسموع ہو جیسے **سقیا** اس کا فعل **سقی** ہے **ای سقاک الله سقیا** اور **رعیا** اسکا فعل رعٰی محذوف ہے **ای رعاک الله رعیا** اور **خیبة ای خاب خیبة** یہ **خاب الرجل خیبة** سے ماخوذ ہے اور یہ اسوقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنا مطلوب پانے میں ناکام رہے اور **جدعا ای جدع جدعا** اور جدع کے معنی ہیں ناک، کان، لب اور ہاتھ کاٹ دینا اور **حمدا ای حمت حمدا** اور **شکرا ای شکرت شکرا** اور **عجبا ای عجبت عجبا** اور ان مصادر کے فعل کا حذف اس لئے واجب ہے کہ کلام عرب میں ان مصادر کا استعمال افعال عاملہ کے ساتھ نہیں پایا گیا۔ اور سماعا حذف وجوبی

قولہ **فخیر اسم تفضیل**:۔ خیر اصل میں اخیر تھا یاء کی حرکت ماقبل کو منتقل کر کے اسے حذف کر دیا گیا اور ہمزہ کو بوجہ عدم ضرورت حذف کر دیا گیا چونکہ کلمہ کا اسم تفضیل ہونا واؤ و یاء کی نقل حرکت کیلئے مانع ہے اس لئے یہ خلاف قیاس ہے۔ قولہ **سماعا**:۔ یہ مصدر محذوف کی دوسری صفت ہے **ای حذفا واجبا سماعا** اور بعض نے کہا کہ **سماعا** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی یسمع حذفہ حذفا سماعا اور بعض نے کہا کہ منصوب بنزع الخافض ہے ای بسماع۔

قيل عليه قد قالوا احمدت الله حمدا وشكرته شكرا وعجبت عجبا فاجاب بعضهم بان ذلك ليس من كلام الفصحاء وبعضهم بان وجوب الحذف انما هو فی ما استعمل باللام نحو حمدا له وشكرا له وعجبا له وقد يحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق حذفا واجبا قياسا ای حذفا قياسيا يعلم له ضابطٌ كلیٌ يُحذف معه الفعل لزوما فی مواضع متعددة منها ای من هذه المواضع موضع ما وقع ای مفعول مطلق وقع مثبتا اريد اثباته لا نفيه فانه لو اريد نفيه نحو ما زيد يسير سيرا

اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ عرب نے حمدت اللہ حمدا اور شکرتہ شکرا اور عجبت عجبا کہا ہے۔پس بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ فصحاء کے کلام سے نہیں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ عامل کا حذف وجوبی اس مفعول مطلق میں ہے جو لام کے ساتھ استعمال ہو جیسے حمدا لہ وشکرا لہ وعجبا لہ (اور) کبھی مفعول مطلق کا فعل ناصب بطور وجوب حذف کیا جاتا ہے (قیاسا) یعنی حذف قیاسی طور پر جس کا ایک ضابطہ کلیہ ہوتا ہے جس کے ہمراہ فعل لازمی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے متعدد (مواضع میں ان میں سے) یعنی ان مواضع میں سے (وہ) جگہ ہے (کہ واقع ہو) یعنی مفعول مطلق واقع ہو (مثبت) اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو نہ کہ اسکی نفی کا اس لئے کہ اگر مفعول مطلق کی نفی کا ارادہ کیا گیا ہو جیسے ما زید یسیر سیرا

کے بھی معنی ہیں۔قولہ **قيل عليه** :۔یہ شارح کے کلام **لم يوجد فی كلامهم** پر اعتراض ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں کہ کلام عرب میں افعال عاملہ کے ساتھ ان مصادر کا استعمال نہیں آیا اس لئے کہ **حمدت الله حمدا** اور **شكرته شكرا** اور **عجبت عجبا** عرب سے مسموع ہے۔شارح نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں اول۔یہ کہ بعض کے نزدیک حمدت اللہ حمدا وغیرہ فصحائے عرب کا کلام نہیں اور بعض نے یہ جواب دیا کہ ان مصادر کے عامل کا حذف اس وقت واجب ہے جب یہ لام کے ساتھ مستعمل ہوں جیسے **حمدا له شكرا له عجبا له** چونکہ **حمدت الله حمدا** وغیرہ میں مصدر لام کے بغیر مستعمل ہے اس لئے اسکے فعل کا حذف کرنا واجب نہیں اور مصنف کی بیان کردہ مثالوں میں لام تھا جسکو اختصار کے پیش نظر حذف کر دیا گیا اسلئے متن میں ذکر کئے گئے مصادر کے افعال کا حذف کرنا واجب ہے۔قولہ **وقد يحذف**:۔اور کبھی مفعول مطلق کا فعل عامل ناصب وجوبا قیاسا حذف کر دیا جاتا ہے یعنی قاعدہ کلیہ کے پائے جانے کی وجہ سے مواضع متعددہ میں فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔شارح نے مصنف کے قول **مواضع** کے بعد لفظ **متعددة** بڑھا کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے قول **مواضع** سے متبادر صرف وہی مواضع ہیں جو متن میں مذکور ہیں حالانکہ ان مواضع کے علاوہ دیگر چند مواضع میں بھی مفعول مطلق کا ناصب وجوبا قیاسا حذف کیا جاتا ہے مثلا بوقت توبیخ کہا جاتا ہے **اقعودا والناس قيام** .شارح نے جواب دیا کہ مواضع سے مراد مواضع محصورہ نہیں بلکہ مواضع متعددہ مراد ہیں جنمیں سے مشہور مواضع کو مصنف نے بیان کیا ہے۔قولہ **موضع**:۔شارح نے مصنف کے قول **ما وقع** سے پہلے لفظ موضع کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ عبارت بتقدیر مضاف ہے یعنی ان مواضع میں سے اس مفعول مطلق کا موضع ہے جو مثبت واقع ہو یعنی اسکے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو نہ کہ اسکی نفی کا کیونکہ نفی کا ارادہ کیا گیا ہو تو حذف فعل واجب نہیں جیسے **ما زيد يسير سيرا** اس میں فعل کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ مفعول مطلق کے اثبات کا ارادہ نہیں کیا گیا لہذا حذف فعل واجب نہیں ذکر بھی روا ہے۔

قولہ **لا نفيه**:۔عدم وجوب کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حرف اس کا ناصب ہوگا لہذا حذف فعل واجب نہیں ہوگا بلکہ جائز ہوگا اور اس کا ذکر بھی جائز ہوگا۔

لایجب حذفه بعد نفی داخل علی اسم لایکون المفعول المطلق خبرا عنه او بعد معنی نفی داخل علی اسم لایکون المفعول المطلق خبرا عنه ای عن ذلک الاسم و انما قال علی اسم لانه لو دخل علی فعل نحو ما سِرتُ الاسیرا او انما سِرتُ سیرا لایکون منه و انما وصّف الاسم بان لایکون المفعول المطلق خبرا عنه لانه لو کان خبرا عنه نحو ماسیری الاسیرٌ شدیدٌ لکان مرفوعا علی الخبریة او وقع المفعول المطلق مکررا ای فی موضع الخبر عن اسم لایصح وقوعه خبرا عنه فلایرِد نحو دُکت الارض دکا دکا

تو اس کا حذف کرنا واجب نہیں (نفی کے بعد) جو ایسے اسم پر داخل ہے کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ بن سکتا ہو (یا) بعد (معنی نفی کے جو ایسے اسم پر داخل ہے کہ نہ ہو) مفعول مطلق (خبر اس سے) یعنی اس اسم سے اور مصنف نے کہا کہ وہ نفی یا معنی نفی اسم پر داخل ہو کیونکہ اگر فعل پر داخل ہو جیسے ماسرت الاسیرا او انماسرت سیرا تو یہ مانحن فیہ سے نہیں ہوگا اور مصنف نے اسم کو اس صفت کے ساتھ کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکے اس لئے مقید کیا اگر مفعول مطلق اس اسم کی خبر بن سکے تو وہ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہوگا جیسے ماسیری الاسیر شدید (یا واقع ہو) مفعول مطلق (مکرر) یعنی ایسے اسم کی خبر کی جگہ میں مکرر واقع ہو جس کی خبر واقع ہونا صحیح نہ ہو لہٰذا اذا دکت الارض دکا دکا کی مثل کے ساتھ اعتراض واقع نہیں ہوسکے گا

قولہ **بعد نفی**:۔ یعنی وہ مفعول مطلق مثبت جو واقع ہو نفی کے بعد اور وہ نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ بن سکتا ہو اور مصنف نے **علی اسم** کہا اس لئے کہ نفی اگر فعل پر داخل ہو جیسے **ماسرت الاسیرا** تو اس صورت میں مفعول مطلق از قبیل حذف فعل قیاسا نہیں ہوگا بلکہ یہی فعل مذکور اسکو نصب دے گا۔ اسی طرح وہ مفعول مطلق جو معنی نفی کے بعد واقع ہو اور معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعول مطلق اس اسم سے خبر نہ ہو سکتا ہو تو وہ اس قبیل سے نہیں ہوگا قولہ **وانما وصف الاسم**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے قول **اسم** کو **لایکون** کے ساتھ متصف کیوں کیا یعنی یہ قید کیوں لگائی ہے کہ جس اسم پر نفی یا معنی نفی داخل ہو تو مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ بن سکتا ہو۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے اپنے قول **اسم** کو اس صفت کے ساتھ متصف کر کے **ماسیری الاسیر شدید** کو مذکورہ قاعدہ سے خارج کیا ہے کیونکہ اس مثال میں مفعول مطلق بنا بر خبریت مرفوع ہوگا نہ منصوب اور مفعول مطلق کبھی مرفوع بھی ہوتا ہے۔ **اووقع مکررا**:۔ یہ عامل مفعول مطلق کے حذف وجوبی کا دوسرا موضع ہے۔ شارح نے **مکررا** کے بعد **ای فی موضع الخبر** کا اضافہ کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو کہ مصنف کے قول **اووقع مکررا** پر کیا گیا ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ ضابطہ مذکورہ ارشاد باری تعالیٰ **کلا اذا دکت الارض دکا دکا**، سے منقوض ہے اس لئے کہ اس ارشاد میں مفعول مطلق مکرر واقع ہوا ہے لیکن اسکا فعل ناصب محذوف نہیں بلکہ مذکور ہے۔

☆فائدہ☆ صاحب بشیر الناجیہ فرماتے ہیں کہ جس مفعول مطلق سے توضیح مقصود ہو اسکے فعل کا حذف بھی واجب ہے جیسے مجلس میلاد شریف میں بوقت سلام کوئی وہابی بیٹھا رہے اسکو توجیہاً کہا جاتا ہے اقعود او الناس قیام کیا تو بیٹھا ہے حالانکہ سب لوگ کھڑے ہیں اس مثال میں فعل تقعد وجوبا محذوف ہے۔ قولہ **لکان مرفوعا**:۔ ☆سوال☆ جب یہ مصدر مرفوع ہوگا تو مفعول مطلق نہیں ہوگا کہ وہ منصوب ہوتا ہے لہٰذا شارح کا قول **لکان مرفوعا علی الخبریة** صحیح نہ ہوا ☆جواب☆ کبھی مفعول مطلق مرفوع بھی ہوتا ہے مثلاً جب نائب فاعل ہو جیسے ضُرِبَ ضَربٌ شدیدٌ یعنی وہ اسم جو مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ مرفوع ہوگا۔

وانما جمع بين الضابطين لاشتراكهما في الوقوع بعد اسم لا يكون خبرا عنه نحو ما انت الا سيرا اى تسير سيرا وما انت الا سير البريد اى تسير سير البريد هذان مثالان لما وقع مثبتا بعد نفى وانما اورد مثالين تنبيها على ان الاسم الواقع موقع الخبر ينقسم الى النكرة والى المعرفة والى ما هو فعل للمبتدأ والى ما يشبه به فعله اوالى مفرد ومضاف وانما انت سيرا اى تسير سيرا مثال لما وقع بعد معنى النفى وزيد سيرا سيرا اى يسير سيرا مثال لما وقع مكررا

اور مصنف نے دونوں ضابطوں کو اس لئے جمع کر دیا ہے کہ دونوں اس امر میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق ایک ایسے اسم کے بعد واقع ہو جسکی خبر نہ بن سکتا ہو (جیسے ما انت الا سیرا) یعنی تسیر سیرا (اور ما انت الا سیر البرید) یعنی تسیر سیر البرید یہ اس مفعول مطلق کی دو مثالیں ہیں جو نفی کے بعد مثبت واقع ہوا اور دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے وارد کیں کہ خبر کی جگہ پر واقع ہونے والا اسم معرفہ اور نکرہ کی جانب منقسم ہوتا ہے یا منقسم ہوتا ہے اسکی طرف کہ مفعول مطلق مبتدا کا فعل ہے اور اس کی طرف کہ مفعول مطلق مبتدا کے فعل کے مشابہ ہے یا وہ منقسم ہوتا ہے مفرد اور مضاف کی طرف (اور انما انت سیرا) یعنی تسیر سیرا یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو معنی نفی کے بعد واقع ہو (اور زید سیرا سیرا) یعنی یسیر سیرا یہ اس مفعول مطلق کی

شارح نے جواب دیا کہ اس ضابطہ کی ایک قید محذوف ہے وہ یہ کہ مفعول مطلق مکرر ایسے طالب خبر اسم کے بعد واقع ہو کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ بن سکتا ہو چونکہ آیت مذکورہ میں مفعول مطلق طالب خبر اسم کے بعد واقع نہیں کہ الارض نائب فاعل ہے جو طالب خبر نہیں ہوتا اس لئے آیت کریمہ کا مفعول مطلق ضابطہ مذکورہ سے خارج ہے۔ قولہ **وانما جمع**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے مذکورہ دو ضابطوں کو ایک منہا کے تحت کیوں جمع کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں ضابطے چونکہ اس بات میں مشترک ہیں کہ مفعول مطلق ایسے اسم کے بعد واقع ہو جسکی خبر نہ بن سکتا ہو اس لئے مصنف نے ان دونوں کو ایک منہا کے تحت جمع کر دیا ہے۔ قولہ **نحو ما انت الاسیرا** اس مثال میں **تسیر** محذوف ہے **ای ما انت الا تسیر سیرا** اور **ما انت الا سیر البرید** میں بھی **تسیر** محذوف ہے یہ دونوں اس مفعول مطلق کی مثالیں ہیں جو نفی کے بعد مثبت واقع ہوا اور دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کیلئے ذکر کی ہیں کہ خبر کی جگہ واقع ہونے والا اسم کبھی نکرہ ہوتا ہے جیسے پہلی مثال میں لفظ **سیر** نکرہ ہے اور کبھی معرفہ ہوتا ہے جیسے دوسری مثال میں **سیر البرید** نیز کبھی مفعول مطلق مبتدا کا فعل ہوتا ہے جیسے **ما انت الاسیرا** میں **سیرا** مخاطب کا فعل ہے اور اسکے ساتھ قائم ہے اور کبھی مفعول مطلق مبتدا کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے یعنی مبتدا کے فعل کو مفعول مطلق کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے جیسے دوسری مثال میں **ای ما انت الا تسیر مثل سیر البرید** یا اشارہ ہے مفعول مطلق کے مفرد اور مضاف ہونے کی طرف اور **انما انت سیرا** اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو معنی نفی کے بعد واقع ہوا اور **زید سیرا سیرا** اس مفعول مطلق

قولہ **البرید**:۔ یہ بریدہ دم کا معرب ہے اور اس سے مراد وہ خچر ہے جسے قدیم زمانہ میں سلاطین ہر بارہ میل کے فاصلہ پر رباط میں رکھتے تھے تاکہ پیغام رساں اس پر سوار ہو کر پیغام پہنچائیں اور بطور علامت اسکی دم کاٹ دی جاتی تھی پھر برید کا اطلاق مذکورہ خچر پر اور پیغام رساں پر ہونے لگا یہاں پر مراد پیغام رساں ہے جس کا فعل مرسل کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ بعض نحات کے نزدیک **ما انت الاسیر البرید** میں حذف فعل اس لئے واجب ہے کہ کلمہ **الا** فعل محذوف کے قائم مقام ہے۔

قولہ **لایکون خبرا**:۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تاویل و مبالغہ کے بغیر خبر نہ بن سکے اور سیر یا سیر البرید بھی تاویل یا مبالغہ کے بغیر انت کی خبر نہیں بن سکتے۔

ومنها ای من المواضع التی یجب حذف الفعل الناصب للمفعول المطلق فیها **ماوقع** ای موضع مفعول مطلق وقع **تفصیلا لاثر مضمون جملة متقدمة** والمراد بمضمون الجملة مصدرها المضاف الی الفاعل او المفعول وباثره غرضه المطلوب منه وبتفصیل الاثر بیان انواعه المحتملة **مثل** قوله تعالی **فشدوا الوثاق فامامنا بعد** ای بعد شد الوثاق **واما فداءً** فقوله فشدوا الوثاق جملة مضمونها شدّ الوثاق والغرض المطلوب من شد الوثاق امّا المنُّ او الفداء ففصل الله سبحانه هذا الغرض المطلوب بقوله فامامنا بعد واما فداءً ای اماتَمُنُّون منا بعد الشد واما تفدُون فداء **ومنها** ای من تلک المواضع **ماوقع** ای موضع مفعول مطلق وقع **للتشبیه** ای لان یُشَبَّه به امرٌ آخر واحترز به عن نحو لزید صوت صوتُ حَسَنٍ لانه لم یقع للتشبیه

مثال ہے جو مکرر واقع ہو اور ان میں سے یعنی ان مواضع میں سے کہ جن میں مفعول مطلق کے ناصب فعل کا حذف واجب ہے (وہ ہے جو واقع ہو) یعنی وہ جگہ ہے جو مفعول مطلق واقع ہو (جملہ متقدمہ کے مضمون کے اثر کیلئے تفصیل) اور مضمون جملہ سے مراد جملہ کا مصدر ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اس مضمون جملہ کے اثر سے مراد مضمون کی غرض ہے جو اس سے مطلوب ہے اور اثر کی تفصیل سے مراد اثر کے انواع محتملہ کا بیان ہے (جیسے) ارشاد باری تعالی (فشدوا الوثاق فامامنا بعد) یعنی شدوثاق کے بعد (واما فداء) پس ارشاد باری تعالی فشدوا الوثاق جملہ ہے جس کا مضمون شد الوثاق ہے اور شدوثاق سے غرض مطلوب یا احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے پس اللہ تعالی نے اپنے ارشاد فامامنا بعد واما فداء کے ساتھ اس غرض مطلوب کی تفصیل فرمادی یعنی شدوثاق کے بعد یا مشرکین پر احسان کرو یا فدیہ لو (اور ان میں سے) یعنی ان مواضع میں سے (وہ ہے جو واقع ہو) یعنی مفعول مطلق کا موضع ہے جو واقع ہو (تشبیہ کیلئے) یعنی اس لئے واقع ہو کہ اس کے ساتھ کسی امر آخر کو تشبیہ دی جائے اور مصنف نے اپنے قول للتشبیہ کے ساتھ لزید صوت صوت حسن کی مثل سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ اس جگہ مفعول مطلق تشبیہ کیلئے واقع نہیں ہوا

کی مثال ہے جو مکرر واقع ہو قولہ **ومنها ماوقع تفصیلا:** یعنی ان مواضع میں سے اس مفعول مطلق کا موضع ہے جو جملہ متقدمہ کے مضمون کے اثر کیلئے تفصیل واقع ہو اور مضمون جملہ سے مراد جملہ سے مفہوم ہونے والا مصدر ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور مضمون کے اثر سے مراد اس مضمون کی غرض ہے جو مضمون سے مطلوب ہو اور مضمون کے اثر کی تفصیل سے مراد اس اثر کے انواع محتملہ کا بیان ہے پس ارشاد باری تعالی **فشدوا الوثاق** جملہ متقدمہ ہے اور جملہ کا مضمون **شد الوثاق** ہے جس سے غرض مطلوب یا من ہے یا فدا ہے پس اللہ تعالی نے اپنے فرمان **اما منا بعد واما فداء** کے ذریعے اس غرض مطلوب کی تفصیل فرمائی ہے یعنی بیڑیاں باندھنے کے بعد یا تو کفار پر احسان کر کے انکو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا فدیہ اور معاوضہ لیکر اس ارشاد میں **منا** اور **فداء** کے ناصب **تمنون** اور **تفدون** محذوف ہیں قولہ **ومنها ماوقع للتشبیہ:** ان مواضع میں سے اس مفعول مطلق کا موضع ہے جو تشبیہ کیلئے واقع ہو یعنی مفعول مطلق کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دی گئی ہو مصنف نے اپنے قول **للتشبیہ** کے ساتھ لزید صوت صوت حسن کی مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ صوت حسن تشبیہ کیلئے نہیں ہے پس صوت ثانی بنا بر بدل یا صفت مرفوع

علاجاً اى حال كونه دالا على فعل من افعال الجوارح واحترز به عن نحو لزيد زهد زهد الصلحاء لان الزهد ليس من افعال الجوارح بعد جملة واحترز به عن نحو صوت زيد صوت حمار مشتملة تلك الجملة على اسم كائن بمعناه اى بمعنى المفعول المطلق واحترز به عن نحو مررت بزيد فاذا له ضرب صوت حمار وعلى صاحبه اى صاحب ذلك الاسم اى الذى قام به معناه واحترز به عن نحو مررت بالبلد فاذا به صوت صوت حمار

(درانحالیکہ علاج ہو) یعنی مفعول مطلق اس حالت میں ہو کہ افعال جوارح میں سے کسی فعل پر دلالت کرنے والا ہو اور مصنف نے اپنے قول "علاجاً" کے ساتھ لزید زھد زھد الصلحاء کی مثل سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ زھد افعال جوارح میں سے نہیں (جملہ کے بعد) اور اس سے مصنف نے صوت زید صوت حمار کی مثل سے احتراز کیا ہے (مشتمل ہو) وہ جملہ (ایک اسم پر) جو ہونے والا ہے (اسکے معنی میں) یعنی مفعول مطلق کے معنی میں اور مصنف نے اس قید سے مررت بزید فاذا لہ ضرب صوت حمار سے احتراز کیا ہے (اور اس کے صاحب پر) یعنی اس اسم کے صاحب پر جس کے ساتھ اس اسم کا معنی قائم ہو اور اس کے ساتھ مررت بالبلد فاذا بہ صوت صوت حمار کی مثل سے احتراز کیا ہے

ہے یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق نہیں ہے قولہ **علاجا**:۔ یہ عالج یعالج کا مصدر ہے اور وقع کے فاعل سے حال ہے جو **المفعول المطلق** ہے عبارت کا معنی یہ ہے کہ درانحالیکہ وہ مفعول مطلق کسی ایسے فعل پر دلالت کرے جو افعال جوارح میں سے ہو یعنی ظاہری اعضاء میں سے کسی عضو کے فعل پر دال ہو مصنف نے اپنے قول **علاجا** کے ساتھ **لزید زھد زھد الصلحاء** سے احتراز کیا ہے کیونکہ زہد افعال جوارح سے نہیں ہے اگر چہ اس کا اثر جوارح میں ظاہر ہوتا ہے بلکہ یہ افعال قلوب سے ہے لہٰذا **زھد الصلحاء** منصوب نہیں ہوگا قولہ **بعد جملة**:۔ یعنی وہ مفعول مطلق ایسے جملہ کے بعد واقع ہو جو مفعول مطلق کے ہم معنی اسم پر مشتمل ہو مصنف نے مشتملۃ الخ کے ساتھ **مررت بزید فاذا له ضرب صوت حمار** کی مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ جملہ سابقہ لفظ صوت کے ہم معنی اسم پر مشتمل نہیں ہے قولہ **وعلى صاحبه**:۔ یعنی جملہ متقدمہ اس اسم کے صاحب پر مشتمل ہو اور صاحب سے مراد وہ ہے جسکے ساتھ اس اسم کا معنی قائم ہے. مصنف نے **على صاحبه** کے ساتھ **مررت بالبلد فاذا به صوت صوت حمار** کی مثل سے احتراز کیا کیونکہ **صوت حمار** اگر چہ مصدر ہے اور تشبیہ کیلئے علاجا ہے اور جملہ کے بعد واقع ہے اور جملہ مصدر کے ہم معنی اسم یعنی صوت پر مشتمل ہے لیکن یہ جملہ اسم کے صاحب پر مشتمل نہیں کیونکہ **به** کی ضمیر کا مرجع لفظ بلد ہے جو اس اسم یعنی صوت کا صاحب نہیں بلکہ صاحب صوت وہ ہے جو شہر میں ہے لہٰذا اس مثال میں صوت ثانی فعل محذوف کی وجہ سے بنا بر مصدریت منصوب نہیں بلکہ بنا بر حالیت منصوب ہے یا مرفوع ہے کہ بدل ہے یا عطف بیان یا صفت ہے بتقدیر لفظ مثل ای مثل صوت حمار

قولہ **علاجا**:۔ یہ وقع کی ضمیر راجع بجانب مفعول مطلق سے حال ہے اور فعل علاج کا مطلب یہ ہے کہ اس فعل کے پیدا ہونے میں کسی عضو کے متحرک ہونے کی ضرورت پڑے جیسے ضرب اور شتم اور فعل غیر علاج کا مطلب یہ ہے کہ اسکے پیدا ہونے میں کسی عضو کے متحرک ہونے کی ضرورت نہ پڑے جیسے علم اور زہد (جامع) قولہ **من افعال الجوارح**:۔ جوارح، جارحہ کی جمع ہے اور جارحہ جسم کے اس عضو ظاہر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی کام کیا جاتا ہے جیسے ہاتھ، آنکھ، کان، پاؤں اور زبان اور جارحہ کے معنی ہیں مؤثرہ چونکہ یہ اعضاء آلہ تاثیر ہیں اس لئے انکو جوارح کہتے ہیں (محرم)

نحو مررت به فاذاله صوت صوت حمار ای یصوت صوت حمار من صات الشئ صوتا بمعنی صَوّت تصویتا فصوت حمار مصدرٌ وقع للتشبیه علاجا بعد جملۃ ھی قولہ لہ صوتٌ وھی مشتملۃ علی اسم بمعنی المفعول المطلق وھو صوت ومشتملۃ علی صاحب ذلک الاسم وھو الضمیر المجرور فی قولہ لہ وَ نحو مررت به فاذاله صراخٌ صراخ الثکلی ای یصرخ صراخ الثکلی وھی امرأۃ مات ولدھا ومنھا ای من تلک المواضع ماوقع ای موضع مفعول مطلق وقع مضمون جملۃ لامحتمل لھا ای لھذہ الجملۃ غیرہ ای غیر المفعول المطلق نحو لہ علیّ الف درھم اعترافا ای اعترفت اعترافا فاعترافا مصدر وقع مضمون جملۃ وھی لہ علیّ الف درھم لان مضمونہ الاعتراف ولامحتمل لہ سواہ

(جیسے مررت بہ فاذالہ صوت صوت حمار) یعنی یصوت صوت حمار جو صات الشئ صوتا بمعنی صوّت تصویتا سے ماخوذ ہے پس صوت حمار مصدر ہے جو تشبیہ کیلئے واقع ہوا ہے علاج ہو کر جملہ کے بعد وہ جملہ اس کا قول "لہ صوت" ہے اور یہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے اور وہ صوت ہے اور اس اسم کے صاحب پر بھی مشتمل ہے اور وہ اس کے قول "لہ" میں ضمیر مجرور ہے (اور) جیسے مررت بہ فاذالہ (صراخ صراخ الثکلی) یعنی یصرخ صراخ الثکلی اور ثکلی وہ عورت ہے جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو (اور ان میں سے) یعنی ان مواضع میں سے (وہ ہے جو واقع ہو) یعنی اس مفعول مطلق کا موضع ہے جو واقع ہو (ایسے جملہ کا مضمون کہ نہیں محتمل اس کیلئے) یعنی اس جملہ کیلئے (اس کا غیر) یعنی مفعول مطلق کا غیر (جیسے لہ علی الف درھم اعترافا) یعنی اعترفت اعترافا پس اعترافا مصدر ہے جو جملہ کا مضمون واقع ہے اور وہ جملہ لہ علی الف درھم ہے کیونکہ اس قول کا محصل اعتراف ہی ہے اور اعتراف کے علاوہ اس کا کوئی محتمل نہیں

قولہ **نحو مررت بزید فاذالہ صوت صوت حمار**:۔ **ای یصوت صوت حمار** جو صات الشئ صوتا بمعنی صوت تصویتا سے ماخوذ ہے اس مثال میں صوت حمار مفعول مطلق تشبیہ کیلئے ہے اور اسمیں زید کی آواز کو گدھے کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ آواز افعال جوارح سے ہے کہ منہ اور حلق سے نکلتی ہے اور جملہ **لہ صوت** کے بعد ہے اور جملہ صاحب صوت یعنی ضمیر لہ جس کا مرجع زید ہے پر مشتمل ہے اس لئے اس مصدر کا فعل وجوبا حذف کر دیا گیا ہے۔ قولہ **صراخ** :۔ یہ مذکورہ ضابطہ کی دوسری مثال ہے یہاں **یصرخ** فعل محذوف ہے **ای یصرخ صراخ الثکلیٰ** اور ثکلی اس عورت کو کہتے ہیں جس کا بچہ فوت ہو جائے۔ مصنف نے دو مثالیں اس لئے دی ہیں کہ لفظ صوت مصدر تاویلی ہے یعنی تصویت کے معنی میں ہو کر مصدر ہے اور دوسری مثال میں لفظ صراخ مصدر حقیقی ہے جسکے معنی ہیں چیخنا قولہ **و منھا ما وقع** :۔ اور ان مواضع

قولہ **و مررت** :۔ اس جملہ کا حذف فعل سے تعلق نہیں ہے یہ صرف مابعد جملہ کی ضمیر کی تعیین کیلئے لایا گیا ہے یعنی فعل محذوف **یصوت** کی ضمیر کا مرجع زید ہے اور صوت مصدر بمعنی تصویت ہے جس کے فارسی میں معنی ہیں بانگ کردن یعنی آواز دینا کیونکہ صوت بمعنی بانگ یعنی آواز مفعول مطلق نہیں ہوتا۔ (مقتد) ﴿فائدہ﴾ اس مثال میں صوت حمار فعل مذکور کے فاعل کا فعل نہیں ہے اس لئے کہ **یصوت** کا فاعل زید ہے اور صوت حمار زید سے صادر نہیں بلکہ حمار سے صادر ہے اور زید سے جو صادر ہے وہ

ویسمی ھذاالنوع من المفعول المطلق تاکیدالنفسہ ای لنفس المفعول المطلق لانہ انما یؤکدنفسہ وذاتہ لاامرایغایرہ ولو بالاعتبار ومنھاماوقع مضمون جملۃلھا ای لھذہ الجملۃ محتمل غیرہ ای غیر المفعول المطلق نحوزیدقائم حقّا ای اَحِقُّ حقّامن حَقَّ یَحِقُّ اذاثبت و وجب فحقّامصدرٌوقع مضمون جملۃوھی قولہ زیدقائم ولھامحتمل غیرُہ لانہاتحتمل الصدق والکذب والحق والباطل ویسمی ھذاالنوع من المفعول المطلق تاکیدالغیرہ

(اورنام رکھا جاتا ہے) مفعول مطلق کی اس نوع کا (تاکیدلنفسہ) یعنی تاکیدنفس مفعول مطلق کی اس لئے کہ مفعول مطلق اپنی ذات ہی کی تاکید کرتا ہے کسی ایسی چیز کی تاکیدنہیں کرتا جومفعول مطلق کی ذات ونفس کے علاوہ ہواگر چہ وہ مغایرت اعتباری کیوں نہ ہو (اوران مواضع میں سے وہ موضع ہے کہ مفعول مطلق اس جملہ کا خلاصہ واقع ہوکہ اس کیلئے) یعنی اس جملہ کیلئے (اس کے غیرکا احتمال ہے) یعنی مفعول مطلق کے غیرکا (جیسے زیدقائم حقا) یعنی احقہ حقا یہ ماخوذ ہے حق یحق سے جبکہ وہ ثابت اورواجب ہوپس حقامصدر ہے جوجملے کا خلاصہ واقع ہوا ہے اوروہ جملہ اس کاقول "زیدقائم" ہے اوراس جملے کیلئے مفعول مطلق یعنی حق کے غیرکا احتمال بھی ہے کیونکہ جملہ صدق اور کذب اورحق وباطل کا احتمال رکھتا ہے (اورنام رکھا جاتا ہے) مفعول مطلق کی اس نوع کا (تاکیدلغیرہ)

جیسے **لہ علی الف درھم اعترافا** میں **اعترافا** مصدر ہے جوسابقہ جملہ یعنی **لہ علی الف درھم** کا خلاصہ اور ماحصل ہے کہ اس کا حاصل اعتراف ہی ہے نہ کچھ اورحتی کہ اگرکوئی شخص قاضی کے سامنے کہے **لہ علی الف درھم** تواقراروا عتراف کی وجہ سے قاضی اسپر ہزار درھم واجب کردے گا قولہ **ویسمی تاکیدا لنفسہ** :۔ اورمفعول مطلق کی اس قسم کوتاکیدلنفسہ کہتے ہیں کیونکہ مفعول مطلق اپنے نفس اورذات ہی کی تاکید کرتا ہے یعنی اس اعتراف کی تاکید کرتا ہے جوسابقہ جملہ سے مفہوم ہورہا ہے اورسابقہ جملہ سے مفہوم ہونے والے اعتراف اوراس مصدر اعترافا میں مغایرت اعتباری بھی نہیں پائی جاتی گویا کہ ایک مفہوم کودوبارذکرکیا گیا ہے اولا بذریعہ جملہ اورثانیا بذریعہ مفعول مطلق قولہ **ومنھاما وقع**: اوران مواضع میں سے اس مفعول مطلق کا موضع ہے جوایسے جملہ کا مضمون اورماحصل ہوکہ جس جملہ میں مفعول مطلق کے غیرکا احتمال بھی ہو جیسے **زید قائم حقااى احق حقا** یہ ماخوذ ہے حق یحق سے جوکہ ثبت اوروجب کے معنی میں ہے ای اثبت ھذاالقول اثباتا پس **حقا** مصدر ہے جوجملہ **زید قائم** کا مضمون اورماحصل ہے اوراس جملہ میں غیرحق یعنی کذب وبطلان کا احتمال بھی ہے کیونکہ یہ خبر ہے اورخبرمیں صدق وکذب کا احتمال ہوتا ہے اورحق وباطل کا بھی اورمفعول مطلق کی اس قسم کوتاکیدلغیرہ کہتے ہیں یعنی وہ مفعول مطلق جواپنے غیرکی تاکید کرنے والا ہے

صورت مشبہ ہے جس کوصوت حمار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔قولہ **یؤکد نفسہ** :۔ ☆سوال☆ لہ علی الف درہم، کا مضمون اقرار کرنے والے پرایک ہزاردرہم کا لزوم اور وجوب ہے اگرقاضی کے سامنے کہے گا توقاضی اس شخص کوایک ہزاردرہم دینے کا حکم دے گا جبکہ اعترافا کا مفہوم مطلق اعتراف ہے لہٰذا اعتراف ثانی عین اول نہ ہوا. ☆جواب☆ اعتراف ثانی عین اول ہے بایں طورکہ اعتراف مقید میں اعتراف مطلق داخل ہے اوردونوں اعتراف ہی ہیں.﴿فائدہ﴾ اس مقام پرمفعول مطلق کے ناصب کوحذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ جملہ حقہ مسناصب محذوف کے قائم مقام ہے اورمصدرکا منصوب ہونا مفعول مطلق کے ناصب کوحذف کرنے پرقرینہ ہے اورذات مصدراس بات پرقرینہ ہے کہ یہاں ناصب معین محذوف ہے۔(محرم) قولہ **ولوبالاعتبار**:۔ یہ اس صورت میں مستقیم ہوگا کہ مؤکِّد اورمؤکَّد میں تغایراعتباری بھی نہ ہو۔

لانہ من حیث ھو منصوص علیہ بلفظ المصدر یؤ کد نفسہ من حیث ھو محتمل الجملۃ فالمؤ کد اسم مفعول من حیث اعتبار وصف الاحتمال فیہ یغایر المؤ کد اسم فاعل من حیث انہ منصوص علیہ بالمصدر ویحتمل ان یکون المراد انہ تاکیدٌ لاجل غیرہ لیندفع وعلی ھذا ینبغی ان یکون المراد بالتاکید لنفسہ انہ تاکید لاجل نفسہ لیتکرر ویتقرر حتی یَحسُن التقابل

اس لئے کہ وہ مفعول مطلق اس حیثیت سے کہ لفظ مصدر یعنی حقا کے ساتھ منصوص ہے اپنے نفس کی تاکید کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ جملے کا محتمل ہے پس مؤکد بصیغہ اسم مفعول اس حیثیت سے کہ اسمیں وصف احتمال کا اعتبار ہے مغایر ہے مؤکِد بصیغہ اسم فاعل کے اس حیثیت سے کہ مؤکِد منصوص علیہ ہے مصدر کے ساتھ اور یہ احتمال بھی ہے کہ تاکید لغیرہ سے مراد تاکید لاجل غیرہ ہوتا کہ غیر مندفع ہوجائے اور اس توجیہ کی بنا پر مناسب یہ ہے کہ مصنف کے قول "تاکید لنفسہ" سے مراد تاکید لاجل نفسہ ہوتا کہ مفعول مطلق مکرر اور متقرر ہوجائے اور اس قسم کا پہلی قسم سے تقابل عمدہ ہوجائے

قولہ **لانہ من حیث**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول مطلق کی اس قسم کا تاکید لغیرہ نام رکھنا درست نہیں اسلئے کہ تاکید غیر کی نہیں ہوتی بلکہ نفس شی کی تاکید ہوتی ہے مثلا جائی زید زید میں زید ثانی اول کی تاکید ہے تو نفس زید کی تاکید ہے نہ کہ غیر زید کی۔شارح نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب اس بنا پر ہے کہ **تاکید الغیرہ** کا لام تاکید کا صلہ ہے۔جواب کا حاصل یہ ہے کہ **زید قائم** سے سمجھا جانے والا حق مؤکد ہے یعنی اسکی تاکید لائی گئی ہے اور مصدر حقا سے سمجھا جانے والا حق مؤکد ہے یعنی تاکید کرنے والا ہے اور ان دونوں میں اتحاد ذاتی اور تغایر اعتباری ہے۔اتحاد ذاتی تو یہ ہے کہ دونوں حق ہیں کیونکہ **زید قائم** خبر ہے اور اصل خبر میں صدق اور حق ہے اور تغایر اعتباری یہ ہے کہ جو حق جملہ سے مفہوم ہورہا ہے وہ محتمل ہے یقینی نہیں کیونکہ خبر میں کذب کا بھی احتمال ہوتا ہے لیکن مصدر **حقا** سے جو حق مفہوم ہورہا ہے وہ یقینی ہے کہ لفظ حق کی دلالت حق پر ہی ہے نہ کہ باطل پر۔پس اتحاد ذاتی کا لحاظ کرتے ہوئے مفعول مطلق کی اس قسم کا نام تاکید رکھا گیا اور تغایر اعتباری کا لحاظ کرتے ہوئے اسکو تاکید لغیرہ قرار دیا گیا ورنہ یہ تاکید لنفسہ ہی ہے کہ تاکید غیر کی نہیں ہوتی۔قولہ **ویحتمل**:۔ یہ سوال مذکور کا جواب ثانی ہے جو اس امر پر مبنی ہے کہ **تاکید الغیرہ** کا لام تعلیلیہ ہے اور عبارت میں مضاف مقدر ہے **ای تاکید الاجل اندفاع غیرہ** یعنی مفعول مطلق کی اس قسم کو تاکید لغیرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس قسم نے اپنے غیر کے احتمال کو دفع کردیا ہے یعنی **زید قائم** میں کذب جو محتمل تھا کہ خبر میں کذب کا بھی احتمال ہوتا ہے اس کذب کو مصدر **حقا** نے دفع کردیا ہے اور جملہ میں صرف ایک احتمال یعنی صدق کو باقی رکھا ہے۔قولہ **وعلی ھذا**:۔ یعنی جواب ثانی کے پیش نظر مناسب یہ ہے کہ پہلی قسم جس کا نام **تاکید لنفسہ** ہے وہاں بھی **تاکید لاجل نفسہ** مراد ہو بایں طور کہ مفعول مطلق کا نفس اور ذات تاکید کی علت ہوتا کہ تاکید میں بھی تکرار اور تقرر پیدا ہوجائے اور نوع اول کا نوع ثانی سے تقابل عمدہ ہوجائے اور تاکید میں تکرار اور تقرر اس لئے پیدا ہوگا کہ مفعول مطلق ایک تو تاکید خود اپنے نفس کیلئے ہوگی اور دوسرے اپنے نفس کی وجہ سے ہوگی اور تقابل اس لئے خوب ہوگا کہ باعتبار معنی کے **لاجل نفسہ** مغایر ہے **لاجل غیرہ** کے۔

قولہ **لانہ من حیث**:۔ علامہ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ لانہ کی ضمیر کا مرجع مضمون جملہ ہے اور یؤکد کی ضمیر کا مرجع مفعول مطلق ہے یعنی زید قائم کا مضمون اور حاصل صدق اور حق ہے لیکن وہ منصوص اور مصرح نہیں بلکہ محتمل ہے کہ جملہ عقلا کذب اور بطلان کا احتمال بھی رکھتا ہے اگرچہ جملہ کی وضع صدق اور حق کیلئے ہے اور حقا کا مدلول حق مصرح و منصوص ہے تو وصف احتمال کے اعتبار سے اس قسم پر غیر کا اطلاق کیا گیا اور مراد کے اعتبار سے تاکید کہ دونوں سے مراد حق ہے اس لئے اس قسم کو تاکید لغیرہ کہتے ہیں قولہ **لاجل غیرہ**:۔ یعنی

ومنها ماوقع مثنی ای علی صیغة التثنیة وان لم یکن للتثنیة بل للتکریر والتکثیر ولا بدفی تتمیم هذه القاعدة من قید الاضافة ای مثنی مضافا الی الفاعل او المفعول لئلا یرد مثل قوله تعالی ثم ارجع البصر کرتین ای رجعا مکررا کثیرا والی جعل المثال من تتمة التعریف لافادة هذا القید تکلف مثل لبیک اصله اُلِبُّ لک اِلبابین ای اُقیم لخدمتک وامتثال امرک ولا ابرح عن مکانی اقامة کثیرة متوالیة فحذف الفعل واقیم المصدر مقامه ورُدّ الی الثلاثیّ بحذف زوائده ثم حذف حرف الجر من المفعول واضیف المصدر الیه

(اوران مواضع میں سے وہ ہے جو واقع ہو تثنیہ) یعنی تثنیہ کے صیغے پر ہو اگرچہ مفعول مطلق تثنیہ کیلئے نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کیلئے ہو اور اس قاعدہ کی تکمیل میں اضافت کی قید ضروری ہے یعنی مفعول مطلق تثنیہ ہو جو فاعل یا مفعول کی جانب مضاف ہو تا کہ اللہ تعالی کے ارشاد "ثم ارجع البصر کرتین" کی مثل سے اعتراض نہ ہو سکے یعنی کرتین کا معنی ہے رجعا مکررا کثیرا اور اس قید کے افادہ کیلئے مثال کو تعریف کا تتمہ قرار دینا تکلف ہے (جیسے لبیک) اس کی اصل اُلِب لک اِلبابین ہے یعنی میں تیری خدمت اور تیرا حکم بجالانے کیلئے بار بار بکثرت کھڑا ہوں اور اپنی جگہ سے الگ نہیں ہونگا۔ پس فعل حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور مصدر کے زوائد کو حذف کر کے اس کو ثلاثی مجرد کی طرف پھیر دیا گیا پھر مفعول بہ سے حرف جر کو حذف کیا گیا اور مصدر کو مفعول بہ کی طرف مضاف کر دیا گیا

قولہ ومنها ماوقع مثنی ۔اوران مواضع میں سے اس مفعول مطلق کا موضع ہے جو تثنیہ واقع ہو یعنی تثنیہ کے صیغہ وصورت پر ہو اگرچہ حقیقت میں تثنیہ نہ ہو بلکہ تکریر و تکثیر کیلئے ہو اور اس قاعدہ کی تتمیم میں اضافت کی قید ضروری ہے یعنی وہ مفعول مطلق جو تثنیہ کی صورت پر ہو اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو تا کہ اللہ تعالی کے ارشاد ثم ارجع البصر کرتین کے ساتھ اعتراض نہ ہو سکے یعنی کوئی یہ نہ کہے کہ ضابطہ مذکورہ اس ارشاد کے ساتھ منقوض ہے کہ اس میں کرتین مفعول مطلق ہے جو صورتا تثنیہ ہے مگر اس کا فعل ناصب محذوف نہیں ہے وجہ عدم ایراد یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق فاعل یا مفعول کی طرف مضاف نہیں ہے اس لئے یہ ضابطہ مذکورہ سے خارج ہے۔ قولہ وفی جعل المثال :۔ یہ ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے کہا کہ مثال چونکہ تعریف کا تتمہ ہوتی ہے اور مصنف نے جو مثال دی ہے وہ تثنیہ مضاف کی ہے تو مثال پر اکتفا کرتے ہوئے مصنف نے یہ قید نہیں بڑھائی۔ وجہ رد یہ ہے کہ مثال کو تعریف کا تتمہ قرار دینا درست نہیں کیونکہ مثال تو تعریف کے تمام ہونے کے بعد اسکی توضیح وتشریح کیلئے لائی جاتی ہے جسکو تعریف کا تتمہ قرار دینا تکلف ہے۔ قولہ مثل لبیک :۔ یہ مفعول مطلق مثنی کی مثال ہے بظاہر یہ تثنیہ مصدر نہیں اور مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے اس لئے شارح کو اس کے مصدر ہونے کو ثابت کرنا پڑا کہ لبیک اصل میں اُلِبُّ لک البابین تھا جس کا معنی ہے کہ میں تیری

حقا اپنے غیر یعنی بطلان کو مخاطب کے ذہن سے نکالنے کیلئے ہے پس جملہ کے اندر صرف ایک احتمال باقی رہ جائیگا جو صدق وحق ہے اور احتمال ثانی یا اعتراض مندفع ہو جائیگا۔ قولہ ولا بد فی تتمیم :۔ ☆سوال☆ تتمیم قاعدہ کیلئے اضافت کی قید بڑھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ارشاد باری تعالی میں لفظ کرتین حقیقۃ مفعول مطلق نہیں بلکہ مفعول مطلق کی صفت ہے ای رجعتین کرتین ☆جواب☆ مصنف نے اپنی شرح میں اس بات کی صراحت کی کہ اس جگہ مفعول مطلق سے عام مراد ہے کہ حقیقۃ ہو یا مجازا اور کرتین مجازا مفعول مطلق ہے۔ (عقد الثانی) قولہ زوائدہ :۔ یہاں پر لفظ زوائد صیغہ جمع سے مراد ما فوق الواحد ہے اسلئے کہ البابین میں دو حرف زائد ہیں ہمزہ اور الف اور اس مصدر کے زوائد کو اسلئے حذف کر دیا گیا کہ حرف زائد حذف کو قبول کرتا ہے۔ (محرم)

ویجوزان یکون من لَبَّ بالمکان بمعنی البَّ فلایکون محذوف الزوائد وعلی هذاالقیاس سعدیک ای اُسْعِدُک اسعادابعد اسعادبمعنی اُعِینک الاان اسعدیتعدی بنفسه بخلاف اَلَبَّ فانه یتعدی باللام المفعول به هوماوقع ای هواسم ماوقع علیه فعل الفاعل ولم یذکر الاسم اکتفاءً بماسبق فی المفعول المطلق والمرادبوقوع فعل الفاعل علیه تعلقه به

اور جائز ہے کہ یہ لبّ بالمکان سے ماخوذ ہو بمعنی اَلَبّ پس یہ محذوف الزوائد سے نہیں ہوگا (اور) اسی قیاس پر (سعدیک ہے) یعنی اُسْعِدُک اسعادا بعد اسعاد بمعنی اُعِینُ مگر یہ کہ اَسْعِد متعدی بنفسہ ہے بخلاف اَلَبّ کے وہ لام کے ساتھ متعدی ہے (مفعول بہ وہ ہے جو واقع ہو) یعنی وہ اسم ہے جو واقع ہو (اس پر فاعل کا فعل) اور مصنف نے اسم کا ذکر نہیں کیا اس پر اکتفا کرتے ہوئے جو مفعول مطلق میں گذرا ہے اور مفعول بہ پر فاعل کے فعل کے واقع ہونے سے مراد اس کے ساتھ فعل کا تعلق ہے

خدمت اور امتثال حکم کیلئے ہر وقت مقیم اور حاضر ہوں اور میں خدمت کی جگہ بڑی دیر تک رہوں گا اور یہ جگہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا. پھر فعل اَلَبّ کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کیا گیا اور مصدر سے زوائد حذف کر کے اسکو مجرد کی طرف لوٹایا گیا تو لَبَّین لک ہوا. **بعدہ لک** سے لام حذف کر کے مصدر کو ضمیر مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا تو لَبَّیک ہوا قولہ **ویجوزان یکون** :۔ اور بھی جائز ہے کہ **لبیک لَبَّ بالمکان** سے ہو بمعنی **اَلَبّ** تاکہ تکریر و تکثیر پر دلالت کرے پس اس صورت میں **لبیک** از قبیل محذوف الزوائد نہیں ہوگا اسی قیاس پر **سعدیک** ہے **ای اسعدک اسعادا بعد اسعاد** بمعنی **اعینک** ۔ یعنی سعدیک اصل میں **اسعدک اسعادین** تھا فعل کو بطریق وجوب حذف کر کے مصدر کو اس کی جگہ رکھا اور کاف ضمیر کی طرف مضاف کر دیا پس نون بوجہ اضافت کے ساقط ہو گیا تو **اسعادیک** ہوا اسکے بعد عین کی حرکت اس کے ماقبل کو دیکر ہمزہ تخفیفا حذف کر دیا بعدہ الف التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تو سعدیک ہوا قولہ **الاان اسعد** :۔ یعنی **اسعد** اور **الب** کے درمیان اس امر میں کوئی فرق نہیں کہ ہر ایک تکریر و تکثیر کیلئے ہے لیکن انمیں اس اعتبار سے فرق ہے کہ **اسعد** متعدی بنفسہ ہے اور **الب** متعدی بلام ہے. قولہ **المفعول بہ** :۔ شارح علیہ الرحمۃ نے مفعول بہ کی تعریف میں لفظ اسم کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف ضربت زیدا کے مفعول بہ پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ فاعل کا فعل لفظ زید پر واقع نہیں ہوا بلکہ زید کے مسمی پر واقع ہوا ہے لہٰذا زیدا مفعول بہ نہ ہوا. شارح نے جواب دیا کہ مفعول بہ کی تعریف میں لفظ اسم مقدر ہے یعنی مفعول بہ اس مسمی کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو اور زیدا چنے مسمی کا نام ہے رہی یہ بات کہ مصنف نے لفظ اسم کیوں ذکر نہیں کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ مصنف نے لفظ اسم کو مفعول مطلق کی تعریف میں ذکر کیا ہے تو اس پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں ذکر نہیں کیا قولہ **والمراد** :۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ **ایاک نعبد** کے مفعول بہ پر صادق نہیں آتی اسلئے کہ معبود پر عابد کی عبادت واقع نہیں ہوتی. شارح نے جواب دیا کہ وقوع فعل سے مراد یہ ہے کہ فاعل کے فعل کا مفعول بہ کے ساتھ تعلق ہو اور ظاہر ہے کہ عابد کی عبادت کا معبود کے ساتھ تعلق ہے. لہٰذا مفعول بہ کی تعریف جامع ہے اور ایاک نعبد کے مفعول بہ پر تعریف صادق ہے.

قولہ **المفعول بہ** :۔ بقرینہ سابق اس سے پہلے لفظ و منہ مقدر ہے شراح نے المفعول کا الف لام اسم موصول قرار دیا ہے اور بہ کی ضمیر کو اسی کی طرف راجع کیا ہے لیکن مصنف کے نزدیک یہ درست نہیں وجہ یہ ہے کہ المفعول بہ علم نحوی ہے یہاں پر اسکے اشتقاقی معنی مراد نہیں کہ علم ہو جانے کے بعد اشتقاقی معنی مراد نہیں رہتے لہٰذا اسکا الف

بلاواسطة حرف الجر فانهم يقولون في ضربت زيداان الضرب واقع على زيد ولا يقولون في مررت بزيد ان المرور واقع عليه بل ملتبس به فخرج به المفاعيل الثلثة الباقية فانه لا يقال في واحد منها ان الفعل واقع عليه بل فيه أوله أو معه والمفعول المطلق بما يفهم من مغايرته لفعل الفاعل فان المفعول المطلق عين فعله والمراد بفعل الفاعل فعل اعتبر اسناده الى ما هو فاعل حقيقة او حكما فخرج به مثل زيد في ضُرِب زيد على صيغة المجهول فانه لم يعتبر اسناده الى فاعله

بلاواسطہ حرف جر کے کیونکہ اہل لغت ضربت زیدا میں کہتے ہیں کہ ضرب، زید پرواقع ہے اور مررت بزید میں یہ نہیں کہتے کہ مرور، زید پرواقع ہے بلکہ مرور، زید کے ساتھ ملا ہوا ہے پس وقع کی قید کے ساتھ باقی ماندہ تینوں مفعول خارج ہو گئے کیونکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ فعل اس پر واقع ہے بلکہ فعل اسمیں یا اس کیلئے یا اسکے ساتھ واقع ہے اور مفعول مطلق بھی خارج ہو گیا مفعول بہ کی اس مغایرت کی وجہ سے جو فاعل کے فعل کیلئے بھی جاری ہے کیونکہ مفعول مطلق اپنے فعل کا عین ہوتا ہے اور فاعل کے فعل سے مراد وہ فعل ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو خواہ حقیقۃ فاعل ہو یا حکما ہو پس اس سے ضُرب زید بصیغہ مجہول کا زید خارج ہو گیا کیونکہ ضرب کا اسناد اسکے فاعل کی طرف اعتبار نہیں کیا گیا

قولہ **بلاواسطة حرف الجر**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے اس لئے کہ یہ مررت بزید کے زید پر صادق آتی ہے کہ مرور زید پرواقع ہوا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ وقوع فعل سے مراد بالذات تعلق ہے بواسطہ حرف جر کے تعلق مراد نہیں اور مررت بزید میں حرف جر کا واسطہ ہے اور وقوع فعل بلاواسطہ حرف جر کے مراد ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ارباب لغت ضربت زیدا میں تو یہ کہتے ہیں کہ متکلم کی ضرب زید پرواقع ہے لیکن مررت بزید میں یہ نہیں کہتے کہ مرور زید پرواقع ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مرور زید کے ساتھ ملتبس اور ملصق ہے۔ قولہ **فخرج به**:۔ یعنی مصنف کے قول وقع علیہ فعل الفاعل کے ساتھ مفعول بہ کی تعریف سے مفاعیل ثلثہ باقیہ خارج ہو گئے کیونکہ انمیں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ فاعل کا فعل اسپر واقع ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فاعل کا فعل اسمیں واقع ہے یا اس کیلئے یا اسکے ساتھ واقع ہے۔ قولہ **والمفعول المطلق**:۔ اور مفعول مطلق بھی مفعول بہ کی تعریف سے اس مغایرت کی وجہ سے خارج ہو گیا جو **ما وقع عليه الخ** سے معلوم ہو رہی ہے یعنی ما وقع علیہ فعل الفاعل سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ فاعل کا فعل اور ما وقع علیہ الفعل مغایر ہوں کیونکہ کوئی شی اپنے نفس پر واقع نہیں ہوتی وجہ خروج یہ ہے کہ مفعول مطلق فعل کا عین ہوتا ہے۔ قولہ **والمراد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تعریف مذکور مانع نہیں اس لئے کہ ضُرب زید بصیغہ مجہول میں زید پر صادق آتی ہے حالانکہ اسکو مفعول بہ نہیں کہا جاتا بلکہ مفعول مالم یسم فاعلہ کہا جاتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں فاعل کے فعل سے وہ فعل مراد ہے جسکی اسناد فاعل حقیقی یا حکمی کی طرف معتبر ہو پس ما وقع علیہ فعل الفاعل سے ضرب زید کا زید خارج ہو گیا اس لئے کہ اسمیں فاعل کی طرف فعل کی اسناد کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ زید دراصل حقیقی اور حکمی طور پر مفعول بہ ہے اور جب اسکی

لام موصول نہیں اور المفعول بہ کا مجموعہ مبتدا مؤخر ہے (نذیر) قولہ **عين فعله**:۔ ☆سوال☆ مفعول مطلق فعل کا عین کسطرح ہے حالانکہ مفعول مطلق حدث کا نام ہے اور فعل حدث اور زمان اور نسبت الی الفاعل کے مجموعہ کا نام ہے ☆جواب☆ فعل کا مفہوم اصلی حدث ہے اور اس اعتبار سے مفعول مطلق فعل کا عین ہے رہا زمان اور نسبت الی الفاعل یہ مفہوم اصلی نہیں بلکہ قیود ہیں (جمال)

ولا یشکل بمثل اُعْطِی زید درھما فانه یصدق علی درھما انه وقع علیه فعل الفاعل الحکمی المعتبر اسناد الفعل الیه فان مفعول مالم یسم فاعله فی حکم الفاعل وبما ذکرنا ظھر فائدة ذکر الفاعل فلا یرد انه لو قال ماوقع علیه الفعل لکان اخصر نحو ضربت زیدا فان زیدا قد وقع علیه بلا واسطة حرف الجر فعل اعتبر اسناده الی الفاعل الذی ھو ضمیر المتکلم وقد یتقدم المفعول به علی الفعل العامل فیه لقوة الفعل فی العمل فیعمل فیه متقدما ومتأخرا اِمّا جوازا مثل اَللّٰه اَعبد وَوجه الحبیب اَتَمنّٰی واِمّا وجوبا فیما تضمن معنی الاستفھام او الشرط نحو مَن رأیت ومن تکرم یکرمک

اور نہیں اعتراض وارد ہوگا اعطی زید درھما کی مثل کے ساتھ کیونکہ درھما پر یہ صادق آتا ہے کہ اس پر فاعل حکمی کا فعل واقع ہے جس فاعل کی طرف فعل کا اسناد معتبر ہے کیونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ، فاعل کے حکم میں ہے اور ہم نے جو ذکر کیا اس کے ساتھ فاعل کے ذکر کرنے کا فائدہ ظاہر ہوگیا لہذا یہ اعتراض نہ ہوگا اگر مصنف ماوقع علیہ الفعل کہتے تو زیادہ مختصر تھا (جیسے ضربت زیدا) پس زید پر بلا واسطہ حرف جر کے ایسا فعل واقع ہوا ہے جس کا اسناد فاعل کی طرف اعتبار کیا گیا ہے جو کہ ضمیر متکلم ہے (اور کبھی مقدم ہوتا ہے) مفعول بہ (فعل پر) جو کہ مفعول بہ میں عامل ہے بوجہ قوی ہونے فعل کے عمل میں پس فعل مفعول میں عمل کرے گا مقدم ہو یا مؤخر یا جوازا مقدم ہوتا ہے جیسے اللّٰہَ اَعبد اور وجہ الحبیب اتمنی اور یا وجوبا اس مفعول بہ میں جو معنی استفہام یا معنی شرط کو متضمن ہو جیسے من رأیت اور من تکرم یکرمک

طرف فعل کا اسناد ہوا تو وہ مفعول بہ سے خارج ہو کر فاعل کے حکم میں ہوگیا اور اسکا نام مفعول مالم یسم فاعلہ قرار پایا اگرچہ اصل میں وہ مفعول بہ تھا۔ **قولہ ولا یشکل:۔** یعنی اعطی زید درھما کی مثل سے مفعول بہ کی تعریف پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا بایں طور کہ درھما پر مفعول کا فعل واقع ہو رہا ہے نہ فاعل کا حالانکہ یہ مفعول بہ ثانی ہے ۔اعتراض نہ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں درھما پر فاعل حکمی کا فعل واقع ہے اس لئے کہ مثال مذکور میں لفظ زید مفعول مالم یسمی فاعلہ ہے جو فاعل کے حکم میں ہوتا ہے اور اسکی طرف فعل اعطی کا اسناد بھی معتبر ہے۔ **قولہ وبما ذکرنا:۔** یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی تعریف میں لفظ **الفاعل** زائد ہے کیونکہ **ماوقع علیه الفعل** سے مفعول بہ کی تعریف ہوگئی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ہماری سابقہ تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ مفعول بہ کی تعریف میں مصنف نے جو الفاعل بڑھایا ہے وہ بے مقصد نہیں بلکہ اسکا یہ فائدہ ہے کہ ہم نے الفاعل میں تعمیم کر کے ضرب زید اور اعطی زید درھما کے ساتھ وارد کئے گئے اعتراض کا جواب دیا ہے اگر الفاعل مذکور نہ ہوتا تو اسمیں تعمیم بھی نہ ہوتی کیونکہ تعمیم مذکور میں ہوتی ہے۔ نحو ضربت زیدا اس مثال میں لفظ زید مفعول بہ ہے اس لئے کہ اس پر بلا واسطہ حرف جر کے ایسا فعل واقع ہے کہ جس کا اسناد فاعل کی طرف معتبر ہے اور وہ فاعل ضمیر متکلم ہے۔ **قولہ وقد یتقدم:۔** اور کبھی مفعول بہ اپنے عامل فعل پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ فعل قوۃ عمل کی وجہ سے مفعول بہ مقدم میں عمل کرتا ہے اور مفعول بہ کے مقدم ہونے کی دو صورتیں ہیں اول۔ تقدم جوازی جیسے اللہ اعبد اور وجہ الحبیب اتمنی دوم۔ تقدم وجوبی جبکہ مفعول بہ معنی استفہام یا معنی شرط کو متضمن ہو جیسے من رأیت یہ استفہام کی مثال ہے اور من تکرم یکرمک یہ شرط کی مثال ہے وجہ

هذا اذا لم یکن مانع من التقدیم کوقوعه فی حیّز ان نحو من البران تکف لسانک وقد یحذف الفعل العامل فی المفعول به لقیام قرینة مقالیة او حالیة جوازا نحو زیدا لمن قال من اضرب ای اضرب زیدا فحذف الفعل للقرینة المقالیة التی هو السوال ونحو مکة للمتوجه الیها ای ترید مکة فحذف الفعل للقرینة الحالیة ووجوبا فی اربعة مواضع تخصیصها بالذکر لیس للحصر لوجوب الحذف فی باب الاغراء والمنصوب علی المدح او الذم او الترحم بل لکثرة مباحثها بالنسبة الی هذه الابواب

یہ تقدیم اسوقت ہے جبکہ کوئی تقدیم سے مانع نہ ہو جیسے مفعول بہ کا کلمہ اَن کے تحت واقع ہونا جیسے من البران تکف لسانک (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فعل) جو کہ عامل ہے مفعول بہ میں (قرینہ قائم ہونے کے وقت) مقالیہ ہو یا حالیہ (جوازا جیسے زیدا اس شخص کیلئے جس نے کہا من اضرب) یعنی اضرب زیدا پس قرینہ مقالیہ کی وجہ سے فعل حذف کیا گیا جو کہ سوال ہے اور جیسے مکۃ اس شخص کیلئے جو مکہ مکرمہ کو جا رہا ہو یعنی ترید مکۃ پس قرینہ حالیہ کی وجہ سے فعل حذف کیا گیا (اور وجوبا چار مواضع میں) اور ان چار کو خاص کرنا ذکر کے ساتھ حصر کیلئے نہیں کیونکہ باب اغراء اور منصوب علی المدح یا منصوب علی الذم یا منصوب علی الترحم میں بھی حذف فعل واجب ہے بلکہ ان مواضع اربعہ کی تخصیص اس لئے ہے کہ باقی ابواب کی نسبت یہ کثیر المباحث

یہ ہے کہ یہ دونوں معنی صدارت کلام کو چاہتے ہیں اس لئے مفعول بہ کا مقدم کرنا واجب ہے تا کہ انکی صدارت باطل نہ ہو **قولہ هذا اذا لم یکن** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کی تقدیم کا جواز **من البران تکف لسانک** کے مفعول بہ سے منقوض ہے کیونکہ اس مفعول بہ کو مقدم کرنا جائز نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مفعول بہ کی تقدیم اسوقت جائز ہے جب تقدیم سے مانع کوئی چیز نہ ہو اور مثال مذکور میں مانع موجود ہے جو مفعول بہ کا موصول حرفی یعنی کلمہ اَن کے بعد واقع ہونا ہے چونکہ اس مثال میں فعل مع ان مصدریہ بتاویل مصدر ہو گیا ہے اور فعل کی جانب فعلیت ضعیف ہو گئی ہے اس لئے وہ مفعول بہ مقدم میں عمل کرنے سے قاصر ہے لہذا تقدیم مفعول بہ جائز نہیں **قولہ وقد یحذف الفعل** :۔ اور کبھی مفعول بہ کا فعل عامل ناصب جوازا حذف کر دیا جاتا ہے جبکہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ حذف پر موجود ہو۔ شارح نے مصنف کے قول **الفعل** کے بعد **العامل** کا اضافہ کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول بہ کا ناصب جب شبہ فعل ہو تو اسکو بھی قیام قرینہ کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے لہذا حذف کو فعل کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں مصنف نے ایسا کیوں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ **الفعل** سے مصنف کی مراد **العامل** ہے جو فعل اور شبہ فعل دونوں کو شامل ہے۔ پس زیدا اس مفعول بہ کی مثال ہے جس کا عامل قرینہ مقالیہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور وہ قرینہ سوال **من اضرب** ہے تقدیر عبارت ہے **اضرب زیدا** اور جیسے مکہ شریف جانے والے کیلئے مکۃ کہنا یہاں قرینہ حالیہ کی وجہ سے فعل حذف کر دیا گیا ہے جو مخاطب کا مقصد وارادہ ہے تقدیر عبارت اسطرح ہے **اتریدمکة** **قولہ ووجوبا فی اربعة مواضع** :۔ یعنی مفعول بہ کے فعل ناصب کو چار جگہ وجوبا حذف کر دیا جاتا ہے۔ شارح نے **تخصیصها بالذکر** کے ساتھ مصنف پر وارد کئے گئے ایک

قولہ باب الاغراء :۔ اغراء کا معنی ہے کسی کام پر ابھارنا اور اسکی ترغیب دینا جیسے **اخاک اخاک ای الزم اخاک** یہاں حذف فعل تنگی وقت کی وجہ سے محذوف ہے اور منصوب علی المدح کی مثال **الحمدلله الحمید** ہے ای **امدح الحمید** اور منصوب علی الذم کی مثال **اتانی زید الخبیث** ہے ای **اذم**

الاول من تلک المواضع الاربعة سماعی مقصور علی السماع لایتجاوز عن امثلة محدودة مسموعة بان یقاس علیها امثلة اخری نحو امرأ ونفسه ای اترک امرأ ونفسه وانتهوا خیرالکم ای انتهوا عن التثلیث واقصدوا خیرالکم وهو التوحید واهلا وسهلا ای اتیت اهلا ای مکانا ماهولا ای معمورا لاخرابا او اهلا لا اجانب ووطیت سهلا من البلاد لاحزنا

ہیں (پہلا) ان مواضع اربعہ میں سے (سماعی ہے) جو مورد سماع پر مقصور ہے کہ سنی ہوئی مثالوں سے تجاوز نہیں کرتا اس طرح کہ ان پر دوسری مثالوں کو قیاس کرلیا جائے (جیسے امرأ ونفسہ) یعنی اترک امرأ ونفسہ (اور انتھوا خیرالکم) یعنی انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیرالکم ای عسائیو تثلیث سے باز آجاؤ اور اپنے لئے اس کا قصد کرو جو تمہارے لئے بہتر ہے اور وہ توحید ہے (اور اہلا وسہلا) یعنی اتیت اہلا یعنی تم آباد جگہ آئے ہو جو خراب نہیں یا قریبوں میں آئے ہو جو اجنبی نہیں اور تم نے نرم زمین میں سفر کیا نہ کہ درشت اور ناہموار میں

اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مفعول بہ کے وجوبا محذوف ہونے کو چار مواضع میں منحصر کرنا درست نہیں اس لئے کہ باب اغراء اور منصوب علی المدح وغیرہ کے فعل کو حذف کرنا بھی واجب ہے اور یہ تمام مفعول بہ ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مواضع اربعہ کا ذکر حصر کیلئے نہیں کیونکہ کلمہ **اربعۃ** کلمات حصر میں سے نہیں ہے بلکہ مواضع اربعہ کا ذکر کثرت مباحث کی وجہ سے ہے کہ باب اغراء وغیرہ کی نسبت یہ کثیر الاستعمال ہیں قولہ **الاول**:۔ ان مواضع اربعہ سے پہلا موضع سماعی ہے یعنی سماع پر مقصور ہے اور سنی ہوئی چند مثالوں سے متجاوز نہیں کہ ان پر دوسری امثلہ کو قیاس کیا جاسکے۔ پہلی مثال **امرأ ونفسه** ہے **ای اترک امرأ ونفسه** اور سماعیہ مثالوں میں حذف فعل کی علت کثرت استعمال ہے دوسری مثال **انتھوا خیرا لکم** ہے اسمیں فعل مقدر **اقصدوا** ہے یعنی تم تثلیث سے رک جاؤ اور اسکا قصد کرو جو تمہارے لئے بہتر ہے اور وہ توحید ہے۔ یہ نصاری کو حکم دیا گیا ہے اس مثال میں خیرا کا ناصب **انتھوا** نہیں ہے **لفساد المعنی** کیونکہ معنی ہوگا خیر رک جاؤ قولہ **واھلا وسھلا**:۔ یہ حذف فعل وجوبا سماعا کی تیسری اور چوتھی مثال ہے تقدیر عبارت اسطرح ہے **اتیت اھلا ووطیت سھلا** یعنی **اھلا** مفعول بہ ہے جسکا فعل **اتیت** محذوف ہے اور لفظ اہل کے دو معنی ہیں۔ اول۔ بمعنی ماھول یعنی آباد نہ ویران اور یہ مکان کی صفت ہے **ای اتیت مکانا ماھولا معمورا لاخرابا** یعنی تم آباد جگہ میں آئے ہو ویران جگہ نہیں آئے۔ دوم۔ بمعنی اقرباء یعنی تم قرابت داروں کے پاس آئے ہو اغیار کے پاس نہیں آئے اور سہلا سے پہلے وطیت محذوف ہے اور **وطیت سھلا** کے معنی ہیں تم نے نرم زمین میں سفر کیا ہے سخت و ناہموار زمین میں سفر نہیں کیا۔

الخبیث اور منصوب علی الترحم کی مثال **مررت بزید المسکین** ہے **ای اعنی المسکین** قولہ ای اترک:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے وجوبا سماعا فعل محذوف کی نشاندہی کی ہے کہ وہ اترک ہے۔ اس مثال کے واؤ میں دو احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ بمعنی مع ہو اور دوم۔ یہ کہ عاطفہ ہو اور نفسہ معطوف ہو امرأ پر ای اترک نفس المرء یعنی تو اپنے ہاتھ کو اس مرد کے مارنے سے روک اور اپنے زبان کو اسے نصیحت کرنے اور دشنام دینے سے روک۔ قولہ **امرأ**:۔ اس کلمہ میں تین لغات ہیں۔ اول۔ لفظ امرأ کا عین کلمہ لام کے تابع ہوتا ہے یعنی جو لام کی حرکت ہو وہی عین کلمہ کی حرکت ہوتی ہے یہاں اسکی راء مفتوح ہے۔ دوم۔ احوال ثلثہ میں راء کے فتحہ کے ساتھ۔ سوم۔ احوال ثلثہ میں راء کے ضمہ کے ساتھ اور کبھی ہمزہ کے بغیر استعمال ہوتا ہے اور اسی سے یہ ارشاد گرامی ہے یوم یفر المرء من اخیہ۔ قولہ **انتھوا**:۔ اس میں وجوبا محذوف واقصدوا ہے یعنی فعل سے قبل واؤ عطف بھی اور انتھوا کا صلہ بھی محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیرالکم اور خیرا اخیر کا مخفف ہے اور مفضل علیہ تثلیث ہے اور مفضل توحید ہے ☆ سوال ☆ خیر اسم تفضیل سے لازم آیا کہ تثلیث میں بھی حسن ہے لیکن اللہ تعالی کی وحدانیت کا قول احسن ہے جو ظاہر البطلان ہے ☆ جواب ☆ یہاں پر مفضل علیہ یعنی تثلیث میں اصل فعل یعنی خیریت کا تحقق نفس الامر کے اعتبار سے نہیں بلکہ یہود کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے یا اسم تفضیل فعل کے معنی میں ہے اور تفضیل کے معنی سے خالی ہے (معتقد)

والموضع الثانی من تلک المواضع الاربعة المنادی وهو المطلوب اقباله ای توجهه الیک بوجهه او بقلبه کما اذا نادیت مقبلا علیک بوجهه حقیقة مثل یا زید او حکما مثل یا سماء ویا جبال ویا ارض فانها نُزّلت اولا منزلة من له صلاحیة النداء ثم اُدخل علیها حرف النداء وقُصد ندائها فهی فی حکم مَن یُطلب اقباله بخلاف المندوب لانه المتفجع علیه اُدخل علیه حرف النداء لمجرد التفجع لا لتنزیله منزلة المنادی وقصد ندائه فخرج بهذا القید عن تعریف المنادی ولهذا افرد المصنف احکامه بالذکر فیما بعد

(اور) موضع (ثانی) مواضع اربعہ میں سے (منادی ہے اور منادی وہ ہے جس کا اقبال مطلوب ہو) یعنی اسکی توجہ چہرہ یا قلب کے ذریعے تمہاری طرف مطلوب ہو جیسا کہ تم جب ایسے شخص کو ندا کرو جو چہرے سے تمہاری طرف متوجہ ہے خواہ حقیقۃ ہو جیسے یا زید یا حکما جیسے یا سماء اور یا جبال اور یا ارض پس ان اسماء کو پہلے اسکے منزلہ میں رکھا گیا جس میں ندا کئے جانے صلاحیت ہے پھر ان پر حرف ندا داخل کیا گیا اور ان کی ندا کا قصد کیا گیا پس یہ ان چیزوں کے حکم میں ہیں جن کی توجہ طلب کی جاتی ہے بخلاف مندوب کے کیونکہ مندوب وہ ہے جس پر رویا جائے اس پر حرف ندا محض تفجع کیلئے داخل کیا گیا ہے اس کو منادی کے منزلہ میں رکھنے کیلئے اور اسکی ندا کے قصد کیلئے نہیں لہٰذا اس قید سے مندوب، منادی کی تعریف سے خارج ہو گیا اسی وجہ سے مصنف نے مندوب کے احکام کو مابعد میں الگ ذکر کیا ہے

قولہ **الثانی المنادی**:۔ شارح نے **الموضع** مقدر کر کے **الثانی** کا موصوف بنایا ہے یعنی مواضع اربعہ میں سے دوسرا موضع منادی ہے اور منادی ایسا اسم ہے جسکی توجہ مطلوب ہو یعنی لفظ اقبال بمعنی توجہ ہے اور اقبال بمعنی توجہ میں بوجھہ او بقلبہ کے ساتھ تعمیم کر کے شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ اقبال کے معنی ہیں کسی کے سامنے چہرا کرنا پس منادی کی یہ تعریف اس منادی پر صادق نہیں جس کا چہرا بوقت ندا اس شخص کے سامنے ہو جو ندا کرتا ہے کیونکہ اسکی توجہ طلب کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اسی طرح یہ تعریف اس منادی پر بھی صادق نہیں آتی جو دیوار کے پیچھے ہو۔ شارح نے جواب دیا کہ اقبال بمعنی توجہ میں تعمیم ہے کہ وہ بوجھہ ہو جیسے غیر متوجہ کو ندا کرنے کی صورت میں یا توجہ بقلبہ ہو جیسے اس شخص کو ندا کرنا جو سامنے ہو۔ قولہ **حقیقۃ**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منادی کی تعریف جامع نہیں کیونکہ کبھی زمین و آسمان کو بھی پکارا جاتا ہے حالانکہ ان دونوں میں متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ توجہ سے عام مراد ہے کہ حقیقۃ ہو یا حکما ہو اور یا سماء وغیرہ میں توجہ حکما مطلوب ہے بایں طور کہ یا سماء وغیرہ کو اولا بمنزلہ اس شخص کے ٹھیرایا گیا جسمیں ندا کئے جانے کی صلاحیت ہے پھر ان پر حرف ندا داخل کر کے انکی ندا کا قصد و ارادہ کیا گیا۔ پس یا سماء وغیرہ ان ذات قلب اور ذات وجہ چیزوں کے حکم میں ہیں جنکی توجہ طلب کی جاتی ہے۔ قولہ **بخلاف المندوب**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یا سماء کی طرح مندوب کو منادی حکمی کیوں نہیں مان لیا جاتا؟ شارح نے جواب دیا کہ مندوب وہ ہے جس پر رویا جائے پس اس پر حرف ندا محض تفجع اور دکھ کے اظہار کیلئے داخل کیا گیا ہے اسکو بمنزلہ منادی کے قرار دینے کیلئے نہیں اور نہ اسکی ندا کا قصد کیا گیا ہے۔ لہٰذا **المطلوب اقباله** کی قید سے مندوب منادی سے خارج ہو گیا اور اسی وجہ سے مصنف نے مندوب کے احکام

وفیہ تحکمٌ فان المندوب ایضا کما قال بعضھم منادی مطلوب اقبالہ حکما علی وجہ التفجع فاذا قلت یا محمداہ فکانک تنادیہ وتقول لہ تعالَ فانا مشتاق الیک فالاولی ادخالہ تحت المنادی کما فعلہ صاحب المفصل وقیل الظاھر من کلام سیبویہ ایضا انہ داخلٌ فی المنادی بحرف نائب منابَ ادعُو من الحروف الخمسۃ وھی یاء وایا وھیا واَی والھمزۃ واحترز بہ عن نحو لِیُقبل زید لفظا او تقدیرا تفصیل للطلب ای طلبا لفظیا بان تکون آلۃ الطلب لفظیۃ نحو یا زید او تقدیریا بان تکون آلتہ مقدرۃ نحو یُوسُفُ اعرض عن ھذا

اور اس میں تحکم ہے یعنی المطلوب اقبالہ کی قید سے مندوب کو تعریف سے خارج کرنا دعوی بلا دلیل ہے اس لئے کہ مندوب بھی منادی ہے جس کی توجہ حکما بطور تفجع مطلوب ہے جیسا کہ ان کے بعض نے کہا پس جب تم نے یا محمداہ کہا تو گویا تم انہیں ندا کر رہے ہو اور ان سے عرض کر رہے ہو تشریف لائیے میں آپ کا مشتاق ہوں پس اولی مندوب کو منادی کے تحت داخل کرنا ہے جیسا کہ اسے صاحب مفصل نے داخل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ سیبویہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہے کہ مندوب منادی میں داخل ہے (ایسے حرف کے ساتھ جو ادعو کے قائم مقام ہے) حروف خمسہ میں سے اور وہ یا اور أیا اور ھیا اور أیا اور أ اور ہمزہ مفتوحہ ہیں اور مصنف نے بحرف نائب مناب أدعو کی قید کے ساتھ لیُقبل زید کی مثل سے احتراز کیا ہے (لفظا یا تقدیرا) یہ طلب کی تفصیل ہے یعنی طلب لفظی ہو بایں طور کہ آلہ طلب لفظی ہو جیسے یا زید یا طلب تقدیری ہو بایں طور کہ آلہ طلب تقدیری ہو جیسے یوسف أعرض عن ھذا

الگ ذکر کئے ہیں قولہ **وفیہ تحکم**:۔ شارح فرماتے ہیں کہ مندوب کو منادی سے خارج ماننا اور یا سماہ وغیرہ کو داخل ماننا مصنف کی جانب سے دعوی بلا دلیل ہے صحیح یہ ہے کہ مندوب بھی منادی حکمی ہے مثلا جب تم کہو **یا محمداہ** تو گویا کہ تو انکو ندا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آؤ میں تمہاری ملاقات کا مشتاق ہوں پس محمد کو ندا کرنے والا اشتیاق ملاقات کے وقت ندا کرتا ہے لہذا محمد منادی ہوا پس اولی یہ ہے کہ مندوب کو منادی میں داخل مانا جائے جسطرح کہ صاحب مفصل نے مندوب کو منادی میں داخل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ سیبویہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مندوب منادی میں داخل ہے صاحب محرم نے اسکا یہ جواب دیا کہ واؤ جو مندوب کے ساتھ مختص ہے وہ حروف ندا میں شمار نہیں کیا گیا ورنہ حروف ندا چھ شمار کئے جاتے جس سے معلوم ہوا کہ مندوب منادی نہیں صاحب لطائف نے مصنف علیہ الرحمۃ کی جانب سے یہ جواب دیا کہ مندوب کو منادی حکمی بنانے سے مجاز لازم آئیگا جبکہ مندوب کلام عرب میں کثیر الاستعمال ہے جسکو مجاز قرار دینا درست نہیں قولہ **بحرف نائب**:۔ یہ جار مجرور **اَلْمَطْلُوْب** کے متعلق ہے یعنی منادی وہ ہے جسکے مسمی کا اقبال اور اسکی توجہ مطلوب ہو ایسے حرف کے ساتھ جو اَدْعُوْ کے قائم مقام ہے اور حروف ندا یہ ہیں۔ یا، ایا، ھیا، اَی اور ہمزہ مفتوحہ یعنی أ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول **بحرف نائب مناب أدعو** کے ساتھ **لِیُقْبِلْ زیدٌ** کی مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ اسمیں زید کی توجہ حرف ندا کے ذریعے طلب نہیں کی گئی بلکہ صیغہ امر کے ساتھ اسکی توجہ طلب کی گئی ہے۔ قولہ **لفظا او تقدیرا**:۔ یہ طلب کی تفصیل ہے اور ان کا نصب موصوف مقدر کے اعتبار سے مصدریت کی بنا پر ہے اور لفظا بمعنی ملفوظا اور تقدیرا بمعنی مقدرا ہے اور طلب لفظی یہ ہے کہ آلہ طلب ملفوظ ہو جیسے یا زید میں آلہ طلب یعنی حرف ندا ملفوظ ہے۔ اور طلب تقدیری یہ ہے کہ آلہ طلب مقدر ہو جیسے یوسُف

او للنیابة ای نیابة لفظیة بان یکون النائب ملفوظا او تقدیریة بان یکون النائب مقدرا کما فی المثالین المذکورین او للمنادی و المنادی الملفوظ مثل یازید و المقدر مثل اَلا یااسجدوا ای اَلا یاقوم اسجدوا و انتصاب المنادی عند سیبویه علی انه مفعول به و ناصبه الفعل المقدر و اصل یازید اَدعو زیدا فحذف الفعل حذفا لازما لکثرة استعماله و لدلالة حرف النداء علیه و افادته فائدته و عند المبرد بحرف النداء لسدّه مسد الفعل و قال ابو علی فی بعض کلامه ان یا و اخواتها اسماء الافعال

یا یہ نیابت کی تفصیل ہے یعنی نیابت لفظی ہو بایں طور کہ نائب ملفوظ ہو یا نیابت تقدیری ہو بایں طور کہ نائب مقدر ہو جس طرح کہ مذکورہ مثالوں میں ہے یا یہ منادی کی تفصیل ہے یعنی منادی ملفوظ ہو جیسے یازید اور مقدر ہو جیسے الا یا اسجدوا یعنی الا یا قوم اسجدوا اور سیبویہ کے نزدیک منادی کا منصوب ہونا اس بناء پر ہے کہ وہ مفعول بہ ہے اور اس کا ناصب فعل مقدر ہے اور یازید کی اصل ادعو زیدا ہے پس فعل کو وجوبا حذف کر دیا گیا اس جیسے کلام کے کثرت استعمال کی وجہ سے اور حرف ندا کے فعل محذوف پر دلالت کرنے اور اس کا فائدہ دینے کی وجہ سے اور مبرد کے نزدیک منادی کا نصب حرف ندا کی وجہ سے ہے کیونکہ حرف ندا فعل کے قائم مقام ہے اور ابو علی نے اپنے بعض کلام میں کہا کہ یا اور اسکے اخوات اسماء افعال ہیں

اَلغرض عن ہذا اس یا کے ساتھ آلہ طلب مقدر ہے ای یا یوسف اعرض عن ھذا قولہ اوللنیابة:۔ یالفظا او تقدیرا نیابت کی تفصیل ہے جو نائب مناب ادعو سے مفہوم ہو رہی ہے نیابت لفظیہ یہ ہے کہ نائب ملفوظ ہو جیسے یازید میں حرف ندا ملفوظ ہے اور نیابت تقدیریہ یہ ہے کہ نائب مقدر ہو جیسے یوسف الخ یالفظا او تقدیرا منادی کی تفصیل ہے یعنی منادی ملفوظ ہو جیسے یازید یا مقدر ہو جیسے اَلا یااسجدوا اس میں منادی مقدر ہے یعنی اَلا یا قوم اسجدوا قولہ و انتصاب المنادی :۔ منادی کے ناصب میں اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک اسکا ناصب فعل محذوف ہے یہی مصنف علیہ الرحمۃ کا مختار ہے جسکی وجہ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے منادی کو وہ مفعول بہ شمار کیا ہے جسکا فعل وجوبا محذوف ہوتا ہے۔ اور مبرد کے نزدیک منادی کا ناصب حرف ندا ہے جو فعل کے قائم مقام ہو کر منادی کا ناصب ہے اور ابو علی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے نزدیک حروف ندا اسماء افعال ہیں جو منادی کو نصب کرتے ہیں تو جملہ کا ایک جز اسم فعل اور دوسرا ضمیر ہے پس سیبویہ کے نزدیک یازید کی اصل اَدعو زیدا ہے فعل کثرت استعمال کی وجہ سے وجوبا حذف کر دیا گیا اور اسلئے کہ حرف ندا فعل پر دلالت کر رہا ہے اور اسکا فائدہ دے رہا ہے۔ لہذا فعل کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تو اسکا حذف واجب کر دیا

قولہ فحذف الفعل :۔ یعنی ادعو زیدا سے فعل کو وجوبا حذف کر دیا گیا کیونکہ اس جیسا کلام کثیر الاستعمال ہے اور کثرت تخفیف کی مقتضی ہے لہذا فعل ناصب کے وجوبا حذف کے ذریعے اس کلام میں تخفیف کر دی گئی قولہ و افادتہ فائدتہ:۔ یہ عطف تفسیری ہے یعنی حرف ندا کے فعل کا فائدہ دینے کی وجہ سے اور فعل کا فائدہ طلب ہے جس پر حرف ندا دال ہے قولہ لسدہ مسد الفعل :۔ یعنی مبرد کے نزدیک حرف ندا فعل کے قائم مقام ہو کر منادی کو نصب کرتا ہے کیونکہ جب فعل کو وجوبا حذف کر کے حرف ندا کو اسکے قائم مقام کیا گیا تو حرف فعل والا عمل کرنے لگا اور مبرد کا قول بایں طور رد کیا گیا ہے کہ فعل ناصب اگرچہ لفظوں میں محذوف ہے مگر وہ نیت میں مقدر ہے اور نیت میں مقدر ملفوظ لفظا کی مانند ہوتا ہے لہذا منادی میں فعل ہی عامل ہوگا قولہ فی بعض کلامہ:۔ اس میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ ابو علی کے نزدیک مختار وہی ہے جسکی جانب مصنف گئے ہیں اور ابو علی کا قول کہ حروف ندا اسماء افعال ہیں بایں طور رد کیا گیا ہے کہ اسماء افعال دو حرفوں سے کم نہیں ہوتے اور ہمزہ ندا حرف واحد ہے (محرم)

فعلی هذین المذهبین لایکون من هذاالباب ای ممانتصب المفعول به بعامل واجب الحذف وعلی المذاهب کلهامثل یازیدجملةولیس المنادی اَحَدجُزأیِ الجملةفعندسیبویه جزأ الجملةای الفعل والفاعل مقدران وعندالمبردحرف النداء قائمٌمقام اَحَدجزأیِ الجملةای الفعل والفاعل مقدروعندابی علی احدجزأیهااسم الفعل والآخرضمیر مستترفیهویبنی ای المنادی قدم بیان البناء والخفض والفتح علی النصب لقلتهابالنسبةالی النصب ولطلب الاختصارفی بیان النصب بقوله وینصب ماسواهما علی مایُرفع به ای علی الضمةاوالالف اوالواوالتی یرفع بهاالمنادی فی غیرصورةالنداء اوالفعل مسنداًالی الجاروالمجروراعنی به

پس ان دومذہبوں کی بناپر منادی اس باب سے نہیں ہوگا یعنی اس باب سے نہیں ہوگا جس میں مفعول بہ فعل واجب الحذف کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اورتینوں مذہبوں پرمثل یازید جملہ ہے اورمنادی جملہ کے دواجزامیں سے کوئی جزنہیں پس سیبویہ کے نزدیک جملہ کے دونوں اجزا یعنی فعل اور فاعل مقدر ہیں اورمبرد کے نزدیک حرف ندا جملہ کے ایک جز یعنی فعل کے قائم مقام ہے اور فاعل مقدرہے اورابوعلی کے نزدیک جملہ کا ایک جزاسم فعل ہے اوردوسراجزضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے(اورمبنی کیا جاتا ہے)یعنی منادی مصنف نے بناء اورجراورفتح کے بیان کونصب پراس لئے مقدم کیا کہ یہ تینوں بہ نسبت نصب کے قلیل الاستعمال ہیں اور نصب کے بیان میں طلب اختصارکی وجہ سے اپنے قول"وینصب ماسواھما" کے ساتھ(اس پر کہ اسکے ساتھ رفع دیاجاتا ہے)یعنی ضمہ پر اورالف پراورواؤپرجن کے ساتھ منادی غیرصورت ندامیں رفع دیاجاتا ہے یافعل جارمجرورکی طرف مضاف ہے میری مرادبہ ہے

گیاقولہ **فعلی ھذین المذھبین**:۔یعنی مبرداورابوعلی کے قول کے پیش نظرمنادی وہ مفعول بہ نہیں جوعامل واجب الحذف سے منصوب ہوتا ہے کیونکہ انکے نزدیک حرف نداجومنادی کاناصب ہے وہ ملفوظ ہے البتہ تمام مذاہب کی رُو سے مثل یازیدٌ جملہ ہے لیکن منادی جملہ کاکوئی جزنہیں نہ مسنداورنہ مسندالیہ کیونکہ سیبویہ کے نزدیک جملہ کے دونوں جزیعنی فعل اورفاعل مقدر ہیں اورمبرد کے نزدیک حرف نداجملہ کے ایک جزیعنی فعل کے قائم مقام ہے اورجملہ کادوسراجزیعنی فاعل مستتر ہے۔اورابوعلی کے نزدیک جملہ کاایک جزاسم فعل ہے اوردوسراجزضمیر ہے جواسمیں مستتر ہے۔قولہ **وَیُبْنٰی**:۔شارح نے **ای المنادی** سے یُبْنٰی کانائب فاعل متعین کیا ہےاور **قَدَّمَ بَیَانَ الْبِنَاءِ** سے ایک سوال مقدرکاجواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے منادی کے چارحال بیان کئے ہیں۔بنا،خفض،رفع اورنصب۔اورنصب کابیان آخرمیں کیا ہے جبکہ مقام اسکامقتضی ہے کہ بیان نصب پہلے ہوکیونکہ زیربحث نصب بنابرمفعولیت ہے۔شارح نے اسکے دوجواب دیئے ہیں۔اول۔یہ کہ بیان بنا،خفض اورفتح کواسلئے مقدم کیا گیا ہے کہ وہ بنسبت نصب کے بحسب التحقق والاستعمال قلیل ہیں اورمصنف کی عادت ہے کہ وہ قلیل کو پہلے ذکرکرتے ہیں۔دوسراجواب یہ دیاکہ بیان نصب میں اختصارکے پیش نظرایساکیا ہے چنانچہ نصب کے مواضع کو **وینصب ماسواھما** کے ساتھ بیان کردیا ہے حالانکہ نصب کے مواضع کثیر ہیں۔قولہ **علی مایرفع به**:۔**یُرْفَعُ مبنی للمفعول** ہے جسکانائب فاعل ضمیرمستترراجع بسوئے منادی ہے اوربہ کی ضمیر

ولا ضمیر فیہ وارجاع الضمیر الی الاسم غیر ملایم لسَوق الکلام ان کان ای المنادی مفردا ای لایکون مضافا ولا شبہ مضاف وھو کل اسم لایتم معناہ الا بانضمام امر آخر الیہ معرفۃ قبل النداء او بعدہ وانما بنی المفرد المعرفۃ لوقوعہ موقع الکاف الاسمیۃ المشابھۃ لفظا ومعنی لکاف الخطاب الحرفیۃ وکونہ مثلھا افرادا وتعریفا وذلک لان یازید بمنزلۃ ادعوک وھذہ الکاف ککاف ذلک لفظا ومعنی وانما قلنا ذلک لان الاسم لایبنی الا لمشابھۃ الحرف او الفعل ولایبنی لمشابھۃ الاسم المبنی

اور اس فعل میں ضمیر مستتر نہیں ہے اور ضمیر مستتر کو اسم کی طرف لوٹانا سیاق کلام کے مناسب نہیں (اگر ہو) یعنی منادی (مفرد) یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو اور مشابہ مضاف ہر وہ اسم ہے کہ جس کا معنی تمام نہ ہو اس کی طرف شی آخر کے ملائے بغیر (معرفہ) ندا سے پہلے یا ندا کے بعد اور منادی مفرد معرفہ کو اس کے کاف اسمیہ کی جگہ واقع ہونے کی وجہ سے مبنی کیا گیا وہ کاف اسمیہ جو لفظا اور معنی کاف خطاب حرفیہ کے مشابہ ہے اور بوجہ ہونے منادی کے کاف اسمیہ کی مثل مفرد اور معرفہ اور یہ مشابہت وشلیت اس لئے ہے کہ یازید بمنزلہ ادعوک کے ہے اور یہ ادعوک کا کاف لفظا اور معنی ذلک کے کاف کی مثل ہے اور ہم نے یہ اس لئے کہا کہ اسم صرف حرف یا فعل کی مشابہت سے مبنی کیا جاتا ہے اسم مبنی کی مشابہت کی وجہ سے مبنی نہیں کیا جاتا

مجرور کا مرجع ما موصولہ ہے یعنی منادی مبنی بنایا جاتا ہے اس حرکت یا حرف پر جسکے ساتھ غیر ندا میں وہ رفع دیا جاتا ہے یعنی اعراب بالحرکت میں مبنی بر ضم کر دیا جاتا ہے اور اعراب بالحرف میں تثنیہ میں مبنی علی الالف اور جمع میں مبنی علی الواو کر دیا جاتا ہے جیسے یازیدان ویازیدون. یافعل یُرفع کا نائب فاعل جار مجرور یعنی بہ ہے اور اسمیں ضمیر مستتر نہیں کہ تعدد فاعل لازم آئیگا اور یُرفع کی ضمیر کا مرجع مطلق اسم بنانا جیسا کہ وہ بعض کا قول ہے درست نہیں کیونکہ یہ سیاق کلام کے منافی ہے اسلئے کہ زیر بحث منادی ہے مطلق اسم زیر بحث نہیں قولہ **ان کان المنادی** :۔یعنی منادی مبنی علی مایُرفع یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ مفرد ہو یعنی مضاف اور مشابہ بمضاف نہ ہو اور مشابہ مضاف ہر وہ اسم ہے جسکا معنی امر آخر کے ملائے بغیر تام نہ ہوتا ہو جیسے یا خیرا من زید کہ خیرا کے معنی من زید کے ملائے بغیر تام نہیں ہوتے اور وہ منادی معرفہ ہو اور تعریف سے مراد تعریف بالعلمیت یا تعریف بالاضافت ہے خواہ ندا سے پہلے معرفہ ہو جیسے یازید یا ندا کے بعد معرفہ ہو جیسے یارجل قولہ **وانما بنی** :۔یعنی منادی مفرد معرفہ اس لئے مبنی بنایا گیا ہے کہ وہ کاف اسمیہ کی جگہ واقع ہوتا ہے وہ کاف اسمیہ جو لفظا اور معنی کاف خطاب حرفیہ کے مشابہ ہوتا ہے اور منادی کاف اسمیہ کی مثل مفرد اور معرفہ بھی ہوتا ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ یازید، ادعوک کے منزلہ میں ہے یعنی لفظ یا اُدعو کے قائم مقام ہے اور زید کاف کے اور ادعوک کا کاف لفظا اور معنی کے اعتبار سے ذلک کے کاف کے مشابہ ہے تو بالواسطہ لفظ زید مبنی اصل کے مشابہ ہو گیا اس لئے زید مبنی قرار پایا قولہ **وانما قلنا** :۔یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ شارح نے منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کا بیان کرتے ہوئے صرف یہ نہیں کہا کہ منادی کاف اسمیہ کی جگہ واقع ہوتا ہے بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ کاف اسمیہ جو لفظ اور معنی کے اعتبار سے کاف حرفیہ کے مشابہ ہے اسکی کیا وجہ ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہ ہم نے اسلئے کہا کہ اسم صرف حرف اور فعل کی مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوتا ہے جو بناء میں اصل ہیں وہ کسی اسم مبنی کی مشابہت کی وجہ سے مبنی نہیں

مثل یازیدو یارجل مثالان لماھو مبنی علی الضمۃ اولھما معرفۃ قبل النداء وثانیھما معرفۃ بعدالنداء و یازیدان مثال المبنی علی الالف ویازیدون مثال المبنی علی الواو ویخفض ای ینجر المنادی بلام الاستغاثۃ ای بلام تدخلہ وقت الاستغاثۃ وھی لام التخصیص ادخلت علی المستغاث دلالۃ علی انہ مخصوص من بین امثالہ بالدعاء مثل یالَزید وانما فتحت لئلا یلتبس بالمستغاث لہ اذا حذف المستغاث نحو یالِلمظلوم ای یالَقوم فانہ لولم تفتح لام المستغاث لم یُعلم ان المظلوم فی ھذا المثال مستغاث اومستغاث لہ

(جیسے یازیداوریارجل) یہ دونوں اس منادی کی مثالیں ہیں جوضمہ پرمبنی ہوتا ہے ان دومیں سے پہلامنادی قبل ازندامعرفہ ہے اور دوسرابعدازندا معرفہ ہے(اوریازیدون)مبنی برواؤکی مثال ہے(اورجردیاجاتا ہے)یعنی منادی مجروروہوجاتا ہے(لام استغاثہ کے ساتھ)یعنی اس لام سے جو استغاثہ کے وقت منادی پرداخل ہوتا ہے اوروہ لام تخصیص ہے جواس بات پردلالت کرنے کیلئے مستغاث پرداخل کیاجاتا ہے کہ مستغاث اپنے امثال میں سے دعاکے ساتھ مخصوص ہے.(جیسے یالَزید)اوریہ لام استغاثہ اس لئے فتحہ دیاگیاہے کہ مستغاث لہ کے ساتھ التباس نہ ہوجائے جبکہ مستغاث کوحذف کیاجائے جیسے یالِلمظلوم یعنی یالَقوم اس لئے کہ لامستغاث کواگرفتحہ نہ دیاجاتاتویہ معلوم نہ ہوتاکہ اس مثال میں مظلوم مستغاث ہے یامستغاث لہ ہے

ہوتا.کیونکہ اسم بناء میں اصل نہیں ہے قولہ **مثل یازید ویارجل**:۔یہ دونوں منادی مبنی علی الضم کی مثالیں ہیں جنمیں سے زیدقبل الندامعرفہ ہے اوررجل بعدازندامعرفہ ہےاوریازیدان مبنی علی الالف کی مثال ہےاوریازیدون مبنی علی الواوکی مثال ہے.قولہ **ویخفض** :۔شارح نے ای ینجر کے ساتھ تفسیرکرکےایک سوال کاجواب دیاہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے **یُخفَض** کہکر خفض کومنادی کی صفت بنایاہے حالانکہ یہ خافض کی صفت ہے اسکی کیاوجہ ہے.شارح نے جواب دیاکہ مخفض بمعنی ینجر ہےاورمجرورہونامنادی کی صفت اوراسکےاحوال میں سے ایک حال ہے یعنی منادی لام استغاثہ کی وجہ سے مجرورہوتا ہے جیسے **یالَزید** اورلام استغاثہ سے وہ لام مراد ہے جواستغاثہ یعنی فریادطلب کرنے کے وقت منادی پرداخل ہوتا ہے اوراسوقت منادی کے مجرورہونے کی وجہ یہ ہے کہ لام استغاثہ لام جارہ برائے تخصیص ہے جومستغاث پرداخل کی گئی تاکہ اس امرپردلالت کرے کہ مستغاث اپنے اشباہ وامثال میں دعاکے ساتھ مخصوص ہے یعنی صرف اسی کومددکیلئے بلایاجارہا ہے.قولہ **وانمافتحت**:۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لام استغاثہ اگرلام جارہ ہےتومکسورکیوں نہیں ہوتا حالانکہ لام جارہ اسم ظاہرکے ساتھ مکسورہوتا ہے جیسے لِزید.شارح نے جواب دیاکہ لام استغاثہ کواسلئے فتح دیاگیاہے کہ لام کے کسرہ کی وجہ سے مستغاث کامستغاث لہ کے ساتھ التباس نہ ہوکیونکہ مستغاث لہ کالام مکسورہوتا ہےاورالتباس کاخوف اسوقت ہے جب مستغاث حذف کردیاگیاہوجیسے **یاللمظلوم ای یالَقوم للمظلوم** .پس اگرلام مستغاث یعنی قوم کوفتح نہ دیاجائے تواس مثال میں معلوم نہیں ہوسکےگاکہ مظلوم مستغاث ہے یامستغاث لہ ہے پھرمستغاث غیرمحذوف کے لام کوبھی اطراد باب کیلئے فتح دیاگیااگرچہ وہاں التباس کاخوف نہیں ہے.

ولم یعکس الامر لان المنادی المستغاث واقع موقع کاف الضمیر التی تفتح لام الجر معها نحولک بخلاف المستغاث له لعدم وقوعه موقع الضمیر فان عطفت علی المستغاث بغیر یا نحو یالَزید ولِعمرو کسرت لام المعطوف لان الفرق بینه وبین المستغاث له حاصل بعطفه علی المستغاث وان عطفت مع یا فلا بدّ من فتح لام المعطوف ایضا نحو یالَزید ویالَعمرو وانما اعرب المنادی بعد دخول لام الاستغاثۃ لان علۃ بنائه کانت مشابهته للحرف واللام الجار من خواص الاسم فبدخولها ضَعفت مشابهته للحرف فاعرب علی ماهو الاصل فیه

اور یہ امر برعکس اس لئے نہیں کیا گیا کہ منادی مستغاث اس کاف ضمیر کی جگہ واقع ہے جسکے ساتھ لام جارہ مفتوح ہوتا ہے جیسے لَکَ بخلاف مستغاث لہ کے کہ وہ کاف ضمیر کی جگہ واقع نہیں ہوتا۔ پس اگر تم یا کے بغیر مستغاث پر عطف کرو جیسے یالَزید ولِعمرو تو لام معطوف کو کسرہ دو گے کیونکہ مستغاث اور مستغاث لہ کے درمیان فرق حاصل ہے اس کو مستغاث پر معطوف کرنے کی وجہ سے اور اگر تم یا کے ساتھ عطف کرو تو معطوف میں لام کا فتحہ ضروری ہے جیسے یالَزید ویالَعمرو۔ اور منادی کو لام استغاثہ کے دخول کے بعد معرب کیا گیا ہے کیونکہ اسکے مبنی ہونے کی وجہ اسکی حرف کے ساتھ مشابہت تھی اور لام جارہ اسم کے خواص میں سے ہے جس کے دخول سے اسکی حرف کے ساتھ مشابہت ضعیف ہوگئی لہٰذا وہ معرب کر دیا گیا مطابق اسکے جو اسم میں اصل ہے۔

قولہ **ولم یعکس الامر** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مستغاث اور مستغاث لہ کے درمیان اسطرح بھی التباس رفع ہو سکتا ہے کہ مستغاث کے لام کو کسرہ دیا جائے اور مستغاث لہ کے لام کو فتح دیا جائے ایسا کیوں نہیں کیا گیا:۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ اس لئے نہیں کیا گیا کہ منادی مستغاث کاف ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف ضمیر کے ساتھ لام جارہ کو فتح دیا جاتا ہے جیسے لَکَ اس لئے مستغاث کے لام کو فتح دیا گیا بخلاف مستغاث لہ کے کہ وہ ضمیر کی جگہ واقع نہیں ہوتا اسلئے اسکے لام کو فتح نہیں دیا گیا۔ قولہ **فان عطفت** :۔ پس اگر تم منادی مستغاث پر یا کے بغیر عطف کرو جیسے **یالَزید ولِعمرو** تو تم لام معطوف کو کسرہ دو گے کیونکہ مستغاث پر عطف کرنے سے مستغاث اور مستغاث لہ کے درمیان فرق ہو چکا لہٰذا معطوف کے لام کو فتح دیکر فرق کرنے کی حاجت نہیں لیکن اگر تم مستغاث پر یا کے ساتھ عطف کرو تو لام معطوف کا فتح ضروری ہے جیسے **یالَزید ویالَعمرو** کیونکہ معطوف منادی مستقل ہے اسلئے اسکے لام کا فتح ضروری ہے تاکہ مستغاث اور مستغاث لہ کے درمیان فرق ہو سکے۔ قولہ **وانما اعرب المنادی** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منادی مستغاث بلام معرب کیوں ہے جبکہ علت بنا یعنی کاف کی جگہ واقع ہونا اسمیں بھی موجود ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ لام استغاثہ داخل ہونے کے بعد منادی معرب اسلئے ہو جاتا ہے کہ علت بنا منادی کی حرف کے ساتھ مشابہت تھی اور لام جارہ اسم کے خواص میں سے ہے جسکے داخل ہونے سے منادی کی حرف کے ساتھ مشابہت ضعیف ہوگئی جسکی وجہ سے منادی اپنے اصل کے مطابق معرب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ضعیف خلاف اصل میں موثر نہیں ہوتا یعنی کسی اسم کو مبنی نہیں بناتا۔

﴿فائدہ﴾ لام استغاثہ کا متعلق کون ہے اسمیں اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک فعل مقدر یعنی ادعو اس لام کا متعلق ہے لہٰذا یہ ظرف مستقر ہے ابن خروف کے نزدیک یہ لام زائدہ ہے یعنی اسکا متعلق کوئی نہیں اور اس لام کا مدخول منصوب ہے محلا یا تقدیرا اور مبرد کے نزدیک اسکا متعلق حرف ندا ہے جو فعل کے قائم مقام ہے لہٰذا مبرد کے نزدیک یہ ظرف لغو ہے۔ قولہ **تفتح لام الجر معها** :۔ لام جارہ ضمیر پر داخل ہو تو مفتوح ہوتا ہے کیونکہ اسکی اصل فتح ہی ہے اور اس کا کسرہ لام جارہ اور لام تاکید میں فرق کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور ضمیر متصل کے ساتھ اصل کے مطابق مفتوح ہوتا ہے کیونکہ اس پر لام تاکید داخل نہیں ہوتا تو اس صورت میں التباس کا خوف نہیں ہے۔

قیل قد یُخفض المنادی بلامَي التعجب و التهدید ایضا فلام التعجب نحو یالَلماء و یالَلدواهی و لام التهدید نحو یالزید لأقتلنک فلم اهمل المصنّف ذکرهما و کیف یصدق قوله فیما بعد و یُنصب ما سواهما کُلّیًا و اجیب بانّ کُلّا من هاتین اللامین لام الاستغاثة کانّ المهدّد اسم فاعل یستغیث بالمهدد اسم مفعول لیحضر فینتقم منه و یستریح من الم خصومته و کان المتعجب یستغیث بالمتعجب منه لیحضر فیقضی منه العجب و یتخلص منه و اجیب عن لام التعجب بوجه آخر ذکره المصنف فی الایضاح و هو ان المنادی فی قولهم یالَلماء و یالَلدواهی لیس الماء و لا اللدواهی و انما المراد یا قوم او یا هؤلاء اعجبوا لَلماء و للدواهی و لا یخفی علیک ان القول بحذف المنادی علی تقدیر کسر اللام ظاهرٌ و اما علی تقدیر فتحها فمشکل لانتفاء ما یقتضی فتحها حینئذ کما هو الظاهر

کہا گیا ہے کہ تعجب اور تہدید کے دو لام کی وجہ سے کبھی منادی مجرور ہو جاتا ہے۔ پس لام تعجب جیسے یالَلماء و یالَلدواھی اور لام تہدید جیسے یالزید لأقتلنک۔ پھر مصنف نے ان دو لام کا ذکر کیوں ترک کر دیا ہے اور مصنف کا بعد میں کلی طور پر "و ینصب ما سواھما" کہنا کیسے صادق ہوگا۔ اور جواب دیا گیا ہے کہ یہ دونوں لام استغاثہ کے لام ہیں گویا مھدد بصیغہ اسم فاعل، مھدد بصیغہ اسم مفعول کو استغاثہ کرتا ہے کہ وہ حاضر ہو اور یہ شخص اس سے انتقام لے اور یہ شخص اسکی خصومت کی تکلیف سے راحت پائے۔ اور گویا کہ تعجب کرنے والا اس سے استغاثہ کرتا ہے جس پر تعجب کیا گیا تا کہ وہ حاضر ہو تو وہ اس سے تعجب کو پورا کرلے اور تعجب سے رہائی پائے اور لام تعجب سے متعلق سوال کا ایک اور طریقہ سے جواب دیا گیا ہے جسے مصنف نے ایضاح میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن کے قول "یالَلماء اور یالَلدواھی میں الماء اور الدواھی منادی نہیں اور اس سے مراد یا قوم، یا یاھؤلاء اعجبوا للماء وللدواھی ہے اور آپ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے یالَلماء یالَلدواھی میں لام کے کسرہ کی صوت میں تو حذف منادی کا قول ظاہر ہے اور بہر حال لام کے فتحہ کی صوت میں تو حذف منادی کا قول مشکل ہے کیونکہ اسوقت وہ چیز منتفی ہے جو لام کے فتحہ کی مقتضی ہے جیسا کہ ماسبق سے ظاہر ہے

قولہ **قیل قد یخفض**:۔ اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمۃ پر کئے گئے ایک اعتراض کا ذکر کر کے اسکا جواب دیا گیا ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے لام تعجب اور لام تہدید کا ذکر کیوں نہیں کیا حالانکہ منادی لام تعجب اور لام تہدید سے بھی مجرور ہوتا ہے۔ لام تعجب جیسے یالَلماء اور یالَلدواھی اور لام تہدید جیسے **یالزید لاقتلنک** نیز بعد میں مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ و ینصب ماسواھا، کلی طور پر کیسے صادق آئیگا کہ ماسوا مفرد معرفہ اور مستغاث کا تو مجرور بلام تعجب اور مجرور بلام تہدید بھی ہے حالانکہ ان کا مدخول منصوب نہیں ہوتا۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں لام استغاثہ کے لام ہی ہیں لہذا انکو الگ ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ تہدید کے لام کا لام استغاثہ ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ مھدد بصیغہ اسم فاعل مھدد بصیغہ اسم مفعول سے گویا کہ استغاثہ اور فریاد کرتا ہے کہ وہ حاضر ہو پس یہ اس سے انتقام لیکر اسکی خصومت، رنج اور الم سے راحت پائے۔ اسی طرح متعجب متعجب منہ سے استغاثہ اور فریاد کرتا ہے کہ وہ بصورت دمیئۃ آئے تا کہ یہ اس سے اپنے تعجب کو پورا کرلے اور اس سے نجات پائے۔ قولہ **و اجیب**:۔ اور لام تعجب کے ساتھ وارد کئے گئے اعتراض کا جواب ایک دوسرے طریقہ پر بھی دیا گیا ہے جسکو خود مصنف علیہ الرحمۃ نے ایضاح شرح

مماسبق **ویُفتح** ای یبنی المنادی علی الفتح **لالحاق اَلِفِھا** ای الف الاستغاثۃ بآخرہ لاقتضاء الالف فتح ماقبلھا **ولالام فیہ** حینئذ لان اللام یقتضی الجر والالف الفتح فبین الرّیھماتَنافٍ فلایحسن الجمع بینَھما **مثل یازیداہ** بالحاق الھاء بہ للوقف **ویُنصب ماسواھما** ای وینصب بالمفعولیۃ ماسوی المنادی المفرد المعرفۃ والمنادی المستغاث مع اللام او الالف لفظا او تقدیرا ان کان معربا قبل دخول حرف النداء لان علۃ النصب وھی المفعولیۃ متحققۃ فیہ وماغیّرہ مُغَیِّرٌ عن حالہ

(اور مفتوح ہوگا) یعنی منادی فتحہ پر مبنی ہوگا (اس کے الف کے لاحق کرنے کے وقت) یعنی منادی کے آخر میں الف استغاثہ لاحق کرنے کے وقت کیونکہ الف اپنے ماقبل کا فتحہ چاہتا ہے (اور اس میں لام نہ ہوگی) اس وقت کیونکہ لام جر کا تقاضا کرتی ہے اور الف فتحہ کا پس دونوں کے اثر میں تنافی ہے لہٰذا دونوں کو جمع کرنا مستحسن نہیں ہوگا (جیسے یازیداہ) منادی کے آخر میں ہاء برائے وقف کے الحاق کے ساتھ (اور ان دونوں کا ماسوا منصوب ہوگا) یعنی منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث مع اللام یا مع الالف کے ماسوا منادی مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا خواہ لفظا منصوب ہو یا تقدیرا جب کہ حرف ندا داخل ہونے سے پہلے معرب ہو کیونکہ نصب کی علت یعنی مفعول بہ ہونا اس منادی میں موجود ہے اور کسی مغیر نے اسکو اس کے حال سے نہیں بدلا

مفصل میں ذکر کیا ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ یاللماء اور یاللدواھی میں منادی الماء یا الدواھی نہیں بلکہ منادی محذوف ہے اور مراد یاقوم اعجبوا للماء وللدواھی ہے یا، یاھؤلاء اعجبوا للماء وللدواھی ہے مگر یہ جواب شارح کو پسند نہیں اسی لئے فرمایا کہ تجھ پر مخفی نہیں کہ للماء اور للدواھی کے لام کے کسرہ کی صورت میں تو حذف منادی کا قول ظاہر ہے کیونکہ منادی مستغاث کا لام مفتوح ہوتا ہے اور یہ لام مکسور ہے اسلئے کہ للماء اور للدواھی مستغاث لہ ہے لیکن لام کے فتح کی صورت میں حذف منادی کا قول مشکل ہے کیونکہ اگر منادی محذوف ہے تو یہ لام مفتوح کیوں ہے؟ اور لام کے فتح کا مقتضی کون ہے؟ قولہ **ویفتح** :۔ اور منادی مبنی بر فتح بنایا جاتا ہے جب اسکے آخر میں الف استغاثہ لاحق کردیا جائے کیونکہ الف ماقبل کا فتح چاہتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس منادی کے اول میں لام استغاثہ نہ ہو کیونکہ لام جر کو چاہتا ہے اور الف فتح کو تو انکے اثر میں تنافی کی وجہ سے لام اور الف کو کلمہ واحدہ میں جمع کرنا غیر مستحسن ہے۔ منادی مستغاث بالف کی مثال یازیداہ ہے آخر میں ہائے وقف بڑھانے کے ساتھ۔ قولہ **وینصب** :۔ اور منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث باللام والالف کے ماسوا منادی مفعولیت کی بنا پر لفظا یا تقدیرا منصوب ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منادی حرف ندا داخل ہونے سے پہلے معرب ہو اس لئے کہ علت نصب مفعولیت ہے جو منادی میں متحقق اور ثابت ہے اور اس منادی کو کسی شی نے اسکے حال سے تبدیل بھی نہیں کیا بخلاف منادی مفرد معرفہ کے اور منادی مستغاث کے کہ انمیں مغیر موجود ہے اول میں بنا اور ثانی میں الف ولام استغاثہ۔ قولہ **ان کان معربا** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **وینصب ماسواھما** درست نہیں اسلئے کہ یاخمسۃ عشر منادی ہے جو مذکورہ دو قسموں کے علاوہ ہے مگر یہ منادی نہ لفظا منصوب ہے اور نہ تقدیرا۔ شارح نے جواب دیا کہ مذکورہ حکم اس منادی کا ہے جو مفرد معرفہ نہ ہو اور نہ ہی مستغاث بالالف و باللام ہو لیکن حرف ندا داخل ہونے سے پہلے وہ معرب ہو اور خمسۃ عشر حرف ندا داخل ہونے سے پہلے

وماسوی المفرد المعرفة امامالایکون مفردابان یکون مضافااوشبه مضاف واماما یکون مفردا ولکن لایکون معرفة واما مالایکون مفرداولامعرفة فالقسم الاول وهو مالایکون مفردا لکونه مضافا مثل یاعبدالله والقسم الثانی وهو مالایکون مفردالکونه شبه مضاف مثل یاطالعا جبلا والقسم الثالث وهو مایکون مفرداولکن لایکون معرفة مثل یارجلا مقولا لغیرمعین ای لرجل غیرمعین وهذاتوقیت لنصب رجلالاتقییدله لانه منصوبالایحتمل المعین والقسم الرابع وهو مالایکون مفرداولامعرفة مثل یاحَسَنًاوجهه ظریفاولم یُورد المصنف لهذاالقسم مثالااذحیث اتضح انتفاء کل من القیدین بمثال سَهُل تصورانتفائهمامعافلاحاجة الی ایرادمثال له علی انفراده

اور منادی مفرد معرفہ کا ماسوا یا تو وہ ہوگا جو مفرد نہ ہو بایں طور کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو اور یا وہ ہوگا جو مفرد تو ہو مگر معرفہ نہ ہو اور یا وہ ہوگا جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ پس پہلی قسم یعنی وہ منادی جو مفرد نہ ہو اس کے مضاف ہونے کی وجہ سے (جیسے یاعبداللہ) اور دوسری قسم وہ ایسا منادی ہے جو مفرد نہ ہو اسکے مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے جیسے (یاطالعاجبلا) اور تیسری قسم اور وہ ایسا منادی ہے جو مفرد ہو لیکن معرفہ نہ ہو جیسے (یارجلا) جو بولا ہوا ہے (غیر معین کیلئے) یعنی غیر معین مرد کیلئے اور یہ لغیر معین رجلا کے نصب کیلئے توقیت ہے اس کے لئے تقیید نہیں کیونکہ منادی منصوب ہونے کی حالت میں معین ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اور چوتھی قسم اور وہ ایسا منادی ہے جو نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ جیسے یاحسناوجہہ ظریفا اور مصنف نے اس قسم کی مثال وارد نہیں کی اس لئے کہ جب دونوں قیدوں میں سے ہرایک کا انتفاء مثال سے واضح ہوگیا تو ان دونوں قیدوں کا اکٹھے انتفاء کا تصور آسان ہوگیا لہٰذا قسم رابع کیلئے علیحدہ مثال وارد کرنے کی ضرورت نہیں

معرب نہیں بلکہ مبنی ہے۔ قولہ **وماسوی المفرد المعرفة** :۔ یعنی منادی مفرد معرفہ کے ماسوا کی متعدد صورتیں ہیں، اول۔ یہ کہ منادی مفرد نہ ہو بایں طور کہ مضاف ہو۔ دوم۔ یہ کہ منادی مفرد نہ ہو بایں طور کہ مشابہ بمضاف ہو۔ سوم۔ یہ کہ مفرد ہو لیکن معرفہ نہ ہو۔ چہارم۔ یہ کہ نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ۔ قسم اول کی مثال یاعبداللہ ہے اور قسم دوم کی مثال یاطالعاجبلا ہے اور قسم سوم کی مثال یارجلا ہے جو غیر معین رجل کیلئے بولا گیا ہو قولہ **وهذا توقیت** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "**لغیر معین**" میں دو احتمال ہیں، اول۔ یہ کہ مقولا مقدر کے متعلق ہو کر یارجلا سے حال ہو۔ دوم۔ یہ کہ کائنا مقدر کے متعلق ہو کر رجلا کی صفت ہو اور حال ذوالحال کیلئے نیز صفت موصوف کیلئے قید ہوتی ہے جسکے پیش نظر مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت کے یہ معنی ہوئے کہ یارجلا قسم سوم کی مثال اسوقت ہے جب کہ اسکو غیر معین کیلئے بولیں اور جب معین کیلئے بولیں تو یہ قسم سوم کی مثال نہ ہوگا حالانکہ معین کیلئے اسکا استعمال اور بولنا صحیح ہی نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **لغیر معین** ، رجلا کے نصب کیلئے توقیت ہے اسکی قید نہیں کیونکہ **رجلا** بحالت نصب معین کا احتمال ہی نہیں رکھتا۔ پس توقیت کی صورت میں عبارت کے معنی یہ ہونگے کہ رجل اسوقت منصوب ہوگا جب کہ غیر معین کیلئے بولا جائیگا اور جب معین کیلئے بولا جائیگا تو منصوب نہیں ہوگا بلکہ مبنی علی الرفع ہوگا قولہ **والقسم الرابع** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے قسم رابع کی مثال کیوں نہیں لکھی اور قسم رابع وہ ہے کہ

مع ان المثال الثانی یحتمله فیمکن ان یراد بقوله یاطالعاجبلاهذه العبارة اعم من ان یراد بها معین اوغیر معین فامثلة الاقسام باسرها مذکورة وهذه الامثلة کلها امثال لماسوی المستغاث ایضا فلاحاجة الی ایراد مثال له علی حدة وتوابع المنادی المبنی علی مایرفع به المفردة حقیقة اوحکما انما قید المنادی بکونه مبنیا لان توابع المنادی المعرب تابعة للفظه فقط وقیدنا المبنی بکونه علی مایرفع به لان توابع المستغاث بالالف لایجوز فیها الرفع نحو یازیدا وعمرا لاو عمرو لان المتبوع مبنی علی الفتح

اس کے باوجود قسم ثانی کی مثال، قسم رابع کی مثال کا احتمال رکھتی ہے پس ممکن ہے کہ اس کے قول "یاطالعاجبلا" سے یہ عبارت مراد لی جائے عام ازیں کہ اس سے معین مراد لیا جائے یا غیر معین پس اقسام اربعہ کی تمام امثلہ مذکور ہوگئیں اور یہ تمام امثلہ ماسوا منادی مستغاث کی مثال بھی ہے لہذا اس کی مثال علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں (اور منادی مبنی کے توابع) اس پر کہ جس کے ساتھ منادی کو رفع دیا جاتا ہے (مفردہ) حقیقۃ مفرد ہوں یا حکما اور مصنف نے منادی کو اسکے مبنی ہونے کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ منادی معرب کے توابع صرف اسکے لفظ کے تابع ہوتے ہیں اور ہم نے مبنی کو علی مایرفع بہ کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں جیسے یازیدا وعمرا نہ وعمرو کیونکہ متبوع مبنی علی الفتح ہے

منادی نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ۔ شارح نے جواب دیا کہ قسم رابع کی مثال یا احسنا وجهه ظریفا ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے اس قسم کی مثال اسلئے نہیں لکھی کہ جب مفرد اور معرفہ کی قیدیں فردا فردا مثال کے ساتھ منتفی ہوگئیں تو دونوں قیدوں کے ایک ساتھ منتفی ہونے کا تصور آسان ہوگیا لہذا اس قسم کی مثال الگ لکھنے کی حاجت نہ رہی قولہ **مع ان المثال الثانی**:۔ یہ سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے قسم رابع کی مثال اسلئے ترک کردی ہے کہ قسم ثانی کی مثال یعنی یاطالعاجبلا میں قسم رابع کی مثال بننے کا احتمال موجود ہے بایں طور کہ **یاطالعاجبلا** سے یہ عبارت مراد ہو خواہ اس سے معین مراد ہو یا غیر معین ہو پس صورت معین میں یہ قسم ثانی کی مثال بنے گی اور بصورت غیر معین قسم رابع کی مثال بنے گی لہذا تمام اقسام کی امثلہ بتمامہ ذکر کردی گئیں اور یہ امثلہ جس طرح کہ ماسوا مفرد معرفہ کی مثالیں ہیں یہ ماسوا مستغاث کی مثالیں بھی بن سکتی ہیں لہذا ماسوا مستغاث کی امثلہ الگ ذکر کرنے کی حاجت نہ رہی قولہ **وتوابع المنادی** :۔ منادی کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے توابع منادی کے احوال بیان کرتے ہیں۔ شارح فرماتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول المنادی کو المبنی سے مقید کیا ہے اسلئے کہ آنے والا حکم یعنی رفع ونصب کا جواز منادی معرب کے توابع کیلئے نہیں ہے کیونکہ منادی معرب کے توابع صرف لفظ کے تابع ہوتے ہیں، اور ہم نے المبنی کو علی مایرفع بہ کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ منادی مستغاث بالالف کے توابع میں رفع جائز نہیں مثلا **یازیدا وعمرا** میں **عمرو** کا رفع جائز نہیں کیونکہ متبوع مبنی علی الفتح ہے اور جواز رفع کا حکم منادی مبنی علی مایرفع بہ کیلئے ہے، اس لئے منادی مستغاث بالالف میں نصب واجب ہے خواہ لفظ پر حمل کریں یا محل پر۔

قولہ **وتوابع المنادی**:۔ چونکہ عام توابع سے توابع منادی مبنی کے کچھ احکام جداگانہ ہیں لہذا ان احکام کو بیان کرنے کیلئے فرمایا وتوابع المنادی اور مصنف کا قول **المبنی** ،**المنادی** کی صفت ہے اور المنادی کا لام عہد خارجی کیلئے ہے جس سے مراد وہ منادی ہے جو علامت رفع پر مبنی ہو کیونکہ منادی مستغاث بالالف جو مبنی بر فتح ہوتا ہے اسکا یہ حکم نہیں بلکہ وہ صرف لفظ پر محمول ہوگا (محرم) شارح نے تقیید کی نسبت جو اپنی جانب کی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ **المبنی** کا لام جنس کیلئے ہو۔

وقيد التوابع بكونها مفردة لانها لولم تكن مفردة لا حقيقة ولا حكما كانت مضافة بالاضافة المعنوية وحينئذٍ لايجوز فيها الا النصب وانما جعلنا المفردة اعم من ان تكون مفردة حقيقة بان لاتكون مضافة لمعنوية ولا لفظية ولا شبه مضاف او حكما بان تكون مضافة لفظية او مشبهة بالمضاف فانهما لما انتفت فيهما الاضافة المعنوية كانتا في حكم المفردة لتدخل فيها المضافة بالاضافة اللفظية والمشبهة بالمضاف لانهما كالتوابع المفردة في جواز الرفع والنصب نحو يا زيدُ الحسنُ الوجه والحسنَ الوجه ويا زيد الحسن وجهه والحسنَ وجهه ولما لم يَجر الحكم الآتي في التوابع كلها بل في بعضها ولم يجر فيما هو جارٍ فيه مطلقا بل لابد في بعضها من قيدٍ

اور مصنف نے توابع کو ان کے مفردہ ہونے کے ساتھ اسلئے مقید کیا کہ توابع مفردہ نہ ہوں نہ حقیقۃً اور نہ ہی حکماً تو مضاف باضافت معنویہ ہونگے پس اسوقت ان میں صرف نصب جائز ہوگی اور ہم نے مفرد کو عام کر دیا کہ حقیقۃً مفرد ہو اس طرح کہ مضاف باضافت معنویہ ولفظیہ نہ ہو اور نہ مشابہ مضاف ہو یا حکماً مفرد ہو بایں طور کہ مضاف باضافت لفظیہ ہو یا مشابہ مضاف ہو کیونکہ ان دونوں میں جب اضافت معنویہ منتفی ہوگی تو دونوں مفرد کے حکم میں ہونگے تاکہ توابع میں وہ توابع داخل ہو جائیں جو کہ مضاف باضافت لفظیہ اور مشابہ مضاف ہیں کیونکہ یہ دونوں رفع ونصب کے جواز میں توابع مفردہ کی مثل ہیں جیسے یازید الحسن الوجہ والحسن الوجہ ویازید الحسن وجھہ والحسن وجھہ اور جبکہ آنے والا حکم تمام توابع میں جاری نہیں تھا بلکہ ان کے بعض میں جاری تھا اور جن میں یہ حکم جاری تھا ان میں مطلقاً جاری نہیں تھا بلکہ اسکے بعض میں قید کا اضافہ ضروری ہے

قولہ **وقيد التوابع**:۔ یعنی مصنف علیہ الرحمۃ نے توابع کو المفرد کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے اس لئے کہ اگر توابع مفرد نہ ہوں نہ حقیقۃً اور نہ حکماً تو وہ مضاف باضافت معنویہ ہونگے، اور اسوقت انمیں صرف نصب جائز ہوگی جیسے **یا زید ذا المال** اور ہم نے مفرد میں تعمیم کی ہے کہ وہ حقیقۃً مفرد ہو بایں طور کہ مضاف باضافت معنویہ ولفظیہ نہ ہو اور نہ ہی مشابہ بمضاف ہو یا حکماً مفرد ہو بایں طور کہ مضاف باضافت لفظیہ ہو یا مشابہ بمضاف ہو کیونکہ ان دونوں میں جب اضافت معنویہ منتفی ہوگئی تو یہ مفرد کے حکم میں ہوگئے اور یہ تعمیم ہم نے اسلئے کی کہ توابع میں وہ توابع داخل ہو جائیں جو مضاف باضافت لفظیہ ہیں یا مشابہ بمضاف ہیں کیونکہ یہ دونوں رفع اور نصب کے جواز میں توابع مفردہ کی مثل ہیں جیسے **یا زید الحسن الوجه** اور **الحسنَ الوجه** یا اضافت لفظیہ کی مثال ہے جسمیں الحسن الوجہ منادی مفرد معرفہ کا تابع ہے اور مضاف باضافت لفظیہ ہے لہٰذا **الحسن** کو زید کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھ سکتے ہیں اور اسکے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور **یا زید الحسن وجهه** مشابہ بمضاف کی مثال ہے جسمیں الحسن کو رفع ونصب دونوں پڑھ سکتے ہیں لیکن وجہ کو دونوں جگہ مرفوع پڑھیں گے کہ وہ فاعل ہے. قولہ **ولما لم يجر**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے منادی کے توابع میں بعض توابع کے ذکر پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ اور تمام توابع کے لئے رفع اور نصب کا حکم ثابت کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ آنے والا حکم تمام توابع میں جاری نہیں ہوتا بلکہ بعض میں جاری ہوتا ہے اور جن بعض میں یہ حکم جاری ہوتا ہے ان میں بھی مطلقاً جاری نہیں ہوتا بلکہ ان کو بعض قیود کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے اس لئے

فصّل التوابع الجاری هذا الحکم فیها وصرّح بالقید فیما هو محتاج الیه فقال من التاکید ای المعنوی لان التاکید اللفظی حکمه فی الاغلب حکم الاول اعراباً و بناءً نحو یا زیدُ زیدٌ وقد یجوّز اعرابه رفعاً و نصباً و کانّ المختار عند المصؔ ذلک ولذلک لم یُقیِّد التاکید بالمعنوی والصفة مطلقاً و عطف البیان کذلک والمعطوف بحرف الممتنع دخولُ یا علیه یعنی المعرف باللام بخلاف البدل والمعطوف الغیر الممتنع دخولُ یا علیه فان حکمهما غیر حکمهما کما سیجیء

تو مصنف نے ان توابع کی تفصیل بیان کردی کہ جن میں یہ حکم جاری ہوتا ہے اور اس میں قید کی صراحت کردی جس میں قید کی طرف احتیاج تھی تو فرمایا (تاکید سے) یعنی تاکید معنوی کیونکہ تاکید لفظی کا حکم اغلب میں اول کا حکم ہے اعراب و بنا کے اعتبار سے جیسے یا زید زید اور کبھی تاکید لفظی کا اعراب رفع و نصب کے اعتبار سے جائز قرار دیا جاتا ہے گویا کہ مصنف کا یہی مختار ہے اسی وجہ سے مصنف نے تاکید کو معنوی کی قید سے مقید نہیں کیا (اور صفت) مطلقاً (اور عطف بیان) اسی طرح (اور معطوف بحرف جس پر حرف ندا کا دخول جائز نہیں) یعنی معطوف معرفہ بلام برخلاف بدل اور اس معطوف کے جس پر دخول یاء جائز ہے پس ان دونوں کا حکم دوسرے توابع کے حکم کے مغایر ہے جیسا کہ عنقریب آئیگا

مصنف علیہ الرحمۃ نے ان بعض کی تفصیل بیان کردی جن میں یہ حکم جاری ہوتا ہے اور جو قید کے محتاج ہیں ان میں قید کی صراحت بھی کردی ہے پس کہا ہے من التاکید. قولہ **ای المعنوی** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منادی مفرد مبنی کے تابع تاکید میں جواز وجہین کا قول صحیح نہیں اس لئے کہ یا زیدُ زیدُ میں زید ثانی کا ضمہ متعین ہے اور اس کا نصب جائز نہیں. شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول من التاکید میں تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے کیونکہ تاکید لفظی کا حکم اغلب میں اول کا حکم ہے از روئے معرب اور مبنی ہونے کے اس لئے کہ تاکید لفظی لفظاً اور معنی عین مؤکد ہوتی ہے اور یا زیدُ زیدُ تاکید معنوی نہیں ہے بلکہ لفظی ہے. قولہ **قد یُجوّز** :۔ یہ صیغہ مضارع ہے تجویز سے یعنی کبھی تاکید لفظی میں اعراب بھی تجویز کیا جاتا ہے رفع اور نصب کے اعتبار سے کیونکہ اسم میں اصل اعراب ہے شاید کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا مختار یہی اعراب ہے اس لئے اس نے تاکید کو معنوی کے ساتھ مقید نہیں کیا لیکن شارح نے اسکو باتباع جمہور مقید کیا ہے. قولہ **والصفة** :۔ یعنی دوسرا تابع جسمیں دو وجہیں جائز ہیں صفت ہے خواہ مدح کیلئے ہو یا ذم کیلئے موضحہ ہو یا غیر موضحہ اور تیسرا تابع عطف بیان ہے اور اس میں بھی تعمیم ہے کہ مشتق ہو یا غیر مشتق لام کے ساتھ ہو یا بغیر لام کے اور چوتھا تابع ایسا معطوف بحرف ہے جس پر حرف ندا کا دخول ممتنع ہے یعنی معطوف معرف باللام ہے بخلاف بدل اور اس معطوف کے جس پر حرف ندا کا دخول ممتنع نہیں ان کا حکم مذکورہ چاروں کے حکم کے خلاف ہے جو آرہا ہے.

قولہ **والمعطوف بحرف** :۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے والمعطوف باللام نہیں کہا اگرچہ وہ مختصر اور واضح ہے اس لئے کہ اگر ایسا کہتے تو یہ معلوم نہ ہوتا کہ یاء کا دخول اس معطوف پر جائز ہے یا ممتنع ہے جبکہ یہ معلوم ہونا پہلے سے ضروری ہے نیز اگر والمعطوف باللام کہتے تو ترفع علی اللفظ و تنصب علی المحل. یا محمد واللہ جیسی مثالوں سے منتقض ہو جاتا کہ اسم جلالت میں صرف رفع ہی ہے حالانکہ یہ معطوف معرف باللام ہے مگر اس پر دخول یا ممتنع نہیں جیسا کہ عنقریب آرہا ہے وقالوا یا اللہ خاصۃ. (جامع) علامہ عصام الدین فرماتے ہیں کہ والمعطوف بحرف الخ میں یہ قید بھی مناسب تھی سوی لفظ اللہ کے جس کا جواب یہ ہے کہ وقالوا یا اللہ خاصۃ پر اکتفا کرتے ہوئے یہ قید ذکر نہیں کی.

يُرفع حملاعلى لفظه الظاهراوالمقدرلان بناء المنادى عرضىٌّ فيشبه المعرب فيجوزان يكون تابعه تابعاللفظه وتُنصب حملاعلى محله لان حق تابع المنادى المبنى ان يكون تابعا لمحله وهوههنامنصوب المحل بالمفعولية مثل ياتَيمُ اجمعون واجمعين فى التاكيد ويازيد العاقلُ والعاقلَ فى الصفة واقتصرعلى مثالهالانهااكثرواشهر وياغلام بِشرٌوبِشرا فى عطف البيان ويازيدُوالحارث والحارث فى المعطوف بحرف الممتنع دخول ياعليه

(مرفوع ہوتے ہیں) حمل کرتے ہوئے (لفظ منادی پر) ظاہر یا مقدر پر کیونکہ منادی کا مبنی ہونا عارضی ہے۔ پس وہ معرب کے مشابہ ہو جائے گا لہذا جائز ہے کہ منادی مفرد معرفہ کا تابع اس کے لفظ کے تابع ہو (اور منصوب ہوتے ہیں) حمل کرتے ہوئے (منادی کے محل پر) اس لئے کہ منادی مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ منادی کے محل کا تابع ہو اور وہ اس جگہ بنابر مفعول منصوب المحل ہے (جیسے یا تیم اجمعون واجمعین تاکید میں (اور یازید العاقل و العاقل) صفت میں اور مصنف نے صفت کی مثال پر اکتفا کیا کیونکہ وہ اکثر اور اشہر ہے اور یاغلام بشرٌ وبشراً عطف بیان میں اور یازید والحارث اور الحارث اس معطوف بحرف میں جس پر یا کا دخول ناجائز ہے

قولہ **ترفع**:۔ شارح نے لفظ حملاً کا اضافہ کر کے اس امر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **علی لفظه** ،**حملاً** کے متعلق ہے جو رفع کا مفعول لہ ہے۔ یعنی توابع مذکورہ کو منادی کے لفظ ظاہر یا مقدر پر حمل کرتے ہوئے رفع دیا جائیگا۔ مثلاً یازید والعاقل میں زید کا رفع ظاہر ہے جس پر حمل کرتے ہوئے یازید والعاقل برفع عاقل کہیں گے۔ اور یا موسٰی الکریم میں موسٰی کا رفع تقدیری ہے جس پر حمل کرتے ہوئے یا موسٰی الکریم برفع الکریم کہیں گے۔ قولہ **لان بناء المنادی**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منادی مبنی کا تابع اس کے محل کا تابع ہوتا ہے اور منادی کا محل بنابر مفعولیت کے نصب ہے لہذا منادی مبنی کا تابع منصوب ہونا چاہیئے۔ شارح نے جواب دیا کہ منادی کا مبنی ہونا عارضی ہے جسکی وجہ سے یہ مبنی معرب کے مشابہ ہے اور معرب کا تابع اس کے لفظ کا تابع ہوتا ہے پس جائز ہے کہ منادی مبنی کا تابع اسکے لفظ کا تابع ہو اور رفع دیا جائے۔ قولہ **وتنصب**:۔ اور منادی مفرد کے توابع مذکورہ منادی کے محل پر حمل کرتے ہوئے نصب دیئے جائیں گے کیونکہ منادی مبنی کے تابع کا حق یہ ہے کہ منادی کے محل کا تابع ہو اور منادی منصوب المحل ہے بنابر مفعولیت کے۔ جیسے **یاتیم اجمعون** اور **اجمعین** میں تیم کی تاکید کو مرفوع اور منصوب پڑھا گیا ہے اور **یازید العاقلُ والعاقلَ** میں **العاقل** کو جو زید کی صفت ہے مرفوع اور منصوب پڑھا گیا ہے۔ قولہ **واقتصر علی مثالها**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ توابع اربعہ میں سے مصنف علیہ الرحمۃ نے صرف صفت کی مثال پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس لئے کہ صفت کثیر الاستعمال اور توابع کی مشہور قسم ہے یا ان پر رد کرنے کیلئے جن کے نزدیک منادی موصوف نہیں ہوتا کہ وہ ضمیر کی جگہ ہے اور ضمیر موصوف نہیں ہوتی اور عطف بیان کی مثال **یاغلام بشرٌ** اور **بشراً** ہے اور وہ معطوف بحرف جس پر یاء کا دخول ممتنع ہے اسکی مثال **یازید والحارث** اور **الحارث** ہے۔ پہلی مثال میں کلمہ بشر لفظ غلام کا عطف بیان ہے جس پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اور دوسری مثال میں لفظ الحارث ایسا معطوف بحرف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے کیونکہ الحارث معرف باللام ہے اور لام اور حرف ندا جمع نہیں ہوتے تاکہ دو آلہ تعریف جمع نہ ہو جائیں لہذا الحارث پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔

والخليل بن احمد وهو استاذ سيبويه في المعطوف بحرف ءِ الممتنع دخول يا عليه يَختار الرفع مع تجويزه النصب لان المعطوف بحرف في الحقيقة منادى مستقلٌ فينبغي ان يكون على حالة جارية عليه على تقدير مباشرة حرف النداء له وهي الضمة او مايقوم مقامها ولكن لما لم يباشره حرف النداء جُعِلت تلك الحالة اعرابا فصارت رفعا وابو عمرو بن العلاء النحوي القارى المقدم على الخليل يختار فيه النصب مع تجويزه الرفعَ فانه لما امتنع فيه تقدير حرف النداء بواسطة اللام لايكون منادى مستقلا فله حكم الطبعية وتابع المبنى تابعٌ لمحله ومحله النصبُ

(اور خلیل) ابن احمد اور وہ سیبویہ کا استاذ ہے (معطوف میں) ایسے حرف کے ذریعے کہ جس پر دخول یا منع ہو جائز ہے (رفع کو پسند کرتا ہے) اسکے نصب کو جائز قرار دینے کے باوجود اس لئے کہ معطوف بحرف در حقیقت منادی مستقل ہے لہٰذا مناسب ہے کہ منادی مبنی پر معطوف ایسی حالت پر ہو جو اس پر حرف ندا داخل ہونے کی تقدیر پر جاری ہوتی ہے اور وہ حالت ضمہ ہے یا جو ضمہ کے قائم مقام ہو لیکن جب معطوف پر حرف ندا داخل نہیں ہوا تو اس حالت بنا کو اعراب بنا دیا گیا لہٰذا وہ حالت رفع بن گئی (اور ابو عمرو) ابن علاء نحوی جو کہ خلیل سے مقدم ہے اس معطوف میں ترجیح دیتا ہے (نصب کو) باوجود اسکے رفع کو جائز قرار دینے کے کیونکہ معطوف مذکور میں الف لام کی وجہ سے جب حرف ندا کی تقدیر ممتنع ہوئی تو وہ معطوف مذکور منادی مستقل نہیں ہوگا پس اس کیلئے تابعیت کا حکم ہوگا اور مبنی کا تابع اس کے محل کا تابع ہوتا ہے اور یہاں محل منادی نصب ہے

قولہ والخليل :۔ چونکہ معطوف مذکور کے اندر اس امر میں ائمہ نحو میں اختلاف ہے کہ اسکا رفع مختار ہے یا نصب۔ مصنف علیہ الرحمۃ ائمہ نحات کے اس اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خلیل بن احمد جو سیبویہ کا استاذ ہے وہ معطوف مذکور میں رفع کو پسند کرتا ہے اور نصب کو بھی جائز کہتا ہے کیونکہ معطوف بحرف در حقیقت منادی مستقل ہے کیونکہ حرف عطف حرف ندا کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا اسکو اسی حالت پر ہونا چاہئے جو حرف ندا کے داخل ہونے کے وقت اسکی ہوتی ہے اور وہ حالت ضمہ یا اسکا قائم مقام یعنی الف اور واؤ ہے۔ چونکہ اس معطوف پر حرف ندا داخل نہیں ہوتا کہ لام مانع موجود ہے اس لئے وہ حالت اصلی یعنی بنا اعراب بنا دی گئی یعنی وہ حالت بنائی جو منادی میں تھی تابع میں وہ حالت اعرابی بنا دی گئی اس لئے وہ حالت بنائی رفع ہو گئی۔ **قولہ وابو عمرو** :۔ اور ابو عمرو نحوی قاری جو خلیل سے پہلے گذرا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ معطوف مذکور میں نصب مختار ہے اور وہ رفع کو بھی جائز قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب اس معطوف میں لام کی وجہ سے حرف ندا کی تقدیر ممتنع ہو گئی تو وہ معطوف منادی مستقل نہیں ہوگا بلکہ اسکو تبعیت کا حکم حاصل ہوگا اور مبنی کا تابع اسکے محل کا تابع ہوتا ہے اور محل منادی نصب ہے لہٰذا اس معطوف میں اسکے نزدیک نصب مختار ہے۔

قولہ في المعطوف :۔ اس کا لام عہد کیلئے ہے اور جار مجرور فعل یختار کے متعلق ہے اور حصر کیلئے جار مجرور کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ ماحقہ التاخیر کا مقدم کرنا مفید حصر ہوتا ہے یعنی خلیل ابو عمرو کا اختلاف رفع یا نصب کے مختار ہونے میں صرف اسی معطوف بحرف میں ہے (جامع) **قولہ جعلت تلك الحالة اعرابا** :۔ چونکہ یہ معطوف معنی منادی مستقل ہے تو معنوی استقلال پر تنبیہ کرنے کیلئے حالت بناء کو حالت اعراب کر دیا گیا اور وہ اعراب رفع ہو گیا تا کہ متبوع کے ساتھ صورۃً مشابہت باقی رہے لہٰذا معطوف مذکور ضمہ پر مرفوع ہوگا تا کہ اسکے منادی ہونے کا کچھ اثر باقی رہے جیسے یا زید والحارث یا الف پر مرفوع ہوگا جیسے یا زید والحارثان یا واؤ پر مرفوع ہوگا جیسے یا زید والحارثون۔ **قولہ وابو عمرو** :۔ یہ یختار کی ضمیر فاعل پر معطوف ہے اور بوجہ فصل یہ عطف بلا تاکید جائز ہے اور النصب معطوف ہے اسکے قول "الرفع" پر

وابو العباس المبرد ان کان المعطوف المذکور کالحسن ای کاسم الحسن فی جواز نزع اللام عنه فکالخلیل ای فابو العباس مثل الخلیل فی اختیار رفعه لامکان جعله منادی مستقلا بنزع اللام عنه والا ای وان لم یکن المعطوف المذکور کاسم الحسن فی جواز نزع اللام عنه مثل النجم و الصعق فکابی عمرو ای فابو العباس مثل ابی عمرو فی اختیار النصب لامتناع جعله منادی مستقلا والمضافة عطف علی المفردة ای وتوابع المنادی المبنی علی مایرفع به المضافة بالاضافة الحقیقیة تنصب لانها اذا وقعت منادی تنصب فنصبها اذا وقعت توابع اولی لان حرف النداء لایباشرها مثل یاتیم کلّهم فی التاکید ویازید ذا المال فی الصفة ویارجل اباعبدالله فی عطف البیان ولا یجئ المعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیه مضافا لان اللام یمتنع دخولها علی المضاف بالاضافة الحقیقیة

(اور ابوالعباس) مبرد (اگر ہو) معطوف مذکور (الحسن کی مثل) یعنی اسم الحسن کی مثل اس سے لام کے دور کرنے کے جواز میں (تو وہ خلیل کی مثل ہے) یعنی ابوالعباس اس اسم کے رفع کو پسند کرنے میں خلیل کی مثل ہے اس لئے کہ معطوف مذکور سے لام کو دور کرکے اسکو منادی مستقل بنانے کا امکان موجود ہے (ورنہ) یعنی معطوف مذکور اسم الحسن کی طرح نہ ہو اس سے نزع لام کے جواز میں جیسے النجم اور الصعق (پس ابوعمرو کی طرح ہے) یعنی ابو العباس نصب کے پسند کرنے میں ابوعمرو کی طرح ہے بوجہ ممتنع ہونے اسکو منادی مستقل بنانے کے (اور مضاف) یہ مفردۃ پر معطوف ہے یعنی وہ منادی جو مبنی بر علامت رفع ہے اس کے توابع جو مضاف ہوں اضافت حقیقیہ کے ساتھ (منصوب ہونگے) کیونکہ یہ توابع مضافہ جب خود منادی ہوں تو نصب دیئے جاتے ہیں لہٰذا جب یہ توابع واقع ہوں تو انکی نصب اولیٰ ہے اس لئے کہ اسوقت ان پر حرف ندا داخل نہیں ہوتا جیسے یا تیم کلکم تاکید میں اور یا زید ذا المال صفت میں اور یارجل اباعبداللہ عطف بیان میں اور ایسا معطوف بحرف کہ جس پر یاء کا دخول ممتنع ہے مضاف ہوکر نہیں آتا کیونکہ مضاف باضافت حقیقیہ پر لام کا دخول ممتنع ہے

قولہ وابو العباس: اور ابو العباس مبرد کے نزدیک نہ رفع ہر حال میں مختار ہے نہ نصب بلکہ اگر معطوف مذکور لام کے حذف کرنے میں اسم اَلْحَسَنْ کی مثل ہے یعنی اس معطوف سے لام کا حذف جائز ہے جس طرح کہ الحسن کے لام کا حذف کرنا جائز ہے تو ابوالعباس کا قول اختیار رفع میں خلیل کے قول کی مثل ہے کیونکہ لام ہٹا کر اس معطوف کو منادی مستقل بنانا ممکن ہے اور اگر معطوف مذکور اسم الحسن کی مانند نہیں ہے یعنی اس سے لام الگ نہیں کیا جاسکتا جیسے النجم اور الصعق جنکو لام لازم ہے تو ابوالعباس کا قول اختیار نصب میں ابوعمرو کے قول کی مثل ہے کیونکہ اس معطوف کو منادی مستقل بنانا ممتنع ہے کہ اس سے نزع لام ممکن نہیں قولہ والمضافة: یہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول اَلْمُفْرَدَۃ پر معطوف ہے یعنی منادی مبنی علی مایرفع بہ کے توابع جو مضاف باضافت حقیقیہ ہوں وہ منصوب ہوتے ہیں اور انکے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منادی مضاف باضافت حقیقیہ پر اگر حرف ندا داخل ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے جیسے یا غلامَ زید تو تابع ہونے کی صورت میں تو اسکو بطریق اولیٰ منصوب ہونا چاہئے کیونکہ حرف ندا اس پر داخل نہیں ہے اور وہ اپنے اصل یعنی مفعول بہ ہونے پر باقی ہے اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے جیسے یا تیم کلہم بنصب کلہم تاکید میں اور یا

و البدل والمعطوف غیر ماذُکر ای غیر المعطوف الذی ذکر من قبل وھو الممتنع دخولُ یا علیه فغیره المعطوف الذی لایمتنع دخولُ یاعلیه **حُکمُه** ای حکم کل واحدمنهما **حکم المنادی المستقل** الذی باشره حرف النداء وذلک لان البدل ھو المقصود بالذکر والاول کالتوطیة لذکره والمعطوف المخصوص منادی مستقلٌ فی الحقیقة ولامانعَ من دخول حرف النداء علیه فیکون حرف النداء مقدرا فیه **مطلقا** ای حال کون کل واحدمنهما مطلقا فی هذا الحکم غیر مقید بحال من الاحوال ای سواء کانا مفردین اومضافین اومضارعین للمضاف او نکرتین فالبدل مثل یازید عمرو ویازید اخاعمرو ویازید طالعاجبلا ویازید رجلا صالحا و المعطوف مثل یازید و عمرو ویازید و اخاعمرو ویازید و طالعاجبلا ویازید و رجلا صالحا

(اور بدل اور معطوف اس معطوف کا غیر جو مذکور ہوا) یعنی اس معطوف کا غیر جس کا پہلے ذکر کیا گیا اور وہ وہی معطوف ہے کہ اس پر دخول یاء ممتنع ہو پس اسکا غیر وہ معطوف ہے جس پر دخول یاء ممتنع نہیں (اس کا حکم) یعنی ان دو میں سے ہر ایک کا حکم منادی (مستقل کا حکم ہے) جس پر حرف ندا داخل ہے اور یہ اس لئے کہ بدل ہی مقصود بالذکر ہے اول بدل کے ذکر کیلئے تمہید کی طرح ہے اور معطوف مخصوص درحقیقت منادی مستقل ہے اور حال یہ ہے کہ اس پر حرف ندا کے دخول سے کوئی مانع نہیں لہٰذا حرف ندا اس میں مقدر ہوگا (درانحالیکہ مطلق ہے) یعنی حال ہونے ہر واحد کے ان میں سے مطلق اس حکم میں نہ احوال میں سے کسی حال کے ساتھ مقید یعنی خواہ دونوں مفرد ہوں یا مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ ہوں پس بدل جیسے یا زید عمرو اور یازید اخا عمرو اور یازید طالعا جبلا اور یازید رجلا صالحا اور معطوف جیسے یازید وعمرو اور یازید و اخا عمرو اور یازید وطالعا جبلا اور یازید و رجلا صالحا

زید ذاالمال صفت میں اور یارجل ابا عبداللہ عطف بیان میں اور وہ معطوف بحرف جس پر دخول یاء ممتنع ہے یعنی معطوف معرف باللام تو وہ مضاف ہوتا ہی نہیں کیونکہ مضاف باضافت حقیقیہ پر دخول لام ممتنع ہے اس لئے ہم نے اسکی مثال ذکر نہیں کی قولہ **والبدل:** اور بدل اور معطوف مذکور کا غیر یعنی وہ معطوف جس پر دخول یاء ممتنع نہیں ان میں سے ہر ایک کا حکم منادی مستقل کا ہے جس پر کہ حرف ندا داخل ہے۔وجہ یہ ہے کہ بدل میں مقصود بالذکر بدل ہی ہوتا ہے اور مبدل منہ بدل کے ذکر کیلئے بطور تمہید ہوتا ہے لہٰذا بدل اگر مفرد معرفہ ہوگا تو مضموم ہوگا اور اگر مضاف یا مشابہ مضاف یا نکرہ محضہ ہوگا تو منصوب ہوگا اور وہ معطوف جس پر دخول یاء ممتنع نہیں وہ فی الحقیقت منادی مستقل ہے اور اس پر حرف ندا کے آنے سے کوئی چیز مانع بھی نہیں ہے لہٰذا اس میں حرف ندا مقدر ہوگا جسکی وجہ سے وہ مضموم یا منصوب ہوگا قولہ **مطلقا** :۔شارح نے اسکی تفسیر **ای حال کون الخ** کے ساتھ کی ہے جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مطلقا مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **حکمه** کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسکی جگہ رکھنا صحیح ہے یعنی حال ہونے ہر واحد کے بدل اور معطوف بحرف میں سے اس حکم میں مطلقا یعنی منادی مستقل کا یہ حکم بدل اور معطوف کیلئے کسی حال کے ساتھ مقید نہیں بلکہ مطلقا ہے خواہ وہ دونوں مفرد ہوں یا مضاف ومشابہ بمضاف ہوں یا نکرہ ہوں ان کیلئے منادی مستقل کا حکم ہر حال میں ہے (تمام کی امثلہ شرح میں موجود ہیں) اور یارجلا صالحا میں صالحا کا اضافہ اسلئے ہے کہ بدل نکرہ ہے جسکی موافقت میں عطف کی

والعلم ای العلم المنادی المبنی علی الضم اما کونه منادی فلان الکلام فیه واما کونه مبنیا علی الضم فلما یفهم من اختیار فتحه المنبئ عن جواز ضمه فان جواز الضمة لایکون الافی المبنی علی الضم الموصوف بابن مجرد عن التاء اوملحوق بها اعنی ابنة بلاتخلل واسطة بین الابن وموصوفه کماهو المتبادر الی الفهم فیخرج عنه مثل یازیدُ الظریفُ ابنَ عمرو مضافا ای حال کون ذلک الابن مضافا الی علم آخر فکلّ علم یکون کذلک یجوز فیه الضم کما عرفت من قاعدة بناء المفرد علی مایُرفع به لکن یُختار فتحه لکثرة وقوع المنادی الجامع لهذه الصفات والکثرة مناسبةٌ للتخفیف فخففوه بالفتحة التی هی حرکته الاصلیة لکونه مفعولا به

(اور علم) یعنی علم منادی مبنی بر ضم بہرحال ہو تا علم کا منادی پس اس لئے کہ کلام منادی میں ہے بہرحال ہوتا اس کا مبنی بر ضم پس اس وجہ سے جو اسکے فتح کے مختار ہونے سے مفہوم ہو رہی ہے جو منادی کے ضمہ کے جواز کی خبر دے رہی ہے کیونکہ ضمہ کا جواز مبنی بر ضم میں ہی ہو سکتا ہے (موصوف ابن کے ساتھ) حال ہونے ابن کے مجرد من التاء یا ملحوق بالتاء میری مراد ابنۃ ہے ابن اور اسکے موصوف کے درمیان کسی واسطہ کے حائل ہوئے بغیر جیسا کہ یہ متبادر الی الفہم ہے پس اس حکم سے یازید الظریف ابن عمرو خارج ہو جائیگا (بحالت اضافت) یعنی حال ہونے اس ابن کے مضاف (دوسرے علم کی طرف) تو جو علم اس طرح ہو اس میں ضمہ جائز ہے جیسا کہ تم نے مفرد کے مبنی بر علامت رفع کے قاعدہ سے جان لیا ہے لیکن (اسکی فتح مختار ہے) ان صفات کے جامع منادی کے کثرت وقوع کی وجہ سے اور کثرت تخفیف کیلئے مناسب ہے لہذا نحویوں نے منادی کے ضمہ کو فتح کے ساتھ مخفف کر دیا جو کہ منادہ کی حرکت اصلیہ ہے منادی کے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے

مثال میں بھی صالحا کا اضافہ کر دیا ہے ورنہ اسکی ضرورت نہ تھی قولہ **والعلم:** شارح نے **ای العلم المنادی الخ** کے ساتھ تفسیر کرنے کی خود وجوہ بیان کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے علم کو منادی کے ساتھ مقید کیا اس لئے کہ زیر بحث منادی ہے پھر مبنی علی الضم کے ساتھ مقید کیا اس لئے کہ اسکے اندر فتح کے مختار ہونے سے جواز ضمہ مفہوم ہو رہا ہے اور ضمہ کا جواز صرف مبنی علی الضم میں ہوتا ہے یعنی جو علم منادی مبنی علی الضم موصوف ہو اور لفظ ابن خالی عن التاء اسکی صفت ہو یا ابنۃ ملحوق بالتاء اسکی صفت ہو اور موصوف وصفت کے درمیان فاصلہ بھی نہ ہو جیسا کہ وہ متبادر الی الفہم ہے پھر ابن یا ابنۃ علم آخر کی طرف مضاف ہو تو ایسے علم میں فتح مختار ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ ہم نے بلا تخلل واسطہ کی قید اس لئے بڑھائی ہے کہ یا زید الظریف ابن عمرو کے ساتھ اعتراض نہ ہو سکے یعنی اس مثال میں علم منادی کا فتح مختار نہیں اس لئے کہ **الظریف** فاصل ہے۔ قولہ **مضافا:**۔ شارح نے حال کون الخ کے ساتھ تفسیر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مضافا" اس کے قول "ابن" سے حال ہے یعنی حال ہونے لفظ ابن یا ابنۃ کے مضاف علم آخر کی طرف۔ پس جو علم ان صفات کے ساتھ متصف ہو اسمیں بنا علی الضم جائز ہے جیسا کہ بنی علی مایرفع بہ کے قاعدہ سے تم معلوم کر چکے ہو لیکن اس کا فتح مختار ہے۔ قولہ **لکثرۃ وقوع:**۔ یعنی اس علم میں فتح اس لئے مختار ہے کہ ان صفات کا جامع منادی کثیر الوقوع ہے اور کثرت تخفیف کی متقضی ہے تو اس علم منادی میں فتح کے ساتھ تخفیف کر دی گئی کہ فتح منادی کی اصل حرکت ہے کیونکہ

واذا نُودی المعرّف باللام ای اذا ارید ندائه **قیل** مثلا **یاایھا الرجل** بتوسط ایّ مع ھاء التنبیه بین حرف النداء والمنادی المعرف باللام تحرزا عن اجتماع آلتَی التعریف بلا فاصلة **ویاھذا الرجل** بتوسط ھذا **ویاایھذا الرجل** بتوسط الامرین معا **والتزموا** یعنی العرب **رفع الرجل** مثلا **وان کان صفتہ** حقھا جواز الوجھین الرفع والنصب کمامر **لانه** ای الرجل مثلا ھو المقصود بالنداء فالتُزم رفعه لتکون حرکته الاعرابیة موافقة للحرکة البنائیة التی ھی علامة المنادی

(اور جب معرف باللام کو ندا کی جائے) یعنی معرف باللام کی ندا کا ارادہ کیا جائے (کہا جائیگا) مثال کے طور پر (یاایہا الرجل) واسطہ لاتے ہوئے کلمہ ایّ کو ہمراہ ہائے تنبیہ کے حرف ندا اور معرف باللام کے درمیان بلا فاصلہ دو آلہ تعریف کے اجتماع سے اجتناب کیلئے (ویاھذا الرجل) ھذا کے توسط کے ساتھ (اور یاایھذا الرجل) امرین یعنی ایّ اور ھذا کے ایک ساتھ توسط کے ساتھ (اور انہوں نے التزام کرلیا) یعنی عرب نے (الرجل کے رفع کا) مثلا اگرچہ الرجل صفت ہے اور صفت کا حق جواز وجہین ہے یعنی رفع اور نصب کا جواز جیسا کہ گذرا ہے (اس لئے کہ وہ) یعنی الرجل مثلا (ہی مقصود بالندا ہے) پس اسکے رفع کا التزام کیا گیا تا کہ اسکی حرکت اعرابیہ حرکت بنائیہ کے موافق ہوجائے جو کہ منادی کی علامت ہے

منادی مفعول بہ ہے قولہ **واذ انودی**:۔ اور جب معرف باللام کی ندا کا ارادہ کیا جائے تو اسکو تین طرح بولا جائیگا۔ شارح نے **اذا نُودی** کی تفسیر **اذا اُرِیدَ ندائه** کے ساتھ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ندا فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اسکو ذکر کر کے اسکا مبدء یعنی ارادہ فعل مراد لیا جاتا ہے کیونکہ ہر فعل اختیاری مسبوق بالارادہ ہوتا ہے پھر **قیلَ** کے بعد لفظ مثلا کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ متن کی عبارت میں خلل ہے اس لئے کہ جانب شرط میں **اَلْمُعَرَّف باللام** عام ہے اور جانب جزا میں الرجل خاص ہے یعنی **اذا نودی المعرف باللام** سے مطلق معرف باللام کو منادی بنانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو عام ہے اور جزا میں صرف **الرجل** معرف باللام کی ندا کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو خاص ہے اور خاص کا ترتب عام پر جائز نہیں ہوتا جبکہ شرط و جزا میں جزا کا ترتب شرط پر ضروری ہے شارح نے جواب دیا کہ جزا میں الرجل کا ذکر بطور تمثیل ہے اس سے دوسری معرف باللام اشلہ کو خارج کرنا مقصود نہیں۔ پس شرط کی طرح جزا یعنی **مثل الرجل** بھی عام ہے اور یہاں عام کا ترتب عام پر ہے۔ قولہ **قیل یاایھا الرجل**:۔ یہاں مصنف علیہ الرحمۃ نے معرف باللام کی ندا کے تین طریقے بیان کئے ہیں۔ اول۔ یہ کہ حرف ندا اور معرف باللام کے درمیان اَیّ اور ہائے تنبیہ کے ساتھ فاصلہ کر کے یاایھا الرجل کہنا تا کہ دو آلہ تعریف بلا فاصلہ جمع نہ ہوں۔ دوم۔ یہ کہ اسم اشارہ کے ساتھ فاصلہ کر کے **یاھذا الرجل** کہنا۔ سوم۔ یہ کہ لفظ **اَی** اور **ھذا** دونوں کے ساتھ فاصلہ کر کے **یا اَیُّھذا الرجل** کہنا۔ قولہ **والتزموا رفع الرجل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **یا اَیُّھا الرجل** کی ترکیب میں لفظ **اَیُّ** منادی مضموم ہے اور **الرجل** اسکی صفت ہے اور منادی مضموم کی صفت کا حق یہ ہے کہ اس میں رفع اور نصب دونوں جائز ہوں مگر عرب نے الرجل کا رفع لازم کر دیا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ عرب نے مثلا الرجل کا رفع لازم کرلیا ہے اگرچہ حق یہ ہے کہ یہ اَیّ کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح آئے جس طرح کہ قاعدہ گذرا ہے اور التزام رفع کی وجہ یہ ہے کہ **یاایھا الرجل** میں مقصود بالندا یہی الرجل ہے اگرچہ حرف ندا اسپر داخل نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ معرف باللام کو حذف کرنے سے ندا باطل ہوجاتی ہے تو

فتدل على انه هو المقصود بالنداء وهذا بمنزلة المستثنى عن قاعدة جواز الوجهين في صفة المنادى ولهذا لم يذكر هناك مايُخرج صفة الاسم المبهم عن تلك القاعدة وتوابعه بالجر عطف على الرجل اى والتزموا رفع توابع الرجل مضافة او مفردة نحو ياايها الرجل الظريف و ياايها الرجل ذو المال لانها توابع منادى معرب وجواز الوجهين انما يكون في توابع المنادى المبنى وقالوا ابناءً على قاعدة تجويز اجتماع حرف النداء مع اللام وهى اجتماع امرين احدهما كون اللام عوضا عن محذوف وثانيهما لزومها للكلمة يا الله

پس وہ حرکت اعرابیہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہی مقصود بالندا ہے اور یہ قول منادی کی صفت میں جواز وجہین کے قاعدہ سے بمنزلہ مستثنیٰ کے ہے اسی لئے مصنف نے وہاں صفت مفرد میں جواز وجہین کے قاعدہ میں ایسا لفظ ذکر نہیں کیا جو اسم مبہم کی صفت کو اس قاعدہ سے خارج کردے (اور اسکے توابع کا) یہ جر کے ساتھ الرجل پر معطوف ہے یعنی نحویوں نے الرجل کے توابع کے رفع کا التزام کیا ہے خواہ وہ توابع مضاف ہوں یا مفرد ہوں جیسے یاایہا الرجل الظریف اور یاایہا الرجل ذوالمال (کیونکہ یہ توابع ہیں) منادی (معرب کے) اور وجہین کا جواز منادی مبنی کے توابع میں ہے (اور عرب نے کہا) اجتماع حرف ندا مع لام کے جائز قرار دیئے جانے کے قاعدہ پر بنا کرکرتے ہوئے اور وہ قاعدہ دو امروں کا اجتماع ہے ایک ان دو میں سے لام کا محذوف کے عوض ہوتا ہے اور دوسرا ان میں سے لام کا کلمہ کو لازم ہوتا ہے (یا اللہ)

اسکو رفع لازم کردیا گیا تاکہ اسکی یہ حرکت اعرابیہ اسکی حرکت بنائیہ کے موافق ہوجائے جو منادی مفرد معرفہ کی علامت ہے۔ پس یہ حرکت اعرابیہ اس امر پر دلالت کرے کہ یہی **الرجل** مقصود بالندا ہے اور یہ عبارت صفت منادی میں جواز وجہین کے قاعدہ سے بمنزلہ مستثنیٰ کے ہے اور اسی لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے جواز وجہین کے قاعدہ میں کوئی ایسی قید ذکر نہیں کی جو اسم مبہم کی صفت کو اس قاعدہ سے خارج کردے مثلاً یہ نہیں کہا کہ **اذا لم یکن المنادی مبهما** قولہ **وتوابعه**:۔ یہ **الرجل** پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے یعنی عرب نے **الرجل** کے توابع میں بھی رفع لازم کردیا ہے خواہ وہ توابع مفرد ہوں یا مضاف ہوں جیسے **یاایها الرجل الظریف** اور **یاایها الرجل ذوالمال** اور **الرجل** کے توابع میں رفع اس لئے لازم ہے کہ یہ منادی معرب کے توابع ہیں اور رفع ونصب کا جواز منادی مبنی کے توابع میں ہے۔ قولہ **وقالوا**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معرف باللام پر حرف ندا کا دخول ممتنع نہیں کیونکہ بولا جاتا ہے یا اللہ جس میں حرف ندا معرف باللام پر داخل ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ جس قاعدہ سے دو آلہ تعریف کے اجتماع کا ممتنع ہونا ثابت ہوتا ہے یا اللہ اس سے مستثنیٰ ہے اور یا اللہ میں دو آلہ تعریف کے اجتماع کا جواز اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ جہاں دو امر پائے جائیں وہاں حرف ندا اور لام یعنی دو آلہ تعریف کا اجتماع جائز ہے اول۔ یہ کہ لام کسی حرف محذوف کا عوض ہو۔ دوم۔ یہ کہ لام کلمہ کو لازم ہو چونکہ یہ دونوں امر اسم جلالت میں پائے جاتے ہیں اس لئے عرب نے یا اللہ میں دو آلہ

﴿فائدہ﴾ یا ھذا الرجل میں رفع کا التزام جمہور کا مذہب ہے لیکن مازنی اور زجاج کا اسمیں اختلاف ہے انہوں نے الرجل کو منادی مفرد معرفہ کی باقی صفات کی مثل قرار دیا ہے یعنی رفع اور نصب دونوں جائز قرار دیئے ہیں اور بعض نے ھذا کی صفت میں نصب کو جائز رکھا ہے لیکن ای کی صفت میں نصب کو جائز نہیں رکھا کیونکہ ھذا کا مقصود بالندا ہونا جائز ہے مگر ای کا مقصود بالندا ہونا جائز نہیں پس مصنف کے کلام میں غیر جمہور کے قول کا رد ہے کیونکہ وہ استعمال کے خلاف ہے (محقق)

لان اصله الالٰه فحذفت الهمزة وعوّضت اللام عنها ولزمت الكلمة فلا يقال فی سعة الكلام لاه

و لما لم يجتمع هذان الامران فی موضع آخر اختص هذا الاسم بذلك الجواز و لهذا قال

خاصة و اما مثل النجم و الصعق و ان كانت اللام لازمة فيه لكن ليست عوضا عن محذوف و اما

الناس و ان كانت اللام فيه عوضا عن الهمزة لان اصله الأُناس لكن ليست لازمة للكلمة لانه

يقال ناسٌ فی سعة الكلام فلا يجوز ان يقال يا النجم و يا الناس و لعدم جَرَيان هذه القاعدة فی التی

فی قوله شعر، مِن اَجلك يا التی تيَمت قلبی ☆ و انتِ بخيلة بالوصل عنی ☆ لان لامَها ليست

عِوضا عن محذوف و ان كانت لازمة للكلمة حكموا عليه بالشذوذ و فی الغلامان فی قولهم ع

فَيا الغلامان اللذان فرّا ☆ لانتفاء الامرين كليهما حكموا بانه اشدُّ شذوذا

کیونکہ اس کی اصل اِلَالٰہٌ ہے پس ہمزہ کو حذف کر کے لام کو اسکے عوض کر دیا گیا اور لام کلمہ کو لازم ہو گئی پس وسعت کلام میں لاہ نہیں کہا جاتا اور جبکہ یہ دونوں امر کسی دوسری جگہ نہیں پائے جاتے لہٰذا جواز کے ساتھ یہ اسم (اللہ) خاص کر دیا گیا اس لئے مصنف نے کہا (خاص کر) بہر حال النجم اور الصعق کا مثل اگر چہ لام اس میں لازم ہے لیکن یہ محذوف کے عوض نہیں ہے اور بہر حال الناس اگر چہ اسمیں لام ہمزہ کے عوض ہے کہ اسکی اصل الاُناس ہے لیکن یہ لام کلمہ کو لازم نہیں کیونکہ سعۃ کلام میں ناس کہا جاتا ہے لہٰذا یا النجم اور یا الناس کہنا جائز نہیں اور بوجہ نہ جاری ہونے اس قاعدہ کے شاعر کے قول ''من اجلک یا التی الخ'' میں نحویوں نے قول شاعر پر شذوذ کا حکم لگایا اس لئے کہ اسکی لام محذوف سے عوض نہیں اگر چہ کلمہ کیلئے لازم ہے اور ان کے قول ''فیا الغلامان الخ'' میں نحویوں نے حکم لگایا ہے کہ یہ بہت بھی شاذ ہے اس لئے کہ الغلامان میں دونوں امر منتفی ہیں

تعریف کا جتماع جائز رکھا ہے۔ قولہ **لان اصلہ**۔ یہ اسم جلالت میں امرین مذکورین کے پائے جانے کی دلیل ہے یعنی اسم جلالت کا لام محذوف کے عوض ہے کیونکہ اللہ اصل میں اَلْاِلٰہ تھا ہمزہ ثانیہ حذف کر کے لام کو اسکے عوض کر دیا گیا اور علمیت کی وجہ سے لام کلمہ کو لازم ہو گیا پھر لام کا لام میں ادغام کر دیا گیا اسی لزوم کی وجہ سے نثر کلام میں لام کو حذف کر کے لاہٗ نہیں بولا جاتا تا کہ عوض اور معوض عنہ کا حذف لازم نہ آئے۔ چونکہ یہ دونوں امر کسی اور کلمہ میں ایک ساتھ نہیں پائے جاتے اس لئے یہ جواز لفظ اللہ کے ساتھ مختص ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا وقالوا یا اللہ خاصۃ قولہ و **اما مثل النجم و الصعق**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ **النجم** اور **الصعق** میں بھی علم ہو جانے کی وجہ سے لام انکو لازم ہے لہٰذا **یا النجم** اور **یا الصعق** بولنا جائز ہونا چاہئے حالانکہ اس طرح بولنا جائز نہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ ان دو اسموں میں اگر چہ لام لازم ہو گیا ہے لیکن یہ لام کسی محذوف کا عوض نہیں اسلئے **یا النجم** اور **یا الصعق** کہنا جائز نہیں اور **الناس** کا لام اگر چہ ہمزہ کا عوض ہے کہ اصل **الاُناس** تھا اسکا ہمزہ حذف کر کے لام اسکا عوض کر دیا گیا مگر یہ لام کلمہ کو لازم نہیں کیونکہ نثر کلام میں نَاسٌ بولا جاتا ہے اسلئے یا الناس بولنا صحیح نہیں۔ قولہ **ولعدم جریان**:۔ یہ جار مجرور حَکَمُوْا کے متعلق ہے یعنی بوجہ نہ جاری ہونے اس قاعدہ کے یا التی میں جو شاعر کے اس کلام میں ہے **من اجلک یا التی الخ** عرب نے اس پر شذوذ کا حکم لگایا کیونکہ **یا التی** کا لام محذوف کا عوض نہیں اگر چہ

ولک ای وجاز لک فی مثل یاتیمُ تیمَ عَدِیِّ ای فی ترکیب تکرّر فیه المنادی المفرد المعرفة صورة ووَلِیَ الثانی اسمٌ مجرور بالاضافة فی الاول الضم والنصب وفی الثانی النصب فحسب اما الضم فی الاول فلانه منادی معرفة کماهو الظاهر والنصب علی انه مضاف الی عدیّ المذکور وتیم الثانی تاکید لفظی فاصل بین المضاف والمضاف الیه وذلک مذهب سیبویه او مضاف الی عدیّ المحذوف بقرینة المذکور وذلک مذهب المبرد والسیرافیُّ اجاز الفتح مکان النصب علی ان یکون فی الاصل یاتیمُ بالضم تیم عدیّ ففُتح اتباعا لنصب الثانی کما فی یا زید بنَ عمرو وتعین النصب فی الثانی لانه اما تابع مضاف او تابع مضاف

(اور تیرے لئے ہے) یعنی تیرے لئے جائز ہے (یا تیم تیم عدی کے مثل میں) یعنی ایسی ترکیب میں جس میں منادی مفرد معرفہ صورةً مکرر ہو اور دوسرے منادی سے ایک اسم مجرور باضافت ملا ہوا ہو اول میں (ضم اور نصب) اور ثانی میں صرف نصب بہر حال اول میں ضم تو وہ اس لئے کہ اول منادی مفرد معرفہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور نصب اس بناء پر کہ وہ عدی مذکور کی طرف مضاف ہے اور تیم ثانی تاکید لفظی ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصل ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے یا پہلا تیم عدی محذوف کی طرف مضاف ہے جس کے حذف پر قرینہ عدی مذکور ہے اور یہ مبرد کا مذہب ہے اور سیرافی نے اول میں نصب کی جگہ فتح کو جائز کیا اس بناء پر کہ تیم اول اصل میں ضم سے ہو اور تیم ثانی نصب سے ہو پھر تیم ثانی کی نصب کی اتباع میں اسے مبنی بر فتح کر دیا گیا ہو جس طرح یا زید بن عمرو میں اور ثانی میں نصب متعین ہے کیونکہ وہ یا تو تابع ہے جو مضاف ہے یا مضاف کا تابع ہے

یہ لام کلمہ کو لازم ہے ☆ ترجمہ شعر ☆ میں تیری وجہ سے مشقتیں برداشت کرتا ہوں ای وہ عورت کہ تو نے میرے دل کو غلام بنالیا ہے اور تو مجھ سے ملنے میں بخل کرتی ہے اور الغلامان جو کہ قول فیا الغلامان اللذان فرا میں واقع ہے اس پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ بہت شاذ ہے کیونکہ اس میں دونوں امر منتفی ہیں قولہ ولک:۔ شارح نے فعل جاز مقدر کر کے لک جار مجرور کا متعلق بنایا ہے یعنی تیرے لئے جائز ہے یاتیم تیم عدیّ کی مثل میں اول کو ضم اور فتح دینا اور مثل یاتیم تیم عدیّ سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں منادی مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو اور ثانی سے اسم مجرور بالاضافت متصل ہو اس ترکیب کے منادی اول میں ضم اور نصب جائز ہے اور ثانی میں صرف نصب جائز ہے۔ قولہ اما الضم فی الاول:۔ یعنی تیم اول میں ضم اس لئے جائز ہے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے کما ھو الظاہر اور نصب اس لئے جائز ہے کہ تیم اول لفظ عدیّ مذکور کی طرف مضاف ہے اور تیم ثانی اسکی تاکید لفظی ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصل ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے یا اس ترکیب میں تیم اول عدی محذوف کی طرف مضاف ہے اور عدی محذوف پر قرینہ عدی مذکور ہے اور یہ مبرد کا مذہب ہے۔ اور سیرافی نے تیم اول میں نصب کی جگہ فتح کو جائز قرار دیا ہے اس

قولہ تاکید لفظی:۔ دی یہ بات کہ تیم ثانی اگر تاکید لفظی ہے تو یہ منون کیوں نہیں تو بقول علامہ عصام یہ غیر منصرف ہے کیونکہ تیم علم اور مؤنث ہے بتاویل قبیلہ اور شیخ رضی کہتے ہیں کہ تیم اول پر اس کے مبنی یا مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین نہیں آئی اور تیم ثانی پر تنوین اس لئے نہیں آئی کہ تاکید لفظی میں فی الاغلب لفظ اول کو بلا تغییر و تفاوت کے مکرر لایا جاتا ہے چونکہ تیم اول میں اضافت کی وجہ سے تنوین نہیں ہے اسلئے تیم ثانی میں بھی تنوین نہیں ہے اگرچہ تیم ثانی کسی کی طرف مضاف نہیں ہے۔

☆☆☆

وتمام البیت ☆یاتَیم تَیمَ عدِیَّ لاابَالکم ☆لایُلقِیَنّکم فی سَوئَۃٍعُمر ☆والبیت لجریر حین اراد عمر التیمی الشاعر اَن یھجوہ فقال جریر خطابالبنی تیم لاتترکواعمر اَن یھجونی فیلقینکم فی سوئۃ ای مکروہ من قِبلی یعنی مھاجاتہ ایاھم وَالمنادی المضاف الی یاء المتکلم یجوز فیہ وجوہ اربعۃفتح الیاء مثل یاغلامیَ وسکونھامثل یاغلامیْ واسقاط الیاء اکتفاء بالکسرۃ اذا کان قبلھا کسرۃ احترازاعن نحو یافتایَ مثل یاغلامِ و قلبُھاالفانحو یاغلامَا وھذان الوجھان یقعان غالبافی النداء لان النداء موضع تخفیف لان المقصود غیرہ فیقصدالفراغ من النداء بسرعۃ لیتخلص الی المقصود من الکلام فخفف یاغلامی بوجھین حذف الیاء وابقاء الکسرۃ دلیلاعلیہ وقلب الیاء الفا

اور پورا بیت اس طرح ہے یا تیم تیم عدی الخ اور یہ بیت جریر کا ہے جب عمر تیمی شاعر نے انکی مذمت کرنے کا ارادہ کیا تو جریر نے بنی تیم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عمر کو میری مذمت کرنے کی اجازت نہ دو پس وہ میری طرف سے تمہیں ناپسند چیز میں مبتلی کردے گا مراد یہ ہے کہ اسے بھی بنی تیم کی ہجو کرنی پڑیگی (اور) منادی (جو مضاف ہو یائے متکلم کیطرف اسمیں جائز ہیں) چار وجوہ فتح یاء جیسے (یاغلامیَ) اور سکون یاء جیسے یاغلامیْ اور یاء کو ساقط کرکے کسرہ پر اکتفا کرکے جبکہ اس سے پہلے کسرہ ہو یہ احتراز ہے یافتای کی مثل سے (جیسے یاغلامِ) اور یاء کو الف سے بدلنا جیسے (یاغلاما) اور یہ دونوں وجہیں غالبا ندا میں واقع ہوتی ہیں کیونکہ ندا تخفیف کی جگہ ہے اس لئے کہ ندا سے مقصود غیر ندا ہے پس متکلم جلدی سے ندا سے فراغت چاہتا ہے تاکہ جو کلام سے مقصود ہے اس کی طرف متکلم خلاصی پائے پس یاغلامی دو طرح سے تخفیف کیا گیا ایک حذف یاء اور کسرہ کے باقی رکھنے سے تاکہ وہ یائے محذوفہ پر دلیل بن جائے اور دوسرے یاء کو الف کردینے سے

بنا پر کہ یہ ترکیب اصل میں **یاتیم تیم عدی** بضم تیم اول اور بفتح تیم ثانی تھی۔ پس تیم اول کو تیم ثانی کے اتباع میں فتح دے دیا گیا جیسے **یا زید بن عمرو** میں زید کو باتباع ابن فتح پڑھا جاتا ہے کیونکہ ابن منادی مبنی کا تابع مضاف باضافت حقیقیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور تیم ثانی میں نصب متعین ہے کیونکہ وہ یا تو منادی مضاف کا تابع ہے یا ایسا تابع ہے جو مضاف ہے۔ قولہ **وتمام البیت**:۔ یعنی مثال مذکور بیت کا ایک حصہ ہے اور تمام بیت اس طرح ہے **یاتیم تیم عدی لاابالکم الخ** اس بیت میں شاعر جریر نے بنی تیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اپنے شاعر عمر تیمی کو میری برائی کرنے سے روکو ورنہ تمہیں میری طرف سے پریشانی اٹھانا پڑے گی یعنی میں تم سب کی ہجو کروں گا قولہ **والمضاف**:۔ اور منادی مضاف بسوئے یاء متکلم میں چار وجہیں جائز ہیں۔ اول۔ یائے متکلم کو فتح جیسے **غلامیَ** دوم۔ سکون یائے متکلم جیسے **یا غلامیْ** سوم۔ بسقوط یاء متکلم واکتفاء بر کسرہ جیسے **یاغلامِ** یا سوقت ہے جبکہ یاء سے پہلے کسرہ ہو یہ قید **یافتایَ** سے احتراز کیلئے لگائی ہے چہارم۔ قلب یاء بالف جیسے **یاغلاما** اور یہ آخری دو وجہیں غالبا ندا میں ہوتی ہیں کیونکہ ندا تخفیف کی جگہ ہے اس لئے کہ مقصود متکلم غیر ندا ہوتا ہے ندا تو صرف متوجہ کرنے کیلئے کی جاتی ہے پس متکلم یہ چاہتا ہے کہ وہ جلدی ندا سے فراغت حاصل کرکے اصل مقصود کی طرف جائے پس یاغلامی

لان الالف والفتحة اخف من الياء والكسرة فهما اى هذان الوجهان وان كانا واقعين فى المنادى المضاف الى ياء المتكلم لكن لا يقعان فى كل منادى كذلك بل فيما غَلَبَ عليه الاضافة الى ياء المتكلم واشتهر بها لتدل الشهرة على الياء المغيّرة بالحذف او القلب فلا يقال يا عدوِّ و يا عدوا وقد جاء شاذًّا فى المنادى يا غلام بالفتح اكتفاءً بالفتحة عن الالف ويكون المنادى المضاف الى ياء المتكلم بالهاء فى هذه الوجوه كلها وقفا اى فى حالة الوقف تقول يا غلاميَهْ و يا غلامِيهْ و يا غلامِهْ و يا غلاماهْ فرقا بين الوقف والوصل

کیونکہ الف اور فتح یاء اور کسرہ سے اخف ہیں اور وہ دونوں یعنی دونوں طریقے اگرچہ منادی مضاف بسوئے یائے متکلم میں واقع ہیں لیکن ہر منادی میں اسی طرح واقع نہیں ہوتے بلکہ اس منادی میں واقع ہوتے ہیں کہ جس میں اضافت یائے متکلم کی طرف غالب ہو اور منادی اضافت کے ساتھ مشہور ہوتا کہ یہ شہرت یائے متغیرہ بالحذف یا متغیرہ بالقلب پر دلالت کرے پس یا عَدُوِّ اور یا عدوّا نہیں کہا جائے گا اور تحقیق آیا ہے منادی میں بطور شذوذ یا غلام میم کے فتح کے ساتھ الف کی بجائے فتح پر اکتفا کرتے ہوئے اور منادی مضاف بسوئے یاء متکلم ہوتا ہے (ھاء کے ساتھ) ان تمام وجوہ میں (وقف میں) یعنی حالت وقف میں تم کہو گے یا غلامیَہ اور یا غلامِیہ اور یا غلامَہْ اور یا غلاماہ وقف اور وصل میں فرق کرنے کیلئے

میں دو وجہوں سے تخفیف کردی گئی ایک تو یاء کو حذف کرکے اس پر بطور دلیل کسرہ ماقبل کو باقی رکھنے کے ساتھ اور دوم یاء کو الف کر دینے کے ساتھ ۔قولہ **لان الالف والفتحة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حذف یاء اور اکتفاء بکسرہ ماقبل میں تو بلاشبہ تخفیف ہے لیکن یاء کو الف کر دینے میں کوئی تخفیف نہیں کیونکہ **یا غلاما** میں الف کے ماقبل کا فتح **غلامی** کے کسرہ کے مقابلہ میں ہے اور الف یاء کے مقابلہ میں ہے تو **غلاما** میں تخفیف کیسے ہوئی؟ شارح نے جواب دیا کہ اگرچہ **غلامی** اور **غلاما** میں حرکت مقابل حرکت اور حرف مقابل حرف ہے مگر **غلاما** میں تخفیف بایں معنی ہے کہ الف اور اسکے ماقبل کا فتح جو **غلاما** میں ہے یہ یاء اور کسرہ سے اخف ہے جو **غلامی** میں ہے ۔قولہ **ای هذان الوجهان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **یا عدوّی** منادی مضاف بسوئے یاء متکلم ہے مگر اس میں آخری دو وجہیں یعنی حذف یاء اور ابدال بالالف جائز نہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ دو وجہیں ہر منادی مضاف بسوئے یائے متکلم میں جاری نہیں ہوتیں بلکہ اس منادی میں جاری ہوتی ہیں جسکی اضافت یاء متکلم کی طرف غالب اور مشہور ہوتا کہ یہ شہرت یاء محذوفہ یا یائے مقلوبہ پر دلالت کرے لہٰذا **یا عدوِّ یا یا عدوّا** نہیں کہا جائیگا کیونکہ دشمن کی اپنی طرف نسبت کرکے **یا عدوّی** کہنا مشہور نہیں ۔قولہ **وقد جاء شاذا**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منادی مضاف بسوئے یاء متکلم میں تخفیف کی ایک صورت یہ بھی آئی ہے کہ الف کو حذف کرکے اس کے ماقبل کے فتح پر اکتفاء کر لینا مصنف علیہ الرحمۃ نے تخفیف کی اس صورت کو بیان کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ صورت شاذ ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے اسکو ترک کر دیا ہے ۔قولہ **ویکون بالهاء**:۔ یہ جار مجرور **متلبسا** کے متعلق ہو کر یکون مقدر کی خبر ہے۔ یعنی منادی مضاف بسوئے یاء متکلم ان تمام وجوہ میں یائے متکلم کے ساتھ ملتبس ہوگا حالت وقف میں ۔پس تو کہے گا **یا غلامیه، یا غلامیه، یا غلامه** اور یا

وقالوا ای العرب فی محاوراتهم یاابی ویاامّی علی الوجوه الاربعة کسائر ما اضیف الی یاء المتکلم مع وجوه اُخر زائدة علیها لکثرة استعمال ندائهما فی کلامهم کما اشار الیها بقوله ویا اَبَتِ ویا اَمَتِ ای قالوا یا اَبَتِ ویا اُمَّتِ ایضا بابدال الیاء بالتاء فتحا وکسرا ای حال کون التاء مفتوحة علی وفق حرکة الیاء او مکسورة لمناسبة الیاء وقد جاء الضم ایضا نحو یا اَبَتُ ویا اُمَّتُ لاجرائه مجری المفرد المعرفة ولم یذکره للقلة وقالوا یا ابتا ویا اُمّتا بالالف بعد التاء جمعا بین العوضین دون الیاء فما قالوا یا اَبَتی ویا امتی احترازا عن الجمع بین العوض والمعوض عنه فانه

(اورانہوں نے کہاہے) یعنی عرب نے اپنے محاورات میں کہاہے (یاابی ویاامّی) چاروں وجوہ پر باقی ان اسماء کی طرح جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں ہمراہ دیگروجوہ زائدہ کے ان پر بوجہ کثیر ہونے اَبْ اوراُمّ کی ندا کے کلام عرب میں جس طرح کہ مصنف نے وجوہ زائدہ کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیاہے (اوریا اَبَتِ اوریا اَمَتِ) یعنی اہل عرب نے یا اَبَتِ اور یا اُمَّتِ یاء کوتاء کے ساتھ بدل کربھی کہاہے (فتح اور کسرہ سے) یعنی حال ہونے تاء کے مفتوح یاء کی حرکت کے موافق یا مکسور یاء کی مناسبت سے اورضمہ بھی آیاہے جیسے یا اَبَتُ ویا اُمّتُ ہرایک کومفرد معرفہ کے قائم مقام کرتے ہوئے اور مصنف نے اس کاذکراسکے قلیل الوقوع ہونے کی وجہ سے نہیں کیا (اور) اہل عرب نے یا اَبَتا اوریا اُمّتا کہا (الف کے ساتھ) تاء کے بعد دونوں عوضوں کو جمع کرتے ہوئے (یاء کے بغیر) پس انہوں نے یا اَبَتی اوریا اُمّتی نہیں کہا عوض اورمعوض عنہ کوجمع کرنے سے احتراز کی وجہ سے کہ یہ

خلاصہ فرق کرنے کیلئے درمیان وقف اوروصل کے قولہ **وقالوا یاابی ویاامّی**:۔ اورعرب نے اپنے محاورات میں **یاابی اوریا امی** کہاہے وجوہ اربعہ مذکورہ پراوران پردووجہیں زائدبھی کی ہیں کیونکہ لفظ اب اورام مضاف بسوئے یائے متکلم کی ندا کلام عرب میں کثیر ہے اوروہ دو صورتیں **یااَبتِ** اور**یااُمّتِ** ہیں۔یعنی یاء کوتاء کرتے ہوئے عرب نے **یاابت** اور**یاامت** بھی کہاہے حال ہونے تاء کے مفتوح موافق حرکت یاء کے یامکسور مناسب یاء کی طبیعت کے کہ یاء دوکسروں سے مرکب ہے اوراَبْ وام میں **یااَبتُ اور اُمّتُ** بضم تاء بھی کلام عرب میں آیاہے اور ضمہ کی وجہ یہ ہے کہ انکو مفرد معرفہ کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔مصنف علیہ الرحمۃ نے انکی قلت کے پیش نظر انکوذکرنہیں کیا قولہ **وقالوا بالالف**:۔ اورعرب نے **یا ابتا** اور**یا امّتا** کہاہے یعنی الف کے اضافہ کے ساتھ تاء کے بعد جمع کرتے ہوئے عوضین یعنی تاء اورالف کولیکن بغیر یاء کے یعنی عرب نے **یا ابتی اور یا اُمّتی** نہیں کہا احترازکرتے ہوئے عوض اورمعوض عنہ کے درمیان جمع کرنے سے کیونکہ یہ نثر کلام میں جائزنہیں۔

قولہ **بابدال الیاء**:۔ یاء کوتاء کے ساتھ بایں مناسبت تبدیل کیا گیا کہ دونوں اسم کے آخرمیں زائد کی جاتی ہیں چونکہ یہ تاء یاء سے مبدل ہے صرف تانیث کے لئے نہیں اس لئے یہ مدورہ نہیں لکھی جاتی لیکن بحالت وقف ہاء ہوجاتی ہے کہ حرف زائد کے عوض ہے بخلاف بنت کی تاء کے کہ وہ حرف اصلی کے عوض ہے رہی یہ بات کہ اَبْ مذکر ہے اس کے آخرمیں تائے تانیث کا الحاق کیسے جائزہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاء تانیث کی نہیں بلکہ تفخیم کی ہے جیسے علامۃ کی تاء تفخیم کی ہے۔ قولہ **اومکسورۃ لمناسبۃ الیاء**:۔ یعنی یاء چونکہ دوکسروں سے مرکب ہے اس لئے یاء کی طبیعت کے موافق تاء کوکسرہ دیاجاتاہے تاکہ بدل میں مبدل منہ کا شائبہ پایاجائے اورکسرہ سے مراد وہ نہیں جو یاء پرہوتاہے کیونکہ یاء اپنے کسرہ کے مناسب نہیں بلکہ اس کے متباین اورمنافی ہے (جمال عبد)

غیر جائز وقالوا یا ابن اُمِّ ویا ابن عمِّ خاصة هـذا الاختصاص بالنظر الی الام والعم ای لایقال یا ابن اخ ویـا ابن خال بل یقال یا ابن اخی ویا ابن خالی لا بالنظر الی الابن ایضا فانهم یقولون یابنت اُم ویا بنت عمّ علی الوجوه الاربعة مثل بابِ یاغلامِیَ فقالوا یاابن اُمی ویاابن عمی بفتح الیاء وسکونها ویـاابـن اُمِّ ویاابنَ عمِّ بحذف الیاء والاکتفاءِ بالکسر ویاابن اُمّاویاابنَ عمّابابدال الیاء الفا و قالوا بـزیـادةوجه آخر شـاذفی المضاف الی یاء المتکلم یاابنَ اُمَّ ویاابنَ عَمَّ بحذف الالف و الاکتفاءِ بـالـفـتـحة لـکثـرة الاستعمال وطول اللفظ وثقل التضعیف ولماکان من خصائص النداء الترخیمُ شرع فی بیانه فقال وترخیم المنادی جائز ای واقـع فی سعةالکلام من غیر ضرورة شعریةدَعت

جائز نہیں (اور) اہل عرب نے کہا (یاابن اُم اور یاابن عم خاص کر) یہ اختصاص اُم اور عم کے لحاظ سے ہے یعنی یاابن اخ اور یاابن خال نہیں کہا جائیگا بلکہ یاابن اخی اور یاابن خالی کہا جائیگا یہ اختصاص ابن کے لحاظ سے بھی نہیں ہے کیونکہ عرب یابنت ام اور یابنت عم کہتے ہیں وجوہ اربعہ پر (یاغلامی کے باب کی مثل) انہوں نے کہا یاابن اُمّی اور یاابن عمی یاء کے فتح اور سکون کے ساتھ اور یاابن ام اور یاابن عم یاء کوحذف کر کے کسرہ پر اکتفا کرنے کے ساتھ اور یاابن اما اور یاابن عما یاء کو الف سے بدل کر (اور اہل عرب نے کہا) ایک اور وجہ کو زائد کر کے جو منادی مضاف بسوئے یاء متکلم میں شاذ ہے (یاابن اُم ویاابن عم) الف کوحذف کر کے فتح پر اکتفا کرنے کے ساتھ اس لفظ کے کثیر الاستعمال ہونے اور لفظ کے طویل ہونے اور تضعیف کے ثقل کی وجہ سے اور جب ندا کے خصوصیات میں سے ترخیم تھی تو مصنفؒ اس کے بیان میں شروع ہوئے پس کہا (اور منادی کی ترخیم جائز ہے) یعنی ضرورت شعری جو ترخیم کی طرف داعی ہے اس کے بغیر وسعت کلام میں واقع ہے

قولہ **ویاابن ام ویاابن عم خاصة**:۔ یہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "یاابنی" پر معطوف ہے اور کلمہ **خاصة** فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے **ای یخصوصهما خاصة** یعنی عرب نے خاصکر **یاابن ام** اور **یاابن عم** کہا ہے مثل **باب یاغلامی** کے اور یہ اختصاص مضاف الیہ یعنی ام اور عم کے لحاظ سے ہے یعنی **یاابن اخ** اور **یاابن خال** نہیں کہا جائیگا بلکہ صرف سکون یاء کے ساتھ **یاابن اخی** اور **یاابن خالی** کہا جائیگا پھر یہ اختصاص **ابن** کے لحاظ سے بھی نہیں کیونکہ عرب **یـابنت ام** اور **یـابنت عم** بھی وجوہ اربعہ پر بولتے ہیں۔ قولہ **فقالوا یا ابن امی**:۔ یہ ابن امّ اور ابن عم کے باب **یاغلامی** کی طرح ہونے کی تفصیل ہے یعنی عرب نے **یاابن امّی** اور **یاابن عمی** کہا ہے یاء کے فتح اور سکون کے ساتھ اور **یاابن ام** اور **یاابن عم** کہا ہے یاء کوحذف کر کے ماقبل کے کسرہ پر اکتفاء کے ساتھ اور **یـاابن اما** اور **یا ابن عـمـا** یاء کو الف کرنے کے ساتھ۔ قولہ **وقـالـوا**:۔ یعنی عرب نے وجوہ اربعہ پر ایک وجہ زائد کی ہے جو منادی مضاف الی یاء المتکلم میں شاذ ہے یعنی **یـاابن ام** اور **یـاابـن عم** الف کوحذف کر کے فتح ماقبل پر اکتفاء کرنے کے ساتھ اور اس حذف الف کی تین وجوہ ہیں۔ اول۔ یہ کہ لفظ ام اور عم بنسبت باب غلامی کے کثیر الاستعمال ہیں۔ دوم۔ ان کے لفظ کے طویل ہونے کی وجہ سے۔ سوم۔ ثقل تضعیف یعنی تشدید میم کی وجہ سے۔ قولہ **ولما کان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ منادی کی بحث میں ذکر ترخیم خروج عن المبحث ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے اسکو ذکر کیوں کیا ہے؟۔

الیہ فان دعت الیہ ضرورۃ فبالطریق الاولی وھو فی غیرہ ای غیر المنادی واقع ضرورۃ ای
لضرورۃ شعریۃ داعیۃ الیہ لا فی سعۃ الکلام وھو ای ترخیم المنادی حذف فی آخرہ ای آخر
المنادی تخفیفا ای لمجرد التخفیف لا لعلۃ اخری مفضیۃ الی الحذف المستلزم للتخفیف
فعلی ھذا یکون ذلک التعریف مخصوصا بترخیم المنادی ویعلم منہ ترخیم غیر المنادی
بالمقایسۃ ویمکن حملہ علی تعریف الترخیم مطلقا بارجاع الضمیر المرفوع الی الترخیم
مطلقا او الضمیر المجرور الی الاسم وشرطہ ای شرط ترخیم المنادی علی التقدیر الاول او
شرط الترخیم اذا کان واقعا فی المنادی علی التقدیر الثانی امور اربعۃ ثلثۃ منھا عدمیۃ وھی ان
لا یکون مضافا

پس اگر ترخیم کی طرف ضرورت داعی ہو تو ترخیم بطریق اولی واقع ہوگی (اور وہ اسکے غیر میں) یعنی غیر منادی میں واقع ہے (ضرورت کیلئے) یعنی ضرورت شعری کی وجہ سے جو ترخیم کی طرف داعی ہے وسعت کلام میں نہیں (اور وہ) یعنی ترخیم منادی (حذف کرنا ہے اسکے آخر میں) یعنی منادی کے آخر میں (برائے تخفیف) یعنی محض تخفیف کیلئے دوسری کسی ایسی علت کی وجہ سے نہیں جو مستلزم تخفیف ہو لہٰذا اس تقدیر پر ترخیم کی یہ تعریف ترخیم منادی کے ساتھ مخصوص ہوگی اور غیر منادی کی ترخیم اس پر قیاس کرکے معلوم ہوگی اور اس تعریف کو مطلق ترخیم کی تعریف پر محمول کرنا بھی ممکن ہے اس طرح کہ ضمیر مرفوع کو مطلق ترخیم کی طرف لوٹایا جائے اور ضمیر مجرور کو اسم کی جانب (اور اسکی شرط) یعنی ترخیم منادی کی شرط تقدیر اول پر یا ترخیم کی شرط جبکہ ترخیم منادی میں واقع ہو تقدیر ثانی پر چار امور ہیں جن میں سے تین عدمی ہیں اور وہ عدمی یہ ہیں کہ (منادی مضاف نہ ہو)

شارح نے جواب دیا کہ ترخیم منادی کے خصائص میں سے ہے اور کسی چیز کے خصائص کے ذکر سے خروج عن المبحث لازم نہیں آتا کہ خصائص مفید ایضاح ہوتے ہیں اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا کہ منادی کی ترخیم نثر کلام میں واقع ہے ضرورت شعری کے بغیر جو ترخیم کی داعی ہے لہٰذا بوقت ضرورت داعیہ ترخیم بطریق اولی جائز ہوگی اور غیر منادی میں بھی ترخیم واقع ہے لیکن ضرورت شعریہ کی وجہ سے جو داعی الی الترخیم ہے نثر کلام میں جائز نہیں۔ قولہ **وھو حذف**:۔ ھو ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ مرجع ترخیم منادی ہے یعنی ترخیم منادی اسکے آخر سے حذف کرنے کا نام ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **تخفیفا** حذف مصدر کا مفعول لہ ہے یعنی ترخیم میں حذف کرنے کا مقصد محض تخفیف ہے کوئی دوسری علت مقتضی للحذف نہیں جو تخفیف کو مستلزم ہو جس طرح کہ قاض میں قاعدہ صرفی حذف کا مقتضی ہے۔ قولہ **فعلی ھذا**:۔ پس اس بنا پر کہ ضمیر مرفوع کا مرجع ترخیم منادی ہو تو یہ تعریف ترخیم منادی کی ہوگی اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر منادی کی ترخیم معلوم کی جائیگی۔ اور ھو ضمیر کا مرجع مطلق ترخیم بھی ہوسکتی ہے اور فی آخرہ کی ضمیر کا مرجع اسم اور شارح نے **ویمکن** سے اسی کو بیان کیا ہے اور اسکے بعد کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے اور وجہ بعد اس تاویل کا خلاف سیاق ہونا ہے کیونکہ کلام ترخیم منادی میں ہے۔ قولہ **وشرطہ**:۔ اور ترخیم منادی کی شرط پہلی تقدیر پر یا ترخیم کی شرط جب منادی میں ہو دوسری تقدیر پر امور اربعہ ہیں جن میں سے تین عدمی ہیں۔ اول۔ یہ کہ منادی مضاف نہ ہو۔ دوم۔ یہ کہ مستغاث نہ ہو۔ سوم۔ یہ کہ جملہ نہ ہو۔

حقيقة او حكما فدخل فيه المشبه بالمضاف ايضا اذلا يمكن الحذف من الاول لانه ليس آخِرَ اجزاء المنادى نظرا الى المعنى ولا من الثانى لانه ليس آخر اجزائه نظرا الى اللفظ فامتنع الترخيم فيهما بالكلية وَان لَا يكون مستغاثا لامجرورا باللام لعدم ظهور اثر النداء فيه من النصب او البناء فلم يَرِدعليه الترخيم الذى هو من خصائص المنادى ولا مفتوحا بزيادة الالف لان الزيادة تنافى الحذف ولم يذكر المندوب لانه غير داخل فى المنادى عنده وما وقع فى بعض النسخ فكانه من تصرف الناسخين مع ان وجه اشتراطه عند دخوله فى المنادى ظاهر وهوان الاغلب فيه زيادة الالف فى آخره لمد الصوت اظهار اللتفجع فلايناسبه الترخيم للتخفيف

حقیقی طور پر یا حکمی طور پر، پس اسمیں مشابہ مضاف بھی داخل ہو گیا اس لئے کہ مضاف یا مشابہ مضاف کے اول سے حذف کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ وہ معنی کے لحاظ سے منادی کا جزو اخیر نہیں اور ثانی سے حذف کرنا بھی ناممکن ہے کہ وہ بلحاظ لفظ منادی کے اجزاء سے جزو اخیر نہیں اس لئے مضاف کے دونوں اجزاء میں ترخیم بالکلیہ ممتنع ہے (اور) یہ کہ (نہ) ہو وہ منادی (مستغاث) نہ لام کے ساتھ مجرور کہ اسمیں ندا کا اثر نصب یا بناء سے کوئی ظاہر نہیں لہذا ترخیم جو منادی کے خصائص میں سے ہے وہ مستغاث میں جاری نہیں ہوگی اور نہ وہ جو مفتوح ہے الف کے زیادہ کرنے کے ساتھ کیونکہ زیادتی حذف کے منافی ہے اور مصنفؒ نے مندوب کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ مصنفؒ کے نزدیک منادی میں داخل نہیں اور جو کافیہ کے بعض نسخوں میں ولا مندوبا واقع ہوا ہے گویا کہ وہ بعض ناسخین کے تصرف سے ہے باوجودیکہ مندوب کے منادی میں داخل ہونے کے وقت ولا مندوبا کے شرط ہونے کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ اکثر مندوب میں اظہار تفجع کی غرض سے مدت صوت کیلئے الف کی زیادتی ہوتی ہے لہذا تخفیف کیلئے مندوب کو ترخیم مناسب

قولہ **حقیقة او حکما** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ترخیم کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ منادی مشابہ بمضاف نہ ہو مصنف علیہ الرحمۃ نے اسکو ذکر کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے مضاف کا ذکر کیا ہے جس میں تعمیم ہے کہ وہ حقیقۃ مضاف ہو یا حکما اور مشابہ بمضاف منادی حکمی میں داخل ہے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت **ان لایکون مضافا** میں مشابہ مضاف کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ قولہ **اذ لایمکن** :۔ یہ شرط اول کی علت کا بیان ہے یعنی ترخیم کیلئے منادی کا مضاف نہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ منادی مضاف میں ترخیم ممکن ہی نہیں نہ مضاف میں کہ وہ معنی علمی کے لحاظ سے منادی کے اجزاء سے آخری جز نہیں اور نہ مضاف الیہ میں ممکن ہے کہ وہ لفظ کے اعتبار سے منادی کا آخری جز نہیں اسی وجہ سے اعراب اول جز پر آتا ہے لہذا مضاف اور مضاف الیہ میں ترخیم بالکلیہ ممتنع ہوئی قولہ **ولا مستغاثا** :۔ اور ترخیم منادی کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مستغاث نہ ہو کیونکہ منادی مستغاث باللام لام کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے جس میں حرف ندا کا اثر یعنی نصب اور بنا علی الضم ظاہر نہیں ہوتا لہذا اسمیں ترخیم نہیں ہوگی جو منادی کے خصائص میں سے ہے اور منادی مستغاث بالالف میں بھی ترخیم ممکن نہیں اسلئے کہ زیادت الف حذف کے منافی ہے یعنی منادی مستغاث کے آخر میں الف زائد کرنا اور پھر ترخیم کی وجہ سے منادی کے آخر سے الف حذف کر دینا انمیں تنافی ہے قولہ **ولم یذکر المندوب** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جواز ترخیم کیلئے منادی کا مندوب نہ ہونا بھی شرط ہے پھر مصنفؒ

وان لا یکون جملة لان الجملة محکیة بحالها فلا تغیّر و الشرط الرابع احد الامرین الوجودیین وهو ان یکون المنادی اِما عَلَماً زائداً علی ثلثة احرف لانه لعلمیته ناسَبَه التخفیف بالترخیم لکثرة نداء العلم مع انه لشهرته فیما اُبقی منه دلیل علی ما اُلقی و لزیادته علی الثلثة لم یلزم نقص الاسم عن اقلّ ابنیة المعرب بلا علة موجبة و اما اسما متلبساً بتاء التانیث وان لم یکن علماً و لا زائداً علی الثلثة لان وضع التاء علی الزوال فیکفیه ادنی مقتض للسقوط فکیف اذا وقع موقعاً یکثر فیه سقوط الحرف الاصلی

نہیں (اور) یہ کہ (نہ) ہو منادی (جملہ) اس لئے کہ جملہ اپنی حالت پر حکایت کیا ہوا ہوتا ہے لہٰذا اسکو نہیں بدلا جاسکتا اور شرط رابع دو وجودی امروں میں سے ایک ہے (اور) وہ یہ کہ منادی (یا علم ہو تین حرفوں سے زائد) کیونکہ منادی کے علم ہونے کی وجہ سے اسکو ترخیم کے ساتھ تخفیف مناسب ہے کیونکہ علم کی ندا بکثرت ہے ہمراہ اس بات کے کہ علم اپنی شہرت کی وجہ سے جو کچھ اس میں باقی رہے گا وہ ترخیم کی وجہ سے محذوف پر دلیل ہوگا اور منادی کے تین حرفوں سے زائد ہونے کی وجہ سے نہیں لازم آئیگا علت موجبہ کے بغیر اسم کا اقل ابنیہ سے کم ہونا (اور یا) اسم متلبس ہو (تائے تانیث کے ساتھ) اگرچہ علم اور زائد علی الثلاث نہ ہو کیونکہ تاء کی وضع زوال پر ہے لہٰذا تاء کو سقوط کیلئے ادنی سا مقتضی کافی ہے پس تاء کیسے ساقط نہیں ہوگی جب وہ ایسی جگہ واقع ہو جہاں حرف اصلی کا سقوط بکثرت ہے

نے اسکو ذکر کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ مندوب مصنف علیہ الرحمۃ کے نزدیک منادی میں داخل نہیں اسلئے اسکو ذکر نہیں کیا کیونکہ بحث منادی کی ترخیم کی ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں جو یہ عبارت موجود ہے کہ **ولا مندوبا** تو یہ ناسخین کی طرف سے تصرف ہے اگر تسلیم کرلیا جائے کہ مندوب منادی میں داخل ہے تو **ولا مندوبا** نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر مندوب کے آخر میں مدصوت اور اظہار تفجع کیلئے الف زیادہ کیا جاتا ہے لہٰذا مندوب میں ترخیم برائے تخفیف مناسب نہیں کہ وہ مدصوت کے منافی ہے. قولہ **ولا جملة**:۔ یہ ترخیم کی تیسری شرط ہے کہ منادی جملہ نہ ہو کیونکہ جملہ بوقت ندا اپنی پہلی حالت پر باقی رکھا جاتا ہے اور اسمیں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کیا جاتا مثلاً **تابط شرا** بوقت ندا **یاتابط شرا** ہی بولا جاتا ہے اور بصورت ترخیم جملہ میں تغیر لازم آئیگا اس لئے ترخیم کی شرط ہے کہ منادی جملہ نہ ہو مصنف علیہ الرحمۃ نے ترخیم کی عدمی شرطوں کو انکی کثرت کے پیش نظر پہلے ذکر کیا ہے یا اس لئے کہ عدم حادث میں اسکے وجود پر مقدم ہے. قولہ **والشرط الرابع**:۔ اور ترخیم کی چوتھی شرط یہ ہے کہ دو وجودی امروں میں سے ایک پایا جائے. اول۔ یہ کہ منادی علم ہو جسکے حروف تین سے زائد ہوں علمیت اس لئے ضروری ہے کہ علمیت کی وجہ سے منادی کے اندر تخفیف بالترخیم مناسب ہے کیونکہ ندائے علم کثیر ہے اور اسلئے بھی کہ علم کی شہرت کی وجہ سے ترخیم کے بعد اسکے باقی ماندہ حروف علم کے حروف محذوفہ پر دلیل بن جائیں گے یا منادی زائد علی الثلث ہو یہ اس لئے شرط ہے کہ اسم کا بلا علت موجبہ اسم معرب کی اقل ابنیہ سے کم ہونا لازم نہ آئے یعنی ترخیم کے بعد بھی اسکے تین حروف باقی رہیں جو اسم معرب کے اوزان میں سب سے کم وزن ہے یعنی ثلاثی ہونا. قولہ **واما بتاء التانیث**:۔ یہ وجودی امرین میں سے دوسرے امر کا بیان ہے کہ اگر منادی علم زائد علی الثلث نہ ہو تو پھر ایسا اسم ہو کہ جسکے آخر میں تاء تانیث ہو

ولم یبالوا بابقاء نحو ثُبَة وشاة بعد الترخیم علی حرفین لان بقائه کذلک لیس لاجل الترخیم بل مع التاء ایضا کان ناقصا عن ثلثة اذ التاء کلمة اُخری برأسها ولا یرخم لغیر ضرورة منادی لم یستوف الشروط المذکورة الا ما شذ من نحو یا صاحِ فی صاحبُ ومع شذوذه فالوجه فی ترخیمه کثرة استعماله منادی ولما فرغ من بیان شرائط الترخیم شرع فی بیان کمیة المحذوف بسببه فقال فان کان فی آخره ای آخر المنادی زیادتان کائنتان فی حکم الزیادة الواحدة فی انهما زیدتا معا واحترز به عن نحو ثمانیة ومرجانة

اور اہل عرب نے ثُبَۃ اور شاۃ کے ترخیم کے بعد دو حرفوں پر باقی رہنے کی پرواہ نہیں کی اسلئے کہ ہر واحد کا دو حرفوں پر باقی رہ جانا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ تاء کے ساتھ بھی ہر ایک تین حروف سے ناقص تھا کیونکہ تاء مستقل طور پر ایک دوسرا کلمہ ہے اور ایسا منادی بلا ضرورت ترخیم نہیں کیا جائیگا جس میں شرائط مذکورہ نہ پائی جائیں مگر وہ جو شاذ ہے جیسے یا صا ’ یا صاحب میں اور صاحب کے شذوذ کے ہمراہ اسکی ترخیم میں وجہ جواز اس کا بحیثیت منادی کثیر الاستعمال ہونا ہے اور جب مصنفؒ شرائط ترخیم کے بیان سے فارغ ہوئے تو ترخیم کی وجہ سے حذف کئے جانے والے حروف کی مقدار کے بیان میں شروع ہوئے تو کہا (پس اگر اسکے آخر میں) یعنی منادی کے آخر میں (دو حرف زائد ہوں) جو ہوں (حکم میں) زیادت (واحدہ کے) اس بات میں کہ وہ دونوں ایک ساتھ زائد کئے گئے ہوں اور مصنفؒ نے اپنے قول ”فی حکم الوحدۃ“ سے ثمانیۃ اور مرجانۃ کی مثل سے احتراز کیا ہے

ایسے منادی میں بھی ترخیم ہو سکتی ہے کیونکہ تاء تانیث کی وضع زوال کیلئے ہے جسکو سقوط کا ادنیٰ مقتضی کافی ہے تو جس جگہ ترخیم کی وجہ سے اصلی حرف ساقط ہو جاتا ہے تو یہ تاء وہاں کیسے حذف نہیں ہوگی بلکہ یہ تو بطریق اولیٰ حذف ہو جائیگی قولہ **ولم یبالوا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر ترخیم کے بعد اسم کا سہ حرفی رہ جانا ضروری ہے تو ثبۃ اور شاۃ میں ترخیم نہیں ہونی چاہئے اس لئے کہ بعد از ترخم یہ دو حرفی رہ جائیں گے حالانکہ ان میں ترخیم کی جاتی ہے **یا ثُبَ یا شا** کہا جاتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اہل عرب نے ثبۃ بمعنی گروہ اور شاۃ بمعنی بکری میں ترخیم کے بعد انکے دو حرفی رہ جانے کی پرواہ نہیں کی اور انمیں ترخیم کردی ہے کیونکہ ان دو کلموں کا دو حرفی ہونا ترخیم کے بعد نہیں بلکہ یہ قبل از ترخیم بھی دو حرفی ہیں اس لئے کہ تاء ایک مستقل اور الگ کلمہ ہے۔ قولہ **ولا یرخم بغیر ضرورۃ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اہل عرب **یا صاحب** میں ترخیم کر کے اسکو **یا صاح** بولتے ہیں حالانکہ اسمیں شرط چہارم مفقود ہے کہ یہ نہ علم ہے اور نہ ملحوق بالتاء ہے یہ کیوں؟ شارح نے جواب دیا کہ جو منادی شرائط مذکورہ کا حامل نہ ہو اسمیں بلا ضرورت ترخیم نہیں کی جاتی مگر بطور شذوذ جیسے **یا صاحب** میں ترخیم کر کے **یا صاح** بولا گیا ہے اور شذوذ کے باوجود یا صاحب میں اس لئے ترخیم روا رکھی گئی کہ یہ لفظ بطور منادی کثیر الاستعمال ہے۔ قولہ **فان کان**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ شرائط ترخیم بیان کرنے کے بعد یہاں سے حروف محذوفہ کی مقدار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر منادی کے آخر میں یعنی جانب آخر میں تا کہ ظرف اور مظروف شئی واحد نہ ہو جائیں دو حرف زائد ہوں اور دونوں بمنزلہ زیادتی واحدہ کے ہوں بایں طور کہ دونوں ایک ساتھ زائد کئے گئے ہوں جیسے اسماء اور مروان تو وہ دونوں حرف عند الترخیم حذف کئے جائیں گے۔ قولہ **واحترز به**:۔ یعنی مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **فی حکم**

فان الیاء والنون فیھما زیدتا اوّلا ثم زیدت تاء التانیث فلم یحذف منھما الا الاخیر کاسماء اذا جعلتھا فعلاء من الوسامة ای الحسن کما ھو مذھب سیبویه لا افعالا جمعَ اسم علی ماھو مذھب غیرہ لانه یکون حینئذٍ من باب عمّارٍ وَ مروانَ او کان فی آخرہ حرف صحیحٌ ای صحیح اصلی تبادرہ الی الذھن لان الغالب فی الحرف الصحیح الاصالةُ فیخرج منه نحو سِعلاة لانه لایحذف منه الا التاء وھو اعم من ان یکون حقیقة او حکما فیشمل مثلَ مرمِیّ ومدعُوّ فان الحرف الاخیر منھما فی حکم الصحیح فی الاصالة

کیونکہ ان میں یاء اور نون پہلے بڑھائے گئے پھر تاء تانیث زائد کی گئی لہٰذا ان دونوں سے صرف آخری حرف حذف کیا جائیگا (جیسے اسماء) جبکہ تم اسکو وسامۃ بمعنی حسن سے فعلاء بناؤ جیسا کہ سیبویہ کا مذھب ہے نہ کہ افعال کے وزن پر جو اسم کی جمع ہے اس کے مطابق جو کہ سیبویہ کے غیر کا مذھب ہے کیونکہ اسماء اسم کی جمع ہونے کی صورت میں باب عمار سے ہوگا (اور مروان یا ہو) اسکے آخر میں (حرف صحیح) یعنی اصلی کیونکہ اصلی ہونا متبادر الی الذھن ہے اس لئے کہ غالب حرف صحیح میں اصلی ہونا ہے لہٰذا اس قسم سے مثل سعلاۃ خارج ہو جائیگا کیونکہ اس سے صرف تاء حذف کی جاتی ہے اور حرف صحیح اس سے عام ہے کہ حقیقۃً صحیح ہو یا حکماً اور مصنف کا قول "حرف صحیح مرمی اور مدعو کی مثل کو شامل ہو جائیگا کیونکہ ان دونوں کا آخری حرف

الواحدة قید احترازی ہے اور اسکے ساتھ مصنف علیہ الرحمۃ نے ثمانیۃ اور مرجانۃ کی مثل سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ ان میں دونوں حرف ایک ساتھ زائد نہیں کئے گئے بلکہ ثمانیۃ میں یاء پہلے اور تاء تانیث بعد کو زائد کی گئی اور مرجانۃ میں نون پہلے اور تاء بعد میں زائد کی گئی لہٰذا بوقت ترخیم ان کا صرف ایک حرف حذف ہوگا قولہ **کاسماء**۔ شارح فرماتے ہیں کہ لفظ اسماء اس منادی مرخم کی مثال ہے جسکے آخر میں دو حرف زائد کئے گئے ہیں یہ مثال اسوقت بنے گا جب اسکو وسامت بمعنی حسن سے لے کر فعلاء کے وزن پر قرار دیا جائے جیسا کہ سیبویہ کا مذھب ہے کیونکہ اس صورت میں اسکا الف اور ہمزہ حکم میں زیادتی واحدہ کے ہونگے اور بوقت ترخیم دونوں حذف ہو جائیں گے اور اگر اسماء کو بروزن افعال اسم کی جمع بنائیں جیسا کہ سیبویہ کے غیر کا مذھب ہے تو پھر یہ باب عمار سے بنے گا اور دوسری مثال مروان ہے جس میں بالاتفاق آخر میں دو حرف زائد حکم واحد میں ہیں قولہ **او حرف صحیح**:۔ یا منادی کے آخر میں حرف صحیح ہو شارح فرماتے ہیں کہ حرف صحیح سے مراد حرف صحیح اصلی ہے کہ یہی متبادر الی الذھن ہے کیونکہ غالب حرف صحیح میں اصلی ہوتا ہے جس طرح کہ غالب حرف علت میں زائد ہوتا ہے لہٰذا صحیح اصلی مراد ہونے کی صورت میں سعلاۃ خارج ہو جائیگا کیونکہ اسکے آخر میں تاء اصلیہ نہیں ہے لہٰذا بوقت ترخیم اسکے آخر سے دو حرف حذف نہیں کئے جائیں گے بلکہ صرف تاء حذف کی جائیگی قولہ **وھو اعم** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ مرمی اور مدعو کی مثل سے منقوض ہے کیونکہ اسکے آخر میں حرف صحیح نہیں ہے بلکہ حرف علت ہے لیکن بوقت ترخیم اسکے آخر سے دو حرف حذف کئے

قولہ **اصلی**:۔ اسمیں شارح رضی پر رد ہے جنہوں نے سعلاۃ کے ساتھ وارد ہونے والے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں پر بغیر تاء کی قید معتبر ہے چونکہ سعلاۃ کے آخر میں حرف صحیح تاء کے ساتھ ہے لہٰذا بوقت ترخیم اسکا صرف ایک حرف حذف ہوگا وجہ رد یہ ہے کہ صحیح سے متبادر اصلی ہے تاء اصلی نہیں قولہ **مثل مرمی ومدعو**:۔ کیونکہ واؤ اور یاء جو آخر کلمہ میں ہوں اور ان کا ماقبل ساکن ہو تو وہ صحیح کے حکم میں ہوتے ہیں جیسے دَلْو اور ظَبْی کی مانند۔

قبله مَدَّةٌ ای الفٌ او واوٌ او یاءٌ ساکنة حرکة ماقبلها من جنسها و المراد بها المدّةُ الزائدة لتبادرها الی الذهن لغلبتها و کثرتها فیخرج منه نحو مختار فانه لایحذف منه الاالحرف الاخیر وهو ای والحال ان ماقبل آخره حرف صحیح قبله مدّةٌ اکثر من اربعة من الحروف کمنصور و عمّار و مسکین لئلایلزم من حذف حرفین منه عَلَمٌ بقائه علی اقلّ ابنیة المُعرب و العالم یاخلحذا القیدفی قوله زیادتان فی حکم الواحدة لان نحو ثُبُونَ وقُلُونَ یرخم بحذف زیادتیه لان بقاء الکلمة فیه علی حرفین لیس للترخیم

اصالت میں حرف صحیح کے حکم میں ہے (اس سے پہلے مدہ ہو) یعنی الف یا واؤ یا یاء ساکن ہو اور ان کے ماقبل کی حرکت ان کی جنس سے ہو اور مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے اس کے متبادر الی الذہن ہونے کی وجہ سے بسبب مدہ زائدہ کے غلبہ اور کثرت کے لہٰذا مدہ زائدہ کی قید سے مختار کا مثل خارج ہو جائیگا پس اس سے صرف آخری حرف حذف کیا جائیگا (اور وہ) یعنی حال یہ کہ جس کے آخر میں حرف صحیح اور اس سے پہلے مدہ ہو (چار حروف سے زائد ہو) جیسے منصورؔ اور عمارؔ اور مسکین تا کہ اس قسم سے دو حرف حذف کرنے سے منادی کا معرب کی اقل ابنیہ پر باقی رہنا لازم نہ آئے اور مصنفؒ نے دعوا اکثر من اربعۃ کی قید کا اپنے قول "زیاتان فی حکم الوحدۃ" میں اعتبار نہیں کیا اس لئے کہ مثل ثبون اور قلون دو حروف زائدہ کے حذف کے ساتھ ترخیم کیا جاتا ہے کیونکہ اسمیں کلمہ کا دو حروف پر باقی رہ جانا ترخیم کی وجہ سے نہیں

جاتے ہیں جیسے **یا مرمُ** اور **یا مدع**. شارح نے جواب دیا کہ حرف صحیح میں تعمیم ہے کہ وہ حقیقۃً صحیح ہو جیسے **منصور** کی را ءیا حکماً صحیح ہو یعنی جاری مجرائے صحیح جیسے **مرمی** کی یاء اور **مدعو** کا واؤ لہٰذا ان سے قاعدہ مذکورہ نہیں ٹوٹا کہ انکا آخری حرف اصلی ہونے میں صحیح کی مثل ہے. قولہ **قبلہ مدۃ** :۔ یعنی منادی کے آخر میں حرف صحیح ماقبل مدہ ہو اور مدہ الف، واؤ اور یاء کو کہتے ہیں جو ساکن ہوں اور حرکت ماقبل انکی جنس سے ہو یعنی الف کا ماقبل مفتوح، واؤ کا ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور ہو. قولہ **والمراد بها المدة الزائدة** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ یا مختار کی مثل سے منقوض ہے اس لئے کہ اسکے آخر میں حرف صحیح ماقبل مدہ ہے لیکن ترخیم کے وقت اس کا صرف ایک حرف حذف ہوتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ حرف صحیح کے ماقبل مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے کہ متبادر الی الذہن یہی ہے کیونکہ مدہ زائدہ کا استعمال غیر مدہ زائدہ کی نسبت غالب اور کثیر ہے اور مختار کے آخر کا ماقبل مدہ زائدہ نہیں بلکہ مدہ اصلیہ ہے کہ الف یاء سے بدلا ہوا ہے. پس اسکے آخر سے صرف ایک حرف حذف کیا جائیگا قولہ **وھو اکثر من اربعۃ** :۔ یہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **آخرہ** کی ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی وہ اسم حرف صحیح ماقبل مدہ والا چار حروف سے زائد والا لفظ ہو جیسے **منصور**، **عمار** اور **مسکین** اور زائد علی الاربعۃ کی شرط اس لئے ہے کہ دو حرف حذف ہونے سے وہ اسم اقل ابنیہ سے کم نہ ہو جائے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے یہ قید اپنے قول **زیادتانِ فی حکم الواحدۃ** میں اعتبار نہیں کی اور وہاں اسکا ذکر نہیں کیا حالانکہ قلون اور ثبون جو ترخیم کے بعد دو حرفی رہ جاتے ہیں اسکے ساتھ ترخیم کے پہلے قاعدہ پر اعتراض ہو سکتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ پہلے قاعدہ میں اس شرط کی حاجت نہیں ہے اسلئے کہ **قلون** اور **ثبون** میں ترخیم کے بعد کلمہ کا دو حرفی رہ جانا ترخیم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ ترخیم سے پہلے بھی دو حرفی تھے. شبہ اور شاۃ کی مثل.

قولہ **ای والحال** :۔ اس تفسیر میں اس امر کیطرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جملہ وھو اکثر من اربعۃ مصنف کے قول **آخرہ** کی ضمیر مجرور سے حال ہے کہ اس ضمیر کے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسکی جگہ رکھنا صحیح ہے. (عبد) قولہ **من الحروف** :۔ اس میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ اسمیں کثرت ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ

حُذِفَتَا اى الحرفان الاخيران فى كلا القسمين امافى الاول فلِما كانتافى حكم الواحدة فكما زيدتا معاً حُذِفتا معاً واما فى الثانى فلانه لَمّا حُذِفَ الاخير مع صحته واصالته حُذِفت المدّة الزائدة لئلا يَرِدَ المثلُ السائر ضُلّت على الاسدِ بُلْتُ عن النّقد وان كان مركبا ويعلم من بيان شرط الترخيم انه لايكون مضافا ولا جملة مثل بعلبک وخمسة عشر علمين حُذِفَ الاسمُ الاخيرُ فيقال فى بعلبک يابعلُ وفى خمسة عشر ياخمسةُ لنزوله منزلة تاء التانيث فى كونِ كلٍّ منهما كلمة على حدة صارت بمنزلة الجزء

(تو دونوں حذف کئے جائیں گے) یعنی دونوں قسموں میں آخری دونوں حرف حذف کئے جائیں گے قسم اول میں تو اس لئے کہ یہ دونوں زیادتی واحدہ کے حکم میں تھے پس جس طرح کہ اکٹھے زائد کئے گئے تو حذف بھی اکٹھے کئے گئے بہرحال قسم ثانی میں اس لئے جب آخری حرف کو اسکے صحیح اور اصلی ہونے کے باوجود حذف کیا گیا تو مدہ زائدہ کو بھی حذف کردیا گیا تاکہ یہ کہاوت وارد نہ ہو کہ تم نے شیر پر حملہ کردیا اور بکری کے بچے کے ڈر سے پیشاب کردیا (اور اگر منادی مرکب ہو) اور شرط ترخیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منادی مضاف اور جملہ نہ ہو جیسے بعلبک اور خمسۃ عشر بحالت علمیت (تو آخری اسم حذف کیا جائیگا) پس بعلبک میں یابعل اور خمسۃ عشر میں یاخمسۃ کہا جائیگا آخری اسم کو تائے تانیث کے منزلہ میں اتارتے ہوئے کہ تائے تانیث اور آخری اسم میں سے ہرایک علیحدہ کلمہ ہے جو بمنزلہ جز کے ہوگیا

قولہ **حذفتا** :۔ یعنی مذکورہ دونوں صورتوں میں دو حرف حذف کئے جائیں گے پہلی قسم میں تو اسلئے کہ وہ دونوں حرف زیادتی واحدہ کے حکم میں ہیں پس جس طرح کہ زائد ایک ساتھ کئے گئے حذف بھی ایک ساتھ کئے جائیں گے اور قسم ثانی میں اسلئے کہ جب حرف اصلی صحیح ہونے کے باوجود حذف کر دیا گیا تو مدہ زائدہ بھی حذف کردیا جائیگا تاکہ اہل عرب کی زبان پر جاری یہ کہاوت صادق نہ آئے، **ضلت على الاسد بلت عن النقد** ، نقد بالتحریک بکری کو کہتے ہیں جسکے ہاتھ پاؤں چھوٹے اور منہ بدصورت ہو تم نے شیر پر تو حملہ کردیا اور چھوٹی بکری کو دیکھ کر پیشاب کردیا۔ قولہ **وان كان مركبا** :۔ اور اگر منادی مرکب ہو تو بوقت ترخیم اس سے اسم اخیر حذف کردیا جائیگا جیسے **بعلبک** میں **یابعل** اور **خمسة عشر** میں **یاخمسة** بحذف اسم اخیر قولہ **ویعلم من بیان** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول میں تناقض ہے اس لئے کہ شرائط ترخیم میں اس نے کہا ہے کہ منادی مضاف نہ ہو اور یہاں یہ کہا ہے کہ بوقت ترخیم منادی مرکب کا اسم اخیر حذف کیا جاتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **وان كان مركبا** میں مرکب سے مطلق مرکب مراد نہیں بلکہ مرکب امتزاجی اور مرکب تعدادی مراد ہے۔ جس طرح کہ بعلبک اور خمسۃ عشر بحالت علمیت۔ جس پر قرینہ یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ شرائط ترخیم میں یہ صراحت کرچکے ہیں کہ منادی مضاف نہ ہو اور جملہ بھی نہ ہو۔ قولہ **فیقال فی بعلبک** :۔ پس بعلبک کو ترخیم کے بعد یابعل بولا جائیگا اور خمسۃ عشر کو یاخمسۃ کیونکہ اسم ثانی تائے تانیث کے منزلہ میں ہے یعنی اسکی مثل مستقل کلمہ ہے تو اسم ثانی اول سے بمنزلہ جز کے ہوگیا لہٰذا ترخیم میں یہ حذف کردیا جائیگا۔ اور ان دونوں مثالوں کو علمین کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ انمیں عدمی شرطوں کے ساتھ وجودی شرط بھی پائی جائے۔

اجزاء کے اعتبار سے ہے قولہ صلت۔ ☆سوال☆ جب منادی کے آخر میں حرف صحیح غیر اصلی ہو اور اس سے پہلے مدہ اصلیہ ہو تو عندالترخیم حرف واحد حذف کیا جاتا ہے وہاں بھی مثل مذکور صادق آتی ہے ☆جواب☆ ایسے منادی کا آخری حرف جو کہ صحیح زائدہ ہے وہ کلمہ مستقلہ کی مثل ہے اور کلمہ مستقلہ کے حذف سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس

وان کان غیر ذلک المذکور من الاقسام الثلثة فحرف واحدٌ ای فیحذف حرف واحد لحصول الفائدة المقصودة وعدم موجِب حذف الاکثر نحو یاحارِ ویامالِ فی حارث ویامالکُ وهو ای المنادی المرخم فی حکم المنادی الثابت بجمیع اجزائه فیبقی الحرف الذی صار آخر الکلمة بعد الترخیم علی ما کان علیه قبله علی الاستعمال الاکثر فیقال فی حارث یاحارِ بکسر الراء علی ما کان قبل الترخیم وفی یاثموُ یاثمو بواو متطرفة بعد ضمة وفی یا کرَوَانُ یا کرَوَ بواو متحرکة بعد فتحة

(اور اگر اسکے علاوہ ہو) جو اقسام ثلثہ میں مذکور ہوا (تو ایک حرف) یعنی ایک حرف حذف کیا جائیگا فائدہ مقصودہ کے حاصل ہونے کی وجہ سے اور حذف اکثر کے باعث کے نہ ہونے کی وجہ سے جیسے یاحارث اور یامالک میں یاحار اور یامال (اور وہ) یعنی منادی مرخم (حکم میں) منادی (ثابت کے ہے) اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ پس وہ حرف جو ترخیم کے بعد آخر کلمہ میں رہ گیا وہ اپنی سابقہ حالت پر باقی رہے گا (اوپر) استعمال (اکثر کے پس کہا جائیگا) یاحارث میں (یاحار) راء کے کسرہ کے ساتھ اس حالت پر جو ترخیم سے پہلے تھی (اور) یاثمود میں (یاثمو) ضمہ کے بعد طرف میں واقع واؤ کے ساتھ (اور) یاکروان میں (یاکرو) واؤ متحرکہ کے ساتھ فتح کے بعد

قولہ وان کان غیر ذلک:۔ شارح نے المذکور کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ ذلک کا اشارہ المذکور کی جانب ہے اور مذکور مفرد ہے اور مذکور کی تین اقسام ہیں یعنی اگر منادی اقسام ثلثہ مذکورہ میں سے کوئی قسم نہ ہو تو بوقت ترخیم اس کا صرف ایک حرف حذف کیا جائیگا کیونکہ مقصود تخفیف ہے جو حرف واحد حذف کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور ایک سے زیادہ حروف حذف کرنے کا کوئی مقتضی موجود نہیں ہے مثلاً یاحارث کو یاحارِ اور یامالک کو یامالِ بولا جائیگا۔ قولہ وهو فی حکم الثابت:۔ اور منادی مرخم ثابت کے حکم میں ہے یعنی اس منادی کے حکم میں ہے جو جمیع اجزاء ثابت ہے اور اسکا کوئی حرف حذف نہیں ہوا۔ پس بنا برا کثر استعمال کے ترخیم کے بعد منادی کے آخر میں جو حرف رہ جائیگا وہ اسی حرکت پر باقی رہے گا جس پر ترخیم سے پہلے تھا مثلاً یاحارث ترخیم کے بعد یاحارِ بکسر راء بولا جائیگا جس طرح کہ ترخیم سے پہلے بکسر راء تھا اور یاثمود کو یاثمو واؤ ساکن ماقبل مضموم کے ساتھ بولا جائیگا اگرچہ کلام عرب میں کوئی ایسا اسم نہیں آیا جسمیں واؤ طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہو مگر چونکہ دال محذوفہ حکم میں حرف باقی کے ہے تو گویا کہ یہ واؤ طرف میں واقع نہیں ہے اور یاکرَوَانُ کو یاکرَوَ، واؤ متحرک ماقبل مفتوح کے ساتھ بولا جائیگا اور اس واؤ متحرک ماقبل مفتوح کو الف نہیں کیا جائیگا کیونکہ الف محذوفہ حکماً باقی ہے اور الف سے پہلے واؤ الف نہیں ہوتا

سے پہلے حرف کو بھی حذف کر دیا جائے (تحفہ خادمیہ) قولہ ای فیحذف حرف واحد:۔ ☆سوال☆ سابق میں جزائے شرط بصیغہ ماضی ہے جیسے حذف اور حذف الاسم الاخیر تو انکی موافقت میں یہاں صیغہ ماضی مقدر کیوں نہیں کیا؟ ☆جواب☆ اسلئے کہ حرف فاء کلمہ قد کے بغیر ماضی کو مقدر کرنے سے مانع ہے پس اگر صیغہ ماضی مقدر کرتے تو لفظ قد مقدر کرنا پڑتا جبکہ تقلیل فی الحذف اولیٰ ہے۔ ☆سوال☆ یہ کہنا کہ اقسام ثلثہ مذکورہ کے غیر میں بوقت ترخیم حرف واحد حذف کیا جائیگا درست نہیں کیونکہ یاضاربۃ میں ضاربۃ سے حرف واحد حذف کیا جاتا ہے حالانکہ یہ اقسام ثلثہ کا غیر نہیں بلکہ مرکب ہے۔ ☆جواب☆ ان کان مرکبا سے مرکب من اسمین مراد ہے بقرینہ قولہ الاسم الاخیر یا اس سے حقیقۃً اور حکماً مرکب مراد ہے اور ضاربۃ مرکب من اسمین یا حکماً مرکب نہیں بلکہ مفرد ہے لہٰذا یہ وان کان غیر ذلک میں داخل ہے (عصام، عبد)

وقد يُجعل قد للتقليل اى ويجعل المنادى المرخم على الاستعمال الاقل **اسمابرأسه** كانّه لم يُحذف منه شيء فيكون له فى بنائه واعلاله وتصحيحه حكمُ نفسه لا حكمُ الاصل **فيقال ياحارُ** بالضم كانّه اسم مفرد معرفة برأسه فيضم **ويا ثَمِىُ** لانه لمّاجعل ثمو اسمابرأسه صارت الواو طرفا بعد ضمة فلاجرم قلبت الواوياءً وكسر ماقبلها كادلٍ فى اَدلُوٍ **و يا كَرَا** لانه لماجعل كَرَوَا اسمابرأسه ارتفع مانع الاعلال وهو وقوع الساكن بعدالواو فانقلبت الواو الفالتحركها وانفتاح ماقبلها **وقد استعملوا** يعنى العرب **صيغة النداء** يعنى ياخاصة **فى المندوب** لانه لا يدخل عليه سواها لكونها اشهرَ صيغها فكانت اَولٰى بان يُتوسع فيها باستعمالها فى غير المنادى

(اور کبھی کیا جاتا ہے) کلمہ قد تقلیل کیلئے ہے یعنی منادی مرخم اقل استعمال پر کردیا جاتا ہے (مستقل اسم) گویا کہ اس سے کوئی شی حذف نہیں کی گئی پس اس منادی کیلئے اس کے مبنی ہونے، تعلیل اور تصحیح میں اسکی ذات کا حکم ہوگا نہ کہ اصل کا (پس کہا جائیگا یا حار) ضمہ کے ساتھ گویا کہ یہ اسم مفرد معرفہ اسم برأسہ ہے لہٰذا وہ ضمہ دیا جائیگا (اور یا ثمی) کیونکہ جب ثمو اسم برأسہ کردیا گیا تو واؤ طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہوا تو لازماً واؤ کو یاء سے بدل یا گیا اور اسکے ماقبل کو کسرہ دیا گیا جیسے ادلو میں ادلٍ (اور کرا) اس لئے کہ جب کرو اسم برأسہ بنادیا گیا تو مانع اعلال مرتفع ہوگیا اور وہ مانع واؤ کے بعد ساکن کا واقع ہونا ہے پس واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہوگیا (اور انہوں نے استعمال کیا ہے) یعنی عرب نے (ندا کا صیغہ) یعنی بالخصوص یاء کو (مندوب میں) کیونکہ مندوب پر یاء کے علاوہ کوئی حرف داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ یاء ندا کے صیغوں میں زیادہ مشہور ہے اس لئے یاء اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کے استعمال میں وسعت دی جائے اس کو غیر منادی میں استعمال کرکے

قولہ **وقد يجعل**: ۔ یہ قد تقلیل کیلئے ہے یعنی منادی استعمال اقل پر اسم برأسہ کردیا جاتا ہے گویا کہ اسکے آخر سے کوئی حرف حذف ہی نہیں ہوا لہٰذا منادی مرخم کو بناء، اعلال اور تصحیح میں اسکی ذات موجودہ کا حکم حاصل ہوگا اور اصل کا حکم اسکو حاصل نہیں ہوگا پس یا حارُ بضم راء بولا جائیگا گویا کہ وہ برأسہ اسم مفرد معرفہ ہے اسلئے ضمہ دیا گیا ہے۔ اور **یا ثمی** بولا جائیگا کیونکہ جب ثمو اسم برأسہ بنایا گیا تو واؤ طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہوا جس کے ماقبل کو کسرہ دیکر واؤ کو یاء کردیا گیا۔ جس طرح کہ **اَدْلُوٌ** سے **اَدْلٍ** بنا اور یا کروان ترخیم کے بعد یا کرا بولا جائیگا کیونکہ جب ترخیم کے بعد یا کرو، اسم برأسہ مان لیا گیا تو واؤ کے الف ہوجانے سے کوئی مانع نہ رہا لہٰذا واؤ الف ہو جائیگا اور مانع اعلال الف تھا کہ واؤ متحرک ماقبل مفتوح الف سے پہلے ہو تو الف نہیں ہوتا اور الف حذف ہوگیا۔ قولہ **وقد استعملوا**: ۔ یعنی عرب نے صیغہ ندا بالخصوص یاء کو مندوب میں استعمال کیا ہے۔ شارح نے صیغہ ندا سے صرف حرف یاء مراد لیا ہے اس لئے کہ صیغہ ندا کا فرد کامل یاء ہے اور یاء کی تخصیص اس لئے بھی ہے کہ کلام عرب کے تتبع سے معلوم ہوا ہے کہ مندوب پر حروف ندا میں سے صرف یاء داخل ہوتی ہے کیونکہ ندا کے حروف میں سب سے زیادہ مشہور یاء ہے یہی وجہ ہے کہ مطلق صیغہ ندا بولا جائے تو مراد یہی یا ہوتی ہے کہ یہ ندا کا فرد کامل ہے۔ لہٰذا مناسب ٹھیرا کہ یاء میں وسعت کی جائے اور اسکو منادی اور غیر منادی میں استعمال کیا جائے

قولہ **وتصحيحه**: ۔ لفظ **تصحيح** یا تو مقابل اعلال بمعنی عدم تغیر ہے یا اس سے مراد مقابل ناقص ہے یعنی صحیح اور تام ہونے میں اسکو اپنی ذات کا حکم حاصل ہے۔

وَالمندوب فی اللغۃ مَیِّت یَبکی علیہ احدٌ ویَعُدُّ محاسنہ لِیعلم الناسُ ان موتہ امر عظیم لِیعذرُوہ علی البکاء ویشارکوہ فی التفجع وَفی الاصطلاح ھو المتفجّع علیہ وجودا او عدما بیا او وا فالمتفجع علیہ عدما ما یُتفجع علی عدمہ کالمیت الذی یبکی علیہ النادب والمتفجع علیہ وجودا ما یتفجع علی وجودہ عند فَقد المتفجع علیہ عدما کالمصیبۃ والحسرۃ والویل اللاحقۃ للنادب لفَقد المیت فالحد شامل لقسمی المندوب مثل یازیداہ ویاعمراہ ومثل یاحسرتاہ ویامصیبتاہ ویاویلاہ واختص المندوب بوَا ممتازا بہ عن المنادی لعدم دخولہ علیہ بخلاف یا فانہ مشترک بینھما

اور مندوب لغت میں وہ مردہ ہے جس پر کوئی روئے اور اسکی خوبیاں گنے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسکی موت امر عظیم ہے تاکہ لوگ رونے میں اس شخص کو مجبور جانیں اور دردمند ہونے میں اسکے ساتھ شریک ہو جائیں اور اصطلاح میں (مندوب وہ شخص ہے کہ جس پر گریہ کیا جائے) وجود کے اعتبار سے یا عدم کے اعتبار سے (یاء یا واؤ کے ساتھ) پس متفجع علیہ عدما تو یہ ہے کہ جسکے معدوم ہونے پر گریہ کیا جائے جیسے وہ میت کہ جس پر گریہ کرنے والا گریہ کرتا ہے اور متفجع علیہ وجودا وہ ہے جس کے موجود ہونے پر گریہ کیا جائے متفجع علیہ کے موجود نہ ہونے کے وقت جیسے مصیبت اور حسرت جو گریہ کرنے والے کو لاحق ہوتے ہیں میت کے نہ ہونے کے وقت پس تعریف مندوب کی دونوں قسموں کو شامل ہے جیسے یازیداہ اور عمراہ اور جیسے یاحسرتاہ اور یامصیبتاہ اور یاویلاہ (اور مخصوص کیا گیا) مندوب (واؤ کے ساتھ) ممتاز ہوتے ہوئے مندوب کے واؤ کے ساتھ منادی سے بوجہ نہ داخل ہونے واؤ کے منادی پر بخلاف یاء کے کہ وہ دونوں میں مشترک ہے

قولہ **والمندوب**:۔ مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں جسکی خوبیاں ظاہر کر کے اس پر کوئی روئے تاکہ لوگ جان لیں کہ اس شخص کی موت امر عظیم ہے اور رونے والے کو معذور سمجھیں اور تفجع و دردمندی میں اسکے ساتھ شریک ہو جائیں اور اصطلاح میں مندوب اس چیز کا نام ہے جسکے وجود یا عدم کے باعث اس پر یا یا واؤ کے ساتھ رویا جائے۔ قولہ **وجودا او عدما**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مندوب کی تعریف جامع نہیں کیونکہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **المتفجع** کا صلہ لفظ علی ہے جو کسی شی کے معدوم ہونے پر دلالت کرتا ہے لہٰذا یہ تعریف متفجع علیہ عدما کی ہوئی جو متفجع علیہ وجودا کو شامل نہ ہونے کی بنا پر جامع نہ ہوئی۔ شارح نے جواب دیا کہ مندوب کی تعریف میں کلمہ علی بنائیہ ہے تفجع کا صلہ نہیں یا بمعنی لام اجلیہ ہے اور یہ تعریف مندوب کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ اور متفجع علیہ عدما وہ ہے کہ جسکے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی شخص دردمند ہو جیسے میت کے نہ ہونے پر نادب یازیداہ کہکر روتا ہے اور متفجع علیہ وجودا وہ ہے جسکے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی دردمند ہو مثلا حسرت مصیبت اور سختی جو میت کے نہ ہونے کی وجہ سے نادب کو پہنچے اور وہ **یاحسرتاہ، یامصیبتاہ** اور **یاویلاہ** کہکر ندبہ کرے اور روئے۔ قولہ **فالحد شامل**:۔ یعنی جب یہ علی بنائیہ یا بمعنی لام اجلیہ ہوا تو مندوب کی تعریف متفجع علیہ عدما اور وجودا دونوں قسموں کو شامل ہوئی اور تعریف کے جامع نہ ہونے کا اعتراض باطل ٹھیرا۔ اور مندوب واؤ کے ساتھ مختص ہے تاکہ منادی سے ممتاز ہو جائے کیونکہ واؤ منادی پر داخل نہیں ہوتا بخلاف یاء کے کہ وہ منادی اور مندوب

وحکمہ ای حکم المندوب فی الاعراب والبناء حُکمُ المنادی ای مثل حکمہ یعنی اذا وقع المندوب علی صورۃ قسمٍ من اقسام المنادی فحکمہ فی الاعراب والبناء مثل حکم ذٰلک القسم من المنادی کما اذا کان مفرداً معرفۃ فیضم و اذا کان مضافاً او مشبہاً بہ ینصب ولا یلزم من ذٰلک جواز وقوعہ علی صورۃ جمیع اقسام المنادی لیَرِدَ علیہ انہ لا یقع نکرۃ لانہ لا یندب الا المعرفۃ وَجاز لک زیادۃ الالف فی آخرہ ای آخر المندوب لمد الصوت المطلوب فی الندبۃ فان خِفتَ اللبس ای التباس ذٰلک اللفظ عند زیادۃ الالف بغیرہ عَدَلتَ الی حرف مد مُجانسٍ لحرکۃ آخر المندوب من کسرۃ او ضمۃ کما اذا اردتَ ندبۃ غلام مخاطبۃ قلت

(اور اس کا حکم) یعنی مندوب کا حکم (اعراب اور بنا میں منادی کا حکم ہے) یعنی منادی کے حکم کی طرح ہے یعنی مندوب جب منادی کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کی صورت پر واقع ہو تو مندوب کا حکم معرب او مبنی ہونے میں منادی کی اس قسم کی طرح ہے جیسا کہ جب مندوب مفرد معرفہ ہو تو مضموم ہوگا اور جب مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوگا اور اس تشبیہ سے مندوب کا منادی کے تمام اقسام کی صورت پر واقع ہونے کا جواز لازم نہیں آتا حتی کہ اس تشبیہ پر یہ اعتراض وارد ہو کہ مندوب نکرہ واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ معرفہ پر ہی گریہ کیا جاتا ہے (اور) جائز ہے (تمہارے لئے اسکے آخر میں الف زائد کرنا) یعنی مندوب کے آخر میں مد صوت کیلئے جو گریہ میں مطلوب ہے (پھر اگر تمہیں التباس کا خوف ہو) یعنی الف بڑھانے کے بعد اس کے کسی دوسرے لفظ سے ملتبس ہونے کا خوف ہو تو تم الف کی بجائے کسی دوسرے حرف مدہ کی جانب عدول کرلو جو مندوب کے آخری حرف کی حرکت یعنی کسرہ یا ضمہ کی ہم جنس ہو جیسا کہ تم مخاطب عورت کے غلام کو گریہ کا ارادہ کرو (تم کہوگے

میں مشترک ہے۔ قولہ وحکمہ:۔ اور مندوب کا حکم معرب او مبنی ہونے میں منادی جیسا ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اسکے کلام سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح منادی نکرہ بھی ہوتا ہے اسی طرح مندوب بھی نکرہ ہوگا حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ندبہ معرفہ کو کیا جاتا ہے۔ شارح نے ولا یلزم سے اس کا جواب دیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد یہ ہے کہ مندوب منادی کی جس صورت پر آئے گا اسے منادی کی اس صورت کا حکم حاصل ہوگا مثلاً مندوب مفرد معرفہ ہوگا تو اسکو منادی مفرد معرفہ والا حکم حاصل ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منادی کی تمام اقسام کی صورت پر مندوب بھی آئیگا اور نکرہ بھی ہوگا۔ قولہ ولک زیادۃ الالف:۔ شارح نے ولک سے قبل فعل جاز مقدر کر کے جار مجرور کا متعلق بتایا ہے نیز آئندہ قانون کے جوازی ہونے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے یعنی تیرے لئے جائز ہے کہ مندوب کے آخر میں مدِ صوت کیلئے الف زائد کرے کہ مندوب میں مدِ صوت مطلوب ہوتا ہے۔ قولہ فان خفت اللبس:۔ پس اگر الف کے اضافہ سے تمہیں مندوب کے کسی دوسرے لفظ سے ملتبس ہونے کا خوف ہو تو الف کی جگہ ایسے حرف کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو مندوب کے آخری حرف کی حرکت یعنی کسرہ یا ضمہ کے موافق ہو مثلاً جب مخاطب عورت کے غلام کو ندبہ کرنا چاہو تو واغلامکیہ کہوگے کیونکہ الف بڑھا کر واغلامکاہ کہنے سے یہ تثنیہ مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ ملتبس ہوگا اور جب تم جماعت مخاطبین کے غلام کو ندبہ کرنا چاہو تو واغلامکموہ کہوگے کہ میم اصل میں مضموم ہے واغلامکماہ نہیں

وا غلامَکِیه لاوا غلامکاه لالتباسه بندبۃغلام مخاطب وَاذاارادت ندبۃغلام جماعۃمخاطبین قلت واغلامکُمُوه اذالمیم اصله الضم لاوا غلامکماه لالتباسه بندبۃغلام مخاطَبین اثنین وجازلک الهاء ای الحاقها بهذه المدات فی حال الوقف لبیانها ولایُندبُ من قسم المندوب المتفجع علیه عدما الاالاسم المعروف الذی اشتهر المندوب به لیُعذَرالنادب بمعرفته فی ندبته والتفجع علیه فلایقال وارجلاه اذماا اشتهر بهذااللفظ مندوب خاص انتقل الذهن الیه ویعرف به لیُعذَرالنادب بالندبۃعلیه وامتنع الحاق الالف بصفۃالمندوب بل یجب ان یلحق بالموصوف مثل وازیداه الطویل لان اتصاله بالصفۃلیس کاتصال المضاف بالمضاف الیه

واغلامَکِیه) نہ کہ واغلامکاہ بوجہ اسکے ملتبس ہونے کے مذکر مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ (اور) جب تم جماعت مخاطبین کے غلام کے گریہ کا ارادہ کرو تو کہو گے واغلامکُمُوہ) کیونکہ میم کی اصل ضمہ ہے واغلامکماہ نہیں کہو گے بوجہ اسکے ملتبس ہونے کے دو مخاطب کے غلام کے گریہ کے ساتھ (اور) جائز ہے (تمہارے لئے ہاء) یعنی مدات کے ساتھ ھاء لاحق کرنا حالت (وقف میں) ان کی وضاحت کیلئے (اور نہیں ندبہ کیا جائیگا) مندوب کی اس قسم سے جو متفجع علیہ عدما ہے (مگر) اسم (معروف) جس اسم کے ساتھ مندوب مشہور ہو تو گریہ کرنے والے کو اس اسم کی معرفت سے گریہ کرنے اور اس پر دردمند ہونے میں معذور خیال کیا جائے (پس وارجلاہ نہیں کہا جائیگا) اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں کہ اسکی جانب ذہن منتقل ہو اور وہ اسکے ساتھ مشہور ہوتا کہ گریہ کرنے والے کو اس پر گریہ کرنے کے ساتھ معذور خیال کریں (اور ممتنع ہے) مندوب کی صفت کے ساتھ الف کا اضافہ کرنا بلکہ واجب ہے کہ الف موصوف کے ساتھ لاحق کیا جائے جیسے وازیداہ الطویل اس لئے کہ موصوف کا اتصال صفت کے ساتھ مضاف کے مضاف الیہ کے ساتھ اتصال کی مثل نہیں

کہو گے کیونکہ دو مخاطب کے غلام کے ندبہ کے ساتھ ملتبس ہوگا اور مندوب کے آخر میں مدات کے بعد حالت وقف میں تاء بھی بڑھا سکتے ہوتا کہ یہ مدات پوری طرح ظاہر ہو جائیں بالخصوص الف کہ اس میں زیادہ خفا ہے۔ قولہ **ولایندب**:۔ مندوب کی قسم اول یعنی متفجع علیہ عدما میں صرف اسم معروف کو ندبہ کیا جاتا ہے۔ جس اسم کے ساتھ وہ مندوب مشہور ہو خواہ وہ اسم معروف علم ہو یا غیر علم تا کہ اسکی معرفت اور شہرت کی وجہ سے لوگ ندبہ کرنے والے کو اس پر ندبہ کرنے اور دردمند ہونے میں معذور قرار دیں لہٰذا **وارجلاہ** نہیں بولا جائیگا اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ کوئی مندوب خاص مشہور نہیں جسکی طرف ذہن جائے اور نہ مندوب خاص اس لفظ کے ساتھ معروف ہے کہ اس پر ندبہ کرنے کی وجہ سے نادب معذور قرار دیا جائے۔ قولہ **وامتنع** :۔ اور مندوب کی صفت کے ساتھ الف کا الحاق ممتنع ہے اور واجب یہ ہے کہ الف موصوف کے آخر میں بڑھایا جائے اور اس طرح بولا جائے **وازیداہ الطویل** کیونکہ موصوف کا صفت کے ساتھ اتصال اس اتصال کی مثل قوی نہیں جو مضاف اور مضاف الیہ میں ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف الیہ مضاف کی تکمیل کیلئے لایا جاتا ہے جو مضاف سے جز کی مثل ہوتا ہے اگرچہ موصوف وصفت میں اتصال من حیث المعنی اتم ہے کہ دونوں ذاتا متحد ہیں کہ طویل زید ہی ہے بخلاف مضاف ومضاف الیہ کے پس مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھا کر **یاامیر المؤمنیناہ**

لانہ جیء بہ لتمام المضاف فھو کالجزء بخلاف الصفة فانہ جیء بھابعدتمام الموصوف

للتخصیص او التوضیح فلھٰذا اجاز مثل یاامیر المؤمنیناہ ولم یجز مثل وازیدُ الطویلاہ خلافا

لیونس فانہ یُجوِّز الحاق الالف بآخر الصفة لان اتصال الموصوف بالصفة وان کان فی اللفظ

انقص من الاتصال بین المضاف والمضاف الیہ الا انہ اتم من جھة المعنی لاتحادھما بالذات

فان الطویل ھو زید لا غیر بخلاف المضاف والمضاف الیہ فانھما متغایران وحکٰی یونس انّ

رجلا ضاع لہ قَدحان فقال واجُمجُمَتَیَّ الشامیتَیناہ وَالجُمْجُمَةُ القدحُ ویجوز لقیام

قرینة حذفُ حرف النداء الا اذا کان مقارنا مع اسم الجنس ویعنی بہ ما کان نکرة قبل النداء

سواء تعرّف بالنداء کیارجل اولم یعرف مثل یارجلا لان نداءہ لم یکثر کثرة نداء العَلَم

کیونکہ مضاف الیہ کو مضاف کے تمام کرنے کیلئے لایا جاتا ہے بخلاف صفت کے کہ اس کو موصوف کے تمام ہونے کے بعد تخصیص یا توضیح کیلئے لایا جاتا ہے اس لئے یاامیرالمؤمنیناہ کا مثل جائز ہے اور وازیدالطویلاہ کا مثل جائز نہیں (بخلاف یونس کے) کیونکہ وہ صفت کے آخر میں الف کے الحاق کو جائز کہتا ہے اس لئے کہ موصوف کا صفت کے ساتھ اتصال اگرچہ لفظ میں اس اتصال سے کم ہے جو مضاف اور مضاف الیہ میں ہے لیکن معنی کی جہت سے موصوف اور صفت کا اتصال اس اتصال سے اتم ہے جو مضاف اور مضاف الیہ میں ہے کیونکہ موصوف اور صفت کا اتصال بالذات ہے کیونکہ طویل زید ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا برعکس مضاف اور مضاف الیہ کے کہ وہ دونوں آپس میں متغایر ہیں اور یونس نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے دو پیالے گم ہوگئے تو اس نے کہا واجُمجُمَتَیَّ الشامیتَیناہ اور جُمجُمة پیالہ ہے (اور جائز ہے) قرینہ موجود ہونے کے وقت (حرف ندا کا حذف کرنا مگر) جب حرف ندا مقرون ہو (اسم جنس کے ساتھ) اور اسم جنس سے مصنف کی مراد وہ ہے جو ندا سے قبل نکرہ ہو خواہ وہ ندا سے معرفہ ہو جائے جیسے یارجل یا معرفہ نہ ہو جیسے یارجلا کیونکہ اسم جنس نکرہ کی ندا کثیر نہیں جیسے علم کی ندا کثیر ہے

کہنا جائز ہے لیکن صفت کے آخر میں الف بڑھا کر وَازیدُ الطویلاہ کہنا جائز نہیں کیونکہ صفت کو موصوف کے تمام ہونے کے بعد موصوف کی تخصیص یا توضیح کیلئے لایا جاتا ہے تو صفت کا حکم مضاف الیہ جیسا نہیں ہے۔ قولہ **خلافا لیونس:۔** یونس کے نزدیک صفت کے آخر میں الحاق الف جائز ہے کیونکہ موصوف اور صفت کے مابین اتصال اگرچہ لفظوں میں اس اتصال سے کم ہے جو مضاف اور مضاف الیہ میں ہوتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے موصوف اور صفت کے درمیان اتصال اس اتصال سے اتم ہے جو مضاف اور مضاف الیہ میں ہوتا ہے کیونکہ موصوف اور صفت متحد بالذات ہیں مثلا مثال مذکور میں **الطویل زید** ہی ہے نہ کہ کوئی اور بخلاف مضاف اور مضاف الیہ کے کہ وہ ایک دوسرے کے مغایر ہیں اور یونس نے اپنے قول کی تائید میں ایک عربی کا واقعہ بیان کیا ہے جسکے دو پیالے گم ہوگئے تھے جن پر ندبہ کرتے ہوئے اس نے کہا **وَاجُمجُمَتَیَّ الشامیتَیناہ** اور جُمجُمة لکڑی کے پیالہ کو کہتے ہیں قولہ **ویجوز:۔** یعنی قیام قرینہ کے وقت حرف ندا کا حذف کرنا بھی جائز ہے لیکن حرف ندا اگر اسم جنس سے مقارن ہو تو اس کا حذف کرنا جائز نہیں اور اسم جنس سے مراد وہ اسم ہے جو قبل از ندا نکرہ ہو خواہ حرف ندا داخل ہونے کے بعد معرفہ ہو

فلوحذف منه حرف النداء لم يسبق الذهن الى انه منادى والاشارة اى والامع اسم الاشارة لانه كاسم الجنس فى الابهام والمستغاث والمندوب لان المقصود فيهما مدالصوت وتطويل الكلام والحذف ينافيه فبقى على هذامن المعارف التى يجوز فيها حذف حرف النداء العلمُ سواء كان مع بَدَلٍ عن حرف النداء كلفظة الله فانه لايحذف منه الامع ابدال الميم المشددة منه نحو اللهم اوبغير بدلٍ نحو يُوسف اعرِض عن هذا اى يايوسف ولفظة ايّ اذا وصف بذى اللام نحو ايها الرجل اى ياايها الرجل اَو بالموصوف بذى اللام نحو ايُّهذا الرجل اى ياايهذا الرجل فلايجوز الحذف من ايهذا من غير ان يصف هذا بذى اللام

لہٰذا اگر اسم جنس نکرہ سے حرف ندا حذف کر دیا جائے تو سامع کا ذہن اس طرف نہیں جائیگا کہ وہ منادی ہے (اور اشارہ کے ساتھ) یعنی مگر اسم اشارہ کے ساتھ اس لئے کہ اسم اشارہ ابہام میں اسم جنس کی مانند ہے (اور مستغاث اور مندوب کے ساتھ) کیونکہ ان دونوں میں مقصود درازی صوت اور کلام کو لمبا کرنا ہے اور حذف اس کے منافی ہے پس اس استثناء کے بعد ان معارف میں سے جن میں حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے علم باقی رہ گیا خواہ حرف ندا کے بدل کے ہمراہ ہو جیسا کہ لفظ اللہ ہے کہ اس سے حرف ندا حذف نہیں کیا جاتا مگر میم مشدد حرف ندا کے عوض لانے کے ساتھ جیسے اللھم یا بغیر بدل لانے کے (جیسے یوسف اعرض عن ہذا) یعنی یا یوسف (اور) لفظ ای باقی رہ گیا جبکہ اس کی صفت لائی جائے معرف باللام کے ساتھ جیسے (ایہا الرجل) یعنی یا ایہا الرجل یا اس اسم کے ساتھ جو موصوف ہو معرف باللام کا جیسے یاھذا الرجل یعنی یاایھذا الرجل پس نہیں جائز حرف ندا کا حذف کرنا ایہذا سے ہذا کو ذواللام کے ساتھ متصف کئے بغیر

جائے جیسے **یارَجُل** یا معرفہ نہ ہو جیسے **یارَجُلا** اور اسم جنس سے حرف ندا حذف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسم جنس کی ندا عَلَم کی مثل کثیر نہیں ہے۔ پس اگر اسم جنس سے حرف ندا حذف کر دیا جائے تو سامع کا ذہن اس بات کیطرف نہیں جائیگا کہ یہ منادی ہے۔ قولہ **والاشارۃ**:۔ یعنی اسم اشارہ چونکہ اسم جنس کی مثل مُبہم ہے اس لئے اسم اشارہ سے بھی حرف ندا حذف نہیں کیا جائیگا اور مستغاث اور مندوب سے بھی کیونکہ ان دونوں میں مدصوت اور تطویل کلام مقصود ہوتا ہے اور حرف ندا کا حذف ان دونوں کے منافی ہے یعنی حذف میں نہ مدصوت ہے اور نہ تطویل کلام۔ قولہ **فَبَقِیَ علی هذا**:۔ پس اسم جنس، اسم شارہ، مستغاث اور مندوب کے مستثنیٰ ہو جانے کے بعد ان معارف میں سے جن میں حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے ایک علم رہ گیا جس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے اور اسکے حذف کی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ حذف بالابدال جیسے یااللہ میں حرف ندا حذف کر کے اس کے بدلے میم لایا گیا ہے ای اللھم۔ دوم۔ بلا ابدال۔ جیسے یُوسُف اعرض عن ھذا میں ای یایوسف۔ قولہ **ولفظة ای**:۔ یعنی لفظ ای کی صفت جب معرف باللام واقع ہو تو اس سے حرف ندا کو حذف کرنا بھی جائز ہے اگرچہ لفظ ای اسم جنس معرف بالندا ہے لیکن چونکہ مقصود بالندا اس کی صفت ہے اور وہ قبل الندا معرفہ ہے اس لئے لفظ ایّ سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے جیسے **ایھا الرجل ای یاایھا الرجل** لیکن **ایھذا** سے لفظ **ھذا** کی معرف باللام صفت لائے بغیر حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ لفظ ای یہاں پر ایسا اسم جنس ہے جو ندا سے پہلے نکرہ تھا۔

والمضاف الی ایّ معرفة کانت نحو غلام زید افعل کذا والموصولات نحو مَن لایزال مُحسِنا أحسِن الیّ واما المضمرات فشذّ نداؤها نحو یا انت ویا ایاک وشذّ حذف حرف النداء من اسم الجنس فی اَصبِحْ لیلُ ای صِر صبحا یالیل حُذف حرف النداء من اللیل مع انه اسم جنس شذوذا قالته امرأة امرئ القیس حین کرهته وفی افتدِ مخنوق ای یامخنوق قاله شخص وقع فی اللیل علی نائم مستلق فخنقه وقال افتدِ مخنوق حذف حرف النداء عن المخنوق مع انه اسم جنس شذوذا

اور باقی رہ گیا وہ اسم جو کسی معرفہ کی جانب مضاف ہو جیسے غلام زید افعل کذا اور موصولات بھی باقی رہ گئے جیسے مَن لایزال محسنا احسن الی بہرحال مضمرات تو ان کی ندا شاذ ہے (اور شاذ ہے) حرف ندا کا حذف کرنا اسم جنس سے (اَصبح لیل) میں یعنی صِر صبحا یالیل، اے رات صبح ہو جا لیل سے حرف ندا کو حذف کیا گیا باوجود اس بات کے کہ لیل اسم جنس ہے بطور شذوذ اس لفظ کو امرأ القیس کی بیوی نے کہا جبکہ اس نے امرأ القیس کو ناپسند کیا (اور افتد مخنوق) میں یعنی یا مخنوق اس کلام کو ایک شخص نے کہا جو رات کو ایک چت لیٹے سوئے ہوئے پر گرا پس اس کا گلا گھونٹا اور کہا ای گلا گھونٹے ہوئے فدیہ دے مخنوق سے حرف ندا کو حذف کر دیا گیا باوجودیکہ وہ اسم جنس ہے شذوذ کے طور پر

قولہ **والمضاف**:۔ یہ شارح قول **العَلَم** پر معطوف ہے یعنی جن معارف سے حرف ندا کا حذف جائز ہے ان میں سے وہ اسم بھی رہ گیا جو کسی معرفہ کی طرف مضاف ہو تو اس سے بھی حرف ندا کا حذف جائز ہے جیسے **غلام زید افعل کذا** جو اصل میں **یا غلام زید افعل کذا** تھا. قولہ **والموصولات**:۔ یعنی موصولات بھی باقی رہ گئے جن سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے جیسے **مَن لایزال مُحسنا أحسن الی** جو اصل میں **یا من لا یزال الخ** تھا قولہ **واما المضمرات** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ موصولات کی طرح مضمرات بھی از قبیل معارف ہیں کیا ان سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے یا نہیں. شارح نے جواب دیا کہ حرف ندا کا حذف تو بعد کی چیز ہے ان پر تو حرف ندا کا دخول بھی شاذ ہے مثلا **یا انت یا ایاک** بولنا یہ شاذ ہے. قولہ **وشذ اصبح لیل** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام عرب میں اسم جنس سے حرف ندا کا حذف آیا ہے جیسے **أصبح لیل** جو اصل میں **أصبح یا لیل** تھا لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا درست نہیں کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف جائز نہیں. شارح نے جواب دیا کہ اسم جنس سے حرف ندا کا حذف شاذ ہے جیسا کہ **أصبح لیل** جو اصل میں یا لیل تھا اور یہ جملہ امرء القیس کو ناپسند کرتے ہوئے اسکی بیوی نے کہا جسکے معنی ہیں ای رات صبح ہو جا اسی طرح **افتد مخنوق** میں بھی حرف ندا کا حذف شاذ ہے جو اصل میں **یا مخنوق** تھا یہ جملہ اس شخص نے بولا جو ایک چت لیٹے ہوئے شخص پر گرا تو اس کا گلہ گھونٹ کر کہا ای مخنوق فدیہ دے یہ مخنوق بھی اسم جنس ہے جس سے حرف ندا کا حذف کرنا شاذ ہے یہ ضرب المثل ہے اور اسوقت بولی جاتی ہے جب کوئی چھٹکارا پانے کا حریص

☆سوال☆ حرف ندا کا حذف کرنا کسی اسم سے بھی جائز نہیں کیونکہ حرف ندا ادعو فعل مقدر کا عوض ہے اور جس طرح کہ عوض اور معوض عنہ کا اجتماع جائز نہیں اسی طرح دونوں کا حذف بھی جائز نہیں. ☆جواب☆ عوض اور معوض عنہ دونوں کا حذف کرنا جائز ہے جیسے اقام الصلوۃ میں اقامہ مصدر کی تاء کو حذف کر دیا گیا ہے جو واؤ محذوفہ کے عوض ہے مگر یہ جواب درست نہیں کیونکہ اقام الصلوۃ میں تائے محذوفہ کا عوض موجود ہے یعنی اقام کا مضاف الیہ گویا کہ تاء موجود ہے اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ حرف ندا فعل ادعو کا عوض نہیں بلکہ کالعوض ہے جس کا حذف کرنا جائز ہے یا جواب یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی تو یہی ہے کہ عوض کو حذف نہ کیا جائے مگر چونکہ عوض کے محذوف ہونے پر قرائن قویہ

وفی اطرق کرًا ای یا کرَوَانُ وفیہ شذوذان حذف حرف النداء من اسم الجنس وترخیم غیر العلم قیل ھی رُقْیَۃٌیَصِیدون بھاالکروان ویقولون اَطرق کرااطرق کراانّ النعامۃَ فی القری فیسکن ویُطْرِقُ حتی یصادُوالمعنی ان النعامۃالذی ھواکبر منک قداصطیدوحمل الی القری فلاتُخَلّٰی ایضاوقدیحذف المنادی لقیام قرینۃجوازانحو اَلَایااسجدوا بتخفیف اَلَاعلی انہ حرف تنبیہ ویاحرف النداء ای یاقوم اسجدواوالقرینۃامتناع دخول یاعلی الفعل بخلاف قرائۃاَلَّایسجدوابتشدیداللام لانہ لیس من ھذاالباب فانّ اَن حینئذٍناصبۃللمضارع ادغمت نونھافی لام لاویسجدوافعلٌ مضارع سقط نونہ بالنصب

(اور اطرق کرا) میں یعنی یا کروان اور اس میں دو شذوذ ہیں اسم جنس سے حرف ندا کا حذف کرنا اور غیر علم کی ترخیم کہا گیا ہے کہ اطرق کرا ایک منتر ہے جس کے ساتھ عرب کروان پرندے کا شکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اطرق کرا الخ پس وہ ٹھہر جاتا ہے اور گردن جھکا دیتا ہے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ تحقیق شترمرغ جو تجھ سے بڑا ہے وہ شکار کرلیا گیا ہے اور بستیوں کی جانب لے جایا گیا ہے پس تو بھی نہیں بچے گا (اور کبھی بوقت قیام قرینہ منادی کو جوازا حذف کردیا جاتا ہے جیسے الا یا اسجدوا) الا کی تخفیف کے ساتھ اس بناء پر کہ وہ حرف تنبیہ ہے یعنی یا قوم اسجدوا اور حذف منادی کا قرینہ یا کے فعل پر دخول کا ممتنع ہونا ہے برخلاف الّا یسجدوا بتشدید لام کی قرات کے کہ وہ حذف منادی کے باب سے نہیں ہے. پس اسوقت ان ناصبہ للمضارع ہے جس کا نون لا کے لام میں ادغام کردیا گیا ہے اور یسجدوا فعل مضارع ہے جس کا نون نصب کی وجہ سے ساقط ہوگیا ہے

ہوقولہ **وفی اطرق کرا**:۔اور لفظ کرا اسم جنس ہے اس سے حرف ندا کا حذف کرنا شاذ ہے بلکہ اس میں دو شذوذ ہیں. اول۔اسم جنس سے حرف ندا کا حذف. دوم۔غیر علم کی ترخیم کیونکہ غیر علم کی ترخیم میں شرط یہ ہے کہ اسکے آخر میں تائے تانیث متحرکہ ہو نیز اسمیں ایک شذوذ یہ بھی ہے کہ اسکو اسم براسنادیا گیا ہے اور یہ قلیل ہے. یہ ایک منتر ہے جسکو پڑھ کر اہل عرب کروان نامی پرندہ کو شکار کیا کرتے تھے اور کہتے تھے **اطرق کرا اطرق کرا انّ النعامۃ فی القری ای کروان** اپنا سر جھکالے بیشک شترمرغ شکار ہوکر بستیوں میں پہنچ چکا ہے تو بھی بچ نہیں سکے گا یہ سنکر وہ ٹھہر جاتا اور گردن جھکالیتا حتی کہ شکار کرلیا جاتا. قولہ **وقدیحذف المنادی**:۔اور کبھی بوقت قیام قرینہ منادی کو جوازا حذف کردیا جاتا ہے جیسے الا یا اسجدوا میں جو کہ لفظ الا کی تخفیف کے ساتھ ہے اس بناء پر کہ یہ حرف تنبیہ ہے اور یا حرف ندا ہے ای الا یا قوم اسجدوا اور حذف منادی پر قرینہ یہ ہے کہ حرف ندا فعل پر داخل نہیں ہوتا ابن یعیش کے نزدیک الا یا اسجدوا میں یا ندا کیلئے نہیں بلکہ لا کی تاکید کیلئے ہے لہذا یہ حذف منادی کی مثال نہیں بنے گی لیکن تشدید لام کی قرات کی صورت میں وہ اس باب سے نہیں بلکہ اس صورت میں **اَن** حرف ناصب للمضارع ہے جس کا نون لا کے لام میں ادغام کیا گیا ہے اور **یسجدوا** فعل مضارع ہے جس کا نون ناصب کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے. یہ فاضل ہندی پر رد ہے جنہوں نے حذف منادی کی مثال میں الا یسجدوا کو ذکر کیا ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ یسجدوا میں یا علامت مضارع نہیں بلکہ حرف ندا ہے. مگر ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے.

موجود ہیں جو اسکے تلفظ کے قائم مقام ہیں کمافی الاشباہ والنظائر نقلا من ابن یعیش. (زینی زادہ) قولہ **النعامۃ**:۔لفظ نعامۃ بفتح اول شترمرغ کو کہتے ہیں.

الثالث من تلک المواضع الاربعة التی وجب حذف ناصب المفعول به فیها مَا ای مفعول به اضمر ای قدر عامله الناصب له علی شریطة التفسیر الشریطة و الشرط واحد و اضافتها الی التفسیر بیانیة ای ما اضمر عامله بناء علی شرط هو تفسیره ای تفسیر العامل بما بعده و انما وجب حذفه حینئذٍ احترازا عن الجمع بین المفسَّر و المفسِّر

(تیسرا) ان مواضع اربعہ سے جن میں مفعول بہ کے ناصب کو حذف کرنا واجب ہے (وہ ہے) یعنی مفعول بہ ہے (کہ پوشیدہ کردیا گیا ہو) یعنی مقدر کردیا گیا ہو (اس کا عامل) اس کو نصب دینے والا (تفسیر کی شرط کی بناپر) شریطہ اور شرط ایک ہی واحد ہیں اور تفسیر کی جانب شریطہ کی اضافت بیانیہ ہے یعنی وہ مفعول بہ ہے جس کا عامل شرط کی بناپر مقدر کیا گیا ہو اور وہ شرط اسکی تفسیر ہے یعنی عامل کی تفسیر ہے مفعول کے مابعد فعل کے ساتھ اور اس وقت فعل کا حذف کرنا مفسِّر اور مفسَّر کے اجتماع سے احتراز کیلئے ہے

قولہ **الثالث ما**:۔ یعنی وہ مواضع اربعہ جن میں مفعول بہ کے عامل ناصب کا حذف کرنا واجب ہے انمیں سے موضع ثالث اس مفعول بہ کا موضع ہے جس کا عامل ناصب بشرط تفسیر مقدر کیا گیا ہو. متن کی عبارت میں لفظ مَا سے مراد مفعول بہ لیا گیا ہے نہ کہ مطلقا مفعول بایں وجہ کہ زیر بحث مطلقا مفعول نہیں بلکہ مفعول بہ ہے اور قدر سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں **اُضمر** بمعنی لغوی یعنی **قُدّر** ہے. قولہ **الشریطة و الشرط واحد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے لفظ شریطہ ذکر کرکے ان نحات کی مخالفت کیوں کی ہے جنہوں نے یہاں لفظ شرط کو ذکر کیا ہے. شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے باقی نحات کی مخالفت نہیں کی اس لئے کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور لفظ شرط جو لفظ شریطہ سے مختصر ہے اسکو ترک کرکے لفظ شریطہ کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طالب علم ان دونوں کے ہم معنی ہونے پر مطلع ہوجائے. قولہ **و اضافتها**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **شریطة التفسیر** مرکب اضافی ہے اور مرکب اضافی کے اجزا میں باعتبار مصداق کے مغایرت ہوتی ہے تو چاہئے کہ شریطہ اور تفسیر کے مصداق دو ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے لہذا یہ اضافت درست نہیں. شارح نے جواب دیا کہ مرکب اضافی میں مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت اور انکے مصداق کا علیحدہ علیحدہ ہونا اسوقت ہے جبکہ وہ اضافت بیانیہ نہ ہو اور یہ اضافت بیانیہ ہے جسمیں مضاف اور مضاف الیہ کا مصداق ایک ہوتا ہے یعنی لفظ شریطہ کی اضافت تفسیر کی طرف اضافت بیانیہ ہے. قولہ **بناء علی شرط**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت میں موجود لفظ **علی**، **اُضمر** کے متعلق تو نہیں ہوسکتا کہ اسکا صلہ علی نہیں آتا تو پھر یہ کس کے متعلق ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ علی بنائیہ ہے اور علی بنائیہ اسکو کہتے ہیں جس کا متعلق لفظ بناء مقدر ہو اس جگہ لفظ بناء بمعنی مَبنِیًا مقدر ہے جو اضمارا مفعول مطلق کی صفت ہے یعنی جسکا عامل مقدر کردیا گیا ہو اور یہ تقدیر عامل اس بنا پر ہو کہ عامل کی تفسیر مفعول بہ کے مابعد سے ہو رہی ہے. قولہ **وانما وجب**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہاں پر عامل کا حذف واجب کیوں ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ مفسِّر اور مفسَّر کے اجتماع سے بچنے کیلئے یہ حذف اور تقدیر عامل واجب ہے یعنی اگر عامل کو حذف نہ کریں تو عامل اور اسکے مفسِّر کا اجتماع لازم آئیگا جس سے مفسِّر کا ذکر بے فائدہ ہوجائیگا. ☆سوال☆ مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع تو جائز ہے جیسے جاء نی رجل ای زید. ☆جواب☆ مفسِّر مفسَّر کا اجتماع ذکر میں اس وقت درست نہیں جبکہ مفسِّر بکسر السین صرف تفسیر کے لئے لائیں اور اگر مفسِّر کے ذکر

وهو ای ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کل اسم بعده فعل او شبه احترز به عن نحو زیدٌ ابوک ولا یرید به ان یلیَ الفعل او شبهه متصلا به بل ان یکون الفعل او شبهه جزء الکلام الذی بعده نحو زیداً عمروٌ ضربهٗ وزیداً انت ضاربه مشتغلٌ ذلک الفعل او شبهه عنه ای عن العمل فی ذلک الاسم

(اوروہ) یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر (ہر وہ اسم ہے کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو) اس قید سے مصنف نے زید ابوک کے مانند سے احتراز کیا ہے اور اس سے مصنف کا یہ ارادہ نہیں کہ فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ متصل ہو بلکہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جز ہو جو اسکے بعد ہے جیسے زیدا عمرو ضربہ اور زیدا انت ضاربہ (اعراض کرنے والا ہو) یہ فعل یا شبہ فعل (اس سے) یعنی اس اسم میں عمل کرنے سے

سے کوئی دوسری غرض مقصود ہو تو دونوں کا اجتماع ذکر میں جائز ہے جیسے مذکورہ مثال میں مظہر کے ذکر سے رجل کا ایضاح مقصود ہے کہ رجل سے متکلم کی مراد زید ہے بیان مفسَّر مقصود نہیں کہ وہ تو مذکور ہے۔ قولہ **وهو کل اسم**:۔ شارح نے ای ما اضمر کے ساتھ تفسیر کر کے ھو ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے یعنی ما اضمر عاملہ ایسا اسم ہے جسکے بعد فعل یا شبہ فعل ہو۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول "بعدہ فعل او شبہہ" کے ساتھ اس اسم سے احتراز کیا ہے جسکے بعد فعل یا شبہ فعل نہ ہو جیسے **زیدٌ ابوک**۔ پس یہ **زید ما نحن فیه** سے نہیں ہے ﴿سوال﴾ **ما اضمر عامله** کی تعریف **کل اسم الخ** کے ساتھ درست نہیں کیونکہ **ما اُضمر** کے لفظ ما سے مراد مفعول بہ ہے اور تعریف میں مذکور لفظ اسم مفعول بہ سے عام ہے اور تعریف بالعام جائز نہیں ﴿جواب﴾ تعریف میں لفظ اسم سے مراد مجازاً مفعول بہ ہے لہٰذا یہ تعریف بالاعم نہیں۔ قولہ **ولا یرید به** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **ما اضمر عامله** کی تعریف جامع نہیں کیونکہ یہ زیدا عمرو ضربہ اور زیدا انت ضاربہ کے ما اضمر عاملہ پر صادق نہیں کیونکہ ان مثالوں میں زید کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ بعدہٗ سے مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد یہ نہیں کہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے بعد متصلاً واقع ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جز ہو جو اس اسم کے بعد واقع ہے پس تعریف مذکورہ مثالوں پر صادق ہے کہ انمیں فعل یا شبہ فعل کلام کا جز ہے۔ قولہ **مشتغل**:۔ یہ علی سبیل البدلیت فعل اور شبہ فعل کی صفت ہے اور شارح کا قول **ذلک الفعل او شبهه** اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مشتغل کی ضمیر کا مرجع احد الامرین ہے جو کلمہ اَو سے مفہوم ہو رہا ہے لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے کہ ضمیر اور اسکے مرجع میں مطابقت نہیں کہ ضمیر واحد کی ہے اور مرجع دو چیزیں ہیں فعل اور شبہ فعل۔ قولہ **عن العمل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اشتغال کا صلہ جب کلمہ **عن** ہو تو اسکے معنی اعراض کے ہوتے ہیں اور عنہ کی ضمیر کا مرجع اسم ہے تو عبارت کے معنی یہ ہوئے کہ فعل یا شبہ فعل اس اسم سے اعراض کرنے والا ہو حالانکہ اعراض اسم سے نہیں ہوتا بلکہ عمل سے ہوتا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ عنہ کی ضمیر کا مرجع اسم نہیں بلکہ عمل ہے جو مقدر ہے یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کرنے والے ہوں نہ کہ اسم سے اعراض کرنے والے ہوں۔

قولہ **او شبهه**:۔ یہاں پر شبہ فعل سے مراد صرف اسم فاعل اور اسم مفعول ہے مصدر شبہ فعل سے خارج ہے اس لئے کہ مصدر عمل کرنے کے وقت اَن مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور اَن موصول حرفی ہے جس پر اس کا مابعد مقدم نہیں ہو سکتا اور اس جگہ شبہ فعل سے صفت مشبہ بھی خارج ہے کیونکہ وہ لازم ہے جس کا مفعول بہ نہیں آتا اور اسم تفضیل بھی خارج ہے کہ وہ مفعول بہ کو نصب نہیں کرتا یہاں تک کہ اگر اسم تفضیل کے بعد کسی اسم کے مفعول بہ ہونے کا وہم ہو تو اسکو اسم تفضیل کی وجہ سے منصوب قرار نہیں دیں گے بلکہ اسکا نصب فعل محذوف پر قرینہ ہوگا جیسے ارشاد باری ھو اعلم من یضل عن سبیلہ کی تقدیر ھو اعلم من کل واحد یعلم من یضل قرار دی گئی ہے۔ قولہ **مشتغل عنه** :۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول یعنی مشتغل فراغ کے معنی کو متضمن ہے جس کا صلہ کلمہ عن آتا ہے اصل عبارت اس طرح ہے مشتغل فارغا عنہ اور لفظ فارغا مشتغل کی ضمیر سے حال ہے۔

بضميره ای بالعمل فی ضميره اوفی متعلقه ای متعلق ذٰلک الاسم اومتعلق ضميره و حاصله ان يکون الفعل اوشبهه مشتغلا بالعمل فی ضمير ذٰلک الاسم اومتعلقه فارغاعن العمل فيه بسبب ذٰلک الاشتغال لابسبب آخر بحيث لوسُلِّط بمجرد رفع ذٰلک الاشتغال عليه ای علی ذٰلک الاسم هو ای احدالامرين الفعل اوشبهه بعينه اومناسبه ای ماينا سبه بالترادف اواللزوم لَنَصَبَ ای لَنَصَبَ احدهٰذين الامرين الاسمَ بالمفعولية کماهوالظاهر المتبادر

(اس کی ضمیر کے ساتھ) یعنی اس اسم کی ضمیر میں عمل کرنے کے ساتھ (یا اس کے متعلق) میں یعنی اس اسم کے متعلق یا ضمیر کے متعلق میں اور اسکا حاصل یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر یا اسکے متعلق میں عمل کرنے کے ساتھ مشغول ہو حال ہونے ہر واحد کے اعراض کرنے والا اس اسم میں عمل کرنے سے اسی اشتغال کے سبب سے نہ کسی دوسرے سبب سے اس طرح کہ (اگر مسلط کیا جائے) محض اس اشتغال کو دور کرکے (اس پر) یعنی اس اسم پر (وہ) یعنی دو امروں میں سے ایک فعل یا شبہ فعل بعینہ (یا اس کا مناسب) یعنی وہ جو اس کا مناسب ہے ترادف یا لزوم کے اعتبار سے (تو وہ اسے نصب دے دے) یعنی ان دو امروں فعل یا شبہ فعل میں سے کوئی ایک اس اسم کو مفعول ہونے کی وجہ سے نصب دے دے جیسا کہ وہ ظاہر متبادر

قولہ **بضميره او متعلقه**:۔ یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں صرف اس لئے عامل نہیں کہ اس اسم کی طرف راجع ضمیر میں یا اس کے متعلق بکسر لام یا اس ضمیر کے متعلق بفتح لام میں عمل کر رہا ہے اور اسکا حاصل یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل مشغول ہو اس اسم کو راجع ضمیر میں یا اس اسم کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے در انحالیکہ فارغ ہو اس اسم کے اندر عمل کرنے سے بسبب اس اشتغال کے نہ کہ کسی اور سبب سے. شارح نے اس حاصل میں یہ بتایا ہے کہ لفظ مشتغل اپنے حقیقی معنی میں ہے یعنی مشغول ہونے والا اور اس کا صلہ کلمہ باء ہے اور عن فراغ کا صلہ ہے جسکو مشتغل متضمن ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے **مُشْتَغِل بضميره حَالَ کونه فارغاعن العمل فی ذٰلک الاسم** قولہ **لوسلط عليه**:۔ شارح نے متن کی اس عبارت سے پہلے لفظ **بحيث** کا اضافہ کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ قید احترازی ہے اور احد الامرین یعنی فعل یا شبہ فعل کی صفت ثانی ہے اور اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ وہ فعل یا شبہ فعل اسطرح ہو کہ اگر اس اسم کی ضمیر یا متعلق کے اندر فعل یا شبہ فعل کی مشغولیت کو ختم کرکے اس اسم پر مسلط کر دیا جائے خواہ بعینہ فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب بالترادف یا مناسب باللزوم کو مسلط کر دیا جائے تو فعل یا شبہ فعل اس اسم کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیدے. شارح نے مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **مناسبه** کی تفسیر یناسبہ کے ساتھ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے مناسبہ صیغہ اسم فاعل بمعنی مضارع ہے کیونکہ موصوف مقدر پر اعتماد کے بعد یہ عمل کر رہا ہے. قولہ **کماهوالظاهر المتبادر**:۔ جس طرح کہ متن کی قیود سے ظاہر اور متبادر ہے کیونکہ بعدیت سے ظاہر اور متبادر یہ ہے کہ اتصال شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ احد الامرین اسم کے بعد ہو خواہ متصلا ہو یا نہ ہو اور تسلیط سے متبادر یہ ہے کہ صرف اس اشتغال کو ختم کر دیا جائے اور مناسب سے متبادر معنی مناسب

قولہ **متعلقه**:۔ یہاں پر متعلق سے مراد لغوی توابع ہیں جیسے مضاف الی الضمیر وغیرہ متعلقہ کی ضمیر مجرور یا تو اسم کو راجع ہے اور اسمیں خوبی یہ ہے کہ عندا اور اسکی ضمیر کا مرجع ایک ہو جائیگا اسی وجہ سے شارح نے اس کو اولا بیان کیا ہے یا اس ضمیر کا مرجع لفظ ضمیر ہے اور اس میں قرب مرجع کی خوبی موجود ہے اور دونوں کا مآل ایک ہے کیونکہ زیدا ضربت غلامہ میں لفظ غلام متعلق زید ہے اور یہی متعلق ضمیر بھی ہے کیونکہ لفظ غلام زید کے توابع میں سے ہے اور زید کی طرف راجع ضمیر کی جانب مضاف ہے .

فبقيد الاشتغال بالضمير او متعلقه خرج نحو زيداً ضربتُ وبقيد الفراغ عن العمل فيه بمجرد ذلك الاشتغال خرج نحو زيد ضربته فان المانع عن عمل ضربته في زيدٍ ليس بمجرد اشتغاله بضميره فانّ عمل معنى الابتداء فيه ورفعه اياه ايضا مانعٌ عن ذلك وبقيد النصب بالمفعولية خرج خبر كان في نحو زيداً كنتُ اياه وههنا صورٌ اربعٌ احدٰها اشتغال الفعل بالضمير مع تقدير تسليطه بعينه والثانية اشتغاله بالضمير مع تقدير تسليط مايناسب الفعلَ بالترادف والثالثة اشتغال الفعل بالضمير مع تقدير تسليط مايناسب الفعلَ باللزوم والرابعة اشتغال الفعل بالمتعلق ولا يتصور حينئذٍ الا تقدير تسليط الفعل المناسب باللزوم ولهٰذا اورد المصنّف اربعةَ امثلة ثلاثة منها للمشتغل بالضمير باقسامه الثلاثة وواحد للمشتغل بالمتعلق

ہے۔پس اشتغال بالضمیر اومتعلقہ کی قید سے زیداً ضربت کا مثل خارج ہوگیا اور محض اس اشتغال کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے فراغ کی قید سے زید ضربتہ کا مثل خارج ہوگیا کیونکہ ضربتہ کو زید میں عمل کرنے سے مانع صرف فعل کا زید کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا نہیں کیونکہ زید میں معنی ابتداء کا عمل کرنا اور زید کو رفع دینا بھی عمل سے مانع ہے اور نصب مفعولیت کی بناپر کی قید سے کان کی خبر خارج ہوگئی کنت ایاہ کے مثل میں اور یہاں چار صورتیں ہیں ان میں سے ایک فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے ہمراہ بعینہ اس فعل کی تسلیط کی تقدیر کے اور دوسری صورت اس فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے ہمراہ فعل کے مناسب بالترادف کی تسلیط کی تقدیر کے اور تیسری صورت فعل کا ضمیر کے ساتھ مشغول ہونا ہے ہمراہ فعل کے مناسب باللزوم کی تسلیط کی تقدیر کے اور چوتھی صورت فعل کا متعلق کے ساتھ مشغول ہونا ہے اور نہیں متصور اس وقت مگر فعل کے مناسب باللزوم کی تسلیط کی تقدیر اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے چار مثالیں ذکر کیں جن میں سے تین مثالیں اس فعل کی ذکر کیں جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہے ہمراہ اپنے اقسام ثلاثہ کے اور ایک اس فعل کی مثال لائے جو متعلق کے ساتھ مشغول ہو

بالترادف یا مناسب باللزوم ہے اور نصب سے متبادر نصب بنابر مفعولیت کے ہے۔قولہ **فبقید الاشتغال**:۔شارح کے قول **فبقید** کی باء خرج کے متعلق ہے یعنی اشتغال بالضمیر او بالمتعلق کی قید سے مثل زیداً ضربت ما اضمیر عاملہ کی تعریف سے خارج ہوگیا یعنی اس مثال کا لفظ **زید** ما اضمیر عاملہ کے باب سے نہیں ہے کیونکہ اس کا مابعد فعل زید کی ضمیر یا زید کے متعلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے زید سے اعراض نہیں کررہا بلکہ زید کا ناصب یہی بعد کا فعل یعنی ضربت ہے۔قولہ **وبقید الفراغ**:۔یعنی فراغ عن العمل کی قید سے زید ضربتہ کا مثل ما اضمر عاملہ سے خارج ہوگیا کیونکہ یہاں زید میں مابعد فعل کے عمل کرنے سے مانع صرف فعل کا اشتغال بالضمیر نہیں بلکہ معنی ابتدا کا اس میں عمل کرنا اور اسے رفع دینا بھی مابعد فعل کے عمل سے مانع ہے اور نصب بالمفعولیت کی قید سے خبر کان خارج ہوگئی جو زیداً کنت ایاہ کی مثل میں ہے کیونکہ زید کا نصب مفعولیت کی بناپر نہیں بلکہ بنابر خبر کان ہے اس لئے کہ جب کان کی خبر معرفہ ہو تو وہ اسم کان پر مقدم ہوتی ہے۔قولہ **وھھنا اربع صور**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ایک مثل لہ کی وضاحت کیلئے متعدد مثالیں ذکر کرنا مصنف علیہ الرحمۃ کا طریقہ نہیں مگر یہاں مصنف علیہ الرحمۃ نے چار

والاحسن فی ترتیبها تاخیر مثال المشتغل بالمتعلق کمالایخفی وجهه نحو زیداًضربته مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیطه بعینه وزیداًمررت به مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیط مایناسبه بالترادف فان مررت بعدتعدیته بالباء مرادف لجاوزت وزیداًضربتُ غلامَه مثال الفعل المشتغل بالمتعلق مع تقدیر تسلیط المناسب باللزوم وزیداًحُبِستُ علیه مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیط مایناسبه باللزوم

اور اس وقت امثلہ اربعہ کی ترتیب میں احسن مشتغل بالمتعلق کی مثال کی تاخیر تھی جیسا کہ اس کی وجہ ظاہر ہے (جیسے زیداً ضربتہ) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہے ہمراہ بعینہ اس فعل کی تسلیط کی تقدیر کے (اور زیداً مررت بہ) یہ اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہے ہمراہ فعل کے مناسب بالترادف کی تسلیط کی تقدیر کے کیونکہ مررت با کے ساتھ متعدی ہوجانے کے بعد جاوزت کے مترادف ہے (اور زیداً ضربت غلامہ) اس فعل کی مثال ہے جو متعلق کے ساتھ مشغول ہے فعل کے مناسب باللزوم کی تقدیر کی تسلیط کے ہمراہ (اور زیداً احبست علیہ) یہ مثال ہے اس فعل کی جو ضمیر کے ساتھ مشغول ہے اس فعل کے مناسب باللزوم کی تقدیر کی تسلیط کے ہمراہ

مثالیں ذکر کی ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ تعدد امثلہ مثل لہ کے تعدد کی وجہ سے ہے کیونکہ ما اضمر عاملہ کی تعریف سے چار صورتیں مستفاد ہوتی ہیں، اول۔ یہ کہ بعد والا فعل ضمیر میں مشغول ہو اور بعینہ اس فعل کی تسلیط سے اسم منصوب ہوجائے جیسے زیداً ضربتہ دوم۔ یہ کہ بعد والا فعل اس اسم کی ضمیر میں مشغول ہو اور فعل کے مترادف کی تسلیط سے وہ اسم منصوب ہوجائے. جیسے زیداً مررت بہ کیونکہ مررت باء کے ساتھ متعدی ہونے کے بعد جاوزت کے مترادف ہوگیا ہے. سوم۔ یہ کہ فعل ضمیر میں مشغول ہو اور فعل کے مناسب لازم کی تسلیط سے وہ اسم منصوب ہوجائے جیسے زیداً احبست علیہ. چہارم۔ یہ کہ بعد والا فعل اسم کے متعلق میں مشغول ہو اور اس صورت میں صرف فعل کے مناسب لازم کی تسلیط متصور ہے جیسے زیداً ضربت غلامہ اسلئے مصنف علیہ الرحمۃ نے چار مثالیں ذکر کی ہیں، تین فعل مشتغل بالضمیر کی اور ایک فعل مشتغل بالمتعلق کی قولہ **والاحسن:** یہ مصنف علیہ الرحمۃ پر اعتراض ہے کہ بیان امثلہ کی ترتیب میں احسن یہ تھا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فعل مشتغل بالمتعلق کی مثال کو بعد میں ذکر کرتے ایک تو اس لئے کہ متعلق کا ذکر بعد میں کیا ہے اور کہا ہے بضمیرہ او متعلقہ، اور دوسرے اس لئے کہ متعلق کی مثال کی تاخیر سے فعل مشتغل بضمیر کی مثالیں ایک ساتھ ذکر ہوجاتیں کمالا یخفی قولہ **نحو زید ا ضربته:**۔ یہ اس فعل کی مثال ہے جو زید کی طرف راجع ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے زید میں عمل نہیں کررہا لیکن اگر بعینہ فعل ضربت کو زید پر مسلط کردیں تو وہ زید کو نصب دے گا، اور زیداً مررت بہ فعل مشتغل بضمیر کی مثال ہے جسکے مترادف کو مسلط کردیں تو وہ زید کو منصوب کردے گا ای جاوزت زیداً مررت بہ کیونکہ مررت متعدی بالباء ہونے کے بعد جاوزت کا مترادف بن گیا ہے اور **زیداًضربت غلامه** اس فعل کی مثال ہے جو متعلق اسم میں مشغول ہے اگر اسکے مناسب لازم کو مسلط کردیں تو وہ زید کو منصوب کردیگا اور **زیداًحُبست علیه** اس فعل کی مثال ہے جو ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے زید میں عمل کرنے سے اعراض کررہا ہے لیکن اسکے مناسب

قولہ والاحسن:۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کی ترتیب بھی حسن سے خالی نہیں وجہ احسنیت یہ ہے کہ مشتغل بالمتعلق کی مثال کی تاخیر سے مشتغل بالضمیر کی امثلہ ایک ساتھ مذکور ہوجائیں گی اور وجہ حسن یہ ہے کہ جو فعل معلوم ہیں وہ ایک ساتھ مذکور ہوگئے اور فعل مجہول ان کے بعد اپنے مقام میں.

فان حبس الشیء علی الشیء تلزمه ملابسته للمحبوس علیه یُنصب زیدفی هٰذه الامثلة بفعل مضمر یفسره مابعده ای ضربت یعنی ان الفعل المفسر الناصب لزیداًفی زیداًضربته ضربت المقدرُفان الاصل فیه ضربت زیداضربته اضمر ضربتُ الاول لوجود مفسِّره اعنی ضربتُ الثانی وَعلی هٰذاالقیاس جاوزت فانه مفسَّر بمایرادفه اعنی مررت به واَهَنتُ فانه مفسَّر بما یستلزمه اعنی ضربت غلامه فان ضربَ الغلام یستلزم اهانةَسیِّده ولابَسْتُ فانه مفسَّر بما یستلزمه اعنی حُبِستُ علیه

اس لئے کہ کسی چیز کو کسی چیز کیلئے روکنے سے شئے اول کو محبوس علیہ کی ملابست لازم ہے (نصب دیا جائیگا) زید ان مثالوں میں (فعل مقدر کی وجہ سے جس کا مابعد اس کی تفسیر کررہا ہے یعنی ضربت) یعنی فعل مفسّر جو زید کے لئے ناصب ہے زیداضربتہ میں وہ ضربت مقدر ہے اس لئے کہ اصل اس میں ضربت ،زیدا ضربتہ ہے ۔ضربت اول کو پوشیدہ کردیا گیا اس کے مفسّر کے موجود ہونے کی وجہ سے میری مراد دوسرا ضربت ہے (اور) اسی قیاس پر (جاوزت ہے) کیونکہ وہ اس فعل سے تفسیر کیا ہوا ہے جو اس کے مترادف ہے میری مراد مررت بہ ہے (اور اھنت) کہ یہ اس فعل سے تفسیر کیا ہوا ہے جو اس کو لازم ہے میری مراد ضربت غلامہ ہے کیونکہ غلام کو مارنا اس کے آقا کی اھانت کو مستلزم ہے (اور لابست) کیونکہ یہ اس فعل سے تفسیر کیا ہوا ہے جو اس کو لازم ہے میری مراد حبست علیہ ہے

لازم کو مسلط کردیں تو وہ زید کو منصوب کردیگا قولہ **فان حبس الشیء**:۔یعنی **زید احبست علیه** میں بعینہ فعل کی تسلیط نہیں ہوسکتی کیونکہ **حُبِسْتُ** زید کیلئے ناصب نہیں ہوسکتا بلکہ مناسب باللزوم کی تسلیط ہوگی جو لابست ہے کیونکہ حبس الشئ علی الشئ اس بات کو مستلزم ہے کہ محبوس کو محبوس علیہ کے ساتھ ملابست حاصل ہو قولہ **یُنصب زید** :۔ما اضمر عاملہ کی تعریف اور صور اربعہ پر امثلہ کے ساتھ استشہاد بیان کرنے کے بعد فعل مقدر کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ زید ان امثلہ میں فعل مقدر کی وجہ سے نصب دیا جاتا ہے اور اس فعل مقدر کی تفسیر اسم مذکور کے بعد والا فعل کرتا ہے ۔پس زیدا ضربت میں زید کا ناصب فعل مقدر ضربت ہے اسلئے کہ اس کا اصل ضربت زیدا ضربتہ ہے پہلا ضربت حذف کردیا گیا کیونکہ دوسرا ضربت اس کا مفسّر موجود ہے اور زیدا مررت بہ میں زید کا ناصب جاوزت ہے جو محذوف ہے کیونکہ اس کا مفسّر فعل مرادف یعنی مررت بہ موجود ہے اور زیدا ضربت غلامہ میں زید کا ناصب فعل اھنت محذوف ہے کیونکہ اسکا مفسّر لازم یعنی ضربت غلامہ موجود ہے اس لئے کہ غلام کی پٹائی میں اسکے مالک کی توھین ہے اور زیدا حبست علیہ میں زید کا ناصب فعل لابست محذوف ہے اس لئے کہ اس کا مفسّر لازم یعنی حبست

قولہ **ینصب**:۔شارح نے ینصب کی ضمیر کا مرجع لفظ زید کو قرار دیا ہے اور ضمیر کا مرجع ما اضمر عاملہ کو نہیں بنایا اس لئے کہ شارح نے ای ضربت سے جو تفسیر کی ہے وہ اسی کی مقتضی ہے کیونکہ ان امثلہ میں مذکورا فعال زید کے لئے ناصب ہیں ہر ما اضمر عاملہ کیلئے نہیں قولہ **فان الاصل فیه** :۔علامہ جامی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ زیدا ضربتہ کی اصل ضربت زیدا ہے کیونکہ فعل مفسّر کو حذف کرنے کے بعد حذف سے پیدا ہونے والے ابہام کو دور کرنے کیلئے مفسّر لایا گیا ہے لہذا فعل مفسّر کے ہوتے ہوئے اسکو ذکر کرنے کی حاجت نہیں قولہ **اعنی ضربت غلامه**:۔☆سوال☆ضربت غلامہ فعل مقدر یعنی اھنت کیلئے کس طرح مفسّر ہوگا☆جواب☆ زید کی اھانت عام ہے خواہ ضرب کے ذریعے ہو یا گالی گلوچ اور زجر وتوبیخ کے ذریعے لہذا ضربت غلامہ اس اھانت مبہمہ کی تفسیر کرکے اس کے لئے مفسّر بن گیا ہے ۔

ثم ان الاسم الواقع فی مظانّ الاضمار علی شریطة التفسیر اما المختار او الواجب فیه الرفع او النصب او یستوی فیه الامران والی هذه الصور الخمس اشار المصؔ فقال **ویُختار فی الاسم المذکور الرفعُ بالابتداء** ای بکونه مبتدأ لانّ تجرده عن العوامل اللفظیة یصحح رفعه بالابتداء **ویرجح عند عدم قرینة خلافه** ای قرینة ترجح خلاف الرفع یعنی النصب لان قرینتی الصحة فیهما متساویتان لان وجود ماله صلاحیة التفسیر قرینة مصححةٌ للنصب فمتی لم ترجح النصب قرینةٌ اخری یُرجح الرفعُ بسلامته عن الحذف نحو زید ضربته

پھر وہ اسم جو اضمار علی شریطۃ التفسیر کے گمان کی جگہ میں واقع ہو اس میں مختار یا واجب رفع ہے یا نصب یا اس میں دونوں برابر ہیں اور انہیں پانچ صورتوں کی طرف مصنف علیہ الرحمۃ نے اشارہ کیا پس کہا (اور مختار ہے) اسم مذکور میں (رفع ابتداء کی وجہ سے) یعنی اس اسم کے مبتدا ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کا عوامل لفظی سے خالی ہونا اس کے رفع کو مبتدا ہونے کی وجہ صحیح قرار دیتا ہے اور رفع کو ترجیح دی جائیگی (خلاف رفع کے قرینہ کے نہ ہونے کے وقت) یعنی ایسا قرینہ جو خلاف رفع یعنی نصب کو ترجیح دے کیونکہ دونوں قرینے رفع اور نصب کے ان میں برابر ہیں اس لئے کہ اس چیز کا وجود جس کیلئے تفسیر کی صلاحیت ہے نصب کو صحیح قرار دینے والا قرینہ ہے تو جب تک نصب کو کوئی دوسرا قرینہ ترجیح نہ دے تو سلامتی من الحذف کی وجہ سے رفع کو ترجیح دی جائیگی جیسے زیدٌ ضربتہ

علیہ موجود ہے. قولہ **ثم ان الاسم الواقع**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ما اضمر عاملہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ وجوبا منصوب ہوتا ہے لہذا مصنف کا قول **ویختار الرفع** صحیح نہیں کیونکہ وجوبا منصوب میں رفع مختار ہونا نحو کے قاعدہ اور قانون کے خلاف ہے. شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے ما اضمر عاملہ میں رفع کے مختار ہونے کا نہیں کہا کیونکہ اسکا رفع تو جائز ہی نہیں بلکہ مختار رفعہ سے مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد یہ ہے کہ جس اسم کے متعلق بادی الرائی میں یہ گمان ہو کہ یہ از قبیل ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے اگرچہ واقع اور نفس الامر میں وہ از قبیل ما اضمر عاملہ نہ ہو تو اس اسم میں رفع مختار ہے یا واجب ہے یا نصب مختار یا واجب ہے یا اس اسم میں دونوں یعنی رفع ونصب برابر ہیں اور انہیں پانچ صورتوں کیطرف مصنف علیہ الرحمۃ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جو اسم اضمار علی شریطۃ التفسیر کے مظان اور گمان میں ہو اسمیں رفع مختار ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اس کے مرفوع بالابتدا ہونے کا قرینہ مصححہ ہے اور خلاف رفع کے قرینہ مرجحہ کے نہ ہونے کی صورت میں یعنی نصب کے قرینہ مرجحہ کے نہ ہونے کے وقت رفع راجح اور مختار ہوگا کہ بصورت رفع کچھ حذف نہیں کرنا پڑتا. قولہ **لان قرینتی الصحة**:۔ یہ رفع کے مختار ہونے کی علت ہے یعنی اس صورت میں رفع اس لئے مختار ہے کہ اسم مذکور میں رفع کی صحت اور نصب کی صحت کے قرینے تو متساوی اور برابر ہیں کیونکہ عوامل لفظیہ سے خالی ہونا صحت رفع کا قرینہ ہے اور اسم مذکور کے بعد ایسے فعل کا موجود ہونا جسمیں فعل محذوف کی تفسیر کی صلاحیت ہے یہ صحت نصب کا قرینہ ہے پس جب نصب کو کسی دوسرے قرینے نے ترجیح نہ دی تو رفع ترجیح پا جائیگا کہ رفع میں سلامتی من الحذف ہے اسلئے رفع مختار ہے جیسے زیدٌ ضربتہ میں. رہی یہ بات کہ رفع کی صورت میں خلاف اصل کا ارتکاب لازم آتا ہے اور وہ یہ کہ خبر جملہ ہو

او عند وجود القرینة المرجحة من الجانبین ولکن تکون القرینة المرجحة للرفع اقوی منها ای من تلک القرینة المرجحة للنصب کَاَمَّا الداخلة علی ذٰلک الاسم مع غیر الطلب ای بشرط ان لا یکون الفعل المشتغل عنه طلبا کالامر والنهی والدعاء نحو لقیت القوم واما زید فاکرمته فالعطف علی الفعلیة قرینة النصب وکلمة اما قرینة الرفع وهی اقوی لانها لا یقع بعدها غالبا الا المبتدأ بخلاف عطف الاسمیة علی الفعلیة فانه کثیر الوقوع فی کلامهم مع انها تأیدت بالسلامة عن الحذف ایضا وانما قال مع غیر الطلب احترازا عما اذا کانت مع الطلب نحو اما زیداً فاضربه فان المختار حینئذٍ هو النصب فان الرفع یقتضی وقوع الطلب خبرا وهو لا یجوز الا

(یا بوقت پائے جانے) ایسے قرینہ کے جو جانبین سے مرجح ہو لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ (اس سے اقوی ہو) یعنی اس قرینہ سے جو نصب کیلئے مرجح ہے (جیسے اما) جو اُس اسم پر داخل ہو (ہمراہ غیر طلب کے) یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ فعل جو اس اسم سے اعراض کرنے والا ہے طلب نہ ہو جیسے امر، نہی اور دعا ہے جیسے لقیت القوم واما زیدٌ فاکرمتہ پس جملہ فعلیہ پر عطف نصب کا قرینہ ہے اور کلمہ اما رفع کا قرینہ ہے اور یہ رفع کا قرینہ اقوی ہے کیونکہ کلمہ اَمّا کے بعد غالبا مبتدا ہی واقع ہوتا ہے برخلاف جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ پر عطف کے کہ وہ کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے باوجود اس بات کے کہ یہ قرینہ سلامت عن الحذف کی وجہ سے بھی تائید پاتا ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے مع غیر الطلب کہا اُس اَمّا سے احتراز کرنے کیلئے جب کہ وہ طلب کے ساتھ ہو جیسے اَمّا زیداً فاضربہ. پس اس وقت نصب ہی مختار ہے کیونکہ رفع طلب کے خبر واقع ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور وہ خبر ہونا جائز نہیں مگر

جائیگی جبکہ خبر میں اصل افراد ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ خبر کا جملہ ہونا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ مسند اور مسند الیہ کو حذف کرنا دشوار ہے. **قولہ او عند وجود اقوی منها**:۔ یہ رفع کے مختار ہونے کی دوسری صورت کا بیان ہے کہ رفع ونصب دونوں کا قرینہ مرجحہ موجود ہو مگر رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے اقوی ہو جیسے لفظ اَمّا جو اسم مذکور پر داخل ہو تو یہ رفع کا قرینہ اقوی ہے بشرطیکہ وہ فعل جو اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے وہ ایسا فعل نہ ہو جسمیں طلب کے معنی ہوں جیسے امر، نہی اور دُعا کیونکہ اگر فعل میں طلب کے معنی ہوئے تو پھر نصب مختار ہوگا جیسے لَقِیتُ القَومَ وَاَمّا زیدٌ فَاَکرَمتُہٗ اس مثال میں اَمّا زیدٌ کا عطف جملہ فعلیہ پر زید کے نصب کا قرینہ مرجحہ ہے کہ معطوف علیہ بھی جملہ فعلیہ ہے پس یہ جملہ فعلیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف ہو جائیگا اور کلمہ اَمّا زید کے رفع کا قرینہ مرجحہ ہے اور یہ رفع کا قرینہ نصب کے قرینہ سے اقوی ہے کیونکہ کلمہ اَمّا کے بعد غالبا مبتدا واقع ہوتا ہے بخلاف عطف الاسمیۃ علی الفعلیۃ کے کہ یہ کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے پس کلمہ اَمّا رفع کا قرینہ اقوی ہے لہٰذا زید کا رفع مختار ہے پھر زید کو مرفوع پڑھنے میں سلامت عن الحذف ہے جو کلمہ اَمّا کا مؤید ہے. **قولہ وانما قال**:۔ یعنی مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا کلمہ اَمّا طلب کیلئے نہ ہو یہ احتراز ہے اس صورت سے کہ اَمّا کے بعد فعل طلب ہو جیسے لقیت القوم واما زیدا فاضربہ. پس اس صورت میں اسم مذکور کا نصب مختار ہے

قولہ کالامر والنهی:۔ شارح نے استفہام اور تمنی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ طلب میں یہ بھی داخل ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ماضمر عاملہ کی تعریف میں یہ معتبر ہے کہ اسکے بعد واقع ہونے والے فعل کی اس پر تسلیط درست ہو اور کلمہ استفہام وتمنی کے بعد واقع فعل کی اس کے ماقبل پر تسلیط درست نہیں کہ وہ صدارت کے مقتضی ہیں لہٰذا یہ محل فیہ سے

بتاویل ومثل اما مع غیر الطلب اذا الواقعة علی الاسم المذکور للمفاجاة فی کونھا من اقوی القرائن مثل خرجتُ فاذا زید یضربه عمرو فان المختار فیه الرفع فان اذا للمفاجاة لاتدخل لا علی الجملة الاسمیة غالبا وما وقع فی بحث الظروف من ان اذا للمفاجاة تلزم بعدھا الاسمیة فالمراد بلزوم الاسمیة غلبة وقوعھا بعدھا فلا تناقض ویختار النصب فی الاسم المذکور بالعطف ای بسبب عطف جملة ھو فیھا علی جملة فعلیة مقدمة للتناسب ای لرعایة التناسب بین الجملة المعطوفة والجملة المعطوف علیھا فی کونھما فعلیتین نحو خرجتُ فزید القیته وبعد حرف النفی بمعنی ما ولا وان

تاویل کے ساتھ (اور) اَمامع غیر الطلب کی مثل (اذا ہے) جو اسم مذکور پر واقع ہو (مفاجات کیلئے) ہونے میں اذا کے رفع کے اقوی قرائن میں سے جیسے خرجت فاذا زیدٌ یضربہ عمروٌ پس اس مثال میں رفع مختار ہے کیونکہ اذا مفاجاتیہ غالبا جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور وہ جو بحث ظروف میں واقع ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد جملہ اسمیہ لازم ہے تو لزوم اسمیہ سے مراد اذا کے بعد جملہ اسمیہ کا غالب وقوع ہے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارتوں میں تناقض نہیں (اور مختار ہے نصب) اسم مذکور میں (عطف سے) یعنی بسبب عطف کرنے اس جملہ کے جس میں وہ اسم ہے (جملہ فعلیہ پر) جو مقدم ہے (تناسب کیلئے) یعنی جملہ معطوفہ اور جملہ معطوف علیہا کے درمیان رعایت تناسب کیلئے ان دونوں کے فعلیہ جملے ہونے میں جیسے خرجت فزیدا لقیتہ (اور حرف نفی کے بعد) یعنی ما اور لا ان کے بعد

کیونکہ رفع اس بات کا متقضی ہے کہ جملہ طلبیہ زیدٌ کی خبر ہو اور جملہ طلبیہ تاویل کے بغیر خبر نہیں بن سکتا لہذا بغیر تاویل کے اعراب کی جو صورت بن سکتی ہے یعنی زید کا نصب اسی کو اختیار کریں گے۔ قولہ **ومثل اما مع غیر الطلب اذا**: یہ قرینہ اقوی کے موضع ثانی کا بیان ہے یعنی اما مع غیر الطلب کی مثل اذا ابرائے مفاجاۃ بھی رفع کا قرینہ اقوی ہے جیسے خرجت فاذا زیدٌ یضربہ عمر کیونکہ اذا ابرائے مفاجاۃ غالبا جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے کہ یہ فاء جزائیہ کے قائم مقام ہوتا ہے اور فاء جملہ اسمیہ میں واجب ہے لہذا زید کا رفع مختار ہے تا کہ یہ جملہ اسمیہ بن سکے۔ قولہ **وما وقع**: ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد رفع واجب ہونا چاہئے کیونکہ مصنف علیہ الرحمۃ نے بحث ظرف میں کہا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا لازم ہے اور مبتدا کو رفع لازم ہے تو رفع واجب ہوا۔ شارح نے جواب دیا کہ بحث ظرف میں مصنف علیہ الرحمۃ نے جو لزوم بعد واقع کہا ہے اس لزوم سے کثرت استعمال مراد ہے لزوم حقیقی اور وجوب مراد نہیں لہذا مصنف کے کلام میں تعارض نہیں۔ قولہ **ویختار النصب**: ۔ یعنی جو اسم اضمار علی شریطۃ التفسیر کے مظان میں واقع ہو اس کا نصب مختار ہے اول اس صورت میں کہ جس جملہ میں اسم مذکور واقع ہے اس کا عطف جملہ فعلیہ متقدمہ پر کیا جائے تا کہ دونوں جملے متناسب ہو جائیں جیسے خرجت فزیدا لقیتہ۔ دوم۔ اس صورت میں کہ اسم مذکور حرف نفی ما، لا اور ان کے بعد واقع ہو جیسے ما زیدا ضربتہ کیونکہ ان حروف کا فعل پر داخل ہونا بنسبت اسم کے کثیر ہے تو گویا کہ یہ اسم فعل محذوف سے منصوب ہے

نہ ہوئے۔ قولہ **غلبۃ وقوعھا**: ۔ بعض نے کہا کہ اس جگہ لزوم سے مراد وجوب ہی ہے اور یہاں پر جو اذا کے بعد رفع مختار ہے یہ اس سے مستثنی ہے۔ (محرم)

ولیس لم ولمّا ولن من هذه الجملة اذهی عاملة فی المضارع ولا یقدر معمولها لضعفها فی العمل نحو ما زیداً ضربته ولا زیداً ضربته ولا عمراً وان زیداً ضربته الا تادیبا وبعد حرف الاستفهام نحو ازیداً ضربته وانما قال حرف الاستفهام لانه یُختار الرفع فی اسم الاستفهام مثل من اکرمه ولم یقل همزة الاستفهام لیشمل مثلَ هل زیداً ضربتَه فانه یجوز وان استقبحه النحاة

اور لم اور لما اور لن اس جملہ سے نہیں ہیں کیونکہ یہ فعل مضارع میں عامل ہیں اور ان کا معمول مقدر نہیں کیا جاتا ان کے عمل میں ضعیف ہونے کی وجہ سے جیسے ما زیداً ضربتہ ولا زیداً ضربتہ ولا عمراً وان زیداً ضربتہ الا تادیبا (اور حرف استفہام کے بعد) جیسے أزیداً ضربتہ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے حرف استفہام کہا اس لئے کہ اسم استفہام میں رفع مختار ہے جیسے من أکرمہ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے ہمزۃ الاستفہام نہیں کہا تا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول ہل زیداً ضربتہ کی مثل کو شامل ہو جائے ۔کیونکہ یہ مثال جائز ہے اگرچہ نحویوں نے اسکو قبیح کہا ہے

قولہ **ولیس لَمْ ولمّا** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لم ،لمّا اور لن یہ تینوں حرف نفی ہیں تو کیا ان کے بعد بھی اسم مذکور کو فعل مقدر کی وجہ سے نصب مختار ہے شارح نے جواب دیا کہ یہ تینوں اس قبیلہ سے نہیں اس لئے کہ یہ فعل مضارع میں عمل کرتے ہیں اور ان کا معمول فعل مضارع مقدر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ حروف عمل میں ضعیف ہیں جسکی وجہ سے صرف معمول مذکور میں عمل کرتے ہیں لہٰذا ان میں سے کسی ایک کے بعد اسم مذکور منصوب نہیں ہوگا اور وجہ ان کے عمل میں ضعیف ہونے کی یہ ہے کہ یہ فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل نہیں کرتے جو عمل میں اصل ہے بلکہ لم اور لما بمشابہت إن شرطیہ کے عمل کرتے ہیں کہ إن شرطیہ ماضی کو مضارع کے معنی کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور لم ولما مضارع کو ماضی کے معنی کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اور لن ،أن مصدریہ کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے یعنی ان تینوں کا عمل فعل کی مشابہت کی وجہ سے نہیں ہے اس لئے یہ عمل میں ضعیف ہیں پس ان کا معمول مقدر نہیں ہوتا قولہ **نحو ما زیداً ضربته** :۔اس مثال میں اسم مذکور ما نافیہ کے بعد واقع ہے لہٰذا اسکو نصب مختار ہے اور لا زیداً ضربتہ ولا عمراً میں اسم مذکور لا نافیہ کے بعد واقع ہے لہٰذا اسکو نصب مختار ہے اور إن زیداً ضربتہ الا تادیبا میں وہ اسم إن نافیہ کے بعد واقع ہے اس لئے اس اسم کو نصب مختار ہے قولہ **وحرف الاستفهام:** ۔شارح نے لفظ بعد کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے حرف الاستفہام مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "حرف النفی" پر معطوف ہے یعنی حرف استفہام کے بعد بھی اسم مذکور کو نصب مختار ہے جیسے **أزیداً ضربته** کیونکہ حرف استفہام کا فعل پر داخل ہونا اولیٰ ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے حرف استفہام اس لئے کہا ہے کہ جو اسم معنی استفہام کو متضمن ہو اسکو رفع مختار ہے جیسے **مَن اکرمته** میں مَن استفہامیہ کو رفع مختار ہے نہ کہ نصب قولہ **ولم یقل همزة الاستفهام:** ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے بعد ہمزۃ الاستفہام کیوں نہیں کہا؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ اس لئے نہیں کہا کہ اسکا قول **حرف الاستفهام هل زیداً ضربته** کی مثل کو شامل ہو جائے کہ اسمیں بھی زید کو نصب مختار ہے کیونکہ یہ مثال جائز ہے اگرچہ نحات نے اسکو قبیح قرار دیا ہے یعنی نحات کے نزدیک اگرچہ لفظ ہل کے بعد فعل کا حذف قبیح ہے لیکن جب اسکے بعد فعل نہ ہو تو ہل کے بعد اسم کا نصب مختار ہے نصب قبیح نہیں اور مثال کی تقدیر یہ ہوگی ہل ضربتَ زیداً ضربتہ

قولہ **لانه یختار الرفع** :۔یعنی اگر اسم مذکور اور اسم استفہام دونوں ایک ہوں یعنی اسم مذکور کے اسم استفہام کے بعد واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم مذکور معنی استفہام کو متضمن ہو جیسے مَن اکرمتہ ورنہ اس مثال میں اسم مذکور اسم استفہام کے بعد واقع نہیں ہے تو اس صورت میں اسم استفہام میں رفع مختار ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے۔

لاقتضاء هل لفظ الفعل لانه بمعنی قد فی الاصل فلایکفی فیه تقدیر الفعل وبعد اذا الشرطیة الدالة علی المجازاة فی الزمان نحو اذا عبدالله تلقه فاکرمه وبعد حیث الدالة علی المجازاة فی المکان نحو حیث زیدا تجده فاکرمه وفی ماقبل الامر والنهی بمعنی موضع وقوع الاسم المذکور قبل الامر والنهی مثل زیدا اضربه وزیدا لاتضربه وانما اختیر فی هذه المواضع ای مابعد حرف الاستفهام والنفی واذا الشرطیة وحیث وماقبل الامر والنهی النصبُ فی الاسم المذکور اذهی ای هذه المواضع مواقع الفعل ای مواضع وقوع الفعل فیها اکثر فاذا نُصب الاسم المذکور وقع فیها الفعل تقدیرا والافلا وکذلک یُختار النصب فی الاسم المذکور

کیونکہ کلمہ ھل لفظ فعل کا تقاضا کرتا ہے کہ ھل اصل میں بمعنی قد ہے لہذا ھل میں تقدیر فعل کافی نہیں (اور) بعد (اذا شرطیہ کے) جو کہ مجازات فی الزمان پر دلالت کرنے والا ہے جیسے اذا عبداللہ تلقہ فاکرمہ (اور) بعد (حیث کے) جو کہ مجازات فی المکان پر دلالت کرنے والا ہے جیسے حیث زیدا تجدہ فاکرمہ (اور امر و نہی) کے ماقبل (میں) یعنی اسم مذکور کے امر اور نہی سے پہلے واقع ہونے جگہ میں جیسے زیدا اضربہ اور زیدا لاتضربہ اور ان مواضع میں یعنی حرف استفہام اور نفی اور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر و نہی سے پہلے اسم مذکور میں نصب پسند کی گئی ہے (کیونکہ یہ) یعنی یہ مواضع (فعل کے مواضع ہیں) یعنی یہ ایسے مواضع ہیں جن میں فعل کا واقع ہونا اکثر ہے پس جب اسم مذکور نصب دیا جائیگا تو ان مواضع میں فعل تقدیراً واقع ہوگا ورنہ تو نہیں (اور) اسی طرح اسم مذکور میں نصب مختار ہے

قولہ **لاقتضاء هل** :۔ یہ مذکورہ مثال یعنی ھل زیدا ضربتہ کے قبیح ہونے کی علت ہے یعنی یہ مثال اس لئے قبیح ہے کہ لفظ ھل اصل وضع میں بمعنی قد ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ **هل اتی علی الانسان** میں ھل بمعنی قد تحقیقیہ ہے ای **قد اتی علی الانسان حین** .پس قد کی مثل ھل کو تقدیر فعل کافی نہیں لیکن یہ جائز مع القبح اس لئے ہے کہ مقدر کالمذکور ہوتا ہے قولہ **واذا الشرطیة** :۔ اذا شرطیہ کے بعد جو مجازات فی الزمان پر دلالت کرتا ہے اسم مذکور کو نصب مختار ہے جیسے **اذا عبدالله تلقه فاکرمه** اور حیث کے بعد بھی جو مجازات فی المکان پر دلالت کرتا ہے جیسے **حیث زیدا تجده فاکرمه** .اور جب اسم مذکور امر و نہی سے پہلے واقع ہو تو اسکو نصب مختار ہے جیسے **زیدا اضربه** اور **زیدا لا تضربه** جن کی تقدیر **اضرب زیدا اضربه** اور **لاتضرب زیدا لاتضربه** ہے قولہ **وانما اختیر** :۔ یہ صیغہ مجہول ہے یعنی اسم مذکور اگر حرف استفہام یا حرف نفی یا اذا شرطیہ اور لفظ حیث کے بعد واقع ہو یا امر و نہی سے پہلے واقع ہو تو اسکو نصب مختار ہے اس لئے کہ یہ مواضع فعل کے واقع ہونے کے مقامات ہیں یعنی اکثر ان مقامات میں فعل واقع ہوتا ہے جو نصب کا قرینہ مرجحہ ہے .پس جب ان مواضع میں اسم مذکور نصب دیا جائیگا تو ان میں فعل تقدیراً ہوگا اور اکثر کے مطابق ہو جائیگا اور اگر اسم مذکور کو مبتدا ہونے کی بنا پر رفع دیا جائیگا تو پھر فعل مقدر نہیں کیا جاسکے گا کہ یہ اسم عامل معنوی کی وجہ سے مرفوع ہے اور اسکو کسی دوسرے عامل کی حاجت نہیں تو عمل بالقلیل ہوگا اور ظاہر ہے کہ عمل بالاکثر مختار ہے اسلئے مواضع مذکورہ میں اسم مذکور کو نصب مختار ہے تاکہ اکثر اور مختار پر عمل ہو جائے .اور القلیل کالمعدوم سے احتراز ہو جائے.

عند خوف لبس المفسّر ای التباس ماھو مفسر فی حال النصب لکن لا من حیث ھو مفسّر فی ھذہ الحال بل من حیث ھو خبر فی حال الرفع بالصفۃ فلا یُعلم انہ خبر عن الاسم المذکور فی حال الرفع مع موافقتہ للمعنی المقصود او صفۃٌ لہ مع مخالفتہ للمعنی المقصود فالالتباس انما ھو بین خبریۃ ذات ما ھو مفسر علی تقدیر النصب و وصفیتہ لا بینہ بوصف التفسیر و بین الصفۃ فان الترکیب لا یحتملھما معا

(لبس المفسر کے خوف کے وقت) یعنی اس فعل کے التباس کے وقت جو کہ حالت نصب میں مفسر بکسر سین ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فعل حالت نصب میں مفسِّر ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ فعل خبر ہے حالت رفع میں (صفت سے) پس معلوم نہ ہوگا کہ وہ فعل اسم مذکور کی خبر ہے رفعی حالت میں ہمراہ موافق ہونے فعل کے معنی مقصود کے یا وہ فعل اسم مذکور کی صفت ہے ہمراہ مخالف ہونے اس کے معنی مقصود کے پس التباس صرف اس ذات کے خبر اور صفت ہونے میں ہے جو نصب کی تقدیر پر مفسِّر ہے نہ کہ وصف تفسیر کے ساتھ اس کے اور صفت کے درمیان التباس ہے کیونکہ ترکیب ایک ساتھ دونوں کا احتمال نہیں رکھتی

قولہ عند خوف: ۔اور اسم مذکور کو اس وقت بھی نصب مختار ہے جبکہ رفع پڑھنے سے مفسِّر کا صفت کے ساتھ التباس کا اندیشہ ہو۔شارح نے لَبس کی تفسیر التباس سے کر کے اس امر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **لبس المفسر** میں لَبس بفتح لام ہے کیونکہ لُبس بضم لام اجسام میں ہوتا ہے اور مفسِّر از قبیل اجسام نہیں ہے بلکہ از قبیل معانی ہے۔قولہ **ماھو مفسر:** ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ آیت کریمہ کو التباس مفسر بالصفۃ کی مثال بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ جب **کل شیءٍ** کو مفعول مان کر نصب پڑھا جائیگا تو **خلقناہ** مفسِّر ہوگا جس میں صفت ہونے کا احتمال نہیں ہے لہذا مفسر اور صفت میں التباس کا اندیشہ ممکن ہی نہیں اور جب کل شئی کو مبتدا مان کر رفع پڑھا جائیگا تو خلقناہ مفسِّر ہوگا ہی نہیں تو مفسر اور صفت میں التباس کا اندیشہ کیسے ہوگا لہذا یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے۔شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر مفسر سے مراد مجازاً خبر ہے یعنی رفع پڑھنے کی صورت میں وہ فعل جو باعتبار ما کان یعنی حالت نصب کے اعتبار سے مفسر ہے اور فی الحال حالتِ رفع میں وہ خبر ہے اس کا صفت کے ساتھ التباس ہوگا اور یہ معلوم نہیں ہوسکے گا کہ حالت رفع میں فعل **خلقنا** اسم مذکور یعنی **کل شئی** کی خبر ہے اور آیت کے معنی وہی ہیں جو نصب کی صورت میں ہیں یعنی ہم نے ہر شئی کو اندازے سے تخلیق فرمایا ہے اور یہی معنی مقصود ہیں یا فعل **خلقناہ کل شئی** کی صفت ہے اور بقدر مبتدا یعنی **کل شیءٍ خلقناہ** کی خبر ہے اور اس ترکیب کے خلاف مقصود معنی ہیں کیونکہ اب معنی یہ ہوسکتے کہ جس چیز کو ہم نے پیدا فرمایا وہ اندازہ سے ہے اور یہ معنی غلط ہیں جسکی وجہ آرہی ہے۔قولہ **فالالتباس:** ۔یہ گذشتہ جواب کی تفصیل ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً **کل شیءٍ** کو منصوب پڑھیں تو **خلقناہ** مفسِّر ہوگا اور اگر رفع پڑھیں تو ذات مفسر کا صفت کے ساتھ التباس کا اندیشہ ہے اگر چہ ذات مفسر یعنی خلقناہ بحالت رفع وصف تفسیر کے ساتھ متصف نہیں ہے بلکہ کل شئی مبتدا کی خبر ہے اس لئے کہ ترکیب واحد حالت واحدہ میں دونوں یعنی تفسیر اور صفت کا احتمال نہیں رکھتی کیونکہ اسم مذکور مرفوع ہوگا تو مابعد فعل میں تفسیر کا احتمال ہی باطل ہوگا اور منصوب ہوگا تو صفت کا احتمال ہی ختم ہوجائیگا۔

قولہ عند خوف لبس المفسر: ۔☆سوال☆مصنف نے عند لبس المفسر کیوں نہیں کہا؟ جبکہ یہ مختصر ہے۔☆جواب☆لبس کی دو قسموں لبس تحقیقی اور لبس توہمی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے۔لبس تحقیقی وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں احتمال برابر ہوں اور لبس توہمی وہاں ہوتا ہے جہاں ایک احتمال راجح ہو تو یہاں توہم اور خوف لبس ہے

مثل قوله تعالی انا کل شیٔ خلقناه بقدرٍ بنصب کل علی الاضمار بشریطة التفسیر ولو رُفع بالابتداء و جُعل خلقناه خبراله کان موافقا للنصب فی اداء المقصود لکن خیف لبسه بالصفة لاحتمال کون قوله تعالی خلقناه صفة لشیٔ وقوله بقدر خبراله وهو خلاف المقصود فان المقصود الحکمُ علی کل شیٔ بانه مخلوق لنابقدر لا الحکم علی کل شیٔ مخلوق لنا انه بقدر فانه یوهم کون بعض الاشیاء الموجودة غیر مخلوق لله تعالی کماهو مذهب المعتزلة فی الافعال الاختیاریة للعباد ویستوی الامران ای الرفع والنصب فللمتکلم ان یختار کل واحد منهما بلاتفاوت فی مثل زیدٌقام وعمرًا اکرمتُه ای عنده اوفی داره ونحو ذٰلک

(جیسا کہ) اللہ تعالی کا ارشاد ہے (انا کل شیٔ خلقناہ بقدر) ساتھ نصب کل کے اضمار بشرط تفسیر کی بناپر اور اگر لفظ کل کو مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع دیا جائے اور خلقناہ کو اسکی خبر قرار دیا جائے تو یہ معنی مقصود کے ادا کرنے میں کل کی نصب کے موافق ہوگا لیکن خوف کیا گیا اُسکے التباس کا صفت کے ساتھ اس احتمال کے پیش نظر کہ خلقناہ، شیٔ کی صفت ہو اور بقدر مبتدا کی خبر ہو اور وہ خلاف مقصود ہے کیونکہ آیت سے مقصود ہر چیز پر یہ حکم لگانا ہے کہ وہ ہماری مخلوق ہے اندازے کے ساتھ مقصود اس بات کا حکم نہیں کہ جو ہماری مخلوق ہے وہ اندازے کے ساتھ ہے کیونکہ یہ حکم بعض اشیاء موجودہ پر اللہ تعالی کے مخلوق نہ ہونے کا وہم دلاتا ہے جیسا کہ وہ بندوں کے افعال اختیاریہ کے متعلق معتزلہ کا مذھب ہے (اور دونوں امر برابر ہیں) یعنی رفع اور نصب لہذا متکلم ان دو میں سے جسکو چاہے بلاترجیح اختیار کرے (زید قام وعمرا اکرمتہ کے مثل میں) یعنی عندہ یا فی دارہ یا اس کا مثل

قولہ **مثل قوله تعالی انا کل شیٔ خلقناه بقدر** :۔اس میں **کل** منصوب پڑھا گیا ہے بنابر اضمار علی شریطۃ التفسیر کے پس اگر **کل شیٔ** کو رفع پڑھا جائے مبتدا ہونے کی بناپر اور **خلقناه** کو اسکی خبر بنایا جائے تو یہ ترکیب معنی مقصود کے ادا کرنے میں حالت نصب کے موافق ہو جائیگی اور معنی ہونگے کہ ہر چیز کو ہم نے اندازہ پر پیدا فرمایا ہے اور یہ معنی صحیح ہیں لیکن یہ احتمال ہے کہ **خلقناه** ، **کل شیٔ** کی صفت ہو اور مبتدا کی خبر **بقدر** ہو. پس اس ترکیب سے خلاف مقصود معنی مستفاد ہونگے کہ اس ترکیب کے معنی یہ ہونگے کہ جس کو ہم نے پیدا کیا ہے وہ اندازے سے ہے جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ کچھ اشیاء موجودہ خدا تعالی کی پیدا کردہ نہیں ہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذھب ہے کہ بندوں کے افعال اختیاریہ اللہ تعالی کے پیدا کردہ نہیں ہیں. قولہ **ویستوی الامران** :۔اور دونوں امر یعنی رفع اور نصب برابر ہیں اور متکلم جسکو چاہے اختیار کرے زید قام وعمرا اکرمتہ کی مثل میں. شارح نے عندہ او فی دارہ کے ساتھ تفسیر کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **وعمرا اکرمته** کا جملہ صغری یعنی قام پر عطف جائز نہیں کیونکہ جملہ صغری میں ضمیر راجع بسوئے مبتدا موجود ہے جبکہ جملہ معطوفہ ضمیر راجع بسوئے مبتدا سے خالی ہے حالانکہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے. شارح نے جواب دیا کہ جملہ معطوفہ میں ضمیر راجع بسوئے مبتدا مقدر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے **وعمرا اکرمته عنده یا وعمرا اکرمته فی داره** لہذا جملہ صغری پر عطف صحیح ہے اور ضمیر مقدر ہے ورنہ عطف جائز نہیں ہوگا.

تحقیق لبس مراد نہیں ورنہ اسکو ختم کرنے کیلئے نصب واجب ہوگا (جامع) قولہ **وللمتکلم** :۔اس عبارت میں شارح نے یہ واضح کیا ہے کہ استواء امرین سے مراد وجود

والا لایصح العطف علی الصغری لعدم الضمیر ای یستوی الامران فیما اذا عطفت الجملة التی وقع فیھا الاسم المذکور علی جملةذات وجھین ای جملة اسمیة خبرھا جملةً فعلیة فیصح رفعه بالابتداء ونصبه بتقدیر الفعل والوجھان مستویان لحصول التناسب فیھما ففی الرفع تکون اسمیة فتعطف علی الجملة الکبری وھی اسمیة وفی النصب تکون فعلیة فتعطف علی الصغری وھی فعلیة فان قلت السلامة عن الحذف مرجحة للرفع قلنا ھی معارَضة بقرب المعطوف علیه

ورنہ اکرمتہ کا صغری (قام) پر عطف صحیح نہیں ہوگا ضمیر کے نہ ہونے کی وجہ سے یعنی دونوں امر برابر ہیں ہر اس ترکیب میں جس میں اس جملہ کا عطف کیا جائے جس میں اسم مذکور واقع ہے ایسے جملہ پر جوذات وجہین ہے یعنی اس جملہ اسمیہ پر جسکی خبر جملہ فعلیہ ہے تو اس اسم کا رفع صحیح ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے اور اس کی نصب تقدیر فعل کی وجہ سے اور دونوں مستوی ہیں ان میں حصول مناسبت کی وجہ سے پس رفع کی صورت میں جملہ اسمیہ ہوگا لہٰذا کبری پر معطوف کیا جائیگا اور جملہ کبری اسمیہ ہے اور نصب کی صورت میں جملہ فعلیہ ہوگا پس جملہ صغری پر معطوف کیا جائیگا اور وہ جملہ فعلیہ ہے پھر اگر تم کہو کہ مثال مذکور میں حذف سے سلامتی رفع کا قرینہ مرجحہ ہے تو ہم جواب دیںگے کہ یہ سلامتی عن الحذف قرب معطوف علیہ کے

قولہ **والا لایصح**:۔ یعنی وعمرا اکرمتہ میں عندہ یا فی دارہ یا اس کی مثل کی تقدیر ضروری ہے ورنہ جملہ صغری پر اس کا عطف درست نہیں ہوگا اس لئے کہ جملہ صغری یعنی قام میں ضمیر راجع بسوئے مبتدا موجود ہے مگر عمرا اکرمتہ ضمیر راجع بسوئے مبتدا سے خالی ہے جبکہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس لئے بھی صغری پر عطف صحیح نہیں کہ بصورت عطف عمرا اکرمتہ مبتدا کی خبر قرار پائے گا حالانکہ جملہ ضمیر راجع بسوئے مبتدا سے خالی ہے جبکہ خبر جملہ میں عائد ضروری ہے. قولہ **ای یستوی الامران فیما**:۔ یعنی اسم مذکور میں رفع اور نصب اس ترکیب میں برابر ہیں جسمیں اسم مذکور پر مشتمل جملہ کا عطف ایسے جملہ اسمیہ پر ہو جوذات وجہین ہے یعنی ایسا جملہ اسمیہ ہے جسکی خبر جملہ فعلیہ ہے جیسے زید قام وعمرا اکرمتہ اس ترکیب میں اسم مذکور کا رفع اسکے مبتدا ہونے اور اسکا نصب فعل مقدر کی وجہ سے دونوں صحیح ہیں کیونکہ رفع کی صوررت میں جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ کبری یعنی زید قام پر ہوجائیگا اور دونوں جملے اسمیہ ہونے میں متناسب ہوجائیں گے اور نصب کی صورت میں جملہ صغری یعنی قام پر عطف ہوجائیگا اور دونوں جملے فعلیہ ہونے میں متناسب ہوجائیں گے. قولہ **فان قلت السلامة**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **ویستوی الامران** پر کسی نے اعتراض کیا کہ مثال مذکور میں رفع کا قرینہ مرجحہ موجود ہے جو سلامت عن الحذف ہے کیونکہ نصب کی صوررت میں عامل ناصب مقدر کرنا پڑتا ہے لہٰذا قرینہ مرجحہ کی وجہ سے رفع مختار ہونا چاہئے. شارح نے جواب دیا کہ مثال مذکور میں نصب کا قرینہ مرجحہ بھی پایا جارہا ہے وہ یہ کہ جملہ صغری قریب ہے لہٰذا دونوں امر یعنی رفع اور نصب برابر ہوگئے کہ دونوں کے قرینہ مرجحہ موجود ہیں لہٰذا دونوں امر برابر ہیں جسکو چاہو اختیار کرو.

میں استواء نہیں بلکہ مراد استواء فی الاختیار ہے یعنی متکلم رفع اور نصب میں سے جس کو چاہے اختیار کرے. (کمالی) قولہ **الجملة الکبری**:۔ جملہ کبری سے مراد زید قام ہے اور اسکو جملہ کبری اس لئے کہا کہ یہ دو جملوں پر مشتمل ہے اول جملہ اسمیہ یعنی زید قام کا مجموعہ اور دوم جملہ فعلیہ جو جملہ اسمیہ کی خبر ہے یعنی قام، اور قام جملہ صغری ہے کیونکہ یہ صرف ایک جملہ ہے جو فعل اور فاعل سے مرکب ہے. (محرم) قولہ **ھی معارضة**:۔ معارضۃ بفتح الراء اسم مفعول کا صیغہ ہے نہ کہ مصدر یعنی جب سلامت من الحذف اور قرب معطوف علیہ تعارض کی وجہ سے ساقط ہوگئے تو استواء ثابت ہوگیا. (مقتر)

فان قلت لاتفاوت فی القرب والبعد بینهما اذا الکبری ایضا قریبة غیر مفصولة عنها قلنا هذا باعتبار المنتهی واما باعتبار المبدأ فالصغری اقرب ویجب النصب ای نصب الاسم المذکور بعد حرف الشرط والمراد ههنا اِن ولو فاِنّ اَمّا وان کانت من حروف الشرط فحکمها ماسبق من اختیار الرفع مع غیر الطلب واختیار النصب مع الطلب وکذا یجب نصبه بعد حرف التحضیض وهو هلّا واَلّا ولَولا ولَوما وانما وجب النصب بعدهما لوجوب دخولهما علی الفعل لفظا او تقدیرا نحو ان زیدا ضربته ضربک مثال لحرف الشرط والازیدا ضربته مثال لحرف التحضیض

معارض پھر اگر تم کہو کہ ان دونوں کے درمیان قرب وبعد میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ جملہ کبری بھی قریب ہے اس سے جدا نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ یہ عدم تفاوت منتہی کے اعتبار سے ہے رہا مبدأ کے اعتبار سے تو صغری اقرب ہے (اور نصب واجب ہے) یعنی اسم مذکور کی (بعد حرف شرط کے) اور حرف شرط سے مراد یہاں اِن اور لو ہے کیونکہ امّا اگرچہ حروف شرط سے ہے پس اس کا حکم وہی ہے جو گذر چکا ہے یعنی رفع کا مختار ہونا غیر طلب کے ساتھ اور نصب کا مختار ہونا طلب کے ساتھ (اور) اسی طرح اسم مذکور کی نصب واجب ہے (حرف تحضیض کے) بعد اور وہ ھلا اور الّا اور لولا اور لوما ہیں اور حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد نصب اس لئے واجب ہے کہ ان کا دخول فعل پر واجب ہے خواہ فعل لفظا ہو یا تقدیرا (جیسے ان زیدا ضربتہ ضربک) یہ حرف شرط کی مثال ہے (اور الّا زیدا ضربتہ) یہ حرف تحضیض کی مثال ہے

قولہ **فان قلت لاتفاوت:** ۔شارح کے قول **بقرب المعطوف علیه** پر اعتراض کیا گیا ہے کہ زید قام وعمرا اکرمتہ میں جملہ کبری اور جملہ صغری دونوں جملہ معطوفہ کے قریب ہیں کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی فاصل نہیں ہے۔ لہذا قرب معطوف علیہ کو نصب کا قرینہ مرجحہ قرار دینا درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ ہم یہ کہیں گے کہ قرب وبعد کا عدم تفاوت منتہی کے اعتبار سے ہے لیکن مبدأ کے اعتبار سے جملہ صغری قریب ہے اور جملہ کبری بعید ہے کیونکہ صغری کا مبدأ قام کا قاف ہے اور کبری کا مبدأ زید کی زاء ہے۔ قولہ **ویجب النصب:** ۔اور اسم مذکور میں حرف شرط کے بعد نصب واجب ہے اور یہاں پر حرف شرط سے مراد صرف اِن اور لَو ہے کیونکہ امّا اگرچہ حروف شرط سے ہے مگر اس کا حکم گذر چکا ہے کہ اگر غیر طلب کے ساتھ ہو تو اسکے بعد اسم مذکور کا رفع مختار ہے اور اگر فعل طلب کے ساتھ ہو تو اسکے بعد نصب مختار ہے اور حروف تحضیض کے بعد بھی اسم مذکور میں نصب واجب ہے اور حروف تحضیض ھلا وغیرہ ہیں۔ قولہ **وانما وجب النصب:** ۔اور حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد نصب اس لئے واجب ہے کہ ان کا دخول فعل پر واجب ہے خواہ وہ فعل ملفوظ ہو یا مقدر ہو جیسے اِن زیدا ضربتہ ضربک یہ حرف شرط کی مثال ہے جسکی تقدیر اِن **ضربت زیدا ضربته ضربک** ہے اور **الّا زیدا ضربته** حرف تحضیض کی مثال ہے جسکی تقدیر **الا ضربت زیدا ضربته** ہے۔

قولہ **بعد حرف الشرط:** ۔ایسے ہی وہ اسم ہے جو حرف شرط کے معنی کو متضمن ہو یعنی اسکے بعد بھی اسم مذکور کو نصب واجب ہے جیسے حتی زیدا تجدہ فاکرمہ اور این زیدا تجدہ فاکرمہ اور حیث زیدا تلقاہ فاکرمہ لیکن مصنف اور شارح نے اصل کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہوئے اسم متضمن معنی حرف شرط کا ذکر نہیں کیا یا اسکے قلیل الاستعمال ہونے کی وجہ سے۔

وليس مثل ازيدٌ ذُهب به منه اى من باب الاضمار على شريطة التفسير فان زيدا فيه وان كان يُظنُّ في بادى النظر انه مما اضمر عامله على شريطة التفسير والمختار فيه النصبُ لوقوع الاسم المذكور فيه بعد حرف الاستفهام لكن يظهر بعد تعمق النظر انه ليس منه فانه وان صدق عليه انه اسم بعده فعل مشتغل عنه بضميره لكنه ليس بحيث لو سُلط عليه هو او مناسبه لَنَصَبَه لانّ ذهب به لايعمل النصب وكذا مناسبه اعنى اُذْهِبَ فان قلت لاينحصر المناسب فى اُذْهِبَ فَلْيُقَدَّر مناسبٌ آخر ينصبه مثل يُلابس او اَذهب على صيغة المعلوم فيكون تقديره زيدا يلابسه الذهاب به او يلابسه احد بالذهاب به او اذهبه احد قلنا المراد بالمناسب مايرادف الفعل المذكور او يلازمه مع اتحاد ما اسند اليه فالاتحاد فيما ذكرته مفقود واذا كان الامر كذلك فالرفع

(اور أزیدٌ ذُھب بہ کا مثل اس سے نہیں) یعنی اضمار علی شریطۃ التفسیر سے کیونکہ اس میں لفظ زیدا گرچہ بادی النظر میں اس کے متعلق اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ یہ ما اُضمِر عاملہ علی شریطۃ التفسیر سے ہے اور اس میں نصب مختار ہے اسم مذکور کے حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے لیکن گہری نظر کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ما اُضمِر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے اگر چہ اس پر صادق آرہا ہے کہ زید اسم ہے جسکے بعد ایک فعل ہے وہ جو اسکی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم سے بے پرواہ ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہ اس فعل یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ نصب دے دے اسلئے کہ ذُھب بہ نصب کا عمل ہی نہیں کرتا اور ایسے ہی اس کا مناسب میری مراد اُذھب ہے پس اگر تم کہو کہ مناسب اُذھب میں منحصر نہیں ہے لہذا کوئی دوسرا مناسب مقدر کرلیا جائے جو زیدٌ کو نصب دے دے مثلاً یلابس یا اَذھب بصیغہ معلوم پس اس کی تقدیر زیداً یلابسہ الذھاب بہ یا یلابسہ احد بالذھاب بہ یا زیداً اذھبہ احدٌ ہو تو ہم جواب دینگے کہ مناسب سے مراد وہ فعل ہے جو فعل مذکور کا مترادف یا لازم ہو ہمراہ متحد ہونے اس کے جس کیطرف فعل مسند ہے اور جو مثال تم نے ذکر کی ہے اس میں دونوں فعلوں کا مسند الیہ ایک نہیں پس جب معاملہ اس طرح ہوا (تو رفع ہے)

قولہ **وليس مثل:**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **ازيدٌ ذُهب به** میں لفظ **زيد** بادی النظر میں **ما اضمر عامله** خیال کیا جاتا ہے پس حسب تصریح مصنف علیہ الرحمۃ کے اسکو نصب مختار ہونا چاہئے کہ ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہے حالانکہ اس کو رفع واجب ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ مثل ازید ذھب بہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں ہے اس لئے کہ اس مثال کے لفظ **زيد** کے متعلق اگرچہ بادی النظر میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ از باب اضمار علی شریطۃ التفسیر ہے اور حرف استفہام کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے اسکو نصب مختار ہونا چاہئے لیکن تعمق نظر کے بعد یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ لفظ زید اس باب سے نہیں ہے کیونکہ ما بعد فعل کو یا اس کے مناسب کو زید پر مسلط کر دیا جائے تو وہ زید کو نصب نہیں کرتا کیونکہ ذُھب فعل مجہول ہے جو کسی اسم کو بنا بر مفعولیت کے نصب نہیں کرتا اور نہ ہی ذُھب کا مناسب اُذھب نصب کرتا ہے۔ قولہ **فان قلت:**۔ شارح فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ **ذُهب** کا مناسب صرف اُذھب نہیں لہذا ذُھب کا کوئی ایسا مناسب مقدر کرلیا جائے جو زید کو نصب دیدے مثلاً یُلابِس یا اَذھب صیغہ معلوم مقدر مان لیا جائے اور تقدیر اس طرح ہو **زيداً يلابسه الذهابُ به يا زيدا يلابسه**

ای رفع زید فی المثال واجب بالابتداء ونصبه غیر جائز بالمفعولیة فلیس من باب الاضمار
علی شریطة التفسیر فکیف ممایُختار فیه النصب وکذا ای مثل ازیداً ذُهب به قوله تعالی کل
شیٍٔ فعَلوه فی الزبر ای فی صحائف اعمالهم فهو لیس من باب الاضمار علی شریطة التفسیر
لانه لو جعل منه لصار التقدیر فعلوا کلَّ شیٍٔ فی الزبر فقوله فی الزبر ان کان متعلقا بفعلوا افسد
المعنی لان صحائف اعمالهم لیست محلا لفعلهم لانهم لم یوقعوا فیها فعلا بل الکرام
الکاتبون اَوقعوا فیها کتابة افعالهم وان کان صفة لشیٍٔ مع انه خلاف ظاهر الآیة فات المعنی
المقصود اذ المقصود اَن کل شیٍٔ هو مفعول لهم کائن فی الزبر مکتوب فیها موافقا لقوله تعالی
وکل صغیر وکبیر مستطر لان کل شیٍٔ کائن فی صحائف اعمالهم مفعول لهم فالرفع لازم
علی ان یکون کل شیٍٔ مبتدأ والجملة الفعلیة صفة لشیٍٔ والجار والمجرور فی محل الرفع علی
انه خبر المبتدأ تقدیره کل شیٍٔ هو مفعول لهم ثابت فی الزبر بحیث لایغادر صغیر ولا کبیرة

یعنی مثال مذکور میں زید کا رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے واجب ہے اور نصب مفعول کی بنا پر نا جائز ہے پس وہ اضمار علی شریطۃ التفسیر سے نہ ہوا لہٰذا یہ اس
قبیل سے کیسے ہوسکتا ہے جس میں نصب مختار ہے (اور اسی طرح) یعنی اَزیدٌ ذُھب بہ کی مثل اللہ تعالیٰ کا ارشاد (کُلّ شیٔ فعلوہ فی الزبر ہے) یعنی ان
کے اعمال ناموں میں پس یہ ارشاد ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ اگر باب اضمار علی شریطۃ التفسیر سے کیا جائے تو اسکی تقدیر ہوگی فعلوا کل
شیٔ فی الزبر تو قول باری تعالیٰ فی الزبر اگر فعلوا کے متعلق ہو تو معنی فاسد ہوجائیگا کیونکہ ان کے صحائف اعمال ان کے فعل محل نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے
صحائف میں کوئی فعل واقع نہیں کیا بلکہ کراما کاتبین نے صحائف میں ان کے اعمال کی کتابت واقع کی اور اگر فی الزبر شیٔ کی صفت ہو باوجود اس بات
کے کہ صفت ہونا خلاف ظاہر آیت ہے تو معنی مقصود فوت ہوجائیگا اس لئے کہ معنی مقصود یہ ہے کہ جو کام بندوں کے کئے ہوئے ہیں وہ صحائف میں
لکھے ہوئے ہیں موافق اللہ تعالیٰ کے فرمان وکل صغیر وکبیر مستطر کے معنی مقصود یہ نہیں کہ جو عمل صحائف میں ہیں وہ انکے کئے ہوئے ہیں لہٰذا کل کا رفع
ضروری ہے اس بنا پر کہ وہ مبتدا ہو اور جملہ فعلیہ شیٔ کی صفت ہو اور جار مجرور محل رفع میں ہو خبر کی بنا پر تقدیر اس طرح ہو کل شیٔ ھو مفعول لھم ثابت فی
الزبر یعنی انکی کی ہوئی ہر چیز صحائف میں ثابت ہے اس طور پر کہ نہ کوئی چھوٹا گناہ لکھنے سے چھوڑا گیا اور نہ بڑا گناہ

اَحدٌ بالذھاب بہ یا ازیدا اَذھبہ اَحدٌ تو ہم جواب دیں گے کہ فعل مناسب سے مراد وہ فعل ہے جو اسم مذکور کے مابعد فعل کا مرادف یا لازم
ہو اور دونوں فعلوں کا مسند الیہ ایک ہو اور آپ نے جو تقدیر بتائی ہے اس میں یہ اتحاد مفقود ہے۔ پس جب معاملہ اس طرح ہے تو مثال مذکور میں واقع لفظ
زید کو رفع بنا بر مبتدا کے واجب ہے اور نصب بنا بر مفعولیت جائز ہی نہیں کہ زید اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں ہے پس اسمیں نصب مختار
کیسے ہو قولہ وکذا:۔ یعنی ازید ذُھب بہ کی مثل اللہ تعالیٰ کا ارشاد کُل شیٔ فعلوہ فی الزبر بھی اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے

واعلم انه قد سبق ان الاسم المذكور اذا كان الفعل المشتغل عنه بضميره او متعلقه امرا او نهيا فالمختار فيه النصب والظاهر ان قوله تعالى الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة داخل تحت هذه القاعدة مع ان القراء اتفقوا فيه على الرفع الا في رواية شاذة عن بعضهم فاضطر النحاة الى ان تمحلوا الاخراجه عن القاعدة المذكورة لئلا يلزم اتفاق القراء على غير المختار فاشار المصنف الى ما تمحلوا الاخراجه عنها فقال ونحو الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة

اور جان لے کہ یہ بات گذر چکی ہے کہ اسم مذکور کی ضمیر یا متعلق میں عمل کی وجہ سے اس سے اعراض کرنے والا فعل جب امر یا نہی ہو تو اس میں مختار نصب ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ارشاد باری تعالی الزانیۃ الخ اس قاعدے کے تحت داخل ہے باوجودیکہ قراء اس کے رفع پر متفق ہیں مگر صرف ایک روایت شاذہ میں ان کے بعض سے پس نحوی اس ارشاد کو قاعدہ مذکورہ سے خارج کرنے کیلئے حیلے تراشنے لگے تا کہ قراء کا غیر مختار پر اتفاق کر لینا لازم نہ آئے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے اس حیلہ کی طرف اشارہ کیا جو نحویوں کیا پس کہا کہ مبرد کے نزدیک (الزانیۃ والزانی الخ کی شکل میں)

نہیں اور زبر کے معنی ہیں بندوں کے صحائف اعمال. وجہ یہ ہے کہ اگر اس ارشاد کو از قبیل اضمار علی شریطۃ التفسیر بنائیں تو اسکی تقدیر ہوگی **فعلوا کل شیء فی الزبر** پس اگر **فی الزبر، فعلوا** کے متعلق ہو تو معنی ہونگے کہ انہوں نے اپنے سب کام اپنے اعمال ناموں میں کئے اور یہ معنی باطل ہیں کیونکہ کافروں کے اعمال نامے انکے افعال کے محل نہیں بلکہ اعمال نامے فرشتوں کی کتابت کے محل ہیں اور اگر فی الزبر کو شیء کی صفت قرار دیں جو ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ فی الزبر ظرف مستقر ہو کر مبتدا کی خبر ہو نیز اسکے ساتھ موصوف اور صفت میں فصل اجنبی سے فاصلہ ہوگا تو معنی مقصود فوت ہو جائیں گے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ کافروں نے جو کام کئے وہ انکے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں اللہ تعالی کے اس ارشاد کے مطابق **وکل صغیر وکبیر مستطر** اس سے یہ مقصود نہیں کہ جو چیز صحائف اعمال میں درج ہے وہ انکی کی ہوئی ہے کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ انکے بعض افعال صحائف میں نہیں ہیں جو خلاف مقصود ہے جب یہ ارشاد بھی ما اضمر کے قبیل سے نہ ہوا تو کل کو رفع لازم ہے اس بنا پر کہ **کل شیء** مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ شیء کی صفت ہے اور جار مجرور یعنی بقدر محل رفع میں ہے اس بنا پر کہ مبتدا کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے **کُلُّ شَیْءٍ ھُوَ مَفْعُوْلُ لَھُم ثابت فی الزبر** اس طرح کہ نہ کوئی چھوٹا گناہ لکھنے سے چھوٹتا ہے اور نہ کوئی بڑا گناہ یعنی تمام گناہ مکتوب ہیں قولہ **واعلم**:۔ اس عبارت میں شارح نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **ونحو الزانیۃ و الزانی** ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ ما قبل میں گذر چکا ہے کہ وہ اسم جو بادی النظر میں ما اضمر عاملہ ہو جب اس اسم کی ضمیر یا متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے مابعد فعل اس سے اعراض کرتا ہو اور وہ فعل امر ہو یا نہی تو اسکو نصب مختار ہے اور بظاہر **الزانیۃ والزانی** اسی قاعدہ کے تحت ہے لہذا **الزانیۃ والزانی** کو منصوب ہونا چاہئے حالانکہ قراء سبعہ اس کے رفع پر متفق ہیں سوائے ایک روایت شاذہ کے جو ساقط الاعتبار ہے اس لئے نحوی ارشاد مذکور کو قاعدہ مذکورہ سے خارج کرنے کے حیلہ پر مجبور ہوگئے تا کہ قراء سبعہ کا غیر مختار پر اتفاق لازم نہ آئے .

الفاء فيه مرتبطة بمعنى الشرط عند المبرد لكون الالف واللام في الزانية والزاني مبتدأ موصولا فيه معنى الشرط واسم الفاعل الذي هو صلة كالشرط فخبر المبتدأ كالجزاء والفاء الداخلة عليه مرتبطة بالشرط لدلالتها على سببيته للجزاء ومثل هذه الفاء لايعمل مافي حيزها في ماقبلها فامتنع تسليط الفعل المذكور بعدها على ماقبلها فتعين فيه الرفع والآية جملتان مستقلتان عند سيبويه إذ الزانية مبتدأ محذوف المضاف والزاني عطف عليه والخبر محذوف اي حكم الزانية والزاني فيما يُتلى عليكم بعد وقوله فاجلدوا جملة ثانية لبيان الحكم الموعود والفاء عنده ايضا للسببية اي ان ثبت زناهما فاجلدوا وقيل زائدة وللتفسير وجزء الجملة لايعمل في جزء جملة اخرى فيمتنع التسليط

(فاء) ربط کیلئے ہے شرط کے معنی کے ساتھ کیونکہ الزانیہ والزانی میں مبتدا اسم موصول ہے جس میں شرط کا معنی ہے اور اسم فاعل جو اس کا صلہ ہے وہ شرط کی مانند ہے اور مبتدا کی خبر جزا کی مانند ہے اور خبر پر واقع ہونے والی فاء جزا کیلئے سبب ہونے پر دلالت کرنے کی وجہ سے شرط کے ساتھ مرتبط ہے اور ایسی فاء کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کیا کرتا پس فاء کے بعد مذکور فعل کی تسلیط اسکے ماقبل پر ممنوع ٹھیری لہذا اس ارشاد میں رفع متعین ہوگیا (اور) یہ آیت مستقل (دو جملے ہیں سیبویہ کے نزدیک) اس لئے کہ الزانیہ مبتدا محذوف المضاف ہے اور الزانی اس پر معطوف ہے اور خبر محذوف ہے ای حکم الزانیہ والزانی فیما یتلی علیکم بعد اور اللہ تعالی کا فرمان فاجلدوا دوسرا جملہ ہے جو اس حکم کے بیان کیلئے ہے جس کا وعدہ کیا گیا اور فاء سیبویہ کے نزدیک بھی سببیت کیلئے ہے یعنی اگر ان دونوں کا زنا ثابت ہو جائے تو انہیں کوڑے مارو اور کہا گیا ہے کہ فاء زائدہ ہے یا تفسیر کیلئے ہے اور کسی جملہ کی جز دوسرے جملہ کی جز میں عمل نہیں کر سکتی لہذا تسلیط ممتنع ٹھیری

اور مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول **ونحو الزانية والزاني** میں اسی حیلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قولہ **الفاء**:۔ شارح کا قول **مرتبطة** بکسر باء ہے اور یہ امام مبرد کے حیلہ کا بیان ہے یعنی امام مبرد یہ کہتے ہیں کہ فاجلدوا میں فاء بمعنی شرط ہے یعنی جزا کو شرط سے مربوط کرنے والی ہے لہذا یہ ارشاد از قبیل ما اضمر عاملہ نہیں ہے اس حیلہ کی تفصیل یہ ہے کہ **الزانية والزاني** مبتدا ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے کیونکہ **الزانية و الزاني** کا لام موصولہ ہے اور جب مبتدا موصول ہو اور اسکا صلہ فعل یا ظرف ہو تو اس مبتدا میں شرط کے معنی ہوتے ہیں پس **الزانية و الزاني** کا لام موصولہ ہے اور اسم فاعل بمعنی فعل اس کا صلہ ہے اور یہ موصول صلہ ایسا مبتدا ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے اور اس مبتدا کی خبر یعنی **فاجلدوا** بمنزل جزا کے ہے اور ایسی فاء جزا کو شرط کے ساتھ مربوط کرنے کیلئے ہے کیونکہ فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شرط جزا کا سبب ہے اور ایسی فاء کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا لہذا فاء کے مابعد فعل کی اسم مذکور پر تسلیط نہیں ہو سکتی جسکی وجہ سے الزانیہ والزانی از قبیل ما اضمر عاملہ نہ ہوا اس لئے قراء سبعہ نے اسکو مرفوع پڑھا ہے۔ قولہ **والآية جملتان**:۔ امام سیبویہ نے جو حیلہ کیا ہے مصنف علیہ الرحمۃ اسکو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سیبویہ کے نزدیک آیت مذکورہ دو مستقل جملے ہیں کیونکہ **الزانية** بحذف مضاف مبتدا ہے ای **حكم الزانية** اور **الزاني** اس پر

فلا تدخل فی الضابطة لتعین الرفع والا ای وان لم تکن الفاء بمعنی الشرط ولم تکن الآیة جملتین ایضا فهی تکون داخلة تحت الضابطة فالمختار حینئذٍ فیها النصب واختیار النصب باطل لاتفاق القراء علی الرفع فلابد من جعل الفاء بمعنی الشرط او جعل الآیة جملتین لیتعین الرفع الرابع من تلک المواضع التی وجب حذف الناصب للمفعول به فیها التحذیر وانما وجب حذف الفعل فیه لضیق الوقت عن ذکره وهو فی اللغة تخویف شیء عن شیء وتبعیده منه وفی اصطلاح النحاة معمول ای اسم عمل فیه النصب بالمفعولیة بتقدیر اتق تحذیرا ای حذر ذلک المعمول تحذیرا فیکون مفعولا مطلقا او ذکر تحذیرا فیکون مفعولا له مما بعده

پس آیت ضابطہ میں داخل نہ ہوئی تو رفع متعین ہو گیا (ورنہ) یعنی اگر فاء بمعنی شرط نہ ہو اور آیت بھی دو جملے نہ ہو تو آیت ما اضمیر کے قاعدہ کے تحت داخل ہوگی (پس مختار) اس وقت اس آیت میں (نصب ہوگی) اور نصب کا مختار ہونا قراء کے رفع پر متفق ہونے کی وجہ سے باطل ہے لہٰذا فاء کو بمعنی شرط کرنا یا آیت کو دو جملے بنانا ضروری ہے تاکہ رفع متعین ہو جائے (چہارم) ان مواضع میں سے جن میں مفعول بہ کے ناصب کا حذف کرنا واجب ہے (تحذیر ہے) اور اس میں فعل کا حذف اس کے ذکر سے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے واجب ہے (اور وہ) لغت میں کسی چیز کو کسی چیز سے ڈرانا ہے اور شی اول کو شی ثانی سے دور کرنا ہے اور نحات کی اصطلاح میں (معمول ہے) یعنی وہ اسم ہے جسے مفعول کی بنا پر نصب کا عمل دیا گیا (اتق کی تقدیر کے ساتھ ڈرانے کیلئے) یعنی ڈرایا گیا ہو وہ معمول ڈرایا جانا پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "تحذیرا" مفعول مطلق ہوگا یا ذکر کیا گیا ڈرانے کیلئے پس ہوگا مفعول لہ (اس سے جو اس کے بعد ہے)

معطوف ہے اور اس مبتدا کی خبر محذوف ہے جو کہ **فیما یتلی علیکم بعد** ہے اور فاجلدوا دوسرا جملہ ہے جو حکم موعود کو بیان کر رہا ہے اور فاء سیبویہ کے نزدیک بھی سببیت کیلئے ہے یعنی شرط مقدر کا جواب ہے ای **ان ثبت زناھما فاجلدوا کل واحد الخ** اس صورت میں بھی فاجلدوا کی تسلیط صحیح نہیں کہ ایک جملہ کا جز دوسرے جملہ کے جز میں عمل نہیں کرتا لہٰذا یہ ارشاد ضابطہ مذکورہ میں داخل نہیں جسکی وجہ سے اسمیں **الزانیة والزانی** کا رفع مختار ہے قولہ **والا**:۔ یعنی اگر آیت مذکورہ میں مذکورہ بالا حیلے نہ کئے جائیں تو الزانیۃ والزانی کا نصب مختار ہوگا جو باتفاق قراء سبعہ باطل ہے لہٰذا ثبوت رفع کیلئے کوئی نہ کوئی حیلہ کرنا پڑیگا قولہ **الرابع**:۔ جن مواضع میں مفعول بہ کے ناصب کا حذف واجب ہے انمیں سے چوتھا موضع تحذیر ہے جسمیں حذف فعل اس لئے واجب ہے کہ وقت تنگ ہوتا ہے جسکی وجہ سے ذکر فعل کا موقع ہی نہیں ورنہ جسکو ڈرایا جا رہا ہے فعل ذکر کرنے سے اسکی ہلاکت کا خوف ہے قولہ **وھو معمول**:۔ لغت میں تحذیر کے معنی ہیں کسی کو کسی سے ڈرانا جسکو ڈرایا جائے اسکو محذر کہتے ہیں اور جس سے ڈرایا جائے اسکو محذر منہ کہتے ہیں اور اصطلاح نحات میں تحذیر وہ اسم ہے جو اتق مقدر کا ایسا معمول ہے جسکو مابعد سے ڈرایا جائے۔ شارح نے **ای اسم الخ** سے تفسیر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ معمول کا موصوف مقدر ہے جو لفظ اسم ہے اور اسی پر اعتماد کرتے ہوئے معمول بمعنی مُعْمَل ماضی مجہول ہے یعنی تحذیر ایسا اسم ہے جسمیں مفعولیت کی بنا پر نصب کا عمل کیا گیا ہو قولہ **تحذیرا**۔ شارح نے **ای حُذِّر**

ای مما بعدذلک المعمول او ذکر المحذر منه مکررا علی صیغة المجهول عطف علی حذّر او ذُکر المقدرِ فان قلت فعلی هذا لا بدمن ضمیر فی المعطوف کما فی المعطوف علیه قلنا نعم لکنه وضع فی المعطوف المظهر موضع المضمر اذ تقدیر الکلام او معمول بتقدیر اتّق ذُکر مکررا الا انه وضَع المحذر منه موضع الضمیر العائد الی المعمول اشعارا بانه محذر منه لا محذَّر مثل اِیّاک وَالاَسد واِیّاک واَن تحذف هذان مثالان لاول نوعي التحذیر ومعناهما بَعّد نفسک من الاسد والاسد من نفسک وبَعِّدنفسک عن حذف الارنب وهو ضربه بالعصا وبَعِّد حذف الارنب عن نفسک وعلی التقدیرین المحذر منه هو الاسد والحذف

یعنی اس سے جو معمول کے بعد ہے (یا محذر منہ مکرر ذکر کیا گیا ہو) لفظ ذکر بصیغہ مجہول حذّر یا ذکر مقدر پر معطوف ہے پھر اگر تم کہو کہ اس بنا پر معطوف میں ضمیر کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ معطوف علیہ میں ضمیر مستتر ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ درست ہے لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے معطوف میں اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھا ہے کیونکہ تقدیر کلام اس طرح ہے معمول بتقدیر اتق ذکر مکررا لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے معمول کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی جگہ المحذ رمنہ کو رکھ دیا اس امر کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ ضمیر جو معطوف میں ہے وہ محذر منہ ہے نہ کہ محذر (جیسے ایاک والاسد وایاک وان تحذف) یہ دونوں مثالیں تحذیر کی دونوں قسموں میں سے قسم اول کی ہیں اور ان کا معنی ہے دور کر دے اپنے نفس کو شیر سے اور دور کر دے شیر کو اپنے نفس سے اور تو اپنے نفس کو خرگوش کو لاٹھی کے ساتھ مارنے بچا اور لاٹھی سے خرگوش کے مارنے کو اپنے آپ سے بچا اور دونوں تقدیروں پر محذر منہ اَسد اور خذف

کے ساتھ تفسیر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **تحذیرا** فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے **ای حذر تحذیرا** یا یہ ذکر فعل مقدر کا مفعول لہ ہے **ای ذکر تحذیرا** قولہ **او ذکر**:۔ یا تحذیر اتق مقدر کا ایسا معمول ہے جو محذر منہ ہو اور مکرر ہو اور مصنف کا قول ذکر بصیغہ ماضی مجہول **حذر یا ذکر** مقدر پر معطوف ہے۔ شارح کی اس ترکیب پر کسی نے یہ اعتراض کیا کہ یہ عطف درست نہیں کیونکہ **حُذّر یا ذکر ،معمول** کی صفت ہے تو اس پر معطوف بھی صفت ہوگا اور جملہ جب صفت واقع ہو تو اس میں ضمیر عائد بسوئے موصوف واجب ہے اور **او ذکر المحذر منه** میں ضمیر عائد نہیں ہے جبکہ صحت عطف کیلئے معطوف علیہ کی مثل معطوف میں ضمیر ضروری ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں مگر یہاں معطوف یعنی ذکر المحذ رمنہ میں اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اس لئے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے **او معمول بتقدیر اتق ذکر مکررا**، یعنی اصل میں ذکر کے اندر ضمیر عائد بسوئے معمول تھی جسکی جگہ اسم ظاہر یعنی المحذ رمنہ کو رکھ دیا گیا ہے یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ او ذکر میں مرجع ضمیر یعنی معمول محذر منہ ہوگا نہ کہ محذر قولہ **مثل ایاک والاسد الخ** :۔ یہ تحذیر کی پہلی نوع کی دو مثالیں ہیں پہلی مثال میں محذر منہ یعنی الاسد اسم حقیقی ہے اور دوسری مثال میں محذر منہ یعنی اَن تحذِف اسم تاویلی ہے اور پہلی مثال کے معنی ہیں کہ تو اپنے نفس کو شیر سے دور کر دے اور شیر کو اپنے نفس سے دور کر دے اور دوسری مثال کے معنی ہیں کہ تو اپنے نفس کو خرگوش کو لاٹھی مارنے سے بچا اور لاٹھی کے ساتھ خرگوش کو مارنے سے اپنے آپکو بچا حذف بفتح الحاء کے معنی ہیں خرگوش کو لاٹھی مارنا اور دونوں تقدیروں پر یعنی لفظ نفس مقدم ہو یا لفظ اسد مقدم ہو

فان المرادمن تبعید الاسداوالحذف من نفسک تحذیرھامنھمالاتحذیرھمامنھا والطریق الطریق مثال لثانی نوعیہ ای اتق الطریق الطریقَ ولایخفی علیک ان تقدیراتق فی اول النوعین غیرصحیح لانہ لایقال اتقیت زیدامن الاسدفینبغی ان یقدرفیہ مثل بَعِّدونَحِّ وتقدیر بعدفی مثال النوع الثانی غیرمناسب لان المعنی علی الاتقاء عن الطریق لاعلی تبعیدہ فالصواب ان یقال بتقدیربَعِّداَواتَّقِ ونحوھمافیقدرمثل بَعِّدفی جمیع افرادالنوع الاول وفی بعض افرادالنوع الثانی مثل نفسَک نفسَک فان المعنی علی بعدنفسک ممایوذیک کالاسدونحوہ ویقدرمثل اتق فی بعضھا کالمثال المذکور

ہی ،کیونکہ اَسَد یاحَذف کے اپنے نفس سے دور رکھنے سے مرادنفس کوان دونوں سے ڈراناہے نہ ان دونوں کونفس سے ڈراناہے (اورالطریق الطریق) یہ تحذیرکی دونوں قسموں میں سے قسم ثانی کی مثال ہے یعنی اتق الطریق الطریق اورتم پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ پہلی قسم میں اتق کومقدرکرنا صحیح نہیں کیونکہ اتقیت زیدامن الاسدنہیں کہاجاتا لہٰذااس میں مثل بَعِّد ونَحِّ کامقدرکیاجانامناسب ہے اورقسم ثانی کی مثال میں بَعِّد کی تقدیرغیرمناسب ہے کیونکہ معنی راستہ سے مخاطب کے بچنے کی بناپرملحوظ ہے نہ کہ مخاطب کوراستہ سے دورکرنے کی بناپرملحوظ ہے پس صواب یہ ہے کہ کہاجائے بتقدیربَعِّد اواتق ونحوھماپس نوع اول کے تمام افرادمیں مثل بَعِّد مقدرکیاجائے اورنوع ثانی کے بعض افرادمیں جیسے نفسک نفسک کہ اس کامعنی ہے اپنے نفس کواس سے دوررکھ جوتجھے اذیت دے جیسے شیراوراسکی مثل اورنوع ثانی کے بعض افرادمیں اتق کامثل مقدرکیاجائے جیسے مثال

محذرمنہ پہلی مثال میں لفظ اسدہی ہے اوردوسری مثال میں حذف، کیونکہ اپنے سے شیرکے دورکرنے سے اورحذف ارنب سے مرادخودکوان سے ڈراناہے نہ کہ ان دونوں کواپنے آپ سے ڈرانامرادہے کیونکہ ڈرایااسکوجاتاہے جسمیں روح اورعقل ہواورحذف ذی عقل وذی روح نہیں اوراسد ذی عقل نہیں قولہ **والطریق الطریق**:۔یہ تحذیرکی قسم ثانی کی مثال ہے کیونکہ اسمیں محذرمنہ یعنی **الطریق** مکررہے اوراسکی تقدیرعبارت اسطرح ہے **اتق الطریق الطریق** یعنی تواس راستہ سے بچ جسمیں آفت ومصیبت ہے قولہ **ولایخفی**:۔شارح فرماتے ہیں کہ ای طالب منصف تجھ پر یہ بات واضح ہے کہ تحذیرکی قسم اول میں **اتّق** مقدرکرناصحیح نہیں اس لئے کہ اتقاءفعل لازم ہے جومفعول کی طرف بنفسہ متعدی نہیں ہوتااور**اتقیت زیدامن الاسد** نہیں بولاجاتابلکہ **اتقیت من الاسد** بولاجاتاہے۔پس مناسب یہ ہے کہ تحذیرکی قسم اول کے تمام افرادمیں مثل بَعِّد یانَحِّ مقدرکیاجائے اورقسم ثانی میں بَعِّد مقدرکرنامناسب نہیں کیونکہ بَعِّد الطریق نہیں بولاجاتابلکہ اِتّق الطریق بولاجاتاہے اس لئے کہ الطریق الطریق کے معنی ،مخاطب کے راستہ سے بچنے کے ہیں جومقصودہیں سالک فی الطریق کوراستہ سے بعیدکرنے کے نہیں۔پس صواب اوراولی یہ تھامصنف علیہ الرحمۃ تحذیرکی تعریف اس طرح کرتے **ھومعمول بتقدیر بَعِّداواتّق ونحوھما**۔پس نوع اول کے تمام افراد میں مثل بَعِّد مقدرماناجاتااورنوع ثانی کے بعض افرادمیں مثلاً نفسک نفسک میں بھی اس لئے کہ نفسک نفسک کے معنی ہیں بَعِّد نفسک ممایوذیک کالاسدونحوہ اورنوع ثانی کے بعض افرادمیں مثل اِتّق مقدرماناجاتاجیسے الطریق الطریق۔واضح رہے کہ اس مثال میں الطریق فعل اِتّق کامفعول

قیل لفظ الاسد فی ایاک والاسد خارج عن النوعین فینبغی ان لایکون تحذیرا ولیس کک فانه ایضا تحذیر واجیب بانه تابع للتحذیر والتوابع خارجة عن المحدود بدلیل ذکرها فیما بعد وتقول فی قسمی النوع الاول ایاک من الاسد کما کنت تقول ایاک والاسد ومِن اَنْ تحذف کما کنت تقول ایاک وان تحذف وتقول فی المثال الاخیر ایاک ان تحذف بتقدیر مِن ای ایاک من ان تحذف لان حذف حرف الجر عن اَنْ واَنّ قیاس ولاتقول فی المثال الاول ایاک الاسد لامتناع تقدیر مِنْ وشذوذه مع غیر اَن واَن

مذکور کہا گیا ہے کہ ایاک والاسد میں لفظ اَسَد تحذیر کی دونوں قسموں سے خارج ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ لفظ اسد تحذیر نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ بھی تحذیر ہے اور جواب دیا گیا ہے کہ اَسَد تحذیر کا تابع ہے اور توابع محدود سے خارج ہیں بوجہ توابع کے مذکور ہونے کے مابعد میں (اور تم کہو گے) نوع اول کی دونوں قسموں میں (ایاک من الاسد) جیسے تم کہتے تھے ایاک والاسد (اور من اَن تحذف) جس طرح کہ تم کہتے تھے ایاک واَن تحذف اور کہو گے تم آخری مثال میں (ایاک اَن تحذف من کی تقدیر کے ساتھ) ای ایاک من اَن تحذف اس لئے کہ اَن اور اَنّ سے حرف جر کا حذف قیاس کے مطابق ہے اور پہلی مثال میں (تم نہیں کہو گے ایاک الاسد) بوجہ ممتنع ہونے تقدیر من کے اور اس کے شاذ ہونے کے اَن اور اَنّ کے غیر سے

نہیں بلکہ منصوب بنزع الخافض ہے کہ اصل میں احق من الطریق تھا قولہ **قیل**:۔ یعنی اعتراض کیا گیا ہے اور معترض شارح ھندی ہیں کہ **ایاک والاسد** میں لفظ اسد تحذیر کی دونوں قسموں سے خارج ہے کیونکہ تحذیر کی قسم اول میں فعل مقدر کا معمول محذر ہوتا ہے اور اسد محذر نہیں بلکہ محذر منہ ہے یعنی اسد کو نہیں ڈرایا جاتا بلکہ اسد سے مخاطب کو ڈرایا جاتا ہے اور لفظ اسد تحذیر کی قسم ثانی سے بھی خارج ہے اس لئے کہ قسم ثانی میں محذر منہ مکرر ہوتا ہے اور **ایاک والاسد** میں اسد مکرر نہیں ہے لہذا لفظ اسد کو تحذیر نہیں ہونا چاہئے حالانکہ یہ تحذیر ہے کیونکہ تحذیر کی قسم اول محذر منہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور اسد محذر منہ ہے۔ قولہ **واجیب**:۔ یعنی اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اسد تحذیر کا تابع ہے اس لئے کہ تحذیر پر معطوف ہے کیونکہ اصل میں ایاک من الاسد والاسد تھا اور توابع تمام تعریفات سے خارج ہیں بایں قرینہ کہ توابع کا ذکر مابعد میں علیحدہ آرہا ہے لہذا لفظ اسد کے تحذیر کی کسی قسم کی تعریف میں داخل نہ ہونے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا کہ یہ تابع تحذیر ہے۔ قولہ **وتقول ایاک من الاسد**:۔ یعنی تحذیر کی نوع اول کی دونوں قسموں میں تم **ایاک من الاسد** اور **ایاک من اَن تحذف** بھی کہہ سکتے ہو جیسے کہ تم ایاک والاسد اور ایاک وان تحذف کہتے تھے اور تم آخری مثال یعنی ایاک من اَن تحذف میں کلمہ من کو حذف کرکے ایاک ان تحذف کہو گے اس لئے کہ کلمہ اَن اور اَنّ سے کلمہ من کا حذف کرنا قیاس ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انمیں سے ہر ایک موصول حرفی ہے جو مابعد کے ساتھ ملکر بتاویل اسم ہوجاتا ہے اور ان دونوں کا مابعد جملہ ان کا صلہ ہوتا ہے چونکہ موصول وصلہ ملکر طویل ہوجاتا ہے تو برائے تخفیف من کو حذف کردیا جاتا ہے۔ قولہ **ولاتقول ایاک الاسد**:۔ اور تم پہلی مثال یعنی ایاک من الاسد میں کلمہ من کو حذف کرکے ایاک الاسد نہیں کہو گے اسلئے کہ جس کلام میں کلمہ اَن یا اَنّ نہ ہو بلکہ اسم صریح ہو اس سے حذف من ممتنع ہے اور وجہ امتناع یہ ہے کہ اسم صریح دخول من سے طویل نہیں ہوتا اس لئے تخفیف ممنوع ہے لہذا حرف جار کو حذف کرکے ایاک الاسد نہیں

فان قلت فليكن بتقدير العاطف قلنا حذف العاطف اشدّ شذوذا لان حذف حرف الجر قياس مع أنْ وأنّ وشاذ كثير في غيرهما واما حذف العاطف فلم يثبت الا نادرا المفعول فيه هو ما فُعِل فيه فعل اى حدث مذكور تضمنا في ضمن الفعل الملفوظ او المقدر او شبهه كك او مطابقة اذا كان العامل مصدرا

پس اگر تم کہو کہ چاہئے کہ یہ ترکیب مقدر بعاطف ہو تو ہم کہیں گے کہ عاطف کا حذف تو بہت ہی شاذ ہے اس لئے اَن اور اَنّ سے حرف جر کا حذف تو قیاس کے مطابق ہے اور ان دو کے غیر سے بہت شاذ ہے اور عاطف کا حذف تو نہیں ثابت مگر نادر (مفعول فیہ وہ ہے جسمیں کیا گیا ہو فعل) یعنی حدث (مذکور) ضمنی طور پر فعل ملفوظ کے ضمن میں یا مقدر کے ضمن میں یا شبہ فعل ملفوظ یا مقدر کے ضمن میں یا مطابقۃً مذکور ہو جبکہ عامل مصدر ہو

کہو گے ☆سوال ☆ارشاد باری تعالی واختار موسی قومہ میں کلمہ من محذوف ہے کہ اصل میں من قومہ تھا حالانکہ قوم اسم صریح ہے ☆جواب ☆یہ شاذ ہے چونکہ موافق استعمال ہے اسلئے قرآن کریم میں آیا ہے اور شاذ یعنی خلاف قیاس اپنے مورد پر مقصور رہتا ہے لہذا ارشاد باری تعالی پر قیاس کر کے ایاک من الاسد سے من کا حذف کرنا درست نہیں۔قولہ **فان قلت**:۔مصنف علیہ الرحمۃ نے ایاک الاسد کی ترکیب کو ممتنع قرار دیا بایں وجہ کہ اسمیں من مقدر ہے اور تقدیر من یہاں شاذ ہے اس پر اعتراض کیا گیا کہ اس ترکیب کو بتقدیر حرف عطف جائز کیوں نہیں مان لیا جاتا ای ایاک والاسد۔ شارح نے جواب دیا کہ حرف عطف کا حذف تو بہت ہی شاذ ہے کیونکہ حرف جر کا حذف ان اور اَنّ کے ساتھ کثیر ہے اور انکے غیر کے ساتھ شاذ ہے لیکن حرف عطف کا حذف کرنا نادر ہے پس اس میں زیادہ شذوذ ہے۔قولہ **المفعول فيه**:۔مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **المفعول فيه** میں ترکیب کے لحاظ سے تین احتمال ہیں،اول۔یہ کہ المفعول فیہ مبتدا ہو اور اسکی خبر مقدم ہو ای **ومنه المفعول فيه**،دوم۔یہ کہ مبتدا محذوف کی خبر ہو ای **هذا المفعول فيه**،سوم۔یہ کہ المفعول فیہ مبتدا ہو اور مابعد عبارت اسکی خبر ہو اور یہ اولی ہے لعدم ارتکاب الحذف۔مفعول فیہ کی تعریف کرتے ہوئے مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ **هو ما فُعِل فيه فعل** مفعول فیہ وہ زمان یا مکان ہے کہ جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو۔شارح نے **فعلٌ** کی تفسیر حدث کے ساتھ کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **فعل** سے متبادر فعل اصطلاحی ہے جو تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے نسبت فاعلی،زمانہ اور حدث جسمیں سے مذکور ہونے کی صلاحیت صرف حدث میں ہے لہذا مفعول فیہ کی مذکورہ تعریف صحیح نہیں کہ اسمیں فعل اصطلاحی نہیں کیا جاتا۔شارح نے جواب دیا کہ یہاں **فعل** سے فعل لغوی یعنی حدث مراد ہے اور حدث کبھی فعل ملفوظ یا مقدر یا شبہ فعل ملفوظ ومقدر میں تضمنا مذکور ہوتا ہے اور کبھی مطابقۃً مذکور ہوتا ہے جبکہ مفعول فیہ میں عامل مصدر ہو جیسے اعجبنی جلوسک امام زید میں جلوس مصدر ہے جسکی وضع حدث کیلئے ہے اور حدث پر اسکی دلالت مطابقی ہے،اور امام زید ظرف مکان ہے جس میں جلوس واقع ہوا ہے اور وہ صراحۃً مذکور

قولہ **اشد شذوذا**:۔شارح نے اشذ فرما کر یہ بیان کیا ہے کہ مصنف کے قول "لامتناع تقدیر من" میں امتناع سے مراد عدم استحسان ہے از قبیل ذکر خاص واراد عام یعنی اسم صریح سے حذف من مستحسن نہیں سوائے ان مقامات کے جہاں خلاف قیاس کلمہ من کو حذف کیا گیا ہے۔قولہ لان حذف:۔یعنی ان جیسے اور ان مشبہ بالفعل سے حرف جر کا حذف کرنا استدلالی ہے کہ اس پر دلیل قائم ہے جیسے افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم ای لان کنتم اور وان المساجد للہ ای ولان المساجد للہ اور انبئہ ذکر تعمان لنا ان ذکرہ ای لان ذکرہ اگر ان ہمزہ کے فتحہ سے پڑھا جائے اور یہ اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک موصول حرفی ہے جو مابعد کے ساتھ ملکر بتاویل اسم ہو جاتا ہے پھر اپنے مابعد جملہ یعنی صلہ سے ملکر طویل ہو جاتا ہے اس لئے برائے تخفیف ان دونوں سے پہلے کلمہ من کا حذف کرنا جائز ہے لیکن اسم صریح سے من کا حذف کرنا ممنوع ہے کہ طول مفقود ہے۔

قوله مافعل فيه فعل شامل لاسماء الزمان والمكان كلّها فانه لايخلو زمان او مكان عن ان يفعل فيهما فعل سواء ذُكر الفعل الذى فُعل فيهما او لا وقوله مذكور خرج به مالا يذكر فعلٌ فُعِل فيه نحو يوم الجمعة يوم طَيِّبٌ فانه وان كان فُعِل فيه فعل لامحالة لكنه ليس بمذكور لكن بقى مثل شهدت يوم الجمعة داخلا فيه فان يوم الجمعة يصدق عليه انه فُعِل فيه فعل مذكور فان شهود يوم الجمعة لايكون الا فى يوم الجمعة فلو اعتبر فى التعريف قيد الحيثية اى المفعول فيه مافُعِل فيه فعل مذكور من حيث انه فعل فيه فعل مذكور لَخَرَج مثل هذا المثال منه فان ذكر يوم الجمعة فيه ليس من حيث انه فُعِل فيه فعلٌ مذكور بل من حيث وقع عليه فعل مذكور

پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مافعل فیہ فعل" تمام اسمائے زمان ومکان کو شامل ہے کیونکہ کوئی زمان یا مکان اس سے خالی نہیں کہ اسمیں کوئی نہ کوئی فعل کیا جائے خواہ زمان ومکان میں کیا جانے والا فعل مذکور ہو یا نہ ہو اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "مذکور" سے وہ اسم ظرف خارج ہو گیا جس میں کیا جانے والا فعل مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعۃ یوم طیبٌ کیونکہ یوم الجمعۃ میں اگرچہ کوئی فعل یقیناً کیا گیا لیکن وہ مذکور نہیں لیکن شہدت یوم الجمعۃ کا مثل مفعول فیہ میں داخل رہا کیونکہ اس پر یہ صادق آتا ہے اس میں فعل مذکور کیا گیا کیونکہ یوم الجمعۃ کا شہود یوم الجمعۃ میں ہی ہو گا پس اگر مفعول فیہ کی تعریف میں حیثیت کی قید اعتبار کی جائے یعنی مفعول فیہ وہ ہے جس میں فعل مذکور کیا جائے اس حیثیت سے کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہے تو اس مثال کا مثل مفعول فیہ سے خارج ہو جائیگا اس لئے کہ اس مثال میں یوم الجمعۃ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں فعل مذکور کیا گیا ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل مذکور واقع ہوا ہے

ہے قولہ **فقوله مافعل فيه** :۔ یعنی مفعول فیہ کی تعریف میں واقع مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **ما فعل فيه فعل** تمام اسماء زمان ومکان کو شامل ہے کہ کوئی زمان یا مکان ایسا نہیں ہے کہ جسمیں کوئی نہ کوئی کام نہ کیا گیا ہو خواہ اسمیں کیا جانے والا فعل مذکور ہو یا نہ ہو اور **مذکور** کی قید سے وہ زمان ومکان خارج ہو گیا جسمیں کیا جانے والا فعل لفظاً یا تقدیراً مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعۃ یوم طیبٌ پس یوم جمعہ میں اگرچہ کوئی نہ کوئی کام یقیناً کیا گیا لیکن وہ فعل مذکور نہیں ہے کیونکہ **یوم الجمعة** مبتدا ہے اور **یوم طیب** خبر ہے جنکا عامل معنوی ہوتا ہے پس انکے لئے عامل مقدر کرنے کی ضرورت نہیں قولہ **لكن بقى** :۔ یعنی مفعول فیہ کی تعریف میں **شهدت يوم الجمعة** کا مفعول بہ داخل رہا اور تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی کیونکہ مثال مذکور کے یوم الجمعۃ پر مفعول فیہ کی تعریف صادق ہے اس لئے کہ یوم الجمعۃ پر صادق آتا ہے کہ فعل مذکور اس میں کیا گیا ہے کیونکہ یوم جمعہ کا شہود یوم جمعہ میں ہی ہو گا پس اگر مفعول فیہ کی تعریف میں حیثیت کی قید اعتبار کی جائے اور کہا جائے کہ مفعول فیہ وہ ہے کہ جسمیں فعل مذکور کیا گیا ہو اس حیثیت سے کہ اسمیں فعل مذکور کیا گیا ہو تو مذکورہ مثال کا مثل مفعول فیہ کی تعریف سے خارج ہو جائیگا کیونکہ مذکورہ مثال میں یوم الجمعۃ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ یوم الجمعۃ میں فعل مذکور کیا گیا ہے بلکہ یوم الجمعۃ کا ذکر اس حیثیت سے ہے کہ اس پر فعل مذکور واقع ہوا ہے کیونکہ معنی ہیں میں نے یوم جمعہ کو پالیا جیسے کہا جاتا ہے شہدت صلوۃ الجمعۃ یعنی حاضر شدم ودیافتم صلوۃ جمعہ را۔

ولایخفی انہ علی تقدیر اعتبار قید الحیثیۃ لاحاجۃ الی قولہ مذکورٌ الا لزیادۃ تصویر المعرّف و قولہ من زمان اومکان بیان لما الموصولۃ او الموصوفۃ اشارۃ الی قسمی المفعول فیہ وتمہیدا لبیان حکم کل منہما وھو ای المفعول فیہ ضربان مایظھر فیہ فی وھو مجرور بہا ومایقدر فیہ فی وھو منصوب بتقدیرھا وھذا خلاف اصطلاح القوم فانہم لایُطلقون المفعول فیہ الا علی المنصوب بتقدیر فی واما المجرور بہا فھو مفعولٌ بہ بواسطۃ حرف الجر لامفعولٌ فیہ

اور یہ امر مخفی نہ رہے کہ حیثیت کی قید کے اعتبار کرنے کی تقدیر پر مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "مذکورٌ" کی حاجت نہیں مگر معرف کی زیادہ وضاحت کیلئے اور مصنف کا قول (من زمان اومکان) یہ ماموصولہ یا موصوفہ کا بیان ہے اشارہ کیلئے مفعول فیہ کی دو قسموں کی طرف اور بطور تمہید ہر ایک کا حکم بیان کرنے کیلئے اور وہ یعنی مفعول فیہ دو قسم پر ہے ایک وہ کہ جس میں فی ظاہر ہو اور وہ فی کی وجہ سے مجرور ہو اور دوسرا وہ کہ جس میں لفظ فی مقدر کیا جائے اور وہ تقدیر فی سے منصوب ہو اور یہ قوم کی اصطلاح کے خلاف ہے کہ یہ لوگ صرف منصوب بتقدیر فی پر مفعول فیہ کا اطلاق کرتے ہیں بہرحال وہ اسم جو لفظ فی سے مجرور ہے پس وہ مفعول بہ بواسطہ حرف جر ہے مفعول فیہ نہیں

قولہ **ولایخفی علیک** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف میں حیثیت کی قید کا اعتبار کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے متن میں استدراک لازم آئیگا کہ اب لفظ مذکورٌ کی حاجت نہیں رہے گی جو یوم الجمعۃ، یوم طیب کے اخراج کیلئے مصنف علیہ الرحمۃ لائے ہیں اور وجہ استدراک کی یہ ہے کہ حیثیت کی قید سے یوم الجمعۃ یوم طیب خارج ہو جائیگا۔ شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس صورت میں مذکور قید احترازی نہیں ہوگی کہ استدراک لازم آئے بلکہ تعریف کے اندر مزید انکشاف کیلئے ہوگی اس لئے کہ تعریف کے اندر تمام قیود احترازی نہیں ہوتیں کچھ کشف ماہیت کیلئے بھی ہوتی ہیں لہٰذا متن میں استدراک لازم نہیں آئیگا۔ قولہ **من زمان اومکان**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ کے اس قول میں کلمہ من بیانیہ ہے اور یہ ماموصولہ یا موصوفہ کا بیان ہے اور اسمیں مفعول فیہ کی دو قسموں کی طرف اشارہ بھی ہے اور یہ ہر ایک قسم کے بیان حکم کیلئے تمہید بھی ہے واضح رہے کہ شارح کا قول "اشارۃ" منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ بیان کا مفعول لہ ہے۔ قولہ **ای المفعول فیہ ضربان**:۔ یعنی مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جسمیں کلمہ **فی** ظاہر ہو اور وہ اسم کلمہ فی کی وجہ سے مجرور ہو اور دوسرا وہ اسم جسمیں کلمہ **فی** مقدر ہو اور وہ اسم تقدیر **فی** کی وجہ سے منصوب ہو لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کی یہ تقسیم اصطلاح قوم کے خلاف ہے کیونکہ وہ صرف منصوب بتقدیر **فی** پر مفعول فیہ کا اطلاق کرتے ہیں اور جو اسم کلمہ **فی** ملفوظ کی وجہ سے مجرور ہو تو قوم اسکو مفعول بہ بواسطہ حرف جر کہتی ہے چونکہ جمہور کا خلاف کرتے ہوئے مصنف علیہ الرحمۃ کلمہ **فی** مذکور اور ملفوظ کے مجرور کو بھی مفعول فیہ کہتے ہیں اس لئے انہیں یہ کہنا پڑا کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے شرط تقدیر **فی** ہے کیونکہ کلمہ **فی** کا ملفوظ ہونا جر کو

قولہ **بیان لما**:۔ یعنی مصنف کا قول **من زمان اومکان** کلمہ **ما** کا بیان ہے جو اس کے قول **مافعل فیہ فعل** میں ہے اور یہ **ما** موصولہ بن سکتا ہے اور موصوفہ بھی اور **من** بیانیہ کا ماقبل معرفہ ہو تو وہ حال ہوتا ہے لہٰذا کلمہ **ما** موصولہ ہو تو موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے حال ہوگا کیونکہ کسی چیز کی ضمیر سے حال اس شی سے حال ہوتا ہے گویا کہ یہ موصول سے حال ہے اور اگر **من** بیانیہ کا ماقبل نکرہ ہو تو اس کی صفت واقع ہوتا ہے پس اگر کلمہ **ما** موصوفہ ہو تو من زمان اور مکان کلمہ **ما** کی صفت ثانیہ ہوگی اور مصنف کا قول اشارۃ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **انما جعل قولہ من زمان اومکان بیانا لیکون اشارۃ**.(محرم)

نو خالفهم المصنّف حيث جعل المجرور ايضاً مفعولا فيه ولذلک قال وشرط نصبه اى شرط نصب المفعول فيه تقدير في اذ التلفظ بها يوجب الجر وظروف الزمان كلّها مبهما كان الزمان او محدودا تقبل ذلک اى تقدير في لان المبهم منها جزء مفهوم الفعل فيصح انتصابه بلا واسطة كالمصدر والمحدود منها محمول عليه اى على المبهم لاشتراكهما في الزمانية نحو صمتُ دهرا وافطرتُ اليوم وظروف المكان ان كان المكان مبهما قبل ذلک اى تقدير في حملا على الزمان المبهم لاشتراكهما في الابهام نحو جلست خلفک والا اى وان لم يكن مبهما بل يكون محدودا فلا يقبل تقدير في اذ لم يمكن حمله على الزمان المبهم لاختلافهما ذاتا وصفة نحو جلست في المسجد

اور مصنف علیہ الرحمۃ نے انکی مخالفت کی اس لئے کہ اسنے مجرور کو بھی مفعول فیہ قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے کہا (اور اسکی نصب کی شرط) یعنی مفعول فیہ کی نصب کی شرط (تقدیر فی ہے) اس لئے کہ فی کا تلفظ جر کو واجب کرتا ہے (اور ظروف زمان تمام کے تمام) زمان مبہم ہو یا محدود (اسکو قبول کرتے ہیں) یعنی تقدیر فی کو کیونکہ ظرف مبہم ظروف زمان میں سے مفہوم فعل کا جز ہے لہذا اس کا بلا واسطہ منصوب ہونا صحیح ہے جیسے مصدر اور ظرف محدود ظروف زمان میں سے اس پر یعنی مبہم پر محمول ہے ان دونوں کے زمانیت میں مشترک ہونے کی وجہ سے جیسے صُمتُ دہرا او افطرت الیوم (اور) ظروف (مکان اگر ہو) مکان (مبہم تو اسکو قبول کرتا ہے) یعنی تقدیر فی کو اسکو زمان مبہم پر حمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ وہ دونوں ابہام میں مشترک ہیں جیسے جلست خلفک (ورنہ) یعنی اگر ظرف مکان مبہم نہ ہو بلکہ محدود ہو (تو نہیں) قبول کرتا تقدیر فی کو اس لئے کہ اسکو زمان مبہم پر حمل کرنا ممکن نہیں بوجہ مختلف ہونے دونوں کے ذات اور صفت کے اعتبار سے جیسے جلست فی المسجد

واجب کرتا ہے۔ قولہ **وظروف الزمان:** مصنف علیہ الرحمۃ اس جگہ تقدیر فی کے مواضع بیان کررہے ہیں یعنی ظروف میں سے جو ظروف زمان ہیں وہ تو تمام تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں۔ ظرف زمان مبہم تو اس لئے کہ وہ فعل اصطلاحی کے مفہوم کا جز ہوتا ہے لہذا مصدر کی مثل اس کا بغیر واسطہ حرف جر کے انتصاب درست ہے رہا ظرف زمان محدود تو وہ ظرف زمان مبہم پر محمول ہے اور وجہ حمل یہ ہے کہ دونوں ظرف زمان ہونے میں مشترک ہیں جیسے صُمتُ دھرا یہ ظرف زمان مبہم کی مثال ہے اور افطرتُ الیومَ یہ ظرف زمان محدود کی مثال ہے اور دونوں جگہ مفعول فیہ کلمہ فی کی تقدیر کی وجہ سے منصوب ہے۔ قولہ **والمکان:** یعنی ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو وہ بھی زمان مبہم پر محمول ہو کر تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں اور وجہ حمل دونوں کا وصف ابہام میں اشتراک ہے جیسے جلستُ خلفک میں خلف ظرف مکان مبہم ہے جو بتقدیر فی منصوب ہے اور ظرف مکان محدود تقدیر فی کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس میں کلمہ فی ملفوظ ہوتا ہے جیسے جلست فی المسجد اور اسکو زمان مبہم پر اس لئے حمل نہیں کیا جاتا کہ زمان مبہم اور مکان محدود ذات اور صفت دونوں کے اعتبار سے مختلف ہیں ذات کے اعتبار سے تو اس لئے کہ ایک زمان ہے اور دوسرا مکان ہے اور صفت کے اعتبار سے اسطرح کہ ایک مبہم ہے اور دوسرا محدود ہے۔ اور مکان مبہم پر بھی اسکو حمل نہیں کیا جاتا کہ یہ استعارہ من المستعیر ہے۔

وفُسِّرَ المبهم من المكان بالجهات السِّتِّ وهى اَمام وخلفٌ ويمينٌ وشمالٌ وفوقٌ وتحتٌ ومافى معناها فان امام زيدٍ مثلاً يتناول جميع مايقابل وجهه الى انقطاع الارض فيكون مبهما ولما لم يتناول هذا التفسير بعض الظروف المكانية الجائز نصبها قال وحُمل عليه اى على المبهم المفسر بالجهات الست عند ولدى وشبههما نحو دون وسوى لابهامهما اى لابهام عند ولدى ولم يذكر وجه حمل شبههما عليه لان حكمه حكمهما وفى بعض النسخ لابهامها كما هو الظ وكذا حمل على المبهم من المكان لفظ مكانٍ وان كان معينا نحو جلست مكانك لكثرته فى الاستعمال مثل الجهات الست لا لابهامه

(اور تفسیر کیا گیا ہے مبہم) مکان سے (جہات ستہ سے) اور وہ جہات ستہ امام اور خلف اور یمین اور شمال اور فوق اور تحت اور وہ جو ان کے معنی میں ہیں کیونکہ اَمام زیدِ مثال کے طور پر ہر اس چیز کو شامل ہے جو زید کے چہرے کے مقابل ہے روئے زمین کے اختتام تک۔ پس وہ مبہم ہوگا اور جب کہ یہ تفسیر بعض ظروف مکانیہ کہ جنکی نصب جائز ہے کو شامل نہ تھی تو مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا (اور محمول کیا گیا) مبہم پر جسکی جہات ستہ سے تفسیر کی گئی ہے (عند اور ولدیٰ اور انکے مشابہ) جیسے دُون اور سویٰ (ان دونوں کے ابہام کی وجہ سے) یعنی عند اور لدیٰ کے ابہام کی وجہ سے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے ان دونوں کے ظرف مبہم پر محمول کرنے کی وجہ ذکر نہیں کی اس لئے کہ مشابہ کا حکم عند اور لدیٰ کا حکم ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لابهامها ہے جیسا کہ وہ ظاہر ہے (اور) اسی طرح ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہے (لفظ مکان) اگرچہ وہ معین ہے جیسے جلست مکانک (اسکی کثرت کی وجہ سے) استعمال میں جہات ستہ کی طرح نہ کہ اسکے ابہام کی وجہ سے

قولہ **وفسر المبهم** :۔اور ظرف مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ مثلاً اَمام، خلف، وغیرہ کے ساتھ کی گئی ہے اسطرح جہات ستہ کے ہم معنی یعنی عُلُوْ، سفل، جنوب، شمال بفتح شین یا وراء، قبل، و بر یہ تمام بھی ظروف مکان مبہم ہیں کیونکہ مثلاً امام زید جسکے معنی ہیں زید کے سامنے یہ لفظ امام ہر اس جگہ کو شامل ہے جو انتہائے زمین تک زید کے سامنے ہے لہٰذا جہات ستہ میں سے ہر ایک جہت از قبیل مکان مبہم ہے۔ قولہ **ولما لم يتناول** :۔اس عبارت میں شارح نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **وحمل عليه** ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے مکان کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی ہے جو درست نہیں کیونکہ جہات ستہ کے علاوہ بھی ظروف مکانیہ ہیں جو تقدیر فی کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں جیسے عند اور لدیٰ وغیرہ لہٰذا ظرف مکان مبہم کو جہات ستہ میں منحصر کرنا درست نہ ہوا مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ لفظ عند، لدیٰ اور ان کے مشابہ مثلاً دون اور سویٰ بھی مکان مبہم پر حمل کیے گئے ہیں کہ عند اور لدیٰ میں ابہام ہے اور دون اور سویٰ کے حمل کی وجہ نہیں بیان کی گئی کہ دون اور سویٰ کا حکم عند اور لدیٰ والا ہے یعنی مشابہت کی وجہ سے جو حکم مشبہ بہ یعنی عند وغیرہ کا ہے وہی مشبہ کا بھی ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لابهامهما نہیں بلکہ لابهامها ہے اور یہی ظاہر ہے کہ ضمیر مؤنث عند ولدیٰ اور انکے مشابہ سب کو شامل ہے۔ قولہ **ولفظ مكان** :۔اگرچہ لفظ مکان کی حدود معین ہیں مگر وہ مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہے جس طرح جلست مکانک۔ پس لفظ مکان تقدیر فی کے ساتھ منصوب ہے اور وجہ حمل لفظ مکان کا ابہام نہیں بلکہ

وکذا حمل علیه مابعد دخلت وان کان معینا نحو دخلت الدار لکثرته فی الاستعمال لا لابهامه علی الاصح ای علی المذهب الاصح فانه ذهب بعض النحاة الی انه مفعول به لکن الاصح انه مفعول فیه والاصل استعماله بحرف الجر لکنه حذف لکثرة استعماله وهذا محل تأمل فان الفعل لایطلب المفعول فیه الا بعد تمام معناه ولاشک ان معنی الدخول لایتم بدون الدار وبعد تمام معناه بها یطلب المفعول فیه کما اذا قلت دخلتُ الدار فی البلد الفلانیّ فالظاهر انه

(اور) اسی طرح حمل کیا گیا ہے اس پر (دخلت کا مابعد) اگرچہ وہ معین ہے جیسے دخلت الدار اس کے کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے نہ کہ ابہام کی وجہ سے (اصح پر) یعنی اصح مذہب پر کیونکہ بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ دخلت کا مابعد مفعول بہ ہے لیکن اصح یہ ہے کہ وہ مفعول فیہ ہے اور دخلت کا اصل استعمال حرف جر کے ساتھ ہے لیکن حرف جر کو دخلت کے کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور یہ محل غور ہے اس لئے کہ فعل مفعول فیہ کو نہیں طلب کرتا مگر اپنے معنی کے تمام ہونے کے بعد اور اس میں شک نہیں کہ دار کے بغیر دخول کا معنی تمام نہیں ہوتا اور جب دار کے ملنے سے دخول کے معنی تمام ہوئے تو وہ مفعول فیہ کو طلب کریگا جیسا کہ تم کہو دخلت الدار فی البلد الفلانی لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ دار

کثرت استعمال میں جہات ستہ کیطرح ہوتا ہے یعنی جہات ستہ کی مثل یہ بھی کثیر الاستعمال ہے۔ قولہ **وما بعد دخلت**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حسب تصریح مصنف علیہ الرحمۃ کے ظرف مکان محدود میں کلمہ فی مقدر نہیں ہوتا حالانکہ فعل دخلت کے مابعد میں جو کہ مکان مبہم ہے فی مقدر ہوتا ہے اور وہ بتقدیر فی منصوب ہوتا ہے جیسے دخلت الدار۔ شارح نے جواب دیا کہ دخلت کا مابعد اصح مذہب کے مطابق ظرف مکان مبہم پر محمول ہے اگرچہ دخلت کا مابعد معین ہے اور وجہ حمل کثرت استعمال ہے نہ کہ ابہام کہ دخلت کا مابعد معین ہوتا ہے۔ قولہ **فانه ذهب**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول **اصح** سے جس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے شارح اسکو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض نحات اس طرف گئے ہیں کہ فعل دخلت کا مابعد مفعول بہ ہے لیکن اصح مذہب یہ ہے کہ یہ دخلت فعل لازم کا مفعول فیہ ہے اور مکان محدود پر محمول ہو کر بتقدیر فی منصوب ہے اور اسکا اصل استعمال حرف جر کے ساتھ ہے جو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔ قولہ **وهذا محل**:۔ یہ مذہب اصح پر ایک اعتراض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب اصح کے پیش نظر دخلت کا مابعد مفعول فیہ ہے اور دخلت فعل لازم ہے یہ محل غور ہے کیونکہ دخلت اپنے تمام ہونے کے بعد ہی مفعول فیہ کو طلب کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دخول کے معنی دار کو ملائے بغیر تمام نہیں ہوتے اور چونکہ دخول اپنے معنی کے تمام ہونے کے بعد مفعول فیہ کو طلب کرتا ہے جیسے دخلت الدار فی البلد الفلانی۔ پس ظاہر یہی ہے کہ الدار دخلت کا مفعول بہ ہے۔

قولہ **وکذا حمل**:۔ یعنی لفظ مکان کی مثل دخلت کا مابعد بھی جہات ستہ پر محمول کیا گیا ہے صرف یہ فرق ہے کہ لفظ مکان بالاتفاق اور یہ بر مذہب اصح۔ قولہ **فالظاهر**:۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ دخلت الدار میں الدار مفعول بہ ہے کیونکہ دخول کا معنی مدخل کے بغیر تام نہیں ہوتا اور جس کے بغیر فعل کا معنی تام نہ ہو وہ مفعول بہ ہوتا ہے لہٰذا الدار مفعول بہ ہے لیکن اسپر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ضربت یوم الجمعۃ میں یوم الجمعۃ کے بغیر ضرب کا معنی تمام نہیں ہوتا اسی طرح صلیت خلفک میں صلوۃ کا معنی مکان کے بغیر تمام نہیں ہوتا لہٰذا لازم آیا کہ یوم الجمعۃ اور خلفک مفعول بہ ہوں واللازم باطل فالملزوم مثلہ۔ شارح کی دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔ قولہ **مابعد دخلت**:۔ شیخ رضی فرماتے ہیں کہ دخلت، نزلت اور سکنت کا مابعد خواہ مبہم ہو یا نہ ہو ظرفیت کی بنا پر کثرت استعمال کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔

مفعول به لا مفعول فيه ومما يؤيد ذلك ان كل فعل نُسِب الى مكان خاصٍّ بوقوعه فيه يصح ان يُنسب الى مكان شامل له ولغيره فانه اذا قلت ضربت زيدا في الدار التي هي جزء من البلد فكما يصح ان تقول ضربت زيدا في الدار كذلك يصح ان تقول ضربته في البلد وفعل الدخول بالنسبة الى الدار ليس كذلك فانه اذا قال الداخل في البلد دخلت الدار لا يصح ان يقول دخلت البلد فنسبة الدخول الى الدار ليست كنسبة الافعال الى امكنتها التي فُعِلت فيها فلا تكون الدار مفعولا فيه بل مفعولا به وقيل معناه على الاستعمال الاصح فيكون اشارة الى ان استعمال دخلت مع في نحو دخلت في الدار صحيح لكن الاصح استعماله بدون في ونقل

مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں اور جو چیزیں دخلت کے مابعد کے مفعول بہ ہونے کی مؤید ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر وہ فعل جو مکان خاص کی طرف منسوب ہو اس میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کا اس مکان کی طرف منسوب ہونا صحیح ہوتا ہے جو اس مکان خاص اور اسکے علاوہ دوسرے مکان کو شامل ہو پس جب تم نے کہا ضربت زیدا فی الدار التی ہی جزء من البلد یعنی میں نے زید کو اس گھر میں مارا جو کہ شہر کا ایک حصہ ہے تو جس طرح تمہارا قول "ضربت زیدا فی الدار" کہنا صحیح ہے اسی طرح تمہارا قول "ضربتہ فی البلد" کہنا بھی صحیح ہوگا اور فعل دخول کی دار کی طرف نسبت اس طرح نہیں کیونکہ جب داخل فی البلد دخلت الدار کہے تو اس کا دخلت البلد کہنا صحیح نہیں تو دخول کی نسبت دار کی جانب افعال کی اسکے امکنہ کی طرف نسبت کی طرح نہیں جو افعال کہ ان امکنہ میں کیے گئے لہٰذا دار مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "علی الاصح" کا معنی ہے علی الاستعمال الاصح لہٰذا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ دخلت کا استعمال کلمہ فی کے ہمراہ جیسے دخلت فی الدار صحیح ہے لیکن دخلت کا صحیح ترین استعمال کلمہ فی کے بغیر ہے اور سیبویہ سے منقول ہے کہ

قولہ ومما یؤیدذلک:۔ یعنی دخلت کے مابعد کے مفعول بہ ہونے کے مؤیدات میں سے ایک یہ ہے کہ جو فعل کسی مکان خاص کی طرف منسوب ہو اس مکان خاص میں واقع ہونے کے اعتبار سے تو اس فعل کا انتساب ایسے مکان کی طرف صحیح ہوتا ہے جو اس مکان خاص اور اس کے علاوہ دوسرے مکان کو شامل ہو مثلا جب تم ضربت زیدا فی الدار کہو یعنی دار کی طرف ضرب کی نسبت کرتے ہوئے جو شہر کا جز ہے تو جس طرح کہ تمہارا قول **ضربت زیدا فی الدار** صحیح ہے تم ضربت زیدا فی البلد بھی کہہ سکتے ہو لیکن فعل دخول بنسبت دار کے اس طرح نہیں ہے کیونکہ داخل فی البلد کا دخلت الدار کہنا تو صحیح ہے مگر دخلت البلد کہنا صحیح نہیں ،پس فعل دخول کی نسبت دار کی طرف باقی افعال کی مثل نہ ہوئی جو کسی مکان میں کیے جاتے ہیں لہٰذا لفظ دار ،دخلت کا مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہے۔ **قولہ وقیل معناہ**:۔ اور کہا گیا ہے مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **علی الاصح** کے معنی علی الاستعمال الاصح کے ہیں پس علی الاستعمال الاصح اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ دخلت کا استعمال کلمہ فی کے ساتھ صحیح ہے جیسے دخلت فی الدار جس طرح کہ باقی وہ افعال جو ظروف کی طرف متعدی ہیں انکا نصب کلمہ فی کے ساتھ صحیح ہے جیسے سرت فی یوم الجمعۃ لیکن فی کے بغیر اس کا استعمال اصح ہے یہ بتانے کیلئے کہ دخلت افعال متعدی بنفسہا کے منزلہ میں اتارا گیا ہے اور سیبویہ سے یہ منقول ہے کہ دخلت کا استعمال فی کے ساتھ

عن سیبویه ان استعماله بفی شاذ ویُنصب ای المفعول فیه بعامل مُضمر بلاشریطة التفسیر نحو یوم الجمعة فی جواب مَن قال متٰی سِرت ای سِرت یوم الجمعة وبعامل مضمر علی شریطة التفسیر نحو یوم الجمعة صمت فیه والتفصیل فیه بعینه کما مر فی المفعول به المفعول له هو ما فُعِل لاجله ای لقصد تحصیله او بسبب وجوده وخرج به سائر المفاعیل مما فعل مطلقا او به او فیه او معه فعلٌ ای حدثٌ مذکورٌ ای ملفوظ حقیقة او حکما فلا یخرج عنه ما کان فعله مقدرا کما اذا قلت تادیبا فی جواب مَن قال لِمَ ضربت زیدا فقوله مذکور احتراز عن مثل اعجبنی التادیب

دخلت کا استعمال فی کے ساتھ شاذ ہے (اور منصوب ہوتا ہے) یعنی مفعول فیہ (عامل مضمر سے) بغیر شریطہ تفسیر کے جیسے یوم الجمعۃ اس شخص کے جواب میں جو متٰی سرت کہے ای سرت یوم الجمعۃ (اور) عامل مضمر سے (شریطہ تفسیر کی بنا پر) جیسے یوم الجمعۃ صُمت فیہ اور تفصیل بعینہ وہی ہے جو مفعول بہ میں گذر چکی ہے (مفعول لہ اس کا نام ہے جس کے لئے کیا گیا ہو) یعنی جسکے حاصل کرنے کے قصد سے یا جس کے وجود کے سبب سے اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "لاجلہ" کے ساتھ باقی مفاعیل از قبیل مفعول مطلق یا مفعول بہ یا مفعول فیہ یا مفعول معہ خارج ہو گئے (فعل) یعنی حدث (مذکور) یعنی حقیقۃ یا حکما ملفوظ لہذا مفعول لہ کی تعریف سے وہ مفعول لہ خارج نہیں ہوگا جس کا فعل مقدر ہو جیسا کہ تم کہو تادیبا اس شخص کے جواب میں جس نے کہا لم ضربت زیدا پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مذکور" احتراز ہے اعجبنی التادیب کے مثل سے

شاذ ہے۔ یہ قول استعمال اصح کا مؤید ہے۔ قولہ **ویُنصب** :۔ شارح نے المفعول فیہ سے یُنصب کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے یعنی مفعول فیہ عامل مقدر کی وجہ سے نصب دیا جاتا ہے جسکی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ عامل مضمر بلا شرط تفسیر کے ساتھ جیسے یوم الجمعۃ کہنا اس شخص کے جواب میں جس نے کہا متی سرت جسکی تقدیر سرت یوم الجمعۃ ہے دوم۔ عامل مضمر بشرط تفسیر سے جیسے یوم الجمعۃ صمت فیہ۔ قولہ **المفعول لہ**:۔ مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں۔ اول۔ وہ کہ جسکے حاصل کرنے کیلئے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے ضربتہ تادیبا دوم۔ وہ کہ جسکے وجود کے سبب فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **لاجلہ** کے ساتھ مفعول لہ کی تعریف سے باقی تمام مفاعیل خارج ہو گئے۔ قولہ **ای حدث** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول لہ کی مذکورہ تعریف صحیح نہیں کیونکہ متکلم ضربتہ تادیبا بولتا ہے تو فعل ضربت کا تکلم تادیب کیلئے نہیں ہوتا بلکہ تادیب کیلئے ضرب ہوتا ہے اور ضرب فعل نہیں بلکہ مصدر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں فعل سے فعل لغوی یعنی ضرب مراد ہے جسکا صدور تادیب کیلئے ہوتا ہے۔ قولہ **ای ملفوظ حقیقۃ او حکما**:۔ لفظ مذکور کا اطلاق چونکہ ملفوظ حقیقی پر ہوتا ہے اس لئے شارح نے مذکور کو بمعنی ملفوظ کر کے اس میں تعمیم کردی ہے کہ وہ فعل حقیقۃ ملفوظ ہو یا حکما ملفوظ ہو لہذا مفعول لہ کی تعریف سے ایسا مفعول لہ خارج نہیں ہوگا جس کا فعل مقدر ہو جیسے لم ضربت زیدا کے جواب میں تیرا قول **تادیبا** جس کا فعل ناصب مقدر ہے ای ضربتہ تادیبا۔ پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **مذکور** احتراز ہے اعجبنی التادیب کی مثل سے کہ **التادیب** کا فعل مذکور نہیں ہے اور وہ فعل ضرب ہے جو بقصد تحصیل تادیب کیا گیا ہے اور وہ فعل لفظوں میں موجود نہیں نہ حقیقۃ نہ حکما۔

☆فائدہ☆ مفعول لہ منصوب ہو یا مجرور اس میں تعدد جائز نہیں اسی وجہ سے ارشاد باری تعالی ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا میں اگر ضرارا، لا تمسکوھن کا مفعول لہ ہو تو لتعتدوا کا اس سے تعلق ممنوع ہے تاکہ مفعول لہ متعدد نہ ہو جائیں البتہ ضرارا حال ہو تو پھر یہ تعلق درست ہے کیونکہ اس صورت میں صرف ایک مفعول لہ ہوگا۔

فان قلت کیف یصح الاحتراز به عنه وهو ای الفعل الذی فُعل لاجله مذکور فی الجملة کما فی ضربتُ زیدا قلنا المراد مذکور معه فان قلت هو مذکور معه کما فی ضربته تادیبا قلنا المراد مذکور معه فی الترکیب الذی هو فیه ویرد ح نحو اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجله اللهم الا ان یراد بذکره معه ایراده معه للعمل فیه مثل ضربته تادیبا مثال لما فُعل لقصد تحصیله فعلٌ وهو الضرب فان التادیب انما یحصل بالضرب ویترتب علیه وقعدت عن الحرب جُبنا مثال لما فُعل بسبب وجوده فعل وهو القعود فان القعود انما وقع بسبب الجبن

پس اگر تم کہو کہ مذکورٌ کے ساتھ اس سے احتراز کیسے صحیح ہے حالانکہ وہ یعنی حدث کہ جس کے لئے فعل کیا گیا ہے فی الجملۃ مذکور ہے جیسا کہ ضربت زیدا میں تو ہم کہیں گے کہ مذکور سے مراد مذکورٌ معہ ہے یعنی وہ فعل اس اسم کے ساتھ مذکور ہو پھر اگر تم کہو کہ وہ فعل اس اسم کے ساتھ بعض ترکیبوں میں مذکور ہے جیسے ضربتہ تادیبا میں تو ہم کہیں گے کہ مذکورٌ سے مراد یہ ہے کہ فعل اس اسم کے ساتھ اسی ترکیب میں ہو جسمیں وہ اسم واقع ہے اور اس وقت اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ کی مثل سے اعتراض وارد ہوگا ای اللّٰہ اس کا جواب یہی ہے کہ فعل کے اس اسم کے ساتھ مذکور ہونے سے مراد فعل کو اسم میں عمل کرنے کے لئے اس کے ہمراہ وارد کرنا ہے (جیسے ضربتہ تادیبا) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جسکو حاصل کرنے کے لئے فعل کیا گیا اور وہ فعل ضرب ہے اس لئے کہ تادیب ضرب سے حاصل ہوتی ہے اور اس پر مرتب ہوتی ہے (اور قعدت عن الحرب جبنا) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے وجود کے سبب سے فعل کیا گیا جو قعود ہے کیونکہ قعود عن الحرب بزدلی کی وجہ سے واقع ہوا

قولہ **فان قلت**:۔ یعنی اگر تم یہ کہو کہ مصنف کے قول **مذکورٌ** کے ساتھ اعجبنی التادیب کی مثل سے کیسے احتراز ہوگا جبکہ تادیب کیلئے جو فعل کیا گیا ہے وہ فی الجملہ یعنی بعض امثلہ میں مذکور ہے جیسے ضربت زیدا میں فعل ضرب مذکور ہے تو ہم کہیں گے کہ مذکور سے مراد مذکورٌ معہٗ ہے اور اعجبنی التادیب میں ضرب تادیب کے ساتھ مذکور نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ ضربتہ تادیبا میں تو تادیب کے ساتھ فعل ضرب مذکور ہے تو ہم کہیں گے کہ مذکور سے مراد یہ ہے کہ اسی ترکیب میں فعل مذکور ہو جس میں وہ اسم ہے اور اعجبنی التادیب میں فعل ضرب تادیب کے ساتھ مذکور نہیں ہے قولہ **ویرد حینئذٍ**:۔ شارح فرماتے ہیں کہ اب اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ کی مثل کے ساتھ اعتراض ہوگا کہ اس مثال میں فعل اس اسم کے ساتھ ایک ہی ترکیب میں موجود ہے اگرچہ فعل موخر ہے لہٰذا اس اسم کو مفعول لہ کہنا چاہئے فرماتے ہیں کہ ای اللّٰہ تو ہی مدد فرما کہ اعتراض سے بچنا مشکل ہوگیا ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس اسم کے ساتھ فعل کے مذکور ہونے سے فعل کا اسم میں عمل کرنے کیلئے اس کے ہمراہ لانا مراد ہے اور مثال مذکور میں ضربت تادیب کے اندر عامل نہیں ہے قولہ **ضربتہ تادیبا**:۔ یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے کہ جسکی تحصیل کے ارادہ سے فعل ضرب وقوع میں آیا کہ تادیب ضرب ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اس پر مرتب ہوتی ہے اور قعدت عن الحرب جبنا اس مفعول لہ کی مثال ہے جسکے وجود کے سبب فعل قعود واقع ہوا یعنی قعود عن الحرب بزدلی کی وجہ سے واقع ہوا پس فاعل کا جبن اور اسکی بزدلی وجود میں فعل قعود پر مقدم ہے۔

قولہ **اللّٰھم**:۔ اس لفظ کو اس جواب میں ذکر کیا جاتا ہے جس کے ثبوت میں ضعف ہو گویا کہ اس جواب کے اثبات میں اللّٰہ سے استعانت حاصل کی جارہی ہے۔

والقائل بکون المفعول له معمولا مستقلا غیر داخل فی المفعول المطلق یُخالف خلافا ظاهرا للزجاج فانه ای المفعول له عنده ای عند الزجاج مصدرٌ من غیر لفظ فعله فالمعنی عنده فی المثالین المذکورین اَدَّبتُهٗ بالضرب تادیبا وجَبُنْتُ فی القعود عن الحرب جُبنا و ضربته ضربَ تادیب وقعدت قعودَ جُبنٍ ورُدَّ قول الزجاج بان صحۃ تاویل نوع بنوع لا تُدخله فی حقیقته الا تری ان صحۃ تاویل الحال بالظرف من حیث ان معنی جاء زیدٌ راکبا جاء زیدٌ وقت الرکوب من غیر ان تخرج عن حقیقتھا

اور جو اس بات کا قائل ہے کہ مفعول لہ معمول مستقل ہے مفعول مطلق میں داخل نہیں وہ خلاف کرتا ہے (خلاف) ظاہر (زجاج کے کیونکہ وہ) یعنی مفعول لہ (اس کے نزدیک) یعنی زجاج کے نزدیک (مصدر ہے) جو اپنے فعل کے لفظ سے نہیں لہٰذا زجاج کے نزدیک مذکورہ دونوں مثالوں کا معنی ہوگا ادّبتہ بالضرب تادیبا وجبنت فی القعود عن الحرب جبنا یا ضربتہ ضرب تادیب وقعدت قعود جبن اور زجاج کے قول کا اس طرح رد کیا گیا ہے کہ ایک نوع کی دوسری نوع کے ساتھ تاویل کا صحیح ہونا نوع اول کو نوع ثانی کی حقیقت میں داخل نہیں کرتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ حال کی ظرف سے تاویل کرنا صحیح ہے اس طرح کہ جاء زیدٌ راکبا کا معنی جاء زید وقت الرکوب ہے اور یہ صحت تاویل حال کو اسکی حقیقت سے خارج نہیں کرتی

قولہ **والقائل**:۔ شارح کا قول **والقائل** مبتدا ہے جسکی خبر اس کا قول **یخالف** ہے اور یہ عبارت مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **خلافا للزجاج** کیلئے تمہید ہے یعنی جو شخص مفعول لہ کو ایک مستقل معمول قرار دیتا ہے اور اسکو مفعول مطلق میں داخل نہیں مانتا زجاج کی ظاہرا مخالفت کرتا ہے اسلئے کہ جسکو نحات مفعول لہ قرار دیتے ہیں وہ زجاج کے نزدیک مفعول مطلق من غیر لفظ الفعل ہوتا ہے یعنی زجاج کے نزدیک یہ مفعول مطلق ہے یا تو اس اسم مختلف فیہ کے باب اور اسکی جنس سے فعل مقدر کرکے اور وہ فعل جو اس وقت اس اسم میں عامل ہے اسکو فعل مقدر کے متعلق کرنے سے جیسے پہلی دو مثالوں میں یا فعل ناصب للاسم کی جنس سے مصدر مقدر کرکے مصدر کو اس اسم کی جانب مضاف کرنے سے جیسے دوسری مثالوں میں پس زجاج کے نزدیک گذشتہ مثالوں کا معنی اس طرح ہوگا **اَدّبتہ بالضرب تادیبا وجَبُنت فی القعود عن الحرب جُبنا** یا معنی یہ ہوگا کہ **ضربته ضربَ تادیب وقعدت قعود جُبن** قولہ **ورُدَّ قول الزجاج**:۔ یعنی زجاج کا قول بایں طور رد کر دیا گیا ہے کہ ایک نوع کی دوسری نوع کے ساتھ اگر تاویل صحیح ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوع اول نوع ثانی کی حقیقت میں داخل ہو جائے کیا تم نہیں دیکھتے کہ حال کی تاویل ظرف کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ جاء زیدٌ راکبا کے معنی ہیں جاء زید وقت الرکوب مگر یہ صحت تاویل حال کو اسکی حقیقت سے خارج نہیں کرتی اسی طرح ظرف کی حال کے ساتھ تاویل صحیح ہے مثلا جاءنی زید وقت التعلیم ای حال کونی معلما مگر یہ تاویل ظرف کو اسکی حقیقت سے

قولہ **ظاھرا**:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے ظاہرا مقدر کرکے ظرف کا متعلق بتایا ہے اور افعال عموم میں سے کوئی شبہ فعل مقدر نہیں کیا مثلا حاصلا یا ثابتا یا کائنا مقدر نہیں کیا بلکہ فعل خاص سے شبہ فعل مقدر کیا ہے خلاف کی دو قسموں کو بیان کرنے کیلئے جو کہ خفی اور ظاہر ہیں یعنی یہ خلاف ظاہر ہے چونکہ زجاج فن نحو کا امام ہے اسلئے اسکے قول کو اصل قرار دیکر مخالفت کی نسبت قائل کی طرف کردی گئی ہے لہٰذا فاضل عصام کا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ظاہرا کہنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اظہر یہ ہے کہ خلافا سے قبل یہ عبارت مقدر کی جائے یخالف الزجاج ھذا القائل یعنی زجاج اس قائل کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ مخالف کا قول اصل ہے اور خلاف زجاج کی جانب سے واقع ہوا ہے۔

وشرط نصبه ای شرط انتصاب المفعول له لاشرط کون الاسم مفعولا له فالسمن والاکرام فی قولک جئتک للسمن ولا کرامک الزائرَ عنده مفعول له علی مایدل علیه حده وهذا کما قال فی المفعول فیه ان شرط نصبه تقدیر فی وهذا ایضا خلاف اصطلاح القوم **تقدیرُ اللام** لانها اذاظهرت لزم الجرو خص اللام بالذکر لانها الغالب فی تعلیلات الافعال فلایقدر غیرها من من او الباء او فی مع انها من دواخل المفعول له کقوله تعالی خاشعامتصدعامن خشیة الله وقوله تعالی فبظلم من الذین هادوا حرمنا وقوله علیه السلام ان امرأة دخلت النار فی هرة ای لاجلها

(اوراس کے منصوب ہونے کی شرط) یعنی مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط نہ کہ اسم کے مفعول لہ ہونے کی شرط۔ پس تمہارے قول "جئتک للسمن ولا کرامک الزائر" میں سمن اور اکرام مصنف علیہ الرحمۃ کے نزدیک مفعول فیہ ہے اس بنا پر کہ اس پر مفعول لہ کی تعریف دلالت کرتی ہے اور یہ اسی طرح ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ نے مفعول فیہ میں کہا ہے کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیر فی ہے اور یہ بھی اصطلاح قوم کے خلاف ہے (لام کا مقدر ہونا ہے) کیونکہ جب لام ظاہر ہو تو جر واجب ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے لام کا خاص کر ذکر کیا اس لئے کہ لام تعلیلات افعال میں غالب ہے پس لام کے علاوہ مِن یا باء یا فی کو مقدر نہیں کیا جاتا باوجود اس بات کے کہ یہ حروف بھی مفعول لہ پر داخل ہونے والے حروف میں سے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے فبظلم من الذین ھادوا حرمنا اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ان امرأۃ دخلت النار فی ھرۃ ای لاجلھا

خارج نہیں کرتی قولہ **وشرطه نصبه** :۔ اور مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیر لام ہے لیکن مفعول لہ ہونے کی شرط تقدیر لام نہیں اسلئے کہ تیرے قول **جئتک للسمن اور جئتک لاکرامک للزائر** میں سمن اور اکرام مصنف علیہ الرحمۃ کے نزدیک مفعول لہ ہے جیسا کہ مفعول لہ کی تعریف سے واضح ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا یہاں شرط نصبہ تقدیر اللام کہنا اور مفعول فیہ میں **شرط نصبه تقدیر فی** کہنا دونوں اصطلاح قوم کے خلاف ہیں کیونکہ قوم کے نزدیک مذکور باللام مفعول لہ نہیں بلکہ مفعول بہ بواسطہ حرف جر ہے اور مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط تقدیر لام اس لئے ہے کہ جب لام ظاہر ہو تو اسکی وجہ سے مفعول لہ کو جر لازم ہے۔ قولہ **وخص اللام بالذکر** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لام کی مثل کلمہ باء فی اور مِن بھی مفعول لہ کے دواخل میں سے ہیں پھر صرف لام کی تقدیر کیوں شرط ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے خاص کر تقدیر لام کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ افعال کی تعلیل میں غالب ہے کیونکہ جن معانی کیلئے لام موضوع ہے ان میں سے ایک معنی تعلیل ہے اور ذہن کا انتقال غالب کی طرف ہوا کرتا ہے اور باقی حروف لام کے نائب ہو کر مفید تعلیل ہیں اسلئے اصل کے ذکر پر اکتفاء کر لیا ہے۔ لہٰذا لام کے علاوہ حروف مذکورہ سے کوئی حرف مقدر نہیں کیا جائیگا اور حروف مذکورہ کے مفعول لہ پر داخل ہونے کی امثلہ شرح میں موجود ہیں۔

قولہ **شرط انتصابه** :۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے نصبہ کی ضمیر کا مرجع مفعول لہ ہے اور نصب جو مصدر متعدی ہے وہ لازم یعنی انتصاب کے مرتبہ میں رکھا گیا ہے اور انتصاب کو فاعل کی جانب مضاف کر دیا گیا ہے۔ اگر مذکورہ تاویل نہ کریں تو شرط نصبہ کے معنی ہونگے شرط کونہ ناصبا للغیر اور یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ مفعول لہ کسی شئی کو نصب نہیں کرتا بلکہ فعل معلل بہ اس کو نصب کرتا ہے یعنی وہ ناصب نہیں بلکہ نصب دیا ہوا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا تاویل کرنی پڑیگی۔

قولہولما كان تقدير اللام عبارة عن حذفها عن اللفظ وابقائها في النية وكان الاصل ابقاءها في اللفظ والنية فلا حاجة في ابقائها في النية الى شرط بل الحاجة اليه انما يكون في حذفها من اللفظ ولهذا قال **وانما يجوز حذفها** ولم يكتف بارجاع ضمير الفاعل الى تقدير اللام فيجوز حذفها كما يجوز ذكرها **اذا كان** المفعول له **فعلا** احترازا عما اذا كان عينا نحو جئتك للسمن **لفاعل الفعل المعلل به** اى الحدث فاعله وفاعل عامله احترازا عما اذا كان فعلا لغيره نحو جئتك لمجيئك اياى **ومقارنا له** اى للفعل المذكور **في الوجود** بان يتحد زمان وجودهما نحو ضربته تاديبا اذ زمان الضرب والتاديب واحد اذ لا مغايرة بينهما الا بالاعتبار او يكون زمان وجود احدهما بعضا من زمان وجود الآخر نحو قعدت عن الحرب جبنا

اور جبکہ لام کی تقدیر لفظ میں لام کے حذف کرنے اور نیت میں باقی رکھنے سے عبارت تھی حالانکہ اصل لام کا لفظ اور نیت میں باقی رکھنا ہے تو لام کے نیت میں باقی رکھنے کی کوئی شرط نہیں بلکہ لام کے لفظ سے حذف کرنے کے لئے شرط ہے اسی وجہ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے کہا (اور اس کا حذف کرنا جائز ہے) اور مصنف علیہ الرحمۃ نے یجوز کی ضمیر فاعل کو تقدیر لام کی طرف لوٹانے پر اکتفا نہیں کیا تو لام کا حذف کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کا ذکر کرنا جائز ہے (جبکہ ہو) مفعول لہ (فعل) یہ اس سے احتراز ہے جب وہ عین ہو جیسے جئتک للسمن (فعل معلل بہ کے فاعل کے لئے) یعنی مفعول لہ اور اسکے عامل کا فاعل ایک ہو یہ اس مفعول لہ سے احتراز ہے جو اپنے عامل کے غیر کا فعل ہو جیسے جئتک لمجیئک ایای (اور اسکے مقارن ہو) یعنی فعل مذکور کے (وجود میں) اس طرح کہ مفعول لہ اور فعل کے وجود کا زمانہ ایک ہو جیسے ضربتہ تادیبا کیونکہ ضرب اور تادیب کا زمانہ ایک ہے اس لئے کہ مفعول لہ اور فعل کے زمانہ میں مغایرت صرف اعتباری ہے یا ایک کے وجود کا زمانہ دوسرے کے وجود کے زمانہ کا بعض ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا

قولہ ولما كان:۔ یہ آئندہ عبارت کیلئے تمہید اور ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے وانما یجوز حذفہا لکھا ہے صرف وانما یجوز کیوں نہیں لکھا یعنی یجوز کی ضمیر مستتر کو تقدیر اللام کی طرف راجع کرنے پر اکتفاء کیوں نہیں کیا جو کہ مختصر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ تقدیر کے معنی ہیں لفظ میں ذکر نہ کرنا اور نیت میں باقی رکھنا یعنی حذف فی اللفظ اور ابقاء فی النیۃ کے مجموعہ سے تقدیر لام عبارت ہے۔ پس اگر مصنف علیہ الرحمۃ صرف وانما یجوز کہتے اور ضمیر کو تقدیر لام کی طرف راجع کر دیتے تو اس سے یہ مفہوم ہوتا کہ لفظ میں ذکر نہ کرنے اور نیت میں باقی رکھنے کی تین شرطیں ہیں حالانکہ نیت میں باقی رکھنے کی کوئی شرط نہیں کیونکہ وہ اصل ہے اور اصل محتاج شرط نہیں ہوتا البتہ لفظ میں ذکر نہ کرنا جو حذف کہلاتا ہے وہ محتاج شرط ہے کہ خلاف اصل ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے **وانما یجوز حذفها** کہا ہے یعنی حذف لام جائز ہے واجب نہیں۔ پس اس کا حذف اور ذکر دونوں جائز ہیں قولہ **اذا کان**:۔ یعنی مفعول لہ سے حذف لام اس وقت جائز ہے جب وہ فعل ہو عین نہ ہو۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **فعلا** جئتک **للسمن** سے احتراز ہے کیونکہ سمن عین یعنی قائم بذاتہ ہے لہذا اس سے لام حذف کر کے جئتک سمنا کہنا درست نہیں اور وہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو یعنی مفعول لہ اور اسکے عامل کا فاعل متحد ہو۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **لفاعل الفعل المعلل به** اس مفعول لہ

فان زمان الفعل اعنی القعود عن الحرب بعضُ زمان المفعول له اعنی الجبن ونحو شهدت الحرب ایقاعاً للصلح بین الفریقین فان زمان المفعول له اعنی ایقاع الصلح بعضُ زمان الفعل اعنی شهود الحرب واحترز بذلک القید عما اذا لم یکن مقارناً له فی الوجود نحو اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس وانما اشترط هذه الشرائط لانه بهذه الشرائط یُشبه المصدر فیتعلق بالفعل بلا واسطة تعلق المصدر به بخلاف ما اذا اختلّ شیٔ منها

کیونکہ فعل یعنی قعود عن الحرب کا زمانہ مفعول لہ یعنی جبن کے زمانہ کا بعض ہے اور جیسے شھدت الحرب ایقاعاً للصلح بین الفریقین کیونکہ مفعول لہ یعنی ایقاع صلح کا زمانہ فعل یعنی شہود الحرب کے زمانہ کا بعض ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے مقارنا کی قید کے ساتھ اس مفعول لہ سے احتراز کیا ہے جو وجود میں فعل مذکور کے لئے مقارن نہ ہو جیسے اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امسِ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے یہ شرائط اس لئے عائد کئے ہیں کہ ان شرائط کے ساتھ مفعول لہ مصدر کے مشابہ ہو جاتا ہے پس مفعول لہ متعلق ہوتا ہے فعل کے ساتھ بغیر واسطہ کے مثل مصدر کے متعلق ہونے کے فعل کے ساتھ برخلاف اس کے کہ کوئی شرط مفقود ہو

سے احتراز ہے جو فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل نہ ہو جیسے جئتک لمجیئک ایا ی کیونکہ اس مثال میں مجی فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل نہیں جو کہ متکلم ہے بلکہ یہ مخاطب کا فعل ہے اس لئے اسمیں حذف لام جائز نہیں یہ حذف لام کی دو شرطیں ہیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل معلل بہ کے وجود کا زمانہ باہم مقارن ہو جسکی دو صورتیں ہیں. اول۔ یہ کہ دونوں کا زمانہ وجود ایک ہو جیسے ضربتہ تادیبا میں ضرب اور تادیب کا زمانہ وجود ایک ہے صرف اسمیں مغایرت اعتباری ہے. دوم۔ یہ کہ ایک کے وجود کا زمانہ دوسرے کے وجود کے زمانہ کا بعض ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا کہ قعود عن الحرب کا زمانہ جبن یعنی بزدلی کے زمانہ کا بعض ہے اور جیسے شھدت الحرب ایقاعاً للصلح بین الفریقین اس میں مفعول لہ یعنی ایقاع صلح کا زمانہ شہود فی الحرب کے زمانہ کا بعض ہے اور **مقارناً** لقید احترازی ہے جس کے ساتھ **اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس** کی مثل سے احتراز ہے کیونکہ اس میں وعدی مفعول لہ ہے جس کا زمانہ گذشتہ کل ہے اور فعل معلل بہ یعنی اکرام کا زمانہ آج کا دن ہے جسمیں مقارنت نہیں ہے اس لئے مفعول لہ سے حذف لام جائز نہیں ہے. قولہ **وانما اشترط**: ۔ یعنی مفعول لہ سے حذف لام ان تینوں شرائط کے ساتھ اس لئے مشروط کیا گیا ہے کہ ان شرطوں کی موجودگی میں مفعول لہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ وہ بھی حدث ہوتا ہے اور فعل مذکور کے فاعل کا فعل ہوتا ہے اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہوتا ہے اور منصوب ہونے میں کسی واسطہ کا محتاج نہیں ہوتا. پس اس مشابہت کی وجہ سے فعل کے ساتھ مفعول لہ کا تعلق بلا واسطہ لام ہوگا جسطرح کہ فعل کے ساتھ مفعول مطلق کا تعلق بلا واسطہ ہوتا ہے تو جس طرح فعل اپنے مصدر پر مشتمل ہوتا ہے کہ مصدر فعل اصطلاحی کے مفہوم کا جزء ہے اور فعل مصدر کو بلا واسطہ نصب دیتا ہے اسی طرح ان شرائط کی موجودگی میں فعل مفعول لہ کو بھی بلا واسطہ نصب دے گا. بخلاف اس صورت کے کہ شرائط مذکورہ سے کوئی شرط مفقود ہو پس اس صورت میں فعل بلا واسطہ مفعول لہ میں عمل نہیں کریگا. بلکہ اسوقت مفعول لہ میں لام ضروری ہوگا کیونکہ وہ مفعول مطلق کی مشابہت کے ضمن سے خارج ہو گیا ہے لہٰذا اسکا انتصاب بتقدیر لام نہیں ہوگا.

قولہ **تعلق المصدر بہ**: ۔ لفظ تعلق منصوب بنزع الخافض ہے اصل عبارت اس طرح ہے کتعلق المصدر بہ یعنی کاف کے حذف کے بعد کاف کے متعلق فعل نے کاف

المفعول معه ای الذی فُعِل لمصاحبته بان یکون الفاعل مصاحباله فی صدور الفعل عنه او المفعول به فی وقوع الفعل علیه فقوله معه مفعول مالم یسم فاعله اسند الیه المفعول کما اسند الی الجار والمجرور فی المفعول به وفیه وله والضمیر المجرور راجع الی اللام واعتُذر عن نصبه بماجوزه بعض النحاة من اسناد الفعل الی لازم النصب وترکه منصوباجریًا علی ماهو علیه فی الاکثر والیه ذُهب فی قوله تعالٰی لَقد تقطع بینکم علی قرأة النصب وفی بعض الحواشی ان هذا الرأی شریفٌ جدًا

(مفعول معہ) یعنی وہ جسکی مصاحبت سے فعل کیا گیا ہو بایں طور کہ فاعل صدور فعل میں اس کا مصاحب ہو یا مفعول وقوع فعل میں اسکا مصاحب ہو پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "معہ" مفعول مالم یسم فاعلہ ہے جسکی طرف لفظ المفعول مسند ہے جیسا کہ المفعول بہ المفعول فیہ اور المفعول لہ میں المفعول جار مجرور کی طرف مسند ہے اور ضمیر مجرور المفعول کے لام کی طرف راجع ہے اور معہ کے نصب کا اس قاعدہ کے ساتھ عذر پیش کیا گیا ہے جسے بعض نحات نے جائز کیا ہے یعنی فعل کی اسناد لازم النصب کی طرف کرنا اور اسکو منصوب باقی رکھنا اس کو اس حالت پر جاری کرتے ہوئے جس پر وہ اکثر استعمال میں ہے اور اسی اعتذار کو جاری کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ لقد تقطع بینکم میں نصب کی قرات کی بناپر اور بعض حواشی میں اس رائے کو عمدہ قرار دیا گیا ہے

قولہ **المفعول معه** :۔ المفعول کا لام بمعنی الذی ہے اور مفعول بمعنی فُعِل ہے یعنی وہ چیز جسکی معیت میں کوئی فعل کیا گیا بایں طور کہ اسکی معیت میں فاعل سے کوئی فعل صادر ہوا جیسے جئتک وزیدا میں متکلم سے زید کی معیت میں مجیئت صادر ہوئی یا اسکی معیت میں مفعول پر کوئی فعل واقع ہوا جیسے کفاک وزیدا درھم میں مخاطب پر کفایت کا وقوع زید کی معیت میں ہوا پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مَعَهٗ" مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور تقدیرا مرفوع ہے اور معہ کی طرف المفعول کا اسناد اسطرح ہے جسطرح کہ المفعول بہ اور المفعول فیہ اور المفعول لہ میں المفعول کا جار مجرور کی طرف اسناد ہے اور معہ کی ضمیر کا مرجع المفعول کا الف لام ہے قولہ **واعتذر** :۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ معہ کو مفعول مالم یسم فاعلہ بنانا درست نہیں کیونکہ لفظ مَعَ کو نصب لازم ہے جبکہ مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوع ہوتا ہے شارح نے جواب دیا کہ مَعَ کے منصوب ہونے کا عذر اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لفظ مَعَ ان ظروف میں سے ہے جو اکثر و بیشتر ظرف ہونے کی بناپر منصوب ہوتے ہیں اور انکے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ یہ ظروف اگر فاعل یا نائب فاعل واقع ہوں تو نصب پر باقی رہتے ہیں تو نحات کے اس قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے اسکو اصل کے مطابق منصوب باقی رکھا گیا جیسے ارشاد باری تعالیٰ **لقد تقطع بینکم** میں لفظ بین ایک قرات میں منصوب ہے اور اسکو اس قاعدہ کے پیش نظر منصوب رکھا گیا ہے ورنہ یہ لفظ بین فعل مذکور کا فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے جبکہ بین منصوب ہے۔ یعنی لفظ بین مشغول باعراب سابق ہے اور تقدیرا مرفوع ہے اور بعض حواشی میں اس رائے کو عمدہ و افضل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسمیں چند خوبیاں ہیں۔ اول۔ یہ کہ یہ کلام الٰہی کے موافق ہے۔ دوم۔ یہ کہ ضمیر کو مصدر کی جانب راجع کرکے مصدر کو نائب فاعل بنانے کا تکلف نہیں کرنا پڑیگا سوم۔ یہ کہ المفعول بہ وغیرہ سے موافقت ہو جائیگی۔

کے مدخول میں نصب کا عمل کیا جس کی وجہ سے کاف کا مدخول منصوب ہو گیا قولہ **فی الاکثر** :۔ اکثر سے مراد استعمال اکثر ہے یعنی لازم النصب اکثر رفع کے موضع میں حسب سابق منصوب باقی رہتا ہے اور کبھی مجرور بھی ہو جاتا ہے۔ جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے لیت بنی اودمی فی الجنۃ۔

وقیل الوجه ان یجعل من قبیل ع وقد حِیل بین العَیروالنزوان ☆فان مفعول مالم یسم فاعله فیه الضمیر الراجع الی مصدره ای حیل الحیلولة لان بین للزوم ظرفیته لایقام مقام الفاعل فعلی هذایکون معناه الذی فُعل فعلٌ بمصاحبته علی ان یکون مفعول مالم یسم فاعله ضمیرا راجعاالی مصدره والضمیرالمجرورللموصول هومذکوربعدالواواحترازعن المذکور بعد غیره کالفاء لمصاحبته معمول فعلٍ اللام متعلق بمذکورای یکون ذکره بعدالواولاجل مصاحبته معمولَ فعلٍ وافادته ایاهاسواء کان ذٰلک المعمول فاعلانحواستوی الماء والخشبةاومفعولانحوکفاک وزیددرهم

اورکہا گیا ہے کہ معہ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسکو وقد حیل الخ کے قبیل سے کردیا جائے کیونکہ شاعر کے قول میں حیل کا مفعول مالم یسم فاعلہ وہ ضمیر ہے جو اسکے مصدر کی جانب راجع ہے ای حیل الحیلولۃ اس لئے کہ لفظ بین لزوم ظرفیت کی وجہ سے فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔پس اس توجیہ کی بناپرالمفعول معہ کا معنی ہوگا الذی فُعِل فِعلٌ بمصاحبتہ، اس بناپر کہ المفعول کا مفعول مالم یسم فاعلہ وہ ضمیر ہو جو اسکے مصدر کی طرف راجع ہے اور ضمیر مجرور موصول کے لئے ہو (جو مذکور ہو واؤ کے بعد) اور بعد الواؤ کی قید سے اس سے احتراز جو واؤ کے غیر کے بعد ہو جیسے فاء (فعل کے معمول کی مصاحبت کے لئے) لمصاحبتہ کا لام مذکورٌ کے متعلق ہے یعنی مفعول معہ کا ذکر واؤ کے بعد ہو مفعول معہ کے فعل کے معمول کے مصاحبت کی وجہ سے اور واؤ کے مصاحبت کا فائدہ دینے کی وجہ سے خواہ وہ معمول فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبۃ یا مفعول ہو جیسے کفاک وزیدادرھم

قولہ **وقیل الوجه**:۔یہ سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے یعنی لفظ مَعَ کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یا المفعول کا مفعول فیہ ہے اور اسکی ضمیر المفعول کے الف لام کی طرف راجع ہے اور المفعول کا نائب فاعل ضمیر مستتر راجع بسوئے فُعل مصدر ہے **ای الذی فُعل فعلٌ معه** یعنی وہ چیز جسکی مصاحبت میں کوئی کام کیا گیا جسطرح کہ درج ذیل مصرع میں ضمیر مستتر مصدر کو راجع ہے۔ **وقدحیل بین العیرالخ ای وقد حیل الحیلولة** کیونکہ مصرع میں کلمہ حِیل کے بعد بین ہے جسکو ظرفیت لازم ہے اس لئے وہ نائب فاعل نہیں بن سکتا لہٰذا المفعول معہ میں بھی نائب فاعل ضمیر مستتر ہوگی جو المفعول کے مصدر فِعل کو راجع ہوگی اور معہ کی ضمیر مجرور موصول کو راجع ہوگی اور عبارت اس طرح ہوگی اَلّذی فُعِل فِعْل بمصاحبتہ.قولہ **ھومذکور**:۔یعنی مفعول معہ وہ اسم ہے جو واؤ کے بعد مذکور ہو یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ اسکو کسی فعل کے معمول کی مصاحبت حاصل ہے مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "بعد الواؤ" احتراز ہے اس سے جو واؤ بمعنی مع کے غیر کے بعد واقع ہو مثلاً فاء کے بعد مذکور ہو اور مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **لمصاحبته** مذکورٌ کے متعلق ہے یعنی اس اسم کا ذکر واؤ بمعنی مع کے بعد اس لئے کیا گیا ہو کہ وہ کسی فعل کے معمول کا مصاحب ہے اور واؤ بمعنی مع اسی مصاحبت کا فائدہ دے رہا ہے خواہ وہ معمول جسکا مفعول معہ کسی فعل اور حدث میں مصاحب اور شریک ہے فاعل ہو جیسے استوی

قولہ **کالفاء**:۔اور فاء کی مثل ثم، حتی اور باء بھی اگرچہ معیت اور مصاحبت کے معنی کا افادہ کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ حروف افادہ معیت و مصاحبت میں اصل نہیں ہیں اس لئے ان کے بعد واقع اسم مفعول معہ نہیں ہوگا قولہ **وافادته ایاها**:۔یہ مصاحبت پر معطوف ہے اور ضمیر مجرور واؤ کو راجع ہے اور ضمیر منصوب مصاحبت کو۔

سواء کان ذٰلک الفعل لفظاً ای لفظیاً کالمثالین المذکورین اومعنی ای معنویاً نحو مالک وزیداً ای ماتصنع والمراد بمصاحبته لمعمول الفعل مشارکته له فی ذٰلک الفعل فی زمان واحدٍ نحو سرت وزیداً او مکان واحد نحو لو تُرِکتَ الناقۃ وفصیلھا لرَضَعھا فلاینتقض بالمذکور بعد الواو العاطفۃ نحو جاء نی زید وعمرو فانھا لاتدل الاعلی المشارکۃ فی اصل الفعل دون المصاحبۃ

خواہ وہ فعل (لفظا ہو) یعنی لفظی ہو جیسے مذکورہ مثالوں میں (یا معنی ہو) یعنی معنوی ہو جیسے مالک وزیدا یعنی ماتصنع اور مفعول معہ کی فعل کے معمول سے مصاحبت سے مراد مفعول معہ کی معمول کے ساتھ اس فعل کے وقت واحد میں شرکت ہے جیسے سرت وزیدا یا مکان واحد میں مشارکت ہے جیسے لو تُرِکت الناقۃ وفصیلھا لرضعھا، پس مفعول معہ کی تعریف واؤ عطف کے بعد مذکور سے منقوض نہ ہوگی جیسے جاء نی زیدٌ وعمر کیونکہ اس مثال میں واؤ صرف اصل فعل میں مشارکت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ مصاحبت پر

السماء والحبۃ میں لفظ السماء یا وہ معمول فعل کا مفعول ہو جیسے کفاک وزیدا درھم میں کاف ضمیر خطاب جو مفعول ہے۔ یعنی مخاطب اور زید وقوع فعل میں مصاحب ہیں۔ قولہ **سواء کان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **لفظا او معنی** کس بنا پر منصوب ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں کان مقدر کی خبر کی بنا پر منصوب ہیں۔ اس پر سوال ہوا کہ انکو کان کی خبر بنانا درست نہیں کیونکہ کان کی خبر اس کے اسم پر محمول ہوتی ہے اور لفظا و معنی وصف محض ہیں جنکا کان کے اسم پر حمل درست نہیں ہے تو شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں لفظیا و معنویا کی تاویل میں ہو کر کان کے اسم پر محمول ہیں اور اس تقدیر پر حمل درست ہے فعل ملفوظ کی مثالیں شرح میں گذر چکی ہیں اور فعل معنوی کی مثال مالک وزیدا ہے اس میں فعل معنوی تصنع ہے ای ماتصنع قولہ **والمراد بمصاحبته**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مفعول معہ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ یہ تعریف معطوف بحرف پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ بھی معطوف علیہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے مثلا جاء نی زید وعمرو میں عمرو معطوف ہے جو مجیئت میں زید کے ساتھ شریک ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصاحبت کا معنی ہے ایک زمانہ میں اشتراک ہو یعنی مفعول معہ وہ ہے جو واؤ بمعنی مع کے بعد واقع ہو اور اس فعل میں فعل کے معمول کے مشارک ہو ایک وقت میں جیسے سرت وزیدا کہ اس مثال میں مفعول معہ متکلم کے ساتھ فعل سیر میں وقت واحد میں شریک ہے۔ یا ایک مکان میں مشارک ہو جیسے لو تُرِکت الناقۃ وفصیلھا لرضعھا اگر اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ چھوڑ دی جاتی تو وہ بچے کو دودھ پلا دیتی۔ اسمیں مفعول معہ یعنی فصیلہ فعل کے معمول یعنی ناقہ کے ساتھ فعل یعنی ترک میں مکان واحد میں شریک ہے۔ اور جاء نی زید وعمرو میں واؤ عاطفہ صرف اصل فعل یعنی آنے میں شرکت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ واؤ مطلق جمع کا افادہ کرتا ہے زمان واحد یا مکان واحد میں اشتراک کا افادہ نہیں کرتا لہٰذا یہ دونوں کے آنے پر دال ہے نہ مصاحبت پر لہٰذا اس مثال سے مفعول معہ کی تعریف پر اعتراض نہیں ہو سکے گا۔

قولہ **ای معنویا**:۔ فعل معنوی سے مراد وہ فعل ہے جو نہ ملفوظ ہو نہ مقدر بلکہ اعماز کلام سے مستنبط ہوتا ہو جیسے مالک وزیدا میں تصنع مستنبط کیا جاتا ہے۔ وجہ استنباط یہ ہے کہ جار مجرور جب استفہام کے ساتھ ہو تو یہ فعل پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ حرف جار فعل کے معنی کو اپنے مدخول تک پہنچانے کیلئے وضع کیا گیا ہے لہٰذا وہ فعل کا محتاج ہے اور استفہام بھی فعل کا متقضی ہے کیونکہ مستفہم عنہ حقیقۃ مضمون فعل ہوتا ہے لہٰذا بلحاظ مقام یہاں پر فعل تصنع مستنبط کیا گیا۔ (جواہر) ☆سوال ☆ کلمہ مع معیت زمانیہ پر دلالت کرتا ہے تو لو ترکت الناقۃ وفصیلھا میں واؤ بمعنی مع سے معیت مکانیہ کسطرح مراد لی گئی ہے۔ ☆جواب ☆ معیت مکانیہ لرضعھا کے قرینہ سے مراد لی گئی ہے کیونکہ اتحاد مکان کے بغیر دودھ پلانا متصور نہیں (عبد) قولہ **لو ترکت**:۔ یہ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول ہے اور الناقۃ اس کا نائب فاعل ہے۔

واعلم ان مذهب جمهور النحاة ان العامل فی المفعول معه الفعلُ او معناه بتوسط الواو التی بمعنی مع وانما وضعوا الواو موضع مع لکونها اخصر واصلها او العطف التی فیها معنی الجمع فناسب معنی المعیة فان کان ای وجد الفعل ای مایدل علی الحدث فیعم الفعل واسمی الفاعل والمفعول والصفة المشبهة وغیرها لفظا وجاز ای لم یجب العطف ولم یمتنع فلاینتقض بمثل ضربت زیدا وعمرا لوجوب العطف فیه

، جان لو کہ جمہور نحات کا مذھب یہ ہے کہ مفعول معہ میں عامل بواسطہ واؤ بمعنی مع فعل یا معنی فعل ہے اور نحویوں نے واؤ کو مع کی جگہ رکھا کہ واؤ مع سے زیادہ مختصر ہے اور اسکی اصل برائے عطف ہے جس میں جمع کا معنی ہے لہذا اس کیلئے معیت کا معنی مناسب ہوا (پس اگر ہو) یعنی پایا جائے (فعل) یعنی وہ جو حدث پر دلالت کرے پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "الفعل" فعل اور اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ اور ان کے غیر کو شامل ہوگا (لفظا اور جائز ہو) یعنی واجب نہ ہو (عطف) اور ممتنع نہ ہو پس ضربت زیدا وعمرا سے نقض وارد نہیں ہوگا کیونکہ اس مثال میں عطف واجب ہے

قولہ واعلم :۔ اس عبارت میں شارح علیہ الرحمۃ عبد القاھر جرجانی پر رد کرتے ہیں جن کا مذھب یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل ناصب واؤ ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ جمہور نحات کا مذھب یہ ہے کہ مفعول معہ میں عامل فعل یا معنی فعل ہے بواسطہ واؤ کے یعنی واؤ صرف واسطہ ہے خود عامل نہیں۔ اور واؤ کو مع کی جگہ میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ واؤ میں بنسبت مع کے اختصار ہے کیونکہ واؤ یک حرفی ہے اور مع دو حرفی ہے۔ اور یہ واؤ اصل میں واؤ عطف ہے جس میں جمعیت کے معنی ہوتے ہیں جو مع کے معنی یعنی مصاحبت کے مناسب ہے۔ **قولہ فان کان**:۔ شارح نے ای وُجِدَ کے ساتھ تفسیر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلمہ کان ناقصہ نہیں بلکہ تامہ ہے اور **الفعل** کی **مایدل علی الحدث** کے ساتھ تفسیر کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے **فان کان الفعل** سے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ شبہ فعل میں بھی جاری ہوتا ہے پھر مصنف علیہ الرحمۃ نے اسکو فعل کے ساتھ خاص کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہاں الفعل سے مراد دال علی الحدث ہے جو شبہ فعل یعنی اسم فاعل وغیرہ کو شامل ہے یعنی اگر فعل لفظا موجود ہو اور واؤ کے مابعد کا عطف اس کے ماقبل پر جائز ہو یعنی نہ واجب ہو اور نہ ممتنع تو دونوں وجہ جائز ہیں یعنی واؤ عاطفہ کے ذریعے ماقبل پر اس کا عطف کرنا اور نصب بنابر مفعولیت کے **قولہ ای لم یجب**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جواز وجہین کا حکم ضربت زیدا وعمرا سے منقوض ہے اس لئے کہ اس مثال میں فعل لفظا ہے اور عطف بھی جائز ہے لیکن وجہین جائز نہیں بلکہ عطف متعین ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کے قول **جاز** سے یہ مراد ہے کہ عطف واجب یا ممتنع نہ ہو اور مثال مذکور میں عطف واجب ہے کیونکہ اس ضرب کے اندر زمان واحد یا مکان واحد میں معیت اور مصاحبت مشکل ہے اس لئے اس میں وجہین جائز نہیں بلکہ عطف متعین ہے۔ کیونکہ اصل اس واؤ میں عطف

قولہ واعلم :۔ مفعول معہ کے عامل میں اختلاف ہے۔ جمہور نحات کے نزدیک واؤ بمعنی مع کے توسط سے فعل لفظی یا معنوی اس میں عامل ہے عبد القاہر کے نزدیک خود واؤ عامل ہے اور اخفش کے نزدیک چونکہ یہ واؤ بمعنی مع ہے اور مع ظرف ہے جو منصوب ہوتا ہے لہذا واؤ بھی منصوب ہے لیکن واؤ باعتبار اصل حرف ہے نظر برآں واؤ کا نصب مابعد کو دیدیا گیا اور زجاج کے نزدیک اس کا عامل فعل ہے جو واؤ کے بعد مضمر ہے کیونکہ سابق فعل واؤ کے فاصل ہونے کی بنا پر عامل نہیں رہا ان مذاھب میں جمہور کا مذھب اولی ہے کہ فعل عمل میں اصل ہے اور واؤ عمل سے مانع نہیں کہ اس کا اصل واؤ عاطفہ ہے جو مانع نہیں تو یہ واؤ کیسے مانع ہوگا؟ **قولہ لفظا**:۔ چونکہ شارح نے کلمہ کان کو بمعنی وجد

فالوجهان ای العطف والنصب علی المفعولیة جائزان نحو جئت انا وزیدٌ بالرفع علی العطف وزیدا بالنصب علی المفعولیة والا ای وان لم یجز العطف بل یمتنع تعین النصب مثل جئت وزیدا فان العطف فیه ممتنع لعدم الفاصلة لا بتاکید المتصل بالمنفصل ولا بغیره وان کان الفعل معنی ای امرا معنویا مستنبطا من اللفظ وجاز ای لم یمتنع العطف تعین العطف حیث لا یحمل علی عمل العامل المعنوی بلا حاجة مع جواز وجه آخر وهو العطف نحو ما لزید وعمرو

(تو دو وجہ) یعنی عطف اور نصب بنا بر مفعولیت جائز ہیں (جیسے جئت انا وزیدٌ) رفع کے ساتھ بنا بر عطف (اور زیدا) نصب کے ساتھ مفعول ہونے کی بنا پر (ورنہ) یعنی اور اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو (تو نصب متعین ہو جائے گی جیسے جئت وزیدا) کیونکہ اس مثال میں عطف ممتنع ہے فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے نہ ضمیر منفصل سے متصل کی تاکید کے ساتھ اور نہ اس کے غیر کے ساتھ (اور اگر ہو) فعل (معنی) یعنی امر معنوی لفظ سے مستنبط (اور جائز ہو) یعنی ممتنع نہ ہو (عطف تو متعین ہو جائے گا عطف) کیونکہ بلا ضرورت عامل معنوی کے عمل پر حمل نہیں کیا جائیگا باوجود جائز ہونے وجہ آخر کے اور وہ عطف ہے (جیسے مالزید وعمرو ہے.

قولہ **جائزان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "**فالوجہان**" جزا ہے اور جزا کا جملہ ہونا شرط ہے لہذا فالوجہان کو شرط کی جزا بنانا درست نہیں. شارح نے جواب دیا کہ صرف الوجہان جزا نہیں بلکہ اپنی خبر محذوف جائزان کے ساتھ ملکر یہ جملہ جزا ہے ای **فالوجہان جائزان** وجہ اول یہ کہ واؤ کو عاطفہ قرار دیکر واؤ کے مابعد کو اسکے ماقبل پر معطوف کرنا کہ واؤ میں اصل یہی ہے کہ عاطفہ ہو وجہ دوم یہ کہ واؤ بمعنی مع ہو اور اسکے مابعد کو مفعول ہونے کی بنا پر نصب دینا. قولہ **نحو جئت انا وزید وزیدا**:۔ یہ مذکورہ قاعدہ کی مثال ہے چونکہ لفظ زید کا ضمیر متصل پر عطف جائز ہے تاکید بالمنفصل کی وجہ سے لہذا اسکو مرفوع پڑھنا جائز ہے اور مفعول معہ کی بنا پر اسکو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے قولہ **والا**:۔ یعنی اگر واؤ کے مابعد کا اس کے ماقبل پر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہو جائیگا جیسے جئت وزیدا اور امتناع عطف کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر متصل پر عطف بلا تاکید و فصل جائز نہیں. قولہ **وان کان الفعل**:۔ اور اگر فعل امر معنوی مستنبط من اللفظ ہو اور عطف جائز ہو ممتنع نہ ہو تو عطف متعین ہو جائیگا کیونکہ بلا ضرورت کلام کو عامل معنوی پر محمول نہیں کیا جائیگا اسکے باوجود کہ وجہ آخر یعنی عطف جائز ہے جیسے مالزید وعمرو میں عمرو کا عطف زید پر جائز ہے ممتنع نہیں. پس یہاں اگرچہ عامل معنوی یعنی فعل نکال کر عمرو کو منصوب پڑھ سکتے ہیں مگر یہ امر خفی ہے جس پر کلام کو محمول کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ امر ظاہری یعنی عطف کے جائز ہوتے ہوئے امر خفی کو اختیار نہیں کیا جائیگا لہذا عطف متعین ہو جائیگا تا کہ عامل لفظی کے ہوتے ہوئے عامل معنوی پر حمل نہ کرنا پڑے اسکی تفصیل یہ ہے کہ اگر واؤ بمعنی مصاحبت ہو اور اسکا مابعد مفعول معہ کی بنا پر منصوب ہو تو عامل معنوی پر محمول کرنا لازم آئے گا اور اگر واؤ عطف کیلئے ہو تو عامل لفظی پر محمول کرنا لازم آئیگا تو یہی عامل لفظی پر حمل کرنا متعین ہو جائیگا کہ عامل لفظی قوی ہے.

قرار دیا ہے اس لئے لفظا بنا پر تمیز منصوب ہوگا یا بنا بر حال منصوب ہوگا. اور لفظا بمعنی ملفوظا ہوگا. قولہ **تعین النصب**:۔ جمہور کے نزدیک اس صورت میں نصب مختار ہے واجب نہیں کیونکہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف بلا تاکید بالمنفصل اور بلا فصل قبیح ہے ممتنع نہیں (محقق) قولہ **مالزید وعمرو**:۔ کلمہ ما استفہامیہ مبتدا ہے اور لزید وعمرو اسکی خبر یعنی ای شئی حصل لزید وعمرو یہاں لفظ زید و عمرو کو معنی فعل یعنی ما یصنع کے مفعول معہ کی بنا پر نصب جائز نہیں کہ وہ عامل معنوی ہے جبکہ عامل لفظی یعنی لام جارہ موجود ہے.

والا ای وان لم یجز العطف بل امتنع تعین النصب حیث لا وجه سواہ نحو مالک وزیدا وما شانک وعمرا فانہ امتنع العطف فیھما لان العطف علی الضمیر المجرور بلا اعادۃ الجار غیر جائز ولم یجز عطف عمرا علی الشان اذ السوال عن شانھما لا عن شان احدھما ونفس الآخر وانما حکمنا بمعنویۃ الفعل فی ھذہ الامثلۃ لان المعنی ماتصنع وما یماثلہ فمعنی ماشانک و زیدا ماتصنع وزیدا ومعنی مالک وزیدا ماتصنع وزیدا ومعنی مالزید وعمرو مایصنع زیدٌ وعمروٌ

ورنہ) یعنی اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو (تو نصب متعین ہو جائیگی) اس لئے کہ نصب کے سوا کوئی وجہ نہیں (جیسے مالک وزیدا وماشانک وعمرا) پس ان دو مثالوں میں عطف ممتنع ہے کیونکہ اعادہ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر عطف جائز نہیں اور عمرا کا عطف شان پر جائز نہیں اس لئے کہ سوال دونوں کے حال معلوم کرنے سے ہے ان میں سے ایک کے حال اور دوسرے کی ذات سے متعلق سوال نہیں ہے اور ہم نے ان امثلہ میں فعل کے معنوی ہونے کا حکم کیا (کیونکہ معنی ماتصنع ہے) اور جو اس معنی کے مماثل ہو پس ماشانک وزیدا کا معنی ماتصنع وزیدا ہے اور مالک وزیدا کا معنی ماتصنع وزیدا ہے اور مالزید وعمرو کا معنی مایصنع زیدٌ وعمرٌو ہے

قولہ **وان لم یجز العطف**:۔ اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب متعین ہو جائیگا کیونکہ نصب کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے جسکو اختیار کیا جائے۔ جیسے مالک وزیدا اور ماشانک وعمرا میں بلا اعادۂ جار ضمیر مجرور پر عطف ممتنع ہے لہذا نصب متعین ہو گیا قولہ **ولم یجز**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب جسکی تشریح یہ ہے کہ ماشانک وعمرا میں عمرو کا عطف شان پر کیوں نہیں کر لیا جاتا؟ شارح نے جواب دیا کہ سوال دونوں کے حال اور شان معلوم کرنے کے بارے ہے نہ کہ ایک کے حال اور دوسرے کی ذات کے بارے اور شان پر عطف کی صورت میں معنی ہو گا تیرا حال کیا ہے اور عمرو کی ذات کا اور یہ خلاف مقصود ہے لہذا یہاں نصب متعین ہو جائیگا قولہ **وانما حکمنا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اپنے قول **لان المعنی** سے امثلہ مذکورہ میں فعل کے معنوی ہونے کی دلیل ذکر کی ہے جو بلا مدعٰی ہے کیونکہ کلام میں مدعٰی مذکور نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس دلیل کا مدعٰی مقدر ہے جو **انما حکمنا** ہے یعنی ان امثلہ میں ہم نے فعل کے معنوی ہونے کا حکم کیا ہے اس لئے کہ انکے معنی ماتصنع کے ہیں قولہ **وما یماثلہ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ دلیل دعوی کے مطابق نہیں ہے کیونکہ دعوٰی یہ ہے کہ تینوں مثالوں میں عامل معنوی تصنع ہے جبکہ پہلی مثال میں تصنع کو عامل ماننا درست نہیں بلکہ اسمیں عامل یصنع ہے کیونکہ مالزید وعمرو میں زید اسم ظاہر ہے جو غائب کے حکم میں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی عبارت میں **وما یماثلہ** مقدر ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے **لان المعنی ما تصنع وما یماثلہ** ۔ یعنی پہلی مثال میں یصنع بصیغہ غائب عامل ہے کہ وہ ماتصنع کا مماثل ہے اور بعد کی مثالوں میں ماتصنع۔ یہ جمہور کا مذھب ہے سیبویہ کے نزدیک ان مثالوں میں زید اور عمرو کا نصب مصدر مقدر کی وجہ سے ہے **ای مالک وملابستک زیدا** اور **ماشانک وشان ملابستک عمرا** اور سیرانی کے نزدیک **لابس** فعل مقدر کے ساتھ **ای مالک لابست زیدا**۔

قولہ **نحو مالک الخ**:۔ مثل لہ کے ایضاح کے لئے ایک مثال کافی ہوتی ہے لیکن مصنف نے دو مثالیں ذکر کی ہیں یہ بتانے کیلئے کہ مالک وزیدا میں معنی فعل حرف استفہام ہے جو جار مجرور سے مستفاد ہو رہا ہے اور ماشانک وعمرا میں حرف استفہام اور اسم سے مستفاد ہو رہا ہے قولہ **امتنع العطف فیھما**:۔ اعادہ جار کے بغیر ضمیر

الحال لما فرغ من المفاعيل شرع في الملحقات بها وهو مايبين هيأة الفاعل او المفعول به اى من حيث هو فاعل او مفعول به كما هو الظاهر فبذكر الهيأة يخرج مايبين الذات كالتمييز و باضافتها الى الفاعل والمفعول به يخرج مايبين هيأة غير الفاعل والمفعول به كصفة المبتدأ نحو زيد العالم اخوك وبقيد الحيثية تخرج صفة الفاعل والمفعول فانها تدل على هيأة الفاعل او المفعول به مطلقا لا من حيث هو فاعل او مفعول به

(حال) جب مصنف علیہ الرحمۃ مفاعیل کے بیان سے فارغ ہوئے تو مفاعیل کے ملحقات کے بیان میں شروع ہوئے اور حال (وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے) اس حیثیت سے کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ جیسا کہ وہ ظاہر ہے اس ھیئت کے ذکر سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو ذات کو بیان کرے جیسے تمیز اور ھیئت کی فاعل یا مفعول بہ کی طرف اضافت سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو فاعل یا مفعول بہ کے علاوہ کسی اور چیز کی حالت بیان کرے جیسے مبتدا کی صفت جیسے زید العالم اخوک اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت خارج ہو جائیگی کیونکہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت پر مطلقا دلالت کرتی ہے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ ہے

قولہ **الحال**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ مفاعیل خمسہ کے بیان سے فراغت کے بعد ملحقات بالمفاعیل کا بیان کرتے ہیں جنمیں سے ایک حال ہے۔ حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی ھیئت وحالت کو بیان کرے۔ شارح نے **من حيث هو فاعل او مفعول به** کی قید کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ یہ تعریف فاعل اور مفعول بہ کی صفت پر بھی صادق آتی ہے مثلا **جاء نی رجلٌ عالمٌ** اور **رأيت رجلا عالما** میں **عالم** لفظ رجل کی صفت ہے جو رجل کی حالت کو بیان کر رہی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ حال کی تعریف میں حیثیت کی قید معتبر ہے یعنی حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے اس حیثیت سے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے اور صفت اگرچہ انکی حالت بیان کرتی ہے مگر حیثیت مذکورہ سے نہیں مثلا جاءنی رجل عالم میں **عالم** نے رجل کی صفت بیان کی ہے کہ وہ صفت علم کے ساتھ متصف ہے خواہ رجل فاعل یا مفعول بہ ہو یا نہ ہو لیکن جاءنی زید عالما میں **عالم** جو حال ہے اس نے زید کے فاعل ہونے کے وقت کی حالت کو بیان کیا ہے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **هيأة** سے تمیز وغیرہ جو ذات کو بیان کرتے ہیں خارج ہو گئے اور فاعل یا مفعول کی طرف ھیأۃ کی اضافت سے مبتدا کی صفت بھی خارج ہو گئی کہ وہ غیر فاعل ومفعول بہ کی ھیأۃ کو بیان کرتی ہے۔ یعنی مبتدا کی ھیئت کو بیان کرتی ہے جیسے زید العالم اخوک میں **العالم** نے مبتدا کی ھیئت بیان کی ہے اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت بھی خارج ہو گئی جیسے **جاء نی زيد العالم** اور **رأيت زيدا العالم** کہ وہ مطلقا ھیأۃ فاعل یا مفعول بہ پر دلالت کرتی ہے اس اعتبار سے نہیں کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے۔

مجرور پر عطف کرنا نحات بصرہ کے نزدیک جائز نہیں لیکن نحات کوفہ اس کو جائز مانتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ تساءلون بہ والارحام بکسر میم جو حمزہ کی قراءت ہے اسمیں اعادہ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر الارحام کا عطف ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ واؤ قسمیہ ہے جو مابعد کو جر دیتا ہے جیسے واللہ قولہ **شرع في الملحقات**:۔ حال کو باقی ملحقات پر اس لئے مقدم کیا کہ یہ ملحقات میں اصل ہے کیونکہ اس کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے جو اصل کلام ہے اور اسکا تعلق مفعول سے بھی ہوتا ہے جو منصوبات میں اصل ہے نیز اسمیں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ قولہ **الحال**:۔ حال کے لغوی معنی تغیر اور تبدیل کے ہیں اور یہ حال الشئی اذا تغیر سے ماخوذ ہے کلام عرب میں لفظ حال مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ قولہ **يبين هيئة الفاعل**:۔ ھیئت سے مراد صفت اور حالت ہے یعنی حال صدور فعل کے وقت فاعل کی صفت وحالت کو بیان کرتا ہے اور وقوع فعل کے وقت مفعول کی صفت وحالت کو مثلا جاءنی زید راکبا میں راکبا نے بوقت مجیء زید کی حالت کو بیان کیا کہ وہ سوار ہو کر آیا اور ضربت زیدا راکبا

وهذا الترديد على سبيل منع الخلو لا الجمع فلا يخرج عنه مثل ضرب زيد عمرا راكبين لفظا اى سواء كان الفاعل او المفعول الذى وقع الحال عنه لفظا اى لفظيا بان تكون فاعلية الفاعل او مفعولية المفعول باعتبار لفظ الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه يفهم من فحوى الكلام سواء كانا ملفوظين حقيقة او حكما اومعنى اى معنويا بان تكون فاعلية الفاعل او مفعولية المفعول به باعتبار معنى يفهم من فحوى الكلام لا باعتبار لفظه ومنطوقه

اور یہ تردید منع خلو کے طور پر ہے منع جمع کے طور پر نہیں لہٰذا ضرب زید عمرا راکبین کا مثل حال کی تعریف سے خارج نہیں ہوگا (لفظ کے طور پر) یعنی برابر ہے کہ فاعل یا مفعول بہ کہ جس سے حال واقع ہوا لفظ ہو یعنی لفظی ہو بایں طور کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ اور اسکے منطوق کے اعتبار سے ہو ایسے معنی کے اعتبار سے نہیں جو کہ کلام سے خارج ہو جو سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہو خواہ فاعل یا مفعول بہ حقیقۃ ملفوظ ہوں یا حکما (یا معنی کے طور پر) یعنی معنوی ہو بایں طور کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت ایسے معنی کے اعتبار سے ہو جو سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہو لفظ کلام اور اسکے منطوق کے اعتبار سے نہیں

قولہ وهذا الترديد:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف جامع نہیں کیونکہ ضرب زید عمرا راکبین کی ترکیب کے حال پر صادق نہیں اس لئے کہ راکبین فاعل یا مفعول بہ کی ھیئت وحالت کو نہیں بیان کر رہا بلکہ دونوں کی ھیئت کو بیان کر رہا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ کلمہ اَوْ کے ساتھ تردید منع جمع کیلئے نہیں بلکہ منع خلو کیلئے ہے یعنی یہ قضیہ مانعۃ الجمع نہیں بلکہ مانعۃ الخلو ہے یعنی حال کیلئے ضروری ہے کہ فاعل اور مفعول بہ سے کسی کا حال بیان کرے اگر دونوں کا حال بیان کرے دونوں کا بیان کر دے تو حرج نہیں لہٰذا راکبین بھی حال کی تعریف میں داخل ہے کیونکہ یہ دونوں کا حال بیان کر رہا ہے اور مثال میں واقع راکبین حال سے اس وقت خارج ہوتا جب کلمہ اَوْ انفصال حقیقی کیلئے ہوتا۔ **قولہ لفظا**:۔ مصنف کا قول **لفظا** بتاویل اسم منسوب یعنی لفظیا کان مقدر کی خبر ہے یعنی فاعل یا مفعول بہ جس سے حال واقع ہو رہا ہے اسمیں تعمیم ہے کہ وہ لفظی ہو بایں طور کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت باعتبار لفظ ومنطوق کلام کے ہو یعنی ایسے معنی کے اعتبار سے نہ ہو جو کلام سے خارج ہو اور سیاق کلام سے سمجھا جاتا ہو پھر ملفوظ میں تعمیم ہے کہ فاعل یا مفعول دونوں حقیقۃ ملفوظ ہوں جیسے ضربت زیدا قائما میں فاعل اور مفعول بہ دونوں ملفوظ ہیں یا حکما ملفوظ ہوں جیسے تیرے قول **زید فی الدار قائما** میں قائما اس ضمیر سے حال ہے جو ظرف میں مستتر ہے اور ضمیر مستتر حکما ملفوظ ہے۔ **قولہ اومعنی**:۔ مصنف کا قول **معنی** بتاویل معنویا اس کے قول لفظا پر معطوف ہو کر کان مقدر کی خبر ہے یعنی فاعل یا مفعول کی فاعلیت اور مفعولیت باعتبار اس معنی کے ہو جو فحوی کلام یعنی سیاق وسباق کلام سے مفہوم ہوتا ہے لفظ کلام ومنطوق کے اعتبار سے مفہوم نہیں ہوتا۔

میں زید پر وقوع ضرب کی حالت کو بیان کیا کہ اسپر بوقت رکوب ضرب واقع ہوئی قولہ **لفظا**:۔ مصنف کے قول "لفظا اور معنی" کے نصب میں تین احتمال ہیں ۱۔ یہ احد الامرین سے جو کلمہ اَوْ سے مفہوم ہو رہا ہے حال ہے ۲۔ یہ الفاعل یا المفعول سے تمیز ہے ۳۔ یہ کان مقدر کی خبر ہے ای سواء کان الفاعل او المفعول بہ لفظا او معنی اور اسی کو شارح نے اختیار کیا ہے۔ قولہ **ومنطوقه**:۔ منطوق مصدر میمی بمعنی نطق ہے اور یہ لفظ الکلام پر معطوف ہے یعنی فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت فعل یا شبہ فعل ملفوظ ومنطوق فی الکلام کے اعتبار سے ہو فحوائے کلام سے مستفاد ہونے کے اعتبار سے نہ ہو۔

و المراد بالفاعل او المفعول به اعم من ان يكون حقيقة او حكما فيدخل فيه الحال عن المفعول معه لكونه في معنى الفاعل او المفعول به و كذا المفعول المطلق مثل ضربت الضرب شديدا فانه بمعنى احدثت الضرب شديدا و كذا يدخل فيه الحال عن المضاف اليه كما اذا كان المضاف فاعلا او مفعولا يصح حذفه و قيام المضاف اليه مقامه فكانه الفاعل او المفعول نحو بل نتبع ملة ابراهيم حنيفا و ان ياكل لحم أخيه ميتا فانه يصح ان تقول بل نتبع ابراهيم مقام بل نتبع ملة ابراهيم و أن ياكل اخاه مقام ان ياكل لحم اخيه

اور فاعل اور مفعول سے مراد اس سے عام ہے کہ حقیقۃً ہوں یا حکماً ہوں پس حال کی تعریف میں حال عن المفعول معہ داخل ہو جائیگا کیونکہ مفعول معہ فاعل یا مفعول بہ کے حکم میں ہے اور اسی طرح مفعول مطلق ہے جیسے ضربت الضرب شدیدا اس لئے یہ بمعنی احدثت الضرب ہے۔ اور اسی طرح حال کی تعریف میں حال عن المضاف الیہ داخل ہو جائیگا جبکہ مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اسکی جگہ رکھنا صحیح ہو گویا کہ وہی مضاف الیہ فاعل یا مفعول ہے جیسے بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفا اور ان یاکل لحم اخیہ میتا کیونکہ بل نتبع ملۃ ابراہیم کی بجائے تمہارا بل نتبع ابراہیم کہنا صحیح ہے اور ان یاکل لحم اخیہ کی بجائے ان یاکل اخاہ کہنا صحیح ہے

قولہ **والمراد بالفاعل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حال کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے جئت و زیدا راکبا کا حال خارج ہو گیا اس لئے کہ راکبا زیدا سے حال ہے اور زیدا نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ بلکہ مفعول معہ ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ حال کی تعریف جامع ہے اور مثال مذکور کا حال تعریف سے خارج نہیں ہوا اس لئے کہ مفعول معہ فاعل یا مفعول بہ حکمی ہے کیونکہ مفعول معہ وہ ہے جسکی مصاحبت اور معیت میں فاعل سے فعل صادر ہو یا مفعول پر واقع ہو لہٰذا مفعول معہ اگر فاعل کے مصاحب ہو تو وہ فاعل حکمی ہے اور اگر مفعول کے مصاحب ہو تو مفعول حکمی ہے۔ قولہ **و كذا المفعول المطلق**:۔ یعنی حال عن المفعول معہ کی مثل حال عن المفعول المطلق بھی حال کی تعریف میں داخل رہے گا جیسے ضربت الضرب شدیدا کا حال کیونکہ مفعول مطلق، مفعول بہ حکمی ہے اور ضربت الضرب شدیدا بمعنی احدثت الضرب شدیدا ہے اور حال عن المضاف الیہ بھی حال کی تعریف میں داخل رہے گا کیونکہ مضاف جب فاعل یا مفعول بہ ہو اور اسکو حذف کرکے اسکی جگہ مضاف الیہ کو رکھنا صحیح ہو تو گویا کہ مضاف الیہ بھی حکماً فاعل یا مفعول بہ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ **بل نتبع ملة ابراهيم حنيفا**میں **حنيفا، ابراهيم** سے حال ہے اسلئے کہ ابراہیم ایسا مضاف الیہ ہے کہ اسکو مضاف کی جگہ رکھ کر بل نتبع ابراہیم حنیفا کہنا صحیح ہے کیونکہ ملت ابراہیم کی متابعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متابعت ہی ہے لہٰذا حنیفا کو ابراہیم سے حال بنانا درست ہے اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ان یاکل لحم اخیہ میتا میں میتا کو اخیہ سے حال بنانا درست ہے کیونکہ لحم کو حذف کرکے ان یاکل اخیہ کہنا بھی درست ہے اس لئے کہ بھائی کا گوشت کھانا بھائی کو کھانا ہی ہے کہ لحم، اخیہ کا عین ہے چونکہ مذکورہ دونوں مثالوں میں لفظ ملۃ اور لفظ لحم مفعول بہ ہے تو گویا کہ مضاف الیہ کے حذف کے بعد مضاف سے حال ہے جو مفعول بہ ہے۔

قولہ **احدثت الضرب شديدا**:۔ اس مثال میں الضرب کو معرفہ ذکر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفعول مطلق اگر معرفہ ہو تو اس سے حال بنایا جا سکتا ہے کیونکہ ذوالحال کے کیلئے معرفہ ہونا ضروری ہے تاکہ حکم معرفہ اور معین پر ہو

او كان المضاف فاعلا او مفعولا وهو جزء المضاف اليه فكان الحال عن المضاف اليه هو الحال عن المضاف وان لم يصح قيامه مقامه كما فى قوله تعالى اَنَّ دابر هؤلاء مقطوع مصبحين فقوله مصبحين حال عن هؤلاء باعتبار ان الدابر المضاف اليه جزؤه فان دابر الشئ اصله والدابر مفعول مالم يسم فاعله باعتبار الضمير المستكن فى المقطوع فكانه حال عن مفعول مالم يسم فاعله ولو قرئ تبين على صيغة الماضى المعلوم من باب التفعل او تُبين على صيغة المضارع المجهول من باب التفعيل وجُعل الجار والمجرور متعلقا به لا بالمفعول دخل فيه الحال من المفعول معه او المفعول المطلق من غير حاجة الى تعميم الفاعل و المفعول الا لدخول ما وقع حالا عن المضاف اليه

یا مضاف فاعل یا مفعول ہو اس حال میں کہ مضاف مضاف الیہ کا جز ہو گویا کہ مضاف الیہ سے حال مضاف سے ہی حال ہے اگر چہ مضاف الیہ کا قیام مضاف کی جگہ صحیح نہ ہو جس طرح ارشاد باری تعالی ان دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین میں۔ پس ارشاد باری مصبحین ،ھؤلاء سے حال ہے اس اعتبار سے کہ دابر جو ھؤلاء کی طرف مضاف ہے وہ ھؤلاء کا جز ہے کیونکہ دابر شی کی اسکی اصل ہے اور دابر اس ضمیر کے اعتبار سے جو مقطوع میں مستتر ہے مفعول مالم یسم فاعلہ ہے گویا کہ مصبحین مفعول مالم یسم فاعلہ سے حال ہے اور تبین ماضی معلوم کے صیغہ پر پڑھا جائے باب تفعل سے یا تبین مضارع مجہول کے صیغہ پر باب تفعیل سے اور جار مجرور کو اس سے متعلق کیا جائے نہ المفعول سے تو حال کی تعریف میں مفعول معہ سے حال یا مفعول مطلق سے حال تعمیم کی حاجت کے بغیر داخل ہو جائیگا مگر اس حال کے دخول کے لئے جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو

قولہ **او كان المضاف**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ارشاد باری تعالی **ان دابر هؤلاء مقطوع مصبحين** میں **مصبحين هؤلاء** سے حال ہے حالانکہ **هؤلاء** کو اسکے مضاف یعنی دابر کی جگہ رکھنا درست نہیں لہذا قاعدہ مذکورہ کے پیش نظر **مصبحين** کو **هؤلاء** سے حال بنانا درست نہ ہوا۔ شارح نے جواب دیا کہ جب مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور اپنے مضاف الیہ کا جز ہو تو اس مضاف کے مضاف الیہ سے حال بنانا بھی درست ہے گویا کہ یہ مضاف الیہ سے حال نہیں بلکہ مضاف سے حال ہے جو فاعل ہے یا مفعول بہ ہے اگر چہ اس مضاف الیہ کو مضاف کی جگہ رکھنا درست نہ ہو۔ پس ارشاد باری تعالی میں **مصبحين هؤلاء** سے حال ہے اس اعتبار سے کہ **دابر** جو **هؤلاء** کی طرف مضاف ہے وہ **هؤلاء** کا جز ہے کیونکہ دابر کے معنی ہیں جڑ اور شی کی جڑ شی کا جز ہوتی ہے اور داخل فی الذات حکم میں ذات کے ہوتا ہے اور دابر مفعول مالم یسم فاعلہ ہے کہ مقطوع کی ضمیر کا مرجع ہے پس گویا کہ **مصبحين** مفعول مالم یسم فاعلہ سے حال ہے۔ قولہ **ولو قرئ**:۔ اور اگر حال کی تعریف میں فعل **يبين** کو بصیغہ ماضی معلوم از باب تفعل پڑھیں یعنی **تبين** یا **تبين** بصیغہ مضارع مجہول از باب تفعیل پڑھیں اور مصنف کے قول "**به**" کو **المفعول** " کے متعلق نہ کریں بلکہ **يبين** کے متعلق کریں تو حال کی تعریف میں حال عن المفعول معہ اور حال عن المفعول المطلق داخل رہیں گے اور انکو داخل کرنے کیلئے کسی تاویل و تعمیم کی ضرورت نہیں پڑیگی کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ حال وہ اسم

مثل ضربت زيدا قائما مثال للفظي الملفوظ حقيقة فان فاعلية تاء المتكلم ومفعولية زيدا انما هي باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه وهما ملفوظان حقيقة وزيدٌ في الدار قائما مثال للفظي الملفوظ حكما فان فاعلية الضمير المستكنّ في الظرف انما هي باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه من غير اعتبار معنى خارج عنه والضمير المستكنّ ملفوظ حكما وهذا زيدٌ قائما مثال للمعنوى لان مفعولية زيد ليس باعتبار لفظ هذا الكلام ومنطوقه بل باعتبار معنى الاشارة والتنبيه المفهومَين من لفظ هذا ولا شك انهما ليسا مما

(جیسے ضربت زیدا قائما) یہ اس لفظی کی مثال ہے جو حقیقۃ ملفوظ ہے اس لئے کہ تاء متکلم کی فاعلیت اور زید کی مفعولیت اس کلام کے لفظ اور منطوق کے اعتبار سے ہے اس سے خارج معنی کے اعتبار کے بغیر اور وہ دونوں حقیقۃ ملفوظ ہیں (اور زیدٌ فی الدار قائما) یہ اس لفظی کی مثال ہے جو حکما ملفوظ ہے اس لئے کہ ظرف میں مستتر ضمیر کی فاعلیت اس کلام کے لفظ اور منطوق ہی کے اعتبار سے ہے کلام سے خارج معنی کے اعتبار سے نہیں اور ضمیر مستتر حکما ملفوظ ہے (اور ھذا زیدٌ قائما) یہ معنوی کی مثال ہے کیونکہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور اسکے منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ اشارہ اور تنبیہ کے معنی کے اعتبار سے ہے جو لفظ ھذا سے سمجھے جارہے ہیں،اور شک نہیں کہ یہ دونوں اس سے نہیں ہیں کہ جن کے ساتھ

ہے جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کیا جائے۔ چونکہ اس صورت میں مفعول کسی قید،بہ وغیرہ کے ساتھ مقید نہیں ہوتا بلکہ مطلق رہتا ہے اس لئے جن مفاعیل سے حال واقع ہونا صحیح ہے وہ اسمیں داخل ہوجائیں گے۔البتہ اس حال کے دخول کیلئے تعمیم کی ضرورت ہوگی جو مضاف الیہ سے حال ہو قولہ **مثل ضربت زيدا قائما**:۔ یہ اس فاعل اور مفعول بہ لفظی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے جو حقیقۃ ملفوظ ہیں اس لئے کہ تائے متکلم کی فاعلیت اور زیدا کی مفعولیت کلام کے لفظ اور اسکے منطوق کے اعتبار سے ہے کسی ایسے امر کے اعتبار سے نہیں جو لفظ کلام سے خارج ہو اس لئے اس مثال میں فاعل اور مفعول بہ دونوں حقیقۃ ملفوظ ہیں ۔لہذا تم جس کو چاہو علی سبیل البدلیت حال بنالو لیکن قائما بیک وقت دونوں سے حال نہیں ہوگا ورنہ قائمین ہوتا۔قولہ **وزيد في الدار قائما**:۔ یہ اس لفظی کی مثال ہے جو حکما ملفوظ ہے اس لئے کہ ضمیر مستتر فی الظرف کی فاعلیت باعتبار لفظ اس کلام اور منطوق کے ہے ایسے معنی کی وجہ سے نہیں جو لفظ کلام سے خارج ہے اور ضمیر مستتر حکما ملفوظ ہے۔قولہ **وهذا زيد قائما**:۔ یہ مفعول بہ معنوی سے حال بنانے کی مثال ہے کیونکہ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور منطوق کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی اشارہ اور معنی تنبیہ کی وجہ سے ہے جو لفظ ھذا سے مفہوم ہورہے ہیں جسکی تقدیر عبارت اس طرح ہے **اشير زيدا قائما يا انبه زيدا قائما**۔

قولہ **وهما ملفوظان**:۔ یعنی ضربت زیدا قائما میں فاعل اور مفعول دونوں ملفوظ ہیں لہذا حال عن الفاعل پر قرینہ ہو تو فاعل سے حال بنالو ورنہ مفعول سے تاکہ ذوالحال اور حال میں فصل نہ ہو قولہ **مثال للفظي الملفوظ**:۔ مصنف نے اپنی شرح میں زیدٌ فی الدار قائما کو حال عن الفاعل المعنوی کی مثال ٹھیرایا ہے اسلئے کہ فی الدار حصل یا حاصل کے متعلق ہے فعل یا اسم فاعل کو حذف کرکے ظرف کو اسکی جگہ رکھا اور ضمیر مستتر ظرف کی طرف منتقل کردی گئی تو فی الدار فعل یا شبہ فعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے فعل معنوی ہوگیا اور ظرف میں ضمیر مستتر اسکا فاعل معنوی ہوگیا۔شارح فرماتے ہیں کہ یہ اس لفظی کی مثال ہے جو حکما ملفوظ ہے کیونکہ فی الدار کا متعلق یعنی حصل یا حاصل مبتدا کی خبر ہے تو فی الدار ظرف بھی خبر ہوگی چونکہ ظرف کا متعلق حکما ملفوظ ہے کیونکہ مقدر کالملفوظ ہوتا ہے لہذا ضمیر بھی حکما ملفوظ ہوگی اس لئے یہ حکما ملفوظ کی مثال ہے۔

یقصد المتکلم الاخبار بهما عن نفسه حتی یقدر فی نظم الکلام اُشیرُ او اُنَبّه ویصیر زید مفعولا به لفظیا بل مفعولیته انماهی باعتبار معنی اشیر او اُنبه الخارج عن منطوق الکلام المعتبر لصحة وقوع القائم حالا فهی معنویة لالفظیة وعاملها ای عامل حال اِمّا الفعلُ الملفوظ او المقدر نحو ضربت زیدا قائما و زید فی الدار قائما ان کان الظرف مقدرا بالفعل او شبهه وهو مایعمل عملَ الفعل وهو من ترکیبه کاسم الفاعل نحو زید ذاهبٌ راکبا و زید فی الدار قاعدا ان کان الظرف مقدرا باسم الفاعل و کاسم المفعول نحو زید مضروب قائما و الصفة المشبهة نحو زید

متکلم اپنی ذات سے خبر دینے کا قصد کرتا ہے حتی کہ نظم کلام میں اُشیر اور اُنبہ مقدر کئے جائیں اور زید مفعول بہ لفظی ہوجائے بلکہ زید کی مفعولیت معنی اُشیر اور اُنبہ کے اعتبار سے ہے جو منطوق کلام سے خارج ہے اور قائما کے حال واقع ہونے کی صحت کے لئے معتبر ہے لہٰذا زید کی مفعولیت معنوی ہے لفظی نہیں (اور اس کا عامل) یعنی حال کا عامل یا تو (فعل ہے) ملفوظ یا مقدر جیسے ضربت زیدا قائما اور زیدٌ فی الدار قائما اگر ظرف مقدر بالفعل ہو (یا شبہ فعل) اور شبہ فعل وہ ہے جو فعل کے مادہ سے ہو اور فعل والا عمل کرے مثلا اسم فاعل جیسے زیدٌ ذاھب راکبا اور زیدٌ فی الدار قاعدا اگر ظرف مقدر باسم الفاعل ہو اور جیسے اسم مفعول جیسے زیدٌ مضروب قائما اور صفت مشبہ جیسے زید

قولہ **ولا شک**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے **ھذا زید قائما** میں ہائے تنبیہ اور اسم اشارہ دونوں ملفوظ ہیں لہٰذا لفظ زید کی مفعولیت لفظ کلام اور منطوق کلام کے اعتبار سے ہونی چاہئے لیکن آپ کہہ رہے ہیں کہ زید کی مفعولیت معنوی ہے یعنی معنی اشارہ اور تنبیہ کے اعتبار سے ہے جو لفظ ھذا سے مفہوم ہو رہے ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ معنی اشارہ یا تنبیہ سے متکلم کا قصد وارادہ یہ نہیں کہ وہ انکے ساتھ اپنی ذات کے بارے خبر دے رہا ہے کہ متکلم نظم کلام میں اشیر اور انبہ کو مقدر کرے اور لفظ زید نظم کلام میں مقدر کئے ہوئے اشیر اور انبہ کی وجہ سے مفعول بہ لفظی ہوجائے بلکہ زید کی مفعولیت محض معنی اشیر اور انبہ کی وجہ سے ہے جو معنی منطوق کلام سے خارج ہے اور صرف اسلئے اعتبار کیا گیا ہے کہ قائما کا حال واقع ہونا صحیح ہوجائے پس زید کی مفعولیت معنوی ہوئی نہ کہ لفظی قولہ **وعاملها**:۔ مصنف کے اس قول میں ضمیر کا مرجع حال ہے اور شارح نے تفسیری عبارت میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ لفظ حال صفت ہونے کے اعتبار سے عربی محاورات میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اور لفظ کے اعتبار سے مذکر استعمال ہوتا ہے یعنی حال کا عامل یا فعل ملفوظ ہوگا جیسے ضربت زیدا قائما میں ضربت ملفوظ ہے یا مقدر ہوگا جیسے **زید فی الدار قائما** میں فعل استقر مقدر ہے اگر ظرف مقدر بالفعل ہو قولہ **او شبهه**:۔ یا حال کا عامل شبہ فعل ہوگا اور شبہ فعل اسکو کہتے ہیں جو فعل کے صیغہ اور ترکیب سے ہو اور فعل والا عمل کرے جیسے اسم فاعل مثلا زید ذاھب راکبا میں راکبا حال ہے جس کا عامل ذاھب صیغہ اسم فاعل ہے اور زیدٌ فی الدار قاعدا میں اسم فاعل عامل ہے اگر ظرف مقدر باسم الفاعل ہو اور جیسے اسم مفعول مثلا زید مضروب قائما میں حال میں عامل صیغہ اسم مفعول ہے اور صفت مشبہ جیسے زید حسن ضاحکا میں حال کا عامل صفت مشبہ ہے قولہ **وهو من ترکیبه**:۔ یہ قید اسم فعل کو خارج کرنے کیلئے بڑھائی ہے کیونکہ صَہْ اسم فعل ہے جیسا کہ نحات کا قول ہے لیکن اُسکت کے صیغہ اور اسکی ترکیب سے نہیں ہے۔

حسن ضاحکا او معناہ المستنبطُ من فحوی الکلام من غیر التصریح بہ او تقدیرہ کالاشارۃ والتنبیہ فی نحو ھذا زید قائما کما مر و کالنداء والتمنی والترجی والتشبیہ فی نحو یازید قائما و لَیتک عندنا مقیما ولعلہ فی الدار قائما و کانہ اسدٌ صائلا وشرطہ ای شرط الحال ان تکون نکرۃ لان النکرۃ اصل والغرض وھو تقیید الحدث المنسوب الی صاحبہا یحصل بہا والتعریف زائد علی الغرض وَاَن یکون صاحبہا معرفۃ لانہ محکوم علیہ فی المعنی فکان الاصل فیہ التعریف

حسن ضاحکا (یا معنی اس کا) جو فعل کی صراحت یا تقدیر کے بغیر سیاق کلام سے مستنبط ہو جیسے اشارہ اور تنبیہ ھذا زیدٌ قائما کے مثل میں جیسا کہ گذرا اور جیسے ندا اور تمنی اور ترجی اور تشبیہ مثل میں یازید قائما اور لیتک عندنا مقیما اور لعلہ فی الدار قائما اور کانہ اسدٌ صائلا (اور اسکی شرط) یعنی حال کی شرط (یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو) کیونکہ نکرہ اصل ہے اور نکرہ سے غرض حاصل ہو جاتی ہے اور وہ غرض اس حدث کو مقید کرنا ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہے اور تعریف غرض سے زائد چیز ہے (اور) یہ کہ ہو (ذوالحال معرفہ) کیونکہ ذوالحال معنی میں محکوم علیہ ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے

قولہ **او معناہ**:۔ یا حال میں عامل معنی فعل ہوگا جو فعل کی تصریح یا تقدیر کے بغیر فحوائے کلام سے مستنبط ہوگا جیسے **ھذا زید قائما** میں اشارہ اور تنبیہ عامل ہے اور یازید قائما میں معنی فعل یعنی ادعو حال میں عامل ہے اور **لیتک عندنا مقیما** میں معنی فعل جو حرف تمنی سے مفہوم ہو رہا ہے وہ حال میں عامل ہے اور لعلہ فی الدار قائما میں معنی فعل جو حرف ترجی سے مفہوم ہو رہا ہے وہ حال میں عامل ہے اور کانہ اسد صائلا میں معنی فعل جو حرف تشبیہ سے مفہوم ہو رہا ہے وہ حال میں عامل ہے۔ قولہ **وشرطہا**:۔ یعنی حال کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اس لئے کہ کلام میں اصل تنکیر ہے اور حال سے جو غرض ہے یعنی ذوالحال کی طرف منسوب حدث کو مقید کرنا وہ غرض بھی نکرہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور تعریف تو زائد علی الغرض ہے اس لئے حال میں تنکیر شرط ہے تاکہ حال کو معرفہ لانے کی صورت میں تعریف ضائع نہ ہو جائے۔ قولہ **وصاحبہا معرفۃ**:۔ شارح نے وان یکون مقدر کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **و صاحبہا معرفۃ** جملہ ہے جسکا مصنف کے قول "**ان تکون نکرۃ**" پر عطف ہے جبکہ ان تکون بتاویل مفرد ہے اور مفرد پر جملہ کا عطف خلاف اصل ہے مصنف نے خلاف اصل کا ارتکاب کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس عبارت میں جملہ کا عطف مفرد پر نہیں بلکہ **صاحبہا** فعل تکون کی ضمیر مستتر پر معطوف ہے اور معرفۃ، نکرۃ پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے **وان یکون صاحبہا معرفۃ** اور ایک عامل کے دو معمولوں پر دو کلموں کا عطف بالاتفاق جائز ہے یعنی حال کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ اسکا ذوالحال معرفہ ہو کیونکہ ذوالحال معنی کے اعتبار سے محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل تعریف ہے کیونکہ حکم معین پر لگایا جاتا ہے

قولہ **ھذا زید قائما**:۔ اس مثال میں قائما ھذا سے حال ہے کیونکہ ھذا سے اشارہ اور تنبیہ کا معنی مفہوم ہو رہا ہے گویا کہ قائل نے کہا اشیر الی ھذا قائما یا انبہ علی ھذا قائما یہیں نحات کوفہ کے نزدیک اس مثال میں انبہ کو عمل دینا مختار ہے جو ھائے تنبیہ سے مفہوم ہو رہا ہے کہ انبہ پہلے ہے اور نحات بصرہ کے نزدیک اسم اشارہ سے مستفاد اشیر کو عمل اولی ہے کیونکہ وہ حال کے قریب ہے۔ (فائدہ) ھذا زید قائما میں حال کا عامل معنی تنبیہ یا معنی اشارہ ہے لیکن ھذان الزیدان قائمین میں حال کا عامل صرف معنی تنبیہ ہے اسلئے کہ اسم اشارہ مثنی حال میں عمل نہیں کرتا چنانچہ پوچھا جاتا ہے کہ ایسا اسم کونسا ہے جو بصورت افراد حال میں عمل کرتا ہے اور بصورت مثنی حال میں عمل نہیں کرتا اس کا جواب یہی ھذا ہے۔ قولہ **شرطہ**:۔ حال کیلئے نکرہ کی شرط بصریین کے نزدیک ہے اور نحات کوفہ کے نزدیک شرط نہیں کیونکہ حال اصل میں خبر ہے اور خبر میں تعریف و تنکیر دونوں

غالبا ای لیس اشتراطها بکون صاحبها معرفة فی جمیع موادّها بل فی غالب موادّها ای اکثرها و بیان ذٰلک ان موادّ وقوع الحال علی قسمین احدهما ما یکون ذوالحال فیه نکرة موصوفة نحو جاء نی رجل من بنی تمیم فارسا او مغنیة غناء المعرفة لاستغراقها نحو قوله تعالی فیها یُفرَق کلُّ امر حکیم اَمرا من عندنا ان جعلتَ امرا حالا من کل امر او واقعة فی حیز الاستفهام نحو هل اتاک رجل راکبا او بعد اِلّا اَنقضا للنفی نحو ماجاء نی رجلٌ الا راکبا او مقدما علیه الحال نحو جاء نی راکبا رجل وثانیهما ما یکون ذوالحال فیه غیر هذه الامور وغالب موادّ وقوع الحال واکثرها هو هذا القسم ووقوع الحال فی هذا القسم مشروط بکون صاحبها معرفة فقوله غالبا قید لاشتراط کون صاحبها معرفة لا لکون صاحبها معرفة حتی یقالَ انّ غالبیة کون صاحبها معرفة المنبئة عن تخلفه فی بعض الموادّ تُنافی الشرطیة

(غالبا) یعنی ذوالحال کا معرفہ ہونا حال کے تمام مواد میں شرط نہیں بلکہ حال کے غالب مواد اور اکثر میں ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ وقوع حال کے مواد کی دو قسمیں ہیں ان دو میں سے ایک یہ ہے کہ کلام میں ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو جیسے جاء نی رجل من بنی تمیم فارسا یا وہ نکرہ جو اپنے ہر ہر فرد کے احاطہ کرنے کی وجہ سے معرفہ کی مثل تعریف کا فائدہ دینے والا ہو جیسے ارشاد باری تعالی فیہا یفرق الخ اگر تم لفظ امرا کو کل امر سے حال بناؤ یا نکرہ استفہام کے تحت میں واقع ہو جیسے ھل اتاک رجل راکبا یا حال اِلا کے بعد نفی کو ختم کرنے کے لئے واقع ہو جیسے ماجاء نی رجل الا راکبا یا حال ذوالحال نکرہ پر مقدم ہو جیسے ماجاء نی راکبا رجل .دوم۔ یہ کہ ذوالحال اس قسم میں امور مذکورہ کے علاوہ ہو اور وقوع حال کے غالب اور اکثر مواد یہی قسم ثانی ہے اور اس قسم میں حال کا وقوع اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ حال کا صاحب معرفہ ہو پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "غالبا" ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط ہونے کیلئے قید ہے صاحب حال کے معرفہ ہونے کیلئے قید نہیں حتی کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی غالبیت جو کہ بعض امثلہ میں ذوالحال کے معرفہ نہ ہونے کی خبر دیتی ہے وہ شرطیت کے منافی ہے

قولہ **غالبا**:۔ یعنی ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط جمیع مواد میں نہیں بلکہ غالب اور اکثر مواد میں ہے کیونکہ وقوع حال کے مواد دو قسم پر ہیں. قسم اول۔ درج ذیل پانچ تراکیب ہیں جن میں وقوع حال کے لئے ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ غالب الوقوع نہیں ،اول۔ وہ ترکیب جسمیں ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو جیسے جاء نی رجل من بنی تمیم فارسا دوم۔ وہ ترکیب جس میں ذوالحال ایسا نکرہ ہو جو عموم واستغراق کی وجہ سے معرفہ کی طرح تعریف کا فائدہ دے جیسے ارشاد باری تعالی **فیہا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا** ،اگر تم **امرا** کو **کل امر** سے حال بناؤ تو اس ارشاد میں لفظ کل میں عموم ہے کہ اسکی وضع ہی عموم کیلئے ہے اس لئے یہ معرفہ کے حکم میں ہے.سوم۔ وہ ترکیب جسمیں ذوالحال حیز استفہام میں واقع ہو جیسے ھل اتاک رجل راکبا. چہارم۔ وہ ترکیب جسمیں ذوالحال نکرہ کلام منفی میں لفظ الا سے پہلے واقع ہو اور حال الا کے بعد نفی کے ختم ہونے کے بعد آئے جیسے ماجاء نی رجل الا راکبا.پنجم۔ وہ ترکیب جس میں حال ذوالحال نکرہ پر مقدم ہو جیسے ماجاء نی راکبا رجل اور وقوع حال کی دوسری قسم یہ ہے

جائز ہیں لیکن نحات کوفہ کے نزدیک بھی تنکیر اولی ہے (فوائد) قولہ **ان جعلت حالا**:۔ اور اگر تم "امرا" کو حکیم کی ضمیر مستتر سے حال بناؤ تو پھر یہ اس قبیل سے نہیں ہے۔

ویحتاج الی ان یصرف الکلام عن ظاهره ویُجعل قوله وصاحبها معرفة مبتدأ وخبراً معطوفا علی قوله وشرطها ان تکون نکرة وارسلها العراک ولم یذدها ☆ ولم یُشفق علی نَغَص الدخال ☆ البیت للبید یصف حمار الوحش والاُتُنَ یقول ارسل حمارُ الوحش الاُتُنَ وکانَ المراد بالارسال البعثُ والتخلیة بین المرسَل ومایریده ای ارسلها معترکة متزاحمة ولم یذدها ای ولم یمنعها عن العراک ولم یشفق ای ولم یَخَف علی نَغَص الدخال ای علی انه لم یَتِم شُرب بعضها الماء بالدخال

اوراس بات کی ضرورت پڑے کہ کلام کو اس کے ظاہر سے پھیرا جائے اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "وصاحبہا معرفۃ" کو مبتدا و خبر بنا کر اسکے قول "وشرطہا ان تکون نکرۃ" پر معطوف کیا جائے (اور ارسلہا العراک) ولم یذدہا الخ یہ شعر حضرت لبید کا ہے اسمیں وہ وحشی گدھوں اور گدھیوں کی تعریف کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ حمار وحشی نے وحشی گدھیوں کو بھیج دیا گویا کہ ارسال سے مراد بھیجنا اور تخلیہ کرنا ہے بھیجے ہوئے اور اس کے درمیان جس کا وہ ارادہ کرتا ہے یعنی حمار وحشی نے گدھیوں کو اس حال میں بھیجا کہ وہ بھیڑ کر رہی ہیں اور حمار وحشی نے انہیں ازدحام سے نہ روکا اور نغص دخال کا خوف نہ کیا یعنی اس بات کا خوف نہ کیا دخال کی وجہ سے کچھ گدھیوں کا پانی پینا پورا نہ ہوگا

کہ تراکیب خمسہ مذکورہ کے علاوہ کسی ترکیب میں حال واقع ہو اور وقوع حال کے غالب اور اکثر مواد مذکورہ مواد خمسہ کے علاوہ بھی قسم ہے اور اسی قسم میں وقوع حال کے لئے ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے۔ پس مصنف کا قول "**غالبا**" اشتراط کی قید ہے یعنی ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط کیلئے قید ہے کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط غالب طور پر ہے نہ کہ کلی طور پر یہاں تک کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ غالبا کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مواد میں شرطیت کا تخلف ہوتا ہے جو شرطیت کے منافی ہے کیونکہ شرطیت اسکو مقتضی ہے کہ تمام مواد میں ذوالحال معرفہ ہو اور شرط میں دوام ہوتا ہے نہ کہ غالبیت. قولہ **ویحتاج** :۔ یہاں لوگوں پر رد ہے جنہوں نے اعتراض مذکور سے بچنے کیلئے کہا ہے کہ مصنف کا قول **وصاحبہا** شرط کے تحت داخل نہیں بلکہ **صاحبہا** مبتدا ہے اور معرفۃ اسکی خبر ہے اور یہ جملہ شرطہا ان تکون نکرۃ پر معطوف ہے. شارح فرماتے ہیں کہ کلام کو اسکے ظاہر سے پھیرنا اور یہ کہنا کہ یہ عطف الجملۃ علی الجملۃ ہے خلاف ظاہر ہے لہذا عبارت کو اسکے ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں قولہ:۔ **وارسلہا** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **ارسلہا العراک** اور **مررت بہ وحدہ** اور اسکی مثل میں جیسے **فعلتہ جہدک** میں حال معرفہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ حال کے لئے نکرہ ہونے کی شرط درست نہیں. مصنف نے جواب دیا کہ ان مثالوں میں واقع حال مؤول بالنکرہ ہے لہذا ان کے ساتھ حال کے نکرہ ہونے کی شرط پر اعتراض نہیں ہوسکتا قولہ **البیت للبید**:۔ مصنف کا قول **ارسلہا العراک** حضرت لبیدؓ کے ایک بیت سے لیا گیا ہے جس میں آپ نے حمار وحشیوں اور انکی گدھیوں کی تعریف کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حمار وحشی نے وحشی گدھیوں کو بھیج دیا اور خود انکی نگرانی کرتا رہا اور گدھیوں کو بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ انکو برانگیختہ کیا اور اپنے اور انکے درمیان تخلیہ پیدا کیا ورنہ بھیجنا تو ذی عقل کی صفت ہے یعنی حمار وحشی نے اپنی گدھیوں کو اس حال میں بھیجا کہ وہ ایک دوسرے پر ازدحام کر رہی ہیں اور حمار وحشی نے انہیں اس ازدحام سے نہ روکا اور نغص دخال

والدخال هو ان يَشرب البعير ثم يُرَدّ من العَطَن الى الحوض ويُدخل بين بعيرين عطشانَين ليشرب منه ما عساه لم يكن شَرِب منه ولعل المراد به ههنا نفس مداخلة بعضها في بعض او المعنى على نفس مثل نغص الدخال ومررت به وحده ونحوه مثل فَعَلتُه جهدک متأول بالنکرة فلا يرد نقضا على قاعدة اشتراط کونها نکرة وتاويلها على وجهين احدهما انها مصادر لافعال محذوفة ای تعترک العراک وينفرد وحده ای انفراده وتجتهد جهدک فهذا الجمل الفعلية وقعت حالا وهذه المصادر منصوبة على المصدرية وثانيهما انها معارف موضوعة موضع النکرات ای معترکة ومنفردا ومجتهدا فالصور وان کانت معرفة فهی فی التقدير نکرة کما ان حَسَن الوجه فی صورة المعرفة وهی فی المعنی نکرة

اور دخال یہ ہے کہ اونٹ کچھ پانی پیے پھر اپنی جگہ سے حوض کی طرف لوٹا دیا جائے پھر وہ دو پیاسے اونٹوں کے درمیان داخل کیا جائے تا کہ اس حوض سے وہ پانی پیے جیسے شاید اس نے حوض سے نہیں پیا اور شاید یہاں دخال سے مراد باہمی مداخلت ہے یا معنی ہے کہ اس نے نغص کا خوف نہ کیا مثل نغص دخال کے (اور مررت بہ وحدہ اور اس کا مثل) جیسے فعلتہ جھدک (تاویل کیا ہوا ہے) نکرہ سے لہذا یہ حال کے نکرہ ہونے کی شرط پر بطور نقض وارد نہیں ہوگا اور انکی تاویل دو صورتوں پر ہے ایک یہ کہ یہ افعال محذوفہ کے مصادر ہیں ای تعترک العراک وینفرد وحدہ ای انفرادہ وتجتھد جھدک پس یہ فعلیہ جملے حال واقع ہیں اور یہ مصادر بنا بر مصدریت منصوب ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ معارف نکرات کی جگہ رکھے ہوئے ہیں ای معترکۃ ومنفردا ومجتھدا پس انکی صورت اگر چہ معرفہ ہے پس یہ نکرہ کی تقدیر میں ہیں جس طرح کہ حسن الوجہ کی صورت معرفہ ہے حالانکہ معنی میں وہ نکرہ ہے

کا اندیشہ نہ کیا یعنی یہ خوف نہ کیا کہ ازدہام کی وجہ سے کچھ گدھیاں سیر ہو کر نہ پی سکیں گی قولہ **والدخال**:۔ اور دخال یہ ہے کہ اونٹ پانی پی کر آجائے پھر وہ اپنی جگہ سے دو پیاسے اونٹوں کے درمیان داخل کر کے لوٹا دیا جائے تا کہ حوض سے وہ پانی پی لے جو شاید پہلے اس نے نہیں پیا اور ہوسکتا ہے کہ یہاں دخال سے مطلق داخل ہونا مراد ہو ورنہ دخال تو دو اونٹوں کے درمیان اونٹ داخل ہونے کو کہتے ہیں یا معنی یہ ہوں کہ مثل نغص الدخال کے قولہ **وتاويلها على وجهين**:۔ شارح کہتے ہیں کہ **ارسلها العراک** وغیرہ کی تاویل کی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ یہ کہ امثلہ مذکورہ میں **العراک** اور **وحدہ** اور **جھدک** یہ حال نہیں بلکہ افعال محذوفہ کے مصادر ہیں اور بنا بر مصدریت کے منصوب ہیں ای **تعترک العراک وینفرد وحده ای انفراده وتجتهد جهدک**۔ پھر یہ افعال مع مصادر فعلیہ جملے حال بنیں گے اور جملہ نکرہ ہوتا ہے دوم۔ یہ ہے کہ یہ الفاظ نکرات کی جگہ رکھے ہوئے ہیں اگر چہ یہ خود معارف ہیں یعنی یہ معترکۃ، منفردا اور مجتھدا کی جگہ واقع ہوئے ہیں۔ پس صورۃً اگر چہ یہ معارف ہیں مگر تقدیراً نکرہ ہیں۔ جس طرح کہ حسن الوجہ میں حسن صورۃً معرفہ اور معنی نکرہ ہے کہ اصل میں حسن وجھہ تھا۔

قولہ وحدہ۔ یہ مثال واوی از باب ضرب کا مصدر ہے جو اضافت کی وجہ سے معرفہ ہو گیا ہے کیونکہ مصدر کی اضافت معنوی اضافت ہے پھر یہ منفردا کے معنی میں ہو کر ضمیر مجرور سے حال ہے اور اسکی ضمیر بہ کے مرجع کی طرف راجع ہے شیخ تقی الدین سبکی نے اپنے رسالہ "رفدہ فی معنی وحدہ" میں لکھا ہے کہ جو حضرات رأیت زیدا وحدہ میں وحدہ کو حال بناتے ہیں انکے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ فاعل سے حال ہے یا مفعول سے اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہ فاعل سے حال ہے یعنی فی حال ایحادی بالرؤیۃ اور مبرد کے نزدیک مفعول سے حال ہے ای فی حال انہ منفرد بالرؤیۃ اور ابو بکر بن طلحہ نے حال من الفاعل سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صرف مفعول سے حال ہے۔ (فوائد)

فان كان صاحبها اى صاحب الحال نكرة محضة لم تكن فيها شائبة تخصيص بما سوى التقديم ولم تكن الحال مشتركة بينها وبين معرفة نحو جاءنى رجل وزيد راكبين وجب تقديمها اى تقديم الحال على صاحبها ليتخصص النكرة بتقديمها لانها فى المعنى مبتدأ وخبر ولئلا تلتبس بالصفة فى النصب فى مثل قولنا ضربت رجلا راكبا

(پھر اگر اس کا صاحب) یعنی حال کا صاحب (نکرہ ہو) محضہ کہ اس میں تقدیم کے علاوہ تخصیص کا کوئی شائبہ نہ ہو اور حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک بھی نہ ہو جیسے جاءنی رجل وزیدٌ راکبین (تو اسکی تقدیم واجب ہے) یعنی حال کی تقدیم اس کے صاحب پر تا کہ اس تقدیم کی وجہ سے وہ نکرہ مخصصہ ہو جائے کیونکہ ذوالحال اور حال معنی میں مبتدا و خبر ہیں اور تا کہ حالت نصب میں حال صفت کے ساتھ ملتبس نہ ہو ہمارے قول "ضربت رجلا

قولہ **فان کان صاحبہا**:۔ پس اگر صاحب حال نکرہ ہو تو حال کی تقدیم اپنے صاحب یعنی ذوالحال پر واجب ہے. شارح علیہ الرحمۃ نے نکرۃ کے بعد محضۃ کا اضافہ کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تقدیم حال کا قاعدہ جاءنی رجل من بنی تمیم فارسا سے منقوض ہے کیونکہ اس مثال میں ذوالحال نکرہ ہے مگر حال مقدم نہیں بلکہ ذوالحال سے مؤخر ہے. شارح نے جواب دیا کہ نکرہ سے نکرہ محضہ مراد ہے اور اس مثال میں ذوالحال نکرہ محضہ نہیں ہے بلکہ صفت کی وجہ سے نکرہ مخصصہ ہے اس لئے یہاں تقدیم حال واجب نہیں ہے. قولہ **ولم تکن فیہا**:۔ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق جب حال مقدم ہوگا تو ذوالحال نکرہ مخصصہ ہو جائیگا لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہوا کہ ذوالحال نکرہ محضہ ہو. شارح نے جواب دیا کہ نکرہ محضہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ تقدیم حال کے علاوہ وجوہ تخصیص میں سے کوئی اور وجہ تخصیص اسمیں موجود نہ ہو اور حال نکرہ اور معرفہ میں مشترک بھی نہ ہو اگر مشترک ہوا تو پھر بھی تقدیم حال واجب نہیں جیسے جاءنی رجل وزید راکبین میں حال نکرہ اور معرفہ کے مابین مشترک ہے یعنی ایک ذوالحال نکرہ ہے اور دوسرا معرفہ ہے اس لئے مؤخر ہے. قولہ **لیتخصص النکرۃ**:۔ اس عبارت میں شارح نے حال کی تقدیم کی علت بیان کی ہے کہ تقدیم حال اس لئے واجب ہے کہ اسکی تقدیم سے ذوالحال نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جائیگی کیونکہ ذوالحال اور حال معنی کے اعتبار سے مبتدا و خبر ہیں کیونکہ جاءنی زید راکبا کے معنی زید راکب وقت المجی کے ہیں اور حال بمنزلہ ظرف کے ہے اور جب مبتدا نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو تو خبر کو مقدم کر دیا جاتا ہے تا کہ مبتدا نکرہ مخصصہ بن جائے اور اس میں مبتدا بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے جیسے فی الدار رجل اور اس لئے بھی حال کی تقدیم واجب ہے کہ حالت نصب میں حال کا صفت کے ساتھ التباس نہ ہو مثلا ضربت رجلا راکبا میں یہ احتمال ہے کہ رجلا موصوف اور راکبا صفت ہو لیکن ضربت راکبا رجلا میں یہ احتمال نہیں ہے. کیونکہ رجلا اسم ذات ہے جو موصوف ہوتا ہے تو لامحالہ راکبا کو صفت بنائیں گے حالانکہ صفت، موصوف پر مقدم نہیں ہوتی کہ وہ تابع ہے تو راکبا کی تقدیم سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ حال ہے صفت نہیں اور التباس جاتا رہا اور حال چونکہ معنی حکم ہے اور حکم کو محکوم علیہ پر مقدم کرنا جائز ہے اس لئے راکبا کو مقدم کر دیا گیا ہے.

قولہ **ای صاحب الحال**:۔ مناسب تھا کہ یہاں مصنف اس قاعدہ کو والحال مفردا کی قید سے مقید کرتے کیونکہ حال جملہ ہو تو واؤ ضروری ہے نہ کہ تقدیم جیسے جاءنی رجل وعلی کتفہ سیف شاید مصنف نے یہ قید اس لئے ذکر نہیں کی کہ وہ حال مفردہ کے احوال بیان کر رہے ہیں اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ بعد میں وقد یکون جملۃ خبریۃ سے جملہ کا حال ہونا بیان کیا ہے. قولہ **ولم تکن الحال**:۔ اس قید کی ضرورت نہیں کیونکہ معرفہ اور نکرہ سے مرکب جس طرح کہ معرفہ نہیں ہوتا نکرہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ معرفہ اور

ثم قُدّمت فی سائر المواضع وان لم تلتبس طردا للباب ولاتتقدم ای الحال فیماعدامثل زید قائما کعمرو وقاعدا علی العامل المعنوی قد عرفت فیما قبلُ العاملَ المعنوی واَنّ ماھو مقدر بالفعل او اسم الفاعل مثل الظرف ومایشبھه اعنی الجارّ والمجرور خارج عنه داخل فی الفعل اوشبھه فعلی ھذامعنی الکلام ان الحال لایتقدم علی العامل المعنوی اتفاقا

را کبا" کی مثل میں پھرحال کو باقی مواضع میں باب کی موافقت کی وجہ سے مقدم کردیا گیا اگرچہ حال کا صفت سے التباس نہیں (اور مقدم نہیں ہوتا) یعنی حال مثل زید قائما کعمرو وقاعدا کے ماسوا میں (عامل معنوی پر) اورتم نے ماقبل میں عامل معنوی کوجان لیا ہے اوراس بات کوبھی کہ جومقدر بالفعل یامقدر باسم الفاعل ہے جیسے ظرف اور جو اسکے مشابہ ہے میری مراد جار مجرور ہے وہ عامل معنوی سے خارج ہے فعل یاشبہ فعل میں داخل ہے پس اسکی بناپرکلام کامعنی ہوگا کہ حال عامل معنوی پر بالاتفاق مقدم نہیں ہوتا

قولہ **ثم قدمت**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ حال کا صفت کے ساتھ التباس کا احتمال توصرف بحالت نصب لازم آتا ہے نہ کہ جمیع حالات میں پھرتمام حالات میں تقدیم حال کیوں واجب ہے.شارح نے جواب دیا کہ حالت رفع میں اگرچہ التباس نہیں ہوتا مگر باب کی موافقت کیلئے اس حالت میں بھی حال کی تقدیم واجب کردی گئی تاکہ تمام صورتوں میں تقدیم حال کا حکم ایک جیسا ہوجائے.قولہ **ولاتتقدم**:۔ یعنی حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا.شارح نے **ای الحال** سے ضمیر مستتر کا مرجع بتایا ہے اور **فیما عداالخ** سے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کاقول "ولاتتقدم الخ" صحیح نہیں کیونکہ زید قائما کعمرو وقاعدا میں قائما حال ہے جو اپنے عامل معنوی پر مقدم ہے اور وہ عامل معنوی اشبہ ہے جوکاف تشبیہ سے مستفاد ہے.شارح نے جواب دیا کہ مذکورہ مثال کا حال اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے.قولہ **قد عرفت فیما قبل**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے یہ توبیان کیا ہے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا لیکن یہ نہیں بتایا کہ عامل معنوی کیا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟.شارح نے جواب دیا کہ تم ماقبل میں جان چکے ہو کہ عامل معنوی کیا ہے نیز یہ بھی معلوم کرچکے ہو کہ جومقدر بالفعل یا مقدر باسم الفاعل ہوتا ہے جیسے ظرف اوراسکا مشابہ یعنی جار مجرور یہ عامل معنوی سے خارج ہیں اور فعل یاشبہ فعل میں داخل ہیں پس عامل معنوی کا مفہوم معلوم ہوجانے کے بعد مصنف کے کلام **ولاتتقدم علی العامل المعنوی** کے معنی یہ ہوئے کہ حال عامل معنوی پر بالاتفاق مقدم نہیں ہوتا.شارح کاقول "اتفاقا" بنابرمصدریت منصوب ہے ای اتفق النحاۃ علیہ اتفاقا یامنصوب بنزع الخافض ہے ای باتفاق النحاۃ.

نکرہ اسم کی قسمیں ہیں اوراسم مفرد کی قسم ہے لہذا نکرۃ کی قید سے حال مشترک خارج ہوگیا.عصام الدین فرماتے ہیں کہ معرفہ اورنکرہ سے مرکب حال اگرچہ حقیقۃ مفرد نہیں مگر حکما مفرد ہے کہ ان دونوں کومفرد کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کے لفظ کی جز معنی کی جز پر دلالت نہیں کرتی.(عبد) قولہ **فی سائر المواضع**:۔سائر بمعنی باقی ہے اوراس سے مراد صرف حالت رفع ہے کیونکہ حالت جر میں حال کی تقدیم جائز نہیں اگرچہ ذوالحال نکرہ ہو لہذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ حالت نصب پر باقی کو محمول کرنے سے کثیر کا حمل قلیل پر لازم آیا جومستحسن نہیں کہ یہ کثیر کوقلیل کے تابع کرنا ہے.قولہ **فیما عدا**:۔عدا فعل ماضی ہے بمعنی جاوز اوراسکا فاعل ضمیر مستتر ہے جسکا مرجع کلمہ ما ہے جوتر کیب سے عبارت ہے ای فی ترکیب جاوز اور لفظ مثل عدا کا مفعول ہے یعنی یہ مثال عدم تقدیم حال کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہے.قولہ **زید قائما کعمرو قاعدا**:۔☆سوال☆اس مثال میں حال میں عامل جار مجرور کا متعلق ہے جومقدر ہے لہذا حال کا عامل معنوی نہ ہوا لہذا اسکو قاعدہ سے مستثنیٰ کرنے کی ضرورت نہیں.☆جواب☆ چونکہ اس مثال میں یہ احتمال ہے کہ حال میں عامل کاف تشبیہ سے مستفاد فعل ہو جسکے پیش نظر اس استثناء کی حاجت پڑی۔

بخلاف الظرف ای بخلاف ما اذا کان العامل ظرفا او شبهه فان فیه خلافا فسیبویه لایجوّزه اصلا نظرا الی ضعف الظرف فی العمل وجوّزه الاخفش بشرط تقدم المبتدأ علی الحال نحو زید قائما فی الدار فاما مع تأخر المبتدأ عن الحال فانه وافق سیبویه فی المنع فلایجوز قائما زید فی الدار ولا قائما فی الدار زید اتفاقا ویحتمل ان یکون معناه ان الحال وان کانت مشابهة للظرف لما فیها من معنی الظرفیة الا ان الظرف یتقدم علی عامله المعنوی لتوسعهم فی الظروف والحال لایتقدم علیه

(ظرف کے برخلاف) یعنی اسکے برخلاف کہ جب حال میں عامل ظرف یا مشابہ ظرف ہو پس اسمیں اختلاف ہے سیبویہ تو اسکو بالکل جائز نہیں سمجھتے ظرف کے عمل میں ضعیف ہونے کی طرف دیکھتے ہوئے اور اخفش نے اسکو حال پر مبتدا کے مقدم ہونے کی شرط کے ساتھ جائز رکھا ہے جیسے زیدٌ قائما فی الدار بہر حال مبتدا کے حال سے مؤخر ہونے کی صورت میں پس اس نے سیبویہ کی موافقت کی ہے منع میں لہٰذا قائما زیدٌ فی الدار اور قائما فی الدار زید بالاتفاق ناجائز ہے اور کلام مذکور میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ حال اگرچہ ظرف کے مشابہ ہے کیونکہ اسمیں ظرفیت کا معنی ہے مگر ظرف اپنے عامل معنوی پر مقدم ہو جاتی ہے بوجہ نحویوں کے وسعت کرنے کے ظروف میں اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا

قولہ **بخلاف الظرف:** ۔ مصنف کے اس قول میں دو احتمال ہیں اول ۔ یہ کہ اس کا تعلق مصنف کے قول "**العامل المعنوی**" سے ہو اور معنی یہ ہوں کہ عامل معنوی ظرف کے برخلاف ہے اس طرح کہ حال عامل معنوی پر بالاتفاق مقدم نہیں ہوتا بخلاف اس صورت کے کہ جب عامل ظرف یا مشابہ ظرف ہو پس اس میں اختلاف ہے ۔ سیبویہ اس صورت میں تقدیم حال کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ ظرف عامل ضعیف ہے جو حال مقدم میں عمل نہیں کرسکتا لیکن اخفش تقدیم حال کو اس صورت میں جائز قرار دیتا ہے جبکہ مبتدا حال پر مقدم ہو جیسے زید قائما فی الدار اس مثال میں لفظ قائما فی الدار کی ضمیر سے حال ہے اور چونکہ مبتدا حال پر مقدم ہے اس لئے یہاں اخفش کے نزدیک ظرف پر حال کی تقدیم جائز ہے لیکن قائما فی الدار زید میں حال کی تقدیم بالاتفاق ناجائز ہے سیبویہ کے نزدیک تو ظرف کے عامل ضعیف ہونے کی بنا پر اور اخفش کے نزدیک مبتدا کے مؤخر ہونے کی وجہ سے اور تقدیم مبتدا کی صورت میں جواز تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں صرف ایک وجہ سے خلاف اصل کا ارتکاب لازم آئیگا جبکہ تاخیر مبتدا کی صورت میں دو وجہ سے خلاف اصل کا ارتکاب لازم آئیگا مثلاً زید قائما فی الدار میں صرف عامل ضعیف پر حال کے مقدم ہونے کی وجہ سے خلاف اصل کا ارتکاب لازم آیا اور قائما زید میں دو وجہ سے اول ۔ عامل ضعیف پر تقدیم حال کی وجہ سے ۔ دوم ۔ صفت کے ذات پر مقدم ہونے کی وجہ سے کیونکہ زید جو ذوالحال ہے وہ ذات ہے اور حال اسکی صفت ہے تو جس میں خلاف اصل کا ارتکاب کم ہے اخفش نے صرف اسکو جائز رکھا ہے ۔ قولہ و **یحتمل:** ۔ یہاں سے شارح بخلاف الظرف میں احتمال ثانی کا بیان کررہے ہیں اور یہ احتمال اس بنا پر ہے کہ اس کا تعلق لایتقدم کی ضمیر فاعل سے ہو جس کا مرجع حال ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ حال اگرچہ ظرف کے مشابہ ہے کہ حال میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں لیکن حال اور ظرف میں فرق ہے وہ یہ کہ ظرف اپنے عامل معنوی پر مقدم ہو جاتا ہے کیونکہ ظروف میں بڑی وسعت ہے مگر حال عامل معنوی پر مقدم نہیں

هذا اذالم يكن الظرف داخلا فی العامل المعنوی واما اذا جعلته داخلا فی العامل المعنوی كما هو الظ من كلامهم فالمراد هو الاحتمال الثانی لاغير وكما لاتتقدم الحال علی العامل المعنوی كك لاتتقدم علی ذی الحال المجرور سواء كان مجرورا بالاضافة او بحرف الجر فان كان مجرورا بالاضافة لم تتقدم الحال عليه اتفاقا نحو جاء تنی مجردا عن الثياب ضاربة زيد وذلک لان الحال تابع وفرع لذی الحال والمضاف اليه لايتقدم علی المضاف فلايتقدم تابعه ايضا وان كان مجرورا بحرف الجر ففيه خلاف فسيبويه واكثر البصريين يمنعون تقديمها عليه للعلة المذكورة وهو المختار عند المص ولهذا قال علی الاصح

يہ دو احتمال اس وقت ہیں جب ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہو اور جب تم ظرف کو عام معنوی میں داخل مانو جیسا کہ وہ نحات کے کلام سے ظاہر ہے تو مراد صرف احتمال ثانی ہے نہ غیر (اور) جیسے حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اسی طرح (وہ مقدم نہیں ہوتا) ذوالحال (مجرور پر) خواہ وہ مجرور بالاضافت ہو یا مجرور بحرف جر ہو پس اگر مجرور بالاضافت ہو تو اس پر حال بالاتفاق مقدم نہیں ہوگا جیسے جاء تنی مجردا ضاربۃ زید اور یہ عدم تقدم اس لئے ہے کہ حال، ذوالحال کا تابع اور اسکی فرع ہے اور مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہوسکتا لہٰذا مضاف الیہ کا تابع بھی مضاف پر مقدم نہیں ہوگا اور اگر ذوالحال مجرور بحرف جر ہو تو اسمیں اختلاف ہے پس سیبویہ اور اکثر بصریین تقدیم حال کو ذوالحال پر ممنوع قرار دیتے ہیں علت مذکورہ کی وجہ سے اور مصنف کا بھی یہی مختار ہے اسی وجہ سے مصنف نے کہا (علی الاصح)

ہوتا مثلا اکل یوم لک ثوب. کیا ہر دن تیرے لئے لباس ہے. اس ترکیب میں ثوب مبتدا مؤخر ہے اور لک خبر مقدم ہے اور کل یوم ظرف یعنی مفعول فیہ ہے جو عامل معنوی پر مقدم ہو گیا ہے اور عامل معنوی وہ فعل ہے جو لک کے لام سے مفہوم و مستنبط ہو رہا ہے یعنی خص جو کہ باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے خیال رہے کہ شارح نے احتمال ثانی کو و تحتمل سے بیان کرکے اس احتمال کے ضعف کی جانب اشارہ کیا ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ یہ احتمال سیاق کلام کے مناسب نہیں کیونکہ زیر بحث حال ہے نہ ظرف قولہ هذا الخ: اور یہ یعنی کلام کا دو معنی کا محتمل ہونا اسوقت ہے جب ظرف عامل معنوی میں داخل نہ ہو بلکہ فعل یا شبہ فعل میں داخل ہو جیسا کہ شارح کا مذھب ہے لیکن جب تم اسکو عامل معنوی میں داخل مانو جیسا کہ نحات کے کلام سے معلوم ہوتا ہے تو پھر احتمال ثانی ہی مراد ہوگا قولہ ولا علی المجرور: یعنی حال جس طرح کہ عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا ذوالحال مجرور پر بھی مقدم نہیں ہوتا خواہ ذوالحال مجرور باضافت ہو یا مجرور بحرف جر ہو مجرور باضافت میں تو بالاتفاق مقدم نہیں ہوتا مثلا جاء تنی مجردا عن الثیاب ضاربۃ زید کی ترکیب جائز نہیں کیونکہ حال ذوالحال کا تابع اور اسکی فرع ہے کیونکہ حال ذوالحال کی صفت ہے اور صفت موصوف پر مقدم نہیں ہوتی اور مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہوسکتا لہٰذا مضاف الیہ کا تابع بھی مضاف پر مقدم نہیں ہوگا رہی یہ بات کہ مضاف الیہ مضاف پر کیوں مقدم نہیں ہوتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مضاف حرف جر کے قائم مقام ہوتا ہے اور مضاف الیہ اسکا مجرور ہوتا ہے تو جس طرح مجرور حرف جر پر مقدم نہیں ہوسکتا کہ حرف جر عامل ضعیف ہے مجرور حرف جر کے قائم مقام پر بھی مقدم نہیں ہوسکتا اور اگر ذوالحال مجرور بحرف جر ہو تو اس پر حال کی تقدیم میں اختلاف

ونُقل عن بعضهم الجوازُ استدلالا بقوله تعالٰی وما اَرسلناک الا کافۃ للناس ولعل الفرق بین حرف الجر والاضافۃ ان حرف الجر مُعَدٍّ للفعل کالهمزۃ والتضعیف فکانہ من تمام الفعل و بعض حروفہ فاذا قلت ذهبتُ راکبۃ بھند فکانک قلت اذهبتُ راکبۃ هندا فالمجرور بحسب الحقیقۃ لیس مجرورا واجاب بعضهم عن هذا الاستدلال بجعل کافۃً حالا عن الکاف والتاء للمبالغۃ و بعضهم بجعلها صفۃ المصدر ای رسالۃ کافۃ و بعضهم بجعلها مصدرا کالکاذبۃ و العافیۃ

اور بعض نحویوں سے جواز منقول ہے استدلال کرتے ہوئے ارشاد باری تعالٰی وما ارسلناک الا کافۃ للناس ، سے اور شاید انکے نزدیک حرف جر اور اضافت میں فرق یہ ہے کہ حرف جر ہمزہ اور تضعیف کی طرح فعل کو متعدی بنانے والا ہے تو گویا کہ حرف جر فعل کا حصہ ہے اور فعل کے حروف میں سے ایک حرف ہے پس جب تم کہو ذهبت راکبۃ بھند تو گویا کہ تم کہا اذهبت راکبۃ هندا پس مجرور حقیقت کے اعتبار سے مجرور نہیں اور بعض نے اس استدلال کا جواب دیا ہے کافۃ کو کاف سے حال بنانے اور تاء کو مبالغہ کی تاء قرار دینے کے ساتھ اور بعض نے کافۃ کو مصدر کی صفت بنانے کے ساتھ ای رسالۃ کافۃ اور بعض نے کافۃ کو مصدر قرار دینے کے ساتھ مثل کاذبۃ اور عافیۃ کے

ہے سیبویہ اور اکثر نحات بصرہ اس صورت میں بھی تقدیم حال کو علت مذکورہ کی وجہ سے ممنوع کہتے ہیں یعنی اس وجہ سے کہ مجرور اپنے جار پر مقدم نہیں ہو سکتا تو مجرور کا تابع بھی جار پر مقدم نہیں ہوگا اور یہی مصنف کا مختار ہے اسی وجہ سے مصنف نے علی الاصح کہا ہے۔ قولہ **ونقل عن بعضهم الجواز** :۔ اور کچھ نحویوں سے ذوالحال مجرور بحرف جر پر حال کی تقدیم کا جواز منقول ہے جنہوں نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے وما ارسلناک الا کافۃ للناس بعضهم سے مراد ابن برهان اور ابن علی وغیرہ ہیں ان حضرات کی دلیل اللہ کریم کا ارشاد مذکور ہے جس میں کافۃ للناس سے حال ہے اور اس حال کا ذوالحال مجرور بحرف جر ہے لیکن ذوالحال مجرور باضافت پر انکے نزدیک بھی تقدیم حال جائز نہیں اور اس فرق کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مجرور باضافت بحسب الحقیقت مجرور ہے اس لئے اس پر حال کی تقدیم جائز نہیں اور مجرور بحرف جر حقیقت میں مجرور نہیں کیونکہ ہمزہ اور تضعیف کی مثل حرف جر فعل کو متعدی کرتا ہے گویا کہ یہ فعل کے اجزا اور بعض حروف سے ہے مثلا جب تم ذهبت راکبۃ بھند کہو تو گویا کہ تم نے کہا اذهبت راکبۃ هندا پس یہ مجرور بحسب الحقیقت مجرور نہ ہوا بلکہ فعل کا معمول یعنی مفعول بہ قرار پایا اس لئے اس صورت میں تقدیم حال جائز ہے۔ جس طرح کہ ذوالحال منصوب پر حال کی تقدیم جائز ہے قولہ **واجاب بعضهم** :۔ اور بعض حضرات نے اس استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ لفظ کافۃ الناس سے حال نہیں ہے بلکہ یہ ارسلناک کے کاف سے حال ہے رہی یہ بات کہ ذوالحال اور حال کے اندر تذکیر و تانیث میں موافقت ہوتی ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ کاف مذکر ہے اور کافۃ مؤنث ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافۃ کی تاء مبالغہ کی ہے تانیث کی نہیں جیسے علامۃ کی تاء تانیث کی نہیں ہے لہذا کافۃ بھی اپنے ذوالحال کی مثل مذکر ہے اور معنی ہوں گے کہ مانعا للناس عن الشرک والکبائر مبالغۃ فیہ. قولہ **وبعضهم بجعلها** :۔ یہاں پر بعض سے مراد علامہ زمخشری ہے جس کے نزدیک کافۃ حال نہیں بلکہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای **رسالۃ کافۃ** اور بعض نے کافۃ کو فعل محذوف کا مفعول مطلق بنایا ہے یعنی کافۃ بمعنی کف ہے جیسے کاذبۃ بمعنی کذب اور عافیۃ بمعنی عفت ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے تکف کافۃ ای مانعۃ للناس پھر یہ جملہ حال ہے۔ یعنی ان کے نزدیک کافۃ اصل میں کافِفۃ تھا بروزن عافیۃ وشافیۃ اور یہ مصادر ہیں پھر فاء کو فاء میں ادغام کیا تو کافۃ ہوا

والکل تکلف وتعسف وکل مادل علی ھیأۃ ای صفۃ سواء کان الدال مشتقا او جامدا صح ان یقع حالا من غیر ان یؤول الجامد بالمشتق لان المقصود من الحال بیان الھیأۃ وھو حاصل بہ وھذا رد علی جمھور النحاۃ حیث شرطوا اشتقاق الحال وتکلفوا فی تاویل الجوامد بالمشتق ومع ھذا فلا شک ان الاغلب فی الحال الاشتقاق مثل بسرا ورُطبا فی قولھم ھذا بسرا وھو مابقی فیہ حموضۃ اَطیب منہ رُطبا وھو مافیہ حلاوۃ صرفۃ فانھما مع کونھما جامدین حالان لدلالتھما علی صفۃ البسریۃ والرطبیۃ فلا حاجۃ الی ان یؤول البُسر بالمُبسِر والرطبُ بالمُرطِب

اور یہ تمام تکلف اور تعسف ہیں (اور جو ھیئت پر دلالت کرے) یعنی صفت پر خواہ دال مشتق ہو یا جامد (اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے) بغیر تاویل کرنے جامد کے مشتق سے کیونکہ حال سے مقصود بیان ھیئت ہے اور وہ جامد سے حاصل ہے اور یہ جمہور نحات پر رد ہے اس لئے کہ انہوں نے حال کے لئے مشتق ہونے کی شرط لگائی ہے اور جوامد کی مشتق سے تاویل کرنے میں تکلف کیا ہے اور اسکے باوجود کوئی شک نہیں حال میں مشتق ہونا غالب ہے (جیسے) بُسرا اور رُطبا عرب کے قول (ھذا بسرا) اور بُسر وہ کھجور ہے جس میں کھٹائی ہو (اطیب منہ رُطبا) میں اور رطب وہ کھجور ہے جس میں صرف مٹھاس ہو پس یہ دونوں جامد ہونے کے باوجود حال ہیں صفت بُسریت اور رُطبیت پر دلالت کرنے کی وجہ سے اور بُسر کو مُبسِر اور رُطب کو مرطِب کی تاویل میں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں

قولہ **والکل تکلف وتعسف**:۔ یعنی مذکورہ تمام جوابات تکلف اور تعسف ہیں. جواب اول میں تکلف یہ ہے کہ کافۃ کی تاء کا مبالغہ کے لئے ہونا یقینی نہیں کیونکہ اسم فاعل میں تاء برائے مبالغہ معلوم الوقوع نہیں بلکہ بعض نحات نے فعال اور فعول کے اوزان کے علاوہ دیگر اوزان میں تاء برائے مبالغہ کا انکار کیا ہے اور لفظ کافیۃ سے استدلال کرنا ضعیف ہے کہ اسمیں تاء تانیث کا احتمال بھی رکھتی ہے اور جواب ثانی میں تکلف یہ ہے کہ اس صورت میں عبارت محذوف ماننی پڑتی ہے اور حذف خلاف اصل ہے اور تعسف یہ ہے کہ لفظ کافۃ ہمیشہ حال واقع ہوتا ہے اور جواب ثالث میں تکلف یہ ہے کہ اسمیں مصدر غیر معلوم کا اثبات ہے یعنی کافۃ کو مصدر قرار دینا ایک اختراعی چیز ہے کلام عرب سے اسکا مصدر ہونا معلوم نہیں. قولہ **وکل مادل**:۔ اور جو لفظ ھیئت یعنی صفت پر دلالت کرے خواہ وہ لفظ دال مشتق ہو یا جامد ہو اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے اور اسکو مؤول بالمشتق کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حال سے فاعل یا مفعول کی ھیئت وصفت کا بیان مقصود ہوتا ہے اور وہ جامد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور مصنف کا یہ قول جمہور نحات پر رد ہے کیونکہ انکے نزدیک حال کا مشتق ہونا ضروری ہے اور انہوں نے جوامد کی مشتق کے ساتھ تاویل کر کے تکلف کیا ہے یعنی اگر کہیں انہوں نے جامد کو حال دیکھا ہے تو اسکو مشتق کی تاویل میں کر لیا ہے اور اسکے باوجود کہ حال جامد بھی ہوتا ہے اغلب حال میں اشتقاق ہے. قولہ **ھذا بسرا اطیب منہ رطبا**:۔ یہ اسم جامد کے حال واقع ہونے کی مثال ہے اسمیں بسرا اور رطبا دونوں اسم جامد ہیں اور حال واقع ہو رہے ہیں کیونکہ صفت بسریت اور صفت رطبیت پر دلالت کر رہے ہیں اور جو صفت پر دلالت کرے وہ حال بن سکتا ہے. بُسر اس کھجور کو کہتے ہیں جس میں ترشی باقی ہو اور رطب اسکو کہتے ہیں جسمیں خالص حلاوت ہو ترشی نہ ہو لہذا بُسر کو بتاویل مبسر اور رطب کو بتاویل مرطب کرنے کی حاجت نہیں.

من اَبْسَرَ النخل اذا صار ماعليه بسرا او اَرطب اذا صار ماعليه رُطبا والعامل فی رطبا اطيب بالاتفاق النحاة وفی بسرا ايضا عند محققيهم وتقدم بسرا علی اسم التفضيل مع ضعفه فی العمل لانه اذا تعلق بشیء واحد حالان باعتبارين مختلفين يلزم ان يلیَ كلٌّ منهما متعلّقه والبسرية تعلقت بالمشار اليه بهذا من حيث انه مفضل وهذه الحيثية وان لم تكن معتبرة فيه الا بعد اضماره فی اطيب لكنه لما كان الضمير بالنسبة الی المظهر كالعدم اقيم المظهر مُقامه واَوجبوا ان يليَه والرطبية تعلقت به من حيث انه مفضل عليه وهو ضمير منه فيجب ان يلی

یہ ماخوذ ہے اَبْسَر النخل سے جبکہ نخل پر جو پھل ہے وہ بسر ہو جائے اور اَرطب سے جبکہ کھجور پر جو پھل ہے وہ رطب ہو جائے اور عامل رُطبا میں باتفاق نحات اَطیب ہے اور بسرا میں بھی ان کے محققین کے نزدیک اور بسرا اسم تفضیل پر مقدم ہو گیا اسم تفضیل کے عمل میں ضعیف ہونے کے باوجود اس لئے کہ جب ایک شی کے ساتھ دو حال دو مختلف اعتباروں سے متعلق ہوں تو ضروری ہے کہ ہر ایک حال اپنے متعلق کے ساتھ متصل ہو اور بسریت ہذا کے مشارالیہ سے متعلق ہوئی اس حیثیت سے کہ وہ مشارالیہ مفضل ہے اور یہ حیثیت مشارالیہ میں اگرچہ اَطیب میں ضمیر لانے کے بعد ہی معتبر ہے لیکن ضمیر جبکہ اسم ظاہر کی نسبت کالعدم تھی تو اسم ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام کر دیا گیا اور نحات نے ضروری قرار دیا کہ حال اسم ظاہر سے متصل ہو اور رطبیت مشارالیہ کے ساتھ اس حیثیت سے متصل ہوئی کہ مشارالیہ مفضل علیہ ہے اور وہ منہ کی ضمیر ہے لہذا حال کا منہ سے ملا ہوا ہونا ضروری ہوا

قولہ **من ابسرا لنخل**:۔ یعنی اگر بُسر کو ضمہ کی تاویل میں کر لیا جائے تو مصدر ماخوذ ہوگا ابسر النخل سے اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کھجور پر جو پھل ہے وہ بسر ہو جائے اور مرطب ارطب النخل سے ماخوذ ہوگا اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب کھجور کا پھل رطب ہو جائے۔ قولہ **والعامل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب جسکی تشریح یہ ہے کہ مثال مذکور میں لفظ بسرا اور رطب کو نصب دینے والا عامل کون ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ رطبا میں عامل باتفاق نحات الطیب ہے اور بسرا میں بھی محققین کے نزدیک عامل الطیب ہے رہی یہ بات کہ اطیب اسم تفضیل ہے جسکا معمول اسپر مقدم نہیں ہوتا کہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے تو بسرا کیسے اطیب پر مقدم ہو گیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ بسرا کی تقدیم ایک قاعدہ پر مبنی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک شی کے دو حال ہوں مختلف اعتبار سے تو ہر حال کا اپنے ذوالحال سے اتصال لازمی ہے اور مثال مذکور میں شی واحد یعنی ھذا کے مشارالیہ کے دو حال ہیں دو مختلف اعتبار سے یعنی اس اعتبار سے کہ وہ مشارالیہ مفضل ہے بسرا اسکا حال ہے اور اس اعتبار سے کہ مشارالیہ مفضل علیہ ہے رطبا اسکا حال ہے لہذا بسرا کو ھذا سے متصل کر دیا گیا کہ وہ مفضل ہے اور رطبا کو منہ کی ضمیر سے متصل کر دیا گیا کہ وہ مفضل علیہ ہے۔ قولہ **وھذہ الحیثیۃ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ھذا کے مشارالیہ کی طرف اطیب کی ضمیر لوٹنے کے بعد مشارالیہ مفضل ہوگا لہذا بسرا کو اطیب کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ اطیب کی ضمیر مستتر پہلے مفضل ہے پھر ھذا کا مشارالیہ مفضل ہے یعنی ھذا اطیب بسرا منہ رطبا ہونا چاہئے۔ شارح نے جواب دیا کہ مشار الیہ کی یہ حیثیت اگرچہ اس وقت معتبر ہوگی جب اطیب کی ضمیر اسکو راجع ہو کیونکہ مرجع راجع کا حکم لے لیتا ہے اور یہاں ضمیر راجع مفضل ہے تو مرجع بھی مفضل ہوگا لیکن اسم اشارہ چونکہ اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر کے مقابلہ میں ضمیر مثل معدوم کے ہے اس لئے اسم ظاہر یعنی ھذا کو ضمیر کے قائم مقام

قال الرضی واما الضمیر المستکنّ فی افعل فانه وان کان مفضّلا لکنه لما لم یظهر کان کالعدم ومع هذا فلا اری باسا بان یقال وان لم یُسمَع زید احسن قائما منه قاعدا وذهب بعضهم الی ان العامل فی بسرا اسم الاشارة ای اشیر الیه حال کونه بسرا وهذا لیس بصحیح لانه یمکن ان یکون المشار الیه التمر الیابس فلا تتقید الاشارة بحالة البُسریة ولانه یصح حیث وقع موقع اسم الاشارة اسمٌ لا یصح إعماله فیه نحو تمرة نخلی بسرا اطیب منه رطبا

شیخ رضی نے کہا کہ افعل میں جو ضمیر مستتر ہے وہ اگرچہ مفضل ہے لیکن جبکہ وہ ظاہر نہیں ہوئی تو وہ کالعدم ہوئی اور اسکے باوجود میں اسمیں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ یہ کہا جائے کہ زیدٌ احسن قائما منہ قاعدا اگرچہ یہ ترکیب سنی نہیں گئی اور بعض نحوی اس طرف گئے ہیں کہ بُسرا میں عامل اسم اشارہ ہے یعنی اُشیر الیہ حال کونہ بُسرا اور یہ درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ ہذا کا مشار الیہ تمر یابس ہو پس یہ اشارہ حالت بسریت کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور اس لئے کہ اسم اشارہ کی جگہ کسی ایسے اسم کا واقع ہونا صحیح ہے جس کا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو جیسے تمرۃ نخلی بسرا اطیب منہ رطبا

کر کے بسرا کو اسکے ساتھ متصل کر دیا گیا اور رطیب جو کہ حال ثانی ہے اور رطبا سے مفہوم ہو رہی ہے یہ بھی ہذا کے مشار الیہ کے ساتھ متعلق ہوئی اس اعتبار سے کہ مشار الیہ مفضل علیہ ہے اور چونکہ مفضل علیہ من تفضیلیہ کے بعد ہوتا ہے لہذا مشار الیہ کا مفضل علیہ ہونا منہ کی ضمیر کے اعتبار سے ہوگا لہذا رطبا کا منہ کی ضمیر سے اتصال واجب ہوگا قولہ **قال الرضی** :۔ شارح نے سابق میں ضمیر کو بنسبت اسم ظاہر کے کالعدم قرار دیا ہے اس پر کلام رضی بطور استشہاد لائے ہیں یعنی رضی نے کہا ہے کہ افعل اسم تفضیل یعنی اطیب میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اگرچہ فی الحقیقت وہ مفضل ہے لیکن چونکہ ضمیر ظاہر نہ تھی اس لئے وہ مثل معدوم کے ہوئی اور اسکے باوجود کہ ضمیر بنسبت اسم ظاہر کے کالعدم ہوتی ہے میں اسمیں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ زید احسن قائما منہ قاعدا کہا جائے اگرچہ یہ ترکیب عرب سے مسموع نہیں تاکہ دو حال میں سے ہر ایک اپنے اپنے ذوالحال کے ساتھ متصل ہو جائے اور جب قائما کو احسن کی ضمیر سے حال بنانے میں اور اسکو احسن کے ساتھ متصل کرنے میں کوئی حرج نہیں تو ھذا اطیب بسرا منہ رطبا بھی کہا جا سکتا ہے۔ قولہ **وذھب بعضھم** :۔ اور بعض نحوی مثلا ابو علی اور اسکے اتباع اس طرف گئے ہیں کہ اول یعنی بسرا میں عامل اسم اشارہ سے مستنبط معنی فعل ہے ای اشیر الیہ حال کونہ بسرا اور یہ مذھب دو وجہ سے صحیح نہیں۔ اول۔ اس لئے کہ حال اپنے عامل کیلئے قید ہوتا ہے تو اگر حال کا عامل اشیر کو قرار دیا جائے تو بسرا اشارہ کی قید ہوگا لہذا مشار الیہ اگر خشک کھجور ہو تو اشیر الیہ بسرا اطیب منہ رطبا کہنا صحیح نہ ہوگا حالانکہ اس صورت میں بھی ھذا بسرا اطیب منہ رطبا کہنا صحیح ہے کیونکہ اسکا معنی ہے کہ مشار الیہ جب بسر ہوتا ہے تو زیادہ مزہ دار ہوتا ہے اس حالت سے جس میں یہ رطب ہوتا ہے۔ دوم۔ یہ کہ اطیب اس وقت بھی عامل بن سکتا ہے جب اسم اشارہ کی جگہ ایسا اسم واقع ہو جسکا حال میں عمل کرنا صحیح نہ ہو جیسے تمرۃ نخلی بسرا اطیب منہ رطبا میں تمرۃ اسم جامد ہے اور یہ حال میں عمل نہیں کر سکتا لہذا یہاں بسرا میں عامل اطیب ہوگا تو مثال مذکور میں بھی بسرا میں عامل اطیب ہوگا نہ کہ اسم اشارہ سے مستنبط معنی فعل اور رضی کے استدلال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ مثال مصنوعی ہے اور مثال مصنوعی سے کوئی دعوی ثابت نہیں ہوتا۔

قولہ بسرا:۔ امام مبرد کے نزدیک بسرا اور رطبا میں عامل فعل کان تامہ ہے جو مقدر ہے عبارت کی تقدیر اس طرح ہے ھذا اذا کان بسرا اطیب منہ اذا کان رطبا یعنی لفظ بسرا اور لفظ رطبا اپنے اپنے ماقبل کان تامہ کی ضمیر مستتر سے حال ہیں لیکن امام مبرد کا یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ تقدیر خلاف اصل ہے جسکو اختیار نہیں کیا جائیگا۔

وقد تکون ای الحال جملۃ لدلالتھا علی الھیأۃ کالمفردات فیصح ان تقع حالا مثلھا ولکن یجب ان تکون الجملۃ الحالیۃ خبریۃ محتملۃ للصدق والکذب لان الحال بمنزلۃ الخبر عن ذی الحال واجر الھا علیہ فی قوۃ الحکم بھا علیہ والجملۃ الانشائیۃ لاتصلح ان یُحکم بھا علی شیٔ ولما کانت الجملۃ مستقلۃ فی الافادۃ لاتقتضی ارتباطھا بغیرھا والحال مرتبطۃ بغیرھا فاذا وقعت الجملۃ حالا لابُدّ لھا من رابطۃ تَربطِھا الی صاحبھا وھی الضمیر والواو والجملۃ الخبریۃ اما اسمیۃ او فعلیۃ والفعلیۃ اما ان یکون فعلھا مضارعا مثبتا او مضارعا منفیًا او ماضیا مثبتا او ماضیا

(اور) حال (کبھی جملہ ہوتا ہے) بوجہ دلالت کرنے جملہ کے ہیئت پر مفردات کی مثل لہذا جملہ کا مفردات کی مثل حال واقع ہونا صحیح ہے لیکن ضروری ہے کہ جملہ حالیہ (خبریہ ہو) صدق وکذب کا احتمال رکھنے والا کیونکہ حال، ذوالحال سے بمنزلہ خبر کے ہے اور حال کا ذوالحال پر جاری کرنا حال کے ساتھ ذوالحال پر حکم لگانے کی قوت میں ہے اور جملہ انشائیہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس سے کسی چیز پر حکم لگایا جائے اور جبکہ جملہ افادہ میں مستقل ہے اپنے غیر کے ساتھ ارتباط کا تقاضا نہیں کرتا اور حال اپنے غیر کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اس لئے جب جملہ خبریہ حال واقع ہو تو اس کیلئے رابطہ ضروری ہے جو اسے ذوالحال سے مربوط کردے اور رابطہ ضمیر اور واؤ ہے اور جملہ خبریہ یا اسمیہ ہوگا یا فعلیہ اور جملہ فعلیہ کا فعل یا تو مضارع مثبت ہوگا یا مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی

قولہ **وقد تکون جملۃ** :۔ اور حال کبھی جملہ ہوتا ہے کیونکہ مفردات کی مانند جملہ بھی ہیئت وصفت پر دلالت کرتا ہے لہذا مفردات کی مثل جملہ کا حال واقع ہونا درست ہے اور شیخ رضی کہتے ہیں کہ حال کا مضمون عامل کیلئے مقید ہوتا ہے اور جملہ کا مضمون بھی قید ہوتا ہے اس لئے اسکا حال واقع ہونا صحیح ہے لیکن ضروری ہے کہ وہ جملہ حالیہ خبریہ ہو یعنی صدق وکذب کا احتمال رکھتا ہو اس لئے کہ حال باعتبار معنی کے ذوالحال سے بمنزلہ خبر کے ہے اور حال کا ذوالحال پر جاری کرنا ذوالحال کیلئے محکوم بہ کی قوت میں ہے یعنی جس طرح کہ خبر محکوم بہ اور مبتدا محکوم علیہ ہوتا ہے اسی طرح ذوالحال بمنزلہ محکوم علیہ اور حال بمنزلہ محکوم بہ کے ہوتا ہے اور جملہ انشائیہ میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ محکوم بہ بنے اس لئے کہ جملہ انشائیہ خود ثابت وموجود نہیں جبکہ محکوم بہ محکوم علیہ کیلئے ثابت ہوتا ہے اس لئے اگر کبھی جملہ انشائیہ حال واقع ہو تو اسمیں مقول فی حقہ یا اسکے مثل کے ساتھ تاویل کرنی پڑتی ہے لیکن خبر کا نفس الامر میں ثبوت ہوتا ہے جیسے زید قائم میں زید کیلئے قیام کا ثبوت ہے اسلئے جملہ خبریہ حال واقع ہوسکتا ہے اسلئے جملہ حالیہ کیلئے خبریہ ہونا ضروری ہے۔ قولہ **ولما کانت الجملۃ** :۔ اور جملہ چونکہ افادہ میں مستقل ہوتا ہے اور اپنے غیر کے ساتھ ارتباط کا متقضی نہیں ہوتا جبکہ حال غیر کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جب جملہ حال واقع ہو تو اسکو ذوالحال کے ساتھ مرتبط کرنے کا کوئی رابطہ ہو اور وہ رابطہ ضمیر اور واؤ ہے پھر جملہ خبریہ دو حال سے خالی نہیں اسمیہ ہوگا یا فعلیہ اور اگر فعلیہ ہے تو اسکا فعل یا مضارع مثبت ہوگا یا مضارع منفی یا ماضی مثبت یا ماضی منفی۔ پس یہ پانچ جملے ہیں ان میں سے ہر ایک میں رابطہ لازمی ہے جو کبھی اکیلی ضمیر ہوتی ہے اور کبھی صرف واؤ اور کبھی دونوں۔ جنکی تفصیل آرہی ہے۔

قولہ **بمنزلۃ الخبر** :۔ یعنی حال حقیقۃ محکوم بہ اور خبر نہیں ہوتا کیونکہ حال کی غرض بیان ہیئت ہے نہ کہ اس کا ذوالحال پر حکم لگانا لیکن حال محکوم بہ کی قوت میں ہے اس لئے اس کا ذوالحال پر جاری ہونا حکم لگانے کے منزلہ میں ہے۔

منفيا فهذه خمس جمل فالاسمية اى الجملة الاسمية الحالية متلبسة بالواو والضمير معا القوة الاسمية فى الاستقلال فناسب ان تكون الرابطة فيها فى غاية القوة نحو جئت وانا راكبٌ وجئت وانت راكب وجاء نى زيد وهو راكب او بالواو وحدها لانها تدل على الربط فى اول الامر فاكتفى بها مثل قوله عليه السلام كنتُ نبيا وآدم بين الماء والطين وهذا اى الربط بالواو وحدها او بها مع الضمير انما يكون فى الحال المنتقلة واما فى الحال المؤكدة فلا تجوز الواو تقول هو الحق لاشك فيه وذلك لان الواو لا تدخل بين المؤكد والمؤكِّد لشدة الاتصال بينهما

منفی پس یہ پانچ جملے ہیں (تو اسمیہ) یعنی جملہ اسمیہ حالیہ (واؤ اور ضمیر کے ساتھ) ملتبس ہوگا معا بوجہ قوی ہونے جملہ اسمیہ کے استقلال میں لہذا مناسب ہے کہ اسمیہ میں رابطہ قوی تر ہو جیسے جئت وانا راکبٌ اور جئت وانت راکبٌ اور جاء نی زیدٌ وھو راکب (یا واؤ کے ساتھ) تنہا کیونکہ واؤ اول امر میں رابطہ پر دلالت کرتی ہے پس تنہا واؤ پر اکتفا کر لیا گیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین اور رابطہ تنہا واؤ کے ساتھ یا واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال منتقلہ میں ہوتا ہے بہر حال حال مؤکدہ میں تو رابطہ بالواؤ جائز نہیں تم کہو گے ہو الحق لاشک فیہ اور یہ اس لئے کہ واؤ مؤکد اور مؤکِد کے درمیان داخل نہیں ہوتی کہ ان میں شدت اتصال ہے

قولہ **فالاسمية:** ۔ پس جملہ اسمیہ حالیہ واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ معا ملتبس ہوگا کیونکہ جملہ اسمیہ استقلال میں بہت قوی ہوتا ہے کہ وہ ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے پس جملہ خبریہ کا نفس استقلال ربط کا مقتضی ہے اور اسمیں قوت کی زیادت ربط کی زیادت کی مقتضی ہے اس لئے اسکو رابطہ قویہ کی ضرورت ہے جیسے جئت وانا راکب وغیرہ میں واؤ اور ضمیر دونوں برائے رابطہ موجود ہیں یا صرف واؤ رابطہ کیلئے لایا جائیگا کیونکہ واؤ اول امر میں ربط پر دلالت کرتا ہے پس اسی پر اکتفا کر لیا جائیگا یعنی واؤ کی وضع چونکہ جمع کیلئے ہے تو واؤ لانے سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ بعد والا جملہ واؤ کے ماقبل سے مرتبط ہے جیسے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی **کنت نبیا** الخ قولہ **وھذا:** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ھو الحق لاشک فیہ میں لاشک فیہ جملہ حالیہ ہے جو الحق صفت مشبہ میں ضمیر مستتر سے حال ہے اور اسمیں ربط کیلئے صرف فیہ کی ضمیر ہے واؤ ربط کیلئے نہیں ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ واؤ کے ساتھ ربط یا واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال منتقلہ میں ضروری ہے اور لاشک فیہ جملہ حالیہ مؤکدہ ہے اور حال مؤکدہ میں واؤ لانا جائز نہیں اس لئے کہ مؤکَد اور مؤکِد میں شدت اتصال ہے کہ ثانی عین اول ہے جبکہ واؤ برائے فصل ہے جسکی وجہ سے مؤکد اور مؤکد کے درمیان فصل لازم آئیگا اور اتصال برقرار نہیں رہے گا، اور لاشک فیہ حال مؤکدہ ہے جو ھو الحق کی تاکید کر رہا ہے۔ پس اس میں فیہ کی ضمیر برائے ربط ہے اور حال میں عامل ثبت یا ثابت ہے۔ ای ثبت حقیقۃ یا حقیقۃ ثابت لاشک فیہ جیسے زید قائم حقا میں۔

قولہ **فالاسمية:** ۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں پر جملہ اسمیہ کو ذکر میں مقدم کیا ہے حالانکہ جملہ فعلیہ اصل ہے جس طرح کہ مرفوعات میں گذر چکا ہے اسکی وجہ یہ کہ جملہ اسمیہ کو جملہ فعلیہ پر برتری و فضیلت حاصل ہے وہ یہ کہ جملہ اسمیہ کا پہلا جز اسم ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ کا پہلا جز فعل ہوتا ہے اور اسم کو مسند اور مسند الیہ ہونے کی وجہ سے فعل پر فوقیت و برتری حاصل ہے اور جملہ اسمیہ کے حکم میں ہے وہ جملہ جس کے شروع میں کلمہ لیس ہو کیونکہ لیس مجرد نفی کیلئے ہے زمانہ پر دلالت نہیں کرتا تو لیس حرف نفی کی مثل ہے جو کہ جملہ اسمیہ پر داخل ہو لہذا جملہ مصدر بلیس حال واقع ہونے کے وقت جملہ اسمیہ کے حکم میں ہے۔

اوبالضمیر وحده علی ضعف لان الضمیر لایجب ان یقع فی الابتداء فلایدل علی الربط فی اول الامر نحو کَلَّمتُهُ فُوه الی فِیَّ فلابدمن الواو علی الصحیح والمضارع المثبت ای الجملة الفعلیة التی یکون الفعل فیهامضارعامثبتامتلبسةً بالضمیر وحده لمشابهته لفظاومعنی لاسم الفاعل المستغنی عن الواو نحوجاء نی زیدیَسرع وماسواهمااى ماسوى الجملة الاسمية و الفعلية المشتملة علی المضارع المثبت من الجُمَل المشتملة علی المضارع المنفی او الماضی المثبت اوالمنفی بالواو والضمیر معااوباحدهما وحده من غیر ضعف عندالاکتفاء بالضمیر لعدم قوة استقلالها کالاسمية

(ضمیر کے ساتھ) تنہا (ضعف پر) کیونکہ ضمیر کا ابتداء کلام میں واقع ہونا ضروری نہیں پس ضمیر اول امر میں ربط پر دلالت نہیں کرے گی جیسے کلمتہ فوہ الی فی تو واؤ ضروری ہے صحیح قول پر (اور مضارع مثبت) یعنی جملہ فعلیہ کہ جسمیں فعل مضارع مثبت ہو ملتبس ہوگا (تنہا ضمیر کے ساتھ) بوجہ مشابہ ہونے مضارع کے لفظ اور معنی کے اعتبار سے اسم فاعل کے جو واؤ سے مستغنی ہے جیسے جاءنی زید یسرع (اور ان دونوں کا ماسوا) یعنی جملہ اسمیہ اور وہ جملہ فعلیہ جو مضارع مثبت پر مشتمل ہے ان کے ماسوا ان فعلیہ جملوں میں جو مضارع منفی یا ماضی مثبت یا منفی پر مشتمل ہیں (واؤ اور ضمیر کے ساتھ) معا (یا ان دو میں سے صرف ایک کے ساتھ) ضمیر کے ساتھ اکتفاء کے وقت کسی ضعف کے بغیر بوجہ نہ ہونے قوت استقلال کے ان جملوں میں جملہ

قولہ اوبالضمیر علی ضعف:۔ یعنی جملہ اسمیہ حالیہ کا اس کے ذوالحال کے ساتھ ربط یا صرف ضمیر کے ساتھ ہوگا مگر یہ ضعیف ہے کیونکہ ضمیر کا اول جملہ میں آنا ضروری نہیں جیسا کہ واؤ اول میں آتا ہے لہٰذا ضمیر اول امر سے ربط پر دلالت نہیں کریگی۔ پس واؤ کا ہونا ضروری ہے مثلاً کلمتہ فوہ الی فی یہ ضعیف ہے پس اس مثال میں جملہ فوہ الی فی کو ضمیر فاعل سے حال بناؤ تو رابط فی کی ضمیر متکلم ہوگی اور اگر ضمیر مفعول سے بناؤ تو رابط فوہ کی ضمیر غائب ہوگی۔ اور معنی یہ ہونگے کہ میں نے اس سے بات کی اس حال میں کہ اسکا منہ میرے منہ کی طرف تھا پس قول صحیح کے مطابق برائے ربط واؤ ضروری ہے۔ قولہ والمضارع المثبت:۔ اور جملہ فعلیہ حالیہ جسمیں فعل مضارع مثبت ہو وہ صرف ضمیر کے ساتھ ملتبس ہوگا اس لئے کہ فعل مضارع اسم فاعل کے مشابہ ہے باعتبار لفظ کے حرکات، سکنات اور تعداد حروف میں اور باعتبار معنی کے حدوث وتجدد اور زمانہ حال واستقبال پر دلالت کرنے میں اور اسم فاعل اگر حال واقع ہو تو واؤ برائے رابطہ سے مستغنی ہوتا ہے تو مضارع بھی واؤ سے مستغنی ہوگا اور اسمیں رابطہ کیلئے صرف ضمیر کافی ہوگی جیسے جاءنی زید یسرع میں یسرع حال ہے جسمیں ضمیر مستتر برائے ربط ہے۔ قولہ وماسواهما:۔ اور جملہ اسمیہ اور وہ جملہ فعلیہ جو مضارع مثبت پر مشتمل ہے ان دو کے ماسوا ان جملوں میں جو مضارع منفی یا ماضی مثبت یا منفی پر مشتمل ہوں انمیں ربط کیلئے واؤ اور ضمیر دونوں ہونگے یا انمیں سے کوئی ایک بغیر ضعف کے اور انمیں ربط کیلئے ضمیر پر اکتفا اس لئے ضعیف نہیں کہ یہ جملے استقلال میں جملہ اسمیہ کی مثل قوی نہیں کہ انمیں

قولہ بالضمیر وحدہ:۔ یعنی مضارع مثبت اگر حال واقع ہو تو اس میں ربط کیلئے صرف ضمیر ہوتی ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ اتامرون الناس بالبرو تنسون انفسکم میں وتنسون جملہ فعلیہ مثبتہ یعنی اسمیں فعل مضارع مثبت ہے جو حال واقع ہو رہا ہے اور اس میں ربط کیلئے صرف ضمیر نہیں بلکہ واؤ بھی موجود ہے اس کا جواب یہ

فالمضارع المنفی نحو جاء نی زید وما یتکلم غلامه او جاء نی زید ما یتکلم غلامه او جاء نی زید وما یتکلم عمرو والماضی المثبت نحو جاء نی زید وقد خرج غلامه او جاء نی زید قد خرج غلامه او جاء نی زید وقد خرج عمرو والماضی المنفی نحو جاء نی زید وما خرج غلامه او جاء نی زید ما خرج غلامه او جاء نی زید وما خرج عمرو ولابدفی الماضی المثبت لاالمنفی من دخول لفظة قد المقرِّبة زمان الماضی الی الحال لفتعلی الماضی المثبت الواقع حالا لیدل بها علی قرب زمانه الی زمان صدور الفعل من ذی الحال او وقوعه علیه تجوزا

اسمیہ کیمثل پس مضارع منفی جیسے جاءنی زید وما یتکلم غلامہ یا جاءنی زیدٌ ما یتکلم غلامہ اور جاءنی زید وما یتکلم عمرو اور ماضی مثبت جیسے جاءنی زید وقد خرج غلامہ یا جاءنی زیدٌ قد خرج غلامہ یا جاءنی زیدٌ وقد خرج عمرو اور ماضی منفی جیسے جاءنی زید وما خرج غلامہ یا جاءنی زید ما خرج غلامہ یا جاءنی زیدٌ وما خرج عمرو (اور ماضی مثبت میں ضروری ہے) نہ منفی میں لفظ (قد کا دخول) جو لغت کے اعتبار سے ماضی کے زمانہ کو حال کے قریب کرنے والا ہے جو ماضی مثبت کہ حال واقع ہوتا کہ مجازا اس بات پر دلالت کی جائے کہ ماضی کا زمانہ ذوالحال سے صدور فعل یا اس پر وقوع فعل کے زمانہ سے قریب ہے

رابطہ قویہ کی ضرورت پیش آئے تمام کی امثلہ شرح میں موجود ہیں قولہ **ولابدفی الماضی**:۔ اور ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اسمیں کلمہ قد لانا ضروری ہے کیونکہ ماضی گذشتہ زمانہ پر دلالت کرتی ہے اور حال موجودہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں میں بعد ہے جسکو ختم کرنے کیلئے لفظ قد لایا جاتا ہے جو زمانہ ماضی کو حال یعنی زمانہ تکلم کے قریب کرنے کیلئے موضوع ہے تا کہ ماضی مثبت لفظ قد کے سبب اس بات پر دلالت کرے کہ زمانہ ماضی ذوالحال سے صدور فعل یا ذوالحال پر وقوع فعل کے زمانہ کے قریب ہے اور یہ دلالت مجازا ہے از قبیل اطلاق کل وارادہ جزء کیونکہ قد کا لغوی معنی مطلق قرب کا ہے اور قرب ماضی الی الحال مطلق قرب کا جز ہے اور دخول قد اس لئے ضروری ہے کہ ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اسکا گذرنا زمانہ عامل کی نسبت سے ہے جو حال میں عامل ہے مثلا جاءنی زید قد رکب میں زمانہ رکوب مجی کے زمانہ سے قبل ہے اور مجی بلا رکوب ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مجی مع الرکوب ہے۔ پس لفظ قد لانا ضروری ہو گیا تا کہ وہ ماضی یعنی زمانہ رکوب کو زمانہ مجی سے قریب کردے اور حال کا زمانہ عامل کے زمانہ سے مقارن ہو جائے۔ اور یہ لفظ قد کا داخل کرنا نحات بصرہ کا مذھب ہے۔ نحات کوفہ کے مذھب میں لفظ قد کا داخل کرنا ضروری نہیں۔ قولہ **دخول لفظة قد**:۔ اس اضافی عبارت میں شارح نے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ کلمہ من حروف جارہ میں سے ایک حرف ہے اور حروف جارہ اسم پر داخل ہوتے ہیں مصنف نے من قد کہہ کر نحو کے قانون کے خلاف کیا ہے یعنی حرف کو حرف پر داخل کیا ہے ایسا کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر قد سے لفظ قد مراد ہے جو اسم ہے حرف نہیں لہذا مصنف کی عبارت میں کلمہ من اسم پر داخل ہے حرف پر داخل نہیں۔ قولہ **الواقع حالا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ماضی پر دخول قد ضروری نہیں ورنہ ضرب زید کی ترکیب صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اس ماضی پر کلمہ قد داخل نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ماضی پر قد کا داخل ہونا اسوقت ضروری ہے

دیا گیا ہے کہ ارشاد مذکور میں یکسون انفسکم حال واقع نہیں ہو رہا بلکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت اسطرح ہے وانتم یکسون انفسکم پھر یہ جملہ حال ہے چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس لئے اس میں ربط کیلئے واؤ آیا ہے لہذا مصنف کا یہ کہنا درست ہے کہ مضارع مثبت میں ربط کیلئے تنہا ضمیر کافی ہے۔

لان المتبادرمن الماضی المثبت اذاوقع حالاان مُضیه انماهوبالنسبةالی زمان العامل فلابدمن قدحتی تقرّبه الیه فیقارنه وهذابخلاف مذهب الکوفیین فانهم لایُوجبون قدظاهر قولا مقدرة سواء کانت ظاهرةفی اللفظ نحوجاء نی زیدٌقدرکب غلامه او مقدرة منویةنحو قوله تعالی جاء وکم حصرت صدورهم ای قدحصرت وهذابخلاف مذهب سیبویه والمبردفانهما لا یجوّزان حذف قدفسیبویه یؤول قوله تعالی حَصِرت صدورهم بقوماحَصِرت صدورهم فتکون جملة حَصِرت صدورهم صفةًلموصوف محذوف وهوالحال والمبردیجعله جملة دعائیةوانمالم یُشرط ذٰلک فی المنفی لاستمرارالنفی بلاقاطع فیشمل زمان الفعل

کیونکہ ماضی مثبت جب حال واقع ہوتواس سے متبادریہ ہے کہ اس کا گذرنا زمانہ عامل کی نسبت سے ہے لہٰذاقد کا ہوناضروری ہے تاکہ وہ ماضی مثبت کوعامل کے زمانہ کے قریب اوراسکے مقارن کردے اورحال کے زمانہ کوعامل کے زمانہ سے ملادے اوریہ دخول قدکاضروری ہوناکوفیین کے مذھب کے خلاف ہے کیونکہ وہ قدظاہرہ یامقدرہ کوضروری قرارنہیں دیتے برابر ہے کہ قد(ظاہر)ہولفظ میں جیسے جاءنی زیدٌ قدرکب غلامہ(یامقدر)منوی جیسے ارشادباری تعالیٰ اوجاؤکم حصرت صدورہم ای قدحصرت اوریہ تقدیرقد سیبویہ اورمبرد کے مذھب کے خلاف ہے کیونکہ وہ دونوں قدکے حذف کوجائزنہیں مانتے پس سیبویہ اس ارشادکی تاویل قوماحصرت صدورہم سے کرتے ہیں توجملہ حصرت صدورہم موصوف محذوف کی صفت ہوجائیگااور وہ موصوف حال ہے اورمبردحصرت صدورہم کوجملہ دعائیہ بناتے ہیں اور ماضی منفی میں دخول قدکی شرط نہیں لگائی گئی استمرارنفی کی وجہ سے کسی مانع کے بغیرپس نفی فعل کے زمانہ کوشامل ہوگی

جب وہ حال واقع ہورہی ہواورضرب زیدمیں ماضی مثبت حال نہیں واقع ہورہی۔قولہ **فانهم لایوجبون** :۔یعنی نحات کوفاایسی ماضی مثبت پرجوحال واقع ہوقدکاداخل ہوناضروری نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی ماضی قدکے بغیرقرآن کریم میں بکثرت آئی ہے جیسے کیف تکفرون باللہ وکنتم اموا تااورھذہ بضاعتنا ردت الینا۔قولہ **ظاهرة**:۔شارح نے اس سے قبل سواء کانت کااضافہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیاہے کہ مصنف کاقول **ظاهرةاومقدرة** کانت مقدرکی خبرہے یعنی ماضی مثبت جب حال واقع ہوتواسپرقدکاداخل کرناضروری ہے خواہ قدلفظ میں ظاہرہوجیسے جاءنی زیدقدرکب غلامہ یامقدرمنوی ہوجیسے ارشادباری تعالیٰ **اوجاء وکم حصرت صدورهم** میں لفظ قدمقدرہے **ای قدحصرت** اوریہ حذف قدسیبویہ اورمبرد کے مذھب کے خلاف ہے کیونکہ وہ دونوں حذف قدکوجائزنہیں مانتے اوراس ارشادمذکورمیں تاویل کرتے ہیں سیبویہ تویہ کہتاہے کہ حصرت،قومامحذوف کی صفت ہے پھرموصوف صفت سے ملکرحال ہے اورمبردیہ کہتاہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے جس کیلئے کوئی محل اعراب نہیں۔قولہ **وانمالم یشترط**:۔یہ سوال مقدرکاجواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ماضی منفی حال واقع ہوتواسپردخول قدکیوں شرط نہیں؟شارح نے جواب دیاکہ ماضی منفی پردخول قداس لئے شرط نہیں کیاگیاکہ ماضی منفی میں بلاقاطع نفی کااستمرارہوتاہے پس نفی اس فعل کے زمانہ کوشامل ہوتی ہے جوحال میں عامل ہے اورنفی کاقاطع ایجاب ہے۔جویہاں پرمفقودہے نیزنفی صدارت کی مقتضی ہے جوقدسے ختم ہوجائیگی۔

ویجوز حذف العامل فی الحال لقیام قرینة حالیة کقولک للمسافر ای الشارع فی السفر او المتھیٔ له راشدا مھدیًا ای سِر راشدا مھدیا بقرینة حال المخاطب وقوله مھدیا اِما صفة لراشدا او حال بعد حال او مقالیة کقولک راکبا لمن یقول کیف جئتَ ای جئتُ راکبا بقرینة السوال ومنه قوله تعالی اَیَحسَبُ الانسان اَن لن نجمع عظامه بلیٰ قادرین ای بلی نجمعھا قادرین ویجب حذف العامل فی بعض الاحوال المؤکدة وھی ای الحال المؤکدة مطلقا ھی التی لاتنتقل من صاحبھا مادام موجودا غالبا بخلاف المنتقلة والمنتقلة قید للعامل بخلاف المؤکدة

(اور عامل کا حذف کرنا جائز ہے) حال میں قرینہ حالیہ کے قیام کے وقت (جیسے تمہارا قول مسافر کیلئے) یعنی اس شخص کیلئے جو سفر شروع کر چکا ہے یا سفر کیلئے تیار ہو گیا ہے (راشدا مھدیا) یعنی سر راشدا مھدیا یہاں بقرینہ حال مخاطب فعل محذوف ہے اور قائل کا قول مھدیا یا تو راشدا کی صفت ہے یا حال کے بعد حال ہے یا قرینہ مقالیہ کے وقت جیسا کہ تمہارا قول "راکبا" اس شخص کے جواب میں جو کہے کیف جئت اور اسی سے ہے ارشاد باری تعالی احسب الانسان الخ ای بلی نجمعھا قادرین (اور واجب ہے) عامل کا حذف کرنا بعض احوال (مؤکدہ میں) اور حال مؤکدہ مطلقا وہ ہے جو اپنے ذوالحال سے جب تک کہ وہ موجود ہو غالبا جدا نہ ہو بر خلاف حال منتقلہ کے کہ وہ ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے اور حال منتقلہ عامل کیلئے قید ہوتا

قولہ **ویجوز حذف العامل**:۔ اور بوقت قیام قرینہ حالیہ یا مقالیہ حال میں عمل کرنے والے عامل کا حذف کرنا جائز ہے خواہ وہ عامل فعل ہو یا شبہ فعل یا معنی فعل اور معنی فعل کی مثال انسان مؤمنا ای ہذا انسان مؤمنا جیسے تیرا قول اس شخص کیلئے جو سفر شروع کر چکا ہے یا سفر کی تیاری کر چکا ہے **راشدا مھدیا ای سر راشدا مھدیا** یہ قرینہ حالیہ کی مثال ہے اور اس مثال میں حذف عامل پر قرینہ مخاطب کا حال ہے اور اس مثال میں راشدا کے بعد واقع لفظ **مھدیا** یا تو **راشدا** کی صفت ہے یا اس سے حال ہے یعنی حال مترادفہ ہے اور قرینہ مقالیہ کی مثال تیرا قول راکبا ہے اس شخص کے جواب میں جس نے کہا کیف جئت کہ تو کیسے آیا ہے **ای جئت راکبا** یہاں حذف عامل پر قرینہ سوال ہے اور بقرینہ سوال حذف فعل کے قبیل سے ہے یہ ارشاد پاک احسب الانسان الخ ای بلی نجمعھا قادرین قولہ **ویجب حذف العامل**:۔ اور بعض احوال مؤکدہ میں حذف عامل واجب ہے اور حال مؤکدہ وہ ہے جو اپنے ذوالحال سے غالبا جدا نہ ہو جبکہ ذوالحال موجود ہو یعنی جو ذوالحال سے غالب اور اکثر مواد میں جدا نہ ہو مگر بطریق ندرت۔ شارح نے حال مؤکدہ کی تعریف میں لفظ مطلقا بڑھا کر اس وہم کا ازالہ کیا ہے کہ یہ تعریف اس حال مؤکدہ کی ہے جسکے عامل کا حذف کرنا واجب ہے یعنی حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہو یا واجب ہو مطلقا حال مؤکدہ وہ ہے جو اپنے صاحب سے جدا نہ ہو بخلاف حال منتقلہ کے کہ وہ اپنے صاحب سے جدا ہو سکتا ہے اور یہ عامل کیلئے قید ہوتا ہے بخلاف حال مؤکدہ کے کہ وہ قید نہیں ہوتا کہ صاحب حال کی صیغت خلقیہ بیان کرتا ہے اور تاکید ہوتا ہے۔ رہا نحویوں کا یہ قول ان الحال مطلقا قید للعامل تو اس سے مراد یہ ہے کہ عبارت اور ظاہری

قولہ **لاتنتقل من صاحبھا**:۔ جس طرح کہ زید ابوک عطوفا میں عطوفیت اب سے منتقل اور جدا نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے زید ابوک عطوفا میں عطوفا حال مؤکدہ ہے کہ اب سے مفہوم ہونے والی عطوفیت کی تاکید ہے اور یہی اب سے مفہوم ہونے والی عطوفیت حذف عامل پر قرینہ ہے۔

مثل زیدٌ ابوک عَطوفا فان العطوفیۃ لاتنفک عن الاب فی غالب الامر ای احقہ بفتح الھمزۃ او ضمھا من حققت الامر بمعنی تحقّقتہ و صرت منہ علی یقین او من اَحققت الامر بھذا المعنی بعینہ او بمعنی اَثبتہ ای تحققت ابوتہ لک و صرت منھا علی یقین او اُثبّتُھا لک عطوفا و قال صاحب المفتاح احق التقدیرات عندی ان یقدر یَحْنِی عطوفا

ہے برخلاف حال مؤکدہ کے (جیسے زیدٌ ابوک عطوفا) کیونکہ مہربان ہونا اکثر اوقات میں باپ سے منفک نہیں ہوتا (یعنی احقہ) ہمزہ کی فتحہ یا ضمہ کے ساتھ حققت الامر بمعنی تحققت وصرت منہ علی یقین سے یعنی میں نے اس بات کی تحقیق کر لی اور میں اس سے یقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا یا احققت الامر سے ماخوذ ہوگا اور معنی بعینہ یہی ہونگے یا اثبتہ کے معنی میں ہوگا یعنی میں نے تیرے لئے ابوۃ کی تحقیق کر لی اور مجھ کو علم الیقین حاصل ہوگیا یا میں نے تیرے لئے ابوۃ کا اثبات کر دیا اس حال میں کہ تیرا باپ مہربان ہے اور صاحب مفتاح نے کہا کہ میرے نزدیک سب تقدیرات سے بہتر تقدیر یہ

صورت کے اعتبار سے ہر حال عامل کیلئے قید ہوتا ہے۔ قولہ **مثل زید ابوک عطوفا:** ۔اس مثال میں کلمہ عطوفا حال مؤکدہ ہے کیونکہ عطوفیت اور مہربانی غالب امر اور اکثر اوقات میں اَب سے جدا نہیں ہوتی۔ پس یہاں عامل اُحِقہ محذوف ہے کیونکہ ذکر اَب جو عطوفیت کی خبر دے رہا ہے وہ حذف عامل پر قرینہ ہے لہٰذا برائے اختصار حذف عامل واجب ہے۔ قولہ **احقہ:** ۔اس میں دو احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ یہ بفتح ہمزہ مضارع معلوم از باب ضرب یضرب ہو اس صورت میں یہ حققت الامر بمعنی تحققت الامر سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہیں کہ میں نے امر کی تحقیق کر لی اور اسکے یقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور میرے لئے اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور مجھے علم الیقین حاصل ہوگیا یا اُحقہ بضم ہمزہ صیغہ مضارع متکلم از باب افعال ہو اور اُحققت الامر سے ماخوذ ہو بعینہ گزشتہ معنی میں یعنی میں نے امر کی تحقیق کر لی اور درجہ یقین کو پہنچ گیا اور میرے لئے کوئی شک باقی نہیں رہا۔ قولہ **او بمعنی اثبتہ بتشدید التاء:** ۔یہ قول شارح کے قول **بھذا المعنی** پر معطوف ہے یعنی اگر اُحقہ بضم ہمزہ از باب افعال ہو تو اسکے دو معنی ہونگے۔ اول۔ تحقق یعنی میں نے زید کی ابوۃ کو تیرے لئے تحقق کر دیا اور اسکے بارے میں درجہ یقین کو پہنچ گیا۔ دوم۔ اثبات یعنی میں نے زید کی ابوت کو تیرے لئے ثابت کر دیا اور مجھے اس کے بارے یقین ہوگیا کہ وہ تیرا مہربان باپ ہے لیکن احقہ اگر صیغہ مجرد ہو تو اسکا صرف ایک معنی ہوگا یعنی تحقق اور ان تمام صورتوں میں حال مفعول کی صفت کو بیان کرنے والا ہوگا اور مذکورہ تقدیر سیبویہ سے منقول ہے۔ قولہ **ای حققت ابوتہ لک:** ۔یہ شیخ رضی کے سوال کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مخاطب کیلئے زید کی ابوت کا اثبات اسکی دلالت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ متکلم کے کہنے سے لہٰذا زید ابوک عطوفا میں احقہ مقدر کرنا صحیح نہیں ہاں اَعلمہ عطوفا کہنا صحیح ہے لیکن اسوقت عطوفا حال نہیں ہوگا بلکہ اعلم کا مفعول ثانی ہوگا۔ شارح نے جواب دیا کہ احقہ، احق لابوتہ کی تقدیر میں ہے یعنی میں نے تیرے لئے زید کی ابوۃ کا یقین کر لیا اسکے مہربان ہونے کی حالت میں۔ قولہ **وقال صاحب المفتاح:** ۔اور صاحب مفتاح ابو یعقوب یوسف سکاکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس مثال میں تمام تقدیرات سے بہتر تقدیر یہ ہے کہ عامل یحنی صیغہ مضارع معلوم از باب ضرب یضرب حنی یحنی مقدر کیا جائے جس کے معنی ہونگے کہ زید تیرا باپ ہے مائل ہوتا ہے اور شفقت کرتا ہے اس حال میں کہ مہربان ہے اور اس صورت میں عطوفا فاعل کی صفت بیان کرنے والا ہوگا کیونکہ یحنی فعل لازم ہے جسکے فاعل سے عطوفا حال ہے۔ اور اس تقدیر کے اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسمیں ایک باب کو دوسرے باب کے معنی میں کرنے

وشرطها ای شرط وجوب حذف عاملها ان تکون مقرّرَۃ ای مؤکدۃ لمضمون جملۃ احترز بہ عما یؤکد بعض اجزائہا کالعامل فی قولہ تعالی اِنّا اَرسَلناک للناس رسولا فانہ لا یجب حذفہ اسمیۃ احترز بہا عما اذا کانت فعلیۃ فانہ لا یجب حذف عاملہا کما قال صاحب الکشاف فی قولہ تعالی قائما بالقسط انہ حالٌ مؤکدۃ من فاعل شہد ولا بد ھہنا من قید آخر وھو ان یکون عقد تلک الاسمیۃ من اسمین لا یَصلحان للعمل فیہا والا لکان عاملہا مذکورا فکیف یکون حذفہ واجبا نحو اللہ شاھد قائما بالقسط

ہے کہ جنتی عطوفا (اور اسکی شرط) یعنی حال کے عامل کے وجوب حذف کی شرط (یہ ہے کہ حال مقررہ ہو) یعنی مؤکدہ ہو (مضمون جملہ کیلئے) مصنف نے اس قید کے ساتھ اس حال سے احتراز کیا ہے جو جملہ کے بعض اجزاء کی تاکید کرتا ہے مثلا عامل کی ارشاد باری تعالی انا ارسلناک للناس رسولا میں کہ اس کا حذف کرنا واجب نہیں (جو اسمیہ ہو) مصنف نے اسمیہ کی قید سے اس جملہ سے احتراز کیا جو فعلیہ ہو کہ اس کے عامل کا حذف کرنا واجب نہیں جیسا کہ صاحب مفصل نے ارشاد باری تعالی قائما بالقساط میں کہا کہ قائما شہد کے فاعل سے حال مؤکدہ ہے اور یہاں ایک اور قید کا ہونا ضروری ہے وہ یہ کہ وہ جملہ ایسے دو اسموں سے مرکب ہو جو حال میں عمل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ورنہ حال کا عامل مذکور ہوگا تو اسکا حذف کرنا کیسے واجب ہوگا جیسے اللہ شاہد قائما بالقسط

کی حاجت نہیں ہوگی قولہ **وشرطھا**:۔ اور حال کے عامل کے وجوبا محذوف ہونے کی شرط یہ ہے کہ حال مضمون جملہ اسمیہ کی تقریر وتاکید کرتا ہو مضمون سے مراد وہ معنی ہیں جو جملہ سے مفہوم ہوتے ہوں مضمون جملہ کہنے سے اس حال سے احتراز ہوگیا جو مضمون جملہ کی تاکید نہ کرتا ہو بلکہ جملہ کے بعض اجزاء کی تاکید کرتا ہو مثلا عامل کی تاکید کرتا ہو جیسے ارشاد باری تعالی انا ارسلناک للناس رسولا میں لفظ رسولا حال مؤکدہ ہے مگر اپنے عامل یعنی ارسل کی تاکید کر رہا ہے لہذا اس حال کے عامل کا حذف کرنا واجب نہیں اور جملۃ کے بعد اسمیۃ کہکر مصنف نے اس حال سے احتراز کیا ہے جو جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو کہ اسکے عامل کا حذف بھی واجب نہیں جس طرح کہ بقول صاحب کشاف ارشاد باری تعالی **قائما بالقسط** میں **قائما** **شہد** کے فاعل سے حال مؤکدہ ہے. قولہ **ولا بد**:۔ یہ مصنف پر اعتراض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف کو ایک اور قید ذکر کرنی چاہئے تھی اور وہ یہ کہ جملہ اسمیہ کی ترکیب ایسے دو اسموں سے ہو جو حال میں عمل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ورنہ حال مؤکدہ کا عامل وہی اسم مذکور ہوگا جو عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو عامل کا حذف کرنا کیسے واجب ہوگا جیسے اللہ شاہد قائما بالقسط میں شاہد جملہ اسمیہ کا دوسرا اسم ہے جسمیں عمل کرنے کی صلاحیت موجود ہے کیونکہ یہ شبہ فعل ہے لہذا قائما میں یہی شاہد عامل ہوگا اور عامل محذوف نہیں مانا جائیگا. بعض شروح میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ شاید مصنف علیہ الرحمۃ نے مثال پر اکتفاء کرتے ہوئے اس قید کا ذکر نہیں کیا. لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں قاعدہ کی مثال قاعدہ وضابطہ کیلئے تتمہ وتکملہ ہوگی وھذا غیر مستحسن اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہم یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ شاہد قائما بالقسط میں حال کا عامل مذکور ہے بلکہ یہاں پر بھی حال کا عامل محذوف ہے اور وہ اُحقہ ہے اصل عبارت یوں ہے **اللہ شاھد اُحقہ قائما بالقسط**.

التمييز ما ای الاسم الذی یرفع الابهام واحترز به عن البدل فان المبدل منه فی حکم التنحیة فهو لیس یرفع الابهام عن شیٔ بل هو ترک مبهم وایراد معین المستقر ای الثابت الراسخ فی المعنی الموضوع له من حیث انه موضوع له فان المستقر وان کان بحسب اللغة هو الثابت مطلقا لکن المطلق منصرف الی الکامل وهو الوضعی واحترز به عن نحو رأیت عینا جاریة فان قوله جاریة یرفع الابهام عن قوله عینا لکنه غیر مستقر بحسب الوضع بل نشأ فی الاستعمال باعتبار تعدد الموضوع له وکذا یقع به الاحتراز عن اوصاف المبهمات نحو هذا الرجل

(تمیز وہ ہے) یعنی وہ اسم ہے جو (ابہام کو رفع کرے) اور مصنف نے اپنے قول "یرفع الابہام" کے ساتھ بدل سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ مبدل منہ ترک کے حکم میں ہوتا ہے پس بدل کسی چیز سے ابہام کو رفع نہیں کرتا بلکہ وہ ترک مبہم اور ایراد معین ہے (جو مستقر ہو) یعنی ثابت وراسخ ہو معنی موضوع لہ میں اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے کیونکہ مستقر اگرچہ لغت کے اعتبار سے مطلق ثابت کے معنی میں ہے لیکن مطلق فرد کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے اور وہ فرد کامل ابہام وضعی ہے اور مصنف نے اپنے قول "المستقر" کے ساتھ رأیت عینا جاریۃ کے مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ قائل کا قول "جاریۃ" اس کے قول "عینا" سے ابہام رفع کرتا ہے لیکن یہ ابہام وضع کے اعتبار سے مستقر نہیں بلکہ استعمال میں پیدا ہوا ہے تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے اور اسی طرح مصنف کے قول "المستقر" سے مبہمات کے اوصاف سے احتراز واقع ہوتا ہے جیسے ھذا الرجل

قولہ **التمییز ما**:۔شارح علیہ الرحمۃ نے لفظ ما کی تفسیر اسم کے ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تمیز کی تعریف مانع نہیں کیونکہ اس میں قطع رزقہ ای مات کی ترکیب کا لفظ مات داخل ہوا کیونکہ یہ بھی ابہام مستقر کو رفع کرتا ہے حالانکہ یہ تمیز نہیں ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں کلمہ ما سے مراد اسم ہے کیونکہ زیر بحث اسم ہے اور ترکیب مذکور میں کلمہ مات اگرچہ ابہام کو دور کرتا ہے مگر وہ اسم نہیں اس لئے وہ تمیز میں داخل نہیں اور تمیز کی تعریف مانع ہے۔ مصنف نے یرفع الابہام کے ساتھ بدل سے احتراز کیا ہے کیونکہ اسکا مبدل منہ ترک کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس بدل معنی موضوع لہ کے ابہام کو دور نہیں کرتا بلکہ بدل ترک مبہم اور ارادۂ معین پر دلالت کرتا ہے۔ قولہ **المستقر**:۔یعنی تمیز وہ اسم ہے جو ابہام ثابت اور وضعی کو رفع کرے۔ شارح فرماتے ہیں کہ المستقر سے مطلق ثابت مراد نہیں بلکہ ایسا ثابت مراد ہے جو معنی موضوع لہ میں ثابت اور راسخ ہو اس حیثیت سے کہ وہ موضوع لہ ہے کیونکہ مستقر کے معنی لغت میں اگرچہ مطلق ثابت کے ہیں لیکن مطلق فرد کامل کی طرف منصرف ہوتا ہے یعنی مطلق بول کر اس کا فرد کامل مراد لیا جاتا ہے اور ابہام کا فرد کامل ابہام وضعی ہے۔ پس وہی مراد ہوگا قولہ **واحترز به**:۔یعنی مصنف نے المستقر کہکر رأیت عینا جاریۃ کی مثل سے احتراز کیا ہے کیونکہ جاریۃ اگرچہ عینا سے ابہام کو دور کرتا ہے لیکن یہ ابہام وضع کے اعتبار سے مستقر اور ثابت نہیں بلکہ تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے استعمال میں پیدا ہوا ہے۔ اور اسی طرح المستقر سے اوصاف مبہمات بھی خارج ہو جائیں گی نحو **هذا الرجل** اس لئے کہ **هذا** مثلا یا تو مفہوم کلی کیلئے موضوع ہے بشرطیکہ هذا مفہوم کلی کے جزئیات مثلا زید، بکر وغیرہ میں استعمال ہو جیسا کہ متقدمین کا مذہب ہے یا لفظ هذا مفہوم کلی کی ہر ہر جزئی کیلئے موضوع ہے جیسا کہ متاخرین کا مذہب ہے اور مفہوم کلی میں من حیث المفہوم کوئی ابہام نہیں کہ هذا کا مفہوم کلی ایک ہے

فان ھذا مثلا اما موضوع لمفهوم کلی بشرط استعماله فی جزئیاته اَولکل جزئی جزئی منه ولا ابهام فی هذا المفهوم الکلی ولا فی واحد واحد من جزئیاته بل الابهام انما نشأمن تعدد الموضوع له او المستعمل فیه فتوصیفه بالرجل یرفع هذا الابهام لا الابهام الواقع فی الموضوع له من حیث انه موضوع له و کذا یقع به الاحتراز عن عطف البیان فی مثل قولک ابوحفص عمرُفان کل واحد من ابی حفص وعمرَ موضوع لشخص معین لا ابهام فیه لکن لما کان عمر اَشهرَزال بذکره الخفاء الواقع فی ابی حفص لعدم الاشتهار لا الابهام الوضعی عن ذات لا عن وصف واحترز به عن النعت والحال

اس لئے کہ ہذا مثلا یا تو مفہوم کلی کیلئے موضوع ہے بشرطیکہ اس کے استعمال ہونے کے مفہوم کلی کے جزئیات میں یا مفہوم کلی کی ہر ہر جزئی کیلئے موضوع ہے اور اس مفہوم کلی میں کوئی ابہام نہیں اور نہ ہی اس کے جزئیات میں سے ایک ایک جزئی میں ابہام ہے بلکہ ابہام تعدد موضوع لہ سے یا مستعمل فیہ سے پیدا ہوا پس اسم اشارہ کی الرجل کے ساتھ توصیف اس ابہام کو رفع کرتی ہے وہ اس ابہام کو دور نہیں کرتی جو موضوع لہ میں واقع ہے اس کے موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے اسی طرح مصنف کے قول "المستقر" سے عطف بیان سے احتراز واقع ہوتا ہے تمہارے قول "ابوحفص عمر" کی مثل میں اس لئے کہ ابوحفص اور عمر میں سے ہر واحد شخص معین کیلئے موضوع ہے اور شخص معین میں کوئی ابہام نہیں لیکن جبکہ عمر زیادہ مشہور تھا تو عمر کے ذکر سے وہ خفا زائل ہو گیا جو ابوحفص میں عدم شہرت کی وجہ سے ہے نہ کہ ابہام وضعی (ذات سے) نہ وصف سے اور مصنف نے عن ذات سے نعت

یعنی مشار الیہ اور نہ ہی حدا کی جزئیات میں سے کسی جزئی میں ابہام ہے بلکہ ابہام تعدد موضوع لہ سے پیدا ہوا اگر یہ ہر ہر جزئی کیلئے موضوع ہو یا تعدد مستعمل فیہ کی وجہ سے اگر یہ مفہوم کلی کیلئے موضوع ہو جسکو اسم اشارہ کی صفت الرجل دور کر رہی ہے لیکن یہ صفت اس ابہام کو دور نہیں کرتی جو موضوع لہ میں بحیثیت موضوع لہ کے ہے کیونکہ موضوع لہ میں کوئی ایسا ابہام ہی نہیں ہے جسکو رفع کرنے کی حاجت ہو کیونکہ ابہام ہو تو اسکو رفع کیا جائے۔ قولہ **و کذا**:۔ یعنی **المستقر** کے ساتھ عطف بیان سے بھی احتراز ہو گیا جیسے تیرے قول "**ابوحفص عمر**" میں **عمر** کیونکہ ابوحفص اور عمر میں سے ہر ایک شخص معین کیلئے موضوع ہے اور شخص معین میں کوئی ابہام نہیں لیکن ابوحفص کی نسبت لفظ عمر زیادہ مشہور ہے اس لئے عمر کے ذکر کرنے سے وہ خفاء دور ہو گیا جو ابوحفص میں عدم شہرت کے باعث تھا لیکن ابہام وضعی دور نہیں ہوا کہ وہ تھا ہی نہیں قولہ **عن ذات**:۔ مصنف کا قول "عن ذات" بھی قید احترازی ہے جس سے ایسا ابہام خارج ہو گیا جو وصف میں مستقر ہوتا ہے ذات میں نہیں ہوتا مثلا نعت اور حال یہ دونوں اس ابہام کو دور کرتے ہیں جو وصف میں مستقر ہوتا ہے اور اس بات کی تحقیق کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے اور حال و صفت وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں یہ ہے کہ الفاظ کے واضع نے جب رطل کو مثلا نصف سیر کیلئے وضع کیا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ موضوع لہ معنی معین ہیں جو نصف سیر سے کم یعنی ربع سیر سے ممتاز ہیں اور نصف سیر سے زائد سے بھی ممتاز ہیں مثلا سیر اور دو سیر سے۔ پس رطل کے معنی میں کوئی ابہام نہیں مگر اسکی ذات اور جنس کے اعتبار سے یعنی جسکو رطل کے ساتھ تولا جاتا ہے اس کے اعتبار سے رطل میں ابہام ہے کہ یہ موزون جنس شہد سے ہے

لانهما يرفعان الابهام المستقر الواقع في الوصف لا في الذات وتحقيق ذلك ان الواضع لما وضع الرطل مثلا لنصف منّ فلاشك ان الموضوع له معنى معين متميزٌ عما هو اقل من النصف كالرُبع وعما هو اكثر منه كمنٍّ ومنّين ولا ابهام فيه اِلا من حيث ذاته اي جنسه فانه لا يعلم منه بحسب الوضع انه من جنس العسل والخل او غيرهما والا من حيث وصفه فانه لا يعلم منه بحسب الوضع انه بغدادي او مكي فاذا اريد رفع الابهام الوصفي الثابت فيه بحسب الوضع اُتبِعَ بصفة او حال فيقال رطلٌ بغدادي واذا اريد رفع الابهام الذاتي قيل زيتا فزيتا يرفع الابهام المستقر عن الذات لا النعتُ والحال فانهما يرفعان الابهام عن الوصف مذكورة او مقدرة صفتان للذات اشارة الى تقسيم التمييز فالمذكور نحو رطلٌ زيتا والمقدر نحو طاب زيد نفسا فانه في قوة قولنا طاب شيء منسوب الى زيد نفسا يرفع الابهام عن ذلك الشيء المقدر فيه

اور حال سے احتراز کیا ہے کیونکہ وہ دونوں اس ابہام مستقر کو دور کرتے ہیں جو وصف میں ہوتا ہے نہ کہ ذات میں اور اس بات کی تحقیق یہ ہے کہ واضع نے جب رطل کو مثلا نصف من کیلئے وضع کیا تو اسمیں شک نہیں کہ موضوع لہ معنی معین اور ممتاز ہے نصف سیر سے کم مثلا ربع سیر سے اور نصف سیر سے اکثر مثلا سیر اور دو سیر سے بھی متمیز ہے اور اسمیں کوئی ابہام نہیں مگر اسکی ذات یعنی جنس کے اعتبار سے کیونکہ رطل کہنے سے وضع کے اعتبار سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ رطل شہد کی جنس سے ہے یا سرکہ کی جنس سے یا انکے علاوہ اور اس میں ابہام نہیں مگر اسکی وصفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ رطل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بغدادی ہے یا مکی ہے پس جب ابہام وصفی جو اسم میں وضع کے اعتبار سے ثابت ہے اسکے رفع کرنے کا ارادہ کیا جائیگا تو رطل کے بعد اسکی صفت یا حال کو ذکر کیا جائیگا اور کہا جائیگا رطل بغدادی اور جب ابہام ذاتی کے رفع کا ارادہ کیا جائیگا تو کہا جائیگا زیتا۔ پس زیتا ابہام کو دور کرتا ہے ذات رطل سے جو اسمیں مستقر ہے اور نعت اور حال اس ابہام کو دور نہیں کرتے کیونکہ وہ دونوں وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں (مذکورہ یا مقدرہ سے) یہ دونوں ذات کی صفتیں ہیں یہ تمیز کی تقسیم کیطرف اشارہ ہے پس ذات مذکورہ جیسے رطل زیتا اور ذات مقدرہ جیسے طاب زید نفسا کیونکہ وہ ہمارے قول "طاب شی منسوب الی زید کی قوت میں ہے اور نفسا شی سے ابہام کو رفع کرتا ہے جو طاب زید میں مقدر ہے

یا جنس سرکہ سے یا انکے غیر سے اور اس میں وصفیت کے اعتبار سے بھی ابہام ہے کہ وہ رطل بغدادی یا مکی ہے گویا کہ رطل میں دو ابہام ہیں ایک من حیث ذاتہ وجنسہ اور دوسرا من حیث وصفہ۔ پس جب ابہام وصفی کے اٹھانے کا ارادہ کیا جائیگا جو اسمیں باعتبار وضع کے ثابت ہے تو رطل کے بعد صفت یا حال لایا جائیگا اور کہا جائیگا رطل بغدادی اور جب ابہام جنسی وذاتی کے رفع کا ارادہ کیا جائیگا تو کہا جائیگا رطل زیتا۔ پس زیتا ذات سے ابہام مستقر کو دور کرتا ہے اور نعت اور حال وصف کے ابہام کو دور کرتے ہیں قولہ **مذکورۃ او مقدرۃ** :۔ یہ دونوں لفظ ذات کی صفت ہیں اور ان سے تمیز کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے یعنی تمیز کی دو قسمیں ہیں۔ اول۔ وہ جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے جیسے رطل زیتا۔ دوم۔ وہ جو ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے جیسے طاب زید نفسا کیونکہ یہ قول طاب شی منسوب الی زید کی قوت میں ہے اور شی غیر معلوم ہے۔ پس نفسا اس شی سے ابہام کو دور کر رہا ہے جو طاب زید میں مقدر ہے۔ کیونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ زید کی طرف منسوب ہونے والی کونسی چیز ہے جو اچھی ہے اور نفسا تمیز اس ابہام کو دور کر رہا

فالاول ای القسم الاول من التمییز وھو مایرفع الابھام عن ذات مذکورۃ یرفعہ عن مفرد یعنی بہ مایقابل الجملۃ وشبھھا والمضاف مِقدار صفۃ لمفرد وھو مایُقدربہ الشئ ای یُعرف بہ قدرہ ویبین غالباً ای فی غالب المواد واکثرھا ای رفع الابھام مطلقا یتحقق فی ضمن ھذا الرفع الخاص فی اکثر المواد وذلک لان الابھام فیہ اکثر والمقدار اِمامتحقق فی ضمن عددٍنحو

(پس اول) یعنی قسم اول تمیز سے جو ابہام کو دور کرتی ہے ذات مذکورہ سے رفع کرتی ہے ابہام کو (مفرد سے) مفرد سے مصنف کی مراد جملہ، شبہ جملہ اور مضاف کا مقابل ہے (جو مقدار ہے) یہ مفرد کی صفت ہے اور مقدار وہ ہے کہ جس کے ساتھ کسی چیز کا اندازہ کیا جائے اور اسکی مقدار کو بیان کیا جائے (غالبا) یعنی غالب اور اکثر مواد میں یعنی رفع ابہام مطلقا تحقق ہوتا ہے اس رفع خاص کے ضمن میں اکثر مثالوں میں اور یہ اس لئے کہ مفرد مقدار میں ابہام اکثر ہے اور مقدار (یا) تحقق ہوتی ہے (عدد) کے ضمن (میں جیسے

ہے تو تمیز نے واضح کر دیا کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے۔ قولہ **فالاول**:۔ یعنی تمیز کی قسم اول جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ غالبا مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ شارح نے مصنف کے قول "عن مفرد" سے پہلے یرفعہ مقدر کر کے جار مجرور کا متعلق بتایا ہے اور اپنے قول "**یعنی بہ**" سے یہ بتایا ہے کہ اس جگہ مفرد سے مراد جملہ، شبہ جملہ اور مضاف کا مقابل ہے اور مصنف کا قول "**مقدار**" صفت ہے مفرد کی اور مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی شی کا اندازہ کیا جائے اور شی کی مقدار جانی جائے اور مقدار بیان کی جائے اور غالبا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی غالب اور اکثر مثالوں اور مواد میں اور مقادیر اشیاء پانچ ہیں جنکو شاعر نے اس شعر میں جمع کر دیا ہے ۔

پنج اند جان من تو مقادیر را شناس .... کیل است و وزن و عدد و ذراع است و ہم قیاس.

قولہ **ای رفع الابھام**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول **الاول** مبتدا ہے اور اسکا قول **عن مفرد مقدار** مبتدا کی خبر ہے اور مبتدا و خبر میں تغایر ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے اس لئے کہ الاول سے مراد رفع الابہام عن مفرد مقدار ہے اور عن مفرد مقدار سے بھی یہی مراد ہے تو تغایر نہ ہوا۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر مبتدا و خبر میں تغایر موجود ہے بایں طور کہ **الاول** سے مراد رفع ابہام مطلقا ہے خواہ وہ مفرد مقدار سے ہو یا جملہ وغیرہ سے اور **عن مفرد مقدار غالبا** سے مراد ایک خاص رفع ابہام ہے یعنی جو مفرد مقدار سے ہو تو ان دونوں میں مغایرت عام اور خاص ہونے کے اعتبار سے ہے اور عبارت کے معنی یہ ہیں کہ رفع ابہام مطلقا اس رفع خاص (رفع ابہام از مفرد مقدار) کے ضمن میں اکثر مواد میں پایا جاتا ہے کیونکہ مفرد مقدار میں ابہام اکثر ہے۔ قولہ **والمقدار**:۔ چونکہ تحقق مقدار کی مختلف صورتیں ہیں اس لئے ان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مقدار یا تو عدد کے ضمن میں تحقق ہوتی ہے جیسے **عشرون درھما** ۔ اور اسم عدد کی تمیز کا مفصل بیان اسماء عدد کے باب میں انشاء اللہ آئیگا یا غیر عدد کے ضمن میں مثلا وزن کے ضمن میں جیسے **رطل زیتا** کہ رطل نصف سیر کو کہتے ہیں۔ پس یہ نصف سیر مقدار ہے جو غیر عدد سے معلوم ہوئی اور جیسے **منوان سمنا** یا کیل کے ضمن میں جیسے **قفیزان برا** یا ذراع کے ضمن میں جیسے **ذراع ثوبا** یا مقیاس کے ضمن میں جیسے **وعلی التمرۃ مثلھا زبدا** ، کیس مثلہا کی ضمیر راجع بسوئے تمرۃ میں ابہام تھا کہ وہ مثل تمرۃ کیا چیز ہے جسکو زبدا نے دور کر دیا۔

قولہ **یعنی بہ**:۔ یہ معانی ثلثہ کا مجموعہ مفرد کے مجازی معنی ہیں اور مفرد کے حقیقی معانی چار ہیں ۱۔ مقابل مرکب ۲۔ مقابل شی و مجموع ۳۔ مقابل جملہ ۴۔ مقابل مضاف۔

عِشرون درهما وسیأتی ذکر تمییز العدد وبیانه فی باب اسماء العدد وإمافی ضمن غیره ای غیر العدد کالوزن نحو رطل زیتا فان الرطل نصف منّ ونحو منوان سَمنا وکالکیل نحو قَفیزان بُرّا وکالذراع نحو ذراعٌ ثوبا وکالمقیاس نحو علی التمرة مثلها زبدا والمراد بالمقادیر فی هذه الصور هو المقدرات لان قولک عندی عشرون درهما ورطل زیتا وقفیزان بُرا وذراعٌ ثوبا و علی التمرة مثلها زبدا المراد بها المعدود والموزون والمکیل والمذروع والمقیس لاغیر و انما اقتصر المصّ علی الامثلة الثلثة لانه کان مَطمحُ نظره التنبیه علی بیان مایَتِمّ به المفرد وهو التنوین کمافی رطلٌ زیتا اوالنون کمافی منوان سَمنا او الاضافة کما فی علی التمرة مثلها زبدا

عشرون درھما اور عن قریب آئیگا) تمیز عدد کا ذکر اور بیان اسمائے عدد کے بیان میں (اور یا اس کے غیر) کے ضمن (میں) یعنی عدد کے غیر کے ضمن میں مثلا وزن (جیسے رطل زیتا) کیونکہ رطل نصف سیر ہے (اور) جیسے (منوان سمنا) اور مثلا کیل جیسے قفیزان برا اور مثلا ذراع جیسے ذراع ثوبا (اور) مثلا مقیاس (علی التمرۃ مثلھا زبدا) اوران صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات ہیں کیونکہ تمہارا قول "عندی عشرون درھما اور رطل زیتا اور قفیزان برا اور ذرا ثوبا اور علی التمرۃ مثلھا زبدا" سے مراد معدود اور موزون اور مکیل اور مذروع اور مقیس ہیں کوئی اور نہیں اور مصنف نے تین مثالوں کے بیان پر اقتصار کیا اس لئے کہ اس کا مطمح نظر تنبیہ کرنا تھا اس چیز کے بیان پر جس کے ساتھ مفرد تام ہوتا ہے اور جس کے ساتھ مفرد تام ہوتا ہے وہ تنوین ہے جیسے رطل زیتا میں یا نون جیسے منوان سمنا میں یا اضافت جیسے علی التمرۃ مثلھا زبدا میں

قولہ والمراد بالمقادیر: ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مقدار کی مذکورہ صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی ابہام نہیں لہٰذا ان کی تمیز لانا درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ ان تمام صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات ہیں یعنی امثلہ مذکورہ میں عدد سے مراد معدود ہے اور اس میں ابہام ہے کہ وہ کیا چیز ہے اسی طرح وزن سے مراد موزون ہے اور موزون میں ابہام ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور مکیل میں بھی ابہام ہے مذروع و مقیس میں بھی ابہام ہے اوران امثلہ میں مقدرات کا غیر مراد نہیں بلکہ مقدرات ہی مراد ہیں اور یہ معلوم اور واضح ہے کہ اشیاء مقدرات میں ابہام ہے جسکو رفع کرنے کیلئے تمیز لائی گئی ہے۔ **قولہ وانما اقتصر:** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مقادیر پانچ ہیں مصنف نے بعض کو ذکر کیا ہے اور بعض کو ترک کر دیا ہے پھر ذکر کردہ میں سے بعض کی امثلہ مکرر ذکر کی ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے صرف تین مثالوں کے بیان پر اقتصار اس وجہ سے کیا ہے کہ اس کا مطمح نظر اور مقصد یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ مفرد تام ہوتا ہے اسکے بیان پر تنبیہ کر دی جائے اور ما یتم بہ المفرد تین چیزیں ہیں۔ اول۔ تنوین جیسے **رطل زیتا** میں رطل تنوین سے تام ہو گیا ہے۔ دوم۔ نون جیسے **منوان سمنا** میں منوان نون سے تام ہو گیا ہے۔ سوم۔ اضافت جیسے **علی التمرۃ مثلھا زبدا** میں لفظ مثل اضافت کی وجہ سے تام ہو گیا ہے۔ چونکہ مقصد اسم کی تمامیت کو بیان کرنا تھا اس لئے مقادیر کے تمام اقسام بیان نہیں کئے اور اسی وجہ سے بعض اقسام مقادیر یعنی وزن کی امثلہ کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ مایتم بالتنوین اور مایتم بالنون کی مثالیں آ جائیں۔ اور اقسام مقادیر کا بیان کرنا مقصود نہیں اس لئے مساحت وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔

ولهٰذا لم يستوفِ اقسام المقادير وكرر بعضها ومعنى تمام الاسم ان يكون على حالة لا يمكن اضافته معها والاسم مستحيل الاضافة مع التنوين ونوني التثنية والجمع ومع الاضافة لان المضاف لا يضاف ثانيا فاذا تمّ الاسم بهٰذه الاشياء شابه الفعل اذا تم بالفاعل وصار به كلاما تاما فيشابه التمييز الآتي بعده المفعولَ لوقوعه بعد تمام الاسم كما ان المفعول حقُّه ان يقع بعد تمام الكلام فينصبه ذٰلك الاسمُ التام قبلَه لمشابهته الفعل التام بفاعله وهٰذه الاشياء انما قامت مقام الفاعل لكونها في آخر الاسم كما كان الفاعل عقيب الفعل

اور اسی مطمح نظر کی وجہ سے مصنف نے مقادیر کے تمام اقسام کا احاطہ نہیں کیا اور بعض اقسام کو مکرر لائے اور اسم کے تمام ہونے کا معنی اسم کا ایسی حالت پر ہونا ہے کہ اس حالت کے ساتھ اسم کی اضافت ممکن نہ ہو اور اسم چار چیزوں سے مستحیل الاضافت ہوتا ہے تنوین کے ساتھ اور نون تثنیہ اور جمع کے نون کے ساتھ اور اضافت کے ساتھ کیونکہ مضاف کو دوبارہ مضاف نہیں کیا جاتا پس جب اسم ان اشیاء میں سے کسی کے ساتھ تام ہو گیا تو فعل کے مشابہ ہو گیا جبکہ فعل، فاعل ساتھ تام ہو جائے اور فعل، فاعل کے ساتھ ملکر کلام تام ہو جائے پس اسم تام کے بعد آنے والی تمیز مفعول کے مشابہ ہو جاتی ہے اسم کے تمام ہو جانے کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے جس طرح کہ مفعول کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہو پس وہ اسم تام جو تمیز سے قبل ہے وہ تمیز کو نصب دیتا ہے اس فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے جو اپنے فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے اور یہ اشیاء اربعہ فاعل کے قائم مقام اس لئے ہیں کہ یہ اسم کے آخر میں ہیں جس طرح کہ فاعل فعل کے بعد میں ہے

قولہ **ومعنی تمام الاسم**:۔اسم کے تمام ہونے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اس حالت پر ہوتے ہوئے اسکی اضافت کسی دوسرے اسم کی طرف ناممکن ہو اور اسم چار چیزوں میں سے ایک کے ساتھ مستحیل الاضافۃ ہوتا ہے ایک تنوین کے ساتھ. دوم۔نون تثنیہ کے ساتھ. سوم۔نون جمع کے ساتھ. چہارم۔اضافت کے ساتھ کیونکہ مضاف کو دوبارہ مضاف نہیں کیا جاتا. پس جب اسم تنوین وغیرہ کے ساتھ تام ہوگا تو اسکی فعل کے ساتھ مشابہت ہو جائیگی کہ فعل بھی فاعل کے ساتھ تمام ہوتا ہے یعنی فعل اپنے فاعل سے ملنے کے وقت کلام تام ہو جاتا ہے. پس اسم تام کے بعد واقع ہونے والی تمیز مفعول بہ کے مشابہ ہو جائیگی کیونکہ تمیز کلام کے تام ہونے کے بعد واقع ہوتی ہے. جس طرح کہ مفعول کا حق یہ ہے کہ وہ کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہو. پس اسم تام فعل کی مشابہت کی وجہ سے تمیز کو نصب دیگا جس طرح کہ فعل فاعل کے ساتھ تام ہو کر مفعول بہ کو نصب دیتا ہے اور یہ اشیاء مذکورہ فاعل کے قائم مقام اور اسکے مشابہ اس لئے ہیں کہ جس طرح فاعل فعل کے بعد ہوتا ہے یہ اشیاء بھی اسم کے آخر میں ہوتی ہیں. اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اسم تام کے نصب دینے میں فقط اس کی تمامیت کا دخل نہیں بلکہ فعل کے ساتھ مشابہت کا بھی دخل ہے

قولہ **لا یمکن اضافتہ**:۔یعنی ایک اسم کیطرف مضاف ہونے کے بعد دوسرے اسم کی طرف اسکی اضافت ممکن نہ ہو رہا ان کا قول "کل فرد فرد" جس میں بظاہر لفظ کل فرد ثانی کیطرف دوبارہ مضاف ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ فرد ثانی عطف کی وجہ سے مجرور ہے ای کل فرد وفرد. قولہ **لان المضاف لا یضاف ثانیا**:۔یعنی مضاف لفظا اور صورت کے اعتبار سے دوبارہ مضاف نہیں ہوتا لہٰذا غلام زید عمرو نہیں بولا جائیگا.

الاترى ان لام التعريف الداخل على اول الاسم وان كان يتمّ بها الاسم فلا يضاف معها لا ينتصب التمييز عنه فلا يقال عندى الراقود خلّا فيُفرد اى التمييز وان كان الاسم العام مثنى اومجموعا ان كان اى التمييز جنسا وهو ما يتشابه اجزاؤه ويقع مجردا عن التاء على القليل والكثير فلا حاجة الى تثنيته وجمعه كالماء والتمر والزيت والضرب بخلاف رجل وفرس الا ان تقصد الانواع اى ما فوق النوع الواحد فيشمل المثنى ايضا لانه لا يدل لفظ الجنس مفردا عليها فلا بد من ان يثنى او يجمع

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ لام تعریف جو اسم کے شروع میں آتا ہے اگرچہ اسم اس لام کے ساتھ تمام ہو جاتا ہے کہ لام کے ہوتے ہوئے وہ مضاف نہیں ہوتا مگر اس اسم سے تمیز منصوب نہیں ہوتی لہذا عندی الراقود خلا نہیں کہا جاتا (پس مفرد لائی جائیگی) تمیز اگرچہ اسم تام تثنیہ یا جمع ہو (اگر ہو) یعنی تمیز (جنس) اور جنس وہ ہے کہ جس کے اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور وہ تاء سے خالی ہو کر قلیل و کثیر پر واقع ہو لہذا تمیز کو تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہیں جیسے الماء، التمر، الزیت اور الضرب ہے برخلاف رجل اور فرس کے (مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے) یعنی نوع واحد سے زائد کا ارادہ کیا جائے لہذا یہ مثنی کو بھی شامل ہوگا کیونکہ جنس کا لفظ مفرد ہونے کی حالت میں انواع پر دلالت نہیں کریگا پس اسکا تثنیہ یا جمع لانا ضروری ہے

قولہ **الاترى**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عندی الراقود خلا کی ترکیب صحیح ہونی چاہیے اس لئے کہ اسمیں الراقود الف لام کی وجہ سے اسم تام ہے اور اسم تام تمیز کو نصب کرتا ہے اس لئے خلا منصوب ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس ترکیب کو ناجائز قرار دیا گیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ الف لام سے اگرچہ اسم تام بن جاتا ہے کہ اسکی اضافت نہیں ہو سکتی مگر یہ اسم تام تمیز کو نصب نہیں کرتا کیونکہ یہ اسم تام فعل کے مشابہ نہیں ہوتا کہ الف لام اس کے اول میں ہوتا ہے جو اسم کی علامت ہے لہذا عندی الرقود خلا نہیں کہا جائیگا قولہ **فیفرد**:۔ پس تمیز مفرد آئیگی اگر جنس ہو خواہ اسم تام تثنیہ ہو یا جمع ہو اور جنس اسکو کہتے ہیں جسکے اجزاء اگر ہوں تو وہ اجزا ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور اسکا اطلاق قلیل و کثیر پر ہوتا ہو جبکہ وہ مجرد عن التاء ہو لہذا تمیز جنس کو تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہیں جنس کی مثال ماء، تمر وغیرہ ہے کہ اسکے اجزا ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن رجل اور فرس بمعنی مذکور جنس نہیں کہ اسکے اجزا باہم مشابہ نہیں ہوتے اور نہ یہ کثیر پر بولے جاتے ہیں بلکہ ان کا اطلاق واحد غیر معین پر ہوتا ہے لہذا اگر یہ اسم تام کی تمیز واقع ہوں اور اسم تام تثنیہ یا جمع ہوا تو یہ بھی تثنیہ یا جمع ہونگے قولہ **الا ان تقصد الانواع**:۔ یہاں انواع سے ما فوق الواحد مراد ہے اور جمع بولکر ما فوق الواحد مراد لینا درست ہے یعنی جب جنس سے ما فوق الواحد یعنی دو نوع یا چند نوع کا بیان کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں جنس کو تثنیہ یا جمع لایا جائیگا چونکہ انواع سے مراد ما فوق الواحد ہے اس لئے یہ تثنیہ کو بھی شامل ہوگا یعنی جنس کی دو نوع مراد ہونگی تو جنس تثنیہ آئیگی جیسے رطلان زیتین اور دو سے زائد مراد ہونگے تو جمع آئیگی اور یہ اس لئے ضروری ہوگا کہ جنس کا لفظ مفرد ہونے کی صورت میں ایک سے زائد انواع پر دلالت نہیں کریگا۔

قولہ **فیفرد**:۔ یعنی تمیز مفرد آئیگی اگرچہ اسم تام تثنیہ یا جمع ہو پس کہا جائیگا عندی رطل زیتا اور رطلان زیتا و ارطال زیتا قولہ **جنسا**:۔ اسم کی دو قسمیں ہیں ا۔ جنس دوم۔ اسم جنس جنس اس اسم کو کہتے ہیں جو تاء سے مجرد ہو اور قلیل و کثیر سب پر اسکا اطلاق صحیح ہو جیسے ماء جو قطرہ و سمندر دونوں پر بولا جاتا ہے اور اسم جنس وہ ہے جس کا اطلاق قلیل پر ہو اور کثیر پر اس کا اطلاق نہ ہو سکے مگر علی سبیل البدلیت جیسے رجل (رضی)

قیل وفی تخصیص قصد الانواع بالاستثناء نظر لانه کما جاز ان یقال طاب زید جِلستین للنوع جاز ان یقال طاب زید جَلستین للعدو یمکن ان یجاب عنه بان المراد بالانواع حِصَص الجنس سواء کانت بالخصوصیات الکلیة او الشخصیة ویُجمع ای یُورد التمییز علی مافوق الواحد جوازا حیث لم یُقصد الواحد فی غیره ای فی غیر الجنس نحو عندی عِدل ثوبین او اثوابا ثم ان کان ای المفرد المقدار تاما بتنوین او بنون التثنیة

کہا گیا ہے کہ استثناء کے ساتھ تعدد انواع کی تخصیص میں نظر ہے کیونکہ جس طرح کہ طاب زید جِلستین نوع کیلئے کہنا جائز ہے عدد کیلئے طاب زید جَلستین کہنا بھی جائز ہے اور اس کا جواب اس طرح ممکن ہے کہ انواع سے مراد جنس کے حصص ہیں خواہ وہ حصص خصوصیات کلیہ کے ساتھ ہوں یا خصوصیات شخصیہ کے ساتھ ہوں (اور جمع لایا جائیگا) یعنی تمیز کو مافوق الواحد پر جوازا جہاں واحد کا قصد نہ کیا جائے (اس کے غیر میں) یعنی جنس کے غیر میں جیسے عندی عدل ثوبین او اثوابا (پھر اگر ہو) یعنی مفرد مقدار تام (تنوین یا نون تثنیہ سے)

قولہ **قیل وفی تخصیص** :۔ مصنف پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مذکورہ استثناء کی صرف انواع کے ساتھ تخصیص صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اگر جنس کے اعداد مقصود ہوں تو بھی تمیز تثنیہ اور جمع آتی ہے جیسے طاب زید جِلستین یہ بکسر جیم نوع کی مثال ہے جس کے معنی ہیں زید اچھا ہے دو قسم کے بیٹھنے کے اعتبار سے اور طاب زید جَلستین یہ جیم کے فتحہ کے ساتھ عدد کی مثال ہے جس کے معنی ہیں زید اچھا ہے دو مرتبہ بیٹھنے کے اعتبار سے لہذا مصنف کو کہنا چاہئے تھا کہ الا ان تقصد الانواع او الاعداد۔ شارح نے جواب دیا کہ ممکن ہے کہ یہاں انواع سے مراد حصص جنس ہوں عام ازیں کہ وہ حصص خصوصیات کلیہ کے ساتھ ہوں جیسے انواع یا خصوصیات شخصیہ کے ساتھ ہوں جیسے اعداد۔ پس اس استثناء میں اعداد بھی داخل ہیں جسطرح کہ انواع داخل ہیں۔ قولہ **ویجمع** :۔ یہ فعل مجہول ہے اور اس کا نائب فاعل ضمیر راجع بسوئے تمیز ہے۔ شارح نے اپنے قول **یورد التمییز** میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور جمع سے اس کا لغوی معنی مراد ہے۔ یعنی مافوق الواحد یعنی غیر جنس میں اگر مقصود واحد نہ ہو بلکہ تثنیہ یا جمع مقصود ہو تو تمیز جوازا مافوق الواحد لائی جائیگی مثلا عندی عدل ثوبین کہیں گے جب کہ تثنیہ مقصود ہو اور عندی عدل اثوابا کہیں گے جب جمع مقصود ہو کیونکہ ثوب جنس نہیں لہذا مقصود کے مطابق واحد تثنیہ اور جمع آئیگا قولہ **ثم ان کان** :۔ تمیز کا حکم کے بیان کرنے کے بعد یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ ممیز کا حکم بیان کرتے ہیں اور اسی تفاوت حکم کی طرف کلمہ ثم سے اشارہ کیا ہے یعنی اگر مفرد مقدار نون تنوین یا نون تثنیہ سے تام ہو تو اسکی اضافت تمیز کی طرف جائز ہے۔ شارح نے اپنی اضافی عبارت **ای المفرد المقدار تاما** کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کی عبارت ان کان میں کان فعل ناقص ہے جس کا اسم ضمیر مستتر راجع بسوئے مفرد مقدار ہے اور اسکی خبر لفظ تاما مقدر ہے۔ اور کلمہ ثم تراخی کیلئے نہیں بلکہ دو حکموں کے درمیان فرق کرنے کیلئے ہے یعنی حکم سابق تمیز سے متعلق تھا اب ممیز یعنی اسم تام سے متعلق ہے اور اسکے احکام بیان کئے جا رہے ہیں رہی یہ بات کہ تمیز کا حکم پہلے کیوں بیان کیا ہے؟ جبکہ پہلے اسم تام ہوتا ہے۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مقصود بالذات اور اصل تمیز ہے اسلئے اس کے حکم کو مقدم کیا گیا ہے۔

قولہ عدل:۔ عدل کے معنی گٹھری کے ہیں جس میں کپڑے کے تھان باندھے جاتے ہیں آجکل اس کو گانٹھ کہتے ہیں اگر ایک قسم کے کپڑے کی گانٹھ ہے تو عندی عدل ثوبا کہیں گے اور دو قسم کے کپڑوں کی گانٹھ ہے تو عندی عدل ثوبین کہیں گے اور کئی قسم کے کپڑوں کی گانٹھ ہے تو عندی عدل اثوابا کہیں گے۔

والمعنی ان وجد التمییز متلبسا بتنوین المفرد او بالنون التی للتثنیة فانه لماتمّ الاسم بهما اقتضی التمییز جازت الاضافة ای اضافة المفرد المقدار الی التمییز اضافة بیانیة باسقاط التنوین ونون التثنیة جوازا شائعا کثیرا لحصول الغرض وهو رفع الابهام بذٰلک مع التخفیف نحو رطل زیت ومنوا سمن والّا ای وان لم یکن بتنوین او بنون التثنیة بان یکون بنون الجمع

یا معنی یہ ہے کہ اگر پائی جائے تمیز ملتبس تنوین مفرد یا اس نون سے جو تثنیہ کیلئے ہے کیونکہ جب اسم تنوین اور نون تثنیہ سے تام ہو گیا تو وہ تمیز کا مقتضی ہوا (تو اضافت جائز ہے) یعنی مفرد مقدار کی اضافت تمیز کی طرف بطور اضافت بیانیہ نون اور تنوین کو حذف کر کے جائز ہے جواز عام وکثیر حصول غرض کی وجہ سے اور وہ غرض اس اضافت کے ذریعے ابہام کو دور کرنا ہے ہمراہ تخفیف کے جیسے رطل زیت اور منوا سمن (ورنہ) یعنی اگر مفرد مقدار نون تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام نہ ہو اس طرح کہ نون جمع

قولہ **او المعنی** :۔ یعنی مصنف کی عبارت میں یہ احتمال بھی ہے کہ کلمہ کان تامہ بمعنی وجد ہو اور اسکی ضمیر کا مرجع تمیز ہو اور جار مجرور ملتبسا کے متعلق ہو کر حال ہو اور عبارت کے معنی یہ ہوں کہ اگر تمیز تنوین مفرد یا نون تثنیہ کے ساتھ ملتبس پائی جائے۔ شارح کا قول "**فانه لماتم الخ**" سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر تنوین سے مراد مفرد مقدار کی تنوین ہے اور نون تثنیہ سے مراد مفرد مقدار کا نون ہے تو تمیز تنوین یا نون تثنیہ سے ملتبس نہ ہوئی بلکہ مفرد مقدار ملتبس ہوئی اور تلبس کی نسبت تمیز کی طرف صحیح نہ ہوئی۔ شارح نے جواب دیا کہ نون تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تلبس کی نسبت بسوئے تمیز مجازا ہے یعنی چونکہ انمیں سے کسی ایک کے ساتھ اسم مفرد تام بنا اور تمیز کا خواہاں ہوا تو گویا کہ تمیز تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ ملتبس ہوئی قولہ **اضافة بیانیة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "**جازت الاضافة** "یعنی مفرد مقدار کی اضافت بسوئے تمیز جائز ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ ممیز اور تمیز در حقیقت ایک شی ہوتے ہیں جبکہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے تو اضافت کا قول درست نہ ہوا۔ شارح نے جواب دیا کہ مفرد مقدار کی اضافت بسوئے تمیز اضافت بیانیہ ہوتی ہے اور اضافت بیانیہ میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مغایرت نہیں ہوتی اور اضافت کی صورت یہ ہے کہ تنوین یا نون کو حذف کر کے مفرد مقدار کو جوازا مضاف کر دیا جاتا ہے اور مفرد مقدار جو تنوین یا نون تثنیہ سے تام ہوا اسکی اضافت کا جواز شائع اور کثیر ہے کیونکہ تمیز لانے کا مقصد مفرد مقدار کے ابہام کو دور کرنا تھا اور وہ رفع ابہام اضافت سے حاصل ہو گیا اور اسکے ساتھ حذف تنوین وحذف نون تثنیہ کی وجہ سے تخفیف بھی حاصل ہو گئی جیسے عندی رطل زیت یہ اسم تام بتنوین کی مثال ہے اور عندی منوا سمن اسم تام بنون تثنیہ کی مثال ہے۔ قولہ **والا**:۔ اور اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ سے تام نہ ہو بلکہ مشابہ بنون جمع یا اضافت سے تام ہو تو اسکی اضافت بسوئے تمیز جائز نہیں مگر مشابہ بنون جمع میں قلیل طور پر جیسے عشرو درھم۔ اسم تام با ضافت میں تو اضافت بسوئے تمیز اس لئے جائز نہیں کہ اس سے مضاف کی بار ثانی اضافت لازم آئیگی اور مضاف کی اضافت دوبارہ عطف کے بغیر جائز نہیں، اور نون مشابہ بنون جمع میں اس لئے جائز نہیں کہ اسم تام مشابہ بنون جمع کی اضافت غیر تمیز کی طرف بھی جائز ہے جیسے عشریک میں کیونکہ کاف ضمیر معرفہ ہے اسلئے یہ عشرین کی اضافت تمیز کی طرف نہیں کہ تمیز نکرہ ہوتی ہے اسی طرح عشری رمضان میں بھی اضافت بسوئے غیر تمیز ہے کہ رمضان معرفہ ہے اگر اس سے رمضان واحد کے بیس دن مراد ہوں اور یہ اضافت الی غیر التمیز بالاتفاق جائز ہے کہ اسکی بہت حاجت ہے۔ پس اگر اسم تام مشابہ بنون جمع کی

او الاضافة فلا تجوز الاضافة الا بقلة فی نون الجمع نحو عشرُو درهم اما فی الاضافة فلئلا تلزم اضافة المضاف و اما فی نون الجمع فلانه جازان یضاف الی غیر الممیز نحو عشریک و عشری رمضان بالاتفاق لکثرة الحاجة الیه فلو اضیف الی الممیز لزم الالتباس فی بعض الصور لانه لا یعلم مثلا عند اضافة عشرین الی رمضان انه اراد عشرین رمضان او اراد الیوم العشرین من رمضان فلا یضاف فی غیر صورة الالتباس ایضا الا علی قلة لیکون الباب اقرب الی الاطراد وعن غیر مقدار عطف علی قوله عن مفرد مقدار ای الاول کما یرفع الابهام عن مفرد مقدار ککٰ یرفعه عن مفرد غیر مقدار ای مالیس بعدد و لا وزن و لا ذراع و لا کیل و لا مقیاس نحو خاتم حدیدا فان الخاتم مبهم باعتبار الجنس تامٌ بالتنوین فاقتضی تمییزا او الخفض ای خفض التمییز باضافة غیر المقدار الیه

یا اضافت سے تام ہو (تو نہیں) جائز اضافت مگر نون جمع میں بطور شاذ جیسے عشرو درھم بہرحال اضافت کی صورت میں عدم جواز تو وہ اس لئے ہے کہ مضاف کی اضافت لازم نہ آئے اور نون جمع میں اس لئے کہ اسم تام بنون جمع کی اضافت غیر ممیز کی جانب بالاتفاق جائز ہے کہ اسکی بہت ضرورت ہے جیسے عشریک اور عشری رمضان پس اسم تام بنون جمع کو ممیز کی جانب مضاف کر دیا جائے تو بعض صورتوں میں التباس لازم آئیگا مثلا رمضان کی جانب عشرین کی اضافت کی صورت میں معلوم نہیں ہو سکے گا کہ عشری رمضان سے متکلم کی مراد بیس رمضان ہے یا رمضان کا بیسواں دن لہذا اسم تام بنون جمع کو جہاں التباس نہیں ہوتا وہاں بھی مضاف نہیں کیا جاتا مگر قلیل طور پر تا کہ باب اطراد کے زیادہ قریب ہو جائے (اور ممیز غیر مقدار سے) یہ معطوف ہے مصنف کے قول "عن مفرد مقدار" پر یعنی قسم اول جس طرح کہ ابہام کو رفع کرتی ہے مفرد مقدار سے اسی طرح مفرد غیر مقدار سے بھی ابہام کو رفع کرتی ہے یعنی جو عدد نہیں اور نہ وزن اور نہ ذراع اور نہ کیل اور نہ مقیاس (جیسے خاتم حدیدا) پس خاتم جنس کے اعتبار سے مبہم ہے تنوین کے ساتھ تام ہے لہذا اس نے تمیز کا تقاضا کیا (اور جر) یعنی تمیز کی جر اس کی طرف غیر مقدار کی اضافت کی وجہ سے

اضافت تمیز کیطرف بھی جائز ہو تو بعض صورتوں میں التباس ہوگا اور معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ اضافت بسوئے تمیز ہے یا بسوئے غیر تمیز مثلا عشرون رمضان میں بوقت اضافت یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ عشرو رمضان سے مراد بیس گذشتہ رمضان ہیں یا رمضان کا بیسواں دن مراد ہے لہذا جن صورتوں میں التباس لازم نہیں آتا وہاں بھی یہ اضافت جائز نہیں مگر بطور قلت کے تا کہ باب اطراد کے قریب ہو جائے. **وعن غیر مقدار:** یہ مصنف کے قول **عن مفرد مقدار** پر معطوف ہے یعنی تمیز کی قسم اول جو ذات مذکورہ سے ابہام کو رفع کرتی ہے وہ مفرد مقدار کی مثل مفرد غیر مقدار سے

قولہ **اضافة المضاف:** مضاف کی دوبارہ اضافت حرف عطف کے بغیر جائز نہیں کیونکہ اول مضاف الیہ کو باقی رکھ کر اضافت کریں تو مضاف اور مضاف الیہ ثانی میں فصل لازم آئیگا جو جائز نہیں اور باقی نہ رکھیں تو خلاف مفروض لازم آئیگا نظر براں مضاف کی دوبارہ اضافت ناجائز ہوئی اور عبارات علماء میں جو کل واحد واحد یا کل فرد فرد واقع ہوا ہے وہ بتقدیر حرف عطف ہے (تبشیر) اور مشابہ نون جمع کے ساتھ اس لئے جائز نہیں کہ نون کو حذف کرنا اور باقی رکھنا دونوں جائز نہیں.

اکثر استعمالا لحصول الغرض مع الخفۃ ولقصور غیر المقدار عن طلب التمییز لان الاصل فی المبہمات المقادیرُ وغیرہا لیس بہٰذہ المثابۃ والثانی ای القسم الثانی من التمییز وہو ما یرفع الابہام عن ذات مقدر قیر فعہ عن نسبۃ کان الظاہر ان یقول عن ذات مقدر ۃفی نسبۃفی جملۃ لکن لما کان الابہام فی طرف النسبۃ یستلزم الابہام فیہا ورفعہ عنہا یستلزم الرفع عنہ قال عن

(اکثر ہے) ازروئے استعمال کے بوجہ حاصل ہونے غرض کے ہمراہ خفت کے اور بوجہ قاصر ہونے غیر مقدار کے تمیز کی طلب سے کیونکہ مبہمات میں اصل مقادیر ہیں اور غیر مقادیر کا یہ مرتبہ نہیں (ثانی) یعنی تمیز کی قسم ثانی جو ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ رفع کرتی ہے ابہام کو (نسبت سے) ظاہر یہ تھا کہ مصنف کہتے عن ذات مقدرۃ فی نسبۃ فی جملۃ لیکن جبکہ وہ ابہام جو نسبت کی طرف یعنی ذات مقدرہ میں ہے اس ابہام کو مستلزم تھا جو نسبت میں ہے اور رفع ابہام نسبت سے رفع ابہام از طرف کو مستلزم تھا تو مصنف نے عن نسبۃ کہا

بھی ابہام کو رفع کرتی ہے اور غیر مقدار سے مراد وہ ہے جو عدد، وزن، ذراع، کیل اور مقیاس نہ ہو جیسے خاتم حدیدا میں خاتم باعتبار جنس کے مبہم ہے اور یہ اسم تام بالتنوین ہے جس نے تمیز کا اقتضاء کیا تو اس کے ابہام جنسی کو رفع کرنے کیلئے حدیدا بطور تمیز لایا گیا اور اس صورت میں جرا کثر ہے کہ مفرد غیر مقدار بکثرت تمیز کی طرف مضاف ہوتا ہے قولہ **لحصول الغرض**:۔ یہ والخفۃ اکثر کی دلیل ہے یعنی تمیز کی اس قسم میں نصب کی نسبت جرا کثر ہے اور وجہ یہ ہے کہ مقصود رفع ابہام ہے جو تمیز کے مضاف الیہ ہونے کی صورت میں حاصل ہے اور رفع ابہام کے ساتھ ساتھ تنوین وغیرہ کے حذف سے تخفیف بھی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ وجہ بھی کہ مفرد غیر مقدار کے طالب تمیز ہونے میں قصور ہے کیونکہ طلب تمیز رفع ابہام کیلئے ہوتی ہے اور مفرد مقدار ابہام میں اصل ہے کیونکہ اس کی اجناس کثیر ہوتی ہیں مثلاً عشرین سے مراد معدود ہے اور معدود کی اجناس بے شمار ہوتی ہیں بخلاف مفرد غیر مقدار کے کہ اس کی اجناس کثیر نہیں ہوتیں مثلاً خاتم جن اجناس کی ہوتی ہے یعنی سونا چاندی وغیرہ وہ کثیر نہیں اس لئے مفرد مقدار میں ابہام زیادہ ہوتا ہے اور مفرد غیر مقدار میں کم ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس مفرد غیر مقدار میں تمیز بھی کم ہوتی ہے اور اس کی و قصور کی وجہ سے مفرد غیر مقدار تمیز منصوب کا طالب ہی نہیں بنا کیونکہ تمیز کا اصل اعراب یعنی نصب وہاں ضروری ہے جہاں ابہام قوی ہو اور وہ مقدار میں ہے رہا مفرد غیر مقدار تو اس میں ابہام قوی نہیں لہٰذا اسکی جرا ازروئے استعمال کثیر ہے رہا یہ اعتراض کہ ثلثۃ سے عشرۃ تک کی تمیز منصوب کیوں نہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے کثرت استعمال کی وجہ سے انکی تمیز کو جر دیکر تخفیف حاصل کی گئی قولہ **الثانی**:۔ اور تمیز کی قسم ثانی جو ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہوتی ہے شارح نے عن نسبۃ سے قبل یرفعہ مقدر کر کے جار مجرور کا متعلق بنایا ہے اور کان الظاہر سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے اجمال میں تمیز کی قسم ثانی کو عن ذات مقدرۃ کے ساتھ تعبیر کیا تھا اور تفصیل میں الثانی عن نسبۃ کہہ کر اس کو نسبت کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور ذات مقدرہ اور نسبت باعتبار مصداق کے ایک شی نہیں لہٰذا تفصیل اجمال کے مخالف ہو گئی بنا برایں مصنف کو مناسب تھا کہ وہ یہ کہتے والثانی عن ذات مقدرۃ فی جملۃ کیونکہ ابہام جو تمیز کا متقضی ہے وہ ذات مقدرہ میں ہے نہ کہ نسبت میں. شارح نے جواب دیا کہ چونکہ طرف نسبت (ذات مقدرہ) میں ابہام کا ہونا ابہام فی النسبۃ کو مستلزم ہے اور نسبت سے ابہام کا دور کرنا طرف نسبت

قولہ لان الاصل فی المبہمات:۔ ☆سوال☆ اگر مقدار میں ابہام کثیر ہے تو بعض مقادیر کی تمیز میں جر کیوں لازم ہے؟ ☆جواب☆ یا اعداد کثیر الاستعمال

نسبة مقتصرا عليها تنبيها على ان مقابلتها في هذا القسم للمفرد المذكور في القسم الاول المبهم بمجرد النسبة لا غيرُ في جملة اى نسبة كائنة في جملة او ما ضاهاها اى ما شابهها عطف على جملة وهو اسم الفاعل نحو الحوض ممتلئٌ ماءً او اسم المفعول نحو الارض مُفَجَّرةٌ عيونا او الصفة المشبهة نحو زيدٌ حَسَنٌ وجها او اسم التفضيل نحو زيد افضل ابا او المصدر نحو اعجبني

نسبت پر اکتفاء کرتے ہوئے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جو اس قسم ثانی میں ہے اس کا مقابلہ مفرد سے جو قسم اول میں مذکور ہے محض نسبت میں ہے نہ غیر (جملہ میں) یعنی ایسی نسبت سے جو جملہ میں ہے (یا جو مشابہ جملہ ہو) یعنی جو جملہ کے مشابہ ہے یہ جملۃ پر معطوف ہے اور مشابہ جملہ اسم فاعل ہے جیسے الحوض ممتلئ ماء یا اسم مفعول جیسے الارض مُفجرۃ عیونا یا صفت مشبہ جیسے زید حسن وجہا یا اسم تفضیل جیسے زید افضل ابا یا مصدر جیسے اعجبنی

سے ابہام کے دور کرنے کو مستلزم ہے تو مصنف نے اختصار کے پیش نظر نسبت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے کہہ دیا ہے والثانی عن نسبۃ قولہ **تنبیہا علی**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اصل کو ترک کر کے اسکے لازم کو ذکر کرنا کس فائدہ پر مبنی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ لازم کے ذکر کرنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ قسم اول یعنی تمیز عن مفرد مقدار اور قسم ثانی یعنی تمیز عن ذات مقدرۃ میں تقابل صرف نسبت کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار ذکر ذات اور عدم ذکر ذات کے کیونکہ قسم اول میں بھی ذکر ذات نہیں ہوتا جیسے نعم رجلا میں رجلا تمیز ہے اور ذات مقدرہ یعنی نعم کی ضمیر کے مرجع سے ابہام کو دور کر رہی ہے اور بقول شارح رضی یہ مثال از قبیل قسم اول ہے۔ قولہ **فی جملۃ**:۔ شارح نے ای نسبۃ کائنۃ فی جملۃ کے ساتھ تفسیر کر کے **فی جملۃ** کی ترکیب بتائی ہے کہ یہ جار مجرور کائنۃ کے متعلق ہو کر نسبۃ کی صفت ہے اور مصنف کا قول **او ما ضاھاھا** یہ لفظ جملۃ پر معطوف ہو کر محل جر میں ہے اس کے معنی ہیں جو جملہ کے مشابہ ہو اور وہ مشابہ جملہ اسم فاعل وغیرہ ہیں جیسے الحوض ممتلئ ماء اس مثال میں ابہام اس نسبت میں ہے جو اسم فاعل کی ضمیر راجع بسوئے حوض میں ہے کہ حوض کسی چیز سے مملو اور بھرا ہوا ہے۔ پس ماء نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ یہ امتلاء حوض پانی سے ہے یا وہ ابہام نسبت اسم مفعول میں ہو جیسے الارض مُفجرۃ عیونا زمین جاری ہے از روئے چشموں کے اس مثال میں مُفجرۃ کی ضمیر مستتر کی طرف جو نسبت تفجر مفہوم ہو رہی ہے اس سے عیونا نے ابہام کو دور کر دیا ہے یا وہ ابہام نسبت صفت مشبہ میں ہو جیسے زید حسن وجہا زید اچھا ہے از روئے چہرے کے اس مثال میں حسن کی ضمیر کی طرف جو نسبت ہے اس سے **وجہا** نے ابہام کو دور کر دیا ہے یا اسم تفضیل میں وہ ابہام نسبت ہو جیسے زید افضل ابا، زید کی طرف افضلیت کی نسبت کے ابہام کو ابا نے دور کر دیا ہے۔ یا وہ نسبت مصدر میں ہو جیسے اعجبنی طیبہ ابا میں طیب کی نسبت بسوئے ضمیر میں ابہام ہے جسکو ابا نے دور کر دیا ہے یا انکے علاوہ ہر وہ اسم یا حرف جس سے معنی فعل مستفاد ہوتے ہوں جیسے حسبک زید رجلا کہ حسبک سے معنی یکفیک مستفاد ہوتے ہیں جسکی نسبت سے رجلا نے ابہام کو دور کر دیا ہے اس میں ابہام یہ تھا کہ زید کس اعتبار سے کافی ہے تو رجلا نے اس ابہام کو دور کر کے مخاطب پر واضح کر دیا کہ زید مرد ہونے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی زید کے ہوتے ہوئے کسی اور شخص کی مدد کی ضرورت

اسلئے بصورت اضافت ان میں تخفیف کی گئی قولہ **ما ضاھاھا**:۔ اس عبارت میں کلمہ ما موصولہ ہے اور ضاھا باب مفاعلہ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے جو اصل میں ضاھی تھا یا متحرک ماقبل مفتوح کو الف سے تبدیل کیا تو ضاھا ہوا اس کے بعد ھا ضمیر منصوب متصل ہے جو جملہ کیطرف راجع ہے اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو جملہ کے مشابہ ہو۔

طِیبه اَبًا و كذا كل ما فيه معنى الفعل نحو حَسْبُک زيدٌ رجلًا نحو طاب زيدٌ نفسًا مثال للجملة والتمييز فيه خاص بالمنتصب عنه وزيدٌ طيّبٌ ابًا مثال لما يشبه الجملة والتمييز فيه يصلح ان يكون لما انتصب عنه ولمتعلقه وحيث لا فرق في التمييز بين الجملة وما ضاهاها فهذان المثالان في قوة اربعة امثلة فكانه قال طاب زيدٌ وزيدٌ طيّبٌ نفسًا وابًا فقوله وابوة ودارًا وعلمًا عطف على نفسًا وابًا بحسب المعنى فهو ناظر الى كل من المثالين المذكورين غيرُ مختص بالاخير فهو بحسب الحقيقة اَوْرَدَ لكل من التمييز الواقع في الجملة او ما ضاهاها خمسة امثلة

طیبہ ابا اور ایسے ہی وہ اسم جس میں فعل کے معنی پائے جائیں جیسے حسبک زید رجلا (جیسے طاب زید نفسا) یہ جملہ کی مثال ہے اور اس میں تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہے (اور زید طیب ابا) یہ مشابہ جملہ کی مثال ہے اور اس میں تمیز منصب عنہ اور اسکے متعلق سے ہونے کا احتمال رکھتی ہے اور چونکہ وہ تمیز جو جملہ میں ہو یا شبہ جملہ میں اس میں کوئی فرق نہیں لہٰذا دو مثالیں چار مثالوں کی قوت میں ہیں گویا کہ مصنف نے کہا طاب زید وزید طیب نفسا وابا پس مصنف کا قول (ابوة ودارا وعلما) معنی کے اعتبار سے نفسا اور ابا پر معطوف ہے تو مصنف کا یہ قول مذکورہ دونوں مثالوں میں سے ہر ایک کی جانب ہے مثال اخیر کے ساتھ مختص نہیں پس مصنف نے حقیقت کے اعتبار سے جملہ یا مشابہ جملہ میں واقع ہونے والی ہر ایک تمیز کی پانچ مثالیں وارد کی

ہیں۔ قولہ **نحو طاب زید نفسا:۔** چونکہ تمیز عن النسبۃ کی منصب عنہ کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ قسم اول۔ وہ جو منصب عنہ کے ساتھ خاص ہو۔ قسم دوم۔ وہ جو منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہو اور قسم سوم۔ وہ جو دونوں کی صلاحیت رکھے اور منصب عنہ اس کو کہتے ہیں جسکی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت کرنے میں ابہام ہو۔ پس طاب زید نفسا اس جملہ کی مثال ہے جسمیں تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہے یعنی نفسا سے مراد زید کی ذات ہے اور زید طیب ابا شبہ جملہ کی مثال ہے جسمیں تمیز منصب عنہ اور اسکے متعلق دونوں کیلئے ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے یعنی ابا سے مراد خود زید بھی ہو سکتا ہے کہ زید اچھا باپ ہے اور زید کا متعلق یعنی ابوہ بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی زید کا باپ اچھا ہے۔ قولہ **وحیث لا فرق :۔** شارح نے پہلی مثال کے متعلق فرمایا کہ اسمیں تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دوسری کے متعلق فرمایا کہ اسمیں تمیز منصب عنہ اور اسکے متعلق (بفتح لام) دونوں کیلئے ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے جس سے یہ وہم ہوا کہ جملہ کی نسبت میں ابہام کو دور کرنے والی تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور شبہ جملہ میں ابہام کو دور کرنے والی دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے تو شارح نے اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ جملہ اور شبہ جملہ کی تمیز میں کوئی فرق نہیں یعنی ہر ایک میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ منصب عنہ یا اسکے متعلق سے تمیز ہو اس لئے یہ دو مثالیں چار کی قوت میں ہیں گویا کہ مصنف نے کہا طاب زید نفسا، طاب زید ابا، زید طیب نفسا، زید طیب ابا۔ قولہ **وابوة ودارا وعلما:۔** شارح فرماتے کہ مصنف کا یہ قول معنی کے اعتبار سے اس کے قول **نفسا وابا** پر معطوف ہے اگرچہ لفظ کے اعتبار سے یا تو نفسا پر معطوف ہوگا کہ وہ اصل ہے کیونکہ مثال ثانی اس پر معطوف ہے اور اس کا تابع ہے یا ابا پر معطوف ہوگا کہ وہ قریب ہے اور معنی کے اعتبار سے مصنف کا یہ قول دونوں مثالوں کی طرف مائل ہے نہ صرف ابا کی طرف جیسا کہ شارح هندی نے کہا ہے لہٰذا حقیقت اور نفس الامر میں مصنف نے تمیز واقع فی الجملۃ اور تمیز واقع فی شبہ الجملۃ میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ مثالیں

فالنفس عينٌ غير اضافى خاص بالمنتصب عنه والدار عينٌ غير اضافى وهو متعلق بالمنتصب عنه والاب عين اضافى محتمل لهما والابوة عرض اضافى والعلم عرض غير اضافى وكل واحد منهما متعلق بالمنتصب عنه او فى اضافة عطف على قوله فى جملة او ماضاهاها مثل يُعجِبُنى طِيبه نفسا وترکه لانه اظهر التمييزات ولا خفاء به وابا و اُبوّة و دارا و علما اورد هذه الامثلة على وفق ما سبق وزاد عليه قوله

ہیں لہٰذا نفس عین غیر اضافی ہے جو منصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دار عین غیر اضافی ہے اور وہ منصب عنہ کے متعلق ہے اور اَب عین اضافی ہے جو دونوں کا محتمل ہے اور ابوۃ عرض اضافی ہے اور علم عرض غیر اضافی ہے ان میں سے ہر ایک منصب عنہ سے متعلق ہے (یا اضافت میں) یہ معطوف ہے مصنف کے قول "فی جملۃ یا ماضاھاھا" پر (جیسے یعجبنی طیبہ) نفسا اور مصنف نے نفسا کو ترک کر دیا ہے اس لئے کہ یہ تمام تمیزوں میں اظہر ہے جس میں کوئی خفاء نہیں (ابا اور ابوۃ اور دارا اور علما) مصنف نے یہ مثالیں ماسبق کے موافق ذکر کیں اور اس پر اپنے قول ذکر کی ہیں۔

قولہ **فالنفس**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ایک قاعدہ کی وضاحت کیلئے صرف ایک مثال کافی ہوتی ہے اور بقول آپ کے مصنف نے ہر ایک قاعدہ کیلئے پانچ پانچ مثالیں ذکر کی ہیں یہ کیوں؟ شارح نے جواب دیا کہ ان امثلہ میں تعدد اور تکرار نہیں ہے اسلئے کہ نفس عین غیر اضافی ہے جو منصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اور دار عین غیر اضافی ہے جو منصب عنہ کے متعلق سے تمیز ہے اور اب عین اضافی ہے عین اسلئے کہ وہ ذات ہے اور اضافی اس لئے کہ اسکا تعقل ابن کی نسبت سے ہے کیونکہ باپ وہ ہے جس کا بیٹا ہو دونوں کا محتمل ہے یعنی ابا منصب عنہ سے تمیز ہو سکتی ہے اور اسکے متعلق سے بھی ہو سکتی ہے اور ابوۃ عرض اضافی ہے اور علم عرض غیر اضافی ہے اور ان میں سے ہر ایک منصب عنہ کے متعلق سے تمیز ہے اس اعتبار سے تعدد و تکرار امثلہ نہیں ہے۔ قولہ **اوفی اضافة**:۔ یہ مصنف کے قول فی جملۃ او ماضاھاھا پر معطوف ہے۔ یعنی تمیز کی قسم ثانی یا تو جملہ اور شبہ جملہ میں واقع نسبت سے ابہام کو دور کرے گی۔ یا اس نسبت سے جو اضافت میں ہو جیسے طیبہ نفسا میں نفسا تمیز ہے۔ جس نے نسبت اضافیہ میں واقع ابہام کو دور کیا ہے اور مصنف نے لفظ نفسا کو ذکر نہیں کیا صرف ابا وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ لفظ نفس کا تمیز واقع ہونا اظہر ہے۔ جس میں کسی قسم کا خفا نہیں اور ابا وغیرہ کو مصنف نے ماسبق کے مطابق ذکر کیا اور اس پر ایک اور مثال کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ مصنف کا قول **للہ درہ فارسا** ہے اور اس میں ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جن کے نزدیک تمیز کیلئے جامد ہونا ضروری ہے۔

قولہ **عین**:۔ عین قائم بنفسہ کو کہتے ہیں اور اضافی اس کو کہتے ہیں جس کے معنی کا تعقل غیر کے معنی کے تعقل کا محتاج ہو جیسے اب اس جاندار کہتے ہیں جسکے مادہ منویہ سے اسکی جنس کا دوسرا جاندار پیدا کیا گیا ہو اور عرض قائم بالغیر کو کہتے ہیں اور غیر اضافی وہ ہے جس کے معنی کا تعقل غیر کے معنی کے تعقل کا محتاج نہ ہو جیسے علم عرض ہے کہ عالم کے ساتھ قائم ہے اور غیر اضافی ہے کہ علم کا معنی وضوح اور انکشاف ہے جس کا تعقل غیر کا محتاج نہیں قولہ **یعجبنی طیبه**:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے اس جگہ لفظ نفسا بھی ذکر کیا ہے جو کہ مصنف نے اس مثال کے ساتھ ذکر نہیں کیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سابق پر قیاس کر کے لفظ نفسا کو بھی ذکر کر سکتے ہو رہی یہ بات کہ مصنف نے مثال میں لفظ نفسا کو ترک کیوں کر دیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس لفظ کا نسبت سے تمیز واقع ہونا بہت مشہور ہے جس میں کسی قسم کا خفا نہیں لہٰذا برائے اختصار مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا قولہ **وترکه**:۔ ترک کی ضمیر منصوب کا مرجع نفس ہے جو مؤنث ہے مناسب یہ تھا کہ ترکہا کہتے لیکن ترکہ اس لئے کہا کہ لفظ نفس مؤنث سماعی ہے جو ضمیر مذکر

قوله لله دَرّه فارسا اشارة الی ان التمییز قد یکون صفة مشتقة وایضا لما اورده صاحب المفصل مثالا لتمییز المفرد علی ان یکون الضمیر فیه مبهما کضمیر رُبّه رجلا ویکون فارسا تمییزا عنه اراد ان ینبه علی انه یصلح ان یکون تمییزا عن نسبة علی ان یکون الضمیر فیه معینا معلوما و الابهام یکون فی نسبة الدر الیه والدر فی الاصل اللبنُ وفیه خیرٌ کثیرٌ للعرب فارید به الخیر ای لله خیره فارسا والفارس اسم الفاعل من الفراسة بالفتح مصدر فَرُس بالضم ای حَذق بامر الخیل واما الفِراسة بالکسر فمن التفرس

(واللہ دارہ فارسا) کا اضافہ کیا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ کبھی تمیز صفت مشتقہ بھی ہوتی ہے نیز جب صاحب مفصل نے للہ درہ فارسا کو تمیز مفرد کی مثال کے طور پر وارد کیا اس بنا پر کہ درہ کی ضمیر ربہ رجلا کی ضمیر کی مثل مبہم ہو اور فارسا اس ضمیر سے تمیز ہو تو مصنف نے ارادہ کیا کہ وہ اس بات پر تنبیہ کرے کہ فارسا میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ نسبت سے تمیز واقع ہو اس بنا پر کہ درہ میں ضمیر معلوم ومعین ہو اور ابہام اس کی طرف در کی نسبت میں ہو اور در اصل میں دودھ کو کہتے ہیں اور دودھ میں اہل عرب کے نزدیک خیر کثیر ہے پس در سے خیر کثیر ارادہ کی گئی ہے یعنی للہ خیرہ فارسا یعنی اللہ ہی کیلئے ہے اسکی خیر کثیر از روئے شہسوار ہونے کے اور فارس اسم فاعل ہے فراسۃ بالفتح سے جو فرس بالضم کا مصدر ہے یعنی گھوڑوں کے معاملہ میں ماہر ہو گیا اور بہر حال فراسۃ کسرہ کے ساتھ پس وہ تفرس سے ہے

قولہ اشارۃ الی ان التمیز: ۔ شارح کا قول **اشارۃ** اسکے قول زاد کا مفعول لہ ہے یعنی للہ درہ فارسا کا اضافہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کیا ہے کہ تمیز کبھی صفت مشتقہ بھی ہوتی ہے نیز اس مثال کے اضافہ سے اس بات کیطرف اشارہ بھی مقصود ہے کہ فارسا میں تمیز عن النسبۃ کی صلاحیت بھی ہے اس بنا پر کہ اس مثال میں واقع ضمیر معین ومعلوم ہو اور اسکی طرف لفظ در کی نسبت میں ابہام ہو جسکو دور کرنے کیلئے تمیز لائی گئی ہو اور اس امر کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ صاحب مفصل نے لفظ فارس کو تمیز عن مفرد مقدار قرار دیا ہے اس بنا پر کہ درہ کی ضمیر مبہم ہے جیسے ربہ رجلا کی ضمیر مبہم ہے اور فارسا اس ضمیر سے تمیز ہے۔ **قولہ والدر:** ۔ یہاں سے شارح لفظ در اور لفظ فارس کے معنی بیان کرتے ہیں کہ در کے معنی ہیں دودھ اور اسمیں عرب کیلئے خیر کثیر تھی کیونکہ ان کا گذران اسی پر تھا تو در کیلئے خیر لازم ہوئی اس لئے در سے مجازا خیر مراد لے لی گئی یعنی للہ خیرہ فارسا اور فارس اسم فاعل ہے فراست بفتح فاء سے جو مصدر ہے اور اس کا فعل فرس بضم راء ہے اور فراست کے معنی ہیں اسپ شناسی میں ماہر ہونا اور فراست بالکسر کے معنی ہیں ظاہر کو دیکھ کر باطن کو معلوم کر لینا اور فراست بالکسر تفرس سے ہے۔ چونکہ اللہ تعالی منشی العجائب ہے اسلئے

موثر کا مرجع ہو سکتا ہے۔ **قولہ علی ان یکون الضمیر:** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ضمیر تو اعرف المعارف ہے جسمیں کسی قسم کا ابہام نہیں ہوتا تو فارسا کو اس کی تمیز بنانے کے کیا معنی؟ شارح نے جواب دیا کہ درہ میں ضمیر مبہم ہے اور ضمیر مبہم اسکو کہتے ہیں کہ جس کا مرجع مذکور نہ ہو جیسے ربہ رجلا کی ضمیر مبہم ہے جو نکرہ کی قوت میں ہے ورنہ کلمہ رب کا دخول نہ ہوتا کیونکہ رب نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ **قولہ والدر فی الاصل:** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ دودھ تو مؤنث کا ہوتا ہے اور یہاں مذکر کی طرف اسکی نسبت ہے کہ ضمیر اور مرجع دونوں مذکر ہیں یہ کیوں؟ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر در سے مراد خیر ہے از قبیل ذکر اخص و ارادہ اعم۔ شارح رضی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی چونکہ منشی العجائب ہے اس لئے ہر عظیم چیز باعث تعجب کو اہل عرب اللہ تعالی کیطرف منسوب کرتے ہیں اس لئے کہا للہ درہ فارسا

ثم ان کان ای التمییز بعدمالم یکن نصافی المنتصب عنه اسمالاصفة یصح جَعْلُه لِمَاانتصب عنه والمراد بجعله اطلاقه علیه والتعبیر به عنه جازان یکون ذٰلک التمییز تارة لَه ای للمنتصب عنه بان یکون تمییزا یرفع الابهام عنه وتارة لمتعلقه بان یکون تمییزا یرفع الابهام عن متعلقه وذٰلک بحسب القرائن والاحوال مثل اباالی طاب زیدٌ ابافانه یصح ان یجعل عبارةعن زید فجازان یکون تارةتمییزا عن زیداذاریداسنادالطیّب الیه باعتبارانه ابوعمرو و جازان یکون تارة تمییزا عن متعلقه باعتباران الطیب مسنداالی متعلقه

(پھر اگر ہو) یعنی تمیز بعد اسکے کہ منصب عنہ میں نص نہ ہو (اسم) نہ صفت (کہ اسکو منصب عنہ کیلئے کرنا صحیح ہو) اور تمیز کو منصب عنہ کیلئے کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمیز کا منصب عنہ پر اطلاق صحیح ہو اور منصب عنہ کو تمیز سے تعبیر کرنا درست ہو (تو جائز ہے کہ ہو) وہ تمیز کبھی (اس کیلئے) یعنی منصب عنہ کیلئے بایں طور کہ وہ اسم تمیز ہو جو منصب عنہ سے ابہام کو دور کرے (اور) کبھی (اسکے متعلق کیلئے) اور یہ قرائن اور احوال کے لحاظ سے ہے جیسے طاب زید ابا میں ابا ہے اس کو زید سے تعبیر کرنا صحیح ہے لہذا جائز ہے کہ ابا زید سے تمیز ہو جبکہ زید کی طرف طیب کی اسناد کا اس اعتبار سے ارادہ کیا جائے کہ زید عمرو کا باپ ہے اور کبھی ابا کا زید کے متعلق سے تمیز ہونا جائز ہے اس اعتبار سے کہ طیب زید کے متعلق کی طرف مسند ہے

ہر عظیم اور باعث تعجب شی کو اہل عرب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کردیتے ہیں قولہ **ثم ان کان**: ۔پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو کہ اسکا اطلاق منصب عنہ پر صحیح ہو تو جائز ہے کہ وہ منصب عنہ یا اسکے متعلق کیلئے تمیز واقع ہو. شارح نے بعد مالم یکن الخ کا اضافہ کرکے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ طاب زید نفسا میں نفسا اسم ہے جسکا اطلاق منصب عنہ پر صحیح ہے مگر یہ صرف منصب عنہ کی تمیز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے منصب عنہ کے متعلق سے تمیز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا. پس مصنف کا قول **جازان یکون له ولمتعلقه** صحیح نہ ہوا. شارح نے جواب دیا کہ جازان یکون لہ ولمتعلقہ کا حکم اس وقت ہے جب تمیز منصب عنہ کے ساتھ مختص اور اسمیں نص نہ ہو اور نفسا چونکہ منصب عنہ کے ساتھ مختص ہے اس لئے یہ حکم مذکور سے مستثنیٰ ہے اور شارح نے اسما کے بعد لاصفۃ کے اضافہ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم سے مراد اسم ذات ہے جو صفت کا مقابل ہے اسم مقابل فعل وحرف مراد نہیں قولہ **والمراد بجعله**: ۔یعنی مصنف کے قول **یصح جعله لماانتصب عنه** سے یہ مراد ہے کہ تمیز کا منصب عنہ پر اطلاق ہوسکے چونکہ اطلاق کے تین معنی ہیں ا۔اباحت ۲۔رفع قید ۳۔تعبیر تو شارح نے والتعبیر سے واضح کردیا کہ یہاں پر اعتبار سے مراد تعبیر عن الشیٔ ہے یعنی منصب عنہ کو اس تمیز سے تعبیر کرنا درست ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ وہ تمیز کبھی منصب عنہ کیلئے ہو بایں طور کہ منصب عنہ سے ابہام کو رفع کرے اور کبھی اسکے متعلق (بفتح لام) کیلئے ہو اس طرح کہ وہ تمیز منصب عنہ کے متعلق سے ابہام کو رفع کرے اور اس اسم کا کبھی منصب عنہ کیلئے اور کبھی منصب عنہ کے متعلق کیلئے تمیز ہونا بحسب احوال وقرائن ہوگا مثلاً طاب زید ابا کی ترکیب میں لفظ اب اسم ذات ہے اسکو ذات زید سے عبارت کرلیا جائے تو صحیح ہے مثلاً کہا جائے زید اب. لہذا اسکو لفظ زید سے تمیز بنانا صحیح ہے جبکہ کہ طیب کی نسبت زید کی طرف مانی جائے اس اعتبار سے کہ وہ عمرو کا باپ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسکے متعلق سے تمیز ہو اس اعتبار سے کہ طیب کی نسبت زید کے متعلق کی طرف ہو جو

وهو ابوه و اِلّا ای وان لم یکن التمییز بعدما لم یکن نصافی المنتصب عنه اسما یصح جعله لما انتصب عنه فهو لمتعلقه خاصة نحو طاب زید ابوة وعِلماو دارافان هذه الاسماء لیست نصافی المنتصب عنه ولا یصح جعلها له بالتعبیر عنه بها فهی لمتعلق زید وهو الذات المقدرة اعنی الشیٔ المنسوب الی زید فیطابق التمییز فیهما ای فیما جاز ان یکون لما انتصب عنه سواء کان نصا فیه او محتملا له ولمتعلقه وفیما تعین لمتعلقه ما قُصد من وحدة التمییز او تثنیته او جمعیته سواء کان لموافقة ما انتصب عنه مثل طاب زید ابا والزیدان اَبَوین والزیدون آباء اَو لمعنی فی نفسه مثل قولک طاب زید اَبا اذا اردت اباله فقط وطاب زید ابوین اذا اردت اباه وجده وطاب زید آباء اذا اردت آباءه واجداده

اور وہ متعلق زید کا باپ ہے (ورنہ) یعنی تمیز اسکے بعد کہ منصب عنہ میں نص نہ ہو ایسا اسم نہ ہو جسے منصب عنہ کیلئے تمیز بنانا صحیح ہو (تو وہ) خاص کر (اس کے متعلق کیلئے ہے) جیسے طاب زید ابوۃ وعلما ودارا کیونکہ یہ اسماء منصب عنہ میں نص نہیں اور انکو منصب عنہ کیلئے اس طرح کرنا صحیح نہیں کہ منصب عنہ کو ان سے تعبیر کیا جائے پس یہ متعلق زید کیلئے ہیں اور وہ ذات مقدرہ ہے میری مراد وہ شی ہے جو زید کی جانب منسوب ہے (پس مطابق ہوگی) تمیز (ان دونوں میں) یعنی اس صورت میں کہ تمیز کا منصب عنہ کیلئے ہونا جائز ہو برابر ہے کہ تمیز اس میں نص ہو یا منصب عنہ اور اسکے متعلق کیلئے محتمل ہو اور اس صورت میں کہ تمیز منصب عنہ کے متعلق کیلئے متعین ہو (جس کا قصد کیا گیا) تمیز کا واحد ہونا یا تثنیہ ہونا یا جمع ہونا خواہ منصب عنہ کی موافقت کیلئے ہو جیسے طاب زید ابا والزیدان ابوین والزیدون آباء یا ایسے معنی کی موافقت کیلئے ہو جو تمیز کے نفس میں ہے جیسے تمہارا قول "طاب زید ابا" جب تم صرف اسکے باپ کا قصد کرو اور طاب زید آباء جب تم اسکے آباء واجداد کا قصد کرو

ابوہ ہے. قولہ والا:۔ یہاں کان پر معطوف ہے یعنی اگر تمیز نسبت ایسا اسم نہ ہو جسکا اطلاق منصب عنہ پر صحیح ہو تو وہ منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہوگی جیسے طاب زید ابوۃ وعلما ودارا یہ اسماء ثلثہ منصب عنہ میں نص نہیں اور نہ ہی انکو منصب عنہ کیلئے اس طرح ذکر کرنا صحیح ہے کہ منصب عنہ کو انکے ساتھ تعبیر کیا جائے اور زید ابوۃ اور زید دارا اور زید علم کہا جائے بلکہ زید متصف بالابوۃ اور زید ذو دار اور زید ذو مال کہا جائیگا. پس یہ متعلق زید کیلئے مخصوص ہیں اور وہ متعلق منصب عنہ جملہ طاب زید میں ذات مقدرہ ہے یعنی شی جو منسوب بجانب زید ہے ای **طاب شیٔ منسوب الی زید** یہی حال طاب زید علما ودارا کا ہے کہ علم اور دار دونوں منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہیں قولہ **فیطابق**:۔ پس تمیز ان دو صورتوں میں اول یہ کہ تمیز کا منصب عنہ کیلئے ہونا جائز ہو خواہ وہ منصب عنہ میں نص ہو جیسے طاب زید نفسا یا منصب عنہ اور اسکے متعلق (بفتح لام) کیلئے محتمل ہو جیسے طاب زید ابا. دوم۔ یہ کہ تمیز منصب عنہ کے متعلق کیلئے متعین ہو جیسے طاب زید ابوۃ ان دونوں صورتوں میں تمیز مقصود کے مطابق ہوگی یعنی اگر وحدت مقصود ہو تو تمیز واحد لائی جائیگی اور اگر تثنیہ مقصود ہو تو تمیز تثنیہ لائی جائیگی اور جمع مقصود ہو تو تمیز جمع لائی جائیگی خواہ وحدت تثنیہ اور جمع منصب عنہ کی موافقت کے پیش نظر ہو جیسے طاب زید ابا، طاب الزیدان ابوان، طاب الزیدون آباء یا معنی تمیز کی موافقت کے پیش نظر جیسے

فعلی کل من التقدیرین اذا قُصدت وحدة التمییز اُورد مفردا واذا قُصدت تثنیته اُورِد تثنیة
واذا قُصدت جمعیته اُورد جمعا فان صیغة المفرد لاتصلح ان تُطلق علی المثنی والمجموع
الا اذا کان التمییز جنسا یقع علی القلیل والکثیر فانه اذا قُصدت تثنیته او جمعیته لایلزم ان
یثنی ذلک الجنس او یُجمع بل یکفی ان یوتی به مفردا لصحة اطلاقه علی القلیل والکثیر فلا
حاجة الی تثنیته وجمعه نحو طاب زید علما والزیدان علما والزیدون علما الا ان یقصد بالتمییز
الذی هو الجنس الانواع من حیث امتیازاتها النوعیة فانه لابد حینئذٍ من تثنیته او جمعه نحو
طاب الزیدان عِلمین والزیدون علوما اذا اریدان متعلق الطیب من کل من الزیدین او الزیدین
نوعٌ آخر من العلم فان صیغة المفرد

پس ہرایک تقدیر پر جب تمیز کی وحدت کا ارادہ کرو تو تمیز کو مفرد لایا جائیگا اور جب تم اسکے تثنیہ ہونے کا ارادہ کرو تو تمیز کو تثنیہ لایا جائیگا اور جب اسکی جمعیت کا ارادہ کرو تو اسکو جمع لایا جائیگا کیونکہ صیغہ مفرد، تثنیہ یا جمع پر اطلاق کئے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتا (مگر جبکہ) تمیز (جنس ہو) جو قلیل و کثیر پر واقع ہوتی ہے پس جب تمیز کے تثنیہ یا جمع ہونے کا قصد کیا جائیگا تو اس جنس کا تثنیہ یا جمع لانا ضروری نہیں بلکہ اسکو مفرد لانا کافی ہے اس لئے کہ جنس کا قلیل و کثیر پر اطلاق صحیح ہے لہذا اس کو تثنیہ یا جمع لانے کی حاجت نہیں جیسے طاب زید علما والزیدان علما والزیدون علما (مگر یہ کہ ارادہ کئے جائیں) اس تمیز سے جو جنس ہے (انواع) ان انواع کے امتیازات نوعیہ کی حیثیت سے پس اسوقت تمیز کو تثنیہ یا جمع لانا ضروری ہے جیسے طاب الزیدان علمین والزیدون علوما جبکہ اس بات کا ارادہ کیا جائے کہ متعلق طیب کا ہرایک زیدان اور زیدون سے علم کی نوع دیگر ہے کیونکہ صیغہ مفرد

تیرا قول طاب زید ابا اگر تم نے صرف زید کے باپ کا ارادہ کیا اور طاب زید ابوین اگر تم نے زید کے اب اور جد کا ارادہ کیا اور طاب زید آباء اگر تم نے زید کے آباء واجداد کا ارادہ کیا۔ پس ان دونوں صورتوں میں اگر تم تمیز کی وحدت کا ارادہ کرو تو تمیز واحد لاؤ گے اور تثنیہ کا قصد کرو تو تثنیہ لاؤ گے اور جمع کا قصد کرو تو جمع لاؤ گے کیونکہ صیغہ مفرد میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ تثنیہ یا جمع پر اسکا اطلاق کیا جائے قولہ **الا اذا کان جنسا**:۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے لہذا تقدیر عبارت اس طرح ہے **فیطابق التمییز فی الصورتین ما قصد فی جمیع الاوقات الاوقت کون التمییز جنسا** یعنی تمیز عن النسبۃ جب جنس ہو جسکا قلیل و کثیر پر اطلاق ہوتا ہے اور تم اس کے تثنیہ و جمع کا قصد کرو تو اس جنس کو تثنیہ یا جمع لانے کی ضرورت نہیں بلکہ اسکو مفرد لانا کافی ہے کیونکہ اس کا اطلاق قلیل و کثیر پر ہوتا ہے جیسے طاب زید علما، طاب الزیدان علما اور طاب الزیدون علما لیکن اگر تمیز جنس سے انواع جنس مراد ہوں انواع کے امتیازات نوعیہ کے اعتبار سے تو پھر تمیز کا تثنیہ اور جمع لانا ضروری ہے جیسے طاب الزیدان علمین اور طاب الزیدون علوما جبکہ یہ ارادہ کیا جائے کہ طیب کی نسبت زیدین اور زیدون میں سے ہرایک کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ علم کی ایک نوع کا عالم ہے مثلا ایک علم فقہ کے اعتبار سے اچھا ہے اور دوسرا علم حدیث کے اعتبار سے اچھا ہے ان امثلہ میں تمیز اگرچہ اسم جنس ہے لیکن علم کی انواع مختلفہ

قولہ **من التقدیرین**:۔ یعنی ہر تقدیر پر خواہ وہ تمیز ما انتصب عنہ کے موافق ہو یا محتمل فی نفسہ کے اگر مقصود وحدت ہے تو واحد تثنیہ ہے تو تثنیہ جمع ہے تو جمع لائی جائیگی۔

لاتفید ذلک المعنی وان کان ای التمییز صفۃ مشتقۃ مثل للہ دَرُّہ فارسا او مؤولۃ بھا نحو کفی زید رجلا فان معناہ کاملا فی الرجولیۃ کانت الصفۃ صفۃ لہ ای لِما انتصب عنہ لا لمتعلقہ لان الصفۃ تستدعی موصوفا والمذکور اَولی بموصوفیتہ فاذا قیل طاب زید والدا کان الوالد زیدا ولا یحتمل ان یکون والدہ بخلاف الاسم نحو ابا وطبقہ الواو بمعنی مع والطبق مصدر بمعنی المطابقۃ ای کانت الصفۃ صفۃ لہ مع مطابقتھا ایاہ او مطابقتہ ایاھا ویجوز ان یکون بمعنی اسم الفاعل والواو للعطف علی خبر کانت ای کانت صفۃ لہ ومطابقۃ ایاہ

اس معنی کا فائدہ نہیں دیتا (اور اگر ہو) یعنی تمیز (صفت) مشتقہ جیسے للہ درہ فارسا یا مؤول ہو مشتق کے ساتھ جیسے کفی زید رجلا کہ اس کا معنی کامل فی الرجولیت ہے (تو ہوگی) صفت، صفت (اس کیلئے) یعنی منصب عنہ کیلئے نہ اسکے متعلق کیلئے کیونکہ صفت موصوف کو چاہتی ہے اور جو مذکور ہے وہ موصوف ہونے کیلئے بہتر ہے پس جب کہا جائے طاب زید والدا تو زید ہی والد ہوگا اور یہ احتمال نہیں ہوگا کہ زید کا والد مراد ہو برخلاف اسم کے جیسے ابا (اسکی مطابقت کے ساتھ) واؤ مع کے معنی میں ہے اور طبق مصدر بمعنی مطابقت ہے یعنی صفت منصب عنہ کیلئے صفت ہوگی ہمراہ صفت کے منصب عنہ کی موافقت ومطابقت کے یا منصب عنہ کی صفت کے مطابقت کے ساتھ اور جائز ہے کہ طبق بمعنی اسم فاعل ہو اور واؤ کانت کی خبر پر عطف کیلئے ہو یعنی صیغہ صفت منصب عنہ کیلئے صفت ہوگی اور صفت منصب عنہ کے مطابق ہوگی

مراد ہونے کی وجہ سے وہ تثنیہ اور جمع لائی جائیگی کیونکہ صیغہ مفرد ما فوق الواحد نوع کا افادہ نہیں کرتا اور نہ ہی امتیازات نوعیہ کا افادہ کرتا ہے بلکہ امتیاز شخصی کا افادہ کرتا ہے۔ قولہ **وان کان صفۃ:** ۔ اور اگر تمیز صفت مشتقہ ہو جیسے للہ درہ فارسا یا مؤول بصفت مشتقہ ہو جیسے کفی زید رجلا میں رجلا مؤول بصفت مشتقہ ہے کیونکہ رجلا کے معنی کامل فی الرجولیت کے ہیں اور کامل صفت ہے تو رجل صفت کے حکم میں ہوا تو یہ صفت منصب عنہ کی صفت ہوگی اسکے متعلق کی صفت نہیں ہوگی کیونکہ صفت موصوف کی مقتضی ہے اور مذکور جو منصب عنہ ہے اسکو موصوف بنانا اولی ہے۔ پس جب کہا جائے طاب زید والدا تو والد زید ہی ہوگا نہ کہ زید کا متعلق یعنی زید کا والد مراد نہیں ہوگا لیکن تمیز اگر اسم ہو جیسے طاب زید ابا میں لفظ اب تو اس میں دونوں احتمال ہیں۔ قولہ **وطبقہ** :۔ یہ واؤ بمعنی مع ہے اور لفظ طبق مصدر بمعنی مطابقت وموافقت ہے یعنی یہ صفت منصب عنہ کی صفت ہوگی اور افراد، تثنیہ اور جمع ہونے میں موصوف کے مطابق ہوگی جو منصب عنہ ہے یا موصوف اسکے مطابق ہوگا اور مصنف کے قول **وطبقہ** میں یہ احتمال بھی ہے کہ طبق مصدر بمعنی اسم فاعل ہو اور واؤ عاطفہ ہو اور یہ کانت فعل ناقص کی خبر پر معطوف ہو ای کانت صفۃ ومطابقۃ ایاہ یعنی صفت مشتقہ منصب عنہ کی صفت ہوگی اور اسکے مطابق ہوگی کیونکہ اس صفت مشتقہ میں ضمیر راجع بسوئے موصوف ہے اور ضمیر اور اسکے مرجع میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

قولہ **وطبقہ:**۔ طبق اگر مفعول کی طرف مضاف مانا جائے اور اس کا فاعل محذوف ہو تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **مع مطابقتھا ایاہ** یعنی ہمراہ مطابق ہونے صفت کے ما انتصب عنہ کے ساتھ اور اگر فاعل کی طرف مضاف مانا جائے اور مفعول محذوف ہو تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **مع مطابقتہ ایاھا** یعنی ہمراہ ما انتصب عنہ کے مطابق ہونے کے صفت کے ساتھ صورت ثانیہ اگرچہ اولی بالتقدیم ہے لیکن شارح نے پہلی صورت کو پہلے ذکر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت کا اپنے موصوف یعنی ما انتصب عنہ کے مطابق ہونا اولی ہے اس سے کہ موصوف اپنی صفت کے مطابق ہو کیونکہ تابع اپنے متبوع کے موافق ہوتا ہے نہ متبوع اپنے تابع کے۔

والمراد بالمطابقة الاتفاق فی الافراد و التثنیة و الجمع و التذکیر و التانیث لکونها حاملة لضمیره و احتملت ای الصفة المذکورة الحالَ ایضا لاستقامة المعنی علی الحال نحو طاب زید فارسا ای من حیث انه فارس او حال کونه فارسا لکن زیادة مِن فیها نحو لله دَرُّه من فارس و قولهم عزَّ من قائل یؤید التمییز لان مِن تراد فی التمییز لا فی الحال و ایضا المقصود مدحه بالفروسیة لا حالَ الفروسیة اذ قد یُمدح حالَ الفروسیة بغیرها من الصفات

اور مطابقت سے مراد افراد اور تثنیہ اور جمع ، تذکیر و تانیث میں موافق ہونا ہے کیونکہ صفت منصب عنہ کی ضمیر کی حامل ہے (اور احتمال رکھتی ہے) یعنی صفت مذکورہ (حال کا) بھی بوجہ مستقیم ہونے معنی کے حال کی بنا پر جیسے طاب زید فارسا یعنی اچھا ہے زید از روئے شہسوار ہونے کے یا شہسوار ہونے کی حالت میں لیکن صیغہ صفت میں مِن کی زیادت جیسے للہ درہ من فارس اور ان کا قول "عز من قائل" تمیز کی تائید کرتا ہے کیونکہ مِن تمیز میں زیادہ کیا جاتا ہے حال میں نہیں نیز مقصود زید کی تعریف کرنا ہے فروسیت کے ساتھ نہ کہ حالت فروسیت میں کیونکہ کبھی فروسیت کی حالت میں فروسیت کے علاوہ دوسری صفات سے اس کی تعریف کی جاتی ہے

قولہ **والمراد**:۔ یعنی مطابقت سے مراد یہ ہے کہ صفت مشتقہ افراد وغیرہ میں منصب عنہ کے موافق ہو کیونکہ صیغہ صفت کی ضمیر کا مرجع منصب عنہ ہے جسکی موافقت ضروری ہے مثلاً اس طرح کہو گے للہ درہ فارسا، للہ درھما فارسین، للہ درھم فوارس، للہ درھا فارسۃ، للہ درھما فارستین، للہ درھن فارسات. قولہ **واحتملت الحال**:۔ اور اس صفت مشتقہ میں حال کا احتمال بھی ہے کیونکہ بر تقدیر حال مثال مذکور یعنی طاب زید فارسا کے معنی مستقیم اور صحیح ہیں فارس کے تمیز ہونے کی صورت میں معنی ہونگے کہ زید اچھا ہے از روئے شہسوار ہونے کے اور حال ہونے کی صورت میں معنی ہوں گے کہ زید اچھا ہے سوار ہونے کی حالت میں واضح رہے کہ حال ہونے کا احتمال ہر تمیز میں ہے مصنف نے صرف اس تمیز میں حال ہونے کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت مشتقہ میں حال کا احتمال متفق علیہ ہے اور غیر مشتق میں اختلاف ہے تو مصنف نے متفق علیہ کے ذکر پر اکتفاء کر لیا ہے. قولہ **لکن زیادة من**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے صفت مشتقہ کے حال ہونے کو لفظ احتمال کے ساتھ کیوں تعبیر کیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ صفت مشتقہ کو حال بنانا مرجوح ہے. شارح نے اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں. اول۔ یہ کہ اس صفت پر مِن بیانیہ داخل کر کے للہ درہ من فارس اور عز من قائل بولتے ہیں اور دخول مِن صفت مشتقہ کے تمیز ہونے کیلئے مرجح ہے کیونکہ مِن تمیز میں زیادہ کیا جاتا ہے حال میں زیادہ نہیں کیا جاتا رہی یہ بات کہ کلمہ مِن حال میں کیوں زیادہ نہیں کیا جاتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حال صفت سے ابہام کو دور کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور کلمہ مِن بیانیہ ذات سے ابہام کو دور کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے تو حال اور کلمہ مِن میں کوئی مابہ الاشتراک نہیں ہے جبکہ تمیز اور کلمہ مِن بیانیہ میں مابہ الاشتراک موجود ہے کہ وہ دونوں ذات سے ابہام کو دور کرتے ہیں. دوم۔ یہ کہ طاب زید فارسا میں مقصود زید کی تعریف کرنا ہے فروسیت کے ساتھ نہ کہ حالت فروسیت میں کیونکہ کبھی حالت فروسیت میں زید کی تعریف کسی دوسری صفت کے ساتھ بھی کر دی جاتی ہے جیسے زید عالم من حیث

﴿فائدہ﴾ خیال رہے کہ وہ تمیز جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اس میں مطلقاً کلمہ مِن کی زیادتی جائز ہے لیکن وہ تمیز جو ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اسمیں کلمہ مِن کی زیادتی اسوقت جائز ہے جب تمیز منصب عنہ کیلئے ہو مگر بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی مطلقاً کلمہ مِن کی زیادتی جائز ہے.

ولایتقدم التمییز علی عاملہ اذا کان اسماتاما بالاتفاق فلایقال عندی درھما عشرون ولا زیتا رطل لان عاملہ ح اسمٌ جامد ضعیف العمل مشابہ للفعل مشابھۃ ضعیفۃ کماذکرنا فلایقوی ان یعمل فیماقبلہ والاصح ای اصح المذاھب اَن لایتقدم التمییز علی ماھو عامل فیہ من الفعل الصریح اوالغیر الصریح لکونہ من حیث المعنی فاعلا للفعل نفسہ نحو طاب زیدا ابا ای طاب ابوہ اوفاعلا لہ اذاجعلتہ لازمانحو فجّرنا الارض عیونا ای انفجرت عیونھا او اذاجعلتہ متعدیا نحو امتلأ الاناء ماء ای مَلاہ الماء والفاعل لایتقدم علی الفعل فکذاماھو بمعنی الفاعل

(اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی ہے) جبکہ عامل اسم تام ہو بالاتفاق پس عندی درھما عشرون اور زیتا رطل نہیں کہا جائیگا کیونکہ تمیز کا عامل اسوقت اسم جامد ضعیف العمل ہے جو فعل کے مشابہ ہے مشابہت ضعیفہ کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا پس وہ اپنے ماقبل میں عمل کرنے کی قوت نہیں رکھتا (اور اصح) یعنی سب سے زیادہ صحیح مذھب (یہ ہے کہ مقدم نہیں ہوتی) تمیز (اوپر) اسکے جو عامل ہے اس میں (فعل) صریح یا غیر صریح سے کیونکہ تمیز معنی کی حیثیت سے نفس فعل کیلئے فاعل ہے جیسے طاب زیدا ابا ای طاب ابوہ یا جب تم اس فعل کو لازم بناؤ تو اسوقت نفس فعل کیلئے تمیز فاعل ہے جیسے فجرنا الارض عیونا ای انفجرت عیونھا یا جب تم فعل کو متعدی کرو جیسے امتلأ الاناء ماء ای ملأ ہ الماء یعنی برتن کو پانی نے بھر دیا اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا پس اسی طرح وہ چیز فعل پر مقدم نہیں ہوگی جو معنی فاعل ہے

انہ فارس پس اگر فارس حال ہو تو یہ مثال جائز نہیں ہوگی ورنہ علم حالت فرسیت کے ساتھ مقید ہو جائیگا قولہ **ولایتقدم**: اور تمیز اپنے عامل پر بالاتفاق مقدم نہیں ہوتی جبکہ اسکا عامل اسم تام ہو پس عندی درھما عشرون اور عندی زیتا رطل بتقدیم تمیز نہیں بولا جائیگا اور عدم جواز تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ جب تمیز کا عامل اسم تام ہوگا تو وہ اسم جامد ہوگا جو ضعیف العمل ہے لہٰذا وہ معمول مقدم میں عمل کرنے سے قاصر رہے گا اور وجہ ضعف فعل کے ساتھ اسم جامد کی مشابہت ضعیفہ ہے اور اصح مذھب یہ ہے کہ تمیز اپنے عامل فعل صریح یا غیر صریح پر بھی مقدم نہیں ہوتی اس لئے کہ تمیز معنی کے اعتبار سے نفس فعل کیلئے فاعل ہوتی ہے یعنی بغیر کسی تاویل کے بذاتہ اسی فعل کیلئے فاعل ہوتی ہے مثلاً طاب زیدا ابا کے معنی ہیں طاب ابوہ اور فاعل اپنے فعل پر مقدم نہیں ہوتا لہٰذا تمیز جو بمعنی فاعل ہوتی ہے اپنے عامل فعل پر مقدم نہیں ہوگی دوسری وجہ یہ ہے کہ تمیز لانے سے مقصود اجمال کے بعد وضاحت کرنا ہے تاکہ سامع کے ذھن میں اچھی طرح جاگزیں ہو جائے اور تمیز کی تقدیم سے یہ مقصد فوت ہو جائیگا رہی یہ بات کہ جب تمیز کا عامل فعل ہو تو اسوقت بھی تمیز کو مقدم نہیں ہونا چاہئے ورنہ مقصد فوت ہو جائیگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمیز کا عامل فعل ہو تو اجمال پر بیان کی تقدیم صرف حکماً ہوگی اور تقدیم کے باوجود تمیز موخر ہوگی عامل کے قوی العمل ہونے کی وجہ سے قولہ **اوفاعلالہ**: ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تمیز عن النسبت کو فعل کا فاعل قرار دینا ارشاد باری تعالیٰ وفجرنا الارض عیونا سے منقوض ہے کیونکہ اس ارشاد میں عیونا تمیز عن النسبۃ ہونے کے باوجود فعل کیلئے فاعل نہیں ہے اسی طرح امتلأ الاناء ماء میں لفظ ماء فعل کا فاعل نہیں. شارح نے جواب دیا کہ تمیز کا معنی فاعل ہونا عام ہے کہ نفس فعل کا فاعل ہو جیسے طاب زیدا ابا میں جو حقیقت میں طاب ابوہ ہے یا فعل متعدی کو لازم کرنے کے بعد فاعل ہو جیسے فجرنا کو فعل لازم بنا کر عیونھا کو فاعل ٹھہرایا جائے ای

وههنا بحث وهو ان الماء فی قولهم امتلأ الاناء ماء من حيث المعنی فاعل للفعل المذکور من غير حاجة الی جعله متعديا لان المتکلم لمّا قصد اسناد الامتلاء الی بعض متعلقات الاناء ولو علی سبيل التجوز وقدّره وقع الابهام فيه لاجَرَم ميّزه بقوله ماء فهو فی معنی امتلأ ماء الاناءَ فالماء فاعل معنیً وذلک بعينه مثل قولک رَبح زيد تجارة فان التجارة تمييز يرفع الابهام عن شیء منسوب الی زيد وهو التجارة فالفاعل فی قصدک هو التجارة لا زيد وان کان اسناد الربح اليه حقيقة والیها مجازا وبهذا يندفع ما يورَد علی قاعدتهم المشهورة وهی ان التمييز عن النسبة امّا فاعل فی المعنی او مفعول به من ان التمييز فی هذا المثال وامثاله لا فاعلٌ ولا مفعول

اور اسجگہ بحث ہے اور وہ یہ کہ عرب کے قول "امتلأ الاناء ماء" میں لفظ ماء معنی کے اعتبار سے فعل مذکور کا فاعل ہے اور فعل کو متعدی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ متکلم نے جب اس بات کا قصد کیا کہ وہ امتلأ کا اسناد اناء کے بعض متعلقات کیطرف کرے اگرچہ یہ اسناد مجاز کے طور پر ہے اور اس بعض کو مقدر کیا تو اس میں ابہام پیدا ہو گیا تو لامحالہ متکلم نے اس ابہام کو اپنے قول "ماء" سے بیان کیا پس امتلأ الاناء ماء، امتلأ ماء الاناء کے معنی میں ہے پس الماء معنی کے اعتبار سے فاعل ہے اور یہ بعینہ تمہارے قول "ربح زید تجارة" کی مثل ہے کیونکہ تجارت تمیز ہے جو اس شی سے ابہام کو دور کر رہی ہے جو زید کی طرف منسوب ہے اور وہ تجارت ہے پس تمہارے قصد میں فاعل تجارت ہی ہے نہ زید اگرچہ زید کی جانب ربح کا اسناد حقیقۃ ہے اور تجارت کی طرف مجازا ہے پس اس جواب کے ساتھ وہ اعتراض دور ہو گیا جو نحات کی قاعدہ مشہورہ پر وارد ہوتا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ تمیز عن النسبۃ یا معنی فاعل ہوتی ہے یا مفعول اور اس مثال اور اسکے امثال میں تمیز نہ فاعل ہے اور نہ مفعول

الحجرت عیونہا یا فعل لازم کو متعدی بنا کر جیسے امتلأ کو ثلاثی مجرد یعنی ملأ بنا کر لفظ ماء کو فاعل کر دیا جائے ای ملأ الماء پس فاعل حقیقی کی طرح فاعل معنوی بھی فعل پر مقدم نہیں ہو گا قولہ **ههنا بحث**:۔ اور یہاں یعنی امتلأ الاناء ماء میں لفظ ماء کو فاعل بنانے کیلئے جو توجیہ کی گئی ہے کہ فعل لازم کو متعدی کیا گیا ہے اس میں بحث ہے اور وہ یہ کہ اہل عرب کے قول **امتلأ الاناء ماء** میں لفظ ماء باعتبار معنی کے فعل مذکور کا فاعل ہے لہٰذا زوائد کو حذف کر کے اسکو متعدی بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ کلام کے متکلم نے جب یہ قصد کیا کہ وہ اناء کے مابعد متعلقات کی طرف امتلأ کا اسناد کرے اگرچہ یہ اسناد بسبیل فرض و مجاز ہے کیونکہ امتلأ کا اسناد حقیقۃ اناء کیطرف ہے تو اس اسناد میں ابہام واقع ہو گیا کہ برتن کو کس شی نے بھر دیا تو متکلم نے اس ابہام کو اپنے قول **ماء** سے بیان کر دیا پس یہ ترکیب امتلأ الماء الاناء کے معنی میں ہے لہٰذا اس ترکیب میں ماء معنیً فاعل ہے پس فعل لازم کو متعدی بنانے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ ترکیب بعینہ ربح زید تجارة کی مثل ہے کیونکہ اس مثال میں لفظ تجارة تمیز ہے جو شی منسوب الی زید سے ابہام کو رفع کرتی ہے اور وہ شی تجارت ہے۔ پس تمہارے قصد میں ربح کا فاعل تجارت ہی ہے نہ کہ زید اگرچہ ربح کا اسناد زید کی طرف حقیقۃ اور تجارت کی طرف مجازا ہے۔ شارح فرماتے ہیں ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض بھی رفع ہو گیا جو نحات کے اس قاعدہ پر وارد کیا گیا کہ تمیز عن النسبۃ معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے یا مفعول اور تمیز اس مثال میں نہ فاعل ہے اور نہ مفعول لہٰذا یہ قاعدہ مطرد نہ ہوا کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ لفظ ماء معنی

فلا تطرد تلک القاعدة خلافا للمازنی والمبرد فانهما یجوّزان تقدیم التمییز علی الفعل الصریح وعلی اسمی الفاعل والمفعول نظرا الی قوة العامل بخلاف الصفة المشبهة واسم التفضیل والمصدر ومافیه معنی الفعل لضعفها فی العمل ومتمسکهما فی هذا التجویز قول الشاعر شعر اتھجُرُ سَلمی بالفراق حَبیبها ☆ وما کاد نفسا بالفراق تطیب ☆ علی تقدیر تانیث الضمیر فی تطیب فانه ح یکون فی کاد ضمیر الشان لتذکیره ویعود ضمیر تطیب الی سَلمی ویکون نفسا تمییزا عن نسبة تطیب الیها مقدما علیه واما علی تقدیر تذکیر الضمیر فضمیر کاد للحبیب ونفسا تمییز عن نسبة کاد الیه ای وما کاد الحبیب نفسا یطیب فلا تمسک

پس یہ قاعدہ مطرد نہیں (برخلاف مازنی اور مبرد کے) پس وہ دونوں فعل صریح اور اسم فاعل اور اسم مفعول پر تمیز کی تقدیم کو جائز قرار دیتے ہیں عامل کی قوت کی جانب نظر کرتے ہوئے برخلاف صفت مشبہ اور اسم تفضیل اور مصدر اور اسکے جس میں فعل کا معنی ہے بوجہ اسکے عمل میں ضعیف ہونے کے اور اس جائز رکھنے میں ان دونوں کا مستدل شاعر کا یہ قول ہے اتھجر سلمی الخ اور بر تقدیر تطیب میں ضمیر مؤنث کے پس اسوقت کاد میں ضمیر شان ہوگی اسکے مذکر ہونے کی وجہ سے اور تطیب کی ضمیر سلمی کی طرف راجع ہوگی اور نفسا تمیز ہوگی اس نسبت سے جو تطیب کی سلمٰی کی جانب ہے جو اسپر مقدم ہے بہرحال ضمیر کے مذکر ہونے کی صورت میں پس کاد کی ضمیر حبیب کو راجع ہوگی اور کاد کی ضمیر کی جانب نسبت سے نفسا تمیز ہوگی یعنی ماکاد الحبیب نفسا یطیب پس اس شعر سے کوئی استدلال نہیں ہوسکتا

کے اعتبار سے قائل ہے قولہ **خلافا للمازنی والمبرد**:۔ امام مازنی اور مبرد تمیز کی تقدیم کو فعل صریح اور اسم فاعل واسم مفعول پر جائز کہتے ہیں کیونکہ یہ تینوں عامل قوی ہیں اور قوت عمل کی وجہ سے معمول مقدم میں عمل کر سکتے ہیں بخلاف صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر اور اسکے کہ جس میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں کہ یہ عمل کرنے میں ضعیف ہیں جس کی وجہ سے معمول مقدم میں عمل نہیں کر سکتے اور اس جواز میں دونوں حضرات کی دلیل درج ذیل شعر ہے۔ **اتھجر سلمیٰ الخ** یعنی سلمی محبوبہ بوجہ فراق کے اپنے عاشق سے قطع تعلقی نہیں کر سکتی جبکہ اس کا دل فراق کو پسند ہی نہیں کرتا تو قطع تعلقی کیسے کرے گی اس شعر میں لفظ نفسا تمیز ہے جو اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے اور یہ شعر تقدیم تمیز پر انکا مستدل اسوقت بنے گا جبکہ تطیب بصیغہ مؤنث ہو اور اسکی ضمیر سلمی کو راجع ہو اور یہ نفسا تمیز عن النسبت ہو لیکن اگر یطیب بصیغہ مذکر پڑھا جائے اور اسکی ضمیر فاعل مذکر ہو تو پھر کاد کی ضمیر حبیب کو راجع ہوگی اور نفسا اس نسبت سے تمیز ہوگی جو فعل کاد کی اسکے فاعل یعنی حبیب کی طرف ہے اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی وماکاد الحبیب نفسا یطیب۔ پس مازنی اور مبرد کا شعر مذکور سے تقدیم تمیز کے جواز پر استدلال نہ ہوسکے گا۔ واضح رہے کہ مازنی اور مبرد کا اس شعر سے استدلال جمہور کیلئے معتبر نہیں کیونکہ جمہور کے نزدیک نثر کلام میں تقدیم تمیز عامل پر جائز نہیں اور یہ شعر میں تقدیم نظم کلام میں تقدیم ہے۔

قولہ **لضعفها فی العمل**:۔ یعنی مازنی اور مبرد نے قوت عامل اور عدم قوت کے پیش نظر عوامل کی تفریق کی اور عوامل قویہ میں تو اس تقدیم تمیز کو جائز قرار دیا اور جن عوامل میں قوت نہیں ان پر تقدیم کو ناجائز قرار دیا لیکن مذھب اصح کے پیش نظر تقدیم تمیز کا عدم جواز اس بناء پر ہے کہ وہ معنی فاعل ہے لہذا انہوں نے عوامل میں قوت اور ضعف کے

وماقيل يحتمل ان يحمل البيت على تقدير تانيثه ايضاعلى هذاالوجه بان يكون تانيث الضمير الراجع الى الحبيب باعتبارالنفس اذالمعنى وماكادت نفس الحبيب تطيب فتكلفٌ وتعسف غيرقادح فى التمسك المستثنى اى مايطلق عليه لفظ المستثنى فى اصطلاح النحاةعلى قسمين ولماكان معلوميته بهٰذاالوجه الغيرالمحتاج الى التعريف كافيافى تقسيمه

اور جو کہا گیا ہے کہ ضمیر کے مؤنث ہونے کی صورت میں بھی بیت کو اس وجہ پر محمول کرنے کا احتمال ہے بایں طور کہ حبیب کو راجع ضمیر کی تانیث باعتبار نفس کے ہو کیونکہ معنی ہے وماکادت نفس الحبیب تطیب پس یہ تکلف اور تعسف ہے پس تمسک میں قادح نہیں (مستثنیٰ) یعنی جس پر مستثنیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے نحویوں کی اصطلاح میں دو قسم پر ہے اور جب کہ مستثنیٰ کا اس وجہ سے معلوم ہونا جو کہ تعریف کا محتاج نہیں اس کی تقسیم میں کافی تھا

قولہ **وماقیل**:۔ بعض نے جو کہا کہ اگر تطیب بصیغہ مؤنث ہو اور اسکی ضمیر سلمی کی بجائے حبیب کو لوٹے بایں طور کہ حبیب بتاویل نفس لیا جائے تو اس تقدیر پر مازنی اور مبرد کا اس شعر سے استدلال درست نہیں کیونکہ اب مصرع ثانی اسطرح ہوگا وما کادالحبیب نفسا تطیب. پس شعر قابل استشہاد اور نفسا محل استشہاد نہیں رہے گا کیونکہ یہ اپنے عامل سے مقدم نہیں ہے. لیکن یہ بات طریق واضح سے عدول ہے کیونکہ مؤنث کی ضمیر کو باعتبار نفس کے مذکر کی طرف لوٹانا تکلف ہے اور تطیب کی ضمیر مؤنث کو مذکر کیطرف لوٹانا تعسف ہے علاوہ ازیں اس تاویل سے مازنی اور مبرد کے استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ تطیب کی نسبت جو حبیب کی طرف ہے اس میں ابہام ہے اور نفسا اس ابہام کو دور کررہا ہے اور اپنے عامل تطیب سے مقدم ہے. قولہ **ای مایطلق** شارح علیہ الرحمۃ نے اس تفسیر کے ساتھ ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ مستثنیٰ کے معنی ہیں نکالا ہوا۔ اس معنی کے اعتبار سے مستثنیٰ کا اطلاق مستثنیٰ منقطع پر درست نہیں کہ وہ کسی سے نکالا ہوا نہیں ہوتا نظر براں تقسیم مستثنیٰ بسوئے متصل و منقطع از قبیل تقسیم الشئی الی نفسہ والی غیرہ ٹھہری وھو باطل"۔ شارح نے جواب دیا ہے کہ یہاں مقام تقسیم میں مستثنیٰ کے لغوی معنی یعنی نکالا ہوا مراد نہیں بلکہ اس کے اصطلاحی معنی مراد ہیں یعنی اصطلاح نحات میں جس کو مستثنیٰ کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع۔ قولہ **ولما کان معلومیته** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ دستور یہ ہے کہ شئی کی تقسیم سے پہلے اس کی تعریف بیان کی جاتی ہے یہاں مصنف نے خلاف دستور کرتے ہوئے تعریف سے قبل مستثنیٰ کی تقسیم کیوں کی ہے۔ شارح نے جواب دیا ہے کہ تقسیم سے پہلے شئی کی تعریف اسلئے ضروری ہے شئی مجہول کی تقسیم لازم نہ آئے اور اسجگہ مستثنیٰ مجہول نہیں ہے کیونکہ المستثنیٰ کا لام برائے عہد خارجی ہے اور مستثنیٰ سے مراد وہ اسم منصوب ہے جس کو نحات مستثنیٰ کہتے ہیں اور اتنی معلومیت تقسیم کیلئے کافی ہے لہٰذا یہ تقسیم خلاف دستور نہیں ہے۔ بلکہ مصنفین کے طریقہ کے مطابق ہے.

اعتبار سے کوئی تفریق نہیں کی قولہ **والمصدر**:۔ چونکہ مصدر ان مع الفعل کی قوت میں ہوتا ہے جیسے العرب ان یضرب کی قوت میں ہے اور کلمہ ان جو کہ موصول حرفی ہے اس کا مابعد اس پر مقدم نہیں ہوسکتا تو تمیز مصدر پر مقدم نہیں ہوگی قولہ **قول المصنف المستثنیٰ**:۔ مصنف نے مستثنیٰ کا ذکر تمیز کے بعد کیا کیونکہ ان میں چند چیزوں کے اندر اشتراک ہے ا۔ دونوں ذات پر دلالت کرتے ہیں ۲۔ دونوں حقیقی اور مجازی کی طرف منقسم ہوتے ہیں مثلاً ذات مذکورہ میں تمیز حقیقت ہے اور ذات مقدرہ میں مجاز ہے اسی طرح مستثنیٰ متصل میں استثناء حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے. ۳۔ دونوں اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتے واضح رہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف از قبیل تقسیم کلی بسوئے جزئیات ہے. چونکہ مستثنیٰ کا اطلاق متصل پر حقیقت ہے جیسا کہ کتب اصول میں ہے الاستثناء حقیقة فی المتصل اس لئے مصنف نے مستثنیٰ متصل کو مقدم کیا ہے قولہ **الغیر المحتاج**:۔ یہ مرفوع ہے اور شارح علیہ الرحمۃ کے قول "**معلومیته**" کی صفت ہے **هٰذاالوجه** کی صفت نہیں.

قسّمها الی قسمین وعرّف کلّ واحد منهما لان لکل واحد منهما احکاما خاصة لا یمکن اجراؤها علیه الا بعد معرفته فقال متصل ومنقطع فالمتصل هو المُخرج ای الاسم الذی اُخرج واحترز به عن غیر المخرج کجزئیات المستثنی المنقطع عن حکم شیء متعدد جزئیاتهٗ نحو ما جاء نی احدٌ الا زیدا او اجزاؤه نحو اشتریت العبد الا نصفه

تو مصنف نے اسے منقسم کردیا دو قسموں پر اور ان میں سے ہر ایک قسم کی علیحدہ علیحدہ تعریف کی کہ ہر ایک قسم کیلئے ایسے خاص احکام ہیں کہ انکا اجراء ہر ایک پر اسکی معرفت کے بعد ہی ہوسکتا ہے پس کہا (متصل ہے اور منقطع ہے پس متصل وہ ہے جو نکالا گیا ہو) یعنی وہ اسم ہے جو نکالا گیا ہو اور مصنف نے المخرج کی قید سے غیر مخرج سے احتراز کیا ہے جس طرح کہ مستثنی منقطع کی جزئیات ہیں ایسی شی کے حکم (سے) جس کے جزئیات (متعدد ہیں) جیسے ماجاء نی احدٌ الا زیدا یا اسکے اجزاء متعدد ہیں جیسے اشتریت العبد الا نصفہ

قولہ **وعرف کل واحد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر مستثنی کیلئے اتنی تعریف کافی ہے تو مصنف نے مستثنی کی ہر قسم کی الگ تعریف کیوں ہے شارح نے جواب دیا کہ چونکہ مستثنی کی ہر قسم کے احکام جداگانہ ہیں جن کا اجراء ہر ایک قسم پر اس کی تعریف کے بعد ہی ممکن ہے اس لئے مصنف نے ہر ایک قسم کی تعریف الگ الگ کی ہے۔ قولہ **فالمتصل**:۔ باب استثناء میں مستثنی متصل چونکہ اصل ہے اور اصل کی تقدیم اصل ہے نظر بر اس مصنف علیہ الرحمۃ نے پہلے مستثنی متصل کی تعریف کی ہے یعنی مستثنی متصل وہ ہے جو ماقبل سے مُخرج ہو شارح علیہ الرحمۃ نے ای الاسم الخ کے ساتھ تفسیر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ المخرج کا الف لام بمعنی الذی ہے اور مخرج بمعنی اُخرِجَ ہے (بصیغہ مجہول) اور المخرج کا موصوف مقدر ہے جو کہ الاسم ہے اور المخرج کی قید کے ساتھ مصنف نے اس مستثنی سے احتراز کیا ہے جو ماقبل سے نکالا ہوا نہ ہو جیسے مستثنی منقطع کی جزئیات جو ماقبل سے مخرج نہیں ہوتے۔ قولہ **جزئیاتہ**:۔ شارح کا یہ قول مرفوع ہے اس بنا پر کہ یہ مصنف کے قول متعدد کا فاعل ہے جس کو صیغہ صفت اپنے موصوف مقدر پر اعتماد کر کے رفع دے رہا ہے اور تقدیر عبارت اس طرح **عن حکم شیء متعدد جزئیاتہ** یعنی مستثنی متصل ایسا اسم منصوب ہے جو ایسی شی سے خارج کیا ہوا ہو جس شی کی جزئیات متعدد ہوں جیسے **ماجاء نی احدٌ الا زیدا** اس مثال میں لفظ زید مستثنی متصل ہے کیونکہ ماقبل متعدد کے حکم سے نکالا ہوا ہے اور وہ متعدد لفظ احدٌ ہے جو معنی کے اعتبار سے متعدد ہے کیونکہ نکرہ تحت نفی ہے یعنی میرے پاس کوئی نہیں آیا سوائے زید کے جو نہ آنے کے حکم سے مستثنی ہے۔ قولہ **او اجزاءہ**:۔ یہ شارح کے قول جزئیاتہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی ماقبل کے اجزا اگر متعدد ہوں تو اس کے حکم سے مخرج بھی مستثنی متصل ہے۔ جیسے **اشتریت العبد الا نصفہ** کہ لفظ عبد کے اگرچہ جزئیات متعدد نہیں مگر اس کے اجزاء متعدد ہیں کیونکہ اشتراء کا متعلق ہونے کی وجہ سے عبد ذی اجزاء ہے کہ اس کے اجزاء یعنی نصف وغیرہ کو خریدا جا سکتا ہے۔

قولہ **المخرج عن متعدد**:۔ ☆سوال☆ مستثنی متصل کی تعریف تناقض کو مستلزم ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور وجہ استلزام تناقض یہ ہے کہ جب جاءنی القوم کہا گیا تو قوم کیلئے مجیئت ثابت گئی چونکہ قوم میں زید بھی داخل ہے کہ زید قوم کا ایک فرد ہے تو قوم کے دوسرے افراد کی طرح زید کیلئے بھی مجیئت ثابت ہوگئی پھر الا زیدا کہا تو زید سے مجیئت کی نفی ہوگئی اور اثبات مجیئت اور نفی میں تناقض ہے ﴿جواب﴾ مذکورہ مثال میں قوم سے زید کا اخراج پہلے ہے اور قوم کیطرف جاء کا اسناد بعد میں ہے پس مذکورہ مثال اس تقدیر میں ہے القوم المخرج منھم زید جاء واپس زید کیلئے اثبات مجیئت نہ ہوا تو تناقض کا اعتراض مرتفع ہوگیا (عقد النامی)

سواء کان ذٰلک المتعدد لفظا ای ملفوظا نحو جاء نی القوم الازیدا او تقدیرا ای مقدرا نحو ماجاء نی الازیدای ماجاء نی احدٌ الازیدا بالا غیر الصفۃ واخواتھا واحترزبہ عن نحو جاء نی القوم لا زیدٌ وماجاء نی القوم لکن زیدٌ جاء والمستثنی المنقطع ھو المذکور بعدھا ای بعد الا واخواتھا غیر مخرج عن متعدد واحترزبہ عن جزئیات المستثنی المتصل فالمستثنی الذی لم یکن داخلا فی المتعدد قبل الاستثناء منقطع سواء کان من جنسہ کقولک جاء نی القوم الا زیدا مشیرا بالقوم الی جماعۃ خالیۃ عن زید او لم یکن نحو جاء نی القوم الا حمارا

خواہ وہ شی متعدد (لفظاً ہو) یعنی ملفوظ ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا (یا تقدیرا) یعنی مقدر ہو جیسے ماجاء نی الا زیدٌ یعنی ماجاء نی احدٌ الا زیدا (بذریعہ الا) غیر صفتیہ (اور اسکے نظائر کے) اور مصنف نے اپنے قول "بالا واخواتھا" سے جاء نی القوم لا زید اور ماجاء نی القوم لکن زیدٌ جاء کی مثل سے احتراز کیا ہے (اور) مستثنیٰ (منقطع) وہ ہے (جو اسکے بعد مذکور ہو) یعنی الا اور اسکے نظائر کے بعد (نہ نکالا گیا ہو) متعدد سے اور مصنف نے اس سے مستثنیٰ متصل کی جزئیات سے احتراز کیا ہے پس وہ مستثنیٰ جو استثناء سے قبل متعدد میں داخل نہ ہو وہ منقطع ہے خواہ وہ متعدد کی جنس سے ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا لفظ قوم سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو کہ زید سے خالی ہو یا مستثنیٰ متعدد کی جنس سے نہ ہو جیسے جاء نی القوم الا حمارا

قولہ **سواء کان**:۔ اس عبارت کی تقدیر سے شارح کا مقصد مصنف کے قول **لفظاً او تقدیراً** کے منصوب ہونے کی وجہ بتانا ہے کہ یہ دونوں لفظ بمعنی ملفوظ اور مقدر ہو کر کان مقدر کی خبر ہیں یعنی عام ازیں کہ وہ شی متعدد ملفوظ ہو جیسے جاء نی القوم الا زیدا میں القوم متعدد اور ملفوظ ہے یا وہ شی متعدد مقدر ہو جیسے ماجاء نی الا زیدا میں احدٌ مقدر ہے ای ماجاء نی احدٌ الا زیدا۔ قولہ **بالا**:۔ یہ جار مجرور المخرج کے متعلق ہے یعنی مستثنیٰ متصل وہ اسم ہے جو متعدد ملفوظ یا مقدر سے بذریعہ الا غیر صفتیہ اور اس کے نظائر میں سے کسی کے ساتھ نکالا گیا ہو شارح نے غیر الصفۃ کی قید اس لئے بڑھائی ہے کہ کلمہ الا اگر صفتیہ ہوگا تو وہ بمعنی غیر ہوگا اور استثناء کے لئے نہیں ہوگا مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول **بالا واخواتھا** کے ساتھ اس شی سے احتراز کیا ہے جو ماقبل کے حکم سے بذریعہ حرف عطف خارج کی گئی ہو مثلا لا کے ذریعے جیسے **جاء نی القوم لا زید** یا لکن کے ذریعہ جیسے ماجاء نی القوم لکن زید جاء۔ قولہ **والمنقطع**:۔ چونکہ صفت بلا موصوف نہیں ہوتی اس لئے شارح نے **المستثنی** مقدر کر کے **المنقطع** کا موصوف بتایا ہے یعنی مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو کلمہ الا اور اس کے نظائر میں سے کسی کے بعد مذکور ہو اور متعدد سے نہ نکالا گیا ہو۔ مصنف کا قول غیر مخرج قید احترازی ہے جس کے ساتھ مستثنیٰ متصل کی جزئیات سے احتراز ہے۔ قولہ **فالمستثنی الذی الخ**:۔ نحات کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ مستثنیٰ کی دونوں قسموں کے مابین فرق ماقبل سے اخراج وعدم اخراج پر مبنی ہے یا ماقبل کی جنس وعدم جنس ہونے پر مصنف کا مذہب یہ ہے کہ یہ فرق ماقبل سے اخراج وعدم اخراج پر مبنی ہے۔ **وھو المختار عند الشارح** اس لئے فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ قبل از استثناء ماقبل متعدد میں داخل نہ ہو تو وہ مستثنیٰ منقطع ہوگا اگرچہ وہ ماقبل کی جنس سے ہو جیسے **جاء نی القوم الا زیدا** کا زید مستثنیٰ منقطع ہے جبکہ قوم سے زید کے علاوہ جماعت مراد ہو کیونکہ اخراج دخول کی فرع ہے جب زید قوم میں داخل نہیں تو اس کا اخراج کیسا؟ اور اگر مستثنیٰ ماقبل کی جنس نہ ہو تو

وهو ای المستثنی مطلقا حیث عُلم اولا بوجه یُصَحِّحُ تقسیمه کما عرفت وثانیا بمایُتَفَطَّن له من تعریف قسمیه اعنی المذکور بعد الا واخواتها سواء کان مُخرجا او غیر مخرج ولهٰذا لم یُعَرِّفه علی حدةٍ رَوماللاختصار منصوب وجوبا اذا کان واقعا بعد الا لا بعد غیر وسوٰی وغیرهما غیرِ الصفة قید به وان لم یکن الواقع بعد الا التی للصفة داخلا فی المستثنی لئلا یُذهل عنه فی کلام موجب ای لیس بنفی ولا نهی ولا استفهام نحو جاء نی القوم الا زیدا واحترز به عما اذا وقع فی کلام غیر موجب لانه لیس حینئذ واجب النصب علی ماسیجی

(اور وہ) یعنی مستثنی مطلقا کیونکہ مستثنی مطلق اولا ایسی وجہ سے جانا گیا ہے جو اسکی تقسیم کو صحیح کرتی ہے جیسا کہ تم نے جان لیا اور ثانیا اسکے ساتھ جس سے وہ سمجھا جاتا ہے یعنی اسکی دونوں قسموں کی تعریف سے پس مستثنی مطلق وہ ہے جو الا اور اسکے نظائر کے بعد مذکور ہو خواہ مخرج ہو یا نہ ہو اور اسی وجہ سے اختصار کے پیش نظر مصنف نے اسکی علیحدہ تعریف نہیں کی (منصوب ہوگا) وجوبا (جبکہ الا غیر صفتیہ کے بعد) واقع (ہو) غیر اور سوا اور انکے غیر کے بعد واقع نہ ہو مصنف نے اسکو غیر الصفۃ کے ساتھ مقید کیا اگرچہ الا صفتیہ کے بعد واقع ہونے والا اسم مستثنی میں داخل نہیں تا کہ اس سے مبتدی غفلت میں نہ رہے (کلام موجب میں) یعنی جو نفی نہ ہو اور نہ ہی نہی اور نہ استفہام جیسے جاءنی القوم الا زیدا اور کلام موجب کی قید سے مصنف نے اس مستثنی سے احتراز کیا ہے جو کلام غیر موجب میں واقع ہو کیونکہ اسوقت مستثنی کی نصب واجب نہیں اسکے مطابق جو آئیگا

وہ بھی عدم اخراج کی وجہ سے منقطع ہوگا جیسے جاء نی القوم الا حمارا ۔قولہ **المستثنی مطلقا**:۔شارح نے ھو ضمیر کا مرجع مطلقا مستثنی بنایا ہے حالانکہ مطلق مستثنی سابق میں مذکور نہیں اس لئے اعتراض کیا گیا کہ یہ اضمار قبل الذکر ہے۔شارح فرماتے ہیں کہ یہ اضمار قبل الذکر نہیں کیونکہ مطلق مستثنی کا ذکر دوبار ہو چکا ہے اولا تو المستثنی میں جس سے **ما یطلق علیه المستثنی فی اصطلاح النحاة** مراد لے کر مستثنی کی تقسیم بسوئے متصل و منقطع کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور ثانیا اقسام مستثنی کی تعریف سے مطلق مستثنی مفہوم ہو رہا ہے لہٰذا اختصار کے پیش نظر مصنف نے مطلق مستثنی کی علیحدہ تعریف نہیں کی یعنی مستثنی وجوبا منصوب ہوتا ہے جب کہ الا غیر صفتیہ کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اگر لفظ الا کے علاوہ کسی دوسرے کلمہ استثناء کے بعد واقع ہو تو پھر مستثنی کا یہ حکم نہیں۔قولہ **غیر الصفة** شارح رضی نے مصنف پر اعتراض کیا ہے کہ غیر الصفۃ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ کلام مستثنی کے نصب کے متعلق ہے اور الا صفتیہ کا مابعد مستثنی نہیں ہوتا۔شارح نے جواب دیا کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ مصنف نے بیان واقع کے لئے ذکر کی ہے تا کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مطلق کلمہ الا کے بعد مستثنی منصوب ہوتا ہے خواہ وہ استثنائیہ ہو یا صفتیہ۔قولہ **فی کلام موجب** :۔کلام موجب وہ ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو جیسے **جاء نی القوم الا زیدا** اور مصنف کا قول موجب بفتح جیم قید احترازی ہے اور اس کے ساتھ اس مستثنی سے احتراز ہے جو کلام غیر موجب میں واقع ہو کیونکہ اس صورت میں مستثنی پر نصب واجب نہیں۔

قولہ **بمایتفطن له** :۔یتفطن صیغہ مضارع مجہول از باب تفعل بمعنی تُعلم ویُفہم ہے اور لہ کی ضمیر مجرور کا مرجع مطلق مستثنی ہے یعنی عقل مند اور ذہین آدمی پر مستثنی کی دو قسموں کی تعریف سے مطلق مستثنی کی تعریف واضح ہو جاتی ہے یعنی المستثنی ھو مذکور اخ قولہ **لیس بنفی** :۔یعنی کلام موجب وہ ہے جس کے اول میں ان امور ثلاثہ سے کوئی امر نہ ہو لہٰذا غیر موجب وہ کلام ہوگا جس کے اول میں ان میں سے کوئی امر ہو کیونکہ سلب کلی کی نقیض ایجاب جزی ہے اور یہ کلام موجب کا اصطلاحی معنی ہے۔(عبد)

ولاحاجة ههنا الی قید آخر وهو ان یکون الکلام الموجب تاما بان یکون المستثنی منه مذکورا فیه لیخرج نحو قرأت الایومَ کذا فانه منصوب علی الظرفیة لاعلی الاستثناء لان الکلام فی کونه منصوبا مطلقا لافی کونه منصوبا علی الاستثناء بدلیل قوله او کان بعد خلا وعدا الاان یقال الحاجة الی هذا القید انما هو لاخراج مثل قُرِئ الایوم کذا فانه مرفوع وجوبا لامنصوب والعامل فی نصب المستثنی اذا کان منصوبا علی الاستثناء عند البصریة الفعل المتقدم او معنی الفعل بتوسط الا لانه شیئ یتعلق بالفعل او معناه تعلقا معنویا اذله نسبة الی ما نُسب الیه احدهما

اوراسجگہ قیدآخر کی کوئی ضرورت نہیں اوروہ قیدآخر یہ ہے کہ کلام موجب تام ہواس طرح کہ مستثنی منہ اسمیں مذکورہوتا کہ قرأت الایوم کذا کا مثل خارج ہوجائے کہ یوم بنابرظرفیت کے منصوب ہے نہ مستثنی ہونے کی بناپر کیونکہ کلام مستثنی کے مطلقا منصوب ہونے میں ہے مستثنی کے بنابراستثناء منصوب ہونے میں کلام نہیں بدلیل مصنف کے قول "اوکان بعد خلا وعدا" کے البتہ یہ کہاجائے کہ اس قید کی ضرورت قرئ الایوم کذا کے مثل کوخارج کرنے کیلئے ہے کیونکہ وہ وجوبا مرفوع ہے، منصوب نہیں اورجب مستثنی بنابراستثناء منصوب ہوتو نحات بصرہ کے نزدیک اسکی نصب میں عامل فعل متقدم ہے یامعنی فعل ہے کلمہ الا کے توسط سے اس لئے کہ مستثنی ایسی چیز ہے جوفعل یامعنی فعل کے ساتھ معنوی تعلق رکھتا ہے اس لئے کہ مستثنی کی نسبت اس چیزکی طرف ہے جسکی طرف فعل یامعنی فعل میں سے کوئی نسبت کیاجاتا ہے

قولہ **ولاحاجة**:۔ اس عبارت میں فاضل جامی شارح ہندی پررد کرتے ہیں جس نے کہاہے کہ مصنف پرلازم تھا کہ وہ اپنے قول **فی کلام موجب** کے بعدتام کی قید بھی بڑھاتا کہ وہ کلام موجب تام ہوبایں طورکہ اس میں مستثنی منہ مذکورہواورتام کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قرأت الایوم کذا کالفظ یوم خارج ہوجائے گا کہ وہ بنابرظرفیت منصوب ہے نہ کہ بنابراستثناء اوروجہ خروج یہ ہے کہ یہ کلام مستثنی منہ کے مذکورنہ ہونے کی وجہ سے غیرتام ہے۔شارح فرماتے ہیں کہ تام کی قید بڑھانے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ گفتگو مستثنی کے بنابراستثناء منصوب ہونے میں نہیں بلکہ مطلق منصوب ہونے کی بات ہورہی ہے اورشک نہیں کہ قرأت الایوم کذا میں یوم منصوب ہے اورمتن میں **منصوبٌ علی الاستثناء** مرادنہ ہونے پردلیل مصنف کاقول **او کان بعد خلا وعدا** ہے کیونکہ خلااورعدا کے بعدنصب مستثنی ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب ہوتاہے۔قولہ **الا ان یقال**:۔یہ قول شارح کے قول **لاحاجة** سے استثناء ہے یعنی یہ کہنا بجاہے کہ **تام** کی قید **قرئ الا یوم کذا** کی مثل کے اخراج کیلئے ضروری ہے کہ لفظ یوم اس میں نائب فاعل کی بناپروجوبا مرفوع ہے منصوب نہیں کیونکہ کلام غیرتام میں واقع ہے اس لئے کہ اس میں مستثنی منہ مذکورنہیں ہے لیکن چونکہ مصنف کے قول **فی کلام موجب** سے متبادرکلام موجب تام ہے اس لئے اس نے تام کی قید نہیں بڑھائی۔قولہ **والعامل**:۔ مستثنی کاعامل ناصب کون ہے اس میں اختلاف ہے نحات بصرہ کے نزدیک فعل یامعنی فعل بتوسط الا اس کا ناصب ہے جس کابیان کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ مستثنی جب بنابراستثناء منصوب ہوتواس کاعامل بصریہ کے نزدیک بتوسط الا الفعل مقدم یامعنی فعل ہوتاہے اس لئے کہ مستثنی ایسی چیز ہے جس کافعل یامعنی فعل کے ساتھ تعلق معنوی ہے اس لئے کہ مستثنی کی نسبت اس مستثنی منہ کی طرف ہوتی ہے

وقد جاء بعد تمام الكلام فشابه المفعول او مقدما عطف على قوله بعد الا اى المستثنى منصوب وجوبا اذا كان المستثنى مقدما على المستثنى منه سواء كان فى كلام موجب او غير موجب نحو جاءنى الازيدًا القوم وماجاءنى الازيدا احدٌ لامتناع تقديم البدل على المبدل منه او منقطعا اى المستثنى منصوب ايضا وجوبا اذا كان منقطعا بعد الا نحو ما فى الدار احدٌ الا حمارا فى الاكثر اى فى اكثر اللغات وهى لغات اهل الحجاز فانهم قبائل كثيرون او فى اكثر مذاهب النحلة فان اكثرهم ذهبوا الى اللغة الحجازية فالمنقطع مطلقا منصوب عندهم

پھر مستثنیٰ کلام کے تام ہونے کے بعد آتا ہے لہٰذا مستثنیٰ مفعول کے مشابہ ہوگیا (یا مقدم ہو) یہ مصنف کے قول "بعد الا" پر معطوف ہے یعنی مستثنیٰ وجوبا منصوب ہوتا ہے جبکہ مستثنیٰ مقدم ہو (مستثنیٰ منہ پر) خواہ کلام موجب میں ہو یا غیر موجب میں جیسے جاء نی الازیدا القوم وماجاء نی الازیدا احد کیونکہ بدل کی مبدل منہ پر تقدیم ممتنع ہے (یا منقطع ہو) یعنی مستثنیٰ اسوقت بھی وجوبا منصوب ہوتا ہے جبکہ منقطع ہو الا کے بعد واقع ہو جیسے مافی الدار احدٌ الاحمارا (اکثر میں) یعنی اکثر لغات میں اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے کہ وہ کثیر قبائل ہیں یا اکثر نحات کے مذاھب میں کہ وہ لغت حجازیہ کی طرف گئے ہیں پس مستثنیٰ منقطع مطلقا منصوب ہے ان کے نزدیک

جس کی طرف فعل یا معنی فعل منسوب ہوتا ہے لہٰذا بواسطہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کا تعلق بھی فعل یا معنی فعل کے ساتھ ہوا اس لئے مستثنیٰ کا ناصب فعل ہوگا یا معنی فعل پھر مستثنیٰ کلام کے تمام ہونے کے بعد آنے کی وجہ سے مفعول کے بھی مشابہ ہے لہذا مفعول کی طرح یہ بھی فعل یا معنی فعل کی وجہ سے منصوب قرار پائے گا۔ قولہ **او مقدما:۔** یہ مصنف کے قول **بعد الا** پر معطوف ہے یعنی مستثنیٰ وجوبا منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو خواہ کلام موجب میں واقع ہو یا غیر موجب میں وجہ نصب یہ ہے کہ بصورت تقدیم مستثنیٰ ماقبل سے بدل نہیں بن سکتا کہ بدل کا مبدل منہ پر مقدم کرنا ممتنع ہے یعنی اگر نصب واجب نہ ہو تو پھر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے بدل ہوگا اور بدل بنانا ممتنع ہے کیونکہ بدل کو مبدل منہ پر مقدم کرنا جائز نہیں اس لئے کہ بدل توابع میں سے ہے لہٰذا بنا براستثناء نصب واجب ہوگی جیسے **جاء نی الا زیدًا القوم وما جاء نی الا زیدا احد**۔ قولہ **او منقطعا:۔** یعنی مستثنیٰ منقطع بھی فی الاکثر وجوبا منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ الا کے بعد واقع ہو جیسے مافی الدار احد الاحمارا. شارح فرماتے ہیں کہ مصنف کے قول **فی الاکثر** سے مراد یا اکثر لغات ہے اور وہ اہل حجاز کی لغات ہیں کہ اہل حجاز کے بہت سے قبائل ہیں یا اس سے مراد اکثر مذاہب نحات ہے کیونکہ اکثر نحوی لغت حجازیہ کی طرف گئے ہیں پس مستثنیٰ منقطع مطلقا انکے نزدیک منصوب ہوتا ہے خواہ وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔ اور مستثنیٰ منقطع کے وجوبا منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسکو مجرور نہیں قرار دے سکتے کہ کوئی جار موجود نہیں ہے اور مرفوع بنائیں تو بنا بر بدل الغلط مرفوع ہوگا کہ بدل کی دوسری کوئی قسم متصور نہیں اور بدل الغلط بھی نہیں بن سکتا کہ وہ بطریق سہو اور غفلت واقع ہوتا ہے یعنی بدل الغلط فصحاء کے کلام میں صرف سہوا واقع ہوتا ہے جبکہ مستثنیٰ منقطع بطریق فکرو فطانت واقع ہوتا ہے اور ان میں تضاد ہے۔ اور تضاد سے احتراز ضروری ہے۔

قولہ **او مقدما:۔** مصنف کے قول **مقدما اور منقطعا** میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اسکے قول **فی کلام موجب** پر معطوف ہوں جو کان کی خبر ثانی ہے یا حال ہے۔ قولہ **فی الاکثر:۔** یہ منصوبٌ مقدر کے متعلق ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے **اى ونصب المستثنى فى هذا القسم واقع فى الاكثر**

اذلا یتصور فیہ الابَدَل الغلط وھو لایصدر الابطریق السھو والغفلۃ والمستثنی المنقطع انما یصدر بطریق الرویۃ والفطانۃ واما بنو تمیم فقد قَسَّموا المنقطع الی قسمین احدھما مایکون قبلہ اسمٌ یصح حذفہ نحو ماجاء نی القوم الاحمار اھٰھنا یُجَوّزون البدل وثانیھما مالایکون قبلہ اسم یصح حذفہ فھم ھٰھنا یوافقون الحجازیین فی ایجاب نصبہ کقولہ تعالیٰ لاعاصم الیوم مِن اَمر اللہ الامَن رحم ای مَن رحمہ اللہ فمن رحمہ اللہ ھو المرحوم المعصوم فلایکون داخلافی العاصم فیکون منقطعا

کیونکہ اسمیں صرف بدل الغلط متصور ہے اور بدل الغلط بطریق سہو وغفلت ہی صادر ہوتا ہے جبکہ مستثنیٰ منقطع بطریق عقل وفکر ہی صادر ہوتا ہے اور بہرحال بنوتمیم تو انہوں نے مستثنیٰ منقطع کو دو قسموں کی طرف منقسم کیا ہے ایک وہ کہ جس سے پہلے ایک ایسا اسم ہو جس کا حذف کرنا صحیح ہو جیسے ماجاءنی القوم الاحمارا پس یہاں بنوتمیم بدل کو جائز قرار دیتے ہیں دوسرا وہ مستثنیٰ کہ اس سے پہلے ایک ایسا اسم نہ ہو کہ جس کا حذف کرنا صحیح ہو پس بنوتمیم یہاں مستثنیٰ میں نصب کے واجب ہونے میں اہل حجاز کی موافقت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لاعاصم الخ ای من رحمہ اللہ پس جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ مرحوم ومعصوم ہے تو معصوم ،عاصم میں داخل نہیں ہوگا لہٰذا مستثنیٰ منقطع ہوگا

قولہ واما بنو تمیم مصنف نے اگرچہ اہل حجاز کی لغت کے بیان پر اکتفاء کیا ہے مگر شارح نے بنوتمیم کی لغت بھی بیان کردی ہے جنہوں نے مستثنیٰ منقطع کی دو قسمیں بنائی ہیں اول۔ وہ کہ جس سے قبل ایسا اسم ہو کہ اس اسم کو حذف کرنے کے بعد مستثنیٰ منقطع کو اسکی جگہ رکھنا صحیح ہو جیسے ما جاءنی القوم الا حمارا میں القوم کو حذف کرکے اس کی جگہ حمار کو رکھنا اور فاعل بنانا درست ہے یعنی ما جاءنی الا حمار کہنا درست ہے یعنی اسکا معنی فاسد نہیں کیونکہ حمار کا آنا متصور ہے۔تو اس قسم کو بنوتمیم بدل بنانا جائز قرار دیتے ہیں۔قسم دوم۔ یہ کہ مستثنیٰ منقطع سے قبل ایسا اسم نہ ہو جیسے ماجاءاحد الاالحجر کہ حجر کا آنا متصور نہیں۔اس قسم میں بنوتمیم ایجاب نصب میں اہل حجاز کی موافقت کرتے ہیں اور رفع بنا بر بدل الغلط کو جائز نہیں سمجھتے اور جیسے فرمان باری تعالیٰ لاعاصم الیوم من امراللہ الا من رحم ای من رحمہ اللہ اس ارشاد میں من رحمہ اللہ مرحوم اور معصوم ہے جو عاصم میں داخل نہیں لہٰذا من رحمہ اللہ مستثنیٰ منقطع ہے جس کے ماقبل یعنی عاصم کو حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے جس کی خبر پہلے محذوف ہے اگر اسم کو بھی حذف کردیا جائے تو اجحاف لازم آئے گا تو من رحم کو اس سے بدل قرار نہیں دے سکتے لہٰذا بنو تمیم کے نزدیک بھی من رحم اللہ محلا منصوب ہے۔قولہ ای من رحمہ اللہ:۔ شارح کی یہ تفسیر ایک سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ من رحم میں فعل رحم یا تو مَن موصولہ کا صلہ ہے یا مَن موصوفہ کی صفت ہے دونوں صورتوں میں یہ جملہ عائد سے خالی ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جملہ جب صلہ واقع ہو یا صفت تو اس میں عائد ضروری ہے۔شارح نے من رحمہ اللہ سے جواب دیا کہ یہاں ضمیر عائد ہے جو محذوف ہے۔

قولہ اذلا یتصور فیہ:۔یعنی مستثنیٰ منقطع میں صرف بدل الغلط ہی متصور ہے کیونکہ صدر کلام اس کو شامل نہیں ہوتا اس لئے صدر کلام سے نہ وہ متحد ہوتا ہے اور نہ اس کا جز ہوتا ہے لہٰذا بدل الکل یا بعض اس میں متصور نہیں اور نہ ہی مستثنیٰ منہ کے ذکر کے بعد نفس مستثنیٰ منقطع کا منتظر رہتا ہے کہ بدل الاشتمال متصور ہو لہٰذا مثال مذکور میں حمار کو اگر مرفوع پڑھا جائے تو وہ بدل الغلط ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور بدل الغلط فصحاء کے کلام میں بطریق سہو وغفلت ہی استعمال ہوتا ہے (جمال وغیرہ)

او كان بعد خلا وعدا اى المستثنى منصوب ايضا وجوبا اذا كان بعد عدا من عدا يعدُو عَدوا اذا جاوزه مثل جاء نى القوم عدا زيدا او بعد خلا من خلا يخلو خُلُو انحو جاء نى القوم خلا زيدا وهو فى الاصل لازم يَتعدى الى المفعول بمِن نحو خَلَتِ الديار من الانيس وقد يُضمّن معنى جاوز او يحذف مِن ويوصل الفعل فيتعدى بنفسه والتزموا هذا التضمين او الحذف والايصال فى باب الاستثناء ليكون مابعدها فى صورة المستثنى بالا التى هى اُمّ الباب وفاعلهما ضميرٌ راجع اِمّا الى مصدر الفعل المقدم او الى اسم الفاعل منه او الى بعض مطلق من المستثنى منه والتقدير جاء نى القوم عدا وخلا مجيئهم او الجائى منهم او بعضٌ منهم زيدا

(یا بعد خلا اور عدا کے) یعنی مستثنی خلا اور عدا کے بعد بھی وجوبا منصوب ہوتا ہے اور عدا باب نصر یعنی عدا یعد وعدوا سے ماخوذ ہے جبکہ اس سے تجاوز کر جائے جیسے جاء نی القوم عدا زیدا یا خلا کے بعد ہو جو خلا یخلو خلوا سے ماخوذ ہے جیسے جاء نی القوم خلا زیدا اور لفظ خلا اصل میں لازم ہے کبھی بذریعہ من مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے خلت الدیار من الانیس اور کبھی جاوز کے معنی کو متضمن ہوتا ہے یا حرف من کو حذف کر دیا جاتا ہے اور فعل کو مفعول سے موصول کر دیا جاتا ہے پس وہ متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے اور نحویوں نے اس تضمین اور حذف اور ایصال کا باب استثناء میں التزام کیا ہے تا کہ خلا کا مابعد مستثنی بالا کی صورت میں ہو جائے جو باب استثناء میں اصل ہے اور عدا اور خلا کا فاعل ضمیر ہے جو یا تو فعل مقدر کے مصدر کی طرف راجع ہے یا اسکے اسم فاعل کی طرف یا مستثنی منہ سے بعض مطلق کی طرف اور تقدیر یہ ہوگی جاء نی القوم عدا وخلا مجیئھم او الجائی منہ اور بعض منھم زیدا

قولہ **او كان بعد خلا وعدا** :۔ اور جب مستثنی خلا اور عدا کے بعد واقع ہو تو وجوبا منصوب ہوتا ہے یعنی جب مستثنی عدا کے بعد واقع ہو جو **عدا يعدو عدوا** سے فعل ماضی بمعنی جاوزہ ہے تو وہ مفعول بہ کی بنا پر وجوبا منصوب ہوتا ہے جیسے **جاء نى القوم عدا زيدا** اور خلا کے بعد بھی جو **خلا يخلو خُلُوا** سے فعل ماضی ہے جیسے **جاء نى القوم خلا زيداً** اور خلا اصل میں فعل لازم ہے جو بواسطہ من مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے **خلت الديار من الانيس** مکانات غمخواروں سے خالی ہو گئے اور کبھی خلا جاوز کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے جاوز کی مثل متعدی بن جاتا ہے اور کبھی من کو حذف کر کے فعل خلا کو اس کے مفعول کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے پس وہ متعدی بنفسہ ہو کر مفعول کو نصب کرتا ہے اس کو حذف وایصال کہتے ہیں۔ قولہ **والتزموا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ خلا اگر بواسطہ من متعدی ہے تو باب استثناء میں کبھی من مذکور بھی ہوتا کیونکہ تضمین امور واجبہ سے نہیں ہے پھر باب استثناء میں اس کے مابعد کو ہمیشہ منصوب پڑھنا کیوں لازم ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ اس تضمین اور حذف وایصال کو باب استثناء میں نحاۃ نے چونکہ لازم کر دیا ہے اس لئے خلا کا مابعد باب استثناء میں ہمیشہ منصوب ہوتا ہے اور وجہ التزام یہ ہے کہ خلا کا مابعد مستثنی بالا کا ہم شکل ہو جائے جو استثناء کے لئے موضوع ہونے کی وجہ سے باب استثناء میں اصل ہے۔ قولہ **وفاعلهما** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ **جاء نى القوم خلا زيدا وعدا زيدا** میں خلا اور عدا کی ضمیر فاعل کا مرجع کون ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ضمیر کے مرجع میں تین احتمال ہیں۔ اول۔ یہ کہ مرجع فعل مقدم یعنی جاء کا مصدر ہو اور تقدیر عبارت اس طرح ہو

وهما في محل النصب على الحالية ولم يظهر معهما قد ليكونا اشبه بالا التي هي الاصل في باب الاستثناء في الاكثر اى النصب بهما انما هو في اكثر الاستعمال لانهما فعلان ماضيان كما عرفت وقد اُجيز الجرُّ بهما على انهما حرفا جرٍّ قال السِّيرافيُّ لم اعلم خلافا في جواز الجر بهما الا ان النصب بهما اكثر او ماخلا وماعدا اى المستثنى منصوب ايضا وجوبا اذا كان بعد ماخلا وماعدا الا ان ما فيهما مصدرية مختصة بالافعال نحو جاء نى القوم ماخلا زيدا وماعدا عمرا تقديره خُلُوَّ زيدٍ وعُدُوَّ عمرو بالنصب على الظرفية

اور وہ دونوں بنا بر حالیت محل نصب میں ہیں اور ان کے ساتھ قد ظاہر نہیں کیا گیا تا کہ ان میں سے ہر واحد اس الا کے بہت مشابہ ہو جائے جو باب استثناء میں اصل ہے (اکثر میں) یعنی عدا و خلا کے توسط سے نصب اکثر استعمالات میں ہے کیونکہ یہ دونوں فعل ماضی ہیں جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اور انکے ذریعے جر جائز رکھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ دونوں حرف جر ہیں سیرافی کہتے ہیں کہ مجھے ان کے ساتھ جر کے جواز میں کوئی اختلاف معلوم نہیں مگر ان کے ذریعے نصب اکثر ہے (اور ماخلا اور ماعدا) یعنی مستثنیٰ جب ماخلا اور ماعدا کے بعد واقع ہو تو بھی وجوبا منصوب ہوتا ہے اس لئے کہ ان میں کلمہ ما مصدریہ ہے جو افعال کے ساتھ خاص ہے جیسے جاءنی القوم ماخلا زیدا و ماعدا عمرا اسکی تقدیر خلو زید اور عدو عمرو ہے خلو اور عدو کی نصب کے

جاء نى القوم عدا وخلا مجيئهم زيدا. دوم۔ یہ کہ فعل مقدم کا اسم فاعل مرجع ہو **اى جاء نى القوم عدا وخلا الجائى منهم زيدا.** سوم یہ کہ ضمیر کا مرجع مستثنیٰ منہ یعنی القوم کا بعض مطلق ہو **اى جاء نى القوم عدا وخلا بعض منهم زيدا** ۔قولہ و **هما** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے **جاء نى القوم خلا وعدا زيدا** میں خلا اور عدا اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ہیں اور جملہ کا کوئی محلی اعراب ہوتا ہے تو ان کا محلی اعراب کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ دونوں بنا بر حال محل نصب میں ہیں رہی یہ بات کہ ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اس کے اول لفظ قد ہوتا ہے اور ان دونوں کے اول میں لفظ قد نہیں ہے لہٰذا ان کو حال بنانا درست نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قد مقدر ہے اور اس کو ظاہر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ الا کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو جائے جو باب استثناء میں اصل ہے کیونکہ الا سے پہلے کلمہ قد نہیں ہوتا۔ قولہ **فى الاكثر** :۔ یعنی خلا اور عدا کے بعد مستثنیٰ کو نصب اکثر استعمالات میں ہے کیونکہ یہ دونوں فعل ماضی ہیں لہٰذا مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور ان کے مابعد کو ان کے ساتھ جر دینا بھی جائز قرار دیا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ حرف جر ہیں چنانچہ سیرافی کہتے ہیں کہ مجھے خلا اور عدا کے ذریعے جر کے جواز میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں مگر ان کے ساتھ نصب اکثر ہے۔ قولہ **وما خلا وما عدا** :۔ یعنی ماخلا اور ماعدا کے بعد بھی مستثنیٰ وجوبا منصوب ہوتا ہے اس لئے کہ ان میں کلمہ **ما** مصدریہ ہے جو مختص بالافعال ہے یعنی اسم یا حرف پر داخل نہیں ہوتا تو ما کے قرینہ سے یہ دونوں فعل قرار پائے اور پھر یہ دونوں چونکہ فعل متعدی ہیں تو مستثنیٰ ان کے بعد بنا بر مفعول منصوب ہوگا جیسے جاءنی القوم ماخلا زیدا و ماعدا عمرا جسکی تقدیر خُلُوَّ زَيدٍ و عُدُوَّ عَمرٍو ہے پھر ماخلا و ماعدا دونوں مع فاعل بتاویل مصدر ہو کر یا تو بنا بر ظرفیت منصوب المحل ہوں گے **اى وَقْتَ خُلُوِّهِمْ يا وَقْتَ مَجِيئِهِمْ مِنْ زَيْدٍ** وغیرہ کیونکہ ما مصدریہ سے قبل لفظ وقت کی تقدیر شائع ہے جو ما

بتقدیر مضاف ای وقت خلوھم او خلو مجیئھم من زید ووقت مجاوزتھم او مجاوزۃ مجیئھم عمرا او علی الحالیۃ بجعل المصدر بمعنی اسم الفاعل ای جاؤا خالیا بعضھم او مجیئھم من زید و مجاوزا بعضھم او مجیئھم عمرا وعن الاخفش انہ اجاز الجر بھما علی ان ما فیھما زائدۃ ولعل ھذا لم یثبت عند المصنف اولم یعتد بہ ولھذا لم یقل فی الاکثر وکذا المستثنی منصوب بعد لیس نحو جاء نی القوم لیس زیدا وبعد لایکون نحو سیجیئ اھلک لایکون بشرا وانما یکون النصب بعدھما لانھما من الافعال الناقصۃ الناصبۃ للخبر و یلزم اضمار اسمیھما فی باب

ساتھ بتقدیر مضاف ای وقت خلوہم اور خلو مجیئہم من زید اور وقت مجاوزتہم یا وقت مجاوزۃ مجیئہم عمرا یا نصب حال ہونے کی بنا پر ہے مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں کر کے ای جاؤا خالیا بعضہم او مجیئہم من زید او مجاوزا بعضہم یا مجیئہم عمرا اور اخفش سے مروی ہے کہ اسنے ان کے ساتھ جر کو جائز رکھا ہے اس وجہ سے کہ اسکے نزدیک کلمہ ما زائدہ ہے اور شاید یہ مصنف کے نزدیک ثابت نہیں یا اسکو قابل اعتناء نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے اسجگہ فی الاکثر نہیں کہا (اور) اسی طرح مستثنی منصوب ہوتا ہے (لیس) کے بعد جیسے جاء نی القوم لیس زیدا (اور لایکون) کے بعد جیسے یجیئ اہلک لایکون بشرا اور انکے بعد نصب اسلئے ہوگی کہ یہ افعال ناقصہ سے ہیں جو خبر کو نصب دیتے ہیں اور باب استثناء میں ان دونوں کے اسم کا اضمار ضروری ہے

مصدریہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور بوقت حذف لفظ وقت ما مصدریہ اس کے قائم مقام ہو کر بنا بر ظرفیت منصوب ہوتا ہے یا ما خلا اور ما عدا بنا بر حالیت منصوب ہونگے۔ قولہ **بجعل المصدر**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ **ما خلا** اور **ما عدا** بتاویل مصدر وصف ہیں جن کو **القوم** سے حال بنانے کی صورت میں وصف کا حمل ذات پر لازم آئے گا جو درست نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ حال بنانے کی صورت میں مصدر بمعنی اسم فاعل ہوگا جو ذات مع الوصف ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر درست ہے اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی **جاؤا خالیا الخ** ۔قولہ **عن الاخفش**:۔ یعنی اخفش سے مروی ہے کہ اس نے ما خلا اور ما عدا کے ساتھ جر بھی جائز رکھی ہے اس بنا پر کہ یہ حرف جر ہیں اور ان سے قبل کلمہ ما زائدہ ہے چونکہ مصنف کے نزدیک اخفش کا یہ قول ثابت نہیں تھا یا معتبر نہیں تھا اس لئے مصنف نے ما خلا اور ما عدا کے ساتھ فی الاکثر کی قید نہیں لگائی۔ قولہ **ولیس ولایکون**:۔ یعنی لیس اور لایکون کے بعد بھی مستثنی منصوب ہوتا ہے جیسے **جاء نی القوم لَیْسَ زَیْداً** اور **سَیَجِیْئُ اَھْلُکَ لَا یَکُوْنُ بِشْراً** اور انکے نصب دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ میں سے ہیں جو خبر کو نصب دیتے ہیں لہذا ان کا مابعد بنا بر خبریت وجوبا منصوب ہوگا اور ان دونوں کا اسم باب استثناء میں وجوبا مضمر رکھا جائے گا جس کا مرجع فعل مذکور

قولہ **وقت خلوھم**:۔ چونکہ ما خلا اور ما عدا کی ضمیر فاعل کے مرجع میں بھی تین احتمال ہیں۔ شارح نے امثلہ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے پس **وقت خلوھم** میں ضمیر کا مرجع بعض مستثنی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور **وقت خلو مجیئھم** میں فعل مذکور کے مصدر کو مرجع بنانے کی طرف اشارہ ہے اور فعل مذکور کے اسم فاعل کو مرجع بنانے کی مثال اس کے واضح ہونے کی وجہ سے ترک کر دی ہے۔ رہی یہ بات کہ ما خلا اور ما عدا کو خلو اور عدو کی تاویل میں کرنے کی ضرورت کیوں پڑی اور امرین سے پہلے لفظ وقت کس لئے مقدر کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اگر بنا بر ظرفیت منصوب ہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ نہ یہ ظرف زمان ہیں نہ ظرف مکان پس جب یہ ما مصدریہ کی وجہ سے بتاویل مصدر ہو جائیں گے اور ان کا مضاف لفظ وقت مقدر ہوگا تو انکا بنا بر ظرفیت منصوب الحل ہونا درست ہو جائیگا ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الاستثناء وهو ضميرٌ راجع الى اسم الفاعل من الفعل المذكور او الى بعض من المستثنى منه مطلقا وهما فى التركيب فى محل النصب على الحالية واعلم انه لا تستعمل هذه الافعالُ الا فى المستثنى المتصل الغير المفرغ ولا يتصرف فيها لانها قائمة مقام الا وهى لا يتصرف فيها و يجوز فيه اى فى المستثنى النصب على الاستثناء ويُختار البَدَل عن المستثنى منه فيما بعد الّا حال من الضمير المجرور اى حالَ كون المستثنى واقعا فى محل يكون متأخرا عن الّا احترازٌ عما اذا كان بعد سائر ادوات الاستثناء مثل عدا و خلا و غيرهما فى كلام غير موجب احترازٌ عما اذا وقع فى كلام موجب فانه منصوب وجوبا كما مر

اور وہ اسم ضمیر ہوگی جو کہ فعل مذکور سے ماخوذ اسم فاعل کی طرف راجع ہوگی یا مطلقا مستثنیٰ منہ کے بعض کی طرف اور لیس اور لا یکون ترکیب میں منصوب بنا بر حالیت ہونگے اور جان لو کہ یہ افعال صرف مستثنیٰ متصل غیر مفرغ میں مستعمل ہوتے ہیں اور ان میں تغیر نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ کلمہ الا کے قائم مقام ہیں اور الا میں تغیر نہیں کیا جاتا (اور اسمیں جائز ہے) یعنی مستثنیٰ میں (نصب) استثناء کی بنا پر (اور بدل مختار ہے) مستثنیٰ منہ سے (الا کے مابعد میں) مصنف کا قول "فی ما بعد الا" اسکے قول "فیہ" کی ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی حال ہونے مستثنیٰ کے ایسے محل میں واقع ہونے والا جو الا سے متاخر ہو اور اس قید کے ساتھ اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو باقی حروف استثناء مثلا عدا اور خلا وغیرہما کے بعد واقع ہو (کلام غیر موجب میں) یہ احتراز ہے اس مستثنیٰ سے جو کلام موجب میں واقع ہو کیونکہ وہ وجوبا منصوب ہوگا جیسا کہ گذرا ہے

سے ماخوذ اسم فاعل ہوگا یا مستثنیٰ منہ میں سے مطلقا بعض مرجع ہوگا تقدیر عبارت اسطرح ہوگی **ليس الجائى زيدا** یا **ليس بعضهم زيدا** اور **لا يكون الجائى زيدا** اور **لا يكون بعضهم زيدا** اور **ليس** اور **لا يكون** بنا بر حال محل نصب میں ہونگے۔ **قوله واعلم انه** :۔ یعنی خلا سے لیکر لا یکون تک یہ چھ افعال جب استثناء میں استعمال کیے جائیں تو صرف مستثنیٰ متصل غیر مفرغ میں استعمال کیے جاتے ہیں اور باب استثناء میں انمیں کسی قسم کا تغیر و تصرف نہیں ہوتا یعنی یہ تثنیہ، جمع وغیرہ نہیں ہوتے جس طرح کہ یہ حالت استثناء کے غیر میں تثنیہ وغیرہ ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ باب استثناء میں کلمہ الا کے قائم مقام ہوتے ہیں جس میں تصرف نہیں ہوتا تو ان میں بھی تصرف نہیں ہوتا۔ **قوله و يجوز فيه** :۔ اور مستثنیٰ میں نصب بنا بر استثناء جائز ہے لیکن مستثنیٰ منہ سے بدل بنانا مختار ہے جب کہ مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو مصنف کا قول **فى ما بعد الا** ، **واقعاً** کے متعلق ہو کر **يجوز فيه** کی ضمیر مجرور سے حال ہے جس کا مرجع مستثنیٰ ہے اور جار مجرور اپنے متعلق کے اعتبار سے حال واقع ہوتا ہے اور یہاں پر وہ متعلق لفظ واقع ہے رہی یہ بات کہ مصنف کے قول "فیما بعد الا" میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ فیہ کی ضمیر

قوله وهو ضمير راجع:۔ لیس اور لا یکون کی ضمیر کے مرجع میں تیسرا احتمال نہیں ہے یعنی فعل مذکور کے مصدر کی طرف ضمیر کا لوٹنا صحیح نہیں کیونکہ لیس اور لا یکون کی خبر ان کے اسم پر محمول ہوتی ہے اور ضمیر کا مرجع مصدر کو بنانے کی صورت میں مصدر پر اگی خبر کا حمل لازم آئیگا جو صحیح نہیں **قوله الغير المفرغ**:۔ شارح نے مستثنیٰ متصل کو غیر مفرغ کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ اگر مستثنیٰ مفرغ ہوگا اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوگا تو ان افعال کی ضمیر فاعل کا مرجع کیا ہوگا کیونکہ مرجع تو مستثنیٰ منہ ہوتا ہے اور وہ مذکور نہیں۔

والحال انه قد ذكر المستثنى منه احترازعما اذا لم يذكر المستثنى منه فانه ح يُعرب على حسب العوامل وفی بعض النُسخ ذُكر المستثنى منه بغير واوٍ على انه صفةلكلامٍ غير موجب اى كلام غير موجب ذكر فيه المستثنى منه ولم يشرط ان لايكون منقطعا ولا مقدما على المستثنى منه لان حكمَهما قدعلم فيماسبق فاكتفى بذٰلك نحوما فعلوه الاقليل بالرفع على البدلية والاقليلا بالنصب

(اور) حال یہ ہے کہ (مستثنیٰ منہ مذکور ہو) یہ احتراز ہے اس سے جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو کیونکہ اسوقت مستثنیٰ عوامل کے مطابق اعراب دیا جائیگا اور کافیہ کے بعض نسخوں میں ذکر المستثنیٰ منہ ہے واؤ کے بغیر اس بنا پر کہ یہ مصنف کے قول "کلام غیر موجب" کی صفت ہے یعنی مستثنیٰ ایسے کلام غیر موجب میں ہو جس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مصنف نے یہ شرط نہیں لگائی کہ مستثنیٰ منقطع نہ ہو اور نہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو کیونکہ ان دونوں کا حکم ماسبق میں معلوم ہو چکا ہے پس اسی پر اکتفا کرلیا ہے (جیسے ما فعلوہ الا قلیل منہم) قلیل کے رفع کے ساتھ بدل ہونے کی بنا پر (اور الا قلیلا) نصب کے ساتھ

سے بدل ہو اور دیگر شارحین کافیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے مگر شارح نے اسکو اختیار نہیں کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مصنف کا مقصود مستثنیٰ کی حالت کو بیان کرنا ہے اور اس قید کے ساتھ اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو الا کے علاوہ کسی دوسرے حرف استثناء کے بعد واقع ہو مثلا جو عدا کے بعد واقع ہو اس کا یہ حکم نہیں اور مصنف کا قول **فی کلام غیر موجب** اس مستثنیٰ سے احتراز ہے جو کلام موجب میں واقع ہو کیونکہ کلام موجب میں واقع مستثنیٰ وجوبا منصوب ہوتا ہے کما سبق۔ قولہ **والحال انه**:۔ شارح نے اس کی اضافی عبارت سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول و **ذکر المستثنیٰ منه** بھی فیہ کی ضمیر سے حال ہے اور یہاں ذکر فعل ماضی مثبت سے پہلے کلمہ قد مقدر ہے اور یہ اس صورت سے احتراز ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو کیونکہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب بحسب عوامل ہوتا ہے قولہ **وفی بعض النسخ**:۔ یعنی کافیہ کے بعض نسخوں میں مصنف کا قول **وَذُكِرَ المستثنیٰ منه** بغیر واؤ کے آیا ہے جس کے پیش نظر یہ جملہ حالیہ نہیں ہوگا بلکہ یہ جملہ مصنف کے قول **کَلَامٍ غَیْرِ مُوْجَبٍ** کی صفت بنے گا۔ اور مصنف کی عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ مستثنیٰ الا کے بعد ایسے کلام غیر موجب میں واقع ہو جس میں مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ قولہ **ولم یشترط**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ مستثنیٰ میں نصب جائز ہونے اور بدل مختار ہونے کی پانچ شرطیں ہیں، اول۔ یہ کہ مستثنیٰ الا کے بعد واقع ہو۔ دوم۔ یہ کہ کلام غیر موجب میں ہو۔ سوم۔ یہ کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ چہارم۔ یہ کہ مستثنیٰ منقطع نہ ہو۔ پنجم۔ یہ کہ مستثنیٰ منہ پر مستثنیٰ مقدم نہ ہو لیکن مصنف نے صرف پہلی تین شرطیں ذکر کی ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے آخری دو شرطوں کو برائے اختصار ترک کردیا ہے کیونکہ گذشتہ کلام سے ان کا حکم سمجھا جارہا ہے جس پر اکتفاء کرلیا گیا ہے۔ قولہ **نحو ما فعلوه الا قلیل**:۔ یہ جواز نصب اور بدل کے مختار ہونے کی مثال ہے کہ **فَعَلُوْا** کی ضمیر سے بدل ہونے کی بنا پر **قَلِیْلٌ** کو رفع مختار ہے اور اس کو بنا بر استثناء نصب

قولہ **الا قلیل**:۔ بدل کی صورت میں قلیل بدل ہوگا نہ کہ الا قلیل مع کلمہ الا اور بدل البعض ہوگا کیونکہ یہ اپنے مبدل منہ یعنی ضمیر جمع مذکر کا بعض ہے اور چونکہ یہ بدل البعض کلمہ الا کے بعد واقع ہے اسلئے اسمیں ضمیر راجع بسوئے مبدل منہ ضروری نہیں اس لئے کہ استثناء متصل اس بات کا افادہ کرتا ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کا بعض ہے (جامع)

﴿ فائدہ ﴾ دوسرے نسخے کے مطابق مصنف کا قول "ذکر المستثنیٰ منہ" کلام موجب کی صفت بعد از صفت ہوگا اور اسمیں ضمیر مقدر ہوگی۔

علی الاستثناء ونحو مامررت باحدالازیدبالجر علی البدلیۃو الازیدابالنصب علی الاستثناء وماراَیت احدا الازیدا بالنصب اِمابطریق البدلیۃوھو المختار اوبطریق الاستثناء وھو جائز غیر مختار وانما اختاروا البدل فی ھذہ الصورلان النصب علی الاستثناء انماھو بسبب التشبیہ بالمفعول لابالاصالۃو بواسطۃ الاو اعراب البدل بالاصالۃوبغیرواسطۃ ویُعرب ای المستثنی علی حسب العوامل ای بمایقتضیہ العامل من الرفع والنصب والجر اذاکان المستثنی منہ غیرمذکور ویختص ذٰلک المستثنی باسم المفرغ لانہ فُرّغ لہ العامل عن المستثنی منہ فالمراد بالمفرغ المفرغُ لہ کمایرادبالمشترک المشترکُ فیہ

استثناء کی بناپراورجیسے مامررت باحدالازید، زید کی جر کے ساتھ بدلیت کی بناپر اورالازیدانصب سے استثناء کی بناپراورماراَیت احدا الازیدانصب سے یابطریق بدلیت اوریہی مختار ہے یا بطریق استثناء اوریہ جائز ہے مختار نہیں ہے اورنحویوں نے ان صورتوں میں بدل کواس لئے ترجیح دی کہ نصب بنابراستثناء مفعول کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ہے بالاصالۃ نہیں اوربواسطہ الا ہے اوربدل کااعراب بالاصالۃ اوربلاواسطہ ہے (اوراعراب دیاجاتا ہے) یعنی مستثنی (عوامل کے مطابق) یعنی اسکے ساتھ جس کوعامل چاہتا ہے رفع ونصب اورجر سے (جب مستثنی منہ مذکورنہ ہو) اورخاص کیاجاتا ہے وہ مستثنی مفرغ کے نام کے ساتھ کیونکہ اسکی وجہ سے عامل مستثنی منہ میں عمل کرنے سے فارغ ہوگیاپس مفرغ سے مرادمفرغ لہ ہے جس طرح کہ مشترک سے مشترک فیہ مرادلیاجاتا ہے۔

بھی جائز ہےاسی طرح مَا مَرَرْتُ اِلَّا زَیْدٍ میں زید کو جر بنابر بدل مختار ہےاورنصب بھی بنابراستثناء جائز ہےاور مَارَاَیْتُ اِلَّا زیداً میں زید کونصب بنابر بدلیت مختار ہےاور بنابراستثناءنصب جائز لیکن غیر مختار ہےاوران تمام صورتوں میں نحات نے بدل اس لئے پسند کیا ہے کہ بدل کا اعراب بالاصالۃ ہے یعنی مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے نہیں ہےاور بلاواسطہ ہے لیکن نصب بنابراستثناء مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہےاورمشابہت اس بات میں ہے کہ مستثنی بھی مفعول کی طرح مسنداورمسندالیہ کے بعدآتا ہےاس لئے مفعول کی شکل منصوب ہوتا ہےاوروہ نصب بالاصالت نہیں پھروہ نصب بواسطہ کلمہ الاکے ہےاوراس میں شک نہیں کہ بالاصالت اور بلاواسطہ اعراب اقویٰ ہوتا ہے بالتبع اور بالواسطہ سے۔قولہ ویعرب :۔ اور مستثنی عامل کے اقتضاء کے مطابق اعراب دیاجائے گاجب کہ مستثنی منہ مذکورنہ ہوورنہ عامل مستثنی منہ میں عمل کریگا یعنی عامل اگر رفع کامقتضی ہوتومستثنی کورفع دیاجائیگااورنصب کامقتضی ہوتونصب دیاجائیگااورجر کامقتضی ہوتوجردی جائیگی اور مستثنی کی یہ قسم مستثنی مفرغ کے نام سے مخصوص ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عامل مستثنی منہ میں عمل کرنے سے فارغ ہوجاتا ہےاس غرض سے کہ عامل صرف مستثنی میں عمل کرےاور یہاں مفرغ سے مرادمفرغ لہ ہے یعنی حرف جارکوحذف کرکے ضمیر مجرورکوصفت میں مقدرکردیاگیا ہے پس جس طرح کہ مشترک فیہ کوحرف کے حذف کے بعدمشترک کہہ دیاجاتا ہےاس کوبھی مفرغ لہ کی بجائے مفرغ کہہ دیاجاتا ہے پس عامل مفرغ ہوااور مستثنی مفرغ لہ اور مستثنی منہ مفرغ فیہ۔

قولہ واعــراب البـدل :۔ ☆سوال ☆ بدل کااعراب مبدل منہ والا ہوتا ہے لہٰذایہ بات درست نہیں کہ بدل کااعراب بالاصالت ہے ☆ جواب ☆ بالاصالت سے

وھو ای والحال ان المستثنی واقع فی غیر الکلام الموجب واشتراط ذٰلک لیفید فائدۃ صحیحۃ مثل ماضربنی الازیدٌ اذیصح ان لایضرب المتکلم احدٌ الازید بخلاف ضربنی الازیدٌ اذلایصح ان یضرب کلُّ واحد المتکلم الازیدًا الاأن یستقیم المعنی بان یکون الحکم مما یصح ان یثبت علی سبیل العموم نحو قولک کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عندالمضغ الاالتمساح او تکون ھناک قرینۃ دالۃ علی ان المراد بالمستثنی منہ بعضٌ معینٌ یدخل فیہ المستثنی قطعا مثل قرأت الایوم کذا ای اَوقعت القراۃ کل یوم الایومَ کذا لظھور انہ لایرید المتکلم جمیع ایام الدنیا بل ایام الاسبوع او الشھر او مثل ذٰلک

(اور وہ) یعنی حال یہ ہے کہ مستثنی واقع ہے کلام (غیر موجب میں) اور مصنف نے یہ شرط اس لئے لگائی (تاکہ کلام افادہ کرے) فائدہ صحیحہ کا (جیسے ماضربنی الازیدٌ) اس لئے کہ یہ صحیح ہے کہ متکلم کو زید کے علاوہ کوئی نہ مارے برخلاف ضربنی الازید کے اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ متکلم کو زید کے سوا ہر شخص مارے (مگر یہ کہ معنی صحیح ہو جائے) اس طرح کہ حکم اس قبیل سے ہو کہ اس کا اثبات علی سبیل العموم کرنا صحیح ہو جیسے تمہارا قول "کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عندالمضغ الاالتمساح ہر حیوان چبانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے سوائے مگرمچھ کے یا وہاں کوئی قرینہ اس بات پر دلالت کرنے والا ہو کہ مستثنی منہ سے مراد بعض معین ہیں جس میں مستثنی قطعا داخل ہے (جیسے قرأت الایوم کذا) میں نے تمام ایام میں قرات واقع کی مگر فلاں دن کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ متکلم تمام ایام دنیا کا ارادہ نہیں کر رہا بلکہ ہفتہ یا مہینہ یا انکی مثل کا ارادہ کر رہا ہے

قولہ **وھو فی غیر الموجب** :۔شارح نے اَلْحَال کے ساتھ تشریح کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے وھو فی غیرالموجب کا واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ یُعْرَبُ کے نائب فاعل سے حال ہے اور واقع کا اضافہ کر کے جار مجرور یعنی فی غیرالموجب کا متعلق بیان کر دیا ہے اور الکلام کا اضافہ کر کے الموجب کا موصوف بتایا ہے اور مصنف نے وھو فی غیرالموجب کی شرط اس لئے ضروری قرار دی ہے کہ کلام فائدہ صحیحہ کا افادہ کرے مثلا ماضربنی الازید کلام غیر موجب ہے تو یہ مفید فائدہ صحیحہ ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ متکلم کو زید کے علاوہ کسی نے نہ مارا ہو بخلاف ضربنی الازید کے کہ یہ مفید معنی صحیحہ نہیں کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ متکلم کو زید کے علاوہ ہر شخص نے مارا ہو۔ قولہ **الا ان یستقیم المعنی** :۔چونکہ مستثنی مفرغ کے کلام غیر موجب میں واقع ہونے کی شرط اس لئے تھی کہ کلام موجب میں معنی مستقیم نہیں ہوتے اس لئے مصنف فرماتے ہیں کہ اگر کلام موجب میں معنی مستقیم ہوں تو مستثنی مفرغ کلام موجب میں بھی بحسب عوامل معرب واقع ہوتا ہے اور استقامت معنی کی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ یہ کہ کلام موجب میں پایا جانے والا حکم اس قبیل سے ہو کہ اس کا افراد مستثنی منہ کے لئے علی سبیل العموم ثبوت درست ہو مع استثناء بعض کے جیسے تیرا قول **کل حیوان**

مراد یہ ہے کہ وہ مفعول کی مشابہت کی وجہ سے نہیں قولہ **کل حیوان یحرک** :۔واضح رہے کہ یہ صحت حکم علی سبیل العموم کی مثال ہے مستثنی مفرغ کی مثال نہیں کیونکہ اس میں مستثنی منہ مذکور ہے لیکن اس مثال میں مستثنی مفرغ جو کلام موجب میں واقع ہو اور اس کا حکم مستثنی منہ کے افراد کے لئے ہو اسکی مثال بھی جاری ہے بایں طور کہ اس مثال سے مستثنی منہ کو حذف کر کے کہا جائے **یحرک الفک الاسفل عند المضغ الا التمساح** پس شارح یہ مثال دیتے تو بہت ہی اچھا تھا (حقد)

قولہ **ای والحال** :۔اس تفسیر میں شارح نے تین چیزوں کو بیان کیا ہے ۱۔ یہ واؤ حالیہ ہے ۲۔ اس جملہ میں واؤ اور ضمیر برائے ربط ہیں ۳۔ ذوالحال معرب کی ضمیر ہے۔

ولقائل ان يقول كمالايستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه في الموجب في بعض الصور فربمالايستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه في غير الموجب ايضانحوما مات الازيدفينبغي ان يشرط في غير الموجب ايضااستقامةالمعنى وايضالايصح مثل قرأت الايومَ كذاالابعد تخصيص اليوم بايام الاسبوع مثلافيجوزمثل هذاالتخصيص في ضربني الا زيدبان يخصص المستثنى منه بكل واحدمن جماعةمخصوصينَ اذاكان هناك قرينةٌدالةفلا فرق بين هاتين الصورتين في كون كل واحدةمنهماجائزةمع القرينةوغيرجائزة بدونها

اور کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جیسے بعض صورتوں میں کلام موجب میں مستثنی منہ کے عموم کی تقدیر پر معنی درست نہیں ہوتا تو بسااوقات کلام غیر موجب بھی عموم مستثنی منہ کی تقدیر پر معنی درست نہیں ہوتا جیسے ما مات الا زیدٌ لہذا مناسب ہے کہ غیر موجب میں بھی استقامت معنی کی شرط لگائی جائے اور نیز قرأت الایوم کذا کی مثل صحیح نہیں مگر یوم کو مثلا ایام اسبوع کے ساتھ خاص کرنے کے بعد پس اس جیسی تخصیص ضربنی الا زیدٌ میں بھی ہو سکتی ہے اس طرح کہ مستثنی منہ کو خاص کر دیا جائے جماعت مخصوصہ میں سے ہر فرد کے ساتھ جبکہ وہاں قرینہ دالہ موجود ہو لہذا ان دونوں صورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہر ایک کے قرینہ کے ہمراہ جائز ہونے میں اور بغیر قرینہ کے ناجائز ہونے میں

یحرک فکہ الاسفل عند المضغ الا التمساح یعنی ہر حیوان چبانے کے وقت اپنے نچلے جبڑے کو حرکت دیتا ہے سوائے مگر مچھ کے کہ وہ اوپر والے جبڑے کو حرکت دیتا ہے. دوم۔ یہ کہ کلام میں ایسا قرینہ موجود ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنی منہ غیر مذکور سے ایسا بعض معین مراد ہے کہ مستثنی اس میں یقیناً داخل ہے جیسے قرأت الایوم کذا کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ متکلم کی مراد یہ نہیں کہ تمام ایام دنیا میں میں نے قرأت کی ورنہ خالص جھوٹ ہوگا بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں یا مہینہ کے تمام دنوں میں یا سال کے تمام دنوں میں میں نے قرأت کی مگر فلاں دن قرأت نہیں کی قولہ **ولقائل ان یقول**:۔ اس عبارت میں شارح نے دو سوالوں پر تنبیہ فرمائی ہے اول یہ کہ جس طرح کلام موجب میں عموم مستثنی منہ کی تقدیر پر بعض تراکیب کے معنی مستقیم نہیں ہیں جیسے ضربنی الا زیدٌ کے معنی مستقیم نہیں ہیں ایسے ہی کلام غیر موجب میں بھی عموم مستثنی منہ کی تقدیر پر بعض تراکیب کے معنی مستقیم نہیں ہوتے جیسے **مامات الا زید** اسی طرح **ماخلق الا بشر** لہذا استقامت اور صحت معنی کی شرط کلام موجب اور غیر موجب دونوں میں ہونی چاہیے مصنف نے صرف کلام موجب میں استقامت معنی کی شرط کیوں رکھی ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ **قرات الا یوم کذا** کی ترکیب اس وقت صحیح ہے جب مستثنی منہ مقدر سے ایام ہفتہ وغیرہ مراد لیے جائیں تو اسطرح کی تخصیص **ضربنی الا زید** میں بھی ہو سکتی ہے مثلا بوقت قیام قرینہ مستثنی منہ محذوف سے ایک جماعت مخصوصہ کا ہر فرد مراد ہو اور زید بھی اس جماعت کا فرد ہو پھر زید کو اس جماعت سے مستثنی کر لیا جائے جیسے کوئی مخصوص قوم کے بارے سوال کرے **ھل ضربک القوم** اور جواب میں تم کہو **ضربنی الا زید** پس ان دونوں صورتوں یعنی **ضربنی الا زید** اور **قرأت الا یوم کذا** میں کوئی فرق نہیں کہ ہر ایک قیام قرینہ کے وقت مفید معنی صحیح ہے اور جائز ہے اور عدم قرینہ کے وقت مفید معنی صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ کما ھو الظاہر پس مصنف کا ان میں فرق کرنا صحیح نہ ہوا۔

و اجیب بان المعتبر هو الغالب و الغالب فی الایجاب عدم استقامة المعنی علی العموم وفی النفی عکسه لان اشتراک جمیع افراد الجنس فی انتفاء تعلق الفعل بها و مخالفة واحد ایاها فی ذلک مما یکثر ویغلب و اما اشتراکها فی تعلق الفعل بها و مخالفة واحد ایاها فی ذلک فمما یقل کما فی المثال المذکور وبان الفرق بین قولک قرأت الایوم کذا وضربنی الا زید لیس الا بظهور قرینة دالة علی بعض معین من المستثنی منه مقطوع دخوله فیه فی الاول

اور جواب دیا گیا ہے کہ معتبر غالب ہے اور غالب کلام موجب میں عدم استقامت معنی ہے عموم مستثنی منہ کی تقدیر پر اور نفی میں اس کا عکس ہے اس لئے کہ فعل کے تمام افراد کا ان کے ساتھ فعل کے تعلق کے انتفاء میں مشترک ہونا اور اس تعلق فعل میں کسی ایک کا مخالفت کرنا کثیر اور غالب الوقوع امور میں سے ہے لیکن تمام افراد کا تعلق فعل میں مشترک ہونا اور کسی ایک اس تعلق میں مخالفت کرنا یہ ان امور میں سے ہے جو قلیل ہیں جیسا کہ مثال مذکور یعنی ماضربنی الا زید میں ہے اور اس طرح جواب دیا گیا ہے کہ تمہارا قول "قرأت الایوم کذا اور ضربنی الا زید" میں فرق پہلی مثال میں قرینہ کے ظہور سے ہی ہے جو مستثنی منہ میں سے بعض ایسے معین افراد پر دال ہے جن کا مستثنی منہ میں دخول یقینی ہے

قولہ **و اجیب**:۔ یہ پہلے سوال کا جواب ہے یعنی بیان احکام میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور کلام موجب میں بر تقدیر عموم مستثنی منہ اکثر و بیشتر معنی مستقیم نہیں ہوتے کیونکہ ایجاب بغیر قرینہ کے عموم کو قبول نہیں کرتا اور نہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تمام زمانوں کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے اس لئے کلام موجب میں استقامت معنی ضروری قرار دیا گیا اور کلام غیر موجب میں اکثر معنی صحیح ہو جاتے ہیں اس لئے وہاں استقامت معنی کی شرط ذکر نہیں کی گئی قولہ **لان اشتراک**:۔ یہ **فی النفی عکسه** کی دلیل ہے یعنی مستثنی منہ عام ہو اور کلام غیر موجب ہو تو اکثر معنی مستقیم ہوتے ہیں اس لئے کہ جنس کے تمام افراد کا انتفاء فعل میں شریک ہونا اور کسی ایک فرد کا اس انتفاء میں باقی افراد کے ساتھ شریک نہ ہونا کثیر ہے یعنی جنس کے تمام افراد سے فعل کی نفی کرنا اور کسی ایک فرد کے لئے فعل کو ثابت کرنا یہ کثیر ہے جیسے ماضربنی الا زید کلام غیر موجب ہے اور اس میں عدم ضرب میں تمام افراد انسان مشترک ہیں لیکن ایک فرد یعنی زید شریک نہیں قولہ **اما اشتراکها**:۔ یہ والغالب فی ایجاب کی دلیل ہے یعنی کلام موجب میں مستثنی منہ کے عام ہونے کی صورت میں غالب عدم استقامت معنی ہے اس لئے اس میں استقامت معنی کی شرط رکھی گئی کیونکہ جنس کے تمام افراد کا ثبوت فعل میں شریک ہونا اور کسی ایک فرد کا شریک نہ ہونا یہ قلیل ہے جیسے **قرأت الا یوم کذا** میں تمام ایام میں قرأت کو ثابت کرنا اور کسی ایک دن میں قرأت کی نفی کرنا یہ قلیل ہے اس لئے اس میں استقامت معنی شرط ہے پس جب ثبوت قرأت سے ہفتہ کے ایام وغیرہ مراد لئے گئے تو معنی مستقیم ہو گیا قولہ **وبان الفرق**:۔ یہ **بان المعتبر** پر معطوف ہے اور دوسرے سوال کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے قول **قرأت الا یوم کذا** اور **ضربنی الا زید** میں ظہور قرینہ کا فرق ہے یعنی پہلی مثال میں ایسا قرینہ ظاہر ہے جو اس بات پر دلالت کرنے والا ہے کہ مستثنی مستثنی منہ کا بعض معین ہے اور اس بعض کا مستثنی منہ میں دخول یقینی ہے اور مثال ثانی میں قرینہ ظاہر نہیں ہے یعنی پہلی مثال میں ایام دنیا کا مراد نہ ہونا بلکہ ایام اسبوع وغیرہ کا مراد ہونا ظاہر ہے پس اگر مثال ثانی میں بھی بعض معین پر قرینہ ظاہر الدلالت موجود ہو مثلاً کوئی پوچھے کہ تجھے اس قوم سے کس نے مارا جس میں کہ زید داخل ہے اور تو جواب میں کہے کہ **ضربنی الا زید** کہ مجھے اس قوم کے ہر فرد نے مارا سوائے زید کے پس ظاہر ہے کہ

وعدم ظهورها فی الثانی فلو قام فی الثانی ایضا قرینة ظاهرة الدلالة علی بعض معین کما اذا قیل مَن ضربک من القوم ای القوم الداخل فیهم زید فقلت ضربنی الا زید فالظاهر ان ذلک ایضا مما یستقیم فیه المعنی لکن الغالب عدم وجدان قرینة کذلک فی الموجب فالغالب فیه عدم استقامة المعنی ومِن ثَمّ ای ومن اجل ان المفرّغ لایکون فی الموجب الا ان یستقیم المعنی لم یَجُز مثل مازال زید الا عالما اذ معنی مازال ثبت لان نفی النفی اثبات فیکون المعنی ثبت زید دائما علی جمیع الصفات الا علی صفة العلم فلا یستقیم وقال الشارح الرضی یمکن ان تحمل الصفات علی مایمکن ان یکون زید علیها مما لایتَناقض ویستثنی من جملتها العلم او یحمل ذلک علی المبالغة فی نفی صفة العلم کانک قلت امکن ان یحصل فیه جمیع الصفات الا صفة العلم وعلی التقدیرین یندرج فی صورة الاستقامة

اور مثال ثانی میں قرینہ کا عدم ظہور ہے پس اگر مثال ثانی میں بھی بعض معین افراد پر کوئی قرینہ ظاہرۃ الدلالۃ قائم ہوجائے جیسا کہ جب کہا جائے مَن ضربک من القوم اور مراد وہ قوم ہو جسمیں زید داخل ہے تو تم کہو ضربنی الا زید تو ظاہر یہ ہے کہ یہ قول بھی مستقیم المعنی ہے لیکن غالب کلام موجب میں ایسے قرینہ کا عدم وجود ہے لہذا کلام موجب میں غالب عدم استقامت معنی ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ مستثنی مفرغ کلام موجب میں استقامت معنی کے بغیر نہیں ہوتا (مازال زید الا عالما جائز نہیں) اس لئے کہ مازال کا معنی ثبت ہے کیونکہ نفی کی نفی اثبات ہے لہذا معنی ہوگا ثبت زید دائما علی جمیع الصفات الا علی صفۃ العلم یعنی زید ہمیشہ تمام صفات کے ساتھ متصف رہا سوائے صفت علم کے اور یہ معنی درست نہیں اور شارح رضی نے کہا کہ صفات کو ان صفات پر حمل کیا جاسکتا ہے جن پر زید ہو جو متضادہ نہ ہوں اور ان کے مجموعہ سے علم کو مستثنی کر دیا جائے یا اس مثال کو صفت علم کی نفی میں مبالغہ پر محمول کیا جائے گویا کہ تم نے کہا کہ زید میں تمام صفات کا حصول ممکن ہے مگر صفت علم کا اور دونوں تقدیروں پر مثال مذکور استقامت معنی کی صورت میں داخل ہوجائیگی

یہ ترکیب بھی مستقیم المعنی ہے لیکن غالب کلام موجب میں ایسے قرینہ کا عدم وجود ہے پس اس مثال میں عدم استقامت معنی غالب ہے۔ قولہ **ومن ثم**:۔ اور اسی وجہ سے کہ مستثنی مفرغ کلام موجب میں استقامت معنی کے بغیر نہیں آتا **مازال زید الا عالما** جیسی ترکیب جائز نہیں کیونکہ ما زال بمعنی ثبت کے ہے اس لئے کہ نفی کی نفی کرنے سے اثبات ہوجاتا ہے پس مثال کے معنی ہوئے ثبت زید الخ یعنی زید ہمیشہ تمام صفات کے ساتھ متصف رہا سوائے صفت علم کے اور یہ معنی درست نہیں کیونکہ ان صفات میں صفات متناقضہ بھی ہیں مثلا قیام اور قعود نوم اور یقظہ جو جمع نہیں ہوسکتیں پس اگر زید جمیع صفات کے ساتھ متصف ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئیگا قولہ **وقال الشارح الرضی**:۔ شارح رضی کہتے ہیں کہ ما زال زید الا عالما کی ترکیب میں بھی استقامت معنی کی صورت نکلتی ہے لہذا یہ ترکیب بھی جائز ہونی چاہیے اور وہ اس طرح کہ جو صفات زید کے لئے

ولا یخفی علی المتفطن انه یمکن بمثل هذه التاویلات ارجاع جمیع المواد الایجابیۃ عند الاستثناء الی صورۃ الاستقامۃ کمایقال مثلا فی قولک ضربنی الا زیدٌ المراد کل مَن یُتصور منه الضرب من معارفک او المقصود منه المبالغۃ فی غلو المجتمعین علی ضربک واذا تعذر البدل من حیث حمله علی اللفظ ای لفظ المستثنی منه فعلی الموضع ای یحمل علی موضع المستثنی منه لا علی لفظه عملا بالمختار علی قدر الامکان

اوردانش مند پر یہ بات مخفی نہیں کہ اس طرح کی تاویلات سے تمام موادا یجابیہ کو استثناء کے وقت استقامت معنی کی صورت کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے جیسا کہ مثال کے طور پر تمہارے قول "ضربنی الا زیدٌ" میں کہا جائے کہ اس سے متکلم کی مراد ہروہ شخص ہے کہ جس سے ضرب متصور ہوسکتی ہے تمہاری جان پہچان والوں میں سے یا اس سے مقصود تمہاری مار پیٹ پر مجتمع ہونے والوں کے غلو میں مبالغہ ہو (اور جب بدل متعذر ہو) حمل کرتے ہوئے (لفظ پر) یعنی مستثنی منہ کے لفظ پر (تو اسکے محل پر) یعنی مستثنی منہ کے محل پر حمل کیا جائیگا اس کے لفظ پر نہیں عمل کرتے ہوئے مختار پر بقدر امکان

مازال زید میں ثابت ہیں ان سے ایسی غیر متناقضہ صفات مراد ہوں جن سے زید متصف ہوسکتا ہو پھر ان صفات میں سے صفت علم کو مستثنی کردیا جائے یا اس مثال کو صفت علم کی نفی میں مبالغہ پر محمول کیا جائے گویا کہ تم نے یہ کہا کہ زید میں تمام صفات کا پایا جانا ممکن ہے سوائے صفت علم کے یعنی زید کیلئے صفت علم کی صلاحیت اور قابلیت بالکل نہیں ہے اور دونوں تقدیروں پر مثال مذکور کا معنی درست ہوجائے گا۔ اور یہ مثال مستقیم المعنی ہوجائیگی قولہ **ولا یخفی**:۔ شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر شارح رضی کی یہ تاویلات تسلیم کرلی جائیں تو کسی ذی شعور اور دانشمند پر یہ بات مخفی نہیں کہ اس قسم کی تاویلات سے تو کلام موجب کے تمام مواد کو بوقت استثناء استقامت معنی کی طرف لے جانا ممکن ہے مثلا ضربنی الا زید کے متعلق کہا جائے کہ متکلم کی مراد یہ ہے کہ میرے آشناؤں میں سے جن سے ضرب متصور ہے ہر شخص نے مجھے ضرب لگائی سوائے زید کے یا اس سے مقصود پٹائی کرنے والوں کے غلو میں مبالغہ ہو لہذا شارح رضی کا اعتراض درست نہیں اور حق وہی ہے جو مصنف نے کہا ہے۔ قولہ **واذا تعذر البدل**:۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اولا مستثنی کا اعراب وجوبا بیان کیا پھر جوازا پھر اعراب بحسب عوامل، اب فرماتے ہیں کہ جب مستثنی منہ کے لفظ سے بدل بنانا متعذر ہو تو اسکے موضع پر حمل کیا جائیگا یعنی مستثنی منہ کے محل سے بدل بنایا جائیگا مصنف پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس نے تعذر کا صلہ علی ذکر کیا ہے حالانکہ تعذر کا صلہ باء آتا ہے پس شارح نے من حیث حملہ کا اضافہ کرکے اس کا جواب دیا کہ کلمہ علی تعذر کا صلہ نہیں بلکہ یہ حمل کا صلہ ہے اور ای **لفظ المستثنی منه** کے ساتھ تفسیر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللفظ کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور ای یحمل سے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ مصنف کا قول **فعلی الموضع** بواسطہ متعلق محذوف کے شرط کی جزا ہے کیونکہ جزا جملہ ہوا کرتی ہے اور موضع پر حمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بقدر امکان مذھب مختار پر عمل ہوجائے جیسے ما جاءنی من احد الا زید میں زید پر رفع پڑھا گیا ہے من احد کے

قولہ **علی قدر الامکان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ جب مستثنی کلام الا کے بعد واقع ہو تو بدل بنانا مختار ہے اور مستثنی کا نصب استثناء کی بنا پر جائز ہے لہذا مثال مذکور میں اگر زید کو احد کے لفظ سے بدل بنانا متعذر ہے جسکی وجہ متن میں آرہی ہے تو اسکو بنا بر مستثنی منصوب کیوں نہیں قرار دیا جاتا۔ شارح نے جواب دیا کہ مثال مذکور میں زید کو احد کے لفظ سے بدل بنانا گو متعذر ہے مگر احد کے محل سے بدل بنانا متعذر نہیں اس لئے محل سے بدل بنایا گیا تا کہ بقدر امکان مختار پر عمل ہوجائے۔

مثل ماجاء نی من احد الا زیدٌ فزید بَدَل مرفوع محمول علی موضع احد لامجرور محمول علی لفظه ومثل لا احَدَ فیها ای فی الدار الا عمرو فعمرو مرفوع محمول علی محل احد لاعلی لفظه ومثل ما زیدٌ شیئًا الا شیئٌ لایُعبأبه ای لایعتد به فشیئ مرفوع محمول علی محل شیئًا لامنصوب محمول علی لفظه وقوله لایُعبأبه لیس فی کثیر من النُسَخ وعلی ماوقع فی بعضها فهو صفة شیئ المستثنی قیل انما وَصَفه به لئلا یلزم استثناء الشئ من نفسه ولایخفی انه لو جعل المستثنی منه شیئًا اعمّ من ان یزید علیه صفة غیر الشیئیة اولا وخُصّ المستثنی بما لایزید علیه صفة غیر الشیئیة لکان ادق والطف

(جیسے ماجاء نی من احد الا زیدٌ) پس زید بدل مرفوع ہے محمول ہے احد کے محل پر نہ مجرور محمول ہے احدٌ کے لفظ پر (اور) جیسے (لا احدَ فیہا) یعنی دار میں (الا عمرو) پس عمرو مرفوع ہے احد کے محل پر محمول ہے اس کے لفظ پر نہیں (اور) جیسے (ما زیدٌ شیئًا الا شیئٌ لایُعبأ بہ) ای لایُعتد بہ یعنی قابل توجہ نہیں تو شیئ مرفوع ہے شیئًا کے محل پر محمول ہے نہ منصوب کہ شیئًا کے لفظ پر محمول ہے اور مصنف کا قول "لایعبأ بہ" بہت سے نسخوں میں نہیں ہے اور بعض نسخوں کی بنا پر جن میں واقع ہے پس وہ شیئ مستثنیٰ کی صفت ہے کہا گیا ہے کہ مصنف نے شیئ کو لایعبأ بہ سے اس لئے متصف کیا ہے کہ شیئ کا اپنی ذات سے استثناء لازم نہ آئے اور مخفی نہ رہے کہ مثال مذکور میں اگر مستثنیٰ منہ کو ایک ایسی شیئ قرار دیا جائے جو اس سے عام ہو کہ اس پر شیئ ہونے کے علاوہ کسی صفت کا اضافہ کریں یا نہ اور مستثنیٰ کو ایسی چیز کے ساتھ خاص کیا جائے کہ اس پر شیئ ہونے کے علاوہ کسی صفت کا اضافہ نہ کریں تو یہ صورت زیادہ دقیق اور

موضع پر حمل کرتے ہوئے کہ وہ بنا بر فاعل موضع رفع میں ہے اور من احد کے لفظ سے بدل بنانا متعذر ہے جس کی وجہ آ رہی ہے۔ قولہ **ولا احد فیہا الا عمرو**:۔ شارح نے لفظ مثل بڑھا کر یہ بتایا ہے کہ یہ مثل ماجاءنی پر معطوف ہے اور ای فی الدار کے ساتھ تفسیر کر کے ضمیر مجرور کا مرجع بتایا ہے یعنی اس مثال میں عمرو مرفوع ہے اس بنا پر کہ احد کے محل پر محمول ہے اس لئے کہ لفظ احد مبتدا ہے جو صفت عموم کی وجہ سے نکرہ مخصصہ ہے اور احد کے لفظ پر محمول نہیں اور ما زیدٌ شیئًا الا شیئٌ لایعبأ بہ میں لفظ شیئ مرفوع ہے شیئًا کے محل پر محمول ہو کر اس کے لفظ پر محمول ہو کر منصوب نہیں۔ قولہ **وقولہ لایعبأ بہ**:۔ اور مصنف کا قول **لایعبأ بہ** بمعنی لایُعتد بہ ہے یعنی نا قابل اعتبار اور یہ جملہ کافیہ کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے اور یہ جن نسخوں میں ہے تو یہ جملہ ترکیب میں شیئ مستثنیٰ کی صفت ہے اور صفت لانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ صفت نہ لانے کی صورت میں مثال مذکور میں شیئ کا اپنی ذات سے استثناء لازم آئیگا جو کہ صحیح نہیں لیکن صفت لانے سے شیئ ثانی خاص ہو جائیگی جس کا شیئًا سے استثناء درست ہوگا۔ قولہ **ولایخفی**:۔ شارح فرماتے ہیں کہ جن نسخوں میں لایعبأ بہ کی قید نہیں ہے ان کے پیش نظر بھی استثناء الشیئ من نفسہ کا وہم نہیں ہو سکتا اگر مستثنیٰ منہ سے ایسی شیئ مراد لی جائے جو عام ہو اس سے کہ اس پر شیئیت کی صفت کے علاوہ کسی دوسری صفت مثلاً تعظیم وتحقیر کا اضافہ کریں یا نہ کریں اور مستثنیٰ خاص ہو ایسی شیئ کے ساتھ کہ جس پر شیئیت کے علاوہ کسی دوسری صفت کا اضافہ نہ کریں تو یہ ادق ہوگا کہ اس کے جاننے میں تامل کثیر کی ضرورت ہوگی اور الطف ہوگا کہ لایعبأ بہ کی قید

قولہ **لو جعل**:۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیئ مستثنیٰ منہ میں تنوین تعظیم کیلئے اور شیئ مستثنیٰ میں تحقیر کیلئے ہو تو اس سے بھی استثناء الشیئ من نفسہ لازم نہیں آئیگا

وانما تعذّر البدل علی اللفظ فی الصورة الاولی لان مِن الاستغراقیة لاتزاد اتفاقا بعد الاثبات ای بعد ما صار الکلام مثبتا لانتقاض النفی بالّا لانها لتاکید النفی ولانفیَ بعد الانتقاض فلو اُبدل علی اللفظ وقیل ماجاء نی من احد الا زیدٍ بالجر لکان فی قوة قولنا جاء نی من زیدٍ فلزم زیادة من فی الاثبات وذلک غیر جائز وفی الصورتین الاخیرتین لانه لو اُبدل المستثنی علی اللفظ وقیل لا احد فیها الا عمرا بالنصب لان فتحتَه شبیهة بالحرکة الاعرابیة لانها حصلت بکلمة لا

لطیف ہوگی اور پہلی صورت میں بدل علی اللفظ اس لئے متعذر رہا (کہ مِن استغراقیہ نہیں زائدہ کیا جاتا ہے) بالاتفاق (اثبات کے بعد) یعنی کلام کے مثبت ہو جانے کے بعد الا کے ساتھ نفی ٹوٹ جانے کی وجہ سے کیونکہ مِن استغراقیہ نفی کی تاکید کیلئے ہے اور ٹوٹ جانے کے بعد نفی نہیں ہے پس اگر لفظ پر بدل لایا جائے اور ماجاءنی من احد الا زید، جر سے بولا جائے تو یہ ہمارے قول "جاءنی من زید" کی قوت میں ہوگا پس مِن کی زیادتی کلام مثبت میں لازم آئیگی اور وہ ناجائز ہے اور آخری دو صورتوں میں تعذر بدل کی یہ وجہ ہے کہ اگر مستثنیٰ کو لفظ پر محمول کرتے ہوئے بدل لایا جائے اور لا احد فیہا الا عمرا کہا جائے نصب کے ساتھ کیونکہ احد کا فتحہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ وہ کلمہ لا سے حاصل ہوا ہے

کے ساتھ مقید کرنے کی ضرورت نہیں پڑیگی قولہ **وانما تعذر البدل** :۔اس عبارت میں شارح نے یہ بتایا کہ مصنف کا قول **لان من لاتزاد** الخ یہ دعوی مقدر کی دلیل ہے یعنی پہلی صورت میں لفظ پر حمل کرکے بدل بنانا اس لئے متعذر ہے کہ مِن استغراقیہ اثبات کے بعد بالاتفاق نہیں بڑھایا جاتا یعنی جب الا کے ساتھ نفی ٹوٹ جانے کے باعث کلام مثبت ہو جائے تو مِن استغراقیہ نہیں آتا کیونکہ مِن استغراقیہ اپنے مجرور کی نفی کی تاکید کیلئے آتا ہے جیسے ماجاءنی من رجل وامرأة اور نفی تو الا کی وجہ سے ختم ہوگئی ہے اور کلام مثبت ہوگیا ہے پس اگر ماجاءنی من احد الا زیدٌ میں زید کو احد کے لفظ سے بدل بنایا جائے اور زید کو مجرور پڑھا جائے تو یہ جاءنی مِن زید کی قوت میں ہوگا کہ بدل میں تکرار عامل ہوتا ہے اور عامل کلمہ مِن ہے پس کلام مثبت میں مِن کا زیادہ ہونا لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں اور اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر لفظ مِن مقدر مانا جائے تو ماجاءنی من احد الا زید کی تقدیر جاءنی من زید ہوگی حالانکہ مِن استغراقیہ کسی شخص کے نام کے ساتھ زائد نہیں کیا جاتا کہ یہ صرف کلی حرف پر داخل ہوتا ہے اور زید کلی نہیں قولہ **وفی الصورتین** :۔اور آخری دو صورتوں یعنی لا اَحد فیہا الا عمرو اور ما زیدٌ شیأ الا شیٌ لا یُعبأ بہ میں مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا اس لئے متعذر ہے کہ پہلی مثال میں اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنا کر لا اَحد فیہا الا عمرا بولا جائے یعنی عمرو کو نصب پڑھا جائے کہ اَحد جو مستثنیٰ منہ ہے اس کا فتحہ حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے کیونکہ وہ فتحہ کلمہ لا کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ فتحہ اس نصب کی شکل ہے جو عامل سے حاصل ہوتا ہے پس مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانے کی صورت میں کلمہ لا کی تقدیر حقیقۃً یا حکماً ضروری ہے تاکہ کلمہ لا لفظ عمرو میں وہی عمل کرے جو مستثنیٰ منہ یعنی لفظ احد میں کیا ہے یعنی کلمہ لا عمرو کو مبنی بنادے اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ معرفہ کلمہ لا کے بعد مبنی نہیں بنایا جاتا اسی طرح دوسری مثال یعنی ما زیدٌ شیأ الا شیٌ لا یُعبأ بہ میں کلمہ ما کی تقدیر ضروری ہے تاکہ کلمہ ما مستثنیٰ میں وہی عمل کرے جو مستثنیٰ منہ میں کیا ہے اور کلمہ لا اور ما کی تقدیر جائز نہیں یعنی کلمہ لا اور کلمہ ما مقدر نہیں کئے جاتے۔

قولہ **الاستغراقیة** :۔مصنف نے کلمہ مِن کو استغراقیہ کے ساتھ مقید نہیں کیا کیونکہ مصنف کا استدلال جمہور کے مذہب پر مبنی ہے جن کے نزدیک کلمہ مِن اثبات میں نہیں آتا لیکن اخفش کے نزدیک آتا ہے اور شارح نے مِن کو استغراقیہ کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ ماجاءنی من احد الا زیدٌ عدم زیادت مِن کی متفق علیہ مثال بن جائے۔

فهي كالنصب الحاصل بالعامل فلابد من تقدير لاحقيقة او حكما لتعمل فيه هذا العمل و كذا في قوله مازيد شيئا الاشيء لو حمل المستثنى على لفظ المستثنى منه لابد من تقدير ما كذلك لتعمل فيه وما و لا لا تقدران لا حقيقة اذا لم يكن البدل الا بتكرير العامل و لا حكما اذا اكتفى بدخوله على المبدل منه واعتبر سرايت حكمه اليه فانه في قوة التقدير حال كونهما عاملتين في المستثنى المحمول على البدل بعده اى بعد الاثبات يعني بعدما صار الكلام مثبتا لانتقاض النفي بالا لانهما اى ما و لا عَمِلَتا للنفي وقد انتقض النفي بالا وحيث تعذر في هاتين الصورتين البدل على اللفظ حُمل على المحل فعمرو مرفوع على انه محمول على محل احد وهو الرفع بالابتداء

پس وہ فتحہ نصب کی مانند ہوا جو کہ عامل سے حاصل ہوتا ہے تو اس وقت مستثنیٰ میں حقیقۃً یا حکماً لا کا مقدر کرنا ضروری ہوگا تا کہ کلمہ لا بدل میں یہی عمل کرے اور اسی طرح قائل کے قول "مازید شیئا الا شیئ" میں اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ پر محمول کیا جائے تو اس میں لفظ ما کی تقدیر ضروری ہوگی تا کہ وہ مستثنیٰ میں عمل کرے (حالانکہ ما اور لا مقدر نہیں کئے جاتے) نہ حقیقۃً جبکہ بدل نہ ہو مگر تکرار عامل کے ساتھ اور نہ حکماً جبکہ عامل کے دخول سے مبدل منہ پر اکتفاء کیا جائے اور بدل کی طرف عامل کے حکم کی سرایت کا اعتبار کیا جائے کہ یہ اکتفاء تقدیر کی قوت میں ہے حال ہونے ما اور لا کے (عمل کرنے والے) اس مستثنیٰ میں جو بدل پر محمول ہے (اس کے بعد) یعنی اثبات کے بعد یعنی بعد اسکے کہ کلام مثبت ہوگیا کلمہ الا سے نفی ٹوٹ جانے کے بعد (اس لئے کہ دونوں نے) یعنی ما اور لا نے (عمل کیا نفی کی وجہ سے حالانکہ نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی) اور جب ان دونوں صورتوں میں بدل علی اللفظ متعذر ہوگیا تو محل پر محمول کیا گیا پس عمرو مرفوع ہے اس بنا پر کہ احد کے محل پر محمول ہے اور وہ رفع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے

قولہ لا حقیقۃ: ۔شارح علیہ الرحمۃ نے اس عبارت میں نحات کے مابین ایک اختلاف کو بیان کیا ہے وہ اختلاف یہ ہے کہ بعض کے نزدیک بدل میں حقیقۃً تکرار عامل ہے لہذا انکے نزدیک بدل میں عامل حقیقۃً مکرر ہو کر وہی عمل کرتا ہے جو مبدل منہ میں کیا ہے پس ان کے نزدیک سُلِب زید ثوبہ سُلِب زید، سُلِب ثوبہ کی قوت میں ہے اور بعض کے نزدیک عامل حقیقۃً مکرر نہیں ہوتا بلکہ حکماً مکرر ہوتا ہے یعنی مبدل منہ کے عامل کا اثر بدل تک سرایت کر جاتا ہے۔شارح فرماتے ہیں کلمہ لا اور ما کو نہ حقیقۃً مقدر کیا جا سکتا ہے اور نہ حکماً کہ وہ بھی تقدیر عامل کی قوت میں ہوتا ہے۔**قولہ حال کونھما:** ۔شارح نے اس اضافی عبارت سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول "عاملتین" اس کے قول تقدران کے نائب فاعل سے حال ہے یعنی کلمہ الا کے ساتھ نفی کے ٹوٹ جانے اور کلام کے مثبت ہو جانے کے بعد کلمہ ما اور لا مستثنیٰ میں عامل ہو کر مقدر نہیں کئے جا سکتے کیونکہ ما مشابہ بلیس اور لائے نفی جنس دونوں معنی نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں حالانکہ نفی تو الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے تو پھر یہ کیسے بدل میں عمل کریں گے پس جب ان دونوں صورتوں میں مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا متعذر رہا تو مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل بنایا گیا لہذا عمرو اس بنا پر مرفوع ہے کہ احد کے محل پر محمول ہے اور وہ محل ابتدا کی وجہ سے رفع ہے اور دوسری مثال میں شیئ مرفوع ہے اس بنا پر کہ وہ شیأ کے محل پر محمول ہے اور شیأ کا محل

وشی مرفوع علی انه محمول علی محل شیئاً وهو الرفع بالخبریة فان قلت لاحد فی هذا المثال محلان من الاعراب محلٌ قریب وهو نصبه بکلمة لا ومحل بعید وهو رفعه بالابتداء فلم اعتبروا حمله علی محله البعید لا القریب قلت لان محله القریب انما هو لعمل لا فیه بمعنی النفی وقد انتقض بالا بخلاف محله البعید فانه لادخل لعمل لا فیه بخلاف لیس زید شیئاً الا شیئاً مع انه انتقض النفی فیه ایضا بالا لانها ای لیس عَمِلت للفعلیة لا للنفی فلا اثر لنقض معنی النفی فی عملها لبقاء الامر العاملة هی ای لیس لاجله ای لاجل ذلک الامر وهو الفعلیة

اور شیٔ مرفوع ہے اس بنا پر کہ یہ شیئاً کے محل پر محمول ہے جو خبر ہونے کی وجہ سے رفع ہے پس اگر تم کہو کہ لفظ احد کیلئے اس مثال میں اعراب سے دو محل ہیں ایک محل قریب اور وہ کلمہ لا کی وجہ سے نصب ہے اور ایک محل بعید ہے اور وہ اسکا رفع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے پس نحویوں نے اسکے محل بعید پر حمل کا اعتبار کیا محل قریب پر کیوں نہیں کیا تو ہم جواب دینگے کہ اس کا محل قریب اس میں لا بمعنی نفی کے عمل کی وجہ سے ہے جبکہ نفی لفظ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے برخلاف اسکے محل بعید کے اس میں لا کے عمل کا کوئی دخل نہیں (برخلاف لیس زید شیئاً الا شیئاً کے) باوجود اس بات کے کہ اس میں نفی کلمہ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے (کیونکہ یہ) یعنی لیس اس نے (عمل کیا فعلیت کی وجہ سے) نفی کی وجہ سے نہیں (لہٰذا) لیس کے عمل میں (نفی کے) معنی کے (ٹوٹنے کا اثر نہیں بوجہ باقی رہنے اس چیز کے جس کی وجہ سے وہ عامل ہے) یعنی لیس بوجہ باقی رہ جانے اس امر کے اور وہ لیس کی فعلیت ہے

خبر ہونے کی بنا پر رفع ہے۔ قولہ **فان قلت** :۔ یہاں سے شارح ایک اعتراض کر کے اس کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ لا احد فیها الا عمرو میں لفظ اُحد کے بلحاظ اعراب دو محل ہیں۔ اول۔ محل قریب جو کلمہ لا کی وجہ سے نصب ہے۔ دوم۔ محل بعید جو مبتدا ہونے کی بنا پر رفع ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اُحد کے محل بعید پر حمل کر کے عمرو کو رفع پڑھا گیا ہے اور محل قریب پر حمل کر کے نصب نہیں پڑھا گیا۔ جواب یہ ہے کہ اُحد کے محل قریب میں لا نافیہ کا عمل دخل ہے اور جب الا استثنائیہ کی وجہ سے نفی نہ رہی بلکہ کلام مثبت ہو گیا تو اُحد کا محل قریب قابل اعتبار نہ رہا اس لئے محل قریب پر حمل نہیں کیا گیا بخلاف محل بعید کے کہ وہ معتبر ہے کیونکہ اس میں کلمہ لا کی نفی کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ اُحد مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اس لئے اسکا اعتبار کیا گیا ہے اور عمرو کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ قولہ **بخلاف لیس زید شیئا** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لیس زید شیئاً الا شیئاً میں بھی الا کی وجہ سے نفی ٹوٹ گئی ہے اور کلام مثبت ہو گیا ہے تو یہاں محل قریب پر حمل کر کے مستثنیٰ کو نصب کیوں دیا گیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ کلمہ لا نافیہ اور کلمہ لیس کے مابین فرق ہے اور وہ یہ کہ کلمہ لا معنی نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور جب الا استثنائیہ سے نفی ٹوٹ گئی تو وہ عامل نہ رہا لیکن کلمہ لیس فعلیت کی بنا پر عمل کرتا ہے کہ یہ فعل ماضی ہے اصل میں لَیِسَ بروزن عَلِمَ تھا عین کلمہ کو برائے تخفیف ساکن کیا تو لیس ہوا یہ نفی کی بنا پر عمل نہیں کرتا ہے لہٰذا معنی نفی کا ٹوٹ جانا لیس کے عمل میں مؤثر نہیں کہ یہ عامل نہ رہے کیونکہ جس امر کی وجہ سے لیس عامل ہے یعنی اس کا فعل ہونا وہ باقی ہے۔ اس لئے کہ لیس ما کان کی قوت میں ہوتا ہے تو لیس زید الا قائما ما کان زید الا قائما کی قوت میں ہوا اور الا سے نفی ٹوٹ جانے کے بعد وہ کون جو معنی فعلی ہے وہ باقی رہا اور اثبات نے اس کو ختم نہیں کیا لہٰذا کلام کے مثبت ہو جانے کے باوجود جب لیس عامل رہا تو اسکے محل قریب سے بدل بناتے ہوئے شیئاً کو

ومن ثَمّ ای ومن اجل اَنّ عمل لیس للفعلیة لا للنفی وعمل ما ولا بالعکس **جاز لیس زیدٌ الا قائماً** باعمال لیس فی قائماً وان انتقض نفیُها بالا لبقاء فعلیتها **وامتنع ما زیدٌ الا قائماً** باعمال ما فی قائماً لان عملها فیه انما هو للنفی وقد انتقض النفی بالا والمستثنی **مخفوضٌ** ای مجرور **بعد غیر وسِویٰ** مع کسر السین او ضمها مع القصر **وسَواء** بفتح السین او کسرها مع المد لکونه مضافا الیه **وبعدَ حاشا فی الاکثر** لکونها حرف جر فی اکثر استعمالاتهم واجاز بعضهم النصب بها علی انها فعلٌ متعدٍ فاعله مُضمر ومعناها تُبرِیۃ المستثنی عما نُسِب الی المستثنی منه نحو ضَرَب القوم عمرا حاشا زیدا ای بَرَّأہ اللہ عن ضرب عمرو

(اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے نفی کی وجہ سے نہیں اور ما ولا کا عمل برعکس ہے (لیس زید الا قائما جائز ہے) لیس کو قائما میں عمل دینے کی وجہ سے اگرچہ اس مثال میں نفی کلمہ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے بوجہ باقی رہنے لیس کی فعلیت کے (اور ما زید الا قائما ممتنع ہے) عمل دیتے ہوئے کلمہ ما کو قائما میں اس لئے کہ قائما میں ما کا عمل نفی کیلئے ہے اور نفی کلمہ الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے (اور) مستثنیٰ (مخفوض ہے) یعنی مجرور ہے (غیر اور سوا کے بعد) جو سین کے کسرہ سے ہے یا ضمہ سے الف مکسورہ سے (اور سواء کے بعد) سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہمراہ مد کے مستثنیٰ کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے (اور حاشا کے بعد اکثر میں) کیونکہ عرب کے اکثر استعمالات میں حاشا حرف جر ہے اور بعض نحویوں نے حاشا کے ساتھ نصب کو جائز رکھا ہے اس بنا پر کہ وہ فعل متعدی ہے جس کا فاعل مضمر ہے اور حاشا کا معنی مستثنیٰ کو اس کام سے بری قرار دینا ہے جو مستثنیٰ منہ کی جانب منسوب ہے جیسے ضرب القوم عمرا حاشا زیدا یعنی قوم نے عمرو کو مارا مگر اللہ تعالیٰ نے زید کو عمرو کے مارنے سے پاک رکھا

منصوب پڑھنا درست ہوا۔ **قولہ ومن ثم**:۔ اور اسی وجہ سے کہ کلمہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے اور ما ولا کا عمل نفی کی وجہ سے ہے یہ ترکیب جائز ہے (لیس زید الا قائما) یعنی نفی ٹوٹ جانے کے باوجود لیس کا بنا بر خبریت قائما کو نصب دینا جائز ہے کیونکہ لیس کی فعلیت باقی ہے لیکن ما زید الا قائما کی ترکیب ناجائز اور ممتنع ہے یعنی کلمہ ما کو قائما میں عامل قرار دینا ممتنع ہے اس لئے کہ کلمہ ما کا عمل نفی کی وجہ سے تھا اور نفی تو الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے۔

قولہ ومخفوض:۔ شارح نے المستثنیٰ کا اضافہ کر کے اس امر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول **مخفوض** اس کے قول **منصوب** پر معطوف ہو کر المستثنیٰ کی خبر ہے یعنی مستثنیٰ درج ذیل کلمات کے بعد مجرور ہوتا ہے ۱۔ غیر کے بعد ۲۔ سوی جو سین کے کسرہ یا ضمہ کے ساتھ ہے اور آخر میں الف مقصورہ ہے۔ ۳۔ سواء جو سین کے فتحہ یا کسرہ اور مد کے ساتھ ہے اسکے آخر میں الف ممدودہ ہے ان تینوں کے بعد مستثنیٰ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے۔ ۴۔ حاشا کے بعد اکثر استعمالات میں اسلئے کہ عرب کے اکثر استعمالات میں حاشا بطور حرف جر استعمال کیا جاتا ہے اور بعض نحات نے کلمہ حاشا کے ساتھ نصب کو بھی جائز رکھا ہے اس بنا پر کہ یہ فعل متعدی ہے اور اس کا فاعل مضمر ہے اور اس کا معنی مستثنیٰ کو اس کام سے بری کرنا ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہے جیسے ضرب القوم عمرا حاشا زیدا یعنی قوم نے عمرو کو مارا مگر اللہ تعالیٰ نے زید کو مارنے سے پاک رکھا پہلا قول قوی ہے اس وجہ سے کہ حاشا پر یائے متکلم نون وقایہ کے بغیر داخل ہوتی ہے جیسے حاشای اگر یہ فعل ہوتا تو نون وقایہ کے بغیر اس پر یاء متکلم

واعراب غیرفیہ ای فی الاستثناء دون الصفۃ اذھوحؔ باعراب موصوفہ کاعراب المستثنیٰ بالا علی التفصیل المذکور فیماسَبَق فکانہ لمّاانجربہ المستثنیٰ للاضافۃ انتقل اعرابہ الیہ وغیر ای کلمۃ غیرفی الاصل صفۃ لدلالتھا علی ذات مبھمۃ باعتبار قیام معنی المغایرۃ بھا فالاصل فیھا ان تقع صفۃ کما تقول جاء نی رجل غیرزید و استعمالھا علی ھذا الوجہ کثیرفی کلام العرب لکنھا حُمِلت علی اِلا واستعملت مثلھا فی الاستثناء علی خلاف الاصل و ذٰلک لاشتراک کل منھما فی مغایرۃ مابعدہ لِماقبلہ کماحُملت اِلا علیھا ای علی کلمۃ غیر

(اوراس میں غیرکا اعراب) یعنی استثناء میں نہ صفت میں کیونکہ صفت ہونے کی صورت میں غیراپنے موصوف کے اعراب کے ساتھ معرب ہوتا ہے (مستثنیٰ بالا کے اعراب کی مانند ہے) اسی تفصیل پر جو ماسبق میں گذرچکی ہے تو گویا جب مستثنیٰ غیر کے ساتھ اضافت کی وجہ سے مجرور ہوا تو مستثنیٰ کا اعراب لفظ غیر کی جانب منتقل ہو گیا (اور غیر) یعنی کلمہ غیر اصل میں (صفت ہے) بوجہ دلالت کرنے اس کے ذات مبہمہ پر باعتبار قائم ہونے معنی مغایرت کے اسکے ساتھ تو اصل لفظ غیر میں یہ ہے کہ وہ صفت واقع ہو جیسے تم کہو جاء نی رجل غیرزید اوراس طریقہ پر غیرکا استعمال کلام عرب میں کثیر ہے لیکن وہ (الا پر محمول کیا گیا ہے) اورالا کی طرح استعمال کیا گیا ہے (استثناء میں) اپنی اصل کے برخلاف اور یہ حمل ان میں اشتراک کی وجہ سے ہے اس میں کہ ہرایک کا مابعد اسکے ماقبل کا مغایر ہے (جس طرح کہ حمل کیا گیا ہے الا، غیرپر) یعنی کلمہ غیر پر

داخل نہ ہوتی۔ **قولہ واعراب غیرفیہ:** ۔اورکلمہ غیر کا اعراب باب استثناء میں نہ صفت میں کیونکہ غیر صفتیہ کا اعراب موصوف والا ہوتا ہے یعنی باب استثناء میں کلمہ غیر کا اپنا اعراب مستثنیٰ بالا والا ہوتا ہے اسی تفصیل پر جو مستثنیٰ بالا کے ذکر میں گذرچکی ہے وجہ یہ ہے کہ جب کلمہ غیر کا مابعد مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گیا تو گویا کہ مستثنیٰ کا اعراب لفظ غیر کی طرف منتقل کردیا گیا جس طرح کہ عبداللہ میں اسم جلالت کا اعراب لفظ عبد کی طرف منتقل کردیا گیا ہے۔لہٰذا غیر کا اپنا اعراب مستثنیٰ بالا کی طرح ہو گیا۔ **قولہ غیرصفۃ :** ۔شارح نے لفظ غیر سے پہلے لفظ کلمہ مقدر کیا ہے تاکہ یہ یعنی کلمہ غیر مبتدا بن سکے اور فعل حملت کی ضمیر مؤنث اس کی جانب لوٹ سکے یعنی کلمہ غیر اصل میں صفت ہے کیونکہ اس اعتبار سے کہ اس کے ساتھ مغایرت کے معنی قائم ہیں وہ ذات مبہمہ پر دلالت کرتا ہے اور صفت بھی ذات مبہمہ پر دلالت کرتی ہے پس اصل کلمہ غیر میں یہ ہے کہ وہ صفت واقع ہو جیسے جاء نی رجل غیرزید میں غیر رجل کی صفت واقع ہو رہا ہے اور کلمہ غیر کا استعمال اسی صفت کے معنی میں لغت عرب میں کثیر ہے لیکن کلمہ غیر اپنے اصل کے خلاف کلمہ الا استثنائیہ پر حمل کرنے کے بعد باب استثناء میں الا کی طرح بھی استعمال کیا گیا ہے اس وجہ سے کہ الا اور غیر میں اشتراک فی المغایرۃ ہے یعنی دونوں کا مابعد ان کے ماقبل کا مغایر ہوتا ہے جس طرح کہ مناسبت مذکورہ کی وجہ سے صفت میں کلمہ الا کو غیر پر محمول کیا گیا ہے۔

قولہ فکانہ:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لفظ غیر کلمہ الا کے قائم مقام اور اسکے معنی میں ہے لہٰذا وہ الا کی طرح مستثنیٰ کے اعراب کیلئے واسطہ ہونا چاہیے خود اس پر اعراب کیوں آیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ غیر لازم الاضافت ہے پس جب مستثنیٰ لفظ غیر کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گیا تو مستثنیٰ کا اعراب غیر پر جاری کردیا گیا جس طرح کہ عبداللہ میں اسم جلالت کا اعراب لفظ عبد کو دے دیا گیا ہے۔﴿فائدہ﴾کلمہ غیر اگر لفظ کی تاویل میں کیا جائے تو یہ منصرف پڑھا جائیگا اور اگر اسکو علمیت کی تاویل میں کیا جائے تو علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف پڑھا جائیگا لہٰذا اعراب غیر فیہ میں لفظ غیر کو مجرور با تنوین اور منصوب بلا تنوین دونوں طرح پڑھ سکتے

فی الصفة لکن لاتحمل علیها فی الصفة غالبا الا اذا کانت ای الا تابعة لجمع ای واقعة بعد متعدد فوجب ان یکون موصوفها مذکورا لا مقدرا کما قد یکون مقدرا فی غیر مثل جاء نی غیرُ زیدٍ وبعدما کان مذکورا یکون متعددا لیوافق حالُها صفةً حالَها اداة استثناء اذ لابد لها فی الاستثناء من مستثنی منه متعدد فلا تقول فی الصفة جاء نی رجلٌ الا زیدٌ والمتعدد اعم من ان یکون جمعا لفظا کرجال او تقدیرا کقوم ورَهط وان یکون مثنی فدخل فیه نحو ما جاء نی رجلان الا زیدٌ منکور ای منکّر لا یعرّف باللام حیث یراد به العهد او الاستغراق فیعلم التناول قطعا علی تقدیر

(صفت میں) لیکن نہیں حمل کیا جاتا لفظ الا ، غیر پر صفت میں غالبا مگر (جبکہ ہو) یعنی الا (جمع کے تابع) یعنی جو متعدد کے بعد واقع ہو تو واجب ہے کہ اسکا موصوف مذکور ہو مقدر نہ ہو جیسا کہ غیر کا موصوف بھی مقدر ہوتا ہے جیسے جاء نی غیر زید اور بعد اسکے کہ الا کا موصوف مذکور ہو وہ متعدد ہوتا کہ الا کے صفت ہونے کے وقت کا حال اسکے حرف استثناء ہونے کے حال کے موافق ہو جائے کیونکہ استثناء میں استعمال ہونے کی صورت میں اس کے لئے مستثنی منہ متعدد ضروری ہے لہذا الا کے صفت ہونے کی صورت میں تم جاء نی رجل الا زید نہیں کہو گے اور متعدد عام ہے کہ وہ لفظا جمع ہو جیسے رجال یا تقدیرا جیسے قوم اور رہط یا تثنیہ ہو پس جمع میں ما جاء نی رجلان الا زید کا مثل داخل ہو گیا (جو منکور ہو) یعنی نکرہ ہو معرف باللام نہ ہو کیونکہ اس لام سے عہد کا یا استغراق کا ارادہ کیا جائیگا پس استغراق کی صورت میں مستثنی منہ کا مستثنی کو شامل ہونا قطعا معلوم ہو جائیگا.

قولہ لکن لاتحمل: یعنی لفظ الا صفت میں کلمہ غیر پر اسوقت محمول کیا جائیگا جبکہ الا جمع منکور کا تابع ہو یعنی متعدد کے بعد واقع ہو اور یہاں پر تابع سے لغوی تابع مراد ہے اور جمع سے بھی لغوی جمع یعنی متعدد مراد ہے اور چونکہ صفت میں کلمہ غیر اصل ہے اور الا اسکی فرع ہے اور فرع کا حال اصل سے ادنی ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ الا صفتیہ کا موصوف مذکور ہو مقدر نہ ہو جس طرح کہ کلمہ غیر کا موصوف بھی مقدر بھی ہوتا ہے جیسے جاء نی غیر زید میں کلمہ غیر کا موصوف مقدر ہے نیز یہ بھی ضروری ہے لفظ الا کا موصوف مذکور ہونے کے بعد متعدد بھی ہو تا کہ الا صفتیہ کا حال الا استثنائیہ کے حال کے موافق ہو جائے یعنی جس طرح کہ الا استثنائیہ کا مستثنی منہ متعدد ہوتا ہے ضروری ہے کہ الا صفتیہ کا موصوف بھی متعدد ہو لہذا الا جب صفت کے معنی میں مستعمل ہو تو تم جاء نی رجل الا زید نہیں کہہ سکتے کیونکہ رجل میں تعدد نہیں ہے. **قولہ والمتعدد اعم:** شارح علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول **جمع** سے اس کا لغوی معنی یعنی متعدد مراد لیا ہے اب اس تعدد میں تعمیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خواہ وہ متعدد لفظا جمع ہو جیسے رجال یا تقدیرا جمع ہو جیسے قوم اور رہط یا وہ متعدد تثنیہ ہو پس ما جاء نی رجلان الا زید کا رجلان بھی متعدد میں داخل ہو گیا کہ تثنیہ میں بھی تعدد ہوتا ہے پس ما جاء نی رجلان الا زید میں زید مستثنی منقطع ہو گا کیونکہ محکوم علیہ انسان کے افراد میں سے دو ہیں جبکہ زید ایک ہے. **قولہ منکور:** مصنف کا قول منکور ترکیب میں جمع کی صفت ہے شارح نے منکر سے اسکی تفسیر کر کے اس امر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ منکر تشدید کے ساتھ معروف و مشہور ہے جیسا کہ مصنف نے غیر منصرف کی بحث میں کہا **اذا نکر صرف** اور منکور تخفیف کے ساتھ غیر معروف ہے لہذا منکور سے منکر مراد ہے یعنی کلمہ الا ایسی جمع

ہو **قولہ او تقدیرا:** اس سے مراد وہ لفظ ہے جو جمع کے معنی میں مستعمل ہو مگر اسکے لفظ سے اس کا مفرد نہ ہو جیسے رھط ، نفر ، فریق ، ناس اور انام (مقد) **قولہ وان یکون مثنی:** کیونکہ مثنی بھی الا بمعنی غیر کا موصوف واقع ہوتا ہے کہ تثنیہ بھی متعدد ہے جیسے ما جاء نی رجلان الا زید ای غیر زید.

لاستغراق وعلی تقدیران یشاربه الی جماعتیکون زیدمنهم فلایعذر الاستثناء المتصل اوعدم التناول قطعاعلی تقدیران یشاربه الی جماعتلم یکن زیدمنهم فلایعذر المنقطع غیر محصور والمحصورنوعان اِماالجنس المستغرق نحوماجاء نی رجل اورجال واِمابعض منه معلوم العددنحوله عَلَیَّ عشرةدراهم اوعشرون وانمااشرط ان یکون غیرمحصور لانه ان کان محصوراعلی احدالوجهین وجب دخول مابعدالافیه فلایعذر الاستثناء نحو کل رجل

اوراس تقدیر کی بناپر کہ لام سے ایک ایسی جماعت کی طرف اشارہ کیاجائے کہ زیداس میں سے ہوپس استثناء متصل متعذر نہیں ہوگایا عدم تناول قطعی ہوگااس تقدیرپر کہ اس کے ساتھ ایک ایسی جماعت کی طرف اشارہ ہوکہ ان سے زیدنہ ہوپس مستثنی منقطع ہونا متعذرنہیں ہوگا (محصورنہ ہو)اور محصوردوقسم پرہے یاجنس مستغرق جیسے ماجاء نی رجل یارجال یاجنس سے بعض معلوم العددجیسے لہ علی عشرۃ دراھم اوعشرون اورجمع کاغیرمحصورہ ہونااسلئے شرط کیاگیاہے کہ اگرمذکورہ دووجھوں میں سے کسی ایک پرمحصورہوتوالا کے مابعدکامستثنی منہ میں داخل ہوناواجب ہوگاپس استثناء متعذرنہیں ہوگا جیسے کل رجل

کے بعدواقع ہوجونکرہ ہوالف لام کے ساتھ معرفہ نہ ہوکیونکہ جمع معرفہ بلام ہوتواس میں دواحتمال ہیں۔اول۔یہ کہ لام برائے استغراق ہوگااس صورت میں مستثنی منہ کامستثنی کوشامل ہوناقطعی ہوگااوراستثناء متعذرنہیں ہوگابلکہ استثناء صحیح ہوگالہٰذاالاکوغیرپرمحمول نہیں کیاجائیگاجیسے ان الانسان لفی خسرالخ میں الانسان کالام استغراق کیلئے ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مستثنی منہ معرفہ بلام عہدہواوراس لام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ ہوجسکا ایک فردزیدہے پس اس صورت میں استثناء متصل متعذرنہیں ہوگااوراگرمعرفہ بالام سے ایسی جماعت کی طرف اشارہ ہوجس میں زیدداخل نہیں تو مستثنی منہ کامستثنی کوشامل نہ ہوناقطعی ہوگاپس اس صورت میں مستثنی منقطع متعذرنہیں ہوگالہٰذاالاکے معنی حقیقی چھوڑکراسکوکلمہ غیرپرمحمول نہیں کیاجائیگا کیونکہ اس صورت میں اصل سے عدول کی کوئی شی مقتضی نہیں۔قولہ **غیر محصور**:۔یہ مصنف کے قول"جمع" کی دوسری صفت ہے یعنی وہ جمع محصورنہ ہواورمحصورکی دوقسمیں ہیں۔اول۔جنس مستغرق یعنی وہ جنس جس کے تمام افرادکااحاطہ کرلیاگیاہوجیسے ماجاء نی رجل اوررجال کیونکہ نکرہ تحت نفی عموم اوراستغراق کافائدہ دیتاہے۔دوم۔یہ کہ اس جنس کابعض معلوم العددمرادہوجیسے لہ علی عشرۃ دراھم اوعشرون اس مثال میں دراھم جنس ہے اور عشرۃ یاعشرون اس کابعض معلوم المقدارہے۔قولہ **وانما اشترط**:۔یعنی کلمہ الاکوکلمہ غیرپرحمل کرنے کی شرط کہ الاغیرمحصورکے بعدواقع ہواسلئے ہے کہ اگرمستثنی منہ مذکورہ دوصورتوں میں سے کسی ایک صورت پرمحصورہوتوالاکے مابعدکااس کے ماقبل میں دخول واجب ہوگاپس استثناء متعذرنہیں ہوگاجیسے کل رجل الازیدجاء نی اورلہ علی عشرۃ الادرھمااول جنس مستغرق کی مثال ہے کیونکہ کلمہ کل جب نکرہ کی طرف مضاف ہوتواحاطہ افرادکافائدہ دیتاہے اورلہ علی عشرۃ الادرھماجنس کے بعض معلوم المقدارکی مثال ہے لہٰذاان دونوں مثالوں میں کلمہ الاکوغیرپرمحمول نہیں کیاجائیگا۔

واضح رہے کہ شارح نے ہرقسم کی دومثالیں ذکرکیں پس رجل صورۃ مفرداورمعنی جمع ہے رجال دونوں طرح جمع ہےایسے ہی عشرۃ اورعشرون۔قولہ **کل رجل الازید جاء نی**:۔اس مثال میں شارح نے فعل کوموخرکرکے اس بات کیطرف اشارہ کیاہے کہ اس مثال میں الاکوصفت پربھی محمول کیاجاسکتاہے پس کل رجل جاء نی کہتے توالامیں صفت کااحتمال نہ رہتاکیونکہ موصوف یعنی رجل اورصفت یعنی الا میں فاصلہ ہوجائیگااورموصوف وصفت میں فاصلہ درست نہیں۔

الا زیدا جاءنی وله علیّ عشرة الا درهما وانما یُصار عند وجود هذه الشرائط الی حمل الا علی غیر لتعذر الاستثناء عند وجودها فیُضطر الی حملها علی غیر وانما قلنا فی صدر هذا الکلام ان الا لا تُحمل علی الصفة غالبا فقیدناه بقولنا غالبا لانه قد یتعذر الاستثناء فی المحصور نحو جاءنی مائة رجل الا زید وقد لا یتعذر فی غیر المحصور نحو جاءنی رجال الا واحدا والا رجلا والا حمار اولکن لما کان ذلک نادرا لم یَلتفت المصنف الیه فی بیان هذه القاعدة نحو لو کان فیهما ای فی السماء والارض آلهةٌ جمع اِلٰهٍ ولا دلالة فیها علی عدد محصور الا الله ای غیر الله لفسدتا ای لخرجتا عن الانتظام فالا فی الآیة صفة لانها تابعة لجمع منکور غیر محصور وهی آلهة ویتعذر الاستثناء لعدم دخول الله تعالی فی آلهة یقین فلم یتحقق شرط صحة الاستثناء

الا زیدا جاءنی وله علی عشرة الا درهما اور ان شرائط کے پائے جانے کے وقت کلمہ الا کو غیر پر محمول کرنے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے (بوجہ متعذر ہونے استثناء کے) وقت پائے جانے ان شرائط کے پس الا کو غیر پر محمول کرنے کی مجبوری پیش آ گئی اور ہم نے اس کلام کے شروع میں کہا کہ الا صفت پر غالبا محمول نہیں کیا جاتا پس ہم نے اس قول کو غالبا سے مقید کیا ہے کیونکہ کبھی محصور میں بھی استثناء متعذر ہوتا ہے جیسے جاءنی مائۃ رجل الا زید اور کبھی غیر محصور میں بھی استثناء متعذر نہیں ہوتا جیسے جاءنی رجال الا واحدا والا رجلا والا حمارا لیکن جبکہ یہ نادر تھا تو اس قاعدہ کے بیان میں مصنف غالبا کی قید کی جانب متوجہ نہیں ہوئے (جیسے لوکان فیہما) یعنی آسمان وزمین میں (آلہۃ) یہ الٰہ کی جمع ہے اور آلہۃ میں عدد محصور پر کوئی دلالت نہیں (الا اللہ) یعنی غیر اللہ (لفسدتا) یعنی انتظام سے نکل جاتے پس آیت میں الا صفت ہے اس لئے کہ یہ جمع منکور غیر محصور کے بعد واقع ہے اور وہ آلہۃ ہے اور استثناء متعذر ہے کیونکہ اللہ تعالی یقینا آلہۃ میں داخل نہیں ہے پس استثناء کے صحیح ہونے کی شرط نہیں پائی گئی

قولہ وانما یصار:۔ یعنی شرائط مذکورہ کے پائے جانے کی صورت میں کلمہ الا کو غیر پر اس لئے محمول کیا جاتا ہے کہ ان شرائط کے موجود ہونے کی صورت میں استثناء متعذر ہے تو مجبورا الا کو غیر محمول کر دیا جائیگا اور ہم نے شروع میں اپنے قول "لا تحمل الا علیہا فی الصفۃ" کو غالبا کی قید کے ساتھ مقید کیا تھا یعنی یہ شرائط ثلثہ موجود ہوں تو غالبا کلمہ الا کو غیر پر محمول کیا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کبھی کلام محصور میں بھی استثناء متعذر ہوتا ہے جیسے جاءنی مائۃ رجل الا زیدا اور وجہ تعذر یہ ہے کہ زید بالیقین مائۃ رجل میں داخل نہیں جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور کبھی غیر محصور میں استثناء متعذر نہیں ہوتا جیسے جاءنی رجال الا واحدا والا رجلا والا حمارا چونکہ مستثنی منہ محصور میں استثناء کا تعذر قلیل و نادر ہے اسی طرح مستثنی منہ غیر محصور میں استثناء کا عدم تعذر قلیل و نادر ہے اس لئے ہم نے یہ قید بڑھا دی تا کہ مصنف پر اس قلیل و نادر کے ساتھ اعتراض نہ ہو سکے کیونکہ مصنف نے بیان قاعدہ میں اس قید کی طرف توجہ نہیں کی اور قاعدہ کو مطلق رکھا ہے۔ قولہ **نحو لو کان فیہما** :۔ اس آیت میں کلمہ الا بمعنی غیر ہے اس لئے کہ جمع منکور غیر محصور کے بعد واقع ہے جو کہ کلمہ آلہۃ ہے اور یہ الٰہ کی جمع ہے اور اصل میں أألہۃ بروزن امثلۃ ہے اور استثناء متعذر ہے اس لئے کہ اللہ تعالی بالیقین آلہہ میں داخل نہیں ہے بلکہ محتمل ہے پس صحت استثناء کی شرط یعنی مستثنی کا ماقبل میں یقینی طور پر داخل ہونا یا نہ ہونا نہیں پائی گئی اس لئے کلمہ الا کو غیر پر محمول کیا گیا۔

وفی الآیۃ مانعٌ آخر عن حمل اَلّا علی الاستثناء وھو انہ لو حُملت علیہ صار المعنی لو کان فیھما آلھۃ مستثنی عنھا اللہ تعالی لفسدتا وھذا لایدل الا علی انہ لیس فیھما آلھۃ مستثنی عنھا اللہ تعالی وبھذا لایثبت وحدانیتہ تعالی لجواز ان یکون ح فیھما آلھۃ غیر مستثنی عنھا اللہ تعالی بخلاف ما اذا کانت للصفۃ بمعنی غیر فانہ یدل علی انہ لیس فیھما آلھۃ غیر اللہ تعالی واذا لم یکن فیھما آلھۃ غیر اللہ تعالی یجب اَن لاتتعدد الآلھۃ لان التعدد یستلزم المغایرۃ وَ ضَعُفَ حمل اَلّا علی غیر فی غیرہ ای فی غیر جمع منکور غیر محصور لصحۃ الاستثناء ح ومذھب سیبویہ جواز وقوع اَلّا صفۃ مع صحۃ الاستثناء

اور آیت میں الا کو استثناء پر محمول کرنے سے ایک اور مانع بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر الا استثناء پر محمول کیا جائے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے آلھہ ہوتے جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے تو زمین وآسمان کا نظام درھم برھم ہو جاتا اور یہ معنی صرف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زمین وآسمان میں ایسے آلہہ نہیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے اور اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس معنی کی رو سے اسوقت یہ ممکن ہے کہ زمین وآسمان میں ایسے آلہہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ نہیں برخلاف اس کے کہ جب الا صفت کیلئے ہو غیر کے معنی میں کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جب زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی خدا نہ ہوا تو واجب ہے کہ معبود متعدد نہ ہوں اس لئے کہ تعدد ومغایرت باہمی جنگ وفساد کو مستلزم ہے (اور ضعیف ہے) الا کا غیر پر حمل کرنا (اس کے غیر میں) یعنی جمع منکور غیر محصور کے غیر میں بوجہ صحیح ہونے استثناء کے اس وقت اور سیبویہ کا مذھب استثناء کے صحیح ہونے کے باوجود الا کے صفت واقع ہونے کا جواز

قولہ **وفی الآیۃ**:۔ یعنی آیت مذکورہ میں کلمہ الا کو استثناء پر محمول کرنے سے ایک اور مانع بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر کلمہ الا کو استثناء پر محمول کیا جائے تو آیت کے معنی یہ ہونگے کہ اگر زمین وآسمان کے اندر چند معبود ہوتے جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے تو زمین وآسمان کا نظام درھم برہم ہو جاتا اس معنی کے اعتبار سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین وآسمان میں ایسے آلھہ نہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ جائز ہے کہ زمین وآسمان میں ایسے آلھہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ نہیں لیکن اگر کلمہ الا صفتیہ ہو یعنی غیر کے معنی میں ہو تو یہ اس بات پر دلالت کریگا کہ زمین وآسمان میں اللہ کے سوا آلھہ نہیں ہیں جس سے ثابت ہوا کہ معبود متعدد نہیں کیونکہ تعدد آلھہ فساد نظام کو مستلزم ہے

قولہ **وضعف فی غیرہ**:۔ یعنی جمع منکور غیر محصور کے غیر میں کلمہ الا کو غیر پر محمول کرنا ضعیف ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ شرائط مذکورہ کی عدم موجودگی میں استثناء صحیح ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک استثناء کے صحیح ہونے کے باوجود کلمہ الا کا صفت واقع ہونا جائز ہے اور اس میں کوئی ضعف نہیں سیبویہ کہتا ہے کہ تمہارے قول "ما اتانی احد الا زید" میں کلمہ الا کا صفتیہ ہونا جائز ہے اور اسی کو اکثر متاخرین نے اختیار کیا ہے اور اس شعر سے استدلال کیا ہے وکل اخ اخ کیونکہ اس شعر میں لفظ الفرقدان کل اخ کی صفت ہے مستثنیٰ نہیں ورنہ فرقدین نصب کے ساتھ ہوتا کیونکہ مستثنیٰ کلام موجب میں واجب النصب ہے مصنف نے اس شعر کو شذوذ پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ اس شعر میں دو شذوذ اور بھی ہیں۔ اول۔ یہ کہ شعر میں

قال یجوز فی قولک ما اتانی احدٌ الا زیدٌ ان یکون الا زیدٌ صفۃ وعلیہ اکثر المتاخرین تمسکا بقولہ شعر وکل اَخٍ مُفارِقُہ اَخوہ ☆ لَعَمرُ اَبِیکَ اَلّا الفَرقَدان ☆ فالفرقدان صفۃ لکل اخ لا استثناء منہ والاوجب ان یقال الفرقدین بالنصب وحمل المصنف ذلک علی الشذوذ وقال فی البیت شذوذان آخران احدھما وصف کل دون المضاف الیہ والمشھور وصف المضاف الیہ اذ ھو المقصود وکل لافادۃ الشمول فقط وثانیھما الفصل بالخبر بین الصفۃ والموصوف وھو قلیل واعراب سوی وسِوَاء النصب علی الظرف ای بناء علی ظرفیتھما لانک اذا قلت جاء نی القوم سوی او سواء زید فکانک قلت مکانَ زید علی المذھب الاصح وھو مذھب سیبویہ

ہے سیبویہ نے کہا کہ تمہارے قول "ما اتانی احدٌ الا زیدٌ" میں الا کا صفت واقع ہونا جائز ہے اور اسی پر اکثر متاخرین ہیں استدلال کرتے ہوئے شاعر کے اس قول سے وکل اخ الخ پس فرقدان لکل اخ کی صفت ہے اس سے استثناء نہیں ورنہ ضروری ہے کہ فرقدین نصب کے ساتھ بولا جائے اور مصنف نے اس بیت کو شذوذ پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بیت میں دو اور شذوذ بھی ہیں ان میں سے ایک فرقدان کو لفظ کل کی صفت بنانا ہے نہ اسکے مضاف الیہ کی اور مشہور مضاف الیہ کی صفت لانا ہے کیونکہ وہی مقصود ہے اور لفظ کل صرف افادہ شمول کے لئے ہے اور دوسرا صفت اور موصوف کے درمیان خبر سے فاصلہ کرنا ہے اور وہ قلیل ہے (اور اعراب سوی اور سواء کا نصب ہے ظرفیت کی بنا پر) یعنی ان دونوں کے ظرف ہونے کی بنا پر اس لئے کہ جب تم کہو جاء نی القوم سوی یا سواء زید تو گویا کہ تم نے کہا مکان زید (اوپر) مذھب (اصح کے) اور وہ سیبویہ کا مذھب ہے

الفرقدان کو لفظ کل کی صفت بنایا گیا ہے جبکہ مشہور یہ ہے کہ لفظ کل کے مضاف الیہ کی صفت بنائی جاتی ہے نہ کہ لفظ کل کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وجعلنا من کل شیء حی میں حی جر کے ساتھ شیء کی صفت ہے کہا جاتا ہے کل انسان عالم بکسر میم کیونکہ مقصود مضاف الیہ ہی ہوتا ہے اور لفظ کل تو افادہ شمول اور عموم افراد کیلئے ہوتا ہے جبکہ اس کا مضاف الیہ نکرہ ہو جیسا کہ ارشاد باری ہے کل نفس ذائقۃ الموت اس لئے الا الفرقدین یعنی تثنیہ بحالت نصب ہونا چاہئے۔ دوم۔ یہ کہ اس شعر میں موصوف یعنی کل اخ اور صفت یعنی الفرقدان کے درمیان خبر کے ساتھ فاصلہ کیا گیا ہے اگرچہ یہ جائز ہے مگر قلیل ہے اور وہ خبر مفارقہ اخوہ ہے۔ قولہ **واعراب** :۔ یعنی کلمہ سوی اور سواء کا اعراب مقام استثناء میں اصح مذھب کے مطابق نصب ہے کیونکہ یہ دونوں ظرف ہیں یہ سیبویہ کا مذھب ہے اور یہ نصب سوی میں تقدیری ہے اور سواء میں لفظی ہے وجہ نصب یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ اصل میں لفظ مکان کی صفت واقع ہوتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے مکانا سویا لہٰذا یہ اصل کے اعتبار سے اپنے موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ظرف مکان ہوئے اور ظرف مکان منصوب ہوتا ہے اس لئے ان کا اعراب نصب ہے شارح نے دو مثالیں ذکر کر کے ان کے ضمن میں ان دونوں لفظوں کی ظرفیت کو ثابت کیا ہے مثلا جب تم جاء نی القوم سوی زید یا سواء زید بولو تو گویا کہ تم نے کہا جاء نی القوم مکان زید لہٰذا یہ دونوں لفظ سیبویہ کے نزدیک لزوم ظرفیت کی قولہ **وجب ان یقال** :۔ لیکن فرقدان کے ساتھ ان کا حصر صحیح نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ الفرقدان بنی حارث کی لغت کی رو سے ہو جنکے نزدیک الف تثنیہ کو لازم ہے۔

﴿فائدہ﴾ فرقدان فتحہ اور کسرہ سے قطب ستارہ کے قریب دو ستارے ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

فهما عنده لازما الظرفية وعند الكوفيين يجوز خروجهما عن الظرفية والتصرف فيهما رفعا ونصبا وجرا كغير متمسكين بقول الشاعر شعر وَلَم يَبقَ سِوَى العُدوا ☆ ن دِنّاهم كما دانوا ☆ وزعم الاخفش ان سواء اذا اخرجوه عن الظرفية ايضا نصبوه استكار الرفعه فيقولون جاء نى سواءك وفى الدار سواءك ومثل هذا فى استكار الرفع فيما غلب انتصابه على الظرفية قوله تعالى لقد تقطع بينكم بالنصب **خبر كان واخواتها** وستعرفها فى قسم الفعل ان شاء الله تعالى هو المسند بعد دخولها **اى دخول كان او احدى اخواتها**

پس وہ دونوں سیبویہ کے نزدیک ظرفیہ کو لازم ہیں اور کوفیوں کے نزدیک سوی اور سواء کا ظرفیت سے خروج اور ان میں رفع اور نصب اور جر کے ساتھ تصرف جائز ہے لفظ غیر کی طرح شاعر کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہوئے ولم یبق الخ اور اخفش نے یہ گمان کیا ہے سواء کو جب کوفیوں نے ظرفیت سے خارج کیا تو بھی انہوں نے رفع کو مکروہ سمجھتے ہوئے اسکو نصب دی تو وہ کہتے ہیں جاء نی سواءک وفی الدار سواءک اور اسکا مثل کراہت رفع میں اس صورت میں کہ جسمیں نصب علی الظرفیہ غالب ہے اللہ تعالی کا ارشاد لقد تقطع بینکم نصب کے ساتھ ہے (کان اور اسکے نظائر کی خبر) اور عنقریب قسم فعل میں تم کان کے نظائر کو جان لوگے (وہ مسند ہے کان کے دخول کے بعد) یعنی کان اور اس کے نظائر میں سے کسی ایک کے دخول

وجہ سے منصوب ہوگئے. **قولہ وعند الکوفیین**:۔ چونکہ سیبویہ نحات بصرہ میں سے ہیں اس لئے ان کے قول کے مقابلہ میں شارح نحات کوفہ کا مذھب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کوفیین کے نزدیک سوی اور سواء کو ظرفیت سے نکال کر عامل کے تقاضا کے مطابق ان میں رفع، نصب اور جر کے ساتھ تصرف جائز ہے، جس طرح کہ لفظ غیر میں تصرف جائز ہے اور نحات کوفہ اس شعر سے استدلال کرتے ہیں **ولم یبق الخ** اس شعر میں سوی مرفوع باعراب تقدیری ہے کیونکہ یہ لم یبق کا فاعل ہے اور اخفش نے یہ خیال کیا ہے کہ سواء بالمد کو جب کوفیوں نے ظرفیت سے خارج کیا تو بھی انہوں نے اس کے رفع کو ناپسند کرتے ہوئے بنابر حکایت اسکو نصب دیا پس وہ کہتے ہیں جاء نی سواءک وفی الدار سواءک ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ حالانکہ پہلی مثال میں سواء جاء کا فاعل ہے اور دوسری مثال میں مبتدا موخر ہے اور اسی طرح اللہ کے فرمان لقد تقطع بینکم میں لفظ بین نصب کے ساتھ ہے حالانکہ وہ فاعل ہے. **قولہ خبر کان**:۔ شارح کے قول "وستعرفھا" کی ضمیر میں دو احتمال ہیں. اول۔ یہ کہ اسکا مرجع اخواتھا ہو یعنی کان کے اخوات کو تم فعل کی قسم میں جان لوگے. دوم۔ یہ کہ ضمیر کا مرجع کان واخواتھا ہو یعنی کان اور اسکے اخوات کو تم فعل کی قسم میں معلوم کرلوگے. **قولہ ای دخول کان**:۔ اس عبارت میں شارح نے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ خبر کان کی مذکورہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ کان زید قائما میں قائما خبر کان ہے مگر اس پر خبر کان کی تعریف صادق نہیں کیونکہ اس مثال میں قائما پر صرف کان داخل ہے اس کے اخوات میں سے کوئی بھی داخل نہیں جبکہ شارح نے خبر کان کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ جو کان اور اسکے اخوات کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو. شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی مراد یہ ہے کہ کان یا اسکے اخوات میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو کیونکہ اصل عبارت بحذف مضاف ہے ای احدی اخواتھا اور واؤ بمعنی او ہے یہ مراد نہیں کہ ان کے مجموعہ کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو اور ظاہر ہے کہ کان زید قائما میں قائما کان کے داخل ہونے

والمراد ببعدية المسند لدخولها ان يكون اسناده الى اسمها واقعا بعد دخولها على اسمها وخبرها ولا شك ان ذٰلك انما يتصور بعد تقرر الاسم والخبر فالاسناد الواقع بين اجزاء الخبر المقدمُ على تقرره لا يكون بعد دخولها بل يكون قبله فلا ينتقض التعريف بمثل كان زيدٌ يضرب ابوه ولا بمثل كان زيد ابوه قائم بان يقال يصدق على يضرب وقائم فى هٰذين المثالين المعرّف وليسا من افراد المعرّف ويمكن ان يقال فى جواب هٰذا النقض اِن المراد بدخولها ورودُها للعمل فيما ورَدت عليه كما سَبَقت الاشارة اليه فى خبر ان واخواتها مثل كان زيد

کے بعد اور کان یا اس کے اخوات میں سے کسی کے داخل ہونے کے بعد خبر کے مسند ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے اسم اور خبر پر دخول کے بعد خبر کا اسناد بجانب اسم ہو اور اس میں شک نہیں کہ یہ بعدیت اسم اور خبر کے تقرر کے بعد ہی ہوسکتی ہے پس وہ اسناد جو خبر کے اجزاء میں واقع ہے جو خبر کے تقرر سے قبل ہے وہ اسکے دخول کے بعد نہیں بلکہ دخول سے پہلے ہے لہٰذا خبر کان کی تعریف کان زید یضرب ابوہ اور کان زید ابوہ قائم کے مثل سے منقوض نہیں ہوگی بایں طور کہ کہا جائے کہ ان دونوں مثالوں میں خبر کان کی تعریف یضرب اور قائم پر صادق ہے حالانکہ وہ دونوں معرف کے افراد میں سے نہیں ہیں اور اس اعتراض کے جواب میں یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ ان کے دخول سے ان کا عمل کیلئے وارد ہونا مراد ہے اسمیں جس پر یہ وارد ہوتے ہیں جیسا کہ خبر ان واخوات انّ میں اسکی جانب اشارہ گذر چکا ہے (جیسے کان زید قائما

کے بعد مسند ہے۔ **قولہ والمراد:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ خبر کان کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں اس لئے کہ کان زید یضرب ابوہ کے یضرب پر اور کان زید ابوہ قائم کے قائم پر صادق ہے کیونکہ یضرب اور قائم میں سے ہر ایک کان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی کان کی خبر نہیں بلکہ کان کی خبر جملہ ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ المسند بعد دخولہا سے یہ مراد ہے کہ خبر کا اسناد کان و اخوات کان کے اسم کی طرف ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد ہو اور اسمیں شک نہیں کہ یہ بعدیت اسم اور خبر کے تقرر کے بعد ہی متصور ہوسکتی ہے لہٰذا امثلہ مذکورہ میں یضرب اور قائم کا اسناد کان کے دخول اور یضرب اور قائم کے کان کیلئے خبر قرار پانے سے پہلے ہے کیونکہ کان جملہ زید یضرب ابوہ اور جملہ زید قائم ابوہ پر داخل ہوا ہے اور کان کے داخل ہونے سے قبل یضرب اپنے فاعل کی جانب اور قائم اپنے فاعل کی جانب مسند تھا پس دخول کان کے بعد پہلا اسناد جو جملہ میں تھا وہ کالعدم ہوگیا ہے اور اب کان کی خبر جملہ ہے جو اس کے اسم کی جانب مسند ہے صرف یضرب یا صرف قائم خبر نہیں۔ **قولہ ویمکن ان یقال:۔** اور مذکورہ سوال کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ خبر کان اور اسکے اخوات کے دخول سے ان کا عمل کیلئے وارد ہونا مراد ہے یعنی دخول کان وغیرہ سے مراد یہ ہے کہ یہ افعال اپنی خبر کو نصب دیں اور کان زید یضرب ابوہ میں اور کان زید ابوہ قائم میں فعل ناقص یضرب اور قائم کو نصب نہیں دے رہا بلکہ وہ جملہ یضرب ابوہ کو اور جملہ ابوہ قائم کو نصب دے رہا ہے پھر یہ جملہ کان کے اسم کی طرف مسند ہے اور محلا منصوب ہے۔ کیونکہ جملہ کا اعراب محلی ہوتا ہے اور اعراب محلی یہ ہے کہ جملہ ایسے محل میں واقع ہے کہ اگر اسجگہ مفرد واقع ہوتا تو وہ لفظا یا

﴿فائدہ﴾ کان کا اسم حقیقت میں فاعل ہے اس لئے مصنف نے اسکا ذکر ملحقات فاعل میں نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ مرفوعات میں سے کان اور اسکے اخوات کا اسم ہے کیونکہ اس کا ذکر فاعل میں ہو چکا بخلاف کان کی خبر کے کہ وہ ملحق بالمفعول ہے لہٰذا اسکو ملحقات مفعول میں ذکر کیا اور کہا کہ منصوبات سے کان اور اس کے اخوات کی خبر ہے۔

قائماوامرُہ ای امر خبر کان واخواتھا کامر خبر المبتدأفی اقسامہ واحکامہ وشرائطہ علی ما سبق فی بحث المبتدأوالخبر ولکنہ یَتَقَدَّمُ علی اسمھاحالَ کونہ معرفۃحقیقۃ اوحکما کالنکرۃ المخصصۃلاختلاف اسمھاوخبرھافی الاعراب فلایلتبس احدھمابالآخرو ذلک اذاکان الاعراب فیھمااوفی احدھمالفظیانحو کان المنطلق زیدًاو کان ھذازیدبخلاف المبتدأوالخبرفان الاعراب فیھمالایصلح للقرینۃلاتفاقھمافیہ بل لابد من قرینۃرافعۃللبس

قائما اور اس کا امر) یعنی کان اور اسکے نظائر کی خبر کا حکم (خبر مبتدا کے حکم کی مثل ہے) اس کے اقسام اور اس کے احکام اور اس کے شرائط میں اس کے مطابق جو مبتدا اور خبر کی بحث میں گذرا ہے (اور) لیکن وہ (مقدم ہوجاتی ہے) اس کے اسم پر حال ہونے خبر کے (معرفہ) حقیقۃ یا حکما جیسے نکرہ مخصصہ بوجہ مختلف ہونے کان کے اسم اور خبر کے اعراب میں لہذا ان کا باہم التباس نہیں ہوگا اور یہ جواز تقدیم اسوقت ہے جب ان دونوں میں یا کسی ایک میں اعراب لفظی ہو جیسے کان المنطلق زید یا کان ھذا زید برخلاف مبتدا اور خبر کے کیونکہ ان دونوں میں اعراب قرینہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ دونوں اعراب میں متفق ہیں بلکہ مبتدا وخبر میں قرینہ رافعہ للالتباس کا ہونا ضروری ہے

تقدیرا منصوب ہوتا قولہ وامرہ۔ یعنی کان اور اسکے اخوات کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر جیسا ہے مبتدا کی خبر کے تمام اقسام، احکام اور شرائط میں یعنی خبر مبتدا کی مثل خبر کان مفرد، جملہ، معرفہ اور نکرہ ہوتی ہے اور جس طرح کہ مبتدا کی خبر مذکور، محذوف، واحد اور متعدد ہوتی ہے خبر کان کا بھی یہی حال ہے اور خبر کان کے شرائط بھی خبر مبتدا جیسے ہیں مثلا اگر جملہ ہو تو اس میں عائد ضروری ہے جس طرح کہ خبر مبتدا اگر جملہ ہو تو اس جملہ میں عائد ضروری ہے قولہ ویتقدم :۔شارح نے مصنف کے قول "یتقدم" سے پہلے لکنہ کا اضافہ کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول "ویتقدم" ماقبل سے بمنزلہ استثناء کے ہے اور یہ استثناء بحسب المعنی ہے گویا کہ مصنف نے کہا وامرہ کامر خبر المبتدأفی جمیع الاحوال الاطذا یعنی خبر کان اس کے اسم پر مقدم ہوجاتی ہے جبکہ وہ خبر معرفہ ہو جیسے کان المنطلق زید قولہ حقیقۃاوحکما:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول "معرفۃ" حال ہے جو یتقدم کیلئے قید ہے یعنی خبر کان صرف اسوقت مقدم ہوتی ہے جبکہ وہ معرفہ ہو اور یہ درست نہیں کیونکہ اگر خبر کان نکرہ مخصصہ ہو تو وہ بھی مقدم ہوجاتی ہے۔شارح نے جواب دیا کہ معرفہ میں تعمیم ہے کہ وہ حقیقۃ معرفہ ہو یا حکما معرفہ ہو یعنی نکرہ مخصصہ ہو یعنی نکرہ جو وجوہ تخصیص میں سے کسی ایک وجہ کے ساتھ خاص ہوجائے وہ حکما معرفہ ہوتا ہے وجہ جواز تقدیم یہ ہے کہ کان کے اسم اور خبر کا اعراب ایک جیسا نہیں ہوتا تو اختلاف اعراب التباس کو دور کردے گا اور اعراب کے ذریعے معلوم ہوجائیگا کہ کون اسم اور کون خبر ہے۔جس طرح کہ کان ہذا زید میں زید کے رفع کی وجہ سے التباس ختم ہوگیا اور واضح ہوگیا کہ ہذا کان کی خبر ہے جو مبنی ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے اور زید کان کا اسم ہے۔قولہ وذلک اذا کان :۔ یعنی کان کی خبر معرفہ کی تقدیم اس کے اسم پر اسوقت جائز ہے جب اسم اور خبر یا ان میں سے کسی ایک کا اعراب لفظی ہوتا کہ یہ اعراب لفظی کان کے اسم اور خبر میں امتیاز کا ذریعہ بنے جیسے کان المنطلق زید میں دونوں کا اعراب لفظی ہے اور کان ہذا زید میں خبر کا اعراب لفظی ہے چونکہ مبتدا اور خبر کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے اس لئے ان میں اعراب قرینہ امتیاز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ ایسا قرینہ جو التباس کو اٹھا دے اعراب کے علاوہ ضروری ہوتا ہے اس لئے مبتدا کی خبر اگر معرفہ ہو تو خبر کی تقدیم جائز نہیں اور اس تقدیم خبر کے معاملہ میں کان کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر جیسا نہیں۔

﴿وكذلك اذا انتفى الاعراب في اسم كان وخبرها جميعا ولا قرينة هناك لا يجوز تقديم الخبر نحو كان الفتى هذا وقد يحذف عامله اى عامل خبر كان وهو كان لا خبر كان واخواتها لانه لا يحذف من هذه الافعال الا كان وانما اختصت بهذا الحذف لكثرة استعمالها في مثل الناس مجزيّون باعمالهم إنْ خيراً فخيرٌ وان شرّاً فشرٌّ ويجوز في مثلها اى في مثل هذه الصور وهي ان يجيء بعد انْ اسمٌ ثم فاء بعدها اسم اربعة اوجه نصب الاول ورفع الثاني وهو اقواها اى ان كان عمله خيراً فجزائه خيرٌ ونصبهما نحو ان خيراً فخيراً على معنى ان كان عمله خيراً فكان جزاؤه خيراً ورفعهما نحو ان خيرٌ فخيرٌ اى ان كان في عمله خيرٌ فجزاؤه خيرٌ وعكس الاول نحو ان خيرٌ فخيراً اى ان كان في عمله خيرٌ فكان جزاؤه خيراً وقوة هذه الوجوه وضعفها بحسب قلة الحذف وكثرته﴾

اور اسی طرح جب کان کے اسم اور خبر دونوں میں اعراب منتفی ہو اور وہاں کوئی قرینہ نہ ہو تو خبر کی تقدیم جائز نہیں جیسے کان الفتی ھذا (اور کبھی حذف کیا جاتا ہے) کان کی خبر کا عامل اور وہ کان ہے کان اور اس کے اخوات کی خبر کا عامل نہیں کیونکہ ان افعال ناقصہ میں سے صرف کان کو حذف کیا جاتا ہے اور یہ حذف کان کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے (الناس مجزیون باعمالہم الخ کی مثل میں اور جائز ہیں اسکے مثل میں) یعنی اس صورت کے مثل میں اور وہ صورت یہ ہے کہ ان کے بعد ایک اسم آئے پھر فاء اور فاء کے بعد اسم (چار طریقے) نصب اول اور رفع ثانی اور یہ سب سے اقوی وجہ ہے ای ان کان عملہ خیرا فجزاءہ خیرٌ اور اول وثانی دونوں کا نصب جیسے ان خیرا فخیرا اس معنی کی بناء پر کہ ان کان عملہ خیرا فکان جزاءہ خیرا اور دونوں کا رفع جیسے ان خیرٌ فخیرٌ ای ان کان فی عملہ خیرٌ فجزاءہ خیرٌ اور پہلی صورت کا عکس جیسے ان خیرٌ فخیرا ای ان کان فی عملہ خیرٌ فکان جزاءہ خیرا اور ان وجوہ کی قوت اور ان کا ضعف حذف کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے ہے

قولہ **وکذالک**:۔ یعنی جب کان کے اسم اور خبر دونوں میں اعراب لفظی منتفی ہو اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو کہ کون اسم ہے اور کون خبر تو کان کی خبر معرفہ کی تقدیم اس کے اسم پر جائز نہیں جیسے کان الفتی ہذا الہذا اس مثال میں الفتی کان کا اسم ہوگا اور ھذا اسکی خبر قولہ **وقد یحذف عاملہ**:۔ اور کبھی خبر کان کے عامل یعنی کان کو حذف کر دیا جاتا ہے یعنی صرف کان کو نہ اسکے اخوات کو جیسا کہ بعض نے کہا کہ عاملہ کی ضمیر کان اور اسکے اخوات کو راجع ہے وجہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ میں سے صرف کان ہی محذوف ہوتا ہے کہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرت مقتضی حذف ہے دوسرا کوئی فعل ناقص حذف نہیں کیا جاتا قولہ **فی مثل الناس**:۔ مثل الناس الخ سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں ان شرطیہ کے بعد کوئی اسم ہو پھر فاء ہو اور فاء کے بعد اسم ہو اور اس جیسی ترکیب میں چار وجہیں جائز ہیں ۱۔ نصب اول ورفع ثانی اور یہ سب سے اقوی وجہ ہے ایک تو اس لئے کہ اسمیں قلت حذف ہے اور دوسرے اس لئے کہ فاء کے بعد اکثر جملہ اسمیہ جزا ہوتا ہے اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ان کان عملہ خیرا فجزاءہ خیرٌ ۲۔ دونوں کا

ویجب الحذف ای حذف عامله یعنی کان فی مثل **اَمّا انت منطلقا انطلقت** ای لِاَن کنت منطلقا انطلقت فاصل امّا انت لان کنت حذفت اللام قیاسا ثم حذفت کلمة کان اختصارا فانقلب الضمیر المتصل منفصلا وزیدت لفظة ما بعد اَن فی موضع کان عوضا عنها و اُدغمت النون فی المیم و اُبقی الخبر علی حاله فصار اما انت منطلقا انطلقت وهذا علی تقدیر فتح الهمزة واما علی تقدیر کسرها فالتقدیر ان کنت منطلقا انطلقت فعُمل به ماعُمل بالاول من غیر فرق الا حذف اللام اذ لالامَ فیه واقتصر المصنف علی الاول لانه اَشهر

(اور حذف واجب ہے) یعنی اس کے عامل یعنی کان کا حذف (اَما انت الخ کی مثل میں) پس اَما انت کی اصل لان کنت تھی لام کو قیاسا حذف کیا پھر کلمہ کان برائے اختصار حذف کیا گیا تو ضمیر متصل منفصل سے بدل گئی اور اَن کے بعد کان کی جگہ لفظ ما کان کے عوض زائد کیا گیا اور نون کو میم میں ادغام کیا گیا اور خبر اپنے حال پر رکھی گئی تو اَما انت منطلقا انطلقت ہو گیا اور یہ عمل اَما کے ہمزہ کے فتحہ کی تقدیر پر ہے اور اسکے کسرہ کی تقدیر پر پس تقدیر عبارت ان کنت منطلقا انطلقت ہے تو اسکے ساتھ وہی عمل کیا گیا جو اول کے ساتھ کیا گیا کسی فرق کے بغیر حذف لام کے علاوہ اس لئے کہ اس میں لام موجود نہیں ہے اور مصنف نے اول پر اکتفاء کیا کہ وہ زیادہ مشہور ہے

نصب اس بناء پر کہ دونوں اسم کان محذوفہ کی خبر ہیں ای ان کان عملہ خیرا فکان جزاءہ خیرا ۳۔ دونوں اسموں کا رفع، اول کا اس بناء پر کہ وہ کان محذوفہ کا اسم ہے اور ثانی کا اس بناء پر کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ان کان فی عملہ خیر فجزاءہ خیر ۴۔ پہلی صورت کا عکس یعنی پہلے اسم کا رفع کان کے اسم کی بناء پر اور ثانی کا نصب کان محذوفہ کی خبر کی بناء پر ای ان کان فی عملہ خیر فکان جزاءہ خیرا اور ان وجوہ کی قوت اور ضعف قلت وکثرت حذف کے اعتبار سے ہے اسی وجہ سے وجہ اول سب اقوی ہے اور وجہ رابع اضعف ہے اور ثانی وثالث متوسط ہیں کیونکہ پہلی صورت میں شرط اور جزا سے تین چیزیں محذوف ہیں شرط سے کان اور اسکا اسم اور جزا سے مبتدا اور دوسری وجہ میں چار چیزیں محذوف ہیں شرط میں کان اور اس کا اسم اور جزا میں بھی دو اور وجہ ثالث میں بھی چار چیز محذوف ہیں شرط میں کان اور جار اور مجرور اور جزا میں مبتدا اور چوتھی صورت میں پانچ چیزیں محذوف ہیں شرط میں کان، جار اور مجرور اور جزا میں کان اور اسکا اسم قولہ **ویجب الحذف**:۔ شارح نے ای حذف عاملہ کے ساتھ تفسیر کر کے اس امر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ الحذف کا لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای حذف عاملہ یعنی خبر کان کے عامل کو جو کان ہے اما انت الخ کی مثل میں حذف کرنا واجب ہے اور اما انت الخ کی مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس کے شروع میں کلمہ اما بفتح ہمزہ یا کلمہ اما بکسر ہمزہ واقع ہو اور اسکے بعد ضمیر مرفوع منفصل ہو اور ضمیر کے بعد اسم منصوب ہو جیسے اما انت منطلقا انطلقت اور یہ اما انت اصل میں لِاَن کنت تھا لام کو قیاسا حذف کر دیا کیونکہ ان مصدریہ سے حرف جر کا حذف کرنا قیاسی ہے اس کے بعد فعل ناقص کو برائے اختصار حذف کیا کیونکہ فعل کے حذف پر اَن مصدریہ قرینہ موجود ہے اور حذف فعل کے بعد کنت کی ضمیر کو ضمیر منفصل کے ساتھ تبدیل کر دیا اور اَن کے بعد فعل ناقص کی جگہ اسکے عوض لفظ ما بڑھا دیا پھر قرب مخرج کی وجہ سے نون کا میم میں ادغام کیا اور کان کی خبر کو اسکے حال پر باقی رکھا تو اَما انت منطلقا انطلقت ہو گیا واضح رہے کہ یہ عمل اور تبدیلی اس صورت میں ہے جب کلمہ اَما ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ

اسم إنّ وأخواتها و ستعرفها فی قسم الحرف ان شاء الله تعالى هو المسند اليه بعد دخولها ای بعد دخول إنّ او احدى أخواتها مثل إنّ زيدا قائم وبما عرفت من معنى البعدية والدخول فيما سبق اندفع انتقاض هذا التعريف ههنا ايضا بمثل ابوه فی ان زيدا ابوه قائم المنصوب بلا التی لنفی الجنس ای لنفی صفة الجنس وحكمه وانما لم يقل اسمُ لا لانه ليس كله ولا اكثره من المنصوبات فلا يصح جعله مطلقا من المنصوبات لا حقيقة ولا مجازا بل المنصوب منه اقلُّ مما عداه فلابد من التعبير عنه بالمنصوب بها بخلاف ما عداه من المنصوبات فان بعضها وان لم يكن كله من المنصوبات لكن اكثره منها فاعطی

(إنّ اور اسکے نظائر کا اسم) اور ان کو تم حرف میں انشاء اللہ جان لوگے (وہ مسند الیہ ہے اسکے دخول کے بعد) یعنی بعد دخول إن یا اسکے اخوات میں سے کسی ایک کے (جیسے إن زیدا قائم) اور سابق میں جو تم نے بعدیت اور دخول کا معنی جان لیا ہے اس سے اس تعریف پر انتقاض کا اعراض یہاں بھی ختم ہو گیا ابوہ کی مثل کے ساتھ جو إن زیدا ابوہ قائم میں ہے (وہ جو لائے نفی جنس سے منصوب ہے) یعنی جو لا کہ جنس کی صفت اور اسکے حکم کی نفی کیلئے ہے اور مصنف نے اسم لا نہیں کہا کیونکہ لا کے تمام اسم اور نہ اکثر منصوبات سے ہیں لہٰذا اسم لا کو مطلقا منصوبات سے قرار دینا صحیح نہیں نہ حقیقۃ اور نہ مجازا بلکہ لا سے جو منصوب ہے وہ اپنے ماسوا سے اقل ہے لہٰذا اسکو المنصوب بلا سے تعبیر کرنا ضروری ہے بخلاف دیگر منصوبات کے ان میں بعض اگرچہ کل کے کل منصوبات میں سے نہیں ہیں لیکن اسکے اکثر منصوبات سے ہیں پس اکثر کو کل کا حکم دے دیا گیا

ہو اور اگر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو پھر اسکی تقدیر ان کنت مطلقا اطلقت ہوگی اور اس میں حذف لام کے علاوہ وہی عمل کیا گیا جو پہلی صورت میں کیا گیا کیونکہ اس میں لام نہیں ہے کہ لام کے علاوہ معنی مستقیم ہیں اور مصنف نے صرف أما بفتح ہمزہ کے ذکر پر اس کی شہرت کی وجہ سے اکتفاء کیا ہے۔ قولہ **اسم ان**:۔ منصوبات میں سے ان اور اسکے اخوات کا اسم ہے جو ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے ان زیدا قائم اور بعدیت اور دخول کے معنی وہی ہیں جو خبر کان کے بیان میں گذر چکے ہیں۔ قولہ **المنصوب بلا**:۔ یعنی منصوبات میں سے لائے نفی جنس کا منصوب ہے۔ شارح نے ای لنفی صفۃ الجنس کے ساتھ تفسیر کر کے مضاف مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے اور تقدیر مضاف کے ساتھ ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا قول لا التی لنفی الجنس، درست نہیں کیونکہ لا رجل قائم میں کلمہ لا، نے جنس رجل کی نفی نہیں کی بلکہ جنس رجل سے قیام کی نفی کی ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف کی عبارت بحذف مضاف ہے ای لنفی صفۃ الجنس یعنی منصوبات میں سے اس لا کا منصوب ہے جو جنس کی صفت اور اسکے حکم کی نفی کیلئے ہے جیسے لا رجل قائم میں رجل سے قیام کی نفی ہے۔ قولہ **وانما لم یقل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے یہ کیوں نہیں کہا؟ اسم لا التی لنفی الجنس اس عبارت میں خوبی یہ ہے کہ اسلوب بیان تبدیل نہیں ہوتا۔ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ لا کے تمام اسم منصوبات میں سے نہیں ہیں اور نہ اکثر منصوبات سے ہیں اسلئے مطلقا لا کے اسم کو منصوبات سے قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نہ

قولہ **ولا مجازا**:۔ کیونکہ لا کے اسم کو مجازا منصوبات سے شمار کرنا اس وقت صحیح ہے جبکہ لا کا اسم منصوب اپنے ماسوا سے کثیر ہو حالانکہ لائے نفی جنس کا اسم جو منصوب ہوتا ہے وہ اپنے ماسوا سے کثیر نہیں اسلئے مطلقا اسم لا کو منصوبات سے شمار کرنا صحیح نہیں۔ لہٰذا مصنف کی تعبیر یعنی المنصوب بلا کہنا درست ہے۔

لـلاكثـر حـكـم الكل فعُدَّ الكل منهاتجوُّزا ولايبعدان يقال اسم لاهو المنصوب بهالفظا كالمضاف وشبهه اومـحـلا كـمـاهـو مبـنـي منه على الفتح واماماهو مرفوع فليس اسمالهالعدم عملهافيه هو المسنداليه بعددخولها خرج به مثل ابوه في لاغلام رجل ابوه قائم لماعرفت وهذاالقدر كاف في حـد اسـمهامطلقالكنه لماارادحَدالمنصوب منه زادعليه قوله يليهااى يلي المسندُاليه لفظةلااى يـقـع بعدهابلافاصلة نـكـرـة مضافااومشبّهابه اى بـالـمـضـاف في تعلقه بشي هومن تمام معناه

لہذا مجازاً تمام کو منصوبات سے شمار کردیا گیا اور بعید نہیں کہ کہا جائے کہ اسم لا ہو المنصوب بہا کہ لا کا اسم جو لا سے منصوب ہے لفظاً جیسے مضاف اور مشابہ مضاف یا محلاً جیسے وہ جو مبنی بر فتحہ ہے اسم لا سے اور وہ جو مرفوع ہے پس وہ لا کا اسم نہیں ہے کیونکہ اسمیں لا کا عمل نہیں (وہ مسند الیہ ہے اسکے دخول کے بعد) بعد دخولہا سے ابوہ کا مثل خارج ہو گیا جو لا غلام رجل ابوہ قائم میں ہے بوجہ اسکے جو تم معلوم کرچکے ہو اور اس قدر مطلق لا کے اسم کی تعریف کافی ہے لیکن جب مصنف نے اسم لا میں سے منصوب کی تعریف کا ارادہ کیا تو اس پر اپنے قول (یلیہا) کا اضافہ کیا یعنی مسند الیہ لفظ لا سے متصل ہو یعنی لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو (دراں حالیکہ نکرہ مضاف یا اسکے ساتھ مشابہ ہو) یعنی مضاف کے ساتھ کسی ایسی چیز سے تعلق پکڑنے میں جو مضاف

حقیقۃً اور نہ مجازاً بلکہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب اقل ہے غیر منصوب اسماء سے لہذا اسکو المنصوب بہا کے ساتھ تعبیر کرنا ہی ضروری تھا بخلاف باقی منصوبات کے کہ وہ ہمیشہ منصوب ہوتے ہیں جیسے اسم ان ہمیشہ منصوب ہوتا ہے کبھی مرفوع نہیں ہوتا یا ان کے اکثر منصوب ہوتے ہیں مثلاً مستثنیٰ زیادہ تر منصوب ہوتا ہے لہذا مجازاً اکثر کو کل کا حکم دیکر یہ کہنا کہ منصوبات سے مستثنیٰ ہے صحیح ہوا قولہ **ولا یبعد:۔** یہ شارح کی طرف سے مصنف پر اعتراض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ اگر اسلوب بیان تبدیل نہ کرتے اور اسم لا التی لنفی الجنس کہتے تو یہ مناسب تھا اس لئے کہ لائے نفی جنس کے تمام اسم منصوب ہوتے ہیں مثلاً اسم لا اگر نکرہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو لفظاً منصوب ہوتا ہے اور مبنی بر فتح ہو تو محلاً منصوب ہوتا ہے اور جو مرفوع ہوتا ہے وہ لا کا اسم ہی نہیں ہوتا کیونکہ اسمیں عامل لا نہیں ہوتا بلکہ عامل معنوی اس کو رفع کرتا ہے لہذا اسم لائے نفی جنس کے تمام افراد منصوب ٹھیرے۔ قولہ **ھو المسند الیہ:۔** یعنی لائے نفی جنس کا منصوب وہ ہے جو مسند الیہ ہو یعنی جسکی طرف دخول لا کے بعد خبر لا مسند ہو اور وہ مسند الیہ ہو پس مصنف کے قول "بعد دخولہا" سے لا غلام رجل ابوہ قائم کا ابوہ خارج ہو گیا کہ وہ دخول لا سے پہلے مسند الیہ ہے جسکی طرف قائم مسند ہے اور دخول لا کے بعد غلام رجل مسند الیہ ہے جس کی طرف ابوہ قائم مسند ہے۔ قولہ **وھذا القدر کاف:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لائے نفی جنس کے اسم کی تعریف ہو المسند الیہ بعد دخولہا سے مکمل ہو گئی ہے لہذا اسکے بعد یلیہا نکرۃ الخ بے مقصد ٹھیرا شارح نے جواب دیا کہ اگرچہ ہو المسند الیہ سے مطلق اسم لا کی تعریف ہو گئی ہے خواہ وہ لفظاً منصوب ہو یا محلاً مگر مصنف نے لائے نفی جنس کے اسم منصوب کی تعریف کے ارادہ سے یلیہا نکرۃ کا اضافہ کیا ہے لہذا یہ اضافہ بے مقصد نہیں۔ قولہ **ای یلی المسند الیہ:۔** اس تفسیر میں شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فعل یلی کا فاعل المسند الیہ ہے اور ضمیر ھا کا مرجع کلمہ لا ہے جو لفظ لا کی تاویل میں ہو کر مؤنث ہے اور عبارت کے معنی یہ ہیں کہ مسند الیہ لفظ لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو اس حال میں کہ نکرہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو اور مشابہ مضاف اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی امر دیگر کے ملانے کے بغیر تمام نہ ہوں، اور معنی سے مراد معنی وضعی نہیں بلکہ معنی ترکیبی مراد ہے جیسے لا عشرین درھما میں عشرین کے معنی ترکیبی کا حصول درھما پر موقوف ہے۔

ھٰذہ احوال متـرادفة عـن الـضـمـيـر المجرور في اليه او الأولى منها ومن الضمير المجرور في دخـولهاومابقي من الضمير المرفوع في يليهامثل لاغلام رجل مثال لمايليهانكرةمضافاوفي بـعض النسخ لاغلام رجل ظريف فيهاوقدعرفت في المرفوعات تحقيق قوله فيها ولاعشرين درهمالك مثـال لـمـايليهانكرةمشبهابالمضاف وقوله لک على النسخ المشهورةمن تتمة الـمثالين كليهمافان كان اى الـمـسـنداليه بعددخولهاغير واقع على الاحوال المذكورةبل كان مفردابـانتفـاء الشرط الاخيرفقط وهو كونه مضافااومشبهابه اى يليهانكرةغيرمضاف

کے معنی کے تمام سے ہواور یہ قیودالیہ کی ضمیر مجرور سے احوال مترادفہ ہیں یا پہلا حال اس ضمیر سے حال ہے یادخولہا کی ضمیر مجرور سے اور باقی یلیہا کی ضمیر مرفوع سے (جیسے لاغلام رجل) یہ اس مسندالیہ کی مثال ہے جو بحالت نکرہ مضاف اور لا سے متصل ہے اور بعض نسخوں میں لاغلام رجل ظریف فیہا ہے اور تم نے مرفوعات میں اس کے قول "فیہا" کی تحقیق جان لی ہے (اور لاعشرین درھما لک) یہ اس مسندالیہ کی مثال ہے جو بحالت نکرہ مشابہ بمضاف لا کے ساتھ متصل ہے اور مصنف کا قول "لک" نسخہ مشہورہ کے مطابق دونوں مثالوں کے تتمہ سے ہے (پھر اگر ہو) یعنی مسندالیہ لا کے دخول کے بعد احوال مذکورہ پر نہ ہو بلکہ ہو (مفرد) صرف شرط اخیر کے انتفاء سے اور وہ شرط اخیر مسندالیہ کا مضاف یا مشابہ مضاف ہونا ہے یعنی مسندالیہ بحالت نکرہ غیر مضاف اور غیر مشابہ مضاف کلمہ لا سے متصل ہو

قولہ **ھٰذہ احوال**:۔ یعنی متن میں واقع قیود مثلا **یلیھا** وغیرہ یہ تمام کے تمام **الیہ** کی ضمیر مجرور سے حال مترادفہ ہیں جو یکے بعد دیگرے ضمیر مجرور سے حال بن رہے ہیں اور **الیہ** مصنف کے قول **المسند** کا نائب فاعل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حال **الیہ** کی یا **دخولھا** کی ضمیر سے حال ہو اور باقی یلیھا کی ضمیر مرفوع سے حال ہوں پس اس صورت میں یہ احوال متداخلہ ہونگے اور حال متداخلہ اسکو کہتے ہیں جو پہلے حال سے حال واقع ہو قولہ **مثل لاغلام رجل**:۔ یہ نکرہ مفردہ مضاف کی مثال ہے جو لا سے متصل ہے اور کافیہ کے بعض نسخوں میں لاغلام رجل ظریف فیہا لکھا ہے اور فیہا کے اضافہ کا فائدہ مرفوعات میں گذر چکا ہے وہ یہ کہ اگر فیہا نہ کہتے تو مطلب یہ ہوتا کہ مرد کا کوئی غلام ظریف نہیں حالانکہ یہ واقعہ اور مقصود دونوں کے خلاف ہے۔ قولہ **ولاعشرین درھما لک**:۔ یہ نکرہ مشابہ مضاف کی مثال ہے جو کلمہ لا سے متصل ہے اور مصنف کا قول **لک** مشہور نسخوں کی بنا پر دونوں مثالوں کا تتمہ ہے یعنی **لاغلام رجل** اور **لاعشرین درھما** دونوں مثالوں کی خبر واقع ہو رہا ہے رہی یہ بات کہ مصنف نے لک کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر **لاغلام رجل لک** نہیں بولا جاتا بلکہ **لا غلام لک** بولا جاتا ہے اسلئے مصنف نے لاغلام رجل کے ساتھ لک ذکر نہیں کیا اور مثال ثانی میں اس کو لائے ہیں تاکہ دوسری مثال پہلی مثال میں خبر کے محذوف ہونے پر دلالت کرے جو کہ لک ہے۔ قولہ **فان کان مفردا**:۔ یعنی اگر دخول لا کے بعد اس کا مسندالیہ احوال مذکورہ پر واقع نہ ہو بلکہ نکرہ مفرد ہو اور اس میں صرف آخری شرط منتفی ہو یعنی وہ مضاف یا مشابہ بمضاف نہ ہو تو وہ اس حرکت پر مبنی ہوگا جس پر مفرد نصب دیا جاتا ہے۔

قولہ **فــي دخــولھــا**:۔ دخولہا کی ضمیر مضاف الیہ سے حال بنانا درست ہے کیونکہ یہ ایسا مضاف الیہ ہے جس کے مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اسکی جگہ رکھ کر
بعدہا کہہ سکتے ہیں اور مضاف ظرف یعنی بعد کیلئے فاعل ہے۔

ولا مشبهابه ليترتب عليه قوله فهو مبنى على ماينصب به فانه لو كان مفرد امعرفة او مفصولا فحكمه غير ذٰلك وقوله على ماينصب به اى على ما كان ينصب به المفرد قبل دخول لا عليه وهو الفتح فى الموحد نحو لا رجل فى الدار والكسرُ فى جمع المؤنث السالم بلا تنوين نحو لا مسلمات فى الدار والياء المفتوح ماقبلها فى المثنى والمكسور ماقبلها فى جمع المذكر السالم نحو لا مسلمَين ولا مسلمِين لك ويعنى بالمفرد ماليس بمضاف ولا مضارع له فيدخل فيه المثنى والمجموع

تاکہ اس پر مرتب ہوجائے مصنف کا قول (فهو مبنى على ماينصب به) کیونکہ اگر مسند الیہ مفرد معرفہ ہو یا مفصول ہوتو اس کا حکم اس کے علاوہ ہے اور مصنف کے قول "على ماينصب به" سے مراد یہ ہے کہ وہ مفرد دخول لا سے پہلے جس کے ساتھ منصوب ہوا کرتا تھا اس پر مبنی ہوگا اور وہ فتحہ ہے واحد میں جیسے لا رجل فی الدار اور کسرہ ہے جمع مؤنث سالم میں بغیر تنوین کے جیسے لا مسلمات فی الدار اور یاء ماقبل مفتوح ہے تثنیہ میں اور یاء ماقبل مکسور ہے جمع مذکر سالم میں جیسے لا مسلمین ولا مسلمین اور مفرد سے مصنف کی مراد وہ ہے جو مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو لہٰذا مفرد میں تثنیہ اور جمع داخل ہوجائیگے

قولہ **ليترتب عليه**:۔ یہ قید نا مقدر کے متعلق ہے یعنی ہم نے مفرد اکو شرط اخیر کے انتفاء کے ساتھ مقید کر کے مفرد سے مراد مقابل مضاف و مشابہ مضاف لیا ہے تاکہ فان کان مفرد اپر فہو مبنی الخ مرتب ہوجائے یعنی شرط اور جزا میں ترتب تام ہوجائے کیونکہ علامت نصب پر لائے نفی جنس کا وہی مسند الیہ مبنی ہوتا ہے جو نکرہ مفرد وہ بلا فصل ہو یعنی مضاف یا مشابہ بمضاف نہ ہو قولہ **على ماينصب به**:۔ شارح نے اس قول کی تفسیر علی ما کان الخ کے ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کے کلام میں تناقض ہے اس لئے کہ اس کے قول **فهو مبنى** سے مراد معلوم ہو رہا ہے کہ لائے نفی جنس کا مسند الیہ مبنی ہوتا ہے اور اسکے قول "ينصب" سے مسند الیہ کا معرب ہونا مفہوم ہو رہا ہے کیونکہ نصب معرب کے القاب میں سے ایک لقب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ لا کے مسند الیہ کی طرف بنا یا اعراب کی نسبت میں اتحاد زمانہ نہیں پایا جاتا لہٰذا مصنف کی عبارت میں تناقض نہیں ہے یعنی مسند الیہ دخول لا کے بعد مبنی ہوجاتا ہے اس حرکت پر جس پر وہ دخول لا سے پہلے معرب تھا اور جسکے ساتھ مفرد نصب دیا جاتا ہے وہ واحد میں فتحہ ہے لہٰذا دخول لا کے بعد مفرد مبنی بر فتحہ ہوگا جیسے لا رجل فی الدار اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ ہے لہٰذا دخول لا کے بعد وہ مبنی علی الکسر ہوگی اور تثنیہ میں یاء ماقبل مفتوح ہے اور جمع میں یاء ماقبل مکسور ہے لہٰذا دخول لا کے بعد دونوں مبنی علی الیاء ہوں گے جیسے لا مسلمَین لک ولا مسلمِین لک اور چونکہ مفرد سے مصنف کی مراد وہ ہے جو مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو لہٰذا تثنیہ اور جمع مفرد میں داخل رہیں گے۔ قولہ **بلا تنوين**:۔ یہ مازنی کے قول سے احتراز ہے جس کے نزدیک جمع مؤنث مبنی بر فتح بلا تنوین ہے تاکہ جمع مؤنث کی حرکت لا کے باقی اسماء مبنیہ کی حرکت کے موافق ہوجائے اور بعض کے نزدیک مسلمات مبنی علی الکسر مع التنوین ہے اور اسکی تنوین برائے تمکن نہیں بلکہ یہ تنوین مقابلہ ہے لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ جمع مؤنث کی تنوین مقابلہ شکل وصورت میں چونکہ تنوین تمکن کے مشابہ ہے اس لئے اس پر تنوین مقابلہ بھی نہیں آئیگی۔

قولہ **فهو مبنى**:۔ واضح رہے کہ بنا واجب نہیں بلکہ الغاء بھی جائز ہے پس رفع اور تکریر لازم ہوگی۔ (عصام)

وَالـمـابُنِی لتضمنه معنی مِن اذمعنی لارجلَ فی الدار لامن رجل فیهالانه جواب لمَن یقول هل مِـن رجـل فـی الـدار حقیقةاوتقدیرالحذف مِن تخفیفاوالمابُنِی علی مایُنصب به لیکون البناء عـلـی حرکةاوحرف استحقهما النکرةفی الاصل قبلَ البناء ولم یُبن المضاف ولاالمضارع له لان الاضـافةترجّـح جانبَ الاسمیةفیصیرالاسم بهاالی مایستحقه فی الاصل اعنی الاعراب فان کان ای المسندالیه بعددخولهامعرفةبانتفاء شرط النکارة اومفصولابینه ای بین ذٰلک

اور مسندالیہ مبنی کیا گیا ہے بوجہ متضمن ہونے اسکے لفظ مِن کے معنی کو کیونکہ لارجل فی الدار کا معنی ہے لامن رجل فیہا کیونکہ یہ اس شخص کا جواب ہے جو کہتا ہے ھل مِن رجل فی الدار حقیقۃً سوال ہو یا تقدیراً پس مِن تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور لا کے اسم کو علامت نصب پر مبنی کیا گیا تا کہ بناء اس حرکت یا حرف پر ہو جائے جس کا نکرہ اصل میں قبل البناء مستحق تھا اور مضاف اور مشابہ مضاف مبنی نہیں کیا گیا اس لئے کہ اضافت جانب اسمیت کو ترجیح دیتی ہے لہٰذا اسم لا اضافت کی وجہ سے اسکی جانب مائل ہوگا جس کا وہ اصل میں مستحق ہے میری مراد اعراب ہے (پس اگر ہو) یعنی مسندالیہ دخول لا کے بعد (معرفہ) ہمراہ منتفی ہونے نکرہ ہونے کی شرط کے (یا فاصلہ ہو اسکے درمیان) یعنی اس کے

قولہ والـمـابنی:۔ اور اس صورت میں دخول لا کے بعد لا کا مسندالیہ اس لئے مبنی ہوتا ہے کہ وہ مِن استغراقیہ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور مِن مبنی الاصل ہے لہٰذا مِن کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے لا کا مسندالیہ بھی مبنی ہوگا اور اس تضمین پر دلیل یہ ہے کہ لارجل فی الدار کا معنی لامن رجل فی الدار ہے اس لئے کہ لارجل فی الدار سوال محقق یا سوال مقدر کا جواب ہے یعنی سوال حقیقۃً کیا گیا ہو یا فرض کر لیا جائے گویا کہ سائل نے پوچھا ھل مِن رجل فی الدار تو اسکو جواب دیا گیا لامن رجل فی الدار پھر کلمہ مِن کو تخفیفاً حذف کر کے لارجل فی الدار بولا گیا۔ **قولہ والـمـابـنی علی ما یـنـصـب بـہ:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ بنا میں اصل بنا علی السکون ہے تو لا کے مسندالیہ کو مبنی علی السکون کیوں نہیں بنا گیا۔ شارح نے جواب دیا کہ اسکو مبنی علی السکون کے بجائے مبنی علی الفتحہ بنایا گیا تا کہ کلمہ لا کے مسندالیہ کی حرکت بنائی یا حرف بنائی اس حرکت یا حرف کے موافق ہو جائے جس کا وہ نکرہ اصل میں یعنی بنا سے پہلے مستحق تھا اور مبنی بر فتح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بناء اصلی اور بناء عارضی میں فرق کیا جائے۔ **قولہ ولـم یـبـن:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لا کا مسندالیہ جو مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو اسکو مبنی کیوں نہیں بنایا گیا؟ جبکہ وہ بھی مِن استغراقیہ کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اس لئے کہ لا غلام رجل ظریف فیہا کا معنی ہے لامن غلام رجل ظریف فیہا۔ شارح نے جواب دیا کہ لا کا مسندالیہ جو مضاف یا مشابہ مضاف ہو اسکو مبنی اسلئے نہیں بنایا گیا کہ اضافت اسکی جانب اسمیت کو راجح کر دیتی ہے کیونکہ یہ ھل من غلام رجل ظریف فیہا کا جواب ہے جسکی وجہ سے لا کا مسندالیہ اسکی طرف مائل اور متوجہ ہو جاتا ہے جس کا وہ اصل میں مستحق تھا یعنی معرب بن جاتا ہے کہ اصل اسماء میں اعراب ہے۔ **قولہ فـان کـان مـعـرفـة:۔** یعنی اگر دخول لا کے بعد اس کا مسندالیہ معرفہ ہو یعنی اسمیں نکرہ ہونے کی شرط منتفی ہو یا کلمہ لا اور اسکے مسندالیہ کے درمیان فصل ہو یعنی اتصال کی شرط منتفی ہو خواہ مضاف و مشابہ مضاف کی شرط منتفی ہو یا نہ ہو تو مسندالیہ کا رفع اور تکرار واجب ہے۔ **قولہ بینہ:۔** یہ ظرف **مفصولا** کے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہے اور مصنف کا قول **وبین لا "بینہ** کی ضمیر مجرور پر باعادہ جار یعنی لفظ بین معطوف ہے یہ لفظ اصل میں مکان کیلئے ہے لیکن جب اسکے ساتھ الف یا کلمہ ما زائدہ لاحق ہو جائے تو یہ زمان کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے

المسند الیه وبین لا بانتفاء شرط الاتصال علی سبیل منع الخلو سواء کان مع انتفاء شرط کونه مضافا او مشبها به اولا وهی ست صور نحو لا زید فی الدار ولا عمرو ولا غلام زید فی الدار ولا عمرٌو ولا فی الدار رجل ولا امرأة ولا فی الدار غلام رجل ولا امرأة ولا فی الدار زید ولا عمرو ولا فی الدار غلام زید ولا عمرو وجب فی جمیع هذه الصور الست الرفع علی الابتداء اما فی المعرفة فلامتناع اثر لا النافیة للجنس فیها واما فی المفصول فللضعف لا عن التاثیر مع الفصل

مسند الیه کے درمیان (اور لا کے درمیان) ساتھ منتفی ہونے اتصال کی شرط کے منع خلو کے طریقے پر خواہ وہ مضاف ومشابہ مضاف کی شرط کے انتفاء کے ساتھ ہو یا نہ ہو اور یہ چھ صورتیں ہیں جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو الخ (تو واجب ہے) ان تمام صورتوں میں (رفع) مبتدا ہونے کی بنا پر رہا معرفہ میں تو اس لئے کہ معرفہ میں لائے نفی جنس کا اثر ممتنع ہے بہرحال معرفہ مفصول میں پس بوجہ ضعیف ہونے لا کی تاثیر کے ہمراہ فصل کے

قوله علی سبیل منع الخلو: ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کی عبارت میں کلمہ اَو آیا ہے جو احد الامرین کیلئے آتا ہے لہٰذا متن کی عبارت سے یہ سمجھا گیا کہ اگر مسند الیہ میں معرفہ اور مفصول ہونا دونوں امر موجود ہوں تو پھر رفع اور تکرار کا حکم نہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ لا فیہا زید ولا عمرو میں دونوں امر موجود ہیں یعنی مسند الیہ معرفہ بھی ہے اور مفصول بھی پھر بھی مرفوع اور مکرر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر کلمہ اَو منع خلو کیلئے ہے یعنی امرین کا اجتماع جائز ہے اور خلو ممنوع ہے لہٰذا اگر مسند الیہ معرفہ ہو اور مفصول بھی تو رفع اور تکرار واجب ہے۔ **قوله وهی ست صور:** ۔ اور یہ چھ صورتیں متحقق ہوتی ہیں ۱۔ مسند الیہ معرفہ ہو مفصول مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو ۲۔ مسند الیہ معرفہ مضاف ہو لیکن مفصول نہ ہو جیسے لا غلام زید فی الدار ولا عمرو عمرو کی جر کے ساتھ کہ یہ زید پر معطوف ہے ۳۔ لا کا مسند الیہ مفصول ہو مگر معرفہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو جیسے لا فی الدار رجل ولا امرأة ۴۔ مسند الیہ مفصول اور مضاف ہو لیکن معرفہ نہ ہو جیسے لا فی الدار غلام رجل ولا امرأة اس مثال میں لفظ غلام نکرہ کی طرف اضافت کی وجہ سے معرفہ نہیں ہوا ۵۔ معرفہ بھی ہو اور مفصول بھی لیکن مضاف نہ ہو جیسے لا فی الدار زید ولا عمرو ۶۔ معرفہ مفصول اور مضاف ہو جیسے لا فی الدار غلام زید ولا عمرو ان چھ صورتوں میں مسند الیہ مذکور کا رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ **قوله اما فی المعرفة:** ۔ یعنی مسند الیہ معرفہ کو رفع اس لئے واجب ہے کہ لا کی وضع اس لئے ہے کہ جنس یعنی نکرہ سے کسی چیز کی نفی کرے تو بلحاظ وضع معرفہ میں لا کا عمل ممتنع ہوا اور کوئی دوسرا عامل لفظی بھی موجود نہیں تو لامحالہ عامل معنوی کی طرف رجوع کیا جائیگا تا کہ عمل کا تحقق عامل کے بغیر لازم نہ آئے اور وہ عامل معنوی ابتدا ہے لہٰذا معرفہ مذکور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور مفصول ہونے کی صورت میں اس لئے مرفوع ہوگا کہ کلمہ لا عمل میں ضعیف ہے کیونکہ وہ اِنّ حرف مشبہ بالفعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور اِنّ فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے تو لا فرع الفرع ہوا جس کی وجہ سے وہ مسند الیہ میں عمل نہیں کر سکے گا تو مسند الیہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا رہی یہ بات کہ لائے نفی جنس کو اِنّ مشبہ بالفعل کے ساتھ کس بات میں مشابہت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ درج ذیل چیزوں میں اسکو اِنّ کے ساتھ مشابہت ہے ۱۔ دونوں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں ۲۔ دونوں صدارت کلام کے مقتضی ہیں ۳۔ دونوں تاکید کیلئے ہیں صرف اسقدر فرق ہے کہ اِنّ اثبات کی تاکید کیلئے ہے اور لائے

والتکریر ای وجب تکریر اسمہ لکن مطلقا لا بعینہ اما فی المعرفۃ لیکون کالعوض عما فی التنکیر من معنی نفی الآحاد و اما فی النکرۃ لیکون مطابقا لما ھو جواب لہ من مثل قول السائل افی الدار رجلٌ اَم امرأۃ و ھذا التعلیل جارٍ فی المعرفۃ ایضا **ونحو قضیۃٌ** ای ھذہ قضیۃ **ولا اَبا حسن لھا** ای لھذہ القضیۃ ھذا جواب دخل مقدر علی قولہ وان کان معرفۃ وجب الرفع والتکریر فان اسم لا فیہ معرفۃ لان ابا حسن کُنیۃُ عَلِیٍّ ؓ ولا رفع فیہ ولا تکریر بل ھو منصوب غیرُ مکرر فاجاب بانہ **متأوّلٌ بالنکرۃ** اِما بتقدیر المثل ای ولا مثل ابی حسن لھا فان مثلا لتوغلہ فی الابھام لا یتعرف بالاضافۃ الی المعرفۃ او بتاویلہ بفیصل بین الحق والباطل لاشتھارہ ؓ بھذہ الصفۃ

(اور تکرار) یعنی اسمیں اسم لا کی تکرار واجب ہے لیکن مطلقا نہ بعینہ اس اسم کی تکرار بہرحال معرفہ میں تا کہ تکرار اس کے عوض ہو جائے جو تنکیر میں نفی احاد کے معنی سے ہے اور بہرحال نکرہ میں تا کہ کلام اس سوال کے مطابق ہو جائے جس کا وہ جواب ہے مثل سائل کے قول "افی الدار رجل ام امرأۃ اور یہ تعلیل معرفہ میں بھی جاری ہے (اور مثل قضیہ) یعنی یہ قضیہ ہے (ولا ابا حسن لہا) یعنی اس قضیہ کیلئے یہ سوال مقدر کا جواب ہے جو مصنف کے قول "وان کان معرفۃ وجب الرفع والتکریر" پر وارد ہوتا ہے اس لئے کہ اس مثال میں لا کا اسم معرفہ ہے کیونکہ ابا حسن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور اسمیں نہ رفع ہے اور نہ تکریر بلکہ وہ منصوب بلا تکرار ہے پس مصنف نے جواب دیا کہ یہ (تاویل کیا ہوا ہے) نکرہ سے یا بتقدیر لفظ مثل ای ولا مثل ابی حسن لہا کیونکہ لفظ مثل کثرت فی الابہام کی وجہ سے معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے معرفہ نہیں ہوتا یا فیصل بین الحق والباطل کی تاویل سے مؤول ہے بوجہ مشہور ہونے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس صفت کے ساتھ

نفی جنس لفی کی تاکید کیلئے ہے۔ **قولہ والتکریر:** ۔شارح نے اپنے قول "ای وجب" سے یہ بتایا ہے کہ مصنف کا قول **التکریر** اس کے قول الرفع پر معطوف ہے یعنی کلمہ لا کو بمع اسم لا مکرر لانا واجب ہے لیکن بعینہ نہیں بلکہ بنوعہ یعنی یہ واجب ہے کہ دوسرا مسندالیہ پہلے پر معطوف ہو اور اول کا بعینہ مکرر لانا ضروری نہیں۔ **قولہ اما فی المعرفۃ:** ۔یعنی مسندالیہ معرفہ میں تکریر اسم اس لئے ضروری ہے کہ یہ تکریر اس کے عوض ہو جائے جو نکرہ میں نفی آحاد کے معنی پائے جاتے ہیں اور نکرہ میں تکریر اسم اس لئے ضروری ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے کیونکہ لا رجل فی الدار ولا امرأۃ جواب ہے ارجل فی الدار ام امرأۃ کا چونکہ سوال میں مسندالیہ مکرر ہے تو برائے مطابقت جواب میں بھی تکریر ضروری ہے اور معرفہ کی صورت میں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ تکریر برائے مطابقت ہے۔ **قولہ ونحو قضیۃ:** ۔یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جو مصنف کے قول **وان کان معرفۃ الخ** پر وارد کیا گیا جسکی تشریح یہ ہے کہ ابھی یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو لا کی تکریر ہمراہ اسم کے واجب ہے اور لا ابا حسن لہا

قولہ متأول: ۔یہ تاویل سے ہے بمعنی صرف الشی من الظاہر ان دونوں تاویلوں کا حاصل یہ ہے کہ اس قول میں کلمہ لا کا اسم معرفہ نہیں ہے لہذا قاعدہ کلیہ اپنے مقام پر سالم ہے اور دوسری تاویل کی تائید حسن سے اس طرح ہوتی ہے کہ لفظ حسن اس قول میں الف لام کے بغیر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب علم سے صفت مشہورہ مراد لیتے ہیں تو اسکو لام سے مجرد کر کے اس پر تنوین تنکیر لاتے ہیں اور جب لا ابا حسن بمعنی لا فیصل ہوا جو کہ نکرہ مطردہ ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتح ہے تو اس کا قائم مقام یعنی ابا حسن بھی نکرہ مطردہ قرار

فکانہ قیل لا فیصل لہا ویُقَوّی ھٰذا التاویل ابو الحسن بحذف اللام لان الظاھر ان تنوینہ للتنکیر وفی مثل لاحول و لا قوۃ الا باللہ ای فیما کرّرت فیہ لا علی سبیل العطف و کان عقیب کل منھما نکرۃ بلا فصل یجوز خمسۃ اَوْجُہٍ بحسب اللفظ لا بحسب التوجیہ فانہا بحسب التوجیہ تزید علیہا الاول فتحُھما ای لاحول و لا قوۃ الا باللہ علی ان تکون لا فی کل منھما لنفی الجنس و لا قوۃ عطفا علی لاحول عطف مفردٍ علی مفرد و خبرھما محذوف ای لاحول و لا قوۃ موجود الا باللہ او عطف جملۃ علی جملۃ ای لاحول الا باللہ و لا قوۃ الا باللہ

گویا کہ کہا گیا لا فیصل لہا اور لفظ حسن کو لام کے بغیر لانا دوسری تاویل کو قوت دیتا ہے اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ حسن کی تنوین تنکیر کیلئے ہے (اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی مثل میں) یعنی ہر اس ترکیب میں جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر ایک لا کے بعد نکرہ بلا فصل واقع ہو تو جائز ہیں (پانچ صورتیں) تلفظ کے اعتبار سے توجیہ کے اعتبار سے نہیں کیونکہ توجیہ کے اعتبار سے پانچ سے بڑھ جاتی ہیں اول (دونوں کا فتح) یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس بنا پر کہ لا دونوں جگہ نفی جنس کیلئے ہو اور لا قوۃ کا عطف لاحول پر ہو بر سبیل عطف مفرد علی المفرد اور لا کی خبر محذوف ہو یعنی لاحول ولا قوۃ موجود الا باللہ یا جملہ کا عطف جملہ پر ہو یعنی لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ

میں ابا حسن معرفہ ہے کیونکہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور کنیت از قسم علم ہے لیکن یہ نہ مرفوع ہے اور نہ مکرر لہٰذا قاعدہ مذکورہ صحیح نہیں۔ مصنف نے جواب دیا کہ قول مذکور میں ابا حسن بتاویل نکرہ ہے جسکی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ یہ کہ ابا حسن لہا اصل میں بتقدیر مضاف ہے یعنی لا مثل ابی حسن لہا مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا اور نصب مضاف الیہ کو دے دیا تو لا ابا حسن لہا ہو گیا چونکہ لفظ مثل ابہام میں ڈوبا ہوا ہے اس لئے مضاف ہونے کے بعد بھی نکرہ رہا نظر برآں یہ لا کا مسند الیہ معرفہ نہ ہوا۔ دوم۔ یہ کہ لا ابا حسن بتاویل فیصل بین الحق والباطل ہے کیونکہ حضرت علی اس وصف کے ساتھ مشہور تھے اس لئے کہا گیا ھذہ قضیۃ ولا فیصل لہا پس ابا حسن نکرہ قرار پایا کیونکہ علم بولکر جب اسکا وصف مشہور مراد لیا جائے تو وہ علم نکرہ ہو جاتا ہے۔ قولہ **ویقوی ھذا**:۔ یعنی اس تاویل ثانی کو کلمہ حسن کا الف لام کے بغیر آنا قوت دیتا ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حسن کی تنوین برائے تنکیر ہے اور اس سے کوئی فیصلہ کرنے والا مراد ہے۔ قولہ **فی مثل لاحول**:۔ اس سے مراد وہ ترکیب ہے جس میں کلمہ لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر ایک لا کے بعد نکرہ بلا فصل واقع ہو اس ترکیب کی مثل میں تلفظ کے اعتبار سے یعنی مسند الیہ کی حرکات و سکنات کے اعتبار سے پانچ وجہیں جائز ہیں۔ توجیہ کے اعتبار سے نہیں یعنی یہ پانچ وجہیں اس اعتبار سے نہیں کہ یہ لا برائے نفی جنس ہے یا مشابہ بلیس ہے یا ملغی ہے کیونکہ اس اعتبار سے مذکورہ ترکیب کی پانچ سے زیادہ صورتیں بنتی ہیں وجہ اول۔ دونوں کا فتحہ اس بنا پر کہ دونوں لا نفی جنس کیلئے ہیں پھر لا قوۃ، لاحول پر معطوف ہے از قبیل عطف مفرد علی المفرد اسوقت لا کی خبر محذوف ہوگی ای لاحول ولا قوۃ موجود الا باللہ یا یہ عطف از قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ ہوگا ای لاحول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پہلے جملے کی خبر حذف کر دی گئی کیونکہ دوسرے جملہ کی خبر کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں۔ دوم۔ اول نکرہ مبنی بر فتحہ اور دوم

یا کرمبنی بر الف ہو کیا سماء ستہ میں علامت نصب الف ہے۔ (جامع) قولہ **ویقوی**:۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ علم سے جب صفت مشہورہ مراد لیتے ہیں تو نکرہ کر کے منون کر دیتے ہیں۔ قولہ **قولہ فی مثل**:۔ یعنی یہ اقسام ہر ترکیب میں جاری ہیں جسمیں یہ شرطیں ہوں ۱۔ لا مکرر ہو ۲۔ تکرار بالعطف ہو ۳۔ لا نکرہ مفردہ سے متصل ہو اور افراد کی شرط

فحذف خبر الجملة الاولی استغناءً عنه بخبر الجملة الثانية والثانی فتح الاول ونصب الثانی ای لاحول ولاقوة الاباللہ امافتح الاول فلان لاالاُولی لنفی الجنس واما نصب الثانی فلان لاالثانی مزيدة لتاكيد النفی والثانی معطوف علی الاول فيكون منصوبا حملاعلی لفظه لمشابهة حركته حركة الاعراب ويجوزان يقدر لهما خبر واحد وان يقدر لكل منهما خبر علی حدة والثالث فتح الاول ورفعه ای رفع الثانی نحو لاحول ولاقوةٌ الاباللہ امافتح الاول فلانَّ لاالاولی لنفی الجنس

پھر پہلے جملے کی خبر کو حذف کر دیا گیا کہ دوسرے جملے کی خبر کے ہوتے ہوئے اسکی ضرورت نہیں ہے (اور) دوسری صورت پہلے کلمہ کا فتحہ (اور ثانی کا نصب) یعنی لاحول ولاقوۃ الا باللہ بہر حال اول کا فتحہ تو وہ اسلئے کہ پہلا لا نفی جنس کیلئے ہے اور ثانی کا نصب اسلئے کہ وہ لا زائدہ نفی کی تاکید کیلئے ہے اور ثانی اول پر معطوف ہے لہٰذا وہ پہلے کے لفظ پر حمل کئے جانے کی وجہ سے منصوب ہوگا کیونکہ اسکی حرکت، حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اور جائز ہے کہ دونوں کیلئے ایک خبر مقدر کی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں کیلئے الگ خبر مقدر کی جائے (اور) تیسری صورت اول کا فتحہ (اور اس کا رفع) یعنی ثانی کا رفع جیسے لاحول ولاقوۃٌ الا باللہ فتح اول اسلئے کہ پہلا لا نفی جنس کیلئے ہے

منصوب یعنی لاحول ولاقوۃ الا باللہ اول اسلئے مبنی بر فتحہ کہ پہلا لا برائے نفی جنس ہے اور دوسرا اسم اس لئے منصوب کہ لا زائدہ برائے تاکید نفی ہے اور وہ پہلے نکرہ پر معطوف ہے پس یہ نکرہ پہلے نکرہ کے لفظ پر حمل کرنے کی وجہ سے منصوب ہوگا کیونکہ پہلے نکرہ کی حرکت اگرچہ بنائی ہے لیکن کلمہ لا کی وجہ سے آئی ہے اس لئے وہ اعرابی حرکت کے مشابہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں کی ایک خبر مقدر کی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ الگ الگ خبر مقدر کی جائے۔ سوم۔ نکرہ اول مبنی بر فتحہ اور دوم لفظا مرفوع جیسے لاحول ولاقوۃٌ الا باللہ نکرہ اول اس لئے مبنی بر فتحہ کہ پہلا لا نفی جنس کیلئے ہے اور دوسرا اس لئے مرفوع کہ وہ پہلے پر باعتبار اسکے محل بعید کے معطوف ہے اور حول کا محل بعید مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع ہے اور کلمہ لا زائد برائے تاکید ہے اور یہ از قبیل عطف المفرد علی المفرد ہے اس لئے کہ دونوں کی خبر ایک ہے جو مقدر ہے یا یہ عطف از قبیل عطف الجملة علی الجملة ہے بایں طور کہ ہر ایک کی خبر الگ الگ ہے یعنی لاحول موجود ولاقوۃ موجود الا باللہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلمہ لا زائدہ نہ ہو بلکہ نفی جنس کیلئے ہو لیکن ملغی عن العمل ہو

مثال سے مستفاد ہے قولہ **فحذف خبر الجملة:**۔ علامہ عصام فرماتے ہیں کہ شارح کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جملہ ثانیہ کی خبر مذکور ہے یعنی باللہ جبکہ ماسبق سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ ثانیہ کی خبر محذوف ہے یعنی موجود لہٰذا شارح کے کلام میں تنافر ہے پس اولی یہ تھا کہ ماسبق میں کہتے کہ کلمہ لا کی خبر باللہ ہے علامہ میر غنمی فرماتے ہیں کہ عطف الجملہ علی الجملہ کی صورت میں بھی کلمہ لا کی خبر محذوف ہے اور باللہ خبر نہیں بن سکتا کیونکہ کلمہ الا سے جب نفی ٹوٹ گئی تو کلمہ لا مستثنیٰ میں عامل نہ رہا پھر باللہ خبر کیسے بن جائیگا اور دوسرے لا کی خبر پہلے لا کی خبر کے محذوف ہونے پر قرینہ ہوگی بایں طور کہ باللہ جار مجرور ہے جو کہ متعلق کا متقاضی ہے لہٰذا اس سے قبل موجود خبر مقدر مانی گئی اور وہ ملفوظ کے حکم میں ہوگی کیں المقدر کالملفوظ پھر ملفوظ کے حکم میں ہو کر وہ پہلے لا کی خبر یعنی موجود پر قرینہ ہوگی اور موجود سے استثناء ہو گیا اب تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لاحول موجود ولاقوۃ موجود الا باللہ پھر موجود اور موجود کا باللہ میں یعنی جار مجرور میں تنازع ہوا اور بر مذہب بصریہ باللہ کو ثانی یعنی موجود کے متعلق کیا اور اول یعنی موجود کیلئے باللہ کو مقدر کیا تو عبارت یوں ہوگی لاحول موجود الا باللہ ولاقوۃ موجود الا باللہ اس تقدیر پر ترکیب مذکورہ جملے ہوئے یہ بات نہیں کہ جملہ ثانیہ کیلئے باللہ خبر ہے (بشیر)

وامارفع الثانی فلان لازائدةٌ والثانی معطوف علی محل الاول لانه مرفوع بالابتداء عطف مفرد علی مفرد بان یقدر لهما خبر واحد او عطف جملة علی جملة بان یقدر لکلٍ منهما خبر علی حدة وَالرابع رفعُهما بالابتداء نحو لاحولٌ ولاقوةٌ الا بالله لانه جوابُ قولهم اَبغیر الله حولٌ وقوةٌ فجاء بالرفع فیهما مطابقة للسؤال ویجوز الامران ههنا ایضا وَالخامس رفع الاول علی اَن لا بمعنی لیس علی ضُعف فانّ عمل لا بمعنی لیس قلیل وفتح الثانی نحو لاحولٌ ولاقوةَ الا بالله علی ان تکون لا لنفی الجنس وضعّفَ وجه ضُعفِ رفع الاول بانه یجوز ان یکون رفعه لاِلغاء عمل لا بالتکریر لا لکونها بمعنی لیس لان شرط صحة الغائها التکریر فقط وقدحصل ههنا

اور ثانی کا رفع اس لئے کہ لا زائدہ ہے اور ثانی پہلے کے محل پر عطف ہے کیونکہ پہلا مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور وہ مفرد کا عطف ہے مفرد پر اس طرح کہ دونوں کیلئے ایک خبر مقدر کی جائے یا عطف جملہ علی الجملہ ہے اس طرح کہ ہر ایک کیلئے علیحدہ خبر مقدر کی جائے (اور) چوتھی صورت (ان دونوں کا رفع ہے) مبتدا ہونے کی وجہ سے جیسے لاحولٌ ولاقوۃٌ الا باللہ کیونکہ یہ جواب ہے ان کے قول "اَبغیر اللہ حولٌ وقوۃٌ" کا پس جواب رفع کے ساتھ آیا ہے دونوں میں سوال کی مطابقت کی وجہ سے اور یہاں بھی دو امر جائز ہیں (اور) پانچویں صورت (اول کا رفع) اس بنا پر کہ لا بمعنی لیس ہے (ضعف پر) کیونکہ لا بمعنی لیس کا عمل قلیل ہے (اور ثانی کا فتح) جیسے لاحولٌ ولاقوۃَ الا باللہ اس بنا پر کہ لا نفی جنس کیلئے ہے اور ضعیف قرار دی گئی ہے رفع اول کے ضعیف کی وجہ اس طرح کہ اس کا رفع تکرار لا کے باعث عمل کے لغو ہو جانے کی وجہ سے ہو اس وجہ سے نہیں کہ لا بمعنی لیس ہے کیونکہ لا کے الغائے عمل کی صحت کیلئے صرف تکرار شرط ہے اور وہ یہاں حاصل ہے

قولہ والرابع:۔ اور چہارم۔ دونوں کا رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے جیسے لاحولٌ ولاقوۃٌ الا باللہ اس لئے کہ یہ جواب ہے اَبغیر اللہ حولٌ وقوۃٌ کا تو دونوں کا رفع اس بنا پر ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے کیونکہ سوال میں بھی دونوں اسم مرفوع ہیں اور اس صورت میں بھی ہر ایک کیلئے الگ خبر مقدر کرنا یا دونوں کیلئے ایک خبر مقدر کرنا دونوں امر جائز ہیں۔ پنجم۔ اول کا رفع اور دوم کا فتحہ جیسے لاحولٌ ولاقوۃَ الا باللہ اول کا رفع اس لئے کہ یہ لامشابہ بلیس ہے چونکہ لامشابہ بلیس کا عمل قلیل ہے اس لئے رفع کی یہ وجہ ضعیف ہے اور دوم کا فتحہ اس بنا پر کہ وہ لا برائے نفی جنس ہے۔ قولہ وضعّف:۔ یہ تضعیف سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے یعنی مصنف نے وجہ خامس میں اول کے رفع کو جو ضعیف کہا اسکی تضعیف کی گئی ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اول کا رفع لامشابہ بلیس کی وجہ سے نہ ہو بلکہ تکریر اسم کے باعث لا کے ملغی عن العمل ہونے کی وجہ سے ہو کیونکہ تکریر کی صورت میں لا کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور صحت الغاء کی شرط صرف تکریر ہے جو موجود ہے۔ جب یہاں لا بمعنی لیس نہیں تو اول کے رفع کو ضعیف کہنا بھی درست نہیں۔

قولہ خبر واحد:۔ اس صورت میں اثر واحد پر دو مؤثروں کا توارد لازم آئیگا یعنی یہ لازم آئیگا کہ خبر مقدر کلمہ لا کا معمول ہو اور عامل معنوی یعنی ابتدا کا بھی معمول ہو اور یہ جائز نہیں تو دو اسموں کیلئے ایک خبر کیسے مقدر کی جائیگی اور اگر یہ کہا جائے کہ مؤثرین لفظین کا ایک اثر پر توارد ممتنع ہے اور یہاں دونوں مؤثر لفظی نہیں بلکہ ایک معنوی ہے تو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ایک اثر پر ایسے دو مؤثر کا توارد بھی ممتنع ہے کہ ایک مؤثر لفظ ہو اور دوسرا صفات لفظ سے ہو اور ابتدا جو عامل معنوی ہے وہ صفات لفظ سے ہے۔ (جمال)

☆☆☆

ولادخل فیہالتوافق الاسمین بعدھافی الاعراب فھٰذاعلی التوجیہ الاول متعین لعطف جملۃ علی جملۃای لاحول الاباللہ ولاقوۃالاباللہ والایلزم ان یکون قولہ الاباللہ منصوباومرفوعا وعلی التوجیہ الثانی یحتمل ان یکون من قبیل عطف مفردعلی مفرداوعطف جملۃعلی جملۃکمالایخفی واذادخلت الھمزۃ علی لاالتی لنفی الجنس لم یتغیرالعمل ای عمل لاای تاثیرھافی مدخولھا اعراباوبناء لان العامل لایتغیرعملُہ لدخول کلمۃالاستفھام ومعناھاای معنی الھمزۃالداخلۃعلی لاالتی لنفی الجنس اِمّا الاستفھام حقیقۃکقول اَلَارجلَ فی الدار مستفھما واِمّا العرض مثل اَلَانزول عندی

اوراس الغاء میں لا کے بعد دونوں اسموں کے اعراب میں موافق ہونے کا کوئی دخل نہیں پس یہ قسم پہلی توجیہ پر ایک جملہ کے دوسرے جملہ پر عطف کیلئے متعین ہے یعنی لاحول الاباللہ ولاقوۃ الاباللہ ورنہ لازم آئیگا کہ الاباللہ منصوب اور مرفوع ہواوردوسری توجیہ پراس بات کا احتمال ہے کہ یہ عطف مفردعلی المفردہو یا عطف جملہ علی الجملہ ہوجیسا کہ مخفی نہیں (اورجب ہمزہ داخل ہو)اس لا پر جونفی جنس کیلئے ہے (توعمل متغیرنہیں ہوگا)یعنی لا کا عمل یعنی اسکی تاثیراسکے مدخول میں معرب اومبنی ہونے کے اعتبارسے کیونکہ کلمہ استفہام کے دخول سے عامل کا عمل متغیرنہیں ہوتا(اوراسکامعنی)یعنی ہمزہ استفہام جولائے نفی پرداخل ہے اسکا معنی یا(استفہام ہے)حقیقۃ پس تم کہوگے اَلَارجل فی الدارسوال کرتے ہوئے یا(عرض ہے)جیسے اَلَانزول عندی کیامیرے پاس آپ کانزول نہیں

قولہ ولادخل:۔یہ سوال مقدرکا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ کلمہ لا کے عمل کو باطل کرنے کیلئے صرف تکرارلاکافی نہیں بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں اسم اعراب میں موافق ہوں اوروہ شرط یہاں مفقودہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دونوں کا اعراب میں موافق ہونا بطلان عمل کیلئے ضروری نہیں قولہ **فھٰذاعلی التوجیہ**:۔یعنی یہ ترکیب پہلی توجیہ پر یعنی اگراول کارفع لامشابہ بلیس کی بناپرہوجیسا کہ مصنف نے کہاتو یہ ترکیب عطف الجملۃ علی الجملۃ کیلئے متعین ہوگی اوراز قبیل عطف المفردعلی المفردنہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں الاباللہ کا بیک وقت مرفوع اورمنصوب ہونالازم آئیگا کیونکہ لامشابہ بلیس کی خبرمنصوب ہوتی ہے اورلائے نفی جنس کی خبرمرفوع ہوتی ہے اوردوسری توجیہ پراس ترکیب میں دونوں احتمال درست ہیں قولہ **واذادخلت**:۔یعنی جب لائے نفی جنس پرہمزہ استفہام داخل ہوتووہ لا کے عمل اوراسکی تاثیرکومتغیرنہیں کرتا یعنی دخول ہمزہ سے قبل کلمہ لا کامدخول معرب تھا یا مبنی تھاتودخول ہمزہ کے بعدبھی اسی طرح رہے گا کیونکہ کلمہ استفہام داخل ہونے سے عامل کا عمل تبدیل نہیں ہوتا.شارح نے ای عمل لا کہہ کراس بات کی طرف اشارہ کیاہے کہ العمل کا لام عہد کیلئے ہے جس سے مرادکلمہ لا کا عمل ہے اورای تاثیرھا کے ساتھ تفسیرکرکے یہ بتایا ہے کہ یہاں پرعمل کالغوی معنی یعنی تاثیرمرادہے.قولہ **ومعناھا**:۔یعنی لائے نفی جنس پرداخل ہونے والے ہمزہ کادرج ذیل تین میں سے کوئی ایک معنی ہوگا.۱۔استفہام حقیقی جیسے بطورسوال تم کہو اَلَارجل فی الدار.۲۔عرض جیسے اَلَانزول عندی.۳۔تمنی جیسے اَلَاماءَ اشربہ۔

قولہ **حقیقۃ**:۔چونکہ تمنی اورعرض میں بھی استفہام کامعنی ہوتاہے اس لئے فرمایا کہ کبھی ہمزہ کامعنی استفہام حقیقی یعنی سادج ہوتاہے جوعرض اورتمنی سے مخلوط نہیں ہوتا.

ولم یذکر سیبویہ ان حال لا فی العرض کحالہ قبل الھمزۃ بل ذکرہ السیرافیّ وتبعہ الجزُولیُّ والمصنف وردذلک الاندلسیُّ وقال ھذا خطاء لانھا اذا کانت عرضا کانت من حروف الافعال مثل إن ولو وحروف التحضیض فیجب انتصاب الاسم بعدھا نحو اَلَا زیدًا تکرمہ وَاِما التمنی نحو اَلَا ماءَ اَشربہ حیث لا یُرجٰی ماء واما قولہ ع الا رجلا جزاہ اللہ خیرا☆فھٰذہ عند الخلیل لیست لا الداخلۃ علیھا حرف الاستفھام ولکنہ حرف موضوع للتحضیض براسہ فکانہ قال الا تُرُونَنی رجلا یعنی ھلّا تُرُونی رجلا ولذٰلک نُصب ونُوِّن وھی عند یونس لا التی دخلت علیھا ھمزۃ الاستفھام بمعنی التمنی فکان القیاس اَلَا رجل ولکنہ نوّنہ لضرورۃ الشعر

اور سیبویہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ لا کا حال عرض میں مثل اسکے حال کے ہے ہمزہ سے پہلے بلکہ اسکو سیرافی نے ذکر کیا ہے اور جزولی اور مصنف نے اس کا اتباع کیا ہے اور اندلسی نے اسکو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خطا ہے کیونکہ لائے نفی جنس جب دخول ہمزہ سے عرض ہو گیا تو یہ افعال کے حروف سے ہو گیا جیسے اِن اور لو اور حروف تحضیض تو لا کے بعد اسم کا منصوب ہونا ضروری ہو گیا جیسے اَلَا زیدا تکرمہ (اور) یا (تمنی) جیسے اَلا ماء اشربہ جہاں پانی کی امید نہ ہو اور بہرحال شاعر کا قول "اَلا رجلا الخ" پس یہ لا خلیل کے نزدیک وہ لا نہیں جس پر حرف استفہام داخل ہے بلکہ یہ مستقل حرف ہے جو تحضیض کیلئے موضوع ہے گویا کہ شاعر نے کہا اَلا ترونی رجلا یعنی ھلا ترونی رجلا اور اسی وجہ سے نصب دیا گیا اور منون کیا گیا اور یونس کے نزدیک وہ لا ہے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہوا جو بمعنی تمنی ہے۔ پس قیاس تو اَلا رجل تھا لیکن شاعر نے ضرورت شعریہ کی وجہ سے اسکو منون کر دیا ہے

قولہ **ولم یذکر سیبویہ** :۔ یہ شارح کی جانب سے مصنف پر ایک اعتراض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیان قواعد میں مصنف، سیبویہ کا اتباع کرتے ہیں لیکن اسجگہ انہوں نے سیبویہ کا مذھب کیوں ترک کر دیا ہے؟ کیونکہ عرض میں لائے نفی جنس کا سابقہ حال پر باقی رہنا سیرافی کا مذھب ہے اور جزولی اور مصنف نے اس کا اتباع کیا ہے مگر اندلسی نے اس کا رد کیا ہے اور اسکو غلط قرار دیا ہے کیونکہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد جب لائے نفی جنس عرض ہو گیا تو یہ ان حروف میں سے ہو گیا جو لفظا یا تقدیرا فعل کو چاہتے ہیں اور فعل پر داخل ہوتے ہیں اسم پر داخل نہیں ہوتے جیسے حروف شرط وغیرہ لہذا عرض کے بعد واقع ہونے والے اسم کو فعل مقدر یا ملفوظ کی وجہ سے نصب ضروری ٹھیرا جیسے اَلا زیدا تکرمہ تو عرض میں دخول ہمزہ کے بعد لا کا حال وہ نہ رہا جو پہلے تھا قولہ **حیث یرجی** :۔ یعنی اَلا ماءا اشربہ کے معنی تمنی کے وہاں ہونگے جہاں پانی کی امید نہ ہو ورنہ استفہام حقیقی مراد ہوگا اور ہمزہ تمنی کیلئے نہیں ہوگا کیونکہ تمنا کا استعمال محال میں ہوتا ہے یا ایسے ممکن میں جس کے حصول کی توقع منقطع ہو قولہ **واما قولہ اَلا رجلا الخ** :۔ یہ مصنف پر ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ اگر دخول ہمزہ کے بعد کلمہ لا کا عمل متغیر نہیں ہوتا تو اَلا رجلا الخ میں لفظ رجل جو مبنی بر فتحہ تھا منصوب اور منون کیوں ہو گیا ہے؟ شارح نے اسکے دو جواب دیئے ہیں اول۔ یہ کہ خلیل نحوی کے نزدیک یہ اَلا ہمزہ استفہام اور لائے نفی جنس سے مرکب نہیں ہے بلکہ یہ مستقل حرف ہے جو تحضیض کیلئے موضوع ہے اور یہاں فعل مقدر ہے جسکی وجہ سے لفظ رجل منصوب اور منون ہے تقدیر عبارت اسطرح ہے اَلا ترونی (من الارائۃ) ای ھلا ترونی رجلا۔ دوم۔ یہ کہ یونس کے نزدیک یہ اَلا ہمزہ استفہام اور لائے نفی جنس سے مرکب ہے

ونعت اسم لا المبنی لانعت اسمها المعرب احترازٌ عن مثل نحو لاغلام رجل ظریفا الاولَ بالرفع صفة للنعت ای لا الثانی ومابعده احتراز عن مثل لا رجل ظریف کریمٌ فی الدار مفردا حال من ضمیر مبنیٌ والعامل فیه مبنی احتراز عن مثل لا رجلَ حَسَنُ الوجه یلیه حال بعد حال او صفة مفردا احتراز عن المفصول نحو لا غلام فیها ظریفٌ وهذا القید یغنی عن الاول مبنیٌ علی الفتح حملا علی المنعوت لمکان الاتحاد بینهما او الاتصال وتوجه النفی الیه ای الی النعت

(اور نعت) اسم لا (مبنی کی) نہ اسمِ لا معرب کی نعت یہ احتراز ہے لا غلام رجل ظریفا کے مثل سے (اول) یہ رفع کے ساتھ نعت کی صفت ہے یعنی نہ ثانی اور نہ اسکے مابعد یہ لا رجل ظریف کریم فی الدار کے مثل سے احتراز ہے (مفرد ہونے کی حالت میں یہ مبنیٌ کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں عامل مبنی ہے یہ لا رجل حسن الوجہ کے مثل سے احتراز ہے (یلیہ) یہ حال کے بعد حال ہے یا مفردا کی صفت ہے یہ غیر متصل سے احتراز ہے جیسے لا غلام فیہا ظریف اور یہ قید پہلی قید سے بے نیاز کرتی ہے (مبنی ہے) فتح پر موصوف پر حمل کرتے ہوئے بوجہ موجود ہونے اتصال واتحاد کے موصوف اور صفت کے درمیان اور بوجہ متوجہ ہونے نفی کے اسکی طرف یعنی نعت کی طرف

اور بمعنی تمنی ہے پس قیاس تو یہ تھا کہ اس اَلا کا مابعد مبنی ہو اور اَلا رجل بولا جائے لیکن ضرورت وزن شعری کے پیش نظر اسکو منون کر دیا ہے کیونکہ اگر رجل منون نہ پڑھا جائے تو پہلا مصرع بقدر یک حرف کم رہے گا۔ قولہ **ونعت المبنی الاول**:۔ الاول مرفوع ہے نعت المبنی کی صفت ہونے کی بنا پر یعنی اسم لا مبنی کی نعت اول مفرد متصل مبنی ہوتی ہے مصنف کا قول **المبنی** احتراز ہے اسم لا معرب سے جیسے لا غلام رجل ظریفا اس مثال میں ظریف اسم لا معرب کی صفت ہے اس لئے یہ معرب ہے اور مصنف کا قول **الاول** احتراز ہے نعت ثانی وغیرہ سے جیسے لا رجل ظریف کریم فی الدار، میں کریم وصف ثانی ہے اور مصنف کا قول **مفردا** اسکے قول **مبنی** کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں عامل مبنی ہے اور افادہ حصر کیلئے حال کو مقدم کر دیا گیا ہے اور اگر مفردا کو نعت سے حال بنائیں تو یہ بھی صحیح ہے اور اسکے ساتھ لا رجل حسن الوجہ کی مثل سے احتراز ہے کہ اس میں حسن الوجہ مفرد نہیں ہے۔ شارح نے نعت کے بعد اسم لا کے اضافہ سے اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول **المبنی** بظاہر نعت کا مضاف الیہ ہے لیکن حقیقت میں یہ مضاف الیہ محذوف کی صفت ہے۔ قولہ **یلیہ**:۔ مصنف کا قول "یلیہ" مبنی کی ضمیر سے حال بعد الحال ہے یا مفردا کی صفت ہے اور اسکے ساتھ نعت مفصول یعنی نعت غیر متصل سے احتراز ہے جیسے لا غلام فیہا ظریف میں موصوف اور صفت کے درمیان فیہا کے ساتھ فصل ہے شارح فرماتے ہیں کہ یلیہ کی قید کے ہوتے ہوئے پہلی قید یعنی الاول کی حاجت نہیں کیونکہ نعت جب اسم لا سے متصل ہوگی تو وہ اول ہی ہوگی۔ قولہ **مبنی**:۔ یعنی نعت اول مبنی بر فتحہ ہوگی موصوف پر حمل کرنے کی وجہ سے کہ اسکا موصوف بھی مبنی بر فتحہ ہے اور وجہ حمل اتحاد فی الصدق ہے یعنی موصوف اور صفت کا مصداق ایک ہے اور دونوں میں اتصال کی شرط موجود ہے یعنی نعت اسم لا سے لفظا متصل ہے اور جو نفی موصوف کی طرف متوجہ ہے وہ صفت کی طرف بھی حقیقۃ متوجہ ہے لہذا موصوف کی بنا صفت تک سرایت کر جائیگی اور نعت بھی مبنی ہو جائیگی۔ جس طرح کہ موصوف مبنی ہے۔

قولہ **وهذا القید یغنی**:۔ اگرچہ **یلیه** کی وجہ سے **الاول** سے استغناء حاصل ہے کیونکہ اسم لا کی کے ساتھ نعت کا اتصال اولیت کو مستلزم ہے لیکن الاول کی وجہ سے یلیہ سے استغناء حاصل نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نعت اول ہو اور مفصول ہو اسلئے مصنف علیہ الرحمۃ الاول کے بعد نے **یلیہ** کہا۔ (جامع)

حقیقۃ والمبنی فی قولہ ونعت المبنی اشارۃ الی مابنی علی الفتح بالاصالۃ لا بالتبعیۃ فانہ
المذکور سابقا فلایرد انہ اذا کُرّر المبنی وبُنی علی الفتح ثم جیٔ بنعت لایجوز بناؤہ مثل لاماءَ
ماءَ باردا مع انہ یصدق علیہ انہ نعت المبنی الاول مفردا یلیہ فان باردا فی ھذا المثال نعت
للتابع لا للمتبوع کما ھو الظاھر ولو جُعل نعتا للمتبوع فلیس مما یلیہ لتوسط التابع
بینھما ومعربٌ لان الاصل فی التوابع تبعیتھا المتبوعات فی الاعراب دون البناء
رفعا حملا علی محلہ البعید ونصبا حملا علی اللفظ او علی محلہ القریب نحو لارجلَ ظریفَ
بالفتح وظریفٌ بالرفع وظریفًا بالنصب

حقیقۃ اور مصنف کے قول "نعت المبنی" میں "المبنی" اشارہ ہے اسکی طرف جو بالاصالت مبنی علی الفتح ہے نہ بالتبعیت کیونکہ سابق میں مبنی
بالاصالۃ ہی مذکور ہے لہٰذا یہ سوال وارد نہ ہوگا کہ جب مبنی کو مکرر لایا جائے اور مکرر کو مبنی برفتح کیا جائے پھر نعت لائی جائے تو اس نعت کی بنا
جائز نہ ہوگی جیسے لاماءَ ماءَ باردا باوجود اس بات کے کہ باردا پر یہ صادق آتا ہے کہ یہ مبنی اول کی نعت ہے مفرد ہے اسکے ساتھ متصل ہے
کیونکہ لفظ باردا اس مثال میں تابع کی نعت ہے متبوع کی نعت نہیں جیسا کہ وہ ظاہر ہے اور اگر باردا کو متبوع کی نعت قرار دیا جائے تو
یہ نعت ان نعوت میں سے نہیں ہوگی جو منعوت سے متصل ہوتی ہیں کیونکہ دونوں کے درمیان تابع کا واسطہ ہے (اور معرب) کیونکہ اصل توابع
میں ان کا متبوعات کے تابع ہونا ہے اعراب میں بنا میں نہیں (رفع دیا جائیگا) اسکے محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے (اور نصب دیا جائیگا) اسکے لفظ
یا محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے (جیسے لارجل ظریف) فتح کے ساتھ (اور ظریفٌ) رفع کے ساتھ (اور ظریفًا) نصب کے ساتھ

قولہ والمبنی فی قولہ:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ لاماءَ ماءَ باردا میں باردا لائے نفی جنس کے اسم کی صفت ہے جس میں
شرائط بنا موجود ہیں اس کے باوجود یہ معرب ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنف کے قول "نعت المبنی" میں مبنی برفتحہ بالاصالت کی طرف
اشارہ ہے یعنی اس کی طرف اشارہ ہے کہ مبنی سے مراد وہ ہے جو مبنی برفتحہ بالاصالت ہو نہ کہ بالتبع لہٰذا جب اسم لا مبنی مکرر لایا جائے اور بار ثانی آنے
والا اول کی تاکید ہونے کی وجہ سے مبنی برفتحہ ہو پھر ثانی کی نعت لائی جائے تو اس نعت کی بنا جائز نہیں جس طرح کہ مثال مذکور میں باردا ماء ثانی کی
نعت ہے جو مبنی بالاصالت نہیں ہے بلکہ ماء اول کی تاکید ہے جو مبنی بالاصالت ہے اس لئے باردا مبنی نہیں ہے اور اگر باردا کو متبوع یعنی ماء اول کی
نعت قرار دیں جو خلاف ظاہر ہے تو پھر یہ نعت عدم اتصال کی وجہ سے مبنی نہیں ہوگی کہ تاکید فاصلہ ہو جائیگی اور مبنی اسم لا کی نعت اول بلا فصل ہوتی ہے
قولہ ومعرب:۔ یہ مبنی پر معطوف ہے یعنی اسم لا مبنی کی نعت اول معرب ہے کیونکہ اصل توابع میں یہ ہے کہ وہ اعراب میں اپنے متبوعات کے تابع
ہوں نہ کہ بنا میں کہ اصل ان توابع میں اعراب ہے بنا تو عارضی ہے اور حمل بالاصل اولیٰ ہوتا ہے پھر اس نعت کو معرب پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔اول
۔یہ کہ اسم لا کے محل بعید پر حمل کر کے نعت کو معرب اور مرفوع پڑھا جائے۔دوم۔یہ کہ اسم لا کے لفظ یا محل قریب پر حمل کر کے نعت کو منصوب پڑھا
جائے جیسے لارجل ظریف فتحہ کے ساتھ یہ نعت مبنی برفتحہ کی مثال ہے اور لارجل ظریفٌ رفع کے ساتھ یا ظریفًا نصب کے ساتھ یہ معرب کی مثال

والاای وان لم یکن النعت ککٔ فالاعراب ای فحکمه الاعراب لاغیر رفعاحملاعلی المحل البعیدو نصباحملاعلی اللفظ او المحل القریب وقدمرّت امثلته فی بیان فوائدالقیود والعطف علی اسم لاالمبنی اذاکان المعطوف نکرۃفبلاتکریر لافی المعطوف فانه اذاکان المعطوف معرفۃفتوجب رفعه نحو لاغلام لک والفرسُ واذاکان لامکررافی المعطوف فحکمه ماعُلم فی قوله لاحول ولاقوۃفیماسبق بان یُحمل علی اللفظ ای لفظ اسم لاالمبنی ویجعل منصوبا وبان یحمل علی المحل ویُجعل مرفوعا جائز ولایجوزفیه البناء لمکان الفصل بالعاطف

(ورنہ) یعنی اگر نعت اس طرح نہ ہو (تو اعراب ہے) یعنی اسکا حکم اعراب ہے دوسرا کوئی نہیں (رفع دیتے ہوئے) محل بعید پر حمل کرنے کی وجہ سے اور نصب دیتے ہوئے لفظ یا محل قریب پر حمل کرنے کی وجہ سے اور نعت کے معرب ہونے کی مثالیں گذر چکی ہیں فوائد قیود میں (اور عطف) لا کے اسم مبنی پر جبکہ معطوف نکرہ ہو بغیر لا کے تکرار کے معطوف میں کیونکہ معطوف معرفہ ہو تو اس کا رفع واجب ہے جیسے لاغلام لک والفرس اور جب معطوف میں لا مکرر ہو تو اسکا حکم وہی ہے جو مصنف کے قول "لاحول ولاقوۃ" میں ماسبق میں گذر چکا ہے بایں طور کہ محمول کیا جائے (لفظ پر) یعنی لا کے اسم مبنی کے لفظ پر اور منصوب کیا جائے (اور) یہ کہ محمول کیا جائے (محل پر) اور مرفوع کیا جائے (جائز ہے) اور معطوف میں بنا جائز نہیں بوجہ موجود ہونے فصل کے عاطف کے باعث

ہے یعنی اسم لا کے محل بعید پر حمل کرنے کی صورت میں ظریف کو مرفوع پڑھیں گے اور لفظ یا محل قریب پر حمل کرنے کی صورت میں منصوب پڑھیں گے۔ قولہ **والا**:۔ یعنی اگر اسم لا کی نعت اول میں مذکورہ شرائط مفقود ہوں تو اسکا حکم صرف اعراب ہے جسکی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ رفع حمل کرتے ہوئے محل بعید پر جیسے لاغلام رجل ظریف کیونکہ اسمیں شرط اول یعنی بناء مفقود ہے اور لارجل حسن الوجہ کہ اسمیں شرط ثانی مفقود ہے اور لارجل فی الدار ظریف میں شرط ثالث مفقود ہے جسکی وجہ سے ان امثلہ میں نعت مرفوع ہے۔ دوم۔ یہ کہ لفظ یا محل قریب پر حمل کر کے اسکو نصب دیا جائے مثالیں فوائد قیود میں گذر چکی ہیں۔ قولہ **والعطف**:۔ یعنی لائے نفی جنس کے اسم مبنی پر عطف کرنا جائز ہے جبکہ معطوف نکرہ ہو اور معطوف میں لا مکرر بھی نہ ہو کیونکہ اگر معطوف معرفہ ہو تو معطوف میں رفع واجب ہے جیسے لاغلام لک والفرس وجہ یہ ہے کہ اگر معطوف میں لفظ یا محل قریب پر حمل کرتے ہوئے نصب پڑھیں تو لا کا عامل ہونا لازم آئیگا حالانکہ معرفہ میں لا ملغی ہوتا ہے اور اگر معطوف میں کلمہ لا مکرر ہو تو اسکا حکم لاحول ولاقوۃ میں گذر چکا ہے پس جب معطوف نکرہ اور معطوف میں کلمہ لا مکرر نہ ہو تو اس میں دو وجہ جائز ہیں۔ اول۔ یہ کہ اسم لا کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے معطوف کو منصوب پڑھا جائے۔ دوم۔ یہ کہ محل بعید پر حمل کرتے ہوئے معطوف کو مرفوع پڑھا جائے اور اس معطوف میں بنا جائز نہیں کیونکہ بنا کیلئے اتصال شرط ہے اور یہاں حرف عطف کی وجہ سے فصل ہو گیا ہے۔ جبکہ لا کا اسم نکرہ مفردہ اسوقت مبنی ہوتا ہے جب وہ متصل ہو۔

قولہ **فحکمه**:۔ شارح نے بقرینہ فاء جزائیہ مصنف کے قول الاعراب کیلئے مبتدا مقدر کیا ہے اور اپنے قول لاغیر کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خبر معرف باللام مفید حصر ہوا کرتی ہے اور یہاں پر الاعراب معرف باللام ہے لہٰذا یہ بھی مفید حصر ہے یعنی اس نعت کا حکم صرف اعراب ہے کوئی دوسرا نہیں۔

ولم يجعل فی حكم المتصل لمظنة الفصل بلا المؤكدة اذالمعطوف علی المنفی يُزادفيه لا كثيرا نحولاحول ولاقوة مثل لااَب وابنااَوَابنً فی قول الشاعر ☆وَلااَب وابنامثل مَروان وَابنِه☆اذ هو بالمَجدارتَدی وتَازرا☆وسائر التوابع لانص عنهم فيهالكن ينبغی ان يكون حكمهاحكم توابع المنادی كذاذكره الاندلسی ومثل لاابا له ولاغلامَیْ له ای كل تركيب يكون فيه بعداسم لاالتی لنفی الجنس لامُ الاضافة واُجری علی ذٰلک الاسم احكامُ الاضافة من اثبات الالف فی نحواَبَ وحَذفِ النون

اور متصل کے حکم میں نہیں کیا گیا لائے مؤکدہ کے ساتھ فصل کے گمان کے پیش نظر کیونکہ منفی پر جو معطوف ہو اس میں لا بکثرت زائد کیا جاتا ہے جیسے لاحول ولاقوۃ (جیسے لااب وابنا وابن) شاعر کے قول "ولااب الخ" میں اور باقی توابع کے متعلق نحویوں سے کوئی صراحت نہیں آئی لیکن مناسب یہ ہے کہ ان کا حکم منادی کے توابع کا حکم ہو ایسا ہی ذکر کیا ہے اسکو اندلسی نے (اور مثل لاابالہ ولاغلامی لہ) یعنی ہر وہ ترکیب کہ جس میں لائے نفی جنس کے بعد لام اضافت ہو اور اس اسم پر اضافت کے احکام جاری کردیے گئے ہوں مثلاً الف کا اثبات اَب کے مثل میں اور نون کا حذف

قولہ **ولم يجعل** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اس معطوف کو مبنی بنانے کیلئے واؤ عاطفہ کو زائدہ قرار دیکر معطوف کو متصل کے حکم میں کیوں نہیں کرلیا گیا تاکہ شرط اتصال پائے جانے کی وجہ سے معطوف کو مبنی بنانا صحیح ہوجائے۔شارح نے جواب دیا کہ یہ اس لئے نہیں کیا گیا کہ یہ وہ محل ہے کہ جسمیں واؤ کو زائدہ قرار دینے کے باوجود موصوف اور صفت کے درمیان لامؤکدہ کے ساتھ فصل کا گمان کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ جو منفی پر معطوف ہو اس میں بکثرت کلمہ لا برائے تاکید نفی زیادہ کیا جاتا ہے جیسے لاحول ولاقوۃ میں بعض توجیہات کے اعتبار سے لائے ثانیہ زائدہ ہے۔قولہ **مثل لااب وابنا وابن** :۔اس مثال میں کلمہ اب اسم لامبنی برفتحہ ہے جس پر ابن معطوف ہے پس اس معطوف میں صرف اعراب نصب یا رفع جائز ہے بنا جائز نہیں یہ مثال اس شعر کا حصہ ہے جسمیں شاعر نے مروان بن حکم اور اسکے بیٹے عبدالملک کی تعریف کی ہے ترجمہ شعر اس طرح ہے۔ مروان اور اسکے بیٹے عبدالملک جیسا کوئی باپ بیٹا نہیں کہ مروان نے بزرگی کی چادر اور ازار اوڑھ رکھی ہے۔قولہ **وسائر التوابع** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ابن حاجب نے نعت اور معطوف کے علاوہ اسم لا کے باقی توابع کا حکم کیوں نہیں بیان کیا۔جواب یہ ہے کہ باقی توابع کے بارے مدونین نحات نے کوئی تصریح نہیں کی اس لئے مصنف نے بقیہ توابع کو ذکر نہیں کیا لیکن مناسب یہ ہے بقیہ توابع کا حکم منادی کے توابع کا حکم ہو جیسا کہ اندلسی نے ذکر کیا ہے جو مدونین نحو سے نہیں ہیں۔قولہ **ومثل لاابالہ ولاغلامی لہ** :۔مصنف کے اس قول سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہو اور لائے نفی جنس کے اسم پر اضافت کے احکام جاری کردیئے گئے ہوں یعنی اب کے مثل میں الف باقی رکھا گیا ہو اور غلامین کے مثل میں نون حذف کردیا گیا ہو جیسا کہ اضافت کی حالت میں ہوتا ہے یہ جائز ہے اس عبارت میں دراصل مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے ماقبل میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم

قولہ **من اثبات الالف**:۔اس عبارت میں شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ احکام اضافت سے تمام احکام مراد نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ اسم لا اضافت کی وجہ سے معرفہ نہیں ہوا۔بلکہ احکام اضافت سے مراد صرف اثبات الف اور حذف نون ہے جسطرح کہ ابا کا الف باقی ہے اور غلامی میں نون محذوف ہے۔

من نحو غلامين جائز يعني ان الاصل في مثل هٰذين التركيبين ان يقال لا ابَ له ولا غلامين له فيكون اسم لا فيهما مبنيا علي ماينُصَب به والجار مع مجروره خبر الها وقد جاء علي قلة مثل لا ابَاله ولا غلامَيْ له بزيادة الالف في مثل ابَ واسقاط النون في مثل غلامين كما في حال الاضافة تشبيها له اي لاسم لا في هٰذين التركيبين مع انه ليس بمضاف بالمضاف واجراءً لاحكام المضاف عليه باثبات الالف وحذفِ النون فيكون معربا وذٰلک التشبيه انما هو لمشاركته اي مشاركة اسم لا حين يضاف باظهار اللام بينه وبين مايضاف اليه له للمضاف في اصل معناه اي معني المضاف من حيث هو مضاف يعني الاضافة وهو الاختصاص

غلامین کے مثل سے (جائز ہے) یعنی ان دو ترکیبوں کے مثل میں اصل یہ ہے کہ لا اَبَ لہ و غلامین لہ کہا جائے پس لا کا اسم ان دونوں میں مبنی علی ماینصب بہ ہو جائے اور جار اپنے مجرور کے ہمراہ لائے نفی کی خبر ہو جائیگی اور بطور قلت لا اباله ولا غلامی لہ آیا ہے الف کے اضافہ سے لا اَبَ کے مثل میں اور نون کے اسقاط سے لا غلامین کے مثل میں جیسے اضافت کی حالت میں (اسکی تشبیہ کی وجہ سے) یعنی ان دونوں ترکیبوں میں اسم لا کی تشبیہ کی وجہ سے باوجود اس بات کے کہ اسم لا مضاف نہیں (مضاف کے ساتھ) اور اس پر مضاف کے احکام جاری کرنے کی وجہ سے الف کے اثبات اور نون حذف کے ساتھ پس لا کا اسم معرب ہوگا اور یہ تشبیہ (اسکے مشارک ہونے کی وجہ سے ہے) یعنی اسم لا کی مشارکت کی وجہ سے ہے جبکہ اسکو مضاف کیا جائے اس کے اور اسکے مضاف الیہ کے درمیان لام کو ظاہر کر کے (اس کیلئے) یعنی مضاف کیلئے (اس کے اصل معنی میں) یعنی مضاف کے معنی میں مضاف ہونے کی حیثیت سے یعنی اضافت اور وہ اختصاص ہے

جب نکرہ مفردہ ہو تو علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے اور شک نہیں کہ لفظ اب اور غلامین نکرہ مفردہ ہے جو نہ مضاف ہے اور نہ مشابہ مضاف ہے اور لائے نفی کے بعد بلا فصل بھی واقع ہے پھر علامت نصب پر مبنی کیوں نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس تو اس بات کا مقتضی ہے کہ ان دو ترکیبوں میں اسم لا علامت نصب پر مبنی ہو اور لا اباله اور لا غلامی لہ کی ترکیبیں جائز نہ ہوں لیکن یہ ترکیبیں جائز ہیں اور وجہ جواز یہ ہے کہ ان ترکیبوں میں لائے نفی جنس کا اسم اگرچہ مضاف نہیں ہے مگر اسکو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس پر مضاف کے احکام جاری کر دیئے ہیں اور وہ احکام یہ ہیں کہ اسماء ستہ مکبرہ موحدہ جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہوں تو ان میں بحالت نصب الف آتا ہے اور تثنیہ نون حذف کر کے یاء کے ماقبل کے فتحہ کے ساتھ آتا ہے۔ قولہ **تشبيها له**:۔ مصنف کا قول **تشبيها** فعل محذوف کا مفعول لہ ہے اور وہ فعل جائز سے مفہوم ہو رہا ہے اور لہ کی ضمیر مجرور اسم لا کی جانب راجع ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **انما اجيز مثل لا اباله ولا غلامي له تشبيها الاسم لا بالمضاف** یا **تشبيها** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے **اي شبهوه تشبيها** اور بعض کے نزدیک **تشبيها**، **جائز** کا مفعول لہ ہے مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ مفعول لہ سے حذف لام کی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو اور **تشبيه**، **جائز** کے فاعل کا فعل نہیں ہے کیونکہ **جائز** کا فاعل ضمیر ہے جو **مثل لا اباله** کی جانب راجع ہے اور **تشبيها** کا فاعل نحاۃ ہیں لہٰذا اگر **تشبيها** جائز کا مفعول لہ ہو تو مفعول لہ میں اظہار لام

والمعنى ان مثل لاابالہ ولاغلامی لہ جائز تشبیہا لہ ای لمثل هٰذین التركيبين حيث لااضافة فيه بالمضاف ای بتركيب يشتمل على الاضافة لمشاركته ای لمشاركة مثل هٰذين التركيبين له ای لمايشتمل على الاضافة فی اصل معناه ای معنى مايشتمل على الاضافة وهو الاختصاص الاان بين الاختصاصَين تفاوتا فان الاختصاص المفهومَ من التركيب الاضافی اتم ممايُفهم من غيره ومن ثَم ای لاجل ان جواز مثل هٰذين التركيبين انماهو بتشبيه غير المضاف بالمضاف فی معنى الاختصاص لم يجز تركيب لاابافيها ای فی الدار

یا یہ معنی ہے کہ لاابالہ وغلامی لہ جیسی ترکیب جائز ہے تشبیہ دیتے ہوئے اسکو یعنی ان دو ترکیبوں کے مثل کو کہ اسمیں اضافت نہیں ہے مضاف کے ساتھ یعنی ایسی ترکیب کے ساتھ جو اضافت پر مشتمل ہے اسکی مشارکت کی وجہ سے یعنی ان دو ترکیبوں کے مثل کو اسکی مشارکت کی وجہ سے یعنی اس ترکیب کی مشارکت کی وجہ سے جو اضافت کے معنی پر مشتمل ہے اسکے اصل معنی میں یعنی جو ترکیب اضافت پر مشتمل ہے اسکے اصل معنی میں اور وہ اختصاص ہے مگر دونوں اختصاصوں میں فرق ہے اس لئے کہ جو اختصاص ترکیب اضافی سے مفہوم ہوتا ہے وہ اتم ہے اس سے جو ترکیب اضافی کے غیر سے مفہوم ہوتا ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اسی وجہ سے کہ ان دو ترکیبوں کے مثل کا جواز غیر مضاف کو تشبیہ دینا ہے مضاف کے ساتھ اختصاص کے معنی میں (جائز نہیں) ترکیب (لاابافیہا کی) یعنی فی الدار

واجب ہوگا قولہ **اوالمعنی**:۔ یعنی مثل لاابالہ اور لاغلامی لہ کے جائز ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان جیسی ترکیب جائز ہے وجہ جواز یہ ہے کہ ان دو ترکیبوں کی مثل کو جن میں اضافت نہیں ہے ایسی ترکیب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اضافت پر مشتمل ہے اور تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ ان دو ترکیبوں کی مثل میں وہ معنی پائے جاتے ہیں جو ترکیب اضافی میں پائے جاتے ہیں اور وہ معنی اختصاص ہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ ترکیب اضافی سے جو اختصاص مفہوم ہوتا ہے وہ اتم واکمل ہے اس اختصاص سے جو ترکیب اضافی کے غیر سے مفہوم ہوتا ہے۔ قولہ **ومن ثم**:۔ اور اسی وجہ سے کہ مذکورہ دونوں ترکیبوں کا جواز غیر مضاف کو مضاف کے ساتھ معنی اختصاص میں تشبیہ دینے کی وجہ سے ہے لاابافیہا ای فی الدار کی ترکیب اثبات الف کے ساتھ جائز نہیں ہے کیونکہ اس ترکیب میں اختصاص نہیں ہے اس لئے کہ جو اختصاص اب کی اضافت کسی شی کی طرف کرنے سے مفہوم ہوتا ہے وہ اختصاص بالابوۃ ہے اور یہ اختصاص اب کی نسبت دار کی طرف کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دار کیلئے باپ نہیں ہوتا لہٰذا اب کی اضافت دار کی طرف صحیح نہیں ہے اور جب اب کی اضافت دار کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے تو لاابافیہا ای فی الدار کی ترکیب اس ترکیب کے ساتھ کیسے مشابہ ہو سکتی ہے کہ جس میں اب کی اضافت صریح طور پر دار کیطرف ہو رہی ہو یعنی اب کی اضافت دار کی طرف صحیح نہیں اور جب اب کی اضافت دار کیطرف صحیح ہی نہیں ہے تو اسکے اصل معنی میں مشارکت کی وجہ سے اسکے ساتھ لاابا فیہا کو تشبیہ دینا بھی جائز نہیں۔

قولہ ترکیب:۔ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف کے قول **لم یجز** کے بعد لفظ ترکیب مقدر کر کے فعل کا فاعل بنایا ہے کیونکہ لاابافیہا جملہ ہے اور فاعل جملہ نہیں ہوتا کیونکہ فاعل اسم کی قسم ہے اور اسم کلمہ کی قسم ہے تو فاعل حقیقت میں ترکیب ہے جو لاابافیہا کی جانب مضاف ہے (جمال)۔ اور لاابالہما کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب لاابالہ کے افراد سے خارج ہے کیونکہ لاابالہ میں لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہے اسلئے اس پر احکام اضافت جاری کئے گئے ہیں اور لاابالہما میں لام اضافت

لعدم الاختصاص فان الاختصاص المفهوم من اضافة الاب الی شئ انماهو بابُوّته له وهذا الاختصاص غیر ثابت للاب بالنسبة الی الدار فلاتصح اضافته الی الدار فکیف یُشبه ترکیب لاابا فیها بترکیب یُضاف فیه الابُ الی الدار لمشارکته له فی اصل معناه ولیس ای مثل هذین الترکیبین بمضاف حقیقة لفساد المعنی المراد المفادبهما علی تقدیر الاضافة وهو نفی ثبوت جنس الاب او الغلامین لمرجع الضمیر المجرور بالاستقلال من غیر احتیاج الی تقدیر خبر وهذا المعنی یَفسُدعلی تقدیر الاضافة من وجهین اَمااولا فلان معنی هذین الترکیبین علی تقدیر الاضافة لااباه ولاغلامَیه وهذالایتم الابتقدیر خبر ای لااباه موجود و لاغلامَیه موجودان

اختصاص نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ جو اختصاص اب کی کسی چیز کی جانب اضافت سے مفہوم ہوتا ہے وہ اس کیلئے اب ہونے کی وجہ سے ہے یہ اختصاص اب کیلئے دار کی جانب نسبت کرنے سے حاصل نہیں لہٰذا دار کی طرف اب کی اضافت صحیح نہیں تو لاابا فیہا کی ترکیب کو کیسے اس ترکیب کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے جسمیں اب دار کی طرف مضاف کیا جائے بوجہ مشارک ہونے لاابا فیہا کی ترکیب کے اس ترکیب کے ساتھ اسکے اصل معنی میں (اور نہیں) ان دونوں ترکیبوں کی مثل (مضاف) حقیقت میں (فساد معنی کی وجہ سے) جو ان دونوں ترکیبوں سے مراد و مفاد ہے اضافت کی تقدیر پر اور وہ معنی اس بات کی نفی ہے کہ لہ کی ضمیر مجرور کے مرجع کیلئے بالاستقلال جنس اب اور غلامین کا ثبوت ہے تقدیر خبر کی حاجت کے بغیر اور یہ معنی اضافت کی تقدیر پر دو وجہوں سے فاسد ہوتا ہے بہر حال اولا تو اسلئے کہ ان دونوں ترکیبوں کا معنی اضافت کی تقدیر پر لااباہ اور لاغلامیہ ہے اور یہ ترکیب کلمہ لا کی خبر مقدر کئے بغیر تام نہیں ہوتی ای لااباہ موجودٌ ولاغلامیہ موجودان

قولہ لیس بمضاف: ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مذکورہ ترکیبوں کی مثل میں جمہور کے قول کے مطابق لائے نفی جنس کے اسم کو حقیقۃً مضاف کیوں نہیں مان لیا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ اسم لا حقیقۃً مضاف قرار دینے سے معنی مرادی فاسد ہوجائیں گے یعنی ان دو ترکیبوں کی مثل سے جو معنی بلا اضافت حاصل ہوتے ہیں وہ معنی فاسد ہوجائیں گے کیونکہ معنی مرادی ضمیر مجرور کے مرجع کیلئے جنس اب یا جنس غلامین کے ثبوت کی نفی ہے بالاستقلال یعنی تقدیر خبر کی حاجت کے بغیر اور حقیقۃً اضافت ماننے کی صورت میں یہ معنی دو وجہ سے فاسد ہوتے ہیں. **قولہ اما اولا:** ۔ اولا تو اس وجہ سے یہ معنی فاسد ہوتے ہیں کہ بر تقدیر اضافت ان کے معنی ہونگے لااباہ وغلامیہ (بحذف لام زائدہ و اضافت اسم لا بسوئے ضمیر) اور یہ معنی خبر کو مقدر کئے بغیر تام نہیں ہوتے. ای لااباہ موجودٌ ولاغلامیہ موجودان. حالانکہ متکلم کا معنی مرادی خبر مقدر کئے بغیر مرجع ضمیر کیلئے جنس اب اور جنس غلامین کے ثبوت کی نفی ہے اور خبر مقدر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جار مجرور ہی خبر ہے. اور بر تقدیر اضافت تقدیر خبر کی ضرورت ہوگی.

نہیں ہے لہٰذا یہ ترکیب جائز نہیں قولہ **المراد المفادبهما:** ۔ لفظ المراد اور المفاد یکے بادیگرے لفظ المعنی کی صفت ہیں اور بہما علی سبیل التنازع ان دونوں سے متعلق ہے اور علی تقدیر الاضافة، لفساد کے متعلق ہے یعنی اگر ان دو ترکیبوں میں اسم لا مضاف ہو تو معنی مستفاد جو مراد متکلم ہے فاسد ہوجائیگا کیونکہ متکلم کا مقصود یہ ہے کہ یہ کلام بغیر تقدیر خبر کے تام ہو جائے پس اگر ان دو ترکیبوں میں کلمہ لا کا اسم ضمیر کی جانب مضاف ہو اور لام زائدہ بڑھائے تا کہ اضافت ہو جیسا کہ وہ سیبویہ کا مذہب ہے تو معنی فاسد ہوجائیگا.

واما ثانيا فلان المراد نفى ثبوت جنس الاب او الغلامين له لا نفى الوجود عن ابيه المعلوم او غلاميه المعلومين خلافا لسيبويه والخليل وجمهور النحاة وانما خص سيبويه بهذا الخلاف لانه العمدة فيما بينهم اولان المقصود بيان الخلاف لا تعيين المخالفين فمذهب سيبويه والخليل وجمهور النحاة ان مثل هذا التركيب مضاف حقيقة باعتبار المعنى واقحام اللام بين المضاف والمضاف اليه تاكيد للام المقدر وحكم المصنف بفساده لما عرفت ويحذف اسم لا حذفا كثيرا في مثل لا عليك اى لا باس عليك ولا يحذف الاسم وجود الخبر

اور بہرحال ثانیا تو اس لئے کہ ان ترکیبوں سے مراد مرجع ضمیر کے لئے اب یا غلامین کی جنس کے ثبوت کی نفی ہے نہ کہ ضمیر مجرور کے اب معلوم اور اسکے غلامین معلومین کے وجود کی نفی (سیبویہ کے خلاف) اور خلیل اور جمہور نحات کے اور مصنف نے سیبویہ کو اس خلاف کے ساتھ اسلئے خاص کیا ہے کہ وہ نحویوں کے درمیان عمدہ ہے یا اس لئے کہ مقصود خلاف کا بیان ہے مخالفین کی تعیین مقصود نہیں پس سیبویہ خلیل اور جمہور نحات کا مذھب یہ ہے کہ اس قسم کی ترکیب معنی کے اعتبار سے حقیقۃ مضاف ہے اور مضاف ومضاف الیہ کے درمیان لام کالانا لام مقدرہ کی تاکید کیلئے ہے اور مصنف نے اسکے فساد کا حکم لگایا ہے اس وجہ سے جو تم معلوم کر چکے ہو (اور حذف کیا جاتا ہے) لا کا اسم (بکثرت لاعلیک کے مثل میں) یعنی لا باس علیک اور نہیں حذف کیا جاتا ہے مگر خبر کے موجود ہونے کے وقت

قولہ واما ثانیا:۔ اور ثانیا اسلئے کہ دونوں ترکیبوں میں مرجع ضمیر کیلئے جنس اب یا غلامین کے ثبوت کی نفی ہے یعنی زید کیلئے باپ کی جنس کی نفی نہیں کہ وہ حرامی ہے اور اس کیلئے غلامین کی جنس کی نفی نہیں اور بصورت اضافت معنی ہونگے کہ زید کا باپ معلوم ہے مگر اسوقت موجود نہیں اور غلام تو ہیں مگر موجود نہیں اور یہ معنی یعنی جنس اب یا جنس غلامین کی نفی اسوقت حاصل ہوں گے جب اب اور غلامین کی اضافت نہ ہو اور لہ لا کی خبر ہو ورنہ بصورت تسلیم اضافت اسم لا بوجہ اضافت معرفہ ہو جائیگا تو مرجع ضمیر مثلا زید کیلئے اب معلوم کے وجود کی نفی ہو جائیگی اور غلامین معلومین کے وجود کی نفی ہوگی حالانکہ ترکیب اول میں مرجع ضمیر سے ثبوت جنس اب یعنی ثبوت بکرہ کی نفی تھی اور ترکیب ثانی میں مرجع ضمیر کیلئے ثبوت جنس غلامین یعنی ثبوت بکرہ کی نفی تھی اور ان سے مرجع کے اب معلوم کے وجود کی نفی مراد نہیں تھی اور نہ غلامین معلومین کے وجود کی نفی مراد تھی **قولہ خلافا لسیبویہ:۔** اس مسئلہ میں مصنف نے صرف سیبویہ کا اختلاف بیان کیا ہے حالانکہ دیگر نحات کا مذھب بھی وہی ہے جو سیبویہ کا ہے یا تو اس لئے کہ سیبویہ نحات بصرہ کے رئیس ہیں پس علامہ عصام کا یہ اعتراض صحیح نہیں کہ حسب تصریح محقق شریف وغیرہ نحاۃ کے رئیس امام خلیل ہیں یا اس لئے کہ مقصود اختلاف کا بیان کرنا ہے مخالفین کا گنوانا مقصود نہیں پس سیبویہ وغیرہ کے نزدیک مذکورہ لا کا اسم حقیقۃ مضاف ہے اور مضاف ومضاف الیہ کے درمیان لام کی زیادتی لام مقدرہ کی تاکید کیلئے ہے **قولہ یحذف کثیرا:۔** شارح نے اسم لا کا اضافہ کر کے محذوف کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے اور حذفا سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول **کثیرا** بحذف موصوف محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی اسم لا بکثرت حذف کیا جاتا ہے لا علیک جیسی ترکیب میں ای لا باس علیک اور اس ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جسمیں لائے نفی جنس کی خبر مذکور ہوتا کہ اسم کے حذف سے الغا منہ ہو کیونکہ لا کا اسم اور خبر

لئلا یکون اجحافا وقولهم لا کزید إن جعلنا الکاف اسما جاز ان یکون کزید اسما والخبر محذوفا ای لا مثله موجود وجاز ان یکون خبرا ای لا احد مثل زید وان جعلناه حرفا فالاسم محذوف ای لا احد کزید خبر ما ولا المشبهتین فی النفی والدخول علی الجملة الاسمیة بلیس هو المسند بعد دخولهما ای دخول ما ولا وهی ای خبریة خبر ما ولا لهما وکذا اسمیة اسمهما لهما لغة حجازیة وخص الخبریة بالذکر لان إعمالهما وجعل اسمهما وخبرهما اسما وخبرا لهما انما یظهر باعتبار الخبر فجعل الخبر خبرا لهما انما هو فی لغة اهل الحجاز

تا کہ نقصان نہ ہو اور عرب کے قول "لا کزید" میں اگر کاف کو اسم بنائیں تو جائز ہے کہ کزید لا کا اسم ہو اور خبر محذوف ہو یعنی لا مثلہ موجود اور جائز ہے کہ کزید خبر ہو یعنی لا احد مثل زید اور اگر کاف کو حرف بنائیں تو اسم محذوف ہوگا یعنی لا احد کزید (ما اور لا کی خبر جو مشابہ ہیں) نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں (لیس کے ساتھ وہ مسند ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد) یعنی ما اور لا کے دخول کے بعد (اور یہ) یعنی ما اور کی خبر کا ان کیلئے خبر ہونا اور اسی طرح انکے اسم کا اسم ہونا (لغت حجازیہ ہے) اور مصنف نے خبریت کو ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے اسلئے کہ ما اور لا کو عمل دینا اور ان دونوں کے اسم اور خبر کو ان کیلئے اسم اور خبر بنانا خبر کے اعتبار سے ہی ظاہر ہوتا ہے ۔پس خبر کو ان کیلئے خبر بنانا اہل حجاز ہی کی لغت میں ہے

دونوں محذوف ہوں تو کلمہ لا معمول کے بغیر رہ جائیگا اور یہ الغاء اور نقصان ہے ۔اور بعض نحات کے نزدیک حذف پر قرینہ ہو تو اسم اور خبر دونوں کا حذف جائز ہے جیسے کوئی پوچھے ابا ش علی تو تم کہو لا ۔قولہ **وقولهم لا کزید**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عرب کے قول لا کزید میں کلمہ لا کا اسم اور خبر دونوں محذوف ہیں پھر بھی یہ ترکیب جائز ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اس ترکیب میں لا کا اسم اور خبر دونوں محذوف نہیں اس لئے کہ اگر کزید کا کاف اسمیہ بمعنی مثل ہو تو یہ لا کا اسم ہو جائیگا اور صرف خبر محذوف ہوگی ای لا مثل لہ موجود اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کزید لا کی خبر ہو ای لا احد مثل زید اور اگر کزید کا کاف حرفیہ ہو تو لا کا اسم محذوف ہوگا ای لا احد کزید قولہ **خبر ما ولا**:۔ منصوبات میں سے اس ما اور لا کی خبر ہے جو نفی اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں لیس کے مشابہ ہیں اور وہ خبر ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد ان کے اسم کی طرف مسند ہوتی ہے اور ما و لا کی خبر کا ان کیلئے خبر ہونا اہل حجاز کا لغت ہے اور اسی طرح ان کے اسم کا اسم ہونا قولہ **وخص الخبریة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف نے لغت حجازیہ کے ساتھ ما اور لا کی خبریت کو خاص کیوں کیا ہے؟ جبکہ اسم میں ان کا عمل کرنا بھی لغت حجازیہ کے اعتبار سے ہے ۔شارح نے جواب دیا کہ چونکہ ما اور لا کا عمل کرنا خبر سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اسم تو ان دونوں کے دخول سے قبل بھی مرفوع تھا لہذا خبر جب منصوب ہوگی تو معلوم ہوگا کہ اسم بھی ما اور لا کی وجہ سے مرفوع ہے ۔اس لئے خبر کے اندر عمل کرنے کو لغت حجازیہ کے ساتھ مختص

قولہ وخص الخبریة:۔ فاضل عصام فرماتے ہیں کہ شارح نے چونکہ ہی ضمیر کا مرجع خبریت کو قرار دیا ہے اس لئے انکو تکلف بیان کرنے ضرورت پیش آئی اگر عاملیت ما ولا کو مرجع بناتے تو بیان تکلف کی طرف احتیاج نہ ہوتی علامہ عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ خبریت ما ولا کو ضمیر کا مرجع بنانا احسن ہے اس لئے شارح نے اسکو اختیار کیا ہے اور احسن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خبریت مستفاد ہے خبر سے اور لفظ خبر مذکور ہے جبکہ عاملیت عامل سے مستفاد ہے اور لفظ عامل مذکور نہیں ہے لہذا مستفاد من المذکور کو مرجع بنانا احسن ہے اور ہی ضمیر کا مرجع خبر ما ولا بھی ہوسکتا ہے جبکہ ضمیر کی تانیث خبر کی رعایت کی وجہ سے ہو یعنی لغت کی وجہ سے جو اپنی صفت حجازیۃ سے ملکر مبتدا کی خبر ہے ۔

واما بنو تميم فحيث لايذهبون الى اعمالهما لايجعلون الخبر خبر الهما ولا الاسم اسما لهما بل هما مبتدأ وخبر على ما كانا عليه قبل دخولهما عليهما ولغة اهل الحجاز هي التي جاء عليها التنزيل قال الله تعالى ماهذا بشرا وماهن امهاتهم واذا زيدت إن مع ما نحو ما إن زيد قائم قيل انما اختصت ما بالذكر لانها لا تزادمع لا في استعمالهم وهي زائدة عند البصريين ونافية مؤكدة عند الكوفيين او انتقض النفي بالا نحو ما زيد الا قائم او تقدم الخبر على الاسم نحو ما قائم زيد بطل العمل اى عمل ما اذا كان مع واحد من هذه الامور الثلثة

رہے بنو تمیم تو وہ چونکہ انکے اعمال کی طرف نہیں جاتے تو وہ خبر کو انکی خبر نہیں بناتے اور نہ اسم کو ان کا اسم بلکہ انکے نزدیک وہ دونوں مبتدا اور خبر ہیں اس حال پر جس پر کہ پہلے تھے ما اور لا کے اسم اور خبر پر داخل ہونے سے پہلے اور لغت حجاز یہ وہی ہے جس پر تنزیل آئی ہے ارشاد باری تعالی ہے ماھذا بشرا اور ماھن امھاتھم (اور جب ما کے ساتھ إن زائد کیا جائے) جیسے إن زیدٌ قائم ، کہا گیا ہے خاص کیا گیا ہے لفظ ما کو ذکر کے ساتھ اس لئے کہ إن لا کے ساتھ زائد نہیں کیا جاتا عرب کے استعمال میں اور بصریوں کے نزدیک ما ان زید قائم میں اِن زائدہ ہے اور کوفیوں کے نزدیک نافیہ مؤکدہ ہے (یا نفی الا سے ٹوٹ جائے) جیسے ما زید الا قائم (یا خبر مقدم ہو جائے) اسم پر جیسے ما قائم زیدٌ (تو عمل باطل ہو جاتا ہے) یعنی ما کا عمل جبکہ ما ان امور ثلثہ میں سے کسی کے ساتھ ہو

کیا ہے قولہ واما بنو تمیم :۔ یعنی بنی تمیم ما اور لا کے عمل کے قائل نہیں وہ انکی خبر کو مبتدا کی خبر اور ان کے اسم کو مبتدا مانتے ہیں جس طرح کہ کلمہ ما اور لا کے دخول سے قبل وہ مبتدا اور خبر تھے اور اہل حجاز کی لغت وہی ہے جس پر قرآن کریم نازل ہوا اور اس لغت میں ما اور لا کو عمل دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ماھذا بشرا اور ماھن امھاتھم پس یہاں پر لفظ ھذا اور ھن محلا مرفوع ہیں ما مشابہ بلیس کے اسم ہونے کی وجہ سے اور بشرا اور امھاتھم خبر کی بنا پر منصوب ہیں قولہ واذا زیدت۔ یہاں سے مصنف ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جنکی وجہ سے ما اور لا کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور وہ تین چیزیں ہیں ۔ا۔کلمہ ما کے بعد ان حرف زائدہ آجائے تو عمل باطل ہو جاتا ہے اور مصنف نے صرف کلمہ ما کا ذکر کیا ہے اور لا کو شامل نہیں کیا اس لئے کہ عرب کے استعمال میں کلمہ إن لفظ لا کے ساتھ زائد نہیں کیا جاتا پس ما ان زید قائم میں بصریوں کے نزدیک ان زائدہ برائے تاکید نفی ہے جو کلمہ ما سے مستفاد ہے اور یہاں نافیہ نہیں بلکہ وہ ان ہے جو ما مصدریہ کے بعد زیادہ ہوا کرتا ہے جیسے انتظر ما ان جلس القاضی کیونکہ ان مؤکدہ نہ ہو تو نفی کی نفی کرنے سے اثبات ہو جائیگا اور کوفیوں کے نزدیک یہ إن نافیہ مؤکدہ ہے زائدہ نہیں اس مسلک پر یہ اعتراض ہوگا کہ دو حرف متفق المعنی کا فصل کے بغیر جمع ہونا جائز نہیں تو یہاں کیسے جمع ہو گئے ۲۔جب نفی کلمہ الا سے ٹوٹ جائے تو کلمہ ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے جیسے ما زید الا قائم ۳۔جب ما کی

قولہ نافیة مؤکدة عند الکوفیین :۔ کیونکہ کلمہ ما غیر زائدہ اگر نفی کیلئے مؤکدہ نہ ہو تو نفی کی نفی سے اثبات ہو جائیگا جو کہ خلاف مفروض ہے ☆سوال☆ دو حرف نفی کا اجتماع تو ناجائز ہے تو ما ان زید قائم میں کیسے نفی کے دو حرف جمع ہو گئے ☆جواب☆ یہ اجتماع اس وقت ممنوع ہے جبکہ وہ محض نفی کیلئے ہوں اور ان میں تاکید ملحوظ نہ ہو اور یہاں کلمہ ان تاکید کیلئے ہے قولہ ای عمل لا :۔ اس تفسیری عبارت میں شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ العمل کا لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یا یہ لام عہد ہے اور عمل سے مراد کلمہ ما کا عمل ہے ، پھر جب کلمہ ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے تو کلمہ لا کا عمل بطریق اولی باطل ہو جائیگا کیونکہ لیس کا عمل کلمہ لا میں قلیل اور شاذ ہے۔

اما اذا زیدت اِن فلان ماعامل ضعیف عمل لشبہ لیس فلما فصل بینھا وبین معمولھا لم تعمل واما اذا انتقض النفی بالا فلان عملھا لمعنی النفی فلما انتقض بطل العمل واما اذا تقدم الخبر فلتغیر الترتیب مع ضعفھا فی العمل واذا عُطف علیہ ای علی خبرھما بموجب بکسر الجیم ای بعاطف یفید الایجاب بعد النفی وھو بل ولکن نحو ما زیدٌ مقیما بل مسافر وما عمرو قائما لکن قاعد فالرفع ای فحکم المعطوف الرفع لاغیر لکونھما

بہرحال جب ما کے ساتھ اِن زائد کیا جائے پس اس لئے کہ ما عامل ضعیف ہے کہ لیس کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے پس جب ما اور اسکے معمول کے درمیان فصل ہوگیا تو وہ عمل نہیں کریگا اور بہرحال جب نفی الا سے ٹوٹ جائے پس اس لئے کہ ما کا عمل معنیٰ نفی کی وجہ سے تھا پس جب نفی ٹوٹ گئی تو عمل باطل ہوگیا اور بہرحال جب خبر مقدم ہوجائے تو ترتیب کے تغیر کی وجہ سے ہمراہ ما کے عمل میں ضعیف ہونے کے (اور جب عطف کیا جائے اس پر) یعنی انکی خبر پر (موجب کے ساتھ) جیم کے کسرہ سے ایسے عاطف کے ساتھ جو نفی کے بعد ایجاب کا فائدہ دیتا ہے اور وہ بل اور لکن ہے جیسے ما زیدٌ مقیما بل مسافرٌ اور ما عمرٌو قائما لکن قاعدٌ (تو رفع ہے) یعنی معطوف کا حکم رفع ہے کوئی دوسرا نہیں کیونکہ یہ دونوں

خبر اس کے اسم پر مقدم ہوجائے جیسے ما قائم زید یعنی ان امور میں سے کسی ایک کے پائے جانے کے وقت کلمہ ما کا عمل باطل ہوجاتا ہے۔ قولہ **اما اذا زیدت** :۔ یہاں سے مصنف صور مذکورہ میں ما کے عمل کے بطلان کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں ما کا عمل اس لئے باطل ہوجاتا ہے کہ کلمہ ما عامل ضعیف ہے جو بذات خود عمل نہیں کرتا بلکہ لیس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے لہٰذا جب ما اور اسکے معمول کے درمیان فاصلہ آجائیگا تو ضعف کے باعث کلمہ ما عمل نہیں کریگا کہ اسکے عمل کیلئے اتصال شرط ہے اور دوسری صورت میں عمل اس لئے باطل ہوجائیگا کہ ما کا عمل معنیٰ نفی کی وجہ سے تھا جب نفی نہ رہی تو اسکا عمل بھی ختم ہوجائیگا اور تیسری صورت میں ما کا عمل اسلئے باطل ہوجائیگا کہ اس کے عمل کیلئے ترتیب شرط ہے اور خبر کی تقدیم سے ترتیب باقی نہ رہی لہٰذا عمل بھی باطل ہوجائیگا اور ترتیب کے اختلاف کی وجہ سے بطلان عمل کی وجہ یہ بھی ہے کہ ما عامل ضعیف ہے اور عامل ضعیف ترتیب غیر مالوف میں عمل نہیں کرسکتا۔ قولہ **واذا عطف علیہ** :۔ یعنی جب ما اور لا کی خبر پر موجب کے ساتھ عطف کیا جائے یعنی ایسے حرف عطف کے ساتھ جو نفی کے بعد ایجاب اور اثبات کا فائدہ دے اور وہ موجب بکسر جیم کلمہ بل اور لکن ہے جیسے ما زید مقیما بل مسافر و ما عمرو قائما لکن قاعد تو اس صورت میں معطوف کا حکم صرف رفع ہے اس لئے کہ بل اور لکن نفی کے توڑنے میں الا کی مثل ہیں لہٰذا نفی ٹوٹ جانے کی وجہ سے معطوف مرفوع ہوگا، اور ابن حاجب کے نزدیک ما زید مقیما بل مسافر میں مسافر کا عطف مقیما کے محل پر ہے از قبیل عطف المفرد علی المفرد پھر معطوف علیہا اپنے معطوف سے ملکر خبر ہے لیکن عبد القاہر کے نزدیک عاطف موجب کے ذریعہ جملہ کا جملہ پر عطف ہے وہ اسطرح کہ عاطف کا مابعد مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ما زید مقیما بل ہو مسافر قولہ **فحکم المعطوف** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ **فالرفع** شرط کی جزاء ہے اور جزاء کیلئے جملہ ہونا ضروری ہے تو یہ جزاء مفرد کیوں ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ **الرفع** مبتدا محذوف کی خبر ہے ای **فحکم المعطوف الرفع** پس یہ جملہ جزاء ہے۔ اور معطوف کو رفع خبر کے محل پر عطف کی وجہ سے ہوگا کہ خبر مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور باء کی وجہ سے خبر مجرور پر عطف نہیں کیا جائیگا کیونکہ باء زائدہ نفی کی تاکید کیلئے آتی ہے جب نفی نہ ہورہی تو باء بھی نہیں آئیگی۔

بمنزلة الا فی نقض النفی ﴿المجرورات﴾ هو ما اشتمل ای اسم اشتمل لتخرج الحروف الاواخر التی هی محال الاعراب فانه لا یطلق علیها المرفوعات والمنصوبات والمجرورات اصطلاحا لانها اقسام الاسم علی علم المضاف الیه ای علامة المضاف الیه من حیث هو مضاف الیه یعنی الجر سواء کان بالکسرة او الفتحة او الیاء لفظا او تقدیرا وانما قلنا من حیث هو مضاف الیه لان الجر لیس علامة لذات المضاف الیه

نفی کے توڑنے میں الا کے منزلہ میں ہیں۔ (مجرورات) (مجرور وہ ہے جو مشتمل ہو) یعنی وہ اسم ہے جو مشتمل ہوتا کہ وہ حروف اواخر خارج ہو جائیں جو محل اعراب ہیں کیونکہ ان پر مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا اصطلاحا اطلاق نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ تینوں اسم کے اقسام ہیں (مضاف الیہ کی علامت پر) یعنی مضاف الیہ کی علامت پر اسکے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے یعنی جر پر خواہ وہ کسرہ سے ہو یا فتحہ سے یا یاء سے لفظا ہوں یا تقدیرا اور ہم نے "من حیث ھو مضاف الیہ" کہا ہے کیونکہ جر مضاف الیہ کی ذات کیلئے علامت نہیں بلکہ اس کے مضاف الیہ ہونے کی

قولہ المجرورات: اسکی ترکیب میں وہی احتمالات ہیں جو المرفوعات کے تحت گزر چکے ہیں۔ فلا حاجۃ الی الاعادۃ اور اسکو بصیغہ جمع لایا گیا یا تو مرفوعات اور منصوبات کی موافقت میں یا اسکے اقسام کے تعدد کے پیش نظر کیونکہ مجرور کی چار قسمیں ہیں اول۔ مجرور باضافت معنویہ دوم۔ مجرور باضافت لفظیہ سوم۔ مجرور بحرف جر اصلی چہارم۔ مجرور بحرف جر زائدہ۔ **قولہ ای اسم:** شارح نے کلمہ ما سے اسم مراد لیکر ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مجرور کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے اس لئے کہ تعریف میں وہ حروف داخل ہو گئے جو کلمات کے آخر میں محل اعراب ہوتے ہیں مثلا زید کی دال، شارح نے جواب دیا کہ کلمہ ما سے اسم مراد ہے اور حروف محل اعراب ان پر اصطلاحا مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ انواع ثلثہ اسم کے انواع ہیں اسم نہیں۔ لہذا مجرور کی تعریف حروف اواخر الکلمۃ پر صادق نہیں آتی۔ **قولہ ای علامة المضاف الیه:** اس تفسیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں بھی لفظ علم بمعنی علامت ہے۔ یعنی مجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہے اور وہ علامت جر ہے خواہ وہ جر کسرہ کے ساتھ ہو جیسے غلام زید میں یا فتح کے ساتھ ہو جیسے غلام احمد میں یا وہ جر یاء کے ساتھ ہو جیسے مسلمَین اور مسلمِین میں پھر اسمیں بھی تعمیم ہے کہ وہ کسرہ وغیرہ لفظا ہوں یا تقدیرا۔ **قولہ وانما قلنا:** شارح اپنے قول من حیث ھو مضاف الیہ کے اضافہ کی غرض بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ اضافہ اس لئے کیا ہے کہ جر مضاف الیہ کی ذات کی علامت نہیں بلکہ اس کے مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے اسکی علامت ہے۔ **قولہ والمضاف الیه وان کان:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مجرور کی تعریف بحسبک درھم اور کفی باللہ کے مجرور پر صادق نہ آنے کی وجہ سے جامع نہیں ہے اس لئے کہ مجرور وہ ہوتا ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اور مضاف الیہ وہ ہوتا ہے جسکی طرف کوئی چیز بواسطہ حرف جر منسوب ہو اور ان دونوں مثالوں میں با مزائدہ ہے جو اپنے مدخول کی طرف نسبت کیلئے واسطہ نہیں بنتی پس کلمہ حسب اور اسم جلالت مضاف الیہ نہ ہوئے تو مجرور کیسے ہوں گے حالانکہ وہ مجرور ہیں شارح نے جواب دیا کہ مضاف الیہ کی تعریف اگرچہ وہی ہے جو مصنف نے کی ہے اور وہ کلمہ حسب اور اسم جلالت پر صادق نہیں آتی لیکن مجرور کی

قولہ محال الاعراب:۔ محال جمع ہے محل کی بمعنی مواضع اعراب لغت کے اعتبار سے ان پر مرفوع وغیرہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے دال زید فی غلام زید مجرور لیکن اصطلاحا

بل لحيثية كونه مضافا اليه والمضاف اليه وان كان مختصا بما عرفه به لكن المشتمل على علامته اعم منه ومماهو مشبه به فيدخل في تعريف المجرور مثل بحسبک درهم وكفى بالله وكذا المضاف اليه بالاضافة اللفظية وان لم يكن داخلا في تعريفه والمضاف اليه وهو ههنا غير ما هو المصطلح المشهور بينهم وذهب في ذلک الى مذهب سيبويه حيث اطلق المضاف اليه على المنسوب اليه بحرف الجر لفظا ايضا كل اسم حقيقة اوحكما ليشمل الجمل التي يضاف اليها نحو يوم ينفع الصادقين صدقهم فانها في حكم المصادر

حیثیت سے اس کیلئے علامت ہے اور مضاف الیہ اگر چہ اس مضاف الیہ سے مختص ہے جسکی مصنف نے اپنے قول "والمضاف الیہ الخ" کے ساتھ تعریف کی ہے لیکن وہ اسم جو علامت مضاف الیہ پر مشتمل ہے وہ اس مضاف الیہ اور مشابہ بمضاف الیہ کو عام ہے پس مجرور کی تعریف میں بحسبک درھم اور کفی باللہ کا مثل داخل ہو جائیگا اور اسیطرح مضاف باضافت لفظیہ بھی اگر چہ وہ مضاف الیہ کی تعریف میں داخل نہیں ہے (اور مضاف الیہ) اور مضاف الیہ یہاں اس کا غیر ہے جو نحویوں کے مابین اصطلاح میں مشہور ہے اور مصنف اس تعریف میں سیبویہ کے مذھب کی جانب گئے ہیں کیونکہ سیبویہ نے منسوب الیہ بحرف جر لفظی پر بھی مضاف الیہ کا اطلاق کیا ہے (ہر وہ اسم ہے) حقیقۃً یا حکماً تا کہ کل اسم ان جملوں کو شامل ہو جائے جنکی جانب اضافت کی جاتی ہے جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم اس لئے کہ یہ جملے مصادر کے حکم میں ہیں

تعریف یعنی ما اشتمل الخ مضاف الیہ اور مشابہ بمضاف الیہ دونوں کو عام ہے اور بحسبک درھم اور کفی باللہ کا مجرور اگر چہ مضاف الیہ نہیں ہے لیکن مشابہ بمضاف الیہ ہے اس لئے یہ مجرور تعریف میں داخل ہے اسی طرح مضاف الیہ باضافت لفظیہ بھی مجرور کی تعریف میں داخل ہے کہ وہ بھی مشابہ بمضاف الیہ ہے۔ قولہ والمضاف الیہ:۔ اور مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جسکی طرف کوئی چیز بواسطہ حرف جر ملفوظ یا مقدر کے منسوب کی گئی ہو اس حال میں کہ وہ مقدر من حیث العمل مراد ہو مصنف نے کل شئی نہیں کہا بلکہ کل اسم کہا کیونکہ مضاف الیہ اسم ہی ہوتا ہے۔ اور مصنف نے مضاف الیہ کی اس تعریف سے عدول کیا ہے جو نحات میں مشہور ہے وہ یہ کہ مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جسکی طرف کوئی دوسرا اسم منسوب ہو بواسطہ حرف جر تقدیری کے جو مراد ہو پس اس تعریف سے مجرور بواسطہ حرف جر لفظی خارج ہو گیا یہ عدول محض سیبویہ کے اتباع میں ہے جس نے منسوب الیہ بحرف جر لفظی پر بھی مضاف الیہ کا اطلاق کیا ہے۔ قولہ حقیقۃ اوحکما:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول اسم میں تعمیم کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ یوم ینفع الصادقین صدقہم کے مضاف الیہ پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ ینفع الصادقین یوم کا مضاف الیہ ہے مگر اسم نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ اسم میں تعمیم ہے کہ وہ حقیقۃً اسم ہو جیسے غلام زید میں مضاف الیہ حقیقۃً اسم ہے یا حکماً اسم ہو اور یہ تعمیم اس لئے کی گئی ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف اس جملہ کو بھی شامل ہو جائے جو مضاف الیہ واقع ہوتا ہے جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم کا جملہ کہ جملہ حکماً اسم ہے کیونکہ یہ مصدر کے حکم میں ہے اور ایسے تمام جملے جو مضاف الیہ واقع ہوں وہ مصدر کے حکم میں ہوتے ہیں.

ان پر مرفوع وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ مرفوع وغیرہ اسماء ہوتے ہیں۔ قولہ ومما ھو مشبہ بہ:۔ یعنی وہ اسم جو مضاف الیہ کے مشابہ ہو بایں طور کہ اس میں جر عامل کی وجہ سے ہو جس طرح کہ مضاف الیہ میں جر حرف جارہ مقدرہ سے ہوتی ہے خواہ مضاف الیہ باضافت لفظیہ ہو یا اضافت معنویہ جیسا کہ مصنف کا مذھب ہے۔

نسب الیه شیء اسما کان نحو غلام زید او فعلا مثل مررت بزید بواسطة حرف الجر لفظا او تقدیرا ای ملفوظا کان ذلک الحرف کما فی مثل مررت بزید اومقدرا حال کون ذلک المقدر مرادا من حیث العمل بابقاء اثره وهو الجر مثل غلام زید وخاتم فضة وضرب الیوم بخلاف قمت یوم الجمعة فانه وان نسب الیه القیام بالحرف المقدر وهو فی لکنه غیر مراد اذ لو ارید لا نجر به فالتقدیر ای تقدیر الحرف شرطه ان یکون المضاف اسما اذ لو کان فعلا فلابد من ان یتلفظ بالحرف نحو مررت بزید

(جسکی جانب کوئی شیٔ منسوب ہو) خواہ وہ شیٔ اسم ہو جیسے غلام زید یا فعل جیسے مررت بزید (حرف جر لفظی یا تقدیری کے واسطہ سے) یعنی خواہ وہ حرف جر ملفوظ ہو جیسے مررت بزید کے مثل میں یا مقدر ہو حال ہونے اس مقدر کے (مراد) عمل کی حیثیت سے اس کے اثر کو باقی رکھتے ہوئے اور وہ اثر جر ہے جیسے غلام زید وخاتم فضۃ وضرب الیوم برخلاف قمت یوم الجمعۃ کے اگرچہ اسکی جانب حرف جر مقدر کے واسطہ سے قیام کی نسبت کی گئی ہے اور وہ حرف جر فی ہے لیکن وہ حرف جر مراد نہیں ہے اسلئے کہ اگر مراد ہوتا تو لفظ یوم اسکے ساتھ مجرور ہوتا (پس تقدیر) یعنی حرف جر کی تقدیر (شرط اسکی یہ ہے کہ مضاف اسم ہو) کیونکہ اگر مضاف فعل ہو تو حرف جر کا تلفظ ضروری ہے جیسے مررت بزید

قولہ **نسب الیه شیء**:۔ یعنی مضاف الیہ ایسا اسم ہے جسکی جانب کسی شیٔ کی نسبت کی گئی ہو بواسطہ حرف جر کے خواہ وہ شیٔ منسوب اسم ہو جیسے غلام زید میں لفظ غلام یا وہ شیٔ فعل ہو جیسے مررت بزید میں فعل کی زید کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ پس لفظ زید دونوں مثالوں میں مضاف الیہ ہے۔ قولہ **لفظا او تقدیرا**:۔ مصنف کا قول **لفظا** بمعنی ملفوظا اور **تقدیرا** بمعنی مقدرا ہے تاکہ ما قبل پر ان کا حمل صحیح ہو جائے کیونکہ یہ دونوں کان مقدر کی خبر ہیں ای سواء کان الحرف ملفوظا او مقدرا حرف جر ملفوظ کی مثال مررت بزید ہے اور مقدر کی مثال غلام زید ہے۔ **مرادا**:۔ مصنف کا یہ قول اس کے قول **تقدیرا** سے حال ہے کیونکہ تقدیرًا کان کی خبر ہونے کی وجہ سے حکما مفعول بہ ہے اور حال میں عامل کان ہے۔ شارح نے حال کون الخ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی وہ حرف جر مقدر عمل کے اعتبار سے مراد ہو یعنی اسکا عمل جو کہ جر ہے لفظوں میں باقی ہو جیسے غلام زید میں لام مقدر ہے اور خاتم فضۃ میں مِن مقدر ہے اور ضرب الیوم میں فی مقدر ہے اور تینوں جگہ حرف جر مقدر کا اثر لفظوں میں باقی ہے بخلاف قمت یوم الجمعۃ کے کہ اس میں اگرچہ قیام کی نسبت یوم الجمعۃ کی طرف بتقدیر حرف جر ہے لیکن حرف جر کا اثر لفظوں میں باقی نہیں ہے۔ ورنہ یوم الجمعۃ مجرور ہوتا لہذا مصنف کا قول مرادا اس مثال سے احتراز ہوا قولہ **فالتقدیر**: شارح نے تقدیر الحرف سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ التقدیر کا الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ یعنی حرف جر کے مقدر ہونے کی اول شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہو لہذا مضاف اگر فعل ہو تو حرف جر کا ملفوظ ہونا ضروری ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ فعل اگر بتقدیر حرف جر مضاف ہوگا تو مضاف باضافت لفظی ہوگا یا مضاف باضافت معنوی، اول جائز نہیں کیونکہ مضاف باضافت لفظیہ صیغہ صفت ہوتا ہے اور فعل صفت نہیں اور ثانی بھی جائز نہیں کہ اضافت معنوی مفید تعریف ہوتی ہے یا مفید تخصیص اور فعل میں افادہ تعریف وتخصیص منتفی ہے اسلئے فعل بتقدیر حرف جر مضاف باضافت معنویہ بھی نہیں ہوگا لہذا بصورت اضافت فعل میں حرف جر کا ملفوظ ہونا ضروری ہے۔

مجردا اى منسلخا عنه تنوينه اوماقام مقامه من نونى التثنية والجمع لاجلها اى لاجل الاضافة لان التنوين اوالنون دليل على تمام ماهى فيه فلما ارادوا ان يمزجو الكلمتين مزجا تكتسب به الاولىٰ من الثانية التعريف اوالتخصيص اوالتخفيف حذفوا من الاولى علامة تمام الكلمة وتمموها بالثانية ثم المتبادر من هذاالتعريف نظرا الى كلام القوم حيث ليسوا قائلين بتقدير حرف الجر فى الاضافة اللفظية انه غير شامل للمضاف اليه بالاضافةاللفظيةلكن الظاهر من كلام المصنف فى المتن والتصريح فى شرحه له ان التقسيم الى الاضافةالمعنوية واللفظية انماهو للاضافة بتقدير حرف الجر لكنه لم يبين تقدير الحرف فيها لا فى المتن ولا فى شرحه ولم ينقل عنه شىء فيه من سائر مصنفاته

(خالی ہو) یعنی سلب کر لی گئی ہو (اس سے اسکی تنوین) یا جو تنوین کے قائم مقام ہے نون تثنیہ و نون جمع سے (اسکی وجہ سے) یعنی اضافت کی وجہ سے اس لئے کہ تنوین یا نون اس چیز کے تمام ہونے پر دلیل ہے جس میں یہ ہوں تو نحویوں نے جب دو کلموں کو آپس میں اس طرح ملانے کا ارادہ کیا کہ پہلا کلمہ اس امتزاج کی وجہ سے دوسرے کلمہ سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف حاصل کرے تو انہوں نے پہلے کلمہ سے اسکے تمام ہونے کی علامت کو حذف کر دیا اور اسکو دوسرے کلمہ کے ذریعہ مکمل کر دیا پھر قوم کے کلام کی جانب نظر کرتے ہوئے کہ وہ اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر کے قائل نہیں اس تعریف سے متبادر یہ ہے کہ یہ تعریف مضاف الیہ باضافت لفظیہ کو شامل نہیں ہے لیکن متن اور مصنف کی شرح میں انکی صراحت سے جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اضافت لفظیہ یا معنویہ کی طرف جو تقسیم ہے وہ اضافت بتقدیر حرف جر کیلئے ہی ہے لیکن مصنف نے اضافت لفظیہ میں حرف جر کی تقدیر کو بیان نہیں کیا نہ متن میں اور نہ اسکی شرح میں اور نہ ہی مصنف سے اس کے بارے کچھ منقول ہے اسکی دیگر تصانیف میں

قولہ **منسلخا**:۔ شارح نے مجردا کی تفسیر منسلخا کے ساتھ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ مصنف کا قول مجردا عنہ تنوینہ صحیح نہیں اس لئے کہ مجرد اسم ہوتا ہے نہ کہ تنوین لہٰذا صحیح عبارت اسطرح تھی مجردا من تنوینہ کہ وہ اسم اپنی تنوین سے مجرد ہو شارح نے جواب دیا کہ عبارت میں مجاز ہے از قبیل ذکر ملزوم وارادہ لازم کہ تجرید کو زوال وانسلاخ لازم ہے تو مجرد بمعنی زائل ہے اور اسمیں شک نہیں ہے کہ زائل تنوین ہوتی ہے۔ یعنی تقدیر حرف جر کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس اسم سے تنوین اور قائم مقام تنوین ہر ایک دور کر دیا گیا ہو اور قائم مقام تنوین سے مراد نون تثنیہ وجمع ہے اور یہ انسلاخ محض اضافت کی وجہ سے ہو قولہ **لان التنوین**:۔ یعنی اس انسلاخ اور زوال کی وجہ یہ ہے کہ تنوین اور نون اس کلمہ کے تمام ہونے کی دلیل ہیں جسمیں یہ ہوں پس جب نحات نے چاہا کہ وہ دو کلموں کو آپس میں اس طرح ملا دیں کہ پہلا کلمہ دوسرے سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف حاصل کرے تو انہوں نے پہلے کلمہ سے اسکے تمام ہونے کی علامت حذف کر کے اسکو کلمہ ثانیہ سے ملا کر تمام کر دیا۔ کیونکہ اگر تنوین اور قائم مقام تنوین پہلے کلمہ سے حذف نہ کریں تو یہ درمیان میں واقع ہوں گے پھر اضافت کی غرض یعنی تعریف وغیرہ حاصل نہیں ہو سکے گی۔ قولہ **ثم المتبادر**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جمہور نحات اس بات کے قائل ہیں کہ اضافت لفظیہ میں حرف جر مقدر نہیں ہوتا تو اسکے

وقد تکلف بعضهم فی اضافة الصفة الی مفعولها مثل ضارب زید بتقدیر اللام تقویة للعمل ای ضارب لزید وفی اضافتها الی فاعلها مثل الحسن الوجه بتقدیر من البیانیة فان ذکر الوجه فی قولنا جاء نی زید الحسن الوجه بمنزلة التمییز فان فی اسناد الحسن الی زید ابهاما فانه لا یعلم انه ای شیء منه حسن فاذا ذکر الوجه فکانه قال من حیث الوجه فان قلت هذا فی الحقیقة تخصیص فلا یصح ان الاضافة اللفظیة لا تفید الا تخفیفا فی اللفظ

اور بعض نحویوں نے صیغہ صفت کی اضافت بسوئے اسکے مفعول کے مثلا ضارب زید میں لام کو مقدر کرنے کا قول کیا ہے عمل کو تقویت دینے کیلئے اور صفت کے صیغہ کی فاعل کی جانب اضافت جیسے الحسن الوجہ میں من بیانیہ کی تقدیر کا کیونکہ ہمارے قول "جاءنی زید الحسن الوجہ" میں وجہ بمنزلہ تمیز کے ہے اس لئے کہ زید کی جانب حسن کے اسناد میں ابہام ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ زید کی کونسی چیز حسن ہے پس جب وجہ کا ذکر کیا گیا تو گویا کہ اس نے کہا من حیث الوجہ پس اگر تم کہو کہ یہ حقیقت میں تخصیص ہے لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ اضافت لفظیہ صرف تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیتی ہے

قول کے پیش نظر متبادر یہ ہے کہ مضاف الیہ کی یہ تعریف مضاف الیہ باضافت لفظیہ کو شامل نہیں۔ شارح نے لکن الظاہر سے اسکا جواب دیا ہے کہ کتاب کافیہ اور مصنف نے جو اسکی شرح لکھی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظی اور معنوی کی طرف تقسیم اضافت بتقدیر حرف جر کی ہے۔ جس سے سمجھا گیا کہ اضافت لفظیہ میں بھی اسکے نزدیک حرف جر مقدر ہوتا ہے لیکن مصنف نے جسطرح کہ اضافت معنویہ میں حرف جر کی تقدیر کی صراحت کی ہے اسطرح اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر کی صراحت نہیں کی نہ کافیہ اور اسکی شرح میں اور نہ اپنی کسی دوسری تصنیف میں لہذا مصنف نے جو تعریف کی ہے وہ ان کے نزدیک مضاف الیہ باضافت لفظیہ کو شامل ہے، اور تعریف جامع ہے۔ قولہ **وقد تکلف**:۔ یعنی بعض نحات نے مصنف کی تعریف کو جامع ثابت کرنے کیلئے یہ تکلف کیا ہے کہ جب اسم فاعل کی اضافت اسکے مفعول کی طرف ہو جیسے ضارب زید میں ضارب اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے تو اس وقت لام مقدر ہوتا ہے ای ضارب لزید اور یہ تقدیر لام عامل کے عمل کی تقویت کیلئے ہوتی ہے نہ کہ تعدیہ کیلئے اس لئے کہ ضاربٌ متعدی بنفسہ ہے۔ وجہ تکلف یہ ہے کہ لام تقویت زائدہ ہوتا ہے اور اپنے ماقبل کو مابعد کے ساتھ مربوط کرتا ہے لہذا اسکو مذکور ہونا چاہئے اور اگر صفت کی اضافت اسکے فاعل کی طرف ہو تو بعض نحات نے اسمیں کلمہ من مقدر مانا ہے اور کہا ہے کہ مثلا الحسن الوجہ بتقدیر من بیانیہ ہے اور تقدیر من کی وجہ بیان تاکید ہے کہ مثلا جاءنی زید الحسن الوجہ میں الوجہ کا ذکر تمیز کے منزلہ میں ہے کیونکہ زید کی طرف حسن کے اسناد میں ابہام ہے کہ معلوم نہیں کہ زید کس اعتبار سے حسن ہے تو جب الوجہ کا ذکر کیا گیا تو گویا کہ یہ کہا گیا کہ زید اپنے چہرے کے اعتبار سے خوبصورت ہے تو الوجہ موضح حسن کا بیان ٹھیرا پس یہاں من مقدر ہے جو بیان کی تاکید کرتا ہے۔ ای من حیث الوجہ یہ بھی تکلف ہے کیونکہ فاعل پر حرف جر داخل کرنا خلاف قاعدہ ہے اور الوجہ فاعل ہے اس پر حرف جر کیسے داخل ہوگا۔ قولہ **فان قلت**:۔ پس اگر تم کہو کہ حسن الوجہ کی مذکورہ ترکیب حقیقت میں مفید تخصیص ہے کیونکہ حسن قبل الاضافت عام تھا اور الوجہ کی طرف مضاف ہونے کے بعد وجہ کے ساتھ خاص ہوگیا کہ زید کا چہرا خوبصورت ہے اور اس اضافت نے تخصیص کا فائدہ دیا ہے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوا کہ اضافت لفظی مفید تخصیص نہیں ہے بلکہ صرف تخفیف فی اللفظ کا افادہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس مثال میں حسن کی اضافت مفید تخفیف ہونے کے علاوہ مفید تخصیص بھی ہے، جس طرح کہ غلام رجل میں اضافت معنویہ مفید تخفیف ہونے کے ساتھ ساتھ مفید تخصیص بھی ہے۔

قلنا کان هذا التخصیص واقعا قبل الاضافة فلا یکون مما تفیده الاضافة فلیست فائدة الاضافة الا التخفیف فی اللفظ وهی ای الاضافة بتقدیر حرف الجر معنویة ای منسوبة الی المعنی لانها تفید معنی فی المضاف تعریفا او تخصیصا ولفظیة ای منسوبة الی اللفظ فقط دون المعنیٰ لعدم سرایتها الیه فالمعنویة علامتها ان یکون المضاف فیها غیر صفة کاسم الفاعل والمفعول والصفة المشبهة مضافة الی معمولها فاعلها او مفعولها قبل الاضافة

تو ہم کہیں گے کہ یہ تخصیص اضافت سے پہلے واقع تھی لہذا یہ تخصیص اس قبیل سے نہیں ہوگی جس کا اضافت فائدہ دیتی ہے پس اضافت کا فائدہ تخفیف فی اللفظ ہے (اور وہ) یعنی اضافت بتقدیر حرف جر (معنوی ہے) یعنی معنی کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ یہ مضاف میں تعریف یا تخصیص کے معنی کا فائدہ دیتی ہے (اور لفظی ہے) یعنی صرف لفظ کی طرف منسوب ہے معنی کی طرف نہیں کیونکہ یہ معنی کی طرف سرایت نہیں کرتی (پس معنویہ) اسکی علامت (یہ ہے کہ مضاف) اسمیں (صیغہ صفت نہ ہو) جیسے اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ (جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو) جو اسکا فاعل یا مفعول اضافت سے پہلے ہے

قولہ **قلنا**:۔ہم جواب دیں گے کہ یہ تخصیص تو اضافت سے پہلے فاعل کی وجہ سے ہے جو کہ موجب ہے کیونکہ فاعل سے بھی تخصیص ہو جاتی ہے مثلا جب تم کہو قائم تو یہ معلوم نہیں کہ قیام کس سے صادر ہوا لیکن زید فاعل کے ذکر سے تخصیص ہو گئی کہ زید کھڑا ہوا لہذا یہ اضافت مفید تخصیص نہیں بلکہ اضافت نے صرف تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیا ہے کہ فاعل سے ضمیر حذف ہو گئی ہے۔قولہ **وهی معنویة** :۔شارح نے الاضافۃ الخ کے ساتھ تفسیر کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اضافت کو دو قسموں میں منحصر کرنا صحیح نہیں کیونکہ مررت بزید میں مررت بھی زید کی طرف مضاف ہے لیکن یہ اضافت نہ معنوی ہے اور نہ لفظی۔شارح نے جواب دیا کہ ھی ضمیر کا مرجع مطلق اضافت نہیں بلکہ مرجع اضافت بتقدیر حرف جر ہے لہذا مررت بزید کے ساتھ اعتراض کرنا درست نہیں کہ اسمیں حرف جر مقدر نہیں ہے بلکہ مذکور ہے۔قولہ **ای منسوبة الی المعنی**:۔اس تفسیر میں یہ بتایا کہ معنویۃ میں یاء نسبت کی ہے اور اسکے معنی ہیں جو معنی کی طرف منسوب ہے چونکہ یہ اضافت مضاف میں تعریف یا تخصیص کے معنی کا افادہ کرتی ہے اس لئے اسکو اضافت معنویہ کہتے ہیں۔قولہ **ولفظیة**:اسمیں بھی یاء نسبت کی ہے یعنی وہ اضافت جو لفظ کی طرف منسوب ہے اضافت کی اس قسم کو لفظیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا افادہ لفظ میں منحصر ہے کہ اس سے معنی اول کے سوا کوئی زائد معنی حاصل نہیں ہوتے کیونکہ یہ اضافت معنی میں سرایت نہیں کرتی۔قولہ **علامتها**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اضافت ایک نسبت کا نام ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان پائی جاتی ہے اور مضاف کا غیر صفت ہونا مضاف کا وصف ہے نہ کہ مضاف و مضاف الیہ کے درمیان واقع نسبت کا اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول غلط ہے کہ **فالمعنویة ان یکون المضاف غیر صفة** .شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر عبارت مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے **فالمعنویة علامتها ان یکون الخ** یعنی اضافت معنویہ کی علامت یہ ہے کہ مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو جو معمول کی طرف مضاف ہو اور یہاں صیغہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبہ ہے اور مصدر صیغہ صفت میں داخل نہیں لہذا ضرب الیوم سے اعتراض نہیں ہوگا وجہ یہ ہے کہ مصدر منطقیوں کے نزدیک تو صفت ہے یعنی قائم بالغیر ہے لیکن نحات کے نزدیک صفت نہیں کیونکہ نحات کے نزدیک

سواء لم یکن صفة کغلام زید او کان صفة ولکن غیر مضافة الی معمولها بل الیٰ غیرہ کمصارع مصر وکریم البلد واحترز به عن نحو ضارب زید وحسن الوجه وهی ای الاضافة المعنویة بحکم الاستقراء اما بمعنی اللام فیما ای فی المضاف الیه عدا جنس المضاف وظرفه ای لایکون صادقا علی المضاف وغیرہ ولا ظرفا له نحو غلام زید فان زیدا لیس جنسا للغلام صادقا علیه ولا ظرفه فاضافة الغلام الیه بمعنی اللام ای غلام لزید واما بمعنی من البیانیة فی جنس المضاف الصادق علیه وعلیٰ غیرہ

خواہ صفت نہ ہو جیسے غلام زید یا صفت ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارع مصر اور کریم البلد اور اسکے ساتھ احتراز کیا ضارب زید اور حسن الوجہ سے (اور یہ) یعنی اضافت معنویہ بحکم استقراء (یا بمعنی لام ہے اسکیں) یعنی اس مضاف الیہ میں (جو مضاف کی جنس اور اسکی ظرف کے ماسوا ہو یعنی مضاف الیہ مضاف اور غیر مضاف پر صادق نہ آئے اور نہ ہی مضاف الیہ مضاف کیلئے ظرف ہو جیسے غلام زید کیونکہ زید، غلام کی جنس سے نہیں کہ اس پر صادق آئے اور نہ اسکی ظرف ہے لہٰذا غلام کی اضافت زید کی طرف بمعنی لام ہے ای غلام لزید (یا بمعنی من) بیانیہ (مضاف کی جنس میں) جو مضاف اور غیر مضاف پر صادق ہو

مادل علی ذات مبہمۃ مع بعض صفاتہا۔ کا نام صفت ہے اور معمول سے مراد قبل الاضافت صفت کا فاعل یا مفعول بہ ہے. قولہ **سواء لم یکن:** ۔اس عبارت کی غرض یہ ہے کہ اضافت معنویہ کی تعریف سے اسکی دو قسمیں مستفاد ہوتی ہیں اول یہ کہ مضاف صفت ہی نہ ہو جیسے غلام زید دوم یہ کہ مضاف صفت تو ہو مگر معمول کی جانب مضاف نہ ہو جیسے مصارع مصر میں لفظ مصارع بمعنی شکست دینے والہ پہلوان .صیغہ صفت تو ہے لیکن اس کا مضاف الیہ قبل الاضافت اس کا معمول یعنی فاعل یا مفعول نہیں بلکہ ظرف ہے اسی طرح کریم البلد ہے ای مصارع فی المصر وکریم فی البلد.واضح رہے کہ ان مثالوں میں لفظ مصر اور بلد فاعل یا مفعول بہ اسلئے نہیں کہ فاعل بنانے کی صورت میں معنی ہونگے پہلوان شہر ہے یا کریم بلد ہے اور مفعول بنانے کی صورت میں معنی ہونگے کہ فلاں شخص شہر کو شکست دینے والا ہے یا کسی شخص کا کرم بلد پر واقع ہوا اور یہ معنی صریح البطلان ہیں اور مصنف کا قول **مضافة الی معمولها** یہ قید احترازی ہے جسکے ساتھ ضارب زید اور حسن الوجہ سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ ضارب اپنے مفعول قبل الاضافت کی طرف مضاف ہے کہ اصل میں ضاربٌ زیدًا بنصب زید تھا اور حسن اپنے فاعل قبل الاضافت کی طرف مضاف ہے کہ اصل میں حَسَنٌ وَجْہُہ تھا قولہ **وهی امابمعنی اللام:** ۔شارح نے الاضافۃ المعنویۃ کا اضافہ کرکے ہی ضمیر کا مرجع بتایا ہے اور بحکم الاستقراء کے اضافہ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اضافت معنویہ کا اقسام ثلثہ میں انحصار از قبیل حصر استقرائی ہے .قسم اول اضافت بمعنی لام اور وہ اس جگہ ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ مضاف کی جنس اور اسکی ظرف نہ ہو یعنی مضاف الیہ مضاف اور غیر مضاف پر صادق نہ ہو اور نہ ہی مضاف الیہ مضاف کیلئے ظرف ہو جیسے غلام زید میں حرید غلام کی جنس نہیں کہ اس پر اور اسکے غیر پر صادق آئے کیونکہ غلام میں رقیت ہے اور زید میں حریت ہے اور ظرف بھی نہیں لہٰذا غلام کی اضافت زید کی جانب اضافت بمعنی لام ہے ای غلام لزید قولہ **واما بمعنی من:** ۔یعنی اضافت کی قسم دوم اضافت بمعنی من بیانیہ ہے یہ اس جگہ ہوتی ہے

بشرط ان یکون المضاف ایضا صادقا علی غیر المضاف الیه فیکون بینهما عموم وخصوص من وجه واما بمعنی فی فی ظرفه ای ظرف المضاف والحاصل ان المضاف الیه اما مباین للمضاف وحینئذ ان کان ظرفا له فالاضافة بمعنیٰ فی والا فهی بمعنی اللام واما مساو له کلیث اسد واما اعم مطلقا کاحدالیوم فالاضافة علی التقدیرین ممتنعة واما اخص مطلقا کیوم الاحد وعلم الفقه وشجر الاراک فالاضافة حینئذ ایضا بمعنی اللام واما اخص من وجه فان کان المضاف الیه اصلا للمضاف فالاضافة بمعنی من والا فهی ایضا بمعنی اللام

اس شرط کے ساتھ کہ مضاف بھی مضاف الیہ کے غیر پر صادق ہو پس مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوگی (یا بمعنی فی اسکی ظرف میں) یعنی مضاف کی ظرف میں اور حاصل یہ ہے کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کا مباین ہوگا اور اسوقت اگر مضاف الیہ مضاف کیلئے ظرف ہو تو اضافت بمعنی فی ہوگی ورنہ بمعنی لام یا مضاف الیہ مضاف کیلئے مساوی ہوگا جیسے لیث اور اسد یا اعم مطلق ہوگا جیسے احدالیوم تو ان دونوں صورتوں میں اضافت ممتنع ہے یا اخص مطلق ہوگا جیسے یوم الاحد اور علم الفقہ اور شجر الاراک پس اسوقت بھی اضافت بمعنی لام ہوگی یا اخص من وجہ پس اگر مضاف الیہ مضاف کیلئے اصل ہو تو اضافت بمعنی من ہوگی ورنہ یہ اضافت بھی بمعنی لام ہوگی

جہاں مضاف الیہ مضاف کی جنس ہو یعنی مضاف اور غیر مضاف پر صادق ہو قولہ **بشرط ان یکون**:۔ اور اضافت کی اس قسم میں یہ شرط ہے کہ مضاف بھی غیر مضاف الیہ پر صادق ہو جسطرح کہ مضاف الیہ غیر مضاف پر صادق ہے پس اسکے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہو جائیگی جیسے خاتم فضۃ میں فضۃ کا صدق اور حمل خاتم پر صحیح ہے مثلا الخاتم فضۃ اور خاتم کے غیر پر بھی صحیح ہے جیسے السوار فضۃ اور خاتم بھی فضۃ اور اسکے غیر پر صادق ہے جیسے ھذہ الفضۃ خاتم وھذا الذھب خاتم پس اضافت بمعنی من میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے۔ قولہ **واما بمعنی فی**:۔ اور یا اضافت بمعنی فی ہوتی ہے جب کہ مضاف الیہ مضاف کیلئے ظرف ہو جیسے ضرب الیوم کہ اصل میں ضربٌ فی الیوم تھا کیونکہ اس مثال میں الیوم مضاف الیہ، ضرب کا ظرف ہے کہ ضرب یوم میں واقع ہوئی ہے۔ قولہ **والحاصل**:۔ اس عبارت سے شارح اضافت معنویہ کے اقسام ثلثہ میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان واقع نسبت کا بیان کرتے ہیں کہ وہ کونسی نسبت ہے پس فرماتے ہیں کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کا مباین ہوگا یعنی ان میں سے کوئی دوسرے پر صادق نہیں آئے گا جیسے کہ انسان اور فرس میں تباین ہے پس اسکی دو صورتیں ہیں۔ اول۔ یہ کہ مضاف الیہ مضاف کیلئے ظرف ہوگا پس یہ اضافت بمعنی فی ہوگی۔ دوم۔ یہ کہ مضاف الیہ مضاف کیلئے ظرف نہ ہوگا پس اس صورت میں اضافت بمعنی لام ہوگی۔ یا مضاف الیہ مضاف کے مساوی ہوگا بایں طور کہ دونوں لفظ مترادف ہونگے جیسے لیث اور اسد یا مضاف الیہ مضاف سے اعم مطلق ہوگا جیسے احد الیوم کہ یوم عام ہے اور احد بمعنی یکشنبہ خاص ہے تو ان دونوں صورتوں میں اضافت ممتنع ہے کہ انمیں مضاف الیہ کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ یا مضاف الیہ مضاف سے اخص مطلق ہوگا جیسے یوم الاحد میں مضاف عام اور مضاف الیہ خاص ہے اور جیسے علم الفقہ اور شجر الاراک میں مضاف عام اور مضاف الیہ خاص ہے تو اس صورت میں اضافت بمعنی لام ہوگی۔ یا مضاف الیہ مضاف سے اخص من وجہ ہوگا پس اگر مضاف الیہ

فاضافة خاتم الى فضة بيانية واضافة فضة الى خاتم بمعنى اللام كما يقال فضة خاتمك خير من فضة خاتمي واعلم انه لا يلزم فيما هو بمعنى اللام ان يصح التصريح بها بل يكفي افادة الاختصاص الذي هو مدلول اللام فقولك يوم الاحد وعلم الفقه وشجر الاراك بمعنى اللام ولا يصح اظهار اللام فيه ولهذا قال المصنف بمعنى اللام ولم يقل بتقدير اللام وبهذا الاصل يرتفع الاشكال عن كثير من مواد الاضافة اللامية ولا يحتاج فيه الى التكلفات البعيدة مثل كل رجل وكل واحد

پس خاتم کی اضافت فضہ کی طرف بیانیہ ہے اور فضہ کی اضافت خاتم کی طرف بمعنی لام ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فضۃ خاتمک خیر من فضۃ خاتمی اور جان لو کہ اس اضافت میں جو بمعنی لام ہے یہ لازم نہیں آتا کہ لام کی تصریح صحیح ہو بلکہ افادہ اختصاص جو لام کا مدلول ہے وہ کافی ہے پس تیرا قول "یوم الاحد اور علم الفقہ اور شجر الاراک" بمعنی لام ہے اور اسمیں لام کا اظہار صحیح نہیں اور اسی وجہ سے مصنف نے کہا بمعنی اللام اور بتقدیر اللام نہیں کہا اور اس قاعدہ سے اضافت بمعنی لام کی بہت سی مثالوں سے اعتراض اٹھ جاتا ہے اور تکلفات بعیدہ کی ضرورت نہیں پڑتی مثل کل رجل اور کل واحد کے

مضاف کیلئے اصل ہو یعنی مضاف کو مضاف الیہ سے بنایا جاسکتا ہو جیسے خاتم فضہ تو اس صورت میں اضافت بمعنی من ہوگی اور اگر مضاف الیہ مضاف کیلئے اصل نہ ہو تو اس صورت میں اضافت بمعنی لام ہوگی قولہ **فاضافة خاتم**:۔ یعنی خاتم فضہ میں خاتم کی اضافت فضہ کی طرف بمعنی من ہوگی کہ فضہ خاتم کیلئے اصل ہے اور فضہ کی اضافت خاتم کی طرف بمعنی لام ہوگی کہ خاتم فضہ کیلئے نہ اصل ہے اور نہ ظرف. چونکہ خاتم کی اضافت فضہ کی طرف کثیر ہے اس لئے شارح نے اسکی مثال نہیں بیان کی اور فضہ کی اضافت خاتم کی طرف نادر تھی تو اسکی مثال بیان کردی کہ جسطرح کہ کوئی کہے فضۃ خاتمک خیر من فضۃ خاتمی یعنی تیری انگشتری کی چاندی میری انگشتری کی چاندی سے بہتر ہے. قولہ **واعلم**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ علم الفقہ میں اضافت معنویہ بمعنی لام ماننا درست نہیں کیونکہ اسمیں لام کی صراحت عرب سے مسموع نہیں یعنی عرب سے علم للفقہ نہیں سنا گیا اسی طرح یوم الاحد اور شجر الاراک میں بھی اظہار لام درست نہیں. شارح نے جواب دیا کہ اضافت بمعنی لام میں یہ ضروری نہیں کہ لام کی صراحت صحیح ہو بلکہ اتنا کافی ہے کہ وہ اضافت مفید تخصیص ہو جو لام کا مدلول ہے پس تیرے قول علم الفقہ وغیرہ میں اضافت بمعنی لام ہے اگرچہ اسمیں اظہار لام صحیح نہیں اسی وجہ سے مصنف نے بمعنی اللام کہا اور بتقدیر اللام نہیں کہا، اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ اضافت بمعنی لام میں معنی اختصاص کا افادہ کافی ہے تو اس قاعدہ کے ساتھ اضافت لامی کی بہت سی مثالوں سے اشکال جاتا رہیگا اور اسمیں تکلفات بعیدہ کی حاجت نہیں رہے گی. مثلاً کل رجل اور کل واحد وغیرہ میں اضافت لامی ہے کہ مفید اختصاص ہے مگر اسمیں لام کا اظہار درست نہیں. اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سائل نے کہا کہ کلمہ کل کو اضافت لازم ہے لہٰذا اگر اس کے بعد لام ظاہر کریں گے اور کل لرجل یا کل لواحد کہیں گے تو کلمہ کل سے سلب اضافت لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے تو جب ان میں اظہار لام درست ہی نہیں تو اسمیں اضافت لامیہ کیسے درست ہوگی بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ ان تمام مثالوں میں اظہار

قولہ **مثل كل رجل**:۔ یعنی جب ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ اضافت لامیہ میں افادہ تخصیص ہی کافی ہے تو کل رجل کی کل فرد لرجل کے ساتھ تاویل کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح کل واحد میں اضافت لامی ہے لیکن ان میں تقدیر لام مسموع نہیں چونکہ یہ اضافت مفید تخصیص ہے اس لئے اظہار لام کی ضرورت نہیں.

وهو اى كون الاضافة بمعنى فى قليل فى استعمالاتهم وردها اكثر النحاة الى الاضافة بمعنى اللام فان معنى ضرب اليوم ضرب له اختصاص باليوم بملابسة الوقوع فيه فان قلت فعلى هذا يمكن ردالاضافة بمعنى من ايضاالى الاضافة بمعنى اللام للاختصاص الواقع بين المُبَيَّن والـمُبَيِّـن قلنانعم لكن لما كانت الاضافةبمعنى فى قليلارد وهاالى الاضافة بمعنى اللام تقليلا للاقسام واماالاضافة بمعنى من فهى كثيرة فى كلامهم فالاولىٰ بهاان تجعل قسماعلى حدة نحو غلام زيد مثال للاضافة بمعنى اللام اى غلام لزيد وخاتم فضة مثال للاضافة بمعنى من اى خاتم من فضة وضرب اليوم مثال للاضافة بمعنى فى اى ضرب واقع فى اليوم

(اوروہ) یعنی اضافت کا فی کے معنی میں ہونا (قلیل ہے) یعنی نحات کے استعمالات میں قلیل ہے اور اکثر نحویوں نے اسے اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹا دیا ہے اس لئے کہ ضرب الیوم کا معنی ضربٌ لہ اختصاص بالیوم ہے ساتھ تعلق وقوع ضرب کے یوم میں پس اگر تم کہو کہ اس طرح تو اضافت بمعنی من کو بھی اضافت بمعنی لام کی طرف رد کرنا ممکن ہے اس اختصاص کی وجہ سے جو مُبَیَّن اور مُبَیِّن میں واقع ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں لیکن جب اضافت بمعنی فی قلیل تھی تو نحات نے اسکو تقلیل اقسام کیلئے اضافت بمعنی لام کی طرف رد کر دیا ہے اور بہرحال اضافت بمعنی من تو وہ کثیر ہے انکے کلام میں تو اس کیلئے اولیٰ یہی ہے کہ وہ علیحدہ قسم بنائی جائے (جیسے غلام زید) یہ اضافت بمعنی لام کی مثال ہے ای غلام لزید (اور خاتم فضۃ) یہ اضافت بمعنی من کی مثال ہے ای خاتم من فضۃ (اور ضرب الیوم) یہ اضافت بمعنی فی کی مثال ہے ای ضرب واقع فی الیوم

لام درست ہے بایں طور کہ کل رجل کو کل فرد لرجل کی تاویل میں کریں گے اور علم الفقہ کو علم مخصوص للفقہ کی تاویل میں اور شجر الاراک کو شجر مخصوص بالاراک کی تاویل میں اور یوم الاحد کو یوم مخصوص للاحد کی تاویل میں کریں گے۔ شارح نے فرمایا کہ یہ تاویلات از قبیل تکلفات ہیں کیونکہ ان تاویلات میں اظہار لام مضاف کے مدخول میں نہیں ہے بلکہ شئی آخر میں ہے مثلاً تاویل مذکور میں کلمہ کل کا مدخول فرد ہے جس پر لام نہیں ہے جبکہ اظہار لام مدخول کل میں ہونا چاہئے۔ **وهو قليل**:۔ اور اضافت بمعنی فی محاورات عرب میں قلیل ہے اس لئے اکثر نحات نے اسکو اضافت بمعنی لام کیطرف لوٹا دیا ہے کیونکہ تیرے قول ضرب الیوم کا معنی ہے ایسی ضرب کہ جس کیلئے اختصاص ہے یوم کے ساتھ بوجہ واقع ہونے کے یوم میں یعنی اس علاقہ ملابست کی وجہ سے کہ ضرب یوم میں واقع ہوتی ہے اکثر نحات نے اضافت بمعنی فی کو اضافت بمعنی لام قرار دیا ہے۔ قولہ **فان قلت**:۔ اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اگر علاقہ ملابست کی وجہ سے نحات نے اضافت بمعنی فی کو اضافت بمعنی لام قرار دیا ہے تو اضافت بمعنی من کو بھی اضافت بمعنی لام قرار دینا چاہئے کیونکہ مبیَّن اور مبیِّن میں بھی ملابست ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اضافت بمعنی فی چونکہ قلیل ہے اس لئے اضافت کے اقسام کو کم کرنے کیلئے اضافت بمعنی فی کو اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹا دیا گیا ہے لیکن اضافت بمعنی من چونکہ کثیر ہے اس لئے اسکو اضافت بمعنی لام کیطرف راجع نہیں کیا گیا پس اولیٰ یہی ہے کہ اضافت بمعنی من ایک مستقل قسم قرار دی جائے۔ قولہ **نحو غلام زيد**:۔ یہ اضافت بمعنی لام کی مثال ہے ای غلام لزید اور خاتم فضۃ اضافت بمعنی من کی مثال ہے ای خاتم من فضۃ اور ضرب الیوم یہ اضافت بمعنی فی مثال ہے ای ضرب واقع فی

وتفيد اى الاضافة المعنوية تعريفا اى تعريف المضاف مع المضاف اليه المعرفة لان الهيأة التركيبية فى الاضافة المعنوية موضوعة للدلالة على معلومية المضاف لا ان نسبة امر الى معين يستلزم معلومية المنسوب ومعهوديته فان ذلك غير لازم كما لايخفى فان قلت قديقال جاء نى غلام زيد من غير اشارة الى واحد معين فلايكون هيأة التركيب الاضافى موضوعة لمعلومية المضاف قلنا ذلك كما ان المعرف باللام فى اصل الوضع لمعين ثم قديستعمل بلا اشارة الى معين كما فى قوله ع ولقد امر على اللئيم يسبنى وذلك على خلاف وضعه

(اور فائدہ دیتی ہے) یعنی اضافت معنویہ (تعریف کا) یعنی مضاف کی تعریف کا (ساتھ) مضاف الیہ (معرفہ کے) کیونکہ اضافت معنویہ میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کیلئے موضوع ہے یہ بات نہیں کہ ایک غیر معین امر کی معین کی طرف نسبت کرنا منسوب کی معلومیت اور اسکی معہودیت کو مستلزم ہے کیونکہ یہ لازم نہیں جیسا کہ وہ پوشیدہ نہیں۔ پس اگر کہو کہ کبھی جاء نی غلام زید کہا جاتا ہے کسی واحد معین کی طرف اشارہ کئے بغیر لہٰذا ترکیب اضافی کی ہیئت مضاف کی معلومیت کیلئے موضوع نہ ہوئی تو ہم کہیں گے کہ یہ اس طرح ہے کہ معرف باللام اصل وضع میں معین کیلئے ہے پھر کبھی معین کی طرف اشارہ کئے بغیر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ قائل کے قول میں ہے ولقد امر علی اللئیم یسبنی اور یہ اپنی وضع کے خلاف ہے

الیوم قولہ **وتفيد**:۔ اور اضافت معنویہ مضاف کی تعریف کا افادہ کرتی ہے اگر مضاف الیہ معرفہ ہو شارح نے اپنے قول "ای تعریف المضاف" کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کے قول "تعریفا" میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اس لئے کہ اضافت معنویہ کی ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت کیلئے موضوع ہے کیونکہ مضاف الیہ کے مضاف کے ساتھ اتصال سے مضاف الیہ کی تعریف مضاف تک سرایت کر جاتی ہے۔ قولہ **لا ان نسبة امر**:۔ یہ فاضل ہندی پر رد ہے جنہوں نے اضافت الی المعرفہ کی صورت میں مضاف میں حصول تعریف کی وجہ یہ بیان کی کہ شی کسی امر معین کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو جاتی ہے۔ علامہ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امر معلوم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے منسوب کا معلوم ہو جانا ضروری نہیں مثلاً زید انسان میں خبر نکرہ مبتدا معرفہ کی طرف منسوب ہے مگر معرفہ نہیں ہوئی اسی طرح اضافت لفظی یعنی ضارب زید میں ضارب معرفہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے معرفہ نہیں ہوا کیونکہ اضافت لفظی تعریف کا افادہ نہیں کرتی۔ قولہ **فان قلت**:۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اضافت معنویہ جسمیں مضاف الیہ معرفہ ہو اسکی ہیئت ترکیبی کو مضاف کی معلومیت کیلئے موضوع قرار دینا درست نہیں کیونکہ اگر زید کے بہت سے غلام ہوں تو ان میں سے کسی معین کی طرف اشارہ کئے بغیر غلام زید کہنے سے غلام معین نہیں ہو جاتا جس سے معلوم ہوا کہ اضافت معنویہ کی ہیئت ترکیبیہ تعیین مضاف کیلئے موضوع نہیں ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مثال مذکور میں اضافت معنویہ کا معین نہ کرنا استعمال کے اعتبار سے ہے وضع کے اعتبار سے نہیں یعنی عدم تعیین مجازاً ہے۔ جسطرح کہ معرف باللام کو کبھی مجازاً غیر معین کیلئے بولتے ہیں جیسے ولقد امر علی اللئیم میں اللئیم سے مراد غیر معین ہے۔ جس پر قرینہ یسبنی ہے جو اللئیم کی صفت واقع ہو رہا ہے یعنی اگر اللئیم معرفہ ہوتا تو جملہ فعلیہ اسکی صفت واقع نہ ہوتا کہ وہ نکرہ ہوتا ہے۔ اور نکرہ معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوتا کیونکہ موصوف وصفت میں تعریف وتنکیر میں موافقت ضروری ہے۔

ولیس یجری ھذا الحکم فی نحو غیر ومثل فان اضافتھما لا تفید التعریف وان کان مع المضاف الیہ المعرفۃ لتوغلھما فی الابھام الا ان یکون للمضاف الیہ ضد واحد یعرف بغیریتہ کقولک علیک بالحرکۃ غیر السکون وکذلک اذا کان للمضاف الیہ مثل اشتھر بمماثلتہ فی شیء من الاشیاء کالعلم والشجاعۃ فقیل لہ جاء مثلک کان معرفۃ اذا قصد الذی یماثلہ فی الشیء الفلانی وتفید الاضافۃ المعنویۃ تخصیصا ای تخصیص المضاف مع المضاف الیہ النکرۃ نحو غلام رجل فان التخصیص تقلیل الشرکاء ولا شک ان الغلام قبل اضافتہ الی رجل کان مشترکا بین غلام رجل وغلام امرأۃ فلما اضیف الی رجل خرج عنہ غلام امرأۃ

اور یہ افادہ تعریف کا حکم لفظ نحو اور مثل کی مانند میں جاری نہیں ہوتا کیونکہ لفظ نحو اور مثل کی اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مضاف الیہ معرفہ کے ساتھ ہو کیونکہ ان میں ابہام بہت ہے مگر جبکہ مضاف الیہ کیلئے ایک ہی ضد ہو جو پہچانی جائے اسکی غیریت کے ساتھ جیسے تمہارا قول "علیک بالحرکۃ غیر السکون" اور اسی طرح جبکہ مضاف الیہ کیلئے کوئی ایک مثل ہو کہ وہ اشیاء میں سے کسی شئی کے ساتھ مماثلت میں مشہور ہو جیسے علم اور شجاعت پس اسکو کہا جائے جاء مثلک تو معرفہ ہو جائیگا جبکہ اسی شخص کا قصد کیا جائے جو فلاں شئی میں اس کا مماثل ہو اور فائدہ دیتی ہے اضافت معنویہ (تخصیص کا) یعنی مضاف کی تخصیص کا (ہمراہ) مضاف الیہ (نکرہ کے) جیسے غلام رجل کیونکہ تخصیص شرکاء کو کم کرتا ہے اور شک نہیں کہ لفظ غلام، رجل کی جانب مضاف ہونے سے پہلے غلام رجل اور غلام امرأۃ کے درمیان مشترک تھا پس جب وہ رجل کی طرف مضاف کیا گیا تو اس سے غلام امرأۃ

قولہ ولیس یجری: ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اضافت معنویہ کا فائدہ مذکورہ لفظ غیر اور لفظ مثل میں حاصل نہیں ہوتا اگرچہ یہ مضاف الیہ معرفہ کی طرف مضاف ہوں۔ شارح نے جواب دیا کہ اضافت معنویہ کا فائدہ مذکورہ لفظ غیر اور مثل میں اس لئے حاصل نہیں ہوتا کہ یہ ابہام میں ڈوبے ہوئے ہیں لہذا یہ قاعدہ مذکورہ سے مستثنی ہیں کیونکہ غیر زید کوئی مخصوص ذات نہیں بلکہ عالم کا ہر موجود غیر زید ہے اسی طرح مثل زید کوئی مخصوص ذات نہیں بلکہ ہر موجود کسی نہ کسی صفت میں زید کے مماثل ہے البتہ جب لفظ غیر کے مضاف الیہ کیلئے ضد واحد معروف و مشہور ہو جیسے علیک بالحرکۃ غیر السکون میں سکون کی ضد واحد حرکت معروف و مشہور ہے تو ایسی صورت میں لفظ غیر معرفہ ہو جاتا ہے اسی لئے اس ترکیب میں غیر السکون کا الحرکۃ کیلئے صفت ہونا صحیح ہوا کہ موصوف کی طرح صفت بھی معرفہ ہے۔ **قولہ وکذلک:** ۔ یعنی لفظ مثل کے مضاف الیہ کیلئے اگر کسی وصف میں کوئی مماثل مشہور و معروف ہو تو اس وقت لفظ مثل بھی معرفہ ہو جائے گا مثلاً زید عالم ہے اور بکر علم میں اسکا مماثل مشہور ہے پس زید سے کہا گیا جاء مثلک تو یہ مثل معرفہ ہو جائے گا جبکہ مثل سے علم میں زید کا مماثل مراد ہو۔ **قولہ وتفید الاضافۃ:** ۔ اور اضافت معنویہ مضاف الیہ نکرہ کے ساتھ مضاف میں تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جیسے غلام رجل میں لفظ غلام قبل از اضافت مرد اور عورت دونوں کے غلام کو شامل تھا اور بعد از اضافت لفظ غلام

قولہ علیک بالحرکۃ: ۔ علیک اسم فعل ہے جب یہ متعدی بنفسہ ہو تو بمعنی الزم ہوتا ہے اور جب باء کے ساتھ متعدی ہو تو بمعنی استمسک ہوتا ہے۔ **قولہ تخصیصا:** ۔ اضافت معنویہ کے اور بھی فوائد ہیں مثلاً مضاف کا مضاف الیہ سے تذکیر حاصل کرنا جیسے ان رحمۃ اللہ قریب میں یا تانیث حاصل کرنا وغیرہ۔

وقلّت الشركاء فيه وشرطها اى شرط الاضافة المعنوية تجريد المضاف اذا كان معرفة من التعريف فان كان ذا اللام حذف لامه وان كان علما نكر بان يجعل واحدا من جملة من سمي بذلك الاسم وان لم يكن معرفة فلا حاجة الى التجريد بل لا يمكن او المراد بالتجريد تجرده وخلوه من التعريف عند الاضافة سواء كان نكرة فى نفسه من غير تجريد او كان معرفة جردت عن التعريف وانما يجب التجريد لان المعرفة لو اضيفت الى النكرة لكان طلبا للادنى وهو التخصيص مع حصول الاعلىٰ وهو التعريف ولو اضيفت الى المعرفة لكان تحصيل الحاصل فتضيع الاضافة حيث لا تفيد تعريفا ولا تخصيصا

خارج ہوگیا اور غلام میں شرکاء کم ہوگئے (اور اسکی شرط) یعنی اضافت معنوی کی شرط (مضاف کی تجرید ہے) جبکہ مضاف معرفہ ہو (تعریف سے) پس اگر مضاف معرفہ بلام ہو تو لام کو حذف کیا جائیگا اور اگر علم ہو تو نکرہ کر دیا جائیگا یعنی اس اسم کے ساتھ موسوم جماعت میں سے کوئی ایک مراد لیا جائیگا اور اگر مضاف معرفہ نہ ہو تو تجرید کی حاجت نہیں بلکہ تجرید ممکن ہی نہیں یا تجرید سے مراد مضاف کا تجرد اور خالی ہونا ہے تعریف سے اضافت کے وقت خواہ وہ فی نفسہ نکرہ ہو تجرید کے بغیر یا معرفہ مجرد عن التعریف ہو اور تجرید اس لئے واجب ہے کہ اگر معرفہ نکرہ کی طرف مضاف ہو تو ادنیٰ کی طلب ہوگی اور وہ ادنیٰ تخصیص ہے حالانکہ اعلیٰ یعنی تعریف مضاف کو حاصل ہے اور اگر معرفہ کو معرفہ کیطرف مضاف کیا جائے تو تحصیل حاصل ہے پس اضافت ضائع ہوجائیگی اسلئے کہ یہ اضافت نہ تعریف کا فائدہ دے گی اور نہ تخصیص کا

عورت کے غلام کو شامل نہ رہا اور اسمیں تخصیص بمعنی تقلیل شرکاء پیدا ہوگئی قولہ **وشرطها**:۔ یعنی اضافت معنویہ کی شرط یہ ہے کہ مضاف کو تعریف سے خالی کرلیا جائے عبارت متن کے یہ معنی اسوقت ہونگے جب لفظ تجرید اپنے حقیقی معنی پر ہو یعنی خالی کرنا، اور یہ تجرید اسوقت ممکن ہے جب مضاف قبل از اضافت معرفہ ہو اگر مضاف معرفہ نہ ہو تو تجرید کی حاجت نہیں بلکہ تجرید ممکن ہی نہیں پھر اس تجرید کی دو صورتیں ہیں، اول۔ یہ کہ اگر مضاف معرفہ بلام ہو تو لام کو دور کرکے تجرید کرنا، دوم۔ یہ کہ مضاف علم ہو تو اسکو معنیً نکرہ کر دینا بایں طور کہ اسکو مسمّی بالعلم کا ایک فرد قرار دینا مثلاً زید کو مسمّی بزید کی تاویل میں لیکر زید کو اسکا ایک فرد قرار دیا جائے. کیونکہ مسمّی بزید مفہوم کلی ہے پھر زید کو مضاف کرکے کہا جائے زیدنا خیر من عمرو اور اگر لفظ تجرید مجازاً بمعنی خلو ہو کہ تجرید کو خلو لازم ہے تو عبارت متن کے یہ معنی ہونگے کہ اضافت معنویہ کی شرط یہ ہے کہ بوقت اضافت مضاف تعریف سے خالی ہو. چونکہ معرف باللام اور علم کے علاوہ معرفہ کی باقی اقسام کی اضافت نہیں ہوتی اس لئے شارح نے صرف معرف باللام اور علم کی تجرید کا بیان کیا ہے. قولہ **وانما يجب التجريد**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مضاف کی تجرید کیوں واجب ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ تجرید اس لئے واجب ہے کہ تجرید نہ ہونے کی صورت میں اضافت معنویہ ضائع ہوجائے گی کیونکہ مضاف اگر معرفہ ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں، اول۔ یہ کہ اسکو نکرہ کی طرف مضاف کیا جائے جیسے الغلام رجل تو اسمیں ادنیٰ یعنی تخصیص کی طلب لازم آئیگی حالانکہ اعلیٰ یعنی تعریف اس صورت میں حاصل ہے اور اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی طلب مذموم ہے. دوم۔ یہ کہ معرفہ کی اضافت دوسرے معرفہ کی طرف کی جائے اور یہ تحصیل حاصل ہے

فان قيل لافرق بين اضافة المعرفة وبين جعلها علما في نحو النجم و الثريا و الصعق و ابن عباس على لزوم تعريف المعرف فما بالهم جوزوا هذا دون ذلك قيل لا نسلم ان في هذه الامثلة تعريف المعرف بل فيها زوال تعريف وهو التعريف الحاصل باللام او الاضافة وحصول تعريف آخر وهو التعريف بالعلمية فانها حين صارت اعلاما لم يبق فيها الاشارة الى معلوميتها باللام او الاضافة فلا يلزم فيها تعريف المعرف بل تبديل تعريف بتعريف آخر وما اجازه الكوفيون من تركيب الثلثة الاثواب وشبهه من العدد المعرف باللام المضاف الى معدوده نحو الخمسة الدراهم و المائة الدينار ضعيف قياسا و استعمالا اما قياسا فلما ذكر من لزوم تحصيل الحاصل و اما استعمالا فلما ثبت من الفصحاء من ترك اللام قال ذو الرمة ع ثلث

پھر اگر کہا جائے کہ معرفہ کی معرفہ کی طرف اضافت کرنے اور معرفہ کو علم بنانے میں کوئی فرق نہیں تعریف معرف کے لازم آنے میں النجم وغیرہ کے مثل میں پس کیا وجہ ہے کہ نحویوں نے معرفہ کو علم بنانا جائز قرار دیا اور اضافت معرفہ کو ناجائز قرار دیا کہا گیا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ النجم وغیرہ میں تعریف معرف پائی جاتی ہے بلکہ ان امثلہ میں ایک تعریف کی تبدیلی ہے دوسری تعریف کے ساتھ (اور جسکو کوفیوں نے جائز رکھا ہے) الثلثۃ الاثواب اس کے مثل عددی ترکیب سے) جو معرفہ بلام اپنے معدود کی طرف مضاف ہے جیسے الخمسۃ الدراھم اور المائۃ الدینار (ضعیف ہے) قیاس اور استعمال کے اعتبار سے بہرحال قیاس کے اعتبار سے تو اس وجہ سے جو مذکور ہوا تحصیل حاصل کا لزوم اور بہرحال استعمال کے اعتبار سے اسلئے کہ فصحاء سے ترک لام ثابت ہے ذوالرمۃ نے کہا ثلث

جو کہ عبث اور بے فائدہ ہے پس دونوں صورتوں میں اضافت ضائع ہو جائیگی کہ نہ مفید تعریف ہوگی اور نہ مفید تخصیص قولہ **فان قیل**:۔اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ معرفہ کو مضاف کرنے اور معرفہ کو علم بنانے میں کوئی فرق نہیں یعنی جسطرح کہ معرفہ کی اضافت سے تحصیل حاصل لازم آتی ہے اسی طرح معرفہ کو علم بنانے سے بھی تحصیل حاصل لازم آتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ معرفہ کی اضافت تو نحات نے ناجائز قرار دی اور النجم کو جو معرف باللام ہے اور ابن عباس وغیرہ کو جو معرفہ باضافت ہیں علم بنانا جائز رکھا ہے۔جواب کا حاصل یہ ہے کہ النجم وغیرہ کے علم بنانے میں تحصیل حاصل نہیں بلکہ ان میں وہ تعریف جو الف لام یا اضافت سے حاصل تھی اسکو زائل کر کے دوسری تعریف حاصل کی گئی ہے کیونکہ علمیت وضع ثانی ہے جو پہلی تعریف کو ختم کر دیتی ہے پس یہ مثالیں جب اعلام ہو گئیں تو لام یا اضافت کی وجہ سے انکی معلومیت کی طرف اشارہ باقی نہ رہا پس انمیں تحصیل حاصل نہیں بلکہ یہ ایک تعریف کو دوسری کے ساتھ تبدیل کرنا ہے لیکن اضافت وضع ثانی نہیں اس لئے وہ پہلی تعریف کو ختم نہیں کرتی اس لئے معرفہ کی اضافت میں تحصیل حاصل ہے قولہ **وما اجازہ**۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اضافت معنویہ میں تجرید کی شرط تسلیم نہیں کیونکہ

قولہ **وما اجاز الکوفیون**:۔کوفیوں نے الثلثۃ الاثواب کو اس لئے جائز رکھا ہے کہ اعداد میں مضاف اور مضاف الیہ متحد ہوتے ہیں اور مضاف مضاف الیہ سے تعریف اس وقت حاصل کرتا ہے جبکہ انمیں مغایرت ہو لہذا اس میں تحصیل حاصل نہیں قولہ **ثلث الاصافی**:۔اصافی تخفیف یا ماصل میں یائے مشدد یا ہے کہ یہ اصفیہ کی جمع

الاثافی والدیار البلاقع واماماجاء فی الحدیث من قوله علیه السلام بالاف الدینار فعل البدل دون الاضافة والاضافة اللفظیة علامتها ان یکون المضاف صفة احترازعما اذالم یکن صفة نحو غلام زید مضافة الی معمولها احترازعما اذا کانت مضافة الی غیر معمولها نحو مصارع البلد وکریم العصر مثل ضارب زید من قبیل اضافة اسم الفاعل الی مفعوله وحسن الوجه من قبیل اضافة الصفة المشبهة الی فاعلها

الاثافی والدیار البلاقع اور بہرحال جو حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "بالالف الدینار" تو وہ بدل کی بنا پر ہے نہ اضافت کے طور پر اور اضافت (لفظیہ) اسکی علامت (یہ ہے کہ ہو) مضاف (صفت) یہ اس سے احتراز ہے کہ جب مضاف صفت نہ ہو جیسے غلام زید (مضاف اپنے معمول کی طرف) یہ احتراز ہے صفت مضاف سے جبکہ وہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے مصارع البلد اور کریم العصر (جیسے ضارب زید) یہ اسم فاعل کے اپنے مفعول کی جانب اضافت کے قبیل سے ہے (اور حسن الوجہ) یہ صفت مشبہ کے اپنے فاعل کی جانب اضافت کے قبیل سے ہے

نحات کوفہ نے الثلثۃ الاثواب جیسی تراکیب کو جائز رکھا ہے۔ مصنف نے جواب دیا کہ الثلثۃ الاثواب اور اسکی مانند عدد معرف باللام کی اضافت اس کے معدود کی طرف جیسے الخمسۃ الدراھم اور المائۃ الدینار یہ قیاسا اور استعمالا ضعیف ہیں۔ قیاسا تو اس لئے کہ اسمیں تحصیل حاصل ہے اور استعمالا اس لئے کہ فصحاء عرب سے عدد مضاف میں ترک لام ثابت ہے کما قال ذوالرمہ قولہ **واماماجاء** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے شرط تجرید کو صحیح ثابت کرنے کیلئے تراکیب مذکورہ کو ضعیف اور غیر صحیح قرار دیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی "بالالف الدینار" میں عدد معرف باللام مضاف ہے اسکے متعلق کیا کہیں گے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ ارشاد بدلیت پر محمول ہے اضافت پر نہیں یعنی الدینار، الالف سے بدل البعض ہے۔ قولہ **واللفظیة**: ۔ شارح نے الاضافۃ مقدر کر کے یہ بتایا کہ یہاں موصوف مقدر ہے جو الاضافۃ ہے یعنی اضافت لفظیہ کی علامت یہ ہے کہ اسمیں مضاف صیغہ صفت ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اس تعریف سے دو شرطیں مستفاد ہوئیں۔ اول۔ یہ کہ مضاف صیغہ صفت ہو پس جس جگہ مضاف صیغہ صفت نہ ہو بلکہ اسم محض ہو تو وہ اضافت لفظیہ نہ ہوگی جیسے غلام زید۔ دوم۔ یہ کہ مضاف صیغہ صفت ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو پس اگر صیغہ صفت غیر معمول کی طرف مضاف ہو تو بھی اضافت لفظیہ نہ ہوگی جیسے مصارع البلد اور کریم العصر کہ بلد اور عصر صیغہ صفت کے معمول یعنی فاعل یا مفعول بہ نہیں ہیں بلکہ مفعول فیہ ہیں۔ قولہ **مثل ضارب زید**: یہ اضافت لفظیہ کی مثال ہے اس ترکیب میں مضاف صیغہ صفت ہے اور مضاف الیہ اس کا معمول یعنی مفعول بہ ہے یہ اصل میں ضارب زیدا تھا زید کے نصب اور تنوین کے ساتھ پھر ضارب کو برائے تخفیف اسکے مفعول کی طرف مضاف کر دیا گیا تو ضارب زید ہوا اور حسن الوجہ بھی اضافت لفظیہ کی مثال ہے کہ اسمیں حَسَن صیغہ صفت ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے کیونکہ یہ اصل میں حَسَنٌ وجھہ تھا وجہ کے رفع کے ساتھ۔ پس جب حسن کی اضافت کی تو ضمیر مجرور کو صیغہ صفت میں مستتر کر دیا گیا اور ضمیر کے عوض وجہ پر الف لام داخل کیا گیا تو حسن الوجہ بنا۔ چونکہ یہ دونوں اقسام کثیر الوقوع ہیں اسلئے انکو مصنف نے ذکر کیا ہے۔

ہے قولہ **بالالف الدینار**: ۔ اس ارشاد نبوی میں با جارہ فعل محذوف کے متعلق ہے ای تصدقوا بالالف الدینار اور الدینار، الالف سے بدل البعض ہے یا اس سے عطف بیان ہے یعنی جب تصدقوا بالالف فرمایا تو الالف میں ابہام تھا کہ وہ کیا ہیں درھم یا دنانیر یا کوئی اور شی تو الدینار عطف بیان لا کر الالف میں واقع ابہام کو دور کر دیا گیا۔

ولاتفيد الاضافة اللفظية فائدة الا تخفيفا لاتعريفا ولاتخصيصا لكونها في تقدير الانفصال في اللفظ لافي المعنى بان يسقط بعض المعاني عن ملاحظة العقل بازاء مايسقط من اللفظ بل المعنىٰ على ما كان عليه قبل الاضافة و التخفيف اللفظي اما في لفظ المضاف فقط بحذف التنوين حقيقة مثل ضارب زيدا وحكمامثل حواج بيت الله او بحذف نوني التثنية والجمع مثل ضاربازيد وضاربوزيدواما في لفظ المضاف اليه فقط بحذف الضمير واستتاره في الصفة كالقائم الغلام كان اصله القائم غلامه حذف الضمير من غلامه واستتر في القائم واضيف القائم اليه للتخفيف في المضاف اليه فقط و اما في المضاف والمضاف اليه معانحو زيدقائم الغلام اصله قائم غلامه فالتخفيف في المضاف بحذف التنوين وفي المضاف اليه بحذف الضمير واستتاره في الصفة

(اورنہیں فائدہ دیتی) اضافت لفظیہ کوئی فائدہ (مگر تخفیف کا) نہ تعریف اورنہ تخصیص کا کیونکہ وہ انفصال کی تقدیر میں ہے (لفظ میں) نہ معنی میں اسطرح کہ بعض معانی ملاحظہ عقل سے ساقط ہوجائیں ساقط شدہ لفظ کے مقابلہ میں بلکہ معنی اسی حال پر رہتا ہے جس پر اضافت سے پہلے تھا اور تخفیف لفظی یا صرف مضاف کے لفظ میں ہوگی حقیقۃً تنوین کے حذف کرنے سے جیسے ضارب زیدا یا حکما جیسے حواج بیت اللہ یا نون تثنیہ وجمع کے حذف سے جیسے ضاربا زید اور ضاربو زید یا صرف مضاف الیہ کے لفظ میں ضمیر کو حذف کرکے اسکو صفت میں مستتر کرنے کے ساتھ جیسے القائم الغلام جسکی اصل القائم غلامہ تھی غلامہ سے ضمیر حذف کرکے اسکو القائم میں مستتر کردیا گیا اور صرف مضاف الیہ سے تخفیف کیلئے القائم کو اسکی طرف مضاف کردیا گیا یا مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوگی معا جیسے زید قائم الغلام اسکی اصل قائم غلامہ تھی پس مضاف میں تخفیف تنوین کے حذف سے ہے اور مضاف الیہ میں ضمیر کے حذف اور اسکے صفت میں مستتر کرنے سے ہے

قولہ **ولاتفید**:۔ یعنی اضافت لفظیہ صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ اضافت لفظیہ اصل میں انفصال کے درجہ میں ہے اگرچہ لفظا اسمیں اتصال پایا جاتا ہے پھر تخفیف بھی صرف لفظ میں ہوتی ہے معنی میں نہیں ہوتی یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ لفظ کے ساقط ہونے سے بعض معانی بھی ملاحظہ عقل سے ساقط ہوجائیں بلکہ معنی حسب سابق باقی رہتے ہیں قولہ **والتخفیف اللفظی**:۔ یعنی اضافت لفظیہ سے جو تخفیف حاصل ہوتی ہے اسکی چار صورتیں ہیں اول۔ صرف مضاف میں تخفیف بوجہ حذف تنوین حقیقۃً جیسے ضارب زید میں یا بوجہ حذف تنوین حکما جیسے حواج بیت اللہ میں۔ دوم۔ مضاف میں تخفیف بوجہ حذف نون تثنیہ وجمع جیسے ضاربا زید وضاربو زید سوم۔ صرف مضاف الیہ میں تخفیف بوجہ حذف ضمیر اور اسکو صیغہ صفت میں مستتر کرنے کے ساتھ جیسے القائم الغلام جو اصل میں القائم غلامہ تھا غلامہ سے ضمیر حذف کرکے اسکو القائم میں پوشیدہ کردیا گیا اور القائم کو الغلام کی طرف مضاف کردیا گیا۔ چہارم۔ مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف مضاف میں بوجہ

ومن ثم ای ومن جهة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف وانتفاء كل واحد من التعريف والتخصيص جاز تركيب مررت برجل حسن الوجه باضافة الصفة الى معمولها وجعلها صفة للنكرة فمن جهة انها لم تفد تعريفا جاز هذا التركيب وامتنع تركيب مررت بزيد حسن الوجه فلو افادت تعريفا لم يجز الاول للزوم كون المعرفة صفة للنكرة ولجاز الثانى لكون المعرفة اذن صفة للمعرفة والمراد ان المشار اليه بثم وهو مجموع امور ثلثة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف وانتفاء التعريف وانتفاء التخصيص يستلزم جواز التركيب الاول وامتناع الثانى ولا يلزم من ذلك ان يكون لكل واحد من تلك الامور دخل فى ذلك الاستلزام بل يجوز ان يكون باعتبار بعضها فلا يرد انه لا دخل فى ذلك الاستلزام لانتفاء التخصيص

(اور اسی وجہ سے) یعنی اضافت لفظی کے افادہ تخفیف کے وجوب اور تعریف وتخصیص میں سے ہر ایک کے انتفاء کی وجہ سے (جائز ہے) ترکیب (مررت برجل حسن الوجہ کی) اضافت کرتے ہوئے صفت کو اسکے معمول کی طرف اور اسکو نکرہ کی صفت بناتے ہوئے پس اس وجہ سے کہ یہ اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی یہ ترکیب جائز ہے (اور ممتنع ہے) ترکیب مررت (بزید حسن الوجہ کی) پس اگر اضافت لفظی تعریف کا فائدہ دیتی ہوتی تو مثال اول ناجائز ہوتی بوجہ لازم آنے ہونے معرفہ کے صفت نکرہ کیلئے اور جائز ہوتی مثال ثانی بوجہ ہونے معرفہ کے اسوقت صفت معرفہ کیلئے اور مراد یہ ہے کہ ثم کا مشار الیہ امور ثلثہ کا مجموعہ ہے یعنی اضافت لفظیہ کا افادہ تخفیف کا وجوب اور انتفاء تعریف وانتفاء تخصیص کا مجموعہ جو پہلی ترکیب کے جواز اور دوسری کے امتناع کو مستلزم ہے اور مجموعہ کو مشار الیہ بنانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان تین امور میں سے ہر ایک کو اس استلزام میں دخل ہو بلکہ جائز ہے کہ یہ استلزام انکے بعض کے اعتبار سے ہو پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ اس استلزام میں انتفاء تخصیص کا کوئی دخل نہیں

حذف تنوین اور مضاف الیہ میں بوجہ حذف ضمیر واستتار فی الصفۃ جیسے زید قائم الغلام جو اصل میں زید قائم غلامہ تھا قولہ ومن ثم۔ اور اسی وجہ سے کہ اضافت لفظیہ تخفیف کا افادہ کرتی ہے اور تعریف وتخصیص کا افادہ نہیں کرتی مررت برجل حسن الوجہ کی ترکیب جائز ہے کہ اسمیں حسن الوجہ مضاف باضافت لفظیہ ہونے کی وجہ سے معرفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے تو اسکا نکرہ کی صفت واقع ہونا درست ہوا اور اسی بنا پر مررت بزید حسن الوجہ کی ترکیب ممتنع قرار پائی کہ اسمیں بھی حسن الوجہ مضاف باضافت لفظیہ ہونے کی بنا پر معرفہ نہ ہوا بلکہ نکرہ رہا تو اسکا معرفہ کی صفت واقع ہونا درست نہ ہوا کہ صفت کی موصوف کے ساتھ تعریف میں مطابقت ضروری ہے۔ پس اگر اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ کرتی تو پہلی ترکیب ناجائز ہوتی کہ اسمیں معرفہ کا نکرہ کی صفت واقع ہونا لازم آتا ہے اور دوسری ترکیب جائز ہوتی کہ اسمیں معرفہ کی صفت معرفہ ہوتی۔ قولہ والمراد۔ یہ شارح ھندی کے اعتراض کا جواب ہے جنہوں نے فرمایا کہ مصنف کے قول "ومن ثم" میں کلمہ ثم کا مشار الیہ تین امور کا مجموعہ ہے اول۔ یہ کہ اضافت لفظیہ صرف تخفیف کا افادہ کرتی ہے۔ دوم۔ یہ کہ وہ تعریف کا افادہ نہیں کرتی۔ سوم۔ یہ کہ وہ تخصیص کا افادہ نہیں کرتی۔ اور انہیں تین امور کا مجموعہ ترکیب اول کے جواز کو

ومن جهة انها تفيد تخفيفا جاز تركيب الضارب زيد والضاربو زيد لحصول التخفيف بحذف النون وامتنع الضارب زيد لعدم التخفيف لان تنوين الضارب انما سقط للالف واللام لا للاضافة ولا شك انه لا دخل في هذا التفريع لانتفاء التعريف ولا لانتفاء التخصيص بل يكفي فيه وجوب التخفيف فقط وعلىٰ هذا كان الانسب تقديم هذا الفرع لكنه اخره لكثرة لواحقه خلافا للفراء فانه يجوّز تركيب الضارب زيد اما لانه توهم ان دخول لام التعريف

(اور) اس وجہ سے کہ اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے جائز ہے (الضاربا زید اور الضاربو زید) کی ترکیب بوجہ حاصل ہونے تخفیف کے حذف نون سے (اور ممتنع ہے الضارب زید) عدم تخفیف کی وجہ سے اس لئے کہ الضارب سے تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف اور انتفاء تخصیص کا کوئی دخل نہیں بلکہ اسمیں صرف وجوب تخفیف کافی ہے اور اس بنا پر اس فرع کی تقدیم انسب تھی لیکن مصنف نے اسکے کثرت لواحق کی وجہ سے اسے مؤخر کردیا ہے (برخلاف فراء کے) کہ وہ الضارب زید کی ترکیب کو جائز قرار دیتے ہیں یا تو اسلئے کہ فراء کو یہ وہم ہوا کہ الضارب پر لام تعریف کا دخول

اور ترکیب ثانی کے عدم جواز کو مستلزم ہے حالانکہ ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے عدم جواز میں انتفاء تخصیص کا کوئی دخل نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ بات مسلم ہے کہ مشارالیہ امور ثلثہ مذکورہ کا مجموعہ ہے جو ترکیب اول کے جواز اور ترکیب ثانی کے عدم جواز کو مستلزم ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ترکیب اول کے جواز اور ثانی کے عدم جواز میں ہر ایک امر کو دخل ہو بلکہ جائز ہے کہ یہ استلزام بعض کے اعتبار سے ہو یعنی وجود تخفیف اور انتفاء تعریف کی وجہ سے ہو ولا کثر حکم الکل لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوسکیگا کہ اس استلزام میں انتفاء تخصیص کا کوئی دخل نہیں۔ **قولہ ومن جهة انها** :۔ شارح نے اس اضافی عبارت سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کا قول "وجاز" اسکے قول "جاز" پر معطوف ہے یعنی اس وجہ سے کہ اضافت لفظیہ مفید تخفیف ہے۔ الضاربا زید اور الضاربو زید کی ترکیب جائز ہے کہ اسمیں حذف نون کی وجہ سے تخفیف حاصل ہے اور الضارب زید کی ترکیب عدم تخفیف کی وجہ سے ممتنع ہے کیونکہ الضارب سے تنوین الف ولام کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں۔ **قولہ ولا شک** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اضافت لفظیہ کا افادہ جو صراحۃ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اضافت لفظیہ تخفیف فی اللفظ کا افادہ کرتی ہے اور الضارب زید کا امتناع بھی اسی افادہ کے عدم پر متفرع ہے لہٰذا اس تفریع کی تقدیم انسب تھی مصنف نے اسکو مؤخر کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اسمیں شک نہیں کہ بات ایسی ہی ہے کہ اس تفریع میں انتفاء تعریف یا انتفاء تخصیص کو کوئی دخل نہیں بلکہ صرف وجوب تخفیف کو دخل ہے جسکے عدم وجود کی وجہ سے یہ ترکیب ممتنع ہے بنا برآں اس تفریع کی تقدیم مناسب تھی لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے اس تفریع کو اس لئے مؤخر کردیا ہے کہ اس کے لواحق کثیر ہیں جنکو خلافا للفراء کے ساتھ بیان کیا ہے۔ **قولہ خلافا للفراء** :۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای یخالف ہذا القول خلافا للفراء اور فراء قول مذکور کے خلاف یہ کہتا ہے کہ الضارب زید کی ترکیب جائز ہے اور جواز کی چار وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ اول۔ یہ کہ فراء کو یہ وہم ہوا کہ الضارب پر دخول لام اضافت کے بعد ہے اور اصل میں یہ ترکیب ضاربُ زید ہے جسمیں تنوین کا سقوط اضافت کی وجہ سے ہے پھر الف ولام داخل کرکے ضارب کو معرف باللام بنادیا گیا لہٰذا یہ ترکیب مفید تخصیص ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

انما هو بعد الاضافة فحصل التخفيف بحذف التنوين بسبب الاضافة ثم عرف باللام واجاب المصنف عنه فی شرحه بانه غير مستقيم لان القول بتأخر اللام المتقدمة حسا على الاضافة مجرد دعاء مخالف للظاهر واما ما وقع فی شعر الاعشی من قوله ع الواهب المأة الهجان وعبدها فان قوله وعبدها بالجر معطوف على المأة فصار المعنىٰ باعتبار العطف الواهب عبدها فهو من باب الضارب زيد فكما لا يمتنع ذلک حيث اتی به بعض البلغاء لا يمتنع هذا فاجاب المصنف عنه بقوله وضعف ع الواهب المأة الهجان وعبدها يعنی ان هذا القول ضعيف لا يقوی فی الفصاحة بحيث يستدل به لما عرفت من امتناع مثل الضارب زيد لعدم الفائدة فی الاضافة

اضافت کے بعد پس حذف تنوین کی وجہ سے اس ترکیب میں تخفیف حاصل ہوگئی پھر ضارب کو معرف باللام کیا گیا اور مصنف نے اپنی شرح میں فراء کے اس قول کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ لام جو اضافت پر حسا مقدم ہے اسکی تاخیر کا قول محض ادعاء ہے جو ظاہر کے خلاف ہے یا اسلئے فراء نے جواز کا قول کیا کہ اعشی کے شعر میں اسکا قول" الواهب الخ "واقع ہے کیونکہ اسکا قول "وعبدها جر" کے ساتھ المأة پر معطوف ہے لہٰذا عطف کے لحاظ سے معنی ہوا الواہب عبدہا پس یہ الضارب زید کے باب سے ہے تو جس طرح کہ الواہب عبدہا ممتنع نہیں کہ اسکو بعض بلغاء اپنے کلام میں لائے ہیں الضارب زید بھی ممتنع نہیں پس مصنف نے اس استدلال کا اپنے اس قول سے جواب دیا (اور الواہب الخ ضعیف ہے) یعنی یہ قول ضعیف ہے فصاحت میں قوی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے اُس دلیل کی وجہ سے جو تم نے الضارب زید کے مثل کے امتناع میں جان لی ہے اس اضافت میں عدم فائدہ کی وجہ سے

قولہ فاجاب المصنف: ۔یعنی فراء کے اس استدلال کا مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی شرح میں یہ جواب دیا ہے کہ الضارب میں الف لام حسا مقدم ہے جسکو اضافت کے بعد ماننا دعوی بلا دلیل اور خلاف ظاہر ہے کیونکہ لام حسا اور تلفظ کے اعتبار سے پہلے ہے لہٰذا سقوط تنوین کا سبب بھی لام ہے اضافت نہیں **قولہ واما ماوقع** :۔ اسمیں وجہ ثانی کا بیان ہے یعنی فراء نے اس ترکیب کو اس لئے جائز قرار دیا کہ اس جیسی ترکیب عرب کے ایک فصیح شاعر اعشی کے قول میں موجود ہے اور وہ قول یہ ہے کہ الواہب المائۃ الخ. چونکہ عبدھا کا عطف المائۃ پر ہے نظر بر آں ترکیب اس طرح ہوگی الواہب عبدھا اور یہ الضارب زید کی طرح ہے لہٰذا الواہب عبدھا کی مثل الضارب زید بھی ممتنع نہیں بلکہ جائز ہے کہ الواہب الخ ایک بلیغ کے کلام میں واقع ہے **قولہ وضعف** :۔ فراء کے اس استدلال کا جواب مصنف کافیہ نے یہ دیا ہے کہ شاعر کا یہ قول ضعیف ہے اور وجہ ضعف وہی ہے جو الضارب زید کے امتناع کی ہے یعنی شاعر کے اس قول سے استدلال نہیں ہو سکتا کہ یہ فصاحت کے اعتبار سے ضعیف ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ اضافت مفید تخفیف نہیں ہے اس لئے کہ الواہب وھب یھب سے صیغہ صفت ہے جو اپنے معمول کی جانب مضاف ہے مگر یہ اضافت مفید تخفیف نہیں کیونکہ الواہب سے تنوین الف لام کی وجہ سے حذف ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں اور جو کلام ترکیب ممتنع پر مشتمل ہو وہ غیر فصیح ہوتا ہے۔

قولہ المتقدمة حسا: ۔شارح کا قول "المتقدمة" اسکے قول "اللام" کی صفت ہے اور حسا المتقدمة کی نسبت سے تمیز ہے اور حس سے مراد حس بصر اور لفظ ہے یعنی لام

ولا یخفی ان فیہ شوب مصادرۃ علی المطلوب اللھم الا ان یقال المراد بہ انہ ضعیف فی الاستدلال بہ اذلا نص فیہ علی الجر فانہ یحتمل النصب حملا علی المحل او علی انہ مفعول معہ اولانہ قد یتحمل فی المعطوف مالا یتحمل فی المعطوف علیہ کما فی رب شاۃ وسخلتھا حیث جاز ھذا الترکیب ولم یجز رب سخلتھا بادخال رب علی سخلتھا بدون العطف

اور مخفی نہیں کہ اس جواب میں مصادرہ علی المطلوب کی آمیزش ہے ای اللہ میرا مواخذہ نہ کرنا مگر یہ کہ کہا جائے کہ مصنف کے قول "ضعف" سے مراد یہ ہے کہ یہ قول استدلال میں ضعیف ہے کیونکہ اس میں جر پر نص نہیں اسلئے کہ عبدھا میں نصب کا بھی احتمال ہے اسکو محل کرتے ہوئے مائۃ کے محل پر یا اس بنا پر کہ وہ مفعول معہ ہے یا اسلئے کہ کبھی معطوف میں وہ بات برداشت کی جاتی ہے جو معطوف علیہ میں برداشت نہیں کی جاتی جیسے رُبَّ شاۃٍ وسخلتھا میں کیونکہ یہ ترکیب جائز ہے اور رُبَّ سخلتھا جائز نہیں یعنی بغیر عطف کے رُب کو سخلتھا پر

قولہ **ولا یخفی**:۔اس عبارت میں شارح نے مصنف علیہ الرحمۃ کے جواب کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ جواب میں مصادرہ علی المطلوب کی آمیزش ہے کیونکہ الضارب زید کی ترکیب کا امتناع مدعٰی ہے اور دلیل امتناع اخفش کے قول کا ضعف ہے پس مدعٰی دلیل خصم کے ابطال پر موقوف ہوگیا اور دلیل کا ابطال الضارب زید کے ابطال پر موقوف ہوگیا.☆ فائدہ ☆ مصادرہ علی المطلوب کی چار قسمیں ہیں اول۔ یہ کہ مدعٰی عین دلیل ہو دوم۔ یہ کہ مدعٰی دلیل کا جز ہو سوم۔ یہ کہ مدعٰی دلیل کی صحت پر موقوف ہو. چہارم۔ یہ کہ مدعٰی دلیل کے جز پر موقوف ہو اور یہ چاروں قسمیں باطل ہیں کیونکہ اس سے دور اور تسلسل لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اور مستلزم باطل خود بھی باطل ہوتا ہے. قولہ **اللھم**:۔یہ مذکورہ بالا اعتراض کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کہ اس مصرع کے ضعیف ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس مصرع سے استدلال ضعیف ہے مراد یہ نہیں کہ یہ مصرع فصاحت میں ضعیف ہے اور استدلال میں ضعیف اس لئے ہے کہ استدلال لفظ عبد کے جر سے کیا گیا ہے حالانکہ عبد کے جر پر کوئی نص نہیں ہے یعنی یہ صراحت نہیں ہے کہ عبدہا المائۃ پر معطوف ہے اسلئے مجرور ہے اور بذریعہ عطف ترکیب الواھب عبدھا ہے اگر نص ہوتی تو پھر استدلال قوی ہوتا لیکن اسمیں نصب کا بھی احتمال ہے بایں طور کہ عبدہا المائۃ کے محل پر معطوف ہو جو الواھب کے مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور یہ توجیہ اولی ہے اسلئے کہ اصل توابع میں یہ ہے کہ وہ اپنے متبوعات کے محل کے تابع ہوں یا یہ کہا جائے کہ یہ واؤ بمعنی مع ہے اور عبد مفعول معہ کی بنا پر منصوب ہے. قولہ **اولانہ قد یتحمل**:۔یہ شارح کے قول "اذ لا نص فیہ" پر معطوف ہے اور ضعف کی وجہ ثانی کا بیان ہے یعنی اس مصرع سے استدلال اسلئے ضعیف ہے کہ بسا اوقات ایک چیز معطوف میں جائز ہوتی ہے اور وہی چیز معطوف علیہ میں ناجائز ہوتی ہے جیسے رُبَّ شاۃٍ وسَخْلَتِھا میں لفظ رُبَّ کا بذریعہ عطف سخلتھا پر دخول جائز ہے اگرچہ لفظ رُ نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور سخلتھا معرفہ باضافت ہے لیکن عطف کے بغیر رُبَّ سخلتھا کہنا جائز نہیں تو چونکہ مصرع مذکور میں **اَلْوَاھِبُ عَبْدِھَا** بصورت عطف ہے جو جائز ہے اس لئے اس سے استدلال ضعیف ہے پس الضارب زید، الواھب

محسوس اور ملفوظ ہے لیکن اضافت نہ محسوس ہے اور نہ ملفوظ قولہ **مصادرۃ علی المطلوب**:۔مصادرہ کے لغوی معنی ہیں کسی کے خون کو اسی کے مال سے خریدنا یعنی مال دیکر جان بچانا اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایسی دلیل پیش کرنا جس کا اثبات دعوی پر موقوف ہو معنی لغوی اور اصطلاحی میں مناسبت ظاہر ہے کہ دعوی کو دعوی سے ثابت کرنا ایسا ہی جیسے کسی کے مال کو اس کے خون کے عوض لینا.(جامع) قولہ **اذلا نص فیہ علی الجر**:۔علامہ عبدالغفور فرماتے ہیں کہ روایۃ جر مشہور ہے وھی کافیۃ فی الاستدلال.

والبیت بتمامه الواهب المأة الهجان وعبدهاعُوذا یزَجّی خلفهااطفالها ای ممدوحه الواهب

الـمائة الهجان ای البیض من النوق یستوی فیه الجمع والواحد والهجان صفة للمائة او بدل

عنهـا او مـن قبیل الثلاثة الا ثواب کما هو مذهب الکوفیتوعبدها ای راعیها تشبیهاله بالعبد

لقیامه بحق خدمتهااوعبدهاحقیقة باضافته لا دنی ملابسة عوذابالذال المعجمة جمع عائذ

ای حـدیثـات النتـائج حـال مـن الـمـأة یزجی بالزای المعجمة والجیم علیٰ صیغة المعلوم

الـمـذکـر ای یسـوق وفـاعـلـه ضـمـیـر الـعـبـد واطفالها منصوب علی المفعولیة اوعلی صیغة

الـمجهول المؤنث واطفالها مرفوع علی انه مفعول مالم یسم فاعله وحقیقة الامر لا ینکشف

الا بـــعــد مـــعـــرفة حـــرکة حـــرف الـــروىّ مـــن الـــقـــصـــیـــدة

داخلکر تے ہوئے اور بیت بتمامہ یہ ہے الواھب الخ یعنی شاعر کا ممدوح وہ شخص ہے جو سو سفید اونٹیاں بخشنے والا ہے الھجان بمعنی سفید اونٹیاں اس میں واحد اور جمع برابر ہے اور الھجان المأۃ کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے یا الثلثۃ الاثواب کے قبیل سے ہے جیسا کہ وہ کوفیوں کا مذھب ہے اور عبدھا یعنی ان کا چرواہا تشبیہ دیتے ہوئے چرواہے کو عبد سے بوجہ مستعد رہنے چرواہے کے انکی خدمت کیلئے یا عبد سے ان کا حقیقۃ غلام مراد ہے اور یہ اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے ہے عوذا ذال معجمہ کے ساتھ عائذ کی جمع ہے یعنی نوزائیدہ یہ المأۃ سے حال ہے یزجی زائے معجمہ اور جیم کے ساتھ صیغہ معلوم مذکر پر اور اسکا فاعل ضمیر عبد ہے اور اطفالھا بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا صیغہ مؤنث ہے یعنی تزجی اور اطفالھا مفعول مالم یسم فاعلہ کی بنا پر مرفوع ہے اور حقیقت امر قصیدہ کے حرف روی کی حرکت کی معرفت کے بعد ہی منکشف ہوگی

عنصرہا کی طرح نہ ہوا قولہ **والبیت بتمامه**:۔ اور مکمل بیت اسطرح ہے الواھب المائۃ الخ جسمیں الواھب مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ممدوحہ الواھب اور الھجان بکسر ھاء سفید اونٹنی کو کہتے ہیں جسمیں جمع اور واحد برابر ہیں یعنی واحد اور جمع دونوں کیلئے الھجان آتا ہے اور یہ المائۃ کی صفت ہے اور بقرینہ موصوف یہاں پر یہ جمع ہے اسلئے کہ الھجان کا موصوف یعنی المأۃ معنی کے اعتبار سے جمع ہے یا اس سے بدل ہے یا یہ از قبیل اضافۃ العدد الی المعدود مثل الثلثۃ الاثواب ہے جیسا کہ نحات کوفہ کا مذھب ہے جس کا ضعیف ہونا سابق میں معلوم ہو چکا ہے اور عبد سے مراد چرواہا ہے چونکہ چرواہا اونٹنیوں کی خدمت کرتا ہے اس لئے اسکو عبد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ عبد بھی اپنے مولی کی خدمت کرتا ہے یا عبد بمعنی غلام ہے اور ادنی تعلق کی وجہ سے اونٹنیوں کا غلام کہہ دیا گیا ہے اور حقیقت میں اس سے اونٹنیوں کے مالک کا غلام مراد ہے. عوذ ذال کے ساتھ عائذ کی جمع ہے بمعنی نوزائدہ اور یہ ترکیب میں المائۃ سے حال ہے. یزجی صیغہ واحد مذکر مضارع معلوم ہے تزجیۃ سے یعنی باب تفعیل کا مضارع ہے جو بمعنی یسوق ہے جس کا فاعل ضمیر راجع بسوئے عبد ہے اور اطفالھا بنا بر مفعولیت منصوب ہے یا یہ تزجی صیغہ مجہول مؤنث ہے اور اطفالھا بنا بر نائب فاعل مرفوع ہے. قولہ **وحقیقة الامر**:۔ یعنی حقیقت حال کہ یہ صیغہ معلوم ہے یا مجہول یہ قصیدہ کے حرف روی یعنی حرف مکرر کی حرکت کے معلوم ہونے کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے یعنی لھا جو حرف روی ہے اگر اسکے لام کو مضموم پڑھیں گے تو تزجی فعل صیغہ مجہول ہوگا اور اگر منصوب پڑھیں گے تو صیغہ معلوم ہوگا.

واما لانه قاسه على الضارب الرجل والضاربک فاجاب المصنف رحمه الله تعالیٰ عنه بقوله وانما جاز الضارب الرجل يعنى كان القياس عدم جوازه لانتفاء التخفيف لزوال التنوين باللام لكنه جاز حملا على الوجه المختار في الحسن الوجه وهو جر الوجه بالاضافة وفيه وجهان آخران رفعه على الفاعلية ونصبه على التشبيه بالمفعول ووجه الحمل اشتراكهما في كون المضاف صفة والمضاف اليه جنسا معرّفين باللام وهذا الاشتراک مفقود بين الضارب زيد والحسن الوجه فقياسه عليه

اور یا اس لئے کہ فراء نے الضارب زید کو الضارب الرجل اور الضاربک پر قیاس کیا ہے پس مصنف نے اپنے اس قول سے جواب دیا (اور الضارب الرجل جائز ہوا) یعنی قیاس اسکے عدم جواز کا تھا کیونکہ تخفیف منتفی ہے کہ تنوین لام سے زائل ہوگئی ہے لیکن وہ جائز ہوا (الحسن الوجہ میں) وجہ (مختار پر محمول کرنے کی وجہ سے) اور وہ وجہ مختار الوجہ کی جر ہے اضافت کی وجہ سے اور الحسن الوجہ میں دو اور وجہیں ہیں ایک یہ کہ اس کا رفع ہے فاعل ہونے کی بنا پر اور دوم یہ کہ اسکی نصب ہے مفعول کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر اور وجہ حمل دونوں ترکیبوں کا اس امر میں اشتراک ہے کہ دونوں ترکیبوں میں مضاف صفت ہے اور مضاف الیہ جنس ہے جبکہ دونوں معرفہ بلام ہیں اور یہ اشتراک الضارب زید اور الحسن الوجہ میں مفقود ہے لہٰذا الضارب زید کو الحسن الوجہ

قولہ **واما لانه قاسه**۔ یعنی فراء نے الضارب زید کی ترکیب کو اس لئے جائز قرار دیا کہ اس نے اس کو الضارب الرجل اور الضاربک پر قیاس کیا ہے لیکن اس کا یہ قیاس درست نہیں اس لئے کہ خود الضارب الرجل میں قیاس یہ ہے کہ یہ ترکیب تخفیف نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہ ہو اس لئے کہ تنوین اس سے الف لام کی وجہ سے زائل ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے لیکن اس ترکیب کو الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر حمل کرتے ہوئے جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ وجہ مختار الوجہ کی جر ہے اضافت کی وجہ سے یعنی الضارب الرجل میں اضافت کا جواز ذاتی نہیں کہ اس پر کسی دوسری ترکیب کو قیاس کر کے جائز قرار دیا جائے بلکہ وہ خود کسی پر محمول ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور الحسن الوجہ کی ترکیب میں وجہ مختار کے علاوہ دو وجہیں اور ہیں. اول۔ یہ کہ الوجہ مرفوع ہو فاعل ہونے کی وجہ سے اور یہ وجہ قبیح ہے اس لئے کہ الوجہ کو فاعل ماننے کی وجہ سے صیغہ صفت موصوف کی جانب راجع ضمیر سے خالی رہ جائیگا اور یہ قبیح ہے اور دوسری وجہ الوجہ کا نصب ہے مفعول کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر یعنی الحسن اگرچہ لازم ہے اور لازم مفعول بہ کو نصب نہیں کرتا مگر الوجہ کو مفعول کے مشابہ قرار دیکر منصوب پڑھیں گے وجہ نصب یہ ہے کہ الوجہ تمیز کے منزلہ میں ہے اور تمیز منصوب ہوتی ہے اور الوجہ مفعول نہیں اس لئے کہ حسن لازم ہے جو مفعول کو نصب نہیں کرتا. پس یہ وجہ بھی غیر مختار ہے. قولہ **ووجه الحمل**:۔ یعنی الضارب الرجل کی ترکیب کو الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر حمل کرتے ہوئے جائز قرار دیا گیا ہے پس اس حمل کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ترکیبیں ایک امر میں مشترک ہیں وہ یہ کہ دونوں میں مضاف صیغہ صفت معرف باللام ہے اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے اور یہ اشتراک الضارب زید اور الحسن الوجہ میں نہیں پایا جاتا کہ الضارب زید کے مضاف الیہ میں نہ لام ہے نہ جنسیت لہٰذا اسکو الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر قیاس کرنا امر مشترک نہ ہونے کیوجہ سے قیاس مع الفارق ہے.

قولہ حملا:۔ یہ سیاق کلام سے مفہوم ہونے والے فعل کا مفعول لہ ہے اي **انما جوز المتكلم او القوم حملا على المختار** قولہ **وهو جر الوجه**:۔ جر اس لئے مختار ہے کہ وہ بالاصالت ہے یعنی مضاف الیہ کی وجہ سے جبکہ نصب بالتبعیت ہے کہ صفت مشبہ مفعول بہ کیلئے ناصب نہیں اور فتحہ قبیح ہے.

قیاس مع الفارق والضاربک یعنی انما جاز الضاربک مع ان القیاس عدم جوازہ لما عرفت او کذا شبھہ وھو الضاربی والضاربہ وغیرھما فیمن قال ای فی قول من قال یعنی سیبویہ واتباعہ انہ ای الضارب فی الضاربک مضاف دون من قال انہ غیر مضاف والکاف منصوب المحل علی المفعولیۃ والتنوین محذوف لاتصال الضمیر لا للاضافۃ فانہ لا یحتاج جوازہ الی حمل حملا ای لمحمولیتہ علیٰ ضاربک فاتحد فاعل المفعول لہ والفعل المعلل بہ اعنی جاز

پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے (اور الضاربک) یعنی الضاربک جائز ہے باوجودیکہ قیاس اس کا عدم جواز ہے اس وجہ سے جو تم نے جان لی ہے (اور) اسی طرح (اسکے مشابہ) اور وہ الضاربی اور الضاربہ اور ان دو کے علاوہ (اسکے قول میں جس نے کہا) یعنی اس شخص کے قول میں جس نے کہا یعنی سیبویہ اور اسکے اتباع کے قول میں (کہ یہ) یعنی الضاربک میں ضارب (مضاف ہے) اسکے قول میں نہیں جو کہتا ہے کہ الضارب مضاف نہیں اور کاف منصوب المحل ہے مفعول ہونے کی بنا پر اور تنوین ضمیر کے اتصال سے محذوف ہے اضافت کی وجہ سے نہیں پس وہ شخص اپنے جواز میں حمل کرنے کا محتاج نہیں (اسکے محمول ہونے کی وجہ سے ضاربک پر) پس مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل متحد ہو گیا یعنی فعل جاز

قولہ والضاربک:۔ یہ الضارب الرجل پر معطوف ہے یعنی الضارب زید کی ترکیب کو الضاربک پر قیاس کر کے جائز قرار دینا بھی درست نہیں کیونکہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ الضاربک کی ترکیب بھی مفید تخفیف نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو اور اسی طرح الضاربی وغیرہ بھی ناجائز ہوں لیکن سیبویہ اور اسکے اتباع کے نزدیک الضاربک اور اسکی مثل تمام ترکیبیں جائز ہیں اور الضاربک میں الضارب مضاف ہے اور اسکو انہوں نے ضاربک پر محمول کر کے جائز قرار دیا ہے کیونکہ الضاربک اور ضاربک دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ دونوں میں اسم فاعل ضمیر متصل کی جانب مضاف ہے اور دونوں میں تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے ۔اور اتصال ضمیر سے تنوین اس لئے حذف ہو جاتی ہے کہ انمیں منافات ہے۔ قولہ دون من قال:۔ یعنی مذکورہ امثلہ میں جو شخص الضارب کو مضاف نہیں مانتا اور یہ کہتا ہے کہ مثلا الضاربک میں کاف ضمیر منصوب ہے بنا بر مفعول ہونے کے اور یہ اضافت کی وجہ سے مجرور نہیں ہے اور کہتا ہے کہ حذف تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے تو وہ الضاربک وغیرہ کے جائز ہونے میں انکو کسی پر محمول کرنے کا محتاج ہی نہیں کہ وہ انمیں اضافت کا قائل ہی نہیں۔ قولہ لمحمولیتہ:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "حملا" فعل مقدر یعنی جاز کا مفعول لہ ہے حالانکہ اسمیں مفعول لہ سے حذف لام کی شرط مفقود ہے لہذا اس کو مفعول لہ بنانا درست نہیں وجہ فقدان شرط یہ ہے کہ فعل جاز کا فاعل الضاربک وغیرہ ہے اور حملا کا فاعل النحاۃ ہے کہ حمل کرنے والے نحات ہیں جبکہ مفعول لہ سے حذف لام کی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل متحد ہو۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں بھی حذف لام کی شرط پائی جاتی ہے یعنی مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہے کیونکہ حملا مصدر مبنی للمفعول بمعنی محمولیت ہے اور محمول الضاربک وغیرہ کی ترکیب ہے اور جاز کا فاعل بھی یہی ترکیب ہے۔ یعنی جن حضرات کے نزدیک الضاربک اور اسکے امثال میں الضارب مضاف ہے ضمیر کی طرف انہوں نے الضاربک وغیرہ کو ضاربک پر حمل کرتے ہوئے جائز کہا ہے۔ اور ضاربک بالاتفاق جائز ہے کہ یہ مفید تعریف ہے لیکن جن کے نزدیک الضاربک مضاف نہیں بلکہ اسکی ضمیر مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے تو ان کو ضاربک پر محمول کر کے الضارب کو جائز قرار دینے کی حاجت نہیں۔

وبيانه انهم اذا وصلوا اسماء الفاعلين والمفعولين مجردة عن اللام بمفعولاتها وكانت مضمرات متصلات التزموا الاضافة ولم ينظروا الىٰ تحقق تخفيف فقالوا ضاربك وان لم يحصل التخفيف بالاضافة بل بنفس اتصال الضمير ثم لما لم يعتبروا التخفيف في ضاربك وجوزوه بدونه حملوا الضاربك عليه لانهما من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضافا الى مضمر متصل محذوفا تنوينه قبل الاضافة لا للاضافة ولم يحملوا الضارب زيد عليه لانهما ليسا من باب واحد والدليل على ان سقوط التنوين في ضاربك لاتصال الكاف لا للاضافة انها لو سقطت بالاضافة

اوراس کا بیان یہ ہے کہ نحوی حضرات نے جب اسم فاعلوں اوراسم مفعولوں کو جولام سے مجرد ہیں انکے مفعولات سے ملایا اور مفعولات ضمائر متصلہ تھیں تو اضافت کا التزام کیا اور تخفیف کے تحقق کی جانب نظر نہیں کی پس انہوں نے کہا ضاربک اگر چہ اسمیں تخفیف اضافت سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ ضمیر کے اتصال سے حاصل ہوئی ہے پھر جب انہوں نے ضاربک میں تخفیف کا اعتبار نہیں کیا اور بغیر تخفیف کے اسکو جائز رکھا تو انہوں نے الضاربک کو ضاربک پر محمول کیا کہ دونوں باب واحد سے ہیں اسلئے کہ انمیں سے ہر واحد اسم فاعل مضاف الی المضمر متصل ہے جسکی تنوین قبل الاضافت محذوف ہے اضافت کی وجہ سے نہیں اور انہوں نے الضارب زید کو ضاربک پر محمول نہیں کیا کہ یہ دونوں باب واحد سے نہیں ہیں اور اسپر دلیل کہ ضاربک میں سقوط تنوین اتصال کاف کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں یہ ہے کہ اگر تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط ہوتی

قولہ وبیانہ: ۔اور الضاربک وغیرہ کے حمل کا بیان اور انکو ضاربک پر محمول کرنے کیوجہ یہ ہے کہ نحات نے جب اسم فاعل اور اسم مفعول مجرد عن اللام کو انکے مفعول سے ملایا جو ضمائر متصلہ تھے تو اضافت کا التزام کیا یعنی مفعول کی طرف انکی اضافت لازم کردی اور اضافت کی وجہ سے تخفیف کے وجود اور عدم وجود کی طرف نظر نہ کی پس انہوں نے ضاربک اور معمروبک بول دیا حالانکہ انمیں تخفیف اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے پھر انہوں نے تخفیف کا لحاظ کئے بغیر الضاربک کو بھی جائز قرار دیا ضاربک پر حمل کرتے ہوئے کہ دونوں باب واحد سے ہیں کیونکہ ہر ایک صیغہ اسم فاعل مضاف بسوئے ضمیر متصل ہے اور انمیں تنوین قبل الاضافت اتصال ضمیر کی وجہ سے محذوف ہے اضافت کی وجہ سے نہیں قولہ **ولم یحملوا** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ نحات نے الضاربک کو ضاربک پر حمل کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے تو الضارب زید کو بھی ضاربک پر حمل کر کے جائز قرار دیا ہوتا یہ کیوں نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ الضارب زید اور ضاربک باب واحد سے نہیں ہیں اسلئے نحات نے الضارب زید کو ضاربک پر حمل کرتے ہوئے جائز قرار نہیں دیا اور انکے باب واحد سے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ الضارب زید میں صیغہ صفت معرف باللام ہے اور اسکا مضاف الیہ اسم ظاہر ہے اور ضاربک میں صیغہ صفت معرف باللام نہیں ہے اور اسکا مضاف الیہ ضمیر متصل ہے قولہ **والدلیل** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اسپر کیا دلیل ہے کہ ضاربک میں سقوط تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں ہے شارح نے جواب دیا کہ دلیل یہ ہے کہ اگر سقوط تنوین اضافت کی وجہ سے ہوتا تو مناسب یہ تھا کہ تنوین کا وجود اولا ایسے طریقہ پر تصور

فکان ینبغی ان یتصور ذٰلک اولا علی وجه یکون الضمیر منصوبا بالمفعولیة ثم یضاف و یقال ضاربک کما یتصور ضارب زیدا ثم یضاف ویقال ضارب زید ولن یتصور ضاربٌ ک فعلم انها سقطت لاتصال الکاف لا للاضافة ولقائل ان یقول لم لا یجوز ان یکون اصل ضاربک ضارب ایاک للفصل بالتنوین ثم لما اضیف حذف التنوین وصار الضمیر المنفصل متصلا فصار ضاربک وحصل التخفیف جدا ثم حمل الضاربک علیه لانهما من باب واحد حیث کان کل منهما اسم فاعل مضافا الی مضمر متصل من غیر اعتبار حذف تنوینهما قبل الاضافة لا للاضافة ولم یحملوا الضارب زید علیه لانهما لیسا من باب واحد

تو مناسب ہوتا کہ اس تنوین کے وجود کا پہلے اس طرح تصور کیا جاتا کہ ضمیر مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہوتی پھر صفت کو مضاف کیا جاتا اور کہا جاتا ضاربک جیسے ضار زیدا تصور کیا جاتا ہے پھر مضاف کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ضاربُ زید اور ضاربٌ ک کا ہرگز تصور نہیں کیا جاسکتا لہٰذا معلوم ہوا کہ تنوین اتصال کاف سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں اور قائل کہہ سکتا ہے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ ضاربک کی اصل ضار ایاک ضمیر منفصل کی وجہ سے تنوین کے ساتھ ہو پھر جب ضاربٌ کو مضاف کیا گیا تو تنوین حذف کردی گئی ہو اور ضمیر منفصل متصل ہوگئی ہو پس وہ ضاربک ہوگیا ہو اور بہت زیادہ تخفیف حاصل ہوگئی ہو پھر الضاربک کو ضاربک پر محمول کیا گیا ہو اس لئے کہ وہ باب واحد سے ہیں کیونکہ انمیں سے ہر ایک صیغہ اسم فاعل مضاف بسوئے ضمیر متصل ہے بغیر اعتبار کرنے اس بات کہ انکی تنوین قبل الاضافت محذوف ہے نہ اضافت کی وجہ سے اور نحویوں نے الضاربک زید کو ضاربک پر اس لئے محمول نہیں کیا کہ دونوں باب واحد سے نہیں ہیں

کیا جاتا کہ ضاربک کی ضمیر متصل ضمیر منفصل ہوکر مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوتی اور اسکو ضاربٌ ک بولا جاتا پھر اضافت کرکے اسکی تنوین ساقط کردی جاتی جیسا کہ ضارب زید میں یہ متصور ہے یعنی قبل الاضافت ضار زیدا بولتے ہیں. پھر اضافت کرکے تنوین ساقط کردیتے ہیں لیکن ضاربک میں یہ متصور نہیں کیونکہ عرب سے ضاربٌ ک نہیں سنا گیا جس سے معلوم ہوا کہ سقوط تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے ہے اضافت کی وجہ سے نہیں ہے. قولہ و لقائل :۔ اور قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ ضاربک کا اصل ضاربٌ ایاک تنوین اور ضمیر منفصل کے ساتھ کیوں نہیں مان لیا جاتا پھر اضافت کی وجہ سے جب تنوین جاتی رہی تو ضمیر منفصل ضمیر متصل بن گئی اور ضاربک بن گیا جسمیں بہت ہی تخفیف ہوگئی یعنی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوگئی مضاف سے حذف تنوین کے ساتھ اور مضاف الیہ سے ضمیر منفصل کے متصل ہوجانے کی وجہ سے پھر الضاربک کو ضاربک پر محمول کیا گیا کہ یہ دونوں باب واحد سے ہیں اسلئے کہ الضارب اور ضارب ہر ایک صیغہ اسم فاعل ہے جو ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اور اس حمل میں یہ اعتبار نہ کیا گیا ہو کہ ان دونوں کی تنوین کا حذف قبل الاضافت ہے اضافت کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس اعتبار سے الضاربک اور ضاربک باب واحد سے نہیں ہیں اس لئے کہ ضاربک کی تنوین اضافت کی وجہ سے محذوف ہے اور الضاربک کی تنوین قبل الاضافت محذوف ہے. قائل کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ضارب ایاک عرب سے مسموع نہیں لہٰذا سماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے اور الضارب زید کو ضاربک پر اس لئے محمول نہیں کیا

واعلم انا حملنا قوله وضعف الواهب المائة الهجان وعبدها وقوله الضارب الرجل و الضاربك حملا على نظير يهما على الاجوبة عن استدلالات الفراء على جواز الضارب زيد عن جانب المصنف على موافقة بعض الشارحين ولك ان تجعل كل واحدة منها اشارة الى مسألة على حدة مناسبة للحكم بامتناع الضارب زيد فمعنیٰ قوله وضعف الواهب المائة الهجان وعبدها انه ضعف عطف المجرد عن اللام على المحلّٰى به المضاف اليه صفة مصدرة باللام لانه بتوسط العطف يصير مثل الضارب زيد كما عرفت وانما لم يحكم عليه بالامتناع بل بالضعف لانه قد يتحمل فى المعطوف مالا يتحمل فى المعطوف عليه

اور جان لو کہ ہم نے مصنف کے قول "وضعف الخ" اور اسکے قول "الضارب الرجل اور الضاربک" کو انکی نظیروں پر محمول کر کے الضارب زید کے جواز پر فراء کے استدلالات کے جوابات پر محمول کیا ہے مصنف کی جانب سے یہ بعض شارحین کی موافقت میں کیا ہے اور تمہیں اختیار ہے کہ تم انہیں سے ہر ایک کو ایک الگ مسئلہ کی جانب اشارہ قرار دو جو کہ امتناع الضارب زید کے حکم کے مناسب ہو تو مصنف کے قول "وضعف الخ" سے مراد یہ ہو کہ مجرد عن اللام کا محلّی باللام پر کہ جسکی طرف صفت مصدر باللام مضاف ہے عطف کرنا ضعیف ہے کیونکہ عطف کی صورت میں کلام الضارب زید جیسا ہو جائیگا جیسا کہ تم نے معلوم کر لیا اور مصنف نے الواھب الخ پر امتناع کا حکم نہیں لگایا بلکہ ضعف کا حکم لگایا ہے اس لئے کہ کبھی معطوف میں وہ بات برداشت کر لی جاتی ہے جو معطوف علیہ میں برداشت نہیں کی جاتی

کہ الضارب ضمیر کی طرف مضاف نہیں بلکہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہے۔ قولہ **واعلم انا حملنا**: ۔شارح علیہ الرحمۃ تحقیق مقام کیلئے یہ کلام لائے ہیں یعنی سابق میں جو ہم نے مصنف کے قول "وضعف الخ" اور انما جاز الخ کو انکی نظیرین یعنی الحسن الوجہ کی وجہ مختار اور ضاربک پر حمل کرتے ہوئے فراء کے استدلال کا جواب بنایا ہے ایسا بعض شارحین کی موافقت میں کیا ہے تم ان تینوں میں سے ہر ایک کو ایک مستقل مسئلہ کی طرف اشارہ بھی بنا سکتے ہو جو الضارب زید کے امتناع کے حکم کے مناسب ہو مثلاً **ضعف الواهب الخ** سے یہ مراد ہو کہ اسم محلّی بلام جسکی طرف صیغہ صفت متصدر بلام مضاف ہو ایسے اسم پر کسی مجرد عن اللام کا عطف ضعیف ہے اور وجہ ضعف یہ ہے کہ ایسی ترکیب حرف عطف کے توسط سے الضارب زید جیسی ہو جائیگی جیسا کہ اس شعر میں عبدہا کے المائۃ پر عطف کرنے سے الواھب عبدہا بن جائے گا اور یہ الضارب زید کی مثل ہے۔ قولہ **وانما لم يحكم عليه**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جب الواھب عبدہا کی ترکیب الضارب زید کی مثل ہے تو اس پر مصنف علیہ الرحمۃ نے امتناع کا حکم کیوں نہیں لگایا جیسا کہ الضارب زید پر امتناع کا حکم لگایا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف نے اس شعر پر ضعف کا حکم لگایا ہے امتناع کا حکم نہیں لگایا اسکی وجہ یہ ہے کہ کبھی معطوف میں وہ چیز قابل برداشت ہوتی ہے جو معطوف علیہ میں نہیں ہوتی چونکہ عبدہا معطوف ہے اور اسمیں وہ چیز جائز ہے جو اسکے معطوف علیہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ کسی شی پر عطف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے تمام احوال میں اسکی مثل ہو لہٰذا اسپر ضعف کا حکم لگایا ہے اور اسپر امتناع کا حکم نہیں کیا جیسے کہ الضارب زید میں کیا ہے یعنی الضارب زید کو ممتنع قرار دیا ہے۔

وحینئذ یندفع مافیه من توهم شائبة المصادرة علی المطلوب علی التقدیر الاول وارجاع کل من الصورتین الاخیرتین الی مسألة ظاهر ویتضمن الرد علی الفراء فی الاستدلال بهما ولا یضاف موصوف الی صفته مع بقاء المعنی المفاد بالترکیب الوصفی بحاله لان لکل من هیأتی الترکیب الوصفی والاضافی معنی آخر لا یقوم احدهما مقام الآخر ولهذا المعنیٰ بعینه لا تضاف صفة الی موصوفها فلا یقال مسجد الجامع بمعنی المسجد الجامع وجرد قطیفة بمعنی قطیفة جرد خلافا للکوفیة فان مسجد الجامع عندهم بمعنی المسجد الجامع وجرد قطیفة بمعنی قطیفة جرد من غیر فرق

اوراسوقت مصنف کے قول "وضعف الواهب الخ" پر برتقدیر اول جو مصادرہ علی المطلوب کے شائبہ کا توهم ہے وہ مندفع ہوجائیگا اورآخری دو صورتوں میں سے ہرایک کوایک مستقل مسئلہ کی طرف لوٹانا ظاہر ہے اوردونوں مثالوں سے استدلال کرنے میں فراء پر رد کو متضمن ہے (اور موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا) ساتھ باقی رکھنے ترکیب وصفی سے مستفاد معنی کے اس کے حال پر کیونکہ ترکیب وصفی اوراضافی میں سے ہرایک کی ہیئت کیلئے ایک الگ معنی ہے جن میں سے کوئی ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوسکتا (اور) بعینہ اسی وجہ سے (نہ صفت کی اسکے موصوف کی طرف) اضافت کی جاتی ہے پس مسجد الجامع بمعنی المسجد الجامع نہیں بولا جاتا اورنہ جرد قطیفۃ بمعنی قطیفۃ جرد برخلاف نحات کوفہ کے کیونکہ انکے نزدیک مسجد الجامع بمعنی المسجد الجامع اور جرد قطیفۃ بمعنی قطیفۃ جرد ہے بغیر فرق کرنے کے

قولہ **وحینئذ یندفع**:۔ یعنی جب تم مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **وضعف الخ** کوایک مستقل مسئلہ بناؤ گے تو مصادرہ علی المطلوب کے شائبہ کا وہم بھی ختم ہوجائے گا جو فراء کے استدلال کا جواب بنانے کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ قولہ **وارجاع کل**:۔ یعنی الضارب الرجل اور الضاربک کو مسئلہ مستقلہ کی طرف لوٹانا اوران سے علیحدہ مسئلہ مراد لینا ظاہر ہے مثلاً الضارب الرجل سے یہ مراد ہو کہ صیغہ صفت محلی بلام کو کسی اسم محلی بلام کی طرف مضاف کرنا جائز ہے اگرچہ یہ اضافت مفید تخفیف نہیں ہے اوروجہ جواز یہ ہے کہ یہ الحسن الوجہ کی وجہ مختار پر محمول ہے۔ اورالضاربک سے یہ مراد ہو کہ وصف محلی بلام کو ضمیر کی طرف مضاف کرنا جائز ہے اوروجہ جواز یہ ہے کہ یہ مجرد من اللام یعنی ضاربک پر محمول ہے پھران دونوں قولوں یعنی الضارب الرجل اور الضاربک میں ضمناً فراء کا رد بھی ہوجائے گا کہ جب خود یہ ترکیبیں کسی اور پر حمل کی وجہ سے جائز ہیں تو الضارب زید کو ان پر حمل کرکے جائز قرار دینا کیسے درست ہوگا۔ قولہ **ولا یضاف موصوف**:۔ یعنی ترکیب وصفی سے مستفاد معنی کو باقی رکھتے ہوئے موصوف کو صفت کی جانب مضاف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ترکیب وصفی اور ترکیب اضافی سے جو معنی مستفاد ہوتے ہیں وہ جدا جدا ہیں انمیں سے کوئی بھی دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوسکتے اور بعینہ اسی وجہ سے صفت بھی اپنے موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوگی لہٰذا ترکیب اضافی بول کر اس سے ترکیب وصفی کے معنی مراد نہیں لئے جائیں گے اور مَسْجِدُ الجَامِع بمعنی اَلْمَسْجِدُ الجَامِع اور جردُ قطیفۃ بمعنی قطیفۃ جردٌ نہیں بولا جائے گا یہ بصریین کا مذهب ہے لیکن کوفیین معنی وصفی کو باقی رکھتے ہوئے موصوف کی صفت کی طرف اضافت کو یا صفت کی موصوف کی طرف اضافت کو جائز قرار دیتے ہیں بغیر کسی تفریق کے۔

ویرد علی القاعدة الاولیٰ وهو قوله لا یضاف موصوف الی صفة مثل مسجد الجامع وجانب الغربی وصلوة الاولیٰ وبقلة الحمقاء فان فی کل واحد من هذه التراکیب اضیف موصوف الی صفته فان الجامع صفة المسجد والغربی صفة الجانب والاولیٰ صفة الصلوة والحمقاء صفة البقلة وقد اضیف الیها موصوفاتها واجیب بان مثل هذه التراکیب متأول فمسجد الجامع متأول بمسجد الوقت الجامع وذلک یحتمل معنیین احدهما ان یکون الوقت مقدرا فی نظم الکلام ویکون المسجد مضافا الیه والجامع صفة للوقت فیندفع الایراد بوجهین فان الجامع لیس مضافا الیه ولا صفة للمضاف وثانیهما ان یکون الوقت محذوفا والجامع قائما مقامه منطویا علیه

اور پہلے قاعدہ پر وارد ہوتا ہے اور وہ قاعدہ مصنف کا قول "لا یضاف موصوف الی صفۃ" ہے (مسجد الجامع اور جانب الغربی اور صلوۃ الاولیٰ اور بقلۃ الحمقاء) کیونکہ ان تراکیب میں سے ہر ایک میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف کیا گیا ہے اس لئے کہ جامع، مسجد کی صفت اور غربی، جانب کی صفت ہے اور اولیٰ، صلوۃ کی صفت ہے اور حمقاء، بقلۃ کی صفت ہے حال یہ ہے کہ ان صفات کی جانب انکے موصوفات مضاف کئے گئے ہیں، اور جواب دیا گیا ہے کہ ان تراکیب کا مثل (تاویل کیا ہوا ہے) پس مسجد الجامع، مسجد الوقت الجامع سے مؤول ہے اور یہ تاویل دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ نظم کلام میں الوقت مقدر ہو اور مسجد اسکی طرف مضاف ہو اور الجامع، الوقت کی صفت ہو پس اعتراض مذکور دو وجہ سے مندفع ہو جائیگا کیونکہ الجامع، مسجد کا مضاف الیہ نہیں ہے اور نہ مضاف کیلئے صفت ہے اور دوم۔ اس طرح کہ الوقت محذوف ہو اور الجامع اسکے قائم مقام اور اسپر مشتمل ہو

قولہ ویرد: ۔ اور پہلے قاعدہ یعنی لا یضاف موصوف الی صفۃ پر مسجد الجامع وغیرہ کے ساتھ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان امثلہ میں سے ہر ایک میں موصوف اپنی صفت کی جانب مضاف ہے کیونکہ الجامع، المسجد کی صفت ہے اور الغربی، الجانب کی صفت ہے اور الاولی، الصلوۃ کی صفت ہے اور الحمقاء، البقلۃ کی صفت ہے حالانکہ ان صفات کی طرف انکے موصوفات مضاف ہیں، اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان تراکیب کی مثل تاویل کی ہوئی ہے پس مسجد الجامع مسجد الوقت الجامع کے ساتھ تاویل کی ہوئی ہے اور اس تاویل میں دو احتمال ہیں، اول۔ یہ کہ مسجد کا مضاف الیہ لفظ الوقت نظم کلام میں مقدر ہو اور الجامع لفظ الوقت کی صفت ہو لہٰذا اعتراض مذکور دو طرح سے مندفع ہو گیا، اول۔ اسطرح سے کہ الجامع مسجد کا مضاف الیہ نہیں ہے، دوم۔ اسطرح سے کہ الجامع مضاف کی صفت نہیں بلکہ اسکا موصوف الوقت مقدر ہے اور اعتراض مذکور کے مندفع ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ الوقت محذوف نسیا منسیا ہو اور الجامع اس محذوف کے قائم مقام ہو اور اس پر مشتمل ہو اور اس کے معنی کا افادہ کرتا ہو پس الجامع لفظ مسجد کیلئے بمنزلہ صفات غالبہ کے ہو جائیگا جس کے پیش نظر مسجد کی اضافت الجامع کی طرف کر دی گئی اور اسوقت ایراد مذکور صرف ایک وجہ سے مندفع ہو جائیگا وہ یہ کہ الجامع حقیقت میں مضاف کی صفت نہیں بلکہ لفظ محذوف الوقت کی صفت ہے جو الوقت ہے، تقدیر عبارت اسطرح ہے مسجد الوقت الجامع.

فیکون بمنزلة الصفات الغالبة فیضاف المسجد الیه فیندفع الایراد بوجه واحد وهو ان الجامع لیس صفة للمضاف وعلی هذا القیاس صلوة الاولیٰ وبقلة الحمقاء متأول بصلوة الساعة الاولیٰ وبقلة الحبة الحمقاء علی الاحتمالین المذکورین لکن هذا التاویل لا یتمشی فی جانب الغربی فانه لا شک ان المقصود توصیف الجانب بالغربیة لا توصیف مکان هو جانبه بها اللهم الا ان یقال هناک مکانان جزءٌ و کلٌّ فالمکان الذی اضیف الیه الجانب هو الجزء والاضافة بیانیة والمکان الذی اعتبر الجانب بالنسبة الیه هو الکل فیستقیم المعنیٰ

تو الجامع صفات غالبہ کے منزلہ میں ہوگا پس مسجد کو الجامع کی طرف مضاف کر دیا گیا لہٰذا اعتراض ایک وجہ سے مندفع ہو جائیگا وہ یہ کہ الجامع مضاف کیلئے صفت نہیں اسیطرح صلوۃ الاولی اور بقلۃ الحمقاء مؤول ہیں صلوۃ الساعۃ الاولی اور بقلۃ الحبۃ الحمقاء کے ساتھ مذکورہ دو احتمالوں کی بنا پر لیکن یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چلے گی کیونکہ شک نہیں کہ مقصود جانب کی غربی ہونے کے ساتھ توصیف ہے مکان کی توصیف نہیں جسکی جانب غرب میں ہے ای اللہ مواخذہ نہ کرتا مگر یہ کہا جائے کہ یہاں دو مکان ہیں ایک جزء اور دوسرا کل تو جس مکان کی طرف لفظ جانب کی اضافت کی گئی ہے وہ جزء ہے اور اضافت بیانیہ ہے اور وہ مکان کہ اسکی نسبت سے جانب کا اعتبار کیا گیا ہے وہ کل ہے پس معنی مستقیم ہو جائیگا

قولہ وعلی هذا القیاس:۔ اور اسی قیاس پر صلوۃ الاولی، صلوۃ الساعۃ الاولی کے ساتھ مؤول ہے اور بقلۃ الحمقاء بقلۃ الحبۃ الحمقاء کے ساتھ مؤول ہے ان دو احتمالوں کے مطابق جو گذرے ہیں یعنی الساعۃ اور الحبۃ نظم کلام میں مقدر یا محذوف نسیاً منسیاً ہیں قولہ لکن هذا التاویل:۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ مذکورہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چل سکتی کہ کہا جا سکے جانب المکان الغربی اس لئے کہ مقصود متکلم یہ ہے کہ غربی جانب کی صفت ہے نہ کہ مکان کی صفت ہے یعنی متکلم نے غربی سے جانب کو متصف کیا ہے مکان کو غربی کے ساتھ متصف نہیں کیا کیونکہ مراد متکلم یہ ہے کہ مکان خواہ غربی ہو یا شرقی یا شمالی یا جنوبی لیکن اس کا جانب غربی ہو اور تاویل مذکور پر معنی یہ ہوگا کہ مکان غربی کا جانب جو مقصود متکلم نہیں۔ قولہ اللهم ۔ یہ سوال مذکور کا جواب ہے یعنی قائل کا قول جانب الغربی اس میں دو مکان ہیں ایک جز اور دوسرا کل اور جس مکان کی طرف جانب مضاف ہے یعنی لفظ مکان مقدر وہ جز ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے اور وہ مکان کہ جس کے لحاظ سے جانب لیا گیا ہے وہ کل ہے تو معنی مستقیم ہو جائیگا مثلاً بولا جاتا ہے زید جالس فی جانب الغربی من المسجد اس مثال میں لفظ جانب لفظ الغربی کی طرف مضاف ہے اور الغربی جز ہے اور جسکے اعتبار سے جانب لیا

قولہ بمنزلة الصفات الغالبة:۔ یعنی جب الجامع الوقت کے قائم مقام اور اس پر مشتمل ہوگا تو الجامع بمنزلہ صفات غالبہ کے ہو جائیگا کیونکہ جب غیر موصوف کیلئے کسی صفت کو کسی علاقہ کی وجہ سے صفت قرار دیا جاتا ہے تو وہ بمنزلہ صفات غالبہ یعنی مجازیہ کے ہوتی ہے جیسا کہ القرآن الحکیم میں اور القرآن العظیم میں الحکیم اور العظیم کو قرآن کی صفت بنایا گیا ہے حالانکہ یہ صاحب قرآن یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اسی طرح مثال مذکور میں الجامع کا موصوف حقیقۃً الوقت ہے مگر مجازی طور پر اس کو مسجد کی صفت قرار دیدیا گیا پھر اسی بات کے پیش نظر کہ مسجد اصل میں موصوف نہیں ہے بلکہ مضاف ہے اسکو الجامع کی طرف مضاف کر دیا گیا (محرم) قولہ اللهم:۔ شارح علیہ الرحمۃ نے اللهم سے جواب کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ جانب اس کو کہتے ہیں جو جہات ستہ میں سے کسی جہت سے متصل ہو اس جز کو جانب نہیں کہتے جو جوانب ستہ میں واقع ہو (فائدہ) بقلۃ الحمقاء خرفہ کے ساگ کو کہتے ہیں چونکہ یہ راستہ میں بھی اگ آتا ہے اسلئے یہ احمق ہوا اور حمقاء بروزن حمراء احمق کی جمع ہے۔

ویرد علی القاعدة الثانیة وهو قوله ولا صفة الی موصوفها مثل جرد قطیفة واخلاق ثیاب فان اصلهما قطیفة جرد وثیاب اخلاق قدمت الصفة علی الموصوف واضیف الیه واجیب عنه بانه متأول بانهم حذفوا قطیفة من قولهم قطیفة جرد حتی صار کانه اسم غیر صفة فلما قصدوا تخصیصه لکونه صالحالان یکون قطیفة وغیرهامثل خاتم فی کونه صالحالان یکون فضة وغیرها اضافوه الی جنسه الذی یتخصص به کما اضافوا خاتماالی فضة فلیس اضافته الیها من حیث انه صفة لها بل من حیث انه جنس مبهم اضیف الیها لیتخصص

اور دوسرے قاعدہ یعنی مصنف کے قول "ولاصفۃ الی موصوفہا" پر وارد ہوتا ہے (جرد قطیفۃ اور اخلاق ثیاب کا مثل) کیونکہ ان دونوں ترکیبوں کی اصل قطیفۃ جرد اور ثیاب اخلاق ہے صفت موصوف پر مقدم کی گئی اور موصوف کی جانب مضاف کردی گئی اس کا جواب اسطرح دیا گیا ہے کہ یہ (مؤول ہے) اس طرح کہ نحویوں نے اپنے قول "قطیفۃ جرد" سے قطیفۃ کو حذف کیا تو گویا کہ جرد اسم ہوگیا صفت نہیں رہا پھر جب انہوں نے جرد کی تخصیص کا ارادہ کیا کیونکہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ قطیفۃ اور اسکا غیر ہو جیسے خاتم اس بات کے لائق ہے کہ فضۃ ہو یا اس کا غیر تو انہوں نے اسکی اضافت اسکی ایسی جنس کی طرف کردی ہے جس سے اسکو خصوصیت حاصل ہو جائے جس طرح کہ انہوں نے خاتم کو فضۃ کی طرف مضاف کیا تو جرد کی اضافت قطیفۃ کی جانب اس حیثیت سے نہیں کہ جرد قطیفۃ کی صفت ہے بلکہ یہ اضافت اس حیثیت سے ہے کہ وہ جنس مبہم ہے جسکی قطیفۃ کیطرف کیا ہے وہ کل ہے یعنی سمجھ قولہ ویرد:۔ اور مصنف کے قول ولاصفۃ الی موصوفہا پر جو قاعدہ ثانیہ ہے جرد قطیفۃ اور اخلاق ثیاب کی مثل کے ساتھ اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ انکی اصل قطیفۃ جرد اور ثیاب اخلاق تھی انمیں صفت کو موصوف پر مقدم کر کے اسکی طرف مضاف کر دیا گیا ہے. مصنف نے جواب دیا کہ مثل جرد قطیفۃ اور اخلاق ثیاب تاویل کیا ہوا ہے بایں طور کہ اہل عرب نے اپنے قول قطیفۃ جرد سے قطیفۃ کو حذف کر دیا حتی کہ جرد ایسا ہو گیا کہ وہ اسم ہے صفت نہیں ہے یعنی جب اسکے موصوف کو حذف کر دیا گیا تو گویا کہ جرد صفت ہی نہیں کہ صفت موصوف کے بغیر نہیں ہوتی پھر جب انہوں نے اسکی تخصیص کا ارادہ کیا کہ اسم ہو جانے کی وجہ سے جرد میں باعتبار جنس ابہام پیدا ہو گیا کہ وہ کیا چیز ہے قطیفۃ ہے یعنی چادر یا عمامہ یا تولیہ کہ ان سب میں ریشے ہوتے ہیں. جیسا کہ خاتم میں فضۃ اور غیر فضۃ کی صلاحیت کی وجہ سے ابہام ہے تو اہل عرب نے جرد کو اسکی جنس یعنی نوع کیطرف مضاف کر کے جرد قطیفۃ بولا تا کہ جنس کی طرف مضاف ہونے سے اسمیں تخصیص ہو جائے اور ابہام دور ہو جائے جس طرح کہ انہوں نے اسی مقصد کے لئے خاتم کو فضۃ کی طرف مضاف کیا پس جرد کی اضافت قطیفہ کی طرف اس اعتبار سے نہیں کہ جرد قطیفۃ کی صفت ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ جرد جنس مبہم ہے اسکو قطیفہ کی طرف مضاف کیا گیا تا کہ اسمیں اضافت کے سبب تخصیص ہو جائے اسی قیاس پر اخلاق ثیاب کی ترکیب ہے. رہا یہ اعتراض کہ قطیفہ تو نوع ہے جنس نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ نحات کے نزدیک جنس اور نوع میں فرق نہیں ہے بلکہ جنس نوع کو

قولہ **جرد قطیفة** :۔ یہ اصل میں قطیفۃ جرد بمعنی پرانی چادر تھا چونکہ جرد بفتح جیم مصدر ہے اس لئے اس کا مؤنث کی صفت واقع ہونا درست ہے اور اگر صفت مشبہ ہو تو چونکہ قطیفۃ بمعنی ثوب ہے اور ثوب مذکر ہے اس لئے جرد بھی مذکر ہے اور اگر جرد بضم جیم جمع اجرد ہو تو تاویل کی ضرورت ہوگی ای اجزاء قطیفۃ جرد اور اخلاق ثیاب بمعنی پرانے کپڑے ہے. قولہ صار:۔ یعنی جرد صفت نہ رہا بلکہ اسم ہو گیا اور اسم کی مثل موصوف کے بغیر استعمال ہونے لگا یعنی اس سے ذات جرد مراد ہوگی تو موصوف کا طالب نہ رہا.

وعلی هذا القیاس اخلاق ثیاب ولا یضاف اسم مماثل ای مشابه للمضاف الیه فی العموم والخصوص الی ذلک المضاف الیه سواء کانا مترادفین کلیث واسد فی الاعیان والجثث وحبس ومنع فی المعانی والاحداث اوغیر مترادفین بل متساویین فی الصدق کالانسان والناطق لعدم الفائدة فی ذکر المضاف الیه فانک اذا قلت رأیت لیث اسدلا یفید الا مایفیده رأیت لیثا بدون ذکر الاسد واضافة اللیث الیه فیکون ذکر الاسد واضافة اللیث الیه لغوا لا فائدة فیه بخلاف اضافة العام الی الخاص فی مثل کل الدراهم وعین الشیء فانه ای المضاف فیهما یختص به ای یصیر خاصا بسبب اضافته الی المضاف الیه ولایبقیٰ علی عمومه

اضافت کی گئی تا کہ وہ خاص ہوجائے اوراسی قیاس پراخلاق ثیاب ہے (اورکوئی اسم جومماثل ہومضاف نہیں کیا جاتا) یعنی مشابہ ہو (مضاف الیہ کے لئے عموم اور خصوص میں) اس مضاف الیہ کی طرف خواہ وہ دونوں مترادف ہوں (جیسے لیث اوراسد) اعیان اور جثث میں (اور حبس ومنع) معانی اور احداث میں یاغیر مترادف بلکہ صدق میں تساوی ہوں جیسے انسان اور ناطق (عدم فائدہ کی وجہ سے) مضاف الیہ کے ذکر میں کیونکہ جب تم رأیت لیث اسد کہوتو یہ ترکیب وہی فائدہ دیگی جواسد کے ذکراوراسکی طرف لیث کی اضافت کے بغیر رأیت لیثا دیگی لہٰذا اسد کا ذکراوراسکی طرف لیث کی اضافت لغوہوجائیگی جسمیں کوئی فائدہ نہیں (برخلاف) عام کی اضافت کے خاص کی جانب جیسے مثل میں (کل الدراھم اورعین الشئی کے کیونکہ وہ) یعنی مضاف ان دونوں میں (خاص ہوجاتا ہے اضافت کے ساتھ) یعنی مضاف الیہ کی جانب اضافت کے سبب سے اوراپنے عموم پرباقی نہیں رہتا

شامل ہے قولہ **و لا یضاف**:۔ اور جواسم عموم وخصوص میں مضاف الیہ کے مشابہ ہوعموم سے یہاں مراد شمول اوراطلاق ہے اورخصوص سے عدم شمول واطلاق تواس اسم کومضاف الیہ کی طرف مضاف نہیں کیا جائیگا خواہ وہ دونوں مماثل ومترادف ہوں جیسے لَیث اوراَسَد اعیان اورجثث میں اورحبس ومنع معانی اوراحداث میں یامترادف نہ ہوں بلکہ صدق میں تساوی ہوں جیسے انسان اورناطق میں تساوی کی نسبت ہے یقال الانسان ناطق والناطق انسان لہٰذا انمیں سے کسی کی دوسرے کی جانب اضافت کرکے انسان ناطق یاناطق انسان نہیں بول سکتے. وجہ یہ ہے کہ اس مضاف الیہ کے ذکرکرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے مثلاتم رأیت لیث اسد کہوتو یہ ترکیب وہی فائدہ دیگی جوفائدہ رأیت لیثا سے حاصل ہوتا ہے بدون ذکرکرنے اسد کے اوراسکی طرف لیث کی اضافت کرنے کے چونکہ رأیت لیثا سے وہی فائدہ حاصل ہورہا ہے جورأیت لیث اسد سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا اسد کا ذکر کرنا اوراسکی طرف لیث کی اضافت عدم افادہ کی وجہ سے بے فائدہ ٹھیری قولہ **بخلاف**:۔ یعنی عام کی اضافت خاص کی طرف جائز ہے جیسے کل الدراھم اورعین الشئی کیونکہ مضاف ان دونوں ترکیبوں میں اضافت کی وجہ سے خاص ہوجاتا ہے اوراس کاعموم ختم ہوجاتا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک ترکیب مفید تخصیص ہونے کی وجہ سے جائز ہے. مثلا لفظ کل قبل الاضافت دراھم اوردنانیر وغیرہ کوشامل تھا لیکن اضافت کی وجہ سے خاص ہوگیا اورلفظ عین بمعنی ذات قبل الاضافت موجوداورغیر موجودسب کوشامل تھا لیکن اضافت کے بعدوہ موجود کے ساتھ خاص ہوگیا اوراسکا عموم ختم ہوگیا

قولہ **فی الاعیان**:۔ اعیان عین کی جمع ہے اورعین قائم بذاتہ کوکہتے ہیں اورجثث بضم جیم جثہ کی جمع ہے بمعنی شخص انسان اورعین اورجثہ میں عموم خصوص مطلق کی نسبت

سواء افادت الاضافة التعريف او التخصيص واعمية العين عن الشيء اذا كان اللام فيه للعهد ظاهرة واما اذا كان للجنس ففيها خفاء ويرد على قولهم لا يضاف اسم مماثل للمضاف اليه في العموم والخصوص قولهم سعيد كرز فان سعيدا وكرزا اسمان لمسمى واحد كليث واسد مع انه اضيف احدهما الى الآخر فاجيب بانه متأول بحمل احدهما على المدلول والآخر على اللفظ فكانك اذا قلت جاء نی سعيد كرز قلت جاء نی مدلول هذا اللفظ

خواہ اضافت تعریف کا فائدہ دے یا تخصیص کا اور عین کا شیٔ سے عام ہونا جبکہ الشیٔ میں لام عہد کیلئے ہو ظاہر ہے اور جب الشیٔ کا لام جنس کے لئے ہو تو عین کے اعم ہونے میں خفاء ہے (اور) نحات کے قول "لا یضاف الخ" پر (ان کے قول سعید کرز) کا اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ سعید اور کرز مسمی واحد کے دو اسم ہیں جیسے لیث اور اسد اس کے باوجود ایک دوسرے کی جانب مضاف کیا گیا ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ (مؤول ہے) محمول کرتے ہوئے ان میں سے ایک کو مدلول پر اور دوسرے کو لفظ پر پس گویا کہ تم نے جب جاء نی سعید کرز کہا تو تم نے کہا جاء نی مدلول ھذا اللفظ

قولہ **سواء افادت**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ کہنا کہ کل الدراہم اور عین الشیٔ میں مضاف بوجہ اضافت خاص ہو گیا ہے صحیح نہیں کیونکہ اضافت مفید تخصیص مضاف الیہ نکرہ میں ہوتی ہے جبکہ یہاں مضاف الیہ دونوں مثالوں میں معرفہ ہے. شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "مخصص بہ" میں تخصیص سے مراد تخصیص مقابل تعریف نہیں بلکہ تخصیص مقابل تعمیم مراد ہے اور شارح کی تفسیر ای بصیر خاصا سے اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی اس اضافت سے مضاف کا عموم ختم ہو جاتا ہے خواہ وہ اضافت مفید تعریف ہو یا مفید تخصیص قولہ **و اعمیة العین**:۔ چونکہ عین الشیٔ میں لفظ عین کا لفظ شیٔ سے عام ہونا ظاہر نہ تھا اس لئے شارح علیہ الرحمۃ لفظ عین کے عموم کو بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر الشیٔ میں لام عہد کا ہو اور اس سے شیٔ معین مراد ہو تو لفظ عین کے عام ہونے میں خفا نہیں اور اگر لام جنس کا ہو تو پھر اس میں خفا ہے کیونکہ لفظ شیٔ لغت کے اعتبار سے جواہر اور اعراض اور معدوم و موجود سب کو شامل ہے لہٰذا اس صورت میں لفظ عین کے اعم ہونے میں خفا ہے. صاحب سوال کا ملی نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ لفظ شیٔ کے معنی لغوی ہیں موجود فی الخارج اور معنی اصطلاحی ہیں ما یمکن ان یعلم و یخبر عنہ اور یہاں لفظ شیٔ کا معنی ثانی مراد ہے جس کے اعتبار سے شیٔ عین سے خاص ہے. قولہ **سعید کرز**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ سعید اور کرز دونوں ایک ذات کے علم ہیں پس یہ مفہوم میں مماثل ہیں لیث اور اسد کی طرح تو انمیں مماثلت کی وجہ سے اضافت نہیں ہونی چاہئے کہ یہ اضافت مذکورہ قاعدہ لا یضاف اسم مماثل الخ کے خلاف ہے حالانکہ سعید کرز کی طرف مضاف ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ سعید کرز بھی تاویل کیا ہوا ہے بایں طور کہ اول لفظ سے مسمّٰی اور مدلول مراد ہے اور دوسرے لفظ سے اسم اور لفظ مراد ہے اور اس ترکیب میں اول یعنی مضاف سے اسم اور لفظ مراد لینا جائز نہیں کیونکہ مجی وغیرہ کا اسناد لفظ کی جانب ممتنع ہے جس طرح کہ تلفظت بسعید کرز میں اول سے مسمی اور مدلول مراد لینا ممتنع ہے کیونکہ تلفظ لفظ کا ہوتا ہے مدلول کا تلفظ نہیں ہوتا. گویا کہ جاء نی سعید کرز بول کر تم نے یہ کہا کہ میرے پاس اس لفظ کا مدلول آیا پس

ہے یعنی عین عام ہے انسان اور غیر انسان کو اور جثہ مختص انسانی کے ساتھ خاص ہے. (محرم) ☆ فائدہ ☆ مدلول اور مسمی کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ کہ مدلول کا اطلاق معنی

ولم يقولوا كرز سعيد لان قصدهم بالاضافة التوضيح واللقب اوضح من الاسم غالبا واذا اضيف الاسم الصحيح وهو في عرف النحاة ماليس في آخره حرف علة او الملحق به وهو ما في آخره واو او ياء قبلهما ساكن وانما كان ملحقا بالصحيح لان حرف العلة بعد السكون لا تثقل عليها الحركة لمعارضة خفة السكون ثقل الحركة ولان حرف العلة بعد السكون مثلها بعد السكوت في الوقوع بعد استراحة اللسان ولا تثقل عليها الحركة بعد السكوت يعني في الابتداء كذا بعد السكون

اور انہوں نے کرز سعید نہیں کہا اس لئے کہ اضافت سے ان کا مقصود توضیح ہے اور لقب غالبا اسم سے زیادہ واضح ہوتا ہے (اور جب اسم صحیح اضافت کیا جائے) اور نحویوں کی اصطلاح میں صحیح وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو (یا جو صحیح سے ملحق ہے) اور ملحق بالصحیح وہ ہے جس کے آخر میں واؤ یا یاء ماقبل ساکن ہو اور یہ ملحق بالصحیح اس لئے ہے کہ سکون کے بعد حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی کیونکہ سکون کی خفت حرکت کے ثقل کے معارض ہے اور اس لئے کہ حرف علت سکون کے بعد استراحت زبان کے بعد واقع ہونے میں اس حرف علت کی مثل ہے جو سکوت کے بعد واقع ہو اور سکوت کے بعد حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی یعنی ابتداء میں اسی طرح سکون کے بعد

حقیقت میں یہ اضافت از قبیل اضافت الی الغیر ہے کہ اسم اور مسمّٰی ایک دوسرے کا غیر ہیں اور سعید کرز سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جسمیں کسی شخص کے اسم کو اسکے لقب کی جانب مضاف کیا گیا ہو قولہ **ولم يقولوا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ سعید کرز بولا جاتا ہے مگر کرز سعید نہیں بولا جاتا یعنی اسم کی اضافت لقب کی طرف کی جاتی ہے لیکن لقب کی اضافت اسم کی طرف نہیں کی جاتی اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ اضافت سے مقصود رفع اجمال اور توضیح ہے اور لقب غالبا اسم سے اوضح ہوتا ہے اس لئے لقب کی طرف اضافت کی جاتی ہے تاکہ اسم لقب سے ایضاح حاصل کرلے۔ اور کرز بضم کاف بمعنی خرجی ہے جسمیں غلہ بھرا ہوا ہوتا ہے چونکہ یہ شخص عظیم الجثہ تھا اسلئے کرز کے لقب سے ملقب ہوا قولہ **واذا اضيف**: اور جب اسم صحیح یا ملحق بالصحیح کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو اسکا آخر مکسور ہوگا۔ شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اسم صحیح اصطلاح نحات میں وہ ہے جسکے آخر میں حرف علت نہ ہو اور ملحق بالصحیح وہ ہے جسکے آخر میں واؤ یا یاء ہو اور ان کا ماقبل ساکن ہو اور اس اسم کو ملحق بالصحیح اسلئے کہتے ہیں کہ سکون کے بعد حرف صحیح کی طرح حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی۔ قولہ **لمعارضة**:۔ یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو اپنے فاعل یعنی خفۃ السکون کی جانب مضاف ہے اور ثقل الحرکۃ کو نصب دے رہا ہے اور یہ لاتثقل کی علت ہے یعنی سکون کے بعد حرف پر حرکت اسلئے ثقیل نہیں ہے کہ ماقبل کا سکون اس حرکت کی ثقالت کے مزاحم اور معارض ہو جاتا ہے اور اسکی ثقالت کالعدم ہو جاتی ہے یعنی اس پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی اور اس لئے کہ حرف علت جو حرف ساکن کے بعد واقع ہو وہ مثل اس حرف علت کے ہے جو سکوت کے بعد واقع ہو یعنی دونوں استراحت لسان میں ایک جیسے ہیں اور جیسے ابتداء میں واقع حرف علت پر حرکت ثقیل نہیں ہوتی اسی طرح ساکن کے بعد واقع حرف علت پر بھی حرکت ثقیل نہیں

مطابقی، تضمنی اور التزامی میں سے ہر ایک پر ہوتا ہے لیکن مسمّٰی کا اطلاق صرف معنی مطابقی پر ہوتا ہے لہٰذا مدلول اور مسمّٰی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی۔

الی یاء المتکلم کسر آخره للتناسب مثل ثوبی وداری فی الصحیح وظبی ودلوی فی الملحق به والیاء مفتوحة اوساکنة وقد اختلف فی ان ایهما الاصل والصحیح انه الفتح اذالاصل فی الکلمة التی علی حرف واحد هوالحرکة لئلا یلزم الابتداء بالساکن حقیقة اوحکما والاصل فی مابنی علی الحرکة الفتح والسکون انما هوعارض للتخفیف فان کان آخره ای آخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم الفاثبت ای الالف علی اللغة الفصیحة لعدم موجب الانقلاب نحو عصای ورحای وهذیل وهی قبیلة من العرب تقلبها ای الالف حال کونها لغیر التثنیة یاء لمشاکلة یاء المتکلم وتدغم فی الیاء مثل عصی ورحی ولا تقلب الف التثنیة کغلامای لالتباس المرفوع بغیره بسبب القلب

(یائے متکلم کی طرف تو اس کا آخر کسرہ دیا جائے گا) تناسب کی وجہ سے جیسے ثوبی اورداری صحیح میں اورظبی ودلوی ملحق بہ صحیح میں (اور یاء مفتوحہ ہوگی یا ساکنہ) اوراس امر میں اختلاف کیا گیا ہے کہ فتح وسکون میں اصل کونسی چیز ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ اصل فتح ہے کیونکہ جو کلمہ حرف واحد پر موضوع ہو اسمیں حرکت اصل ہے تاکہ ابتدا بساکن حقیقۃ یا حکما لازم نہ آئے اوران کلمات میں جومبنی برحرکت ہیں اصل فتح ہے اورسکون عارض ہے تخفیف کیلئے (پھر اگر اس کے آخر میں) یعنی اسم مضاف بسوئے یائے متکلم کے آخر میں (الف ہو تو باقی رکھا جائیگا) یعنی الف لغت فصیحہ کی بنا پر باقی رکھا جائیگا کیونکہ ابدال کا کوئی سبب موجود نہیں ہے جیسے عصای اور رحای (اور ھذیل) یہ عرب سے ایک قبیلہ ہے (اسکو بدل دیتا ہے) یعنی الف کو حال ہونے الف کے (غیر تثنیہ کیلئے یاء سے) یائے متکلم سے مشاکلت کی وجہ سے پھر یاء کو یاء میں ادغام کردیتا ہے جیسے عصی اوررحی اورالف تثنیہ کو تبدیل نہیں کرتا جیسے غلامای بوجہ ملتبس ہونے مرفوع کے غیر مرفوع سے بسبب قلب کے

ہوتی۔قولہ کسر آخرہ۔یعنی اسم صحیح اور ملحق بہ کا آخر یاء کی مناسبت سے کسرہ دیا جاتا ہے کہ یاء ماقبل کا کسرہ چاہتی ہے اسم صحیح کی مثال ثوبی اور داری ہے اور ملحق بہ کی ظبیی اور دلوی ہے اور یاء متکلم مفتوح ہوتی ہے یا ساکن اوراس امر میں اختلاف ہے کہ فتح اور سکون میں سے اصل کیا ہے۔پس صحیح یہ ہے کہ یائے متکلم کو فتح دینا اصل ہے کیونکہ یک حرفی کلمہ میں اصل حرکت ہے تاکہ ابتدا بالسکون لازم نہ آئے پھر مبنی علی الحرکت میں اصل فتح ہے اور سکون تو وہاں ہوتا ہے جہاں کلمہ بنفسہا ثقیل ہو تو اسمیں سکون کے ساتھ تخفیف کی جاتی ہے اور یک حرفی کلمہ بنفسہا خفیف ہے لہذا وہ تخفیف کا محتاج نہیں ہے۔قولہ فان کان آخرہ۔یعنی اگر اسم مضاف بسوئے یائے متکلم کے آخر میں الف ہو تو لغت فصیحہ کی رو سے اسکو باقی رکھا جائیگا کیونکہ ابدال الف کا کوئی سبب موجود نہیں ہے نہ ماقبل کا کسرہ کہ الف یاء ہوجائے اورنہ ضمہ کہ الف واؤ ہوجائے جیسے عصای اور رحای۔لیکن قبیلہ ھذیل الف کو یاء کی نسبت سے یاء کردیتا ہے جبکہ وہ الف،تثنیہ کا الف نہ ہو پھر یاء کا یاء میں ادغام کرکے عصی اور رحی بولتا ہے اور یہ قبیلہ الف تثنیہ

قولہ ثبت:۔محل نندے کہ ان کان آخرہ الفاثبت سے تین الفاظ سمجھی ہیں ان میں الف باقی نہیں رہتا بلکہ یاء ہوکر یاء میں مدغم ہوجاتا ہے۔۱۔لدی جیسے المال لدی۔ ۲۔علی غیر ظرفیہ جیسے من علی بمعنی من فوق ۳۔الی ای جیسے الفتر الی بمعنی الشرمعی ۔(بشیر الناجیہ)

وان كان آخر الاسم المضاف الى ياء المتكلم ياء ادغمت في ياء المتكلم لاجتماع المثلين فيما هو كالكلمة الوحداة مثل مسلمين اذا اضيف الى ياء المتكلم واسقطت النون للاضافة و ادغمت الياء في الياء فصار مسلمي وان كان آخره واوا قلبت الواو ياء لاجتماع الواو والياء والاولىٰ ساكنة مثل مسلمون اذا اضيف الى ياء المتكلم قلبت واوه ياء وادغمت الياء في الياء وكسر ما قبلها لانها لما انقلبت ياء ساكنة يوجب بقاء الضمة قبلها تغيرها فحركت بالحركة المناسبة لها فقيل مسلمي وان كانت قبل الياء او الواو فتحة بقي ما قبلهما مفتوحا كقولك في مسلمين مسلمي وفي مصطفون مصطفي لخفة الفتحة وفتحت الياء اى ياء المتكلم في الصور الثلث للساكنين اى للزوم التقاء الساكنين

(اور اگر ہو) اس اسم کا آخر جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے (یاء تو ادغام کی جائیگی) یائے متکلم میں اجتماع مثلین کی وجہ سے اسمیں جو کلمہ واحدہ کی مثل ہے جیسے مسلمین جبکہ یائے متکلم کی طرف مضاف کیا گیا اور نون کو اضافت کی وجہ سے ساقط کر دیا گیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا تو مسلمی ہوا (اور اگر) اسکے آخر میں (واؤ ہو تو) واؤ کو یاء سے بدلا جائیگا کیونکہ واؤ اور یاء جمع ہو گئے جبکہ پہلا انمیں سے ساکن ہے جیسے مسلمون جب اضافت کیا جائے یائے متکلم کی جانب تو اس کا واؤ یاء سے بدلا جائیگا اور یاء کو یاء میں (ادغام کیا جائیگا) اور اسکے ماقبل کو کسرہ دیا جائیگا کیونکہ جب واؤ کو یاء ساکنہ سے بدل دیا گیا تو یاء سے پہلے ضمہ کا باقی رہ جانا یاء کے تغیر کو واجب کرتا ہے پس یاء کے ماقبل کو اسکے مناسب حرکت دی جائیگی اور کہا جائیگا مسلمی اور اگر یاء یا واؤ سے پہلے فتح ہو تو اسکا ماقبل مفتوح باقی رہے گا جیسے تمہارا قول "مسلمیّ" مسلمین میں اور مصطفیّ، مصطفون میں بوجہ خفیف ہونے فتح کے (اور فتح دی جائیگی یاء) یعنی یاء متکلم تینوں صورتوں میں (ساکنین کی وجہ سے) یعنی التقائے ساکنین لازم آنے کی وجہ سے

کو یاء نہیں کرتا تا کہ قلب کی وجہ سے مرفوع کا غیر مرفوع سے التباس نہ ہو مثلاً غلامای کے الف کو یاء کر کے ادغام کر دیں تو غلامی ہو جائیگا اور معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ حالت رفع ہے یا نصب و جر۔ قولہ وان كان آخره ياء :۔ اور اگر اسم مضاف بسوئے یائے متکلم کے آخر میں یاء ہو تو وہ یائے متکلم میں ادغام کر دی جائیگی کیونکہ مثلین ایسے کلمہ میں جمع ہو گئے جو بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہے جیسے مُسلمین میں جب بوقت اضافت نون محذوف ہو گیا اور یاء کا یاء میں ادغام کیا گیا تو مسلمی ہوا اور ادغام کی وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کلمہ واحدہ کے منزلہ میں ہیں اور جب دو ہم جنس حرف کلمہ واحدہ یا بمنزلہ کلمہ واحدہ میں جمع ہوں تو ادغام کیا جاتا ہے۔ قولہ وان كان واوا :۔ اور اگر اسم مضاف بسوئے یائے متکلم کا آخر واؤ ہو تو اسکو یاء کر کے یاء میں ادغام کر دیا جائیگا بایں قاعدہ کہ واؤ اور یاء جمع ہوں اور انمیں سے اول ساکن ہو تو واؤ کو یاء کر دیا جاتا ہے جیسے مسلمون کا واؤ بوقت اضافت بسوئے یاء متکلم یاء کر دیا گیا ہے پھر ادغام کے بعد یائے مقلبہ کے ماقبل کو کسرہ دیا جائیگا کیونکہ ماقبل کا ضمہ باقی رہے تو اس بات کا مقتضی ہوگا کہ یائے ساکنہ کو واؤ کر دیا جائے کہ یاء ساکنہ ضمہ کے بعد واؤ ہو جاتی ہے لہٰذا یاء کے ماقبل کو یاء کے مناسب حرکت دیکر بعد از ادغام مسلمی بولا جائیگا اور

قولہ لما انقلبت ياء :۔ یاء کا نصب از قبیل حذف وایصال ہے اصل میں الی الیاء تھا کیونکہ انقلاب لازم ہے جو حرف جر کے بغیر مفعول بہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔

ان لم تحرک اختیر الفتح لخفته واما الاسماء الستة التی مر البحث عنها مضافة الی غیر یاء المتکلم فاخی وابی ای فالحال فی اخ واب منها اذا اضیف الی یاء المتکلم ان یقال اخی وابی مثل یدی ودمی بلا رد المحذوف لجعله نسیا منسیا واجاز المبرد فیهما اخی وابی برد لام الفعل فیهما وهی الواو وجعلها یاء وادغام الیاء فی الیاء وتمسک فی ذلک بقول الشاعر وابیّ مالک ذو المجاز بدار ☆ وحمل الاخَ علی الاب لتقاربهما لفظا ومعنی

اگر حرکت نہ دی جائے اور حرکت فتح کو اختیار کیا گیا اسکے خفیف ہونے کی وجہ سے (بہر حال اسماء ستہ) جنکی بحث گذر چکی ہے اس حال میں یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں (پس اخی اور ابی) یعنی ان میں سے اخ اور اب کا حال جبکہ ہر واحد یائے متکلم کی طرف مضاف کیا جائے یہ ہے کہ کہا جائیگا اخی، ابی، یدی، اور دمی کی مثل بغیر لوٹانے حرف محذوفہ کے بوجہ کر دینے حرف محذوف کے محذوف نسیا منسیا (اور مبرد نے جائز کیا) ان دونوں میں (اخی اور ابیّ) ان دونوں میں لام کو رد کر کے جو واؤ ہے اور اسکو یاء کر کے اور یاء کے یاء میں ادغام کرنے کے ساتھ اور مبرد نے اس جواز میں شاعر کے اس قول سے استدلال کیا ہے وابیّ مالک الخ اور اس نے اخ کو اب پر محمول کیا انمیں لفظی اور معنوی مقاربت کی وجہ سے

اگر واؤ یا یا کے قبل فتح ہو تو اسکو خفیف ہونے کیوجہ سے باقی رکھا جائیگا مثلا مسلمیّن صیغہ تثنیہ کو بعد الاضافت والادغام مسلمیّ بفتح میم پڑھو گے اور مصطفون کو مصطفیّ بفتح فاء اور مذکورہ تینوں صورتوں میں یائے متکلم کو فتح دیا جائیگا ورنہ اجتماع ساکنین لازم آئیگا اور حرکات میں سے حرکت فتح کا انتخاب اس کے خفیف ہونے کی وجہ سے کیا گیا قولہ **واما الاسماء**۔ بہر حال اسماء ستہ جنکے مضاف الی غیر یاء متکلم کی بحث گذر چکی ہے کہ اسوقت معرب بالحرف ہوتے ہیں اگر یہ اسماء یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو انمیں مختلف اسموں کے مختلف احوال ہیں مثلا لفظ اَخ اور اَب کا حال یہ ہے کہ بوقت اضافت الی یاء المتکلم انکو اَخی اور اَبی پڑھا جائیگا یعنی اسکے آخر سے حذف شدہ حرف کو واپس لا کر ادغام کرکے اخیّ اور ابیّ نہیں پڑھا جائیگا کہ وہ حرف محذوف نسیا منسیا ہے جیسا کہ ید اور دم کا آخر واپس نہیں لایا جاتا اور یاء متکلم کی طرف اضافت کے وقت انکو یدی اور دمی بسکون یاء پڑھا جاتا ہے ایسے ہی اخی اور ابی پڑھا جائیگا شارح کا قول "نسیا منسیا" فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای نسیت نسیا منسیا. شارح علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول فاخی وابی کے بعد فالحال کا اضافہ کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اما الاسماء مبتدا ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے اور ایسے مبتدا کی خبر جملہ آیا کرتی ہے پس کافیہ میں بھی بحسب قاعدہ یہ خبر جملہ ہے اس لئے کہ اصل عبارت اس طرح ہے فالحال فی اخ واب. قولہ **واجاز المبرد**:۔ مبرد نے اخ اور اب کے لام کلمہ کو واپس لا کر اسکو یاء کر کے ادغام کے بعد اخیّ اور ابیّ بتشدید یاء کو بھی جائز رکھا ہے اور اسکے جواز پر شاعر کے قول سے استدلال کیا ہے جو یہ ہے، وابیّ مالک الخ اس شعر میں اگرچہ صرف لفظ اب بعد از اضافت وادغام بتشدید یاء مذکور ہے پس امام مبرد نے لفظ اَخ کو اَب پر حمل کر کے اسکی یاء کو بھی مشدد پڑھنے کی اجازت دی ہے اور وجہ حمل یہ بتائی ہے کہ لفظ اخ اور اب میں لفظا اور معنی مقاربت پائی جاتی ہے لفظا بایں طور کہ دونوں کے اول میں ہمزہ اور آخر میں واؤ محذوفہ ہے اور معنی بایں طور کہ اخ اب کے قائم مقام ہوتا ہے نیز ان میں سے ہر ایک تعدد پر دلالت کرتا ہے یعنی اب وہ ہے جس کا بیٹا ہو اور اخ وہ ہے جس کا اخ ہو مصرع کا معنی یہ ہے کہ ای شخص میرے باپ کی قسم ذو المجاز تیری رہائش گاہ نہیں

قولہ فاخی وابی:۔ مصنف نے کلام باری تعالی کی متابعت میں اخ کو اب پر مقدم کیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ.

واجاب عنه المصنف فی شرحه بان ذٰلک خلاف القیاس واستعمال الفصحاء مع انه یحتمل ان یکون المقسم به ای ابی جمع اب فاصله ابین سقطت النون فی الاضافة فاجتمعت یا آن فادغمت الاولیٰ فی الثانیة فصار ابی وقد جاء جمعه هکذا فی قول الشاعر شعر فلما تبین اصواتنا بکین وفدّیننا بالابینا ای لما سمعن وعلمن اصواتنا بکین وقلنا لنا آباؤنا فداؤکم وتقول ای امرأة قائلة لامتناع اضافة الحم الی المذکر حمی وهنی بلا رد المحذوف عند الاضافة الی یاء المتکلم وانما فصلهما عن اخی وابی لانه لم ینقل عن المبرد فیهما فی المشهور ما یخالف مذهب الجمهور وان نقل عنه بعضهم ذٰلک الخلاف فی الاسماء الاربعة

اور مصنف نے اپنی شرح میں اس استدلال کا اسطرح جواب دیا ہے کہ شاعر کے قول میں ابِیّ قیاس اور استعمال فصحاء کے خلاف ہے اسکے باوجود یہ قول اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ مقسم بہ ہو یعنی ابی اب کی جمع ہو جسکی اصل ابین تھی نون اضافت میں ساقط ہو گیا پھر دو یاء کے اجتماع کی وجہ سے پہلی یاء کو دوسری میں ادغام کر دیا گیا تو ابِیّ ہوا اور اب کی جمع اسطرح شاعر کے اس قول میں آئی ہے فلما تبین الخ یعنی جب ان عورتوں نے سنا اور انہیں ہماری آوازوں کا علم ہوا تو رو پڑیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے آباء تم پر فدا ہوں (اور کہے گی) یعنی کہنے والی عورت کہے گی بوجہ ممتنع ہونے حم کی اضافت کے مذکر کی جانب (حَمِی اور هَنِی) بغیر رد کرنے حرف محذوف کے اضافت بسوئے یاء متکلم کے وقت اور مصنف نے حمی اور هنی کو اخی اور ابی سے جدا کیا کہ قول مشہور میں مبرد سے حمی اور هنی کے بارے کوئی اختلاف منقول نہیں جو مذہب جمہور کے خلاف ہو اگرچہ بعض نحویوں نے اسماء اربعہ

قولہ **واجاب عنه المصنف**:۔ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی شرح میں مبرد کے اس استدلال کے دو جواب دیئے ہیں، اول۔ یہ کہ شاعر کے قول میں ابِیّ مشدد خلاف قیاس و استعمال ہے یعنی ابی کے لام کو واپس لا کر اسکو یا کر کے یاء کا یاء میں ادغام کرنا کسی قاعدہ کے تحت نہیں اور خلاف استعمال اس وجہ سے کہ یہ کسی فصیح سے منقول نہیں۔ قولہ **مع انه**:۔ یہ مبرد کے استدلال کا دوسرا جواب ہے کہ لفظ ابی میں یہ احتمال ہے کہ یہ اَب کی جمع ہو اور اصل میں اَبِیْن ہو تو نون اضافت بسوئے یائے متکلم کی وجہ سے حذف ہو گیا ہو پھر یاء کو یاء میں ادغام کرنے سے ابِیّ بن گیا ہو اور اب کی جمع اَبِیْن شاعر کے قول فلما تبین الخ میں موجود ہے۔ شعر کے معنی ہیں کہ جب عورتوں نے ہماری آوازوں کو سنا اور بخوبی پہچان لیا تو وہ روئیں اور ہم سے کہا کہ ہمارے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ پس جب لفظ اَبِینا الف اشباع کے ساتھ اب کی جمع فصحاء کے استعمال میں موجود ہے تو بقاعدہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، مبرد کا استدلال باطل ہو گیا۔ قولہ **وتقول**:۔ چونکہ کلمہ حَم بمعنی دیور کی اضافت مذکر کی طرف ممتنع ہے اس لئے مصنف نے اس کلمہ کا حال بیان کرتے وقت صیغہ مؤنث استعمال کیا ہے یعنی عورت کہے گی حَمِی حرف محذوف کو رد کئے بغیر اور اسی طرح هَنِی کہے گی جسطرح کہ ید اور دم میں یاء متکلم کی طرف اضافت کے وقت یدی اور دمی بولا جاتا ہے۔ قولہ **وانما فصلهما**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے حَمِی اور هَنِی کے حال کو اَخِی اور اَبِی کے ساتھ کیوں بیان نہیں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ قول مشہور کے مطابق حمی اور هنی کے متعلق

قولہ **واجاب عنه**:۔ اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہاں پر لام فعل کا رد ضرورت شعری کی وجہ سے ہے **والضرورة تبيح المحظورات**۔

ویقال فی فم حال اضافته الی یاء المتکلم فی بالرد والقلب والادغام فی الاکثر ای فی اکثر موارد استعمالاته وفمی فی بعضها ابقاء للمیم المعوض عن الواو عند قطعه عن الاضافة واذا قطعت هذه الاسماء الخمسة عن الاضافة قیل اخ واب وحم وهن وفم بالحرکات الثلث ولکن فتح الفاء افصح منهما ای من الضم والکسر وجاء حم مثل ید فیقال هذا حم اوحمک ورأیت حما اوحمک ومررت بحم اوحمک ومثل خب ء بالهمزة فیقال هذا حمؤ اوحمئک ورأیت حمأ او حمئک ومررت بحمیٔ او حمئک ومثل دلو بالواو فیقال هذا حمو او حموک ورأیت حموا اوحموک ومررت بحمو اوحموک ومثل عصا بالالف فیقال هذا حما وحماک ورأیت حما وحماک ومررت بحما وحما مطلقا ای جواز حم مثل هذه الاسماء الاربعة مطلقا غیر مقید بحال الافراد او الاضافة بل تجیء هذه الوجوه فیه فی کل من حالتی الافراد والاضافة

کے بارے مبرد سے یہ اختلاف نقل کیا ہے (اور کہا جائیگا) فم میں اسکی یائے متکلم کی جانب اضافت کے وقت (فِیَّ) حرف محذوفہ کو رد کرنے اور بدلنے اور ادغام کے ساتھ (اکثر میں) یعنی اس کے اکثر مواضع استعمال میں (اور فمی) اس کے بعض استعمالات میں اس میم کو باقی رکھتے ہوئے جو کہ واؤ کے عوض میں ہے اسکے قطع اضافت کے وقت (اور جب قطع کیا جائے) ان اسماء خمسہ کو اضافت سے (تو کہا جائیگا اخٌ، ابٌ، حمٌ، ھنٌ اور فمٌ) فم کو حرکات ثلثہ کے ساتھ (اور) لیکن فاء (کا فتح ان دونوں سے زیادہ فصیح ہے) یعنی ضمہ اور کسرہ سے (اور حم یدٌ کی مثل آیا ہے) تو کہا جائیگا ھذا حمٌ یا حمک الخ (اور) مثل (خب ء) کے ہمزہ کے ساتھ تو کہا جائیگا ھذا حمؤ یا حمؤک الخ (اور) مثل (دلو) کے جیسے ھذا حمو یا حموک الخ (اور) مثل (عصا) کے الف کے ساتھ تو کہا جائیگا ھذا حما یا حماک الخ (مطلقا) یعنی حم کا جواز ان اسماء اربعہ کی مثل مطلقا ہے حالت افراد یا اضافت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ لفظ حم میں یہ وجوہ افراد اور اضافت کی حالت میں سے ہر ایک حالت میں آتے ہیں

مبرد سے کوئی ایسی روایت منقول نہیں جو مذہب جمہور کے خلاف ہو اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے انکا ذکر الگ کیا ہے اگرچہ بعض نے مبرد کا اختلاف اسماء اربعہ میں نقل کیا ہے۔ قولہ **ویقال فی**:۔ یعنی فم میں جو اصل میں فُوْہٌ تھا بوقت اضافت بسوئے یائے متکلم اکثر موارد استعمال میں فِیَّ بولا جاتا ہے یعنی فُوْہٌ کے آخر سے ھاء حذف کر کے واؤ کو یاء سے بدل کر بعد از ادغام فِیَّ بولا جاتا ہے اور بعض استعمالات میں عدم اضافت کے وقت واؤ سے مبدل میم کو باقی رکھ کر فَمِی بولا جاتا ہے اور اسماء خمسہ مذکورہ کو قطع اضافت کے وقت اخٌ، ابٌ، ھنٌ اور حمٌ بولا جائیگا اور لفظ فم کے فاء میں تینوں حرکات روا ہیں لیکن فاء کا فتح ضمہ اور کسرہ سے افصح ہے۔ قولہ **وجاء حم**:۔ اور لفظ حم چار طرح مستعمل ہے اول۔ یدٌ کی طرح یعنی حرف محذوف کے رد کے بغیر حالت افراد اور حالت اضافت دونوں میں جیسے ہٰذا حَمٌ یا حَمُکَ اور رأیت حَمًا یا حَمَکَ اور مررت بحَمٍ یا حَمِکَ۔ دوم۔ خبء کی طرح یعنی واؤ کو ہمزہ سے بدل کر جیسے ہٰذا حَمْءٌ یا حَمْؤکَ رأیت حَمْئًا یا حَمْأکَ اور مررت بحَمْئٍ یا حَمْئِکَ۔ سوم۔ دلو کی طرح واؤ کے ساتھ جیسے ھذا حموٌ یا حموک الخ۔ چہارم۔

وجاء هن مثل يد مطلقا اى فى الافراد و الاضافة يقال هذا هن ورايت هنا ومررت بهن وهذا هنك ورايت هنك ومررت بهنك وذو لا يضاف الى مضمر لانه وضع وُصلة الى الوصف باسماء الاجناس والضمير ليس باسم جنس وقد اضيف اليه على سبيل الشذوذ كقول الشاعر شعر انما يعرف ذاالفضل من الناس ذووه☆ولو قيل لا يضاف الى غير اسم الجنس لكان اشمل وكانه خص المضمر بالذكر لانه كان لبعض تلك الاسماء حكم خاص عند اضافته الى ياء المتكلم فنفى اضافته الى المضمر مطلقا نفيا لاختصاصه بحكم خاص باعتبار اضافته اليه ولا يقطع اى ذو عن الاضافة لان جعله وصلة الى اسماء الاجناس ليس الاباضافته اليها

(اور آیا ہے ھَنٌ یَدٌ کی مثل مطلقا) یعنی حالت افراد اور حالت اضافت میں کہا جائیگا ھذا ھن الخ (اور ذو ضمیر کی جانب مضاف نہیں کیا جاتا) کیونکہ وہ وضع کیا گیا ہے وسیلہ اور ذریعہ کسی چیز کے اسم جنس کے ساتھ موصوف ہونے کا اور ضمیر اسم جنس نہیں ہے اور ذو ضمیر کی طرف بطور شذوذ مضاف کیا گیا ہے جیسا کہ شاعر کا قول "انما یعرف الخ" اور اگر لا یضاف الی غیر اسم الجنس کہا جاتا تو یہ اشمل ہوتا اور گویا کہ مصنف نے مضمر کا اس لئے خاص کر ذکر کیا کہ ان اسماء ستہ میں سے بعض کا یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت خاص حکم تھا پس مصنف نے ضمیر کی جانب مطلقا ذو کی اضافت کی نفی کر دی نفی کرنے کیلئے ذو کے اختصاص کی حکم خاص کے ساتھ بوقت اسکی اضافت کے یائے متکلم کی طرف (اور نہیں قطع کیا جائیگا وہ) یعنی ذو اضافت سے اسلئے کہ ذو کو اسماء اجناس کی طرف ذریعہ بنانا اسماء اجناس کی طرف اسکی اضافت سے ہی ہے۔

ھنًا کی طرح الف کے ساتھ جیسے ھذا ھنا یا ھنا کہ الخ اور حم کا اسماء اربعہ کی طرح ہونا مطلق ہے یعنی حالت افراد اور حالت اضافت دونوں کو شامل ہے جیسا کہ واضح ہے۔ قولہ **وجاء ھنٌ** :۔ اور لفظ ھن مطلقا یعنی حالت افراد اور حالت اضافت دونوں میں یدٌ کی طرح آیا ہے جیسے ھذا ھن الخ باقی رہا اسماء ستہ میں سے کلمہ ذو، تو وہ ضمیر کی طرف مضاف ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ اسکی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ کلمہ ذو کسی چیز کے اسم جنس کے ساتھ متصف ہونے کیلئے ذریعہ اور وسیلہ بنے یعنی اسکی وضع اسلئے ہوئی کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر اسم جنس کو کسی دوسری چیز کی صفت بنائے اور ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی اسلئے ذو اسپر داخل نہیں ہوتا تا کہ خلاف وضع لازم نہ آئے اور جہاں کلمہ ذو ضمیر کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوا ہے وہ شاذ ہے۔ جیسے شاعر کے قول میں یہ کلمہ ضمیر کی جانب مضاف کر کے استعمال کیا گیا ہے۔ قولہ **ولو قیل** :۔ یہ مصنف علیہ الرحمۃ پر اعتراض ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ کلمہ ذو اسم علم اور اسم اشارہ و اسم موصول کی طرف بھی مضاف نہیں ہوتا نظر برآں اگر مصنف علیہ الرحمۃ یہ کہتے کہ ولا یضاف الی غیر اسم الجنس، تو یہ عبارت ان سب کو شامل ہو جاتی۔ شارح علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے صرف ضمیر کے ذکر پر اسلئے اکتفاء کیا ہے کہ ذکر اس بات کا چلا آرہا تھا کہ اسماء ستہ میں سے بعض کیلئے اضافت بسوئے ضمیر متکلم کے وقت ایک خاص حکم ہے جو حرف محذوف کو واپس لانا اور بدل کر ادغام کرنا ہے تو کلمہ ذو کی اضافت کی نفی کر کے مصنف علیہ الرحمۃ نے واضح کر دیا ہے کہ اس کیلئے یہ حکم خاص ثابت نہیں ہے۔ قولہ **ولا یقطع** :۔ اور کلمہ ذو اضافت کے بغیر مستعمل نہیں ہوتا اس لئے کہ اسکا اسم جنس کی طرف اضافت کیلئے وسیلہ اور ذریعہ بننا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ وہ

﴿التوابع﴾ وهو جمع تابع منقول عن الوصفية الى الاسمية والفاعل الاسمى يجمع على فواعل كالكاهل على الكواهل والمراد بها توابع المرفوعات والمنصوبات والمجرورات التى هى اقسام الاسم فلا ينتقض حدها بخروج نحوان ان وضرب ضرب لعدم كونهمامن افرادالمحدود كل ثان اى كل متاخر متى لوحظ مع سابقه كان فى الرتبة الثانية منه فدخل فيه التابع الثانى والثالث فصاعدامتلبس باعراب سابقه اى بجنس اعراب سابقه بحيث يكون اعرابهما من جنس اعراب سابقه ناش كلاهما

(توابع) اور وہ تابع کی جمع ہے جو وصفیت سے اسمیت کی جانب منقول ہے اور فاعل اسمی فواعل کے وزن پر جمع لایا جاتا ہے جیسا کہ کاھل کو اھل پر اور توابع سے مراد مرفوعات اور منصوبات اور مجرورات کے توابع ہیں جو کہ اسم کی اقسام ہیں لہٰذا توابع کی تعریف انّ، انّ اور ضرب ضرب کے مثل کے خارج ہونے سے منتقض نہیں ہوگی کیونکہ یہ دونوں محدود کے افراد سے نہیں ہیں (ہر دوسرا ہے) یعنی ہر بعد والا ہے جو کہ جب اپنے سابق کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو اسکی نسبت دوسرے درجہ میں ہو پس ثانی میں دوسرا اور تیسرا اور اس سے زائد داخل ہو جائیگا جو متلبس ہو (اپنے پہلے کے اعراب کے ساتھ) یعنی اپنے پہلے کے اعراب کی جنس کے ساتھ اسطرح کہ اسکا اعراب سابق کے اعراب کی جنس سے ہو دونوں کا اعراب پیدا ہوا ہو

مضاف ہو کر استعمال ہو قولہ **التوابع**:۔ شارح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ لفظ توابع ،تابع کی جمع ہے کیونکہ وضع کے اعتبار سے اگرچہ یہ فاعل صفتی ہے اور فاعل صفتی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی مگر چونکہ نحات کی اصطلاح میں یہ صفت سے منقول ہو کر اسم ذات ہو گیا ہے اسلئے اسکی جمع توابع بروزن فواعل آتی ہے کیونکہ فاعل اسمی کی جمع اس وزن پر آتی ہے جیسے کاھل کی جمع کواھل ہے اور کاھل گردن کے قریب ،کندھے کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں قولہ **والمراد بہ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف جامع نہیں کہ انّ انّ اور ضرب ضرب پر صادق نہیں آتی اسلئے کہ انمیں ثانی معرب ہی نہیں چہ جائے کہ پہلے کے اعراب میں ہو شارح نے جواب دیا کہ التوابع کالام برائے عہد ہے اور اس سے مراد اسم معرب کے توابع ہیں اور انّ انّ یا ضرب ضرب اسم نہ ہونے کی وجہ سے محدود میں داخل نہیں لہٰذا ان کے خروج سے تابع کی تعریف کی جامعیت میں فرق نہیں آتا قولہ **کل متاخر**:۔ شارح نے اس تفسیر میں ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف جامع نہیں اس لئے کہ مررت برجل عالم شاعر میں شاعر پر صادق نہیں کیونکہ وہ اپنے پہلے کے اعتبار سے ثانی نہیں بلکہ ثالث ہے .شارح نے جواب دیا کہ کل ثان سے کل متاخر مراد ہے یعنی جو اپنے پہلے کے اعتبار سے دوسرے مرتبہ میں واقع ہو خواہ دوسرا ہو یا تیسرا یا اسکے بعد کا .پس تابع کی تعریف میں تابع ثانی ثالث وغیرہ سب داخل ہیں .قولہ **متلبس**:۔ اسکی تقدیر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول باعراب سابقہ متلبس مقدر کے متعلق ہے پھر لفظ جنس مقدر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس عبارت میں مضاف مقدر ہے ای بجنس اعراب سابقہ اور مضاف کی تقدیر سے غرض ایک سوال کا جواب دینا ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ جب ثانی اول کے اعراب کے ساتھ متلبس ہوگا تو اول بلا اعراب رہ جائیگا جو درست نہیں .شارح نے جواب دیا کہ اول کے اعراب کے عین کے ساتھ متلبس ہونا مراد نہیں کہ اول بلا اعراب رہ جائے بلکہ اول کے اعراب کی جنس کے

من جهة واحدة شخصية مثل جاء نی زید العالم فان العالم اذا لوحظ مع زید کان فی الرتبة الثانية منه واعرابه من جنس اعرابه وهو الرفع والرفع فی کل منهمانااش من جهة واحدة شخصيتوهی فاعلية زیدالعالم لان المجیء المنسوب الی زید فی قصدالمتکلم منسوب اليه مع تابعه لاالیه مطلقافقوله کل ثان یشمل التوابع وخبرالمبتدأوخبرَی کان وان واخواتهما وثانی مفعولی ظننت واعطیت وقوله باعراب سابقه یخرج الکل اِلاخبرَالمبتدأوثانیَ مفعولَی ظننت واعطیت وقوله من جهتواحدة یخرج هذه الاشیاء لان العامل فی المبتدأوالخبر

(ایک جہت شخصیہ سے) جیسے جاء نی زیدالعالم پس عالم کا جب زید کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو عالم زید کی نسبت دوسرے درجہ میں ہوگا اور عالم کا اعراب زید کے اعراب کی جنس سے ہے اور وہ رفع ہے اور وہ رفع ان میں سے ہر ایک میں جہت واحدہ شخصیہ سے پیدا ہوا ہے اور وہ جہت زیدالعالم کی فاعلیت ہے اسلئے کہ متکلم کے ارادہ میں زید کی جانب جو مجیت منسوب ہے وہ زید کی جانب ہمراہ اسکے تابع کے منسوب ہے زید کی طرف مطلقا منسوب نہیں پس مصنف کا قول ''کل ثان'' توابع اور مبتدا کی خبر کان اور اِنّ اور انکے اخوات کی خبروں اور ظننت اور اعطیت کے دو مفعولوں میں سے دوسرے مفعول کو شامل ہے اور مصنف کا قول ''باعراب سابقہ'' خبر مبتدا اور ظننت اور اعطیت کے مفعول ثانی کے علاوہ سب کو خارج کررہا ہے اور مصنف کا قول ''من جہۃ واحدۃ'' ان باقی ماندہ اشیاء کو نکال رہا ہے اس لئے کہ مبتدا اور خبر میں عامل

ساتھ تلبس مراد ہے یعنی ثانی کا اعراب اول کے اعراب کی جنس سے ہو اور دونوں کا اعراب ایک جہت سے ناشی اور حاصل ہو یعنی مقتضی للاعراب دونوں میں ایک ہو قولہ **شخصية**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ باب اعطیت کے مفعول ثانی پر صادق ہے مثلا اعطیت زیدا درہما میں زیدا اور درہما دونوں کی نصب ایک جہت سے ہے یعنی بنا بر مفعولیت دونوں منصوب ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول من جہۃ واحدۃ سے وحدت شخصیہ مراد ہے اور مثال مذکور میں زیدا اور درہم کو نصب جہت واحدہ شخصیہ سے نہیں بلکہ جہت واحدہ نوعیہ سے ہے کیونکہ زید کو نصب آخذ ہونے کی جہت سے ہے اور درہم کو ماخوذ ہونے کی جہت سے پس جہت واحدہ شخصیہ نہ ہوئی قولہ **هی فاعلية**:۔ یعنی وہ جہت واحدہ شخصیہ جاءنی زیدالعالم میں زیدالعالم کی فاعلیت ہے اس لئے کہ قصد متکلم میں مجیت جو زید کی طرف منسوب ہے وہ صرف زید کی طرف منسوب نہیں بلکہ زید کی طرف مع اسکے تابع کے منسوب ہے اور وہ تابع العالم ہے مطلقا زید کی طرف نسبت کہ وہ عالم ہو یا نہ ہو مقصود متکلم نہیں ورنہ زید کی صفت لانے کی حاجت نہ تھی قولہ فقولہ **کل ثان**:۔ پس تعریف میں مصنف علیہ الرحمۃ کا قول کل ثانٍ بمنزلہ جنس کے ہے جو تمام توابع کو شامل ہے نیز خبر مبتدا، خبر کان وخبر اِنّ اور ظننت وغیرہ کے مفعول ثانی کو شامل ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ کا قول باعراب سابقہ بمنزلہ فصل کے ہے جس سے خبر مبتدا اور باب ظننت واعطیت کے مفعول ثانی کے علاوہ تمام خارج ہوگئے اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول من جہۃ واحدۃ سے باقی ماندہ بھی تابع کی تعریف سے خارج ہوگئے اس لئے کہ مبتدا وخبر میں عامل اگرچہ معنی ابتداء ہے یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کیلئے لیکن یہ معنی ابتدا اس حیثیت سے کہ مسند الیہ کا مقتضی ہے مبتدا میں عامل ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ مسند کا مقتضی ہے خبر میں

وان کان ھو الابتداء اعنی التجرد عن العوامل اللفظیة للاسناد لکن ھذا المعنیٰ من حیث انه یقتضی مسندا الیه صار عاملا فی المبتدأ ومن حیث انه یقتضی مسندا صار عاملا فی الخبر فلیس ارتفاعھما من جھةٍ واحدة وکذا ظننت من حیث انه یقتضی مظنونا فیه ومظنونا عمل فی مفعولیه فلیس انتصابھما من جھةٍ واحدة وکذٰلک اعطیت من حیث انه یقتضی آخذا وماخوذا عمل فی مفعولیه فلیس انتصابھما من جھة واحدة واعلم ان الاعراب المعتبر فی ھذا التعریف بالنسبة الی اللاحق والسابق اعم من ان یکون لفظیا او تقدیریا اومحلیا حقیقة او حکما فلا یرد نحو جاء نی ھؤلاء الرجال ویازید العاقل ولا رجل ظریفا

اگرچہ ابتداء ہے یعنی عوامل لفظیہ سے خالی ہونا اسناد کیلئے لیکن یہ معنی اس حیثیت سے کہ مسند الیہ کا مقتضی ہے مبتدا میں عامل ہوگیا ہے اور اس حیثیت سے مسند کا مقتضی ہے خبر میں عامل ہوگیا ہے پس مبتدا اور خبر کا مرفوع ہونا جہت واحدہ سے نہیں ہے اور اسی طرح ظننت اس حیثیت سے کہ وہ مظنون فیہ اور مظنون کا مقتضی ہے اسنے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا تو دونوں مفعولوں کا منصوب ہونا جہت واحدہ سے نہیں ہے اور اسی طرح اعطیت اس حیثیت سے کہ وہ آخذ اور ماخوذ کا مقتضی ہے اس نے اپنے دونوں مفعولوں میں عمل کیا تو دونوں کا منصوب ہونا جہت واحدہ سے نہ ہوا اور جان لو کہ اعراب جو اس تعریف میں لاحق اور سابق کی نسبت سے معتبر ہے وہ عام ہے اس سے کہ لفظی ہو یا تقدیری یا محلی حقیقۃ ہو یا حکما ہو لہٰذا جاء نی ھؤلاء الرجال اور یازید العاقل اور لارجل ظریفا سے اعتراض وارد نہیں ہوگا

عامل ہے تو مبتدا اور خبر کا مرفوع ہونا جہت واحدہ شخصیہ سے نہ ہوا اسلئے من جہۃ واحدۃ کی قید سے خبر مبتدا بھی تابع کی تعریف سے خارج ہوگئی قولہ و **کذا ظننت:** ۔ یعنی معنی ابتدا کی مثل ظننت بھی دونوں مفعولوں میں ایک جہت سے عمل نہیں کرتا بلکہ اس حیثیت سے کہ مظنون فیہ کو چاہتا ہے پہلے مفعول میں عمل کرتا ہے اور اس حیثیت سے کہ مظنون کو چاہتا ہے مفعول ثانی میں عمل کرتا ہے تو اسکا مفعولین میں عمل کرنا جہت واحدہ شخصیہ سے نہ ہوا اگرچہ جنس اعراب میں دونوں مفعول متفق ہیں ، اسی طرح وہ افعال جو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں اور ان کا مفعول ثانی اول کا غیر ہوتا ہے مثلا اعطیت زیدا درھما میں فعل اعطیت اس حیثیت سے کہ آخذ کو چاہتا ہے مفعول اول میں عمل کرتا ہے اور اس حیثیت سے کہ ماخوذ کو چاہتا ہے مفعول ثانی میں عمل کرتا ہے ، پس ان کا منصوب ہونا جہت واحدہ شخصیہ سے نہ ہوا قولہ **واعلم:** ۔ اس عبارت کی غرض ایک سوال کا جواب دینا ہے ، سوال یہ ہے کہ تابع کی مذکورہ تعریف جامع نہیں کیونکہ جاء نی ھؤلاء الرجال اور یازید العاقل اور لارجل ظریفا کی ترکیب کے تابع پر صادق نہیں اس لئے کہ انمیں سابق معرب ہی نہیں تو تابع اس کے اعراب کے ساتھ کیسے معرب ہوگا ، شارح نے جواب دیا کہ تابع کی تعریف میں اعراب جو سابق اور لاحق کے لحاظ سے معتبر ہے یعنی تابع اور متبوع ہونے کے اعتبار سے ہے وہ عام ہے اس سے کہ لفظی ہو جیسے جاء نی زید میں یا تقدیری ہو جیسے جاء نی الفتی میں یا محلی ہو جیسے ضربت انت میں ، پھر لفظی میں تعمیم ہے کہ حقیقی ہو یا حکمی اور یہ ضروری نہیں کہ اگر متبوع کا اعراب مثلا تقدیری ہو تو تابع کا بھی تقدیری ہو پس امثلہ مذکورہ کے توابع کے ساتھ اعتراض نہیں ہوسکے گا کیونکہ ھؤلاء محلا معرب ہے اور **یازید العاقل** میں زید کا ضمہ حکما اعراب

ثم ان لفظة كل ههنا ليست في موقعها لان التعريف انما يكون للجنس وبالجنس لا للافراد وبالافراد فالمحدود بالحقيقة التابع والحد مدخول كل وهو ثان باعراب سابقة من جهة واحدة لكنه لما ادخل كل عليه افاد صدق المحدود على كل افراد الحد فيكون مانعا والظاهر انحصار المحدود فيها لعدم ذكر غيرها فيكون جامعا فيحصل حد جامع ومانع يكون جمعه ومنعه كالمنصوص عليه **النعت تابع** جنس شامل للتوابع كلها

پھر اسجگہ لفظ کل اپنے موضع میں نہیں کیونکہ تعریف جنس کیلئے اور جنس کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ افراد کیلئے اور افراد کے ساتھ پس محدود حقیقت میں تابع ہے اور حد لفظ کل کا مدخول ہے اور وہ مدخول ثان الخ ہے لیکن جب حد پر لفظ کل داخل کیا گیا تو دخول کل نے محدود کے تمام افراد پر حد کے صادق آنے کا فائدہ دیا تو تعریف مانع ہوگئی اور ظاہر محدود کا افراد حد میں انحصار ہے کہ افراد حد کے غیر کا ذکر نہیں تو حد جامع بھی ہوگئی تو ایک جامع اور مانع حد حاصل ہوگئی جس کا جامع اور مانع ہونا منصوص علیہ کی طرح ہوگیا (نعت تابع ہے) لفظ تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے

ہے اور لا رجل ظریفا میں رجل کا فتح حکما اعراب ہے لہذا ان امثلہ میں ثانی پہلے کے اعراب میں ہے اور تابع کی تعریف جامع ہے۔ قولہ **ثم ان لفظة كل**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ تابع کی تعریف میں لفظ کل لانا صحیح نہیں کیونکہ یہ لفظ احاطہ افراد کیلئے آتا ہے جبکہ تعریف جنس کی اور جنس کے ساتھ ہوتی ہے نہ افراد کی افراد کے ساتھ پس لفظ کل کو جو احاطہ افراد کیلئے آتا ہے ایسی جگہ لانا جہاں وہ ملحوظ ہی نہیں نامناسب ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ لفظ کل تابع کی تعریف میں داخل نہیں کیونکہ تابع کی تعریف **ثان باعراب سابقة من جهة واحدة** ہے اور لفظ کل تعریف سے خارج ہے۔ قولہ **لكنه**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر لفظ کل تعریف کا حصہ نہیں ہے تو پھر اسکو لایا کیوں گیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ دخول کل نے صراحۃ محدود کا تمام افراد حد پر صدق کا افادہ کیا ہے یعنی لفظ کل سے یہ ثابت ہوگیا کہ حد کے جتنے افراد ہیں ان سب پر محدود صادق ہے اور کوئی فرد اس صدق سے باہر نہیں ہے۔ پس تعریف دخول غیر سے مانع ہو جائیگی کیونکہ محدود جب حد کے تمام افراد پر صادق آئیگا تو ان افراد کے غیر پر صادق نہیں آئیگا کیونکہ دال علی الشئی اس شی کے غیر پر دلالت نہیں کرتا۔ قولہ **والظاهر**:۔ یعنی چونکہ افراد حد کے غیر کو ذکر نہیں کیا گیا تو ظاہر یہی ہے کہ محدود افراد حد میں منحصر ہے پس حد اپنے افراد کو جامع ہو جائیگی۔ کیونکہ محدود افراد حد میں منحصر ہے پس ہمارے لئے تابع کی جامع اور مانع تعریف حاصل ہو جائیگی جس کا جامع اور مانع ہونا لفظ کل کی وجہ سے منصوص اور مصرح ہوگیا اور تعریف کا مانع ہونا کالمنصوص علیہ تو وہ لفظ کل سے معلوم ہوا اور اسکا جامع ہونا کالمنصوص علیہ پس وہ دعوی ظہور سے ثابت ہوا لہذا اگر لفظ کل نہ ہوتا تو تعریف کا جامع و مانع ہونا مصرح اور منصوص نہ ہوتا۔ قولہ **النعت تابع**:۔ شارح فرماتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **تابع** جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور اسکا قول "**يدل على معنى الخ**" نعت کے علاوہ باقی توابع سے احتراز ہے یعنی نعت ایسا تابع ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو موصوف میں پایا جاتا ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے نعت کو توابع کی باقی اقسام پر تین امور کے پیش نظر مقدم کیا ہے اول۔ یہ کہ کلام عرب میں نعت کثیر الاستعمال ہے۔ دوم۔ یہ کہ متبوع کے ساتھ موافقت سب سے زیادہ نعت میں پائی جاتی ہے کیونکہ وہ دس میں سے چار امور میں موصوف کے موافق ہوتی ہے۔ سوم۔ یہ کہ اسکا فائدہ بڑا عظیم ہے کیونکہ نعت پانچ معانی کیلئے آتی ہے اور اسکے اندر وضاحت سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

وقوله یدل علی معنی فی متبوعه ای یدل بهیأة ترکیبیة مع متبوعه علی حصول معنی فی متبوعه **مطلقا** ای دلالة مطلقة غیر مقیدة بخصوصیة مادة من المواد احترازعن سائر التوابع و لا یرد علیه البدل فی مثل قولک اعجبنی زید علمه والمعطوف فی مثل قولک اعجبنی زید وعلمه ولا التاکید فی مثل قولک جاء نی القوم کلهم لدلالة کلهم علی معنی الشمول فی القوم فان دلالة التوابع فی هذه الامثلة علی حصول معنی فی المتبوع انما هی لخصوص موادها فلو جرّدت عن هذه المواد کما یقال اعجبنی زید غلامه او اعجبنی زید وغلامه او جاء نی زید نفسه لا تجد لها دلالة علی معنی فی متبوعاتها بخلاف الصفة فان الهیأة الترکیبیة بین الصفة والموصوف تدل علی حصول معنی فی متبوعها فی ای مادة کانت

اور مصنف کا قول (یدل علی معنی فی متبوعہ یعنی جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اسکے متبوع میں ہے) یعنی وہ تابع اپنے متبوع کے ہمراہ ہیئت ترکیبیہ کے ساتھ اس معنی کے حصول پر دلالت کرے جو اسکے متبوع میں ہے (مطلقا) یعنی دلالت مطلقہ جو امثلہ میں سے کسی مثال کی خصوصیت کے ساتھ مقید نہ ہو یہ احتراز ہے باقی توابع سے اور نعت کی تعریف پر تمہارے قول "اعجبنی زید علمہ" کے مثل میں بدل اور تمہارے قول "اعجبنی زید وعلمہ" کے مثل میں معطوف اور تمہارے قول "جاء نی القوم کلہم" کے مثل میں تاکید کا اعتراض وارد نہیں ہوگا بوجہ دلالت کرنے لفظ کلہم کے شمول فی القوم پر کیونکہ ان مثالوں میں توابع کی دلالت اس معنی کے حصول پر جو متبوع میں ہے ان موادوامثلہ کے خصوص کیلئے ہے پس اگر ان مثالوں کو ان مواد سے خالی کرلیا جائے جیسا کہ کہا جائے اعجبنی زید غلامہ یا اعجبنی زید وغلامہ یا جاء نی زید نفسہ تو تم ان امثلہ کے توابع کیلئے ایسے معنی پر دلالت نہیں پاؤ گے جو اسکے متبوعات میں ہے برخلاف صفت کے کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان جو ہیئت ترکیبیہ ہے وہ اپنے متبوعات کے معنی کے حصول پر دلالت کرتی ہے جس مادہ میں وہ ہو

قولہ **ای یدل بهیئة ترکیبیة** :۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جاء نی زید ھذا میں کلمہ ھذا زید کی صفت ہے مگر یہ صفت اپنے موصوف کے معنی پر دلالت نہیں کرتی اس لئے کہ ھذا کے معنی اشارہ کے ہیں اور یہ معنی اشارہ اسکے متبوع میں نہیں پائے جاتے لہٰذا نعت کی تعریف جامع نہ ہوئی۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت "علی معنی فی متبوعہ" سے مراد یہ ہے کہ نعت وہ ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مرکب ہو کر اس ہیئت ترکیبی کے ساتھ موصوف کے معنی پر دلالت کرے نہ حالت انفرادی میں کیونکہ بحالت انفرادوہ مطلق معنی پر دلالت کرتی ہے نہ کہ موصوف میں حاصل معنی پر اور اس میں شک نہیں کہ مثال مذکور میں لفظ ھذا اپنے موصوف کے ساتھ مرکب ہو کر اس ہیئت ترکیبی کے ساتھ موصوف کے معنی پر دلالت کرتا ہے یعنی موصوف کے مشار الیہ ہونے پر۔ پس نعت کی تعریف جامع ہے۔ قولہ **ای دلالة مطلقة** :۔ اس تفسیر سے شارح کا مقصود مطلقا کی ترکیب بیان کرتا ہے یعنی مطلقا باعتبار موصوف مقدر کے یدل کا مفعول مطلق ہے ای یدل دلالۃ مطلقۃ۔ اور دلالت مطلقہ سے مراد یہ ہے کہ وہ دلالت کسی مخصوص مادہ کے ساتھ مخصوص اور مقید نہ ہو بلکہ تمام موادوامثلہ کو شامل ہو۔ قولہ **ولا یرد علیه** :۔ یہ سوال مقدر کا

وفائدته ای فائدة النعت غالبا تخصیص فی النکرة کرجل عالم او توضیح فی المعرفة کزید الظریف وقد یکون لمجرد الثناء من غیر قصد تخصیص وتوضیح نحو بسم الله الرحمن الرحیم او لمجرد الذم نحو اعوذ بالله من الشیطن الرجیم او لمجرد التاکید مثل نفخة واحدة اذ الوحدة تفهم من التاء فی نفخة فاکدت بالواحدة

(اور اس کا فائدہ) یعنی نعت کا فائدہ غالبا (تخصیص ہے) نکرہ میں جیسے رجل عالم (اور توضیح ہے) معرفہ میں جیسے زید الظریف (اور نعت کبھی ثناء کیلئے ہوتی ہے) بغیر قصد تخصیص اور توضیح کے جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم (یا محض ذم کیلئے) جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم (یا) محض (تاکید کیلئے جیسے نفخۃ واحدۃ) کیونکہ وحدت تو نفخۃ کی تاء سے مفہوم ہورہی ہے پس اس وحدت کی لفظ واحدۃ سے تاکید کی گئی ہے

جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ نعت کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے اس لئے کہ اسمیں اعجبنی زید علمہ کا بدل داخل ہوگیا کہ بدل یعنی علمہ زید میں حاصل ایک معنی پر دلالت کر رہا ہے اور وہ معنی زید کا علم ہے اسی طرح اعجبنی زید وعلمہ کا معطوف بحرف بھی داخل ہوگیا اور جاء نی القوم کلھم کی تاکید بھی کہ کلھم شمول فی القوم پر دلالت کر رہا ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ نعت کی تعریف پر مذکورہ بالا تراکیب کے بدل وغیرہ کے ساتھ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ ان تراکیب میں تابع کی دلالت اس معنی کے حصول پر جو متبوع میں ہے دلالت مطلقہ نہیں بلکہ یہ مخصوص مواد و امثلہ میں ہے اگر بدل وغیرہ کو ان مواد و امثلہ سے مجرد کر کے اسطرح کہا جائے اعجبنی زید غلامہ اور اعجبنی زید وغلامہ اور جاءنی زید نفسہ تو ان مواد میں تم توابع کی دلالت انکے متبوعات پر نہیں پاؤ گے لیکن نعت کی ہیئت ترکیبی اپنے موصوف کے ساتھ ہر مادہ میں اس معنی کے حصول پر دلالت کرتی ہے جو اسکے متبوع میں پایا جاتا ہے۔ قولہ **وفائدته**:۔ اور نعت کا فائدہ موصوف نکرہ کی تخصیص ہے یعنی نعت اپنے موصوف نکرہ میں اشتراک کو کم کر دیتی ہے جیسے رجل عالم میں نعت نے رجل کے اندر واقع اشتراک کو کم کر دیا ہے کیونکہ رجل عالم اور غیر عالم سب کو عام اور شامل تھا پس نعت نے غیر عالم کو خارج کر کے رجل کو عالم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور نعت کا دوسرا فائدہ موصوف معرفہ کی توضیح یعنی موصوف سے رفع اجمال ہے جیسے زید الظریف میں نعت نے زید کے اجمال کو دور کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ زید سے مراد ظریف ہے غیر ظریف نہیں۔ اور نعت کے یہ دو فائدے غالب اور کثیر ہیں۔ قولہ **وقد یکون**:۔ اور نعت کبھی محض ثناء کیلئے ہوتی ہے اور اس سے تخصیص یا توضیح مقصود نہیں ہوتی کیونکہ موصوف نہ تو نکرہ ہے اور نہ ایسا معرفہ جو ایضاح کا محتاج ہے بلکہ وہ صفت کے ذکر کرنے سے پہلے معلوم ہے جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم جبکہ الرحمن اور الرحیم اسم جلالت کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہوں اور اگر یہ دونوں امنی اور امدح مقدر کی وجہ سے منصوب ہوں یا مبتدا مقدر کی وجہ سے مرفوع ہوں تو یہ صفت برائے ثناء کی مثال نہیں ہونگے۔ رہی یہ بات کہ یہ دونوں صفتیں توضیح کیلئے کیوں نہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات باری تعالٰی کے علاوہ کسی پر اطلاق نہیں کیا جاتا نہ حقیقۃ اور نہ مجازا تو جب اس میں غیر کا احتمال ہی نہیں تو وہ محتاج بیان بھی نہیں لہذا یہ دونوں صفتیں برائے ثناء ہیں۔ اور کبھی صفت محض ذم کیلئے ہوتی ہے جیسے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور کبھی محض تاکید کیلئے ہوتی ہے جیسے نفخۃ واحدۃ میں واحد تاکید کیلئے ہے اس لئے کہ وحدت تو نفخۃ کی تاء سے بھی جاری ہے اس لئے کہ نفخۃ کی تاء وحدت کیلئے ہے جیسے تمرۃ کی تاء وحدت کیلئے ہے نیز وزن فعلۃ وحدت کیلئے آتا ہے جیسے ضربۃ جس کے معنی ہیں ایک بار مارنا تو نفخۃ کی تاء اور اسکے وزن سے مفہوم ہونے والی وحدت کی لفظ واحدۃ کے ساتھ تاکید کی گئی ہے رہی یہ بات کہ مصنف صرف نعت برائے تاکید کی مثال کیوں

ولما كان غالب مواد الصفة المشتقات توهم كثير من النحويين ان الاشتقاق شرط في النعت حتى تأولوا غير المشتق الى المشتق ولما لم يكن هذا مرضيا للمصنف رده بقوله ولا فصل اى لا فرق بين ان يكون النعت مشتقا او غيره في صحة وقوعه نعتا اذا كان وضعه اى وضع غير المشتق لغرض المعنى اى لغرض الدلالة على المعنى الواقع في المتبوع عموما اى في جميع الاستعمالات مثل تميمي وذى مال فان التميمي يدل دائما على ان للذات مانسبة الى قبيلة تميم وذى مال يدل على ان ذاتا صاحب مال

اور جبکہ صفت کے اکثر مواد مشتق تھے تو بہت سے نحویوں کو یہ وہم ہوا کہ نعت میں اشتقاق شرط ہے حتی کہ انہوں نے غیر مشتق کو مشتق کی تاویل میں کر دیا اور جبکہ یہ شرط مصنف کو پسندنہ تھی تو انہوں نے اس شرط کو اپنے قول (ولا فصل) سے رد کر دیا یعنی کوئی فرق نہیں نعت کے (مشتق ہونے یا غیر مشتق ہونے میں) اسکے نعت واقع ہونے کی صحت میں (جبکہ اسکی وضع ہو) یعنی غیر مشتق کی وضع (کسی معنی کی غرض کیلئے) یعنی اس معنی پر دلالت کی غرض کیلئے جو متبوع میں ہے (عموما) یعنی تمام استعمالات میں (جیسے تمیمی اور ذومال) کیونکہ تمیمی ہمیشہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کسی ذات کیلئے قبیلہ بنی تمیم کی طرف نسبت ہے اور ذومال اس پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی ذات صاحب مال ہے

لائے ہیں تو اس سے ان کا مقصد زیادت ایضاح ہے اس لئے کہ نعت برائے تاکید نادر اور قلیل ہے اور نعت کی دیگر اقسام کثرت کی وجہ سے مثالوں کی محتاج نہیں ہیں قولہ **ولما كان:** ۔شارح علیہ الرحمۃ اس عبارت میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ولا فصل الخ سے مصنف علیہ الرحمۃ کی غرض ان نحات پر رد ہے جنہوں نے نعت کی غالب امثلہ کو مشتق دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ نعت میں اشتقاق شرط ہے کیونکہ متبوع کے معنی پر مشتق کی دلالت واضح ہے مثلا لفظ احمر بذات خود اس شی پر دلالت کرتا ہے جو متصف بالحمرۃ ہے۔ یہاں تک کہ جہاں انہیں نعت غیر مشتق نظر آئی تو اسکو مشتق کی تاویل میں کر لیا جیسے مررت برجل اسد میں انہوں نے تاویل کی اور بغیر تاویل کے یہ ترکیب ضعیف قرار دی اس وجہ سے کہ صفت غیر مشتق ہے لیکن جاء زید اسدا جائز قرار دیا کہ اس ترکیب میں لفظ اسد حال واقع ہو رہا ہے چونکہ یہ شرط مصنف علیہ الرحمۃ کے نزدیک صحیح نہیں تھی اس لئے ولا فصل سے اسکا رد کیا یعنی نعت کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں یعنی اسم مشتق کی مانند غیر مشتق بھی نعت واقع ہو سکتا ہے جبکہ غیر مشتق کی دلالت اس معنی پر ہو جو متبوع میں پایا جاتا ہے اور یہ دلالت عموما یعنی عام استعمال میں ہو قولہ **مثل تميمي وذى مال:** جس طرح کہ لفظ تمیمی ہمیشہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی ذات کی قبیلہ تمیم کی طرف نسبت ہے اور ذو مال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی ذات صاحب مال ہے اس لئے لفظ تمیمی اور ذو کیلئے لفظا یا معنی موصوف ضروری ہے لہذا یہ دونوں اس ذات کی صفت واقع ہوں گے بغیر کسی تاویل کے۔ یقال جاءنی رجل تمیمی ورجل ذو مال۔

قولہ **في صحة وقوعه نعتا:** ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف کا یہ کہنا کہ صفت مشتق اور غیر مشتق میں کوئی فرق نہیں یہ بات مسلم نہیں اس لئے کہ صفت مشتق میں موصوف کی جانب عائد ضروری ہے اور غیر مشتق میں ضروری نہیں پس ان کے مابین ایک نمایاں فرق ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ **لا فصل** سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ مشتق اور غیر مشتق کے صفت واقع ہونے کی صحت میں کوئی فرق نہیں جبکہ اسکی غرض متبوع کے معنی پر دلالت ہو قولہ **بين ان يكون:** ۔لفظ **بين** متعدد کی جانب مضاف ہوتا ہے اس لئے مصنف کی عبارت او غیرہ میں کلمہ او بمعنی واؤ ہے یعنی نعت کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

او خصوصا ای فی بعض الاستعمالات بان یدل فی بعض المواضع علی حصول معنی للذات ما وحینئذ یجوزان یقع نعتا وفی بعضها لا یدل علی ذلک وحینئذ لا یصح جعله نعتا مثل مررت برجل ای رجل ای کامل فی الرجولیة فای رجل باعتبار دلالته فی مثل هذاالترکیب علی کمال الرجولیة یصح ان یقع نعتاوفی مثل ای رجل عندک لا یدل علی هذاالمعنی فلایصح ان یقع نعتا ومثل مررت بهذا الرجل فان هذا یدل علی ذات مبهمة والرجل علی ذات معنیة وخصوصیة الذات المعینة بمنزلة معنی حاصل فی الذات المبهمة فلهذا صح ان یقع الرجل صفة لهذا وفی المواضع الأُخَر التی لا یدل علی هذاالمعنی لا یصح ان یقع صفة وذهب بعضهم الی ان الرجل بدل عن اسم الاشارة وبعضهم الی انه عطف بیان

(یا خصوصا) یعنی بعض استعمالات میں اسطرح کہ بعض مواضع میں کسی ذات کیلئے معنی کے حصول پر دلالت کرے اوراسوقت اس کا نعت واقع ہونا صحیح ہوگا اور بعض مواضع میں حصول معنی پر دلالت نہ کرے اوراسوقت اس کا نعت بنانا صحیح نہیں ہوگا (جیسے مررت برجل ای رجل) یعنی رجولیت میں کامل ہے پس ای رجل اس جیسی ترکیب میں کمال رجولیت پر دلالت کرنے کی وجہ سے اسکا نعت واقع ہونا صحیح ہے اور ای رجل عندک کے مثل میں چونکہ ای رجل اس معنی پر دلالت نہیں کرتا لہٰذا اس کا نعت واقع ہونا صحیح نہیں (اور) جیسے مررت (بهذا الرجل) پس کلمہ هذا ذات مبہمہ پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات معینہ پر اور ذات معینہ کی خصوصیت اور اس کا تعین بمنزلہ اس معنی کے ہے جو ذات مبہمہ میں ہے لہٰذا الرجل کا صفت واقع ہونا صحیح ہے اور دیگران مواضع میں جہاں الرجل اس معنی پر دلالت نہیں کرتا وہاں اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں اور بعض نحوی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ الرجل اسم اشارہ سے بدل ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ الرجل عطف بیان ہے.

قولہ **او خصوصا**:۔ یہ عموما پر معطوف ہے یعنی غیر مشتق کا نعت واقع ہونا صحیح ہے جبکہ اسکی وضع موصوف کے معنی پر دلالت کرنے کیلئے ہو بطریق خصوص یعنی بعض استعمالات میں بایں طور کہ بعض مواضع میں اس معنی پر دلالت کرے جو کسی ذات میں حاصل ہے پس اس وقت اس غیر مشتق کا نعت واقع ہونا صحیح ہے جیسے مررت برجل ای رجل میں ای رجل سے مراد کامل فی الرجولیت ہے کیونکہ ای نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور بمعنی کامل ہوتا ہے لہٰذا اس مثال میں ای رجل جو غیر مشتق ہے نعت بن سکتا ہے کہ موصوف کے معنی یعنی کمال فی الرجولیت پر دلالت کر رہا ہے اور عبارت کے معنی ہیں میں ایسے مرد کے پاس سے گذرا جو کامل مرد ہے لیکن ای رجل عندک، میں چونکہ موصوف کے معنی پر دلالت نہیں کرتا پس اسکا نعت واقع ہونا صحیح نہیں کیونکہ یہاں لفظ ای اپنے وضعی معنی میں استعمال ہو رہا ہے جو استفہام ہے اور متبوع کے معنی یعنی کمال فی الرجولیت پر دلالت نہیں کر رہا اس لئے اسکا نعت واقع ہونا صحیح نہیں. قولہ **وبهذا الرجل**:۔ یعنی مررت بهذا الرجل کی مثل میں الرجل کا صفت واقع ہونا درست ہے کیونکہ هذا ذات مبہمہ پر دلالت کر رہا ہے جو کہ مشار الیہ ہے اور الرجل لام تعریف کی وجہ سے ذات معینہ پر دلالت کر رہا ہے تو الرجل متبوع کے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو ذات مبہمہ کا تعین ہے کیونکہ ذات معینہ کی خصوصیت اور اسکا تعین جو ذات مبہمہ پر امر زائد ہے بمنزلہ اس معنی کے ہے جو ذات مبہمہ میں حاصل ہے

و مثل مررت بزيد هذا اى بزيد المشار اليه فهذا فى هذا الموضع يدل على معنى حاصل فى ذات زيد فوقع صفة له وفى المواضع الاخر التى لا يدل على هذا المعنى لا يصح ان يقع صفة وتوصف النكرة لا المعرفة بالجملة الخبرية التى هى فى حكم النكرة لان الدلالة على معنى فى متبوعه كما توجد فى المفرد ككـ توجد فى الجملة الخبرية وانما قيد الجملة بالخبرية لان الانشائية لا تقع صفة الا بتاويل بعيد كما اذا قلت جاء نى رجل اضربه اى مقول فى حقه اضربه اى مستحق لان يومر بضربه

(اور) جیسے مررت (بزید ھذا) یعنی وہ زید جو مشار الیہ ہے پس اسجگہ کلمہ ھذا اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو ذات زید میں حاصل ہے لہذا اسم اشارہ زید کی صفت واقع ہوا اور دوسرے مواضع میں جہاں ھذا اسم اشارہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا وہاں اس کا صفت واقع ہونا صحیح نہیں (اور نکرہ کی صفت لائی جاتی ہے) معرفہ کی نہیں (جملہ خبریہ سے) جو کہ نکرہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ صفت کی اس معنی پر دلالت جو موصوف میں حاصل ہے جیسے مفرد میں پائی جاتی ہے اسی طرح جملہ خبریہ میں بھی پائی جاتی ہے اور ہم نے جملہ کو خبریہ کے ساتھ مقید کیا اسلئے کہ جملہ انشائیہ تاویل بعید کے بغیر صفت واقع نہیں ہوتا جیسے تم کہو جاء نی رجل اضربہ یعنی جسکے حق میں کہا گیا اضربہ یعنی جو اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی ضرب کا حکم کیا جائے

لہذا الرجل کا کلمہ ھذا کی صفت واقع ہونا درست ہے اور جن مواضع میں الرجل اس معنی پر دلالت نہیں کرتا ان مواضع میں اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں. مثلا مررت بزید الرجل نہیں کہا جائیگا کہ موصوف میں حاصل معنی پر دلالت نہ کرنے کی وجہ سے الرجل زید کی صفت واقع نہیں ہوسکتا. اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ مررت بھذا الرجل میں الرجل اسم اشارہ سے بدل ہے اور بعض کے نزدیک الرجل اسم اشارہ سے عطف بیان ہے. **قولہ و بزید ھذا**:۔ یعنی مررت بزید ھذا کی شکل میں چونکہ لفظ ھذا اس معنی پر دلالت کر رہا ہے جو ذات زید میں حاصل ہے اور وہ معنی زید کا مشار الیہ ہونا ہے لہذا اسم اشارہ اس ترکیب میں زیدؔ کی صفت ہے اور دوسرے وہ مواضع کہ جن میں اسم اشارہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا جو ذات زید میں ہے وہاں اسم اشارہ کا نعت واقع ہونا صحیح نہیں جیسے ہذا زید کیونکہ اس مثال میں موصوف سے صفت اخص اور اعرف ہے اور صفت اس معنی پر دلالت بھی نہیں کرتی جو موصوف میں حاصل ہے. **قولہ و توصف النکرۃ**:۔ اور صفت لایا جاتا ہے نکرہ ساتھ جملہ خبریہ کے نہ کہ معرفہ کیونکہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے جبکہ موصوف وصفت میں تعریف وتنکیر میں موافقت ضروری ہے یعنی نکرہ کی صفت جملہ خبریہ واقع ہوتا ہے کہ وہ نکرہ کے حکم میں ہے نیز موصوف میں حاصل معنی پر جس طرح کہ مفرد دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ بھی دلالت کرتا ہے جیسے مررت برجل عالم ابوہ اور مصنف علیہ الرحمۃ نے جملہ کو خبریہ کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کہ جملہ انشائیہ تاویل بعید کے بغیر صفت واقع نہیں ہوتا کیونکہ صفت کیلئے ضروری ہے کہ اس کے ذکر کئے جانے سے قبل اس کا مضمون مخاطب کو معلوم ہوتا کہ اس کے ذریعے موصوف مبہم کو جان سکے اور انشائیہ کا مضمون اسکے ذکر سے قبل مخاطب کو معلوم نہیں ہوتا اسلئے جملہ انشائیہ صفت واقع نہیں ہوتا مگر تاویل کے بعد مثلا جاء نی رجل اضربہ میں یہ تاویل کرنی پڑیگی کہ مقول فی حقہ اضربہ یعنی وہ رجل اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی ضرب کا حکم کیا جائے اور مقول کی تقدیر تاویل بعید اسلئے ہے کہ اس تقدیر پر کوئی قرینہ نہیں ہے. نیز تاویل کے بعد بھی جملہ

ویلزم فیها الضمیر الراجع الی تلک النکرة للربط نحو جاء نی رجل ابوه قائم واذا لم یکن فیها الضمیر الرابط تکون اجنبیة بالنسبة الی الموصوف فلا یصح ان تقع صفة له مثل جاء نی رجل زید عالم ویوصف بحال الموصوف ای بحال قائمة به نحو مررت برجل حسن ذالحسن حال لرجل وصفته وبحال متعلقه ای متعلق الموصوف یعنی بصفة اعتباریة تحصل له بسبب متعلقه نحو مررت برجل حسن غلامه اذ کون الرجل حسن الغلام معنی فیه وان کان اعتباریا فالاول ای النعت بحال الموصوف یتبعه ای الموصوف فی عشرة امور یوجد منها فی کل ترکیب اربعة فی الاعراب رفعا ونصبا وجرا والتعریف والتنکیر والافراد والتثنیة والجمع والتذکیر والتانیث

(اور لازم ہے) اس جملہ خبریہ میں (ضمیر) لوٹنے والی اس نکرہ کی طرف ربط کیلئے جیسے جاءنی رجل ابوہ قائم اور جب جملہ میں ضمیر رابطہ نہ ہو تو جملہ موصوف کی نسبت اجنبیہ ہوگا تو اسکی صفت واقع ہونا صحیح نہیں ہوگا جیسے جاءنی رجل زید عالم (اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال کے ساتھ) یعنی ایسے حال کے ساتھ جو موصوف کے ساتھ قائم ہے جیسے مررت برجل حسن کیونکہ حُسن رجل کا حال اور اسکی صفت ہے (اور اسکے متعلق کے حال کے ساتھ) یعنی موصوف کے متعلق کے حال کے ساتھ یعنی موصوف ایسی صفت اعتباریہ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے جو موصوف کو اسکے تعلق دار کے سبب سے حاصل ہوتی ہے (جیسے مررت برجل حسن غلامہ) کیونکہ رجل کا خوبصورت غلام والا ہونا ایک ایسا معنی ہے جو رجل میں حاصل ہے اگرچہ اعتباری یعنی مجازی ہے (پس اول) یعنی صفت بحال موصوف (اس کے تابع ہوتی ہے) یعنی موصوف کے دس امور میں جنمیں سے ہر ترکیب میں چار پائے جاتے ہیں (اعراب میں) رفع اور نصب اور جر کی حالت میں (اور تعریف وتنکیر اور افراد وتثنیہ وجمع اور تذکیر وتانیث میں)

انشائیہ نہیں ہوتا بلکہ صفت کے متعلقات میں سے ہوتا ہے۔ قولہ **ویلزم فیها الضمیر**:۔ اور جملہ خبریہ جو نکرہ کی صفت واقع ہوا کیں ضمیر راجع بسوئے موصوف ضروری ہے جیسے جاءنی رجل عالم ابوہ میں ضمیر موجود ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ضمیر کی وجہ سے یہ جملہ موصوف کے ساتھ مربوط ہو جائیگا ورنہ جملہ بہ نسبت موصوف نکرہ کے اجنبی ہوگا کیونکہ جملہ مستقل بنفسہ ہوتا ہے کہ وہ اسناد تام پر مشتمل ہوتا ہے اور ماقبل کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ صفت اپنے ماقبل یعنی موصوف کی محتاج ہوتی ہے اس لئے جملہ میں رابطہ ضروری ہے لہٰذا رابطہ کے بغیر جملہ صفت نہیں بن سکے گا جیسے جاءنی رجل زید عالم میں زید عالم ضمیر نہ ہونے کیوجہ سے رجل کی صفت نہیں بن سکتا قولہ **ویوصف بحال الموصوف**:۔ اور صفت لائی جاتی ہے اس حال کے ساتھ جو موصوف کے ساتھ قائم ہے جیسے مررت برجل حَسن میں رجل کا حُسن اسکا ایک حال اور اسکی صفت ہے جو اسکے ساتھ قائم ہے نیز صفت لائی جاتی ہے متعلق موصوف کے حال کے ساتھ یعنی موصوف کو ایک ایسی صفت کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے جو موصوف کو اسکے تعلق دار کے سبب سے حاصل ہوتی ہے جیسے مررت برجل حَسنٍ غلامہ یعنی کسی مرد کا خوبصورت غلام کا مالک ہونا ایک ایسا وصف ہے جو اس مرد میں موجود ہے اگرچہ یہ وصف حسن اسکا ذاتی وصف نہیں لیکن یہ وصف اس مرد میں اس لحاظ سے پایا جاتا ہے کہ اسکا غلام حسین ہے۔ قولہ **فالاول**:۔ پس نعت کی قسم اول یعنی نعت

الا اذا کان صفة یستوی فیها المذکر والمؤنث کفعول بمعنی فاعل نحو رجل صبور وامرأة صبور او فعیل بمعنی مفعول کرجل جریح وامرأة جریح او کان صفة مؤنثة تجری علی المذکر کعلامة والثانی ای النعت بحال متعلق الموصوف یتبعه فی الخمسة الاول وهی الرفع والنصب والجر والتعریف والتنکیر ویوجد منها فی کل ترکیب اثنان وفی البواقی من تلک الامور العشرة وهی ایضا خمسة الافراد والتثنیة والجمع والتذکیر والتانیث کالفعل لشبه به

مگر جب کوئی ایسی صفت ہو کہ اسمیں مذکر اور مؤنث برابر ہوں جیسے فعول بمعنی فاعل جیسے رجل صبور وامرأة صبور یا فعیل بمعنی مفعول جیسے رجل جریح وامرأة جریح یا صفت مؤنث ہو جو مذکر پر جاری ہوتی ہو جیسے علامۃ (اور دوسری) یعنی صفت بحال متعلق موصوف (موصوف کے تابع ہوتی ہے پہلے پانچ میں) اور وہ رفع نصب اور جر اور تعریف وتنکیر ہے اور ہر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو پائے جاتے ہیں (اور باقی میں) ان دس امور سے اور وہ بھی پانچ ہیں افراد، تثنیہ جمع اور تذکیر وتانیث (فعل کی طرح ہے) اسکے فعل کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے

بحال موصوف اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے دس امور میں جسمیں سے ہر ترکیب میں چار امور پائے جاتے ہیں اول۔ اعراب یعنی رفع، نصب اور جر۔ دوم۔ تعریف وتنکیر۔ سوم۔ افراد، تثنیہ اور جمع۔ چہارم۔ تذکیر وتانیث۔ اور وجہ لزوم مطابقت کی یہ ہے کہ موصوف وصفت کا مصداق ایک ہوتا ہے گویا کہ وہ دونوں شئی واحد ہیں پس ان امور میں موافقت لازم کردی گئی تاکہ شئی واحد میں حالت واحدہ میں ضدین کا اجتماع نہ ہو مثلاً ایک حالت میں معرفہ اور نکرہ جمع ہو جائیں تو یہ درست نہیں۔ قولہ **الا اذا کان صفة**:۔ یہ شارح کے قول "یوجد فیہا فی کل ترکیب اربعۃ" سے استثناء ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا یہ قول غلط ہے کہ موصوف وصفت کی تذکیر وتانیث میں موافقت ضروری ہے کیونکہ یہ ترکیب جائز ہے امرأة جریح حالانکہ اسمیں موصوف وصفت کے مابین تذکیر وتانیث میں موافقت نہیں ہے بلکہ موصوف مؤنث ہے اور صفت مذکر ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ مثال مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ صفت جب ایسا لفظ ہو جسمیں تذکیر وتانیث برابر ہو یعنی وہ لفظ مذکر ومؤنث دونوں کیلئے بولا جاتا ہو تو اسوقت تذکیر وتانیث میں موافقت ضروری نہیں جیسے فعول بمعنی فاعل جبکہ موصوف مذکر ہوتا کہ اس کے ساتھ تذکیر وتانیث میں فرق ہو سکے مثلاً رجل صبور ای صابر اور امرأة صبور ای صابرة یا فعیل بمعنی مفعول جیسے رجل جریح ای مجروح وامرأة جریح ای مجروحۃ یا صفت ایسی مؤنث ہو جو مذکر پر بولی جاتی ہو جیسے علامۃ یقال رجل علامۃ ایسے ہی جب وصف مصدر ہو جیسے رجل عدل اور امرأة عدل بلکہ یہاں افراد وجمع میں بھی مطابقت ضروری نہیں لہٰذا رجال عدل اور نساء عدل بھی جائز ہے تو ایسی صفت کی موصوف کے ساتھ تذکیر وتانیث میں موافقت ضروری نہیں۔ قولہ **والثانی**:۔ اور قسم ثانی یعنی نعت بحال متعلق موصوف پہلے پانچ امور یعنی رفع، نصب، جر اور تعریف وتنکیر میں موصوف کے موافق ہوتی ہے اور ہر ترکیب میں ان میں سے دو امر پائے جاتے ہیں اور دس میں سے باقی پانچ امور میں وہ صفت فعل کی طرح ہوتی ہے کیونکہ اسم ظاہر کی طرف مسند ہونے میں صفت کی یہ قسم فعل کی مثل ہے کیونکہ فعل جس طرح اپنے مابعد کی جانب مسند ہوتا ہے اسی طرح صفت بھی مسند ہوتی ہے تو صفت کو فعل کے ساتھ مشابہت ہوئی۔ لہٰذا اس کیلئے فعل والے احکام ہوں گے یعنی یہ قسم فاعل کے موافق ہوگی تذکیر وتانیث وغیرہ میں۔

یعنی ینظر الی فاعله فان کان مفردا اومثنی اومجموعا افرد کما یفرد الفعل وان کان مذکرا او مؤنثا حقیقیا بلا فصل طابقه وجوبا کما یطابق الفعل فاعله فی التذکیر والتانیث وان کان فاعله مؤنثا غیر حقیقی اوحقیقیا مفصولا یذکر اویؤنث جوازا تقول مررت برجل قاعد غلامه مثل یقعد غلامه وبرجلین قاعد غلاماهما مثل یقعد غلاماهما وبرجال قاعد غلمانهم مثل یقعد غلمانهم ومررت بامرأة قائم ابوها مثل یقوم ابوها وبرجل قائمة جاریته مثل تقوم جاریته وبرجل معمور اومعمورة داره مثل یعمر او تعمر داره وبرجل قائم او قائمة فی الدار جاریته مثل یقوم اوتقوم فی الدار جاریته

یعنی صفت کے فاعل کی طرف دیکھا جائیگا پس اگر فاعل مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائیگا جیسا کہ فعل مفرد لایا جاتا ہے اور اگر فاعل مذکر ہو یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو تو صفت تذکیر وتانیث میں اپنے فاعل کے مطابق ہوگی وجوبا جس طرح کہ فعل تذکیر وتانیث میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے اور اگر اس کا فاعل مؤنث غیر حقیقی یا مؤنث حقیقی مفصول ہو تو صفت کو مذکر یا مؤنث لایا جائیگا بطور جواز تم کہو گے مررت برجل قاعد غلامہ جیسے یقعد غلامہ اور مررت برجلین قاعد غلاماھما جیسے یقعد غلاماھما اور برجال قاعد غلمانھم جیسے یقعد غلمانھم اور مررت بامرأۃ قائم ابوہا جیسے یقوم ابوھا اور برجل قائمۃ جاریۃ جیسے تقوم جاریۃ اور برجل معمور او معمورۃ دارہ جیسے یعمر یا تعمر دارہ اور برجل قائم اور قائمۃ فی الدار جاریۃ جیسے یقوم یا تقوم فی

قولہ **یعنی ینظر**:۔ یہ نعت کی قسم ثانی کے کا فعل ہونے کی وضاحت ہے یعنی نعت کے فاعل کو دیکھا جائیگا۔ پس اگر نعت کا فاعل مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو نعت اور وصف مفرد لایا جائیگا خواہ اسکا موصوف بھی مفرد ہو جیسے مررت برجل کریم ابوہ یا موصوف تثنیہ ہو جیسے مررت برجلین کریم ابوھما یا جمع ہو جیسے مررت برجال کریم آباءھم۔ اور صفت کے مفرد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعدد فاعل لازم نہ آئے کیونکہ اگر فاعل کی مثل صفت مثنی یا مجموع ہو تو تعدد فاعل لازم آئیگا جسطرح کہ فاعل ظاہر ہو تو فعل مفرد آتا ہے مثلا قام الزیدان اور قام الزیدون کہتے ہیں کیونکہ قاما الزیدان اور قاموا الزیدون کہنے سے تعدد فاعل لازم آتا ہے۔ اور اگر فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو تو وصف تذکیر وتانیث میں وجوبا فاعل کے مطابق ہوگا مثلا کہا جائے گا مررت بامرأۃ قائم ابوھا اس مثال میں موصوف اگرچہ مؤنث ہے مگر صفت کا صیغہ فاعل کے مطابق مذکر آئیگا اور مررت برجل قائمۃ جاریۃ بولا جائیگا یعنی صفت کو برعایت فاعل مؤنث لایا جائیگا اور موصوف کی رعایت کرتے ہوئے مذکر نہیں آئیگا جس طرح کہ فعل اپنے فاعل ظاہر کے ساتھ تذکیر وتانیث میں مطابق ہوتا ہے جیسے قام زید اور قامت ھند۔ اور اگر وصف کی قسم ثانی کا فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا مؤنث حقیقی ہو مگر وصف اور اسکے فاعل کے درمیان فصل ہو تو وصف میں تذکیر وتانیث دونوں امر جائز ہیں جس طرح کہ فعل کو ایسی صورت میں مذکر اور مؤنث دونوں طرح لانا جائز ہے جیسے مررت برجل معمور او معمورۃ دارہ یہ فاعل مؤنث غیر حقیقی کی مثال ہے کیونکہ مؤنث حقیقی وہ ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں جاندار مذکر ہو جیسے امرأۃ اور ناقۃ کہ اسکے مقابلہ میں رجل اور جمل ہے مگر دار کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر نہیں۔ اور مررت برجل قائم او قائمۃ فی الدار جاریۃ یہ فاعل مؤنث حقیقی مع الفصل کی مثال ہے چونکہ صیغہ صفت اور اس کے فاعل کے درمیان فی الدار کے ساتھ فصل ہو گیا ہے لہٰذا تمہیں تذکیر وتانیث میں اختیار ہے جیسے

فان قلت اذا نظرت حق النظر وجدت الاول وهو الوصف بحال الموصوف ایضا فی الخمسة البواقی کالفعل لان فاعله کالضمیر المستکن فیه الراجع الی موصوفه والفعل اذا اسند الی الضمیر یلحقه الالف فی التثنیة والواو فی جمع المذکر العاقل والنون فی جمع المؤنث ویؤنث فی الواحد المؤنث ولذٰلک قلت مررت برجل ضارب وبرجلین ضاربین وبرجال ضاربین وبامرأة ضاربة وبامرأتین ضاربتین وبنسوة ضاربات کما تقول فی الفعل یضرب ویضربان ویضربون وتضرب وتضربان ویضربن فلم خصصت الثانی بهذ الحکم

الدار جاریة پس اگر تم سوال کرو کہ اے مخاطب اگر تو بنظر انصاف دیکھے تو قسم اول جو وصف بحال موصوف ہے اسکو بھی باقی پانچ میں فعل کی شکل پائے گا کیونکہ اس کا فاعل اس ضمیر کی شکل ہے جو فعل میں پوشیدہ ہے جو اسکے موصوف کی طرف راجع ہے اور فعل کی جب ضمیر کی جانب اسناد کی جائے تو اس کو تثنیہ میں الف اور جمع مذکر عاقل میں واؤ اور جمع مؤنث میں نون لاحق کیا جاتا ہے اور فعل کو واحد مؤنث میں مؤنث لایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے تم کہتے ہو مررت برجل ضارب اور برجلین ضاربین اور برجال ضاربین اور بامرأة ضاربۃ اور بامرأتین ضاربتین اور بنسوة ضاربات جس طرح کہ تم فعل میں کہتے ہو یضرب اور یضربان اور یضربون اور تضرب اور تضربان اور یضربن پس تم نے قسم ثانی کو اس حکم کے ساتھ خاص کیوں کیا ہے؟.

جاہو بول سکتے ہو قولہ **فان قلت** :۔ مصنف علیہ الرحمۃ پر شارح رضی نے ایک اعتراض کیا ہے جسکو نقل کرنے کے بعد شارح اسکا جواب دیں گے اعتراض یہ ہے کہ اگر بنظر انصاف وتامل دیکھا جائے تو نعت کی قسم اول یعنی وصف بحال موصوف بھی امور عشرہ میں سے باقی پانچ امور میں فعل کی شکل ہوتی ہے اس لئے کہ وصف بحال موصوف کا فاعل وہ ضمیر ہوتی ہے جو اسمیں پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ ضمیر موصوف کو راجع ہوتی ہے اور فعل جب ضمیر کی طرف مسند ہو اور ضمیر کا مرجع مفرد ہو تو فعل مفرد ہوتا ہے اور فعل کے آخر میں الف ضمیر لاحق کیا جاتا ہے جب مرجع مثنی ہو اور واؤ ضمیر لاحق کیا جاتا ہے جب مرجع جمع مذکر عاقل ہو اور نون لاحق کیا جاتا ہے جب مرجع جمع مؤنث ہو اور فعل مؤنث لایا جاتا ہے جب مرجع مؤنث ہو کیونکہ ضمیر اور اسکے مرجع میں مطابقت ضروری ہے اور اسی وجہ سے کہ صفت کی قسم اول باقی پانچ امور میں فعل کی شکل ہوتی ہے تو کہے گا مررت برجل ضارب یعنی صفت کو مفرد مذکر لائیگا جس طرح مررت برجل یضرب میں فعل مفرد مذکر ہے۔ اور مررت برجلین ضاربین کہے گا جس طرح کہ مررت برجلین یضربان کہے گا اور مررت برجال ضاربین کہے گا جس طرح کہ مررت برجال یضربون کہے گا، اور مذکورہ مثالوں سے جب یہ واضح ہو گیا کہ صفت کی قسم اول باقی امور خمسہ میں فعل کی شکل ہے تو صفت کی قسم ثانی اس حکم کے ساتھ خاص کیوں کی گئی ہے اور بلا وجہ قسم اول اور قسم ثانی میں تفریق کیوں کی گئی ہے۔ قولہ **کما تقول فی الفعل** :۔ یعنی جس طرح کہ تم فعل میں کہتے ہو جبکہ وہ ضمیر کی طرف مسند ہو زید یضرب یہ مررت برجل ضارب کی شکل ہے اور زیدان یضربان یہ مررت برجلین ضاربین کی شکل ہے اور زیدون یضربون یہ مررت برجال ضاربین کی شکل ہے اور امرأة تضرب یہ مررت بامرأة ضاربۃ کی شکل ہے اور امرأتان تضربان یہ مررت بامرأتین ضاربتین کی شکل ہے اور نسوة یضربن یہ مررت بنسوة ضاربات کی شکل ہے

قولہ **حق النظر** :۔ یہ منصوب بنزع الخافض ہے ای بحق النظر یعنی جب تم بنظر انصاف بلحاظ اسالیب کلام اور سیاق وسباق غور وفکر کرو

قلنا المقصود الاصلی فی هذا المقام بیان نسبة الوصفین الی الموصوف بالتبعیة وعدمها ولما کان الوصف الاول یتبعه فی الامور العشرة وکان لا تخرجه مشابهته للفعل فی الخمسة البواقی عن هذه التبعیة لما عرفت اکتفی فیه بالحکم علیه بالتبعیة بخلاف الوصف الثانی فانه لما حکم علیه بالتبعیة فی الخمسة الاول لم یکتف فیه بالحکم بعدم التبعیة فانه غیر مضبوط بل بین ضابطة عدم تبعیة له بکونه کالفعل بالنسبة الی الظاهر بعده لیتبین حاله عند عدم التبعیة

ہم جواب دیں گے کہ اس مقام میں مقصود اصلی موصوف کی طرف دونوں وصفوں کی نسبت کو بیان کرتا ہے تابع ہونے اور نہ ہونے میں اور جبکہ صفت اول دس امور میں موصوف کے تابع تھی اور اس کا باقی پانچ امور میں فعل کے مشابہ ہونا اسے امور عشرہ میں تابع ہونے سے خارج نہیں کرتا تھا اس وجہ سے جو تم کو معلوم ہے تو مصنف نے قسم اول میں اس تبعیت کے حکم پر اکتفاء کیا بخلاف وصف ثانی کے کیونکہ اس قسم میں جب پہلے پانچ امور میں تابع ہونے کا حکم لگایا تو وصف ثانی میں عدم تبعیت کے حکم پر اکتفاء نہ کیا کیونکہ اس میں عدم تبعیت کا حکم غیر مضبوط ہے بلکہ وصف کے موصوف کیلئے تابع نہ ہونے کا ضابطہ بیان کر دیا کہ وہ فعل کی مثل ہے مابعد فاعل ظاہر کی نسبت تا کہ عدم تبعیت کے وقت وصف ثانی کا حال واضح ہو جائے

قولہ **قلنا:**۔ یہ شارح رضی کے اعتراض کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقصود اصلی اس جگہ موصوف کی طرف صفت کی دونوں قسموں کی نسبت کو بیان کرنا ہے تبعیت اور عدم تبعیت میں کہ کونسی قسم امور عشرہ میں موصوف کے تابع ہوتی ہے اور کونسی قسم ان دس میں سے بعض امور میں تابع ہوتی ہے چونکہ قسم اول امور عشرہ میں موصوف کے مطابق تھی اور اسکا امور عشرہ میں سے باقی پانچ میں فعل کے مشابہ ہونا اسکو اس تبعیت سے خارج نہیں کرتا تھا یعنی صفت کی پہلی قسم ان باقی امور میں فعل کے مشابہ ہونے اور اسمیں فعل جیسا معاملہ کرنے کے بعد بھی اپنے موصوف کے تابع رہتی ہے اور فعل کی مشابہت اسکے تابع ہونے سے مانع نہیں جیسا کہ تم نے مثالوں کے ضمن میں معلوم کرلیا ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے قسم اول میں صرف امور عشرہ میں تبعیت کے حکم پر اکتفا کرلیا اور یہ بیان نہیں کیا کہ یہ قسم پانچ امور میں فعل کی مثل ہوتی ہے بخلاف صفت کی قسم ثانی کے کہ وہ امور عشرہ میں سے پہلے پانچ امور میں اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے اور دوسرے پانچ امور میں وہ موصوف کے تابع نہیں ہوتی تو جب مصنف علیہ الرحمۃ نے اس پر پہلے پانچ امور میں موصوف کے تابع ہونے کا حکم لگایا تو آخری پانچ میں عدم تبعیت کے حکم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک اور امر کا اضافہ کیا وہ یہ ہے کہ باقی پانچ میں وہ کالفعل ہوتی ہے کیونکہ اس قسم میں عدم تبعیت کا حکم غیر مضبوط ہے کہ اس حکم سے قسم ثانی کا باقی پانچ میں حال معلوم نہیں ہوتا اسلئے اسکی عدم تبعیت کا ایک ضابطہ بیان کر دیا ہے کہ وصف ثانی اپنے مابعد ظاہر یعنی متعلق کے لحاظ سے مثل فعل کے ہے تا کہ عدم تبعیت کے وقت بھی اسکا حال معلوم ہو جائے۔ کہ وہ خمسہ بواقی میں فعل کی مثل ہے۔ قولہ **غیر مضبوط:**۔ یعنی عدم تبعیت کا حکم منضبط نہیں کیونکہ اسمیں کہیں تو افراد مناسب ہوتا ہے اگرچہ موصوف تثنیہ یا جمع ہو جیسا کہ اس وقت جبکہ فاعل مثنی یا مجموع ہو اور کہیں تذکیر وتانیث میں مطابقت واجب ہوتی ہے جبکہ فاعل مفرد مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو اور کہیں تذکیر وتانیث دونوں امر جائز ہوتے ہیں جبکہ فاعل مؤنث غیر حقیقی یا مؤنث حقیقی مع الفصل ہو۔

ومن ثم ای ومن اجل کون الوصف الثانی فی الخمسۃ البواقی کالفعل حسن قام رجل قاعد غلمانہ کما حسن یقعد غلمانہ وحسن ایضا قاعدۃ غلمانہ لان الفاعل مؤنث غیر حقیقی کما حسن تقعد غلمانہ وضعف قام رجل قاعدون غلمانہ لانہ بمنزلۃ یقعدون غلمانہ والحاق علامتی المثنی والمجموع فی الفعل المسند الی ظاہرہما ضعیف ویجوز من غیر حسن ولا ضعف قعود غلمانہ وان کان قعود جمعا ایضا کقاعدون لانک اذا کسرت الاسم المشابہ للفعل خرج لفظا عن موازنۃ الفعل ومناسبتہ لان الفعل لا یکسر فلم یکن قعود غلمانہ مثل یقعدون غلمانہ الذی اجتمع فیہ فاعلان فی الظاہر

(اور اسی وجہ سے) یعنی وصف ثانی کے باقی پانچ میں فعل کی مثل ہونے کی وجہ سے (قام رجل قاعد غلمانہ حسن ہے) جیسا کہ یقعد غلمانہ حسن ہے اور اسی طرح قاعدۃ غلمانہ بھی حسن ہے کیونکہ فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے جیسے تقعد غلمانہ حسن ہے (اور ضعیف ہے) قام رجل (قاعدون غلمانہ) اس لئے کہ یہ بمنزلہ یقعدون غلمانہ کے ہے اور تثنیہ وجمع کی علامتوں کا اس فعل میں الحاق ضعیف ہے جو ظاہر کی طرف مسند ہو (اور جائز ہے) بغیر حسن اور ضعف کے (قعود غلمانہ) اگرچہ قعود، قاعدون کی طرح جمع ہے اسلئے کہ جب تم اسم کو جو فعل کے مشابہ ہے جمع مکسر بناؤ تو وہ لفظ کے اعتبار سے فعل کے ہم وزن ہونے اور اسکی مناسبت سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ فعل کی تکسیر نہیں ہوتی پس قعود غلمانہ یقعدون غلمانہ کی طرح نہ ہوا کہ جسکے اندر ظاہر میں دو

قولہ ومن ثم:۔ اور اسی وجہ سے کہ صفت کی قسم ثانی باقی امور میں فعل کی مثل ہے یہ ترکیب حسن ہے۔ قام رجل قاعد غلمانہ جس طرح کہ **قام رجل یقعد غلمانہ** کی ترکیب حسن ہے اور قام رجل قاعدۃ غلمانہ بھی حسن ہے۔ جس طرح کہ قام رجل تقعد غلمانہ کی ترکیب حسن ہے۔ یعنی صفت کو مذکر اور مؤنث لانا حسن ہے اس لئے کہ فاعل یعنی لفظ غلمان مؤنث غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع بمعنی الجماعت ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اور جب فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو تو صفت کو فعل کی مثل مذکر اور مؤنث لایا جا سکتا ہے پس اگر صفت کی قسم ثانی پانچ امور میں فعل کی مثل اپنے فاعل کے مطابق نہ ہوتی تو قام رجل قاعدۃ غلمانہ کی ترکیب ممتنع ہوتی کہ موصوف مذکر ہے اور صفت مؤنث ہے لیکن صفت کے اپنے مابعد کے مطابق ہونے کی وجہ سے یہ ترکیب حسن ہے۔ **قولہ وضعف:۔** اور قام رجل قاعدون غلمانہ کی ترکیب ضعیف ہے کیونکہ یہ **قام رجل یقعدون غلمانہ** کے منزلہ میں ہے اور وہ ضعیف ہے اور وجہ ضعف یہ ہے کہ فعل جب اسم ظاہر، تثنیہ یا جمع کی طرف مسند ہو تو فعل میں علامت تثنیہ یا جمع لانا ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے بظاہر فاعل کا تعدد لازم آتا ہے جبکہ فاعل متعدد نہیں ہوتا اور گذشتہ مثال میں اسم ظاہر کے جمع کی طرف مسند ہونے کے باوجود فعل میں علامت جمع لاحق کی گئی ہے اسلئے **قام رجل یقعدون غلمانہ** ضعیف ہے اور اسکی مثل قام رجل قاعدون غلمانہ کی ترکیب بھی ضعیف ہے۔ **قولہ ویجوز:۔** اور قعود غلمانہ کی ترکیب بغیر حسن وضعف کے جائز ہے اگرچہ لفظ قعود بھی قاعدون کی مثل جمع ہے اور قاعدون غلمانہ ضعیف ہے۔ وجہ جواز یہ ہے کہ قعود غلمانہ یقعدون غلمانہ کی مثل نہیں کیونکہ قاعد جو فعل کے مشابہ تھا جمع تکسیر ہو جانے کی وجہ سے فعل کے ہم وزن ہونے اور اسکی مشابہت سے خارج ہو گیا کہ فعل جمع تکسیر نہیں لایا جاتا۔ پس **قعود غلمانہ** میں **یقعدون غلمانہ** کی مثل دو فاعل جمع نہیں ہوئے۔

الا ان تخرج الواو من الاسمية الى الحرفية او يجعل المظهر بدلا من المضمر او يجعل الفعل خبرا مقدما على المبتدأ والمضمر لا يوصف لان ضمير المتكلم والمخاطب اعرف المعارف واوضحها فلا حاجة لهما الى التوضيح وحمل عليهما ضمير الغائب وعلى الوصف الموضح الوصف المادح والذام وغيرهما طردا للباب ولا يوصف به لانه ليس في المضمر معنى الوصفية وهو الدلالة على قيام معنى بالذات لانه يدل على الذات لا على قيام معنى بها

فاعل جمع ہیں مگر یہ کہ واؤ کو اسمیت سے حرفیت کی جانب نکالا جائے یا اسم ظاہر کو ضمیر سے بدل بنادیا جائے یا فعل کو مبتدا پر خبر مقدم بنایا جائے (اور ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں کی جاتی) کیونکہ ضمیر متکلم اور مخاطب تمام معارف سے بڑھکر معرفہ اور سب سے زیادہ واضح ہے پس ان دونوں کو وضاحت کی ضرورت نہیں اور ضمیر غائب کو ان پر محمول کیا گیا ہے اور وصف مادح او ذام اور انکے غیر کو عدم توصیف میں طرداللباب وصف موضح پر محمول کیا گیا ہے (اور نہ ضمیر کسی کی صفت واقع ہوتی ہے) اس لئے کہ ضمیر میں وصفیت کا معنی نہیں ہے اور وہ معنی قیام معنی بالذات پر دلالت کرنا ہے کیونکہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے ذات کے ساتھ معنی کے قیام پر دلالت نہیں کرتی

قولہ الا ان تخرج: ۔ یہ فاعلان فی الظاہر سے استثناء ہے یعنی اگر آنے والی تین تاویلوں میں سے کوئی ایک کرلی جائے تو پھر یقعدون غلمانہ میں اجتماع فاعلین لازم نہیں آئیگا۔ اول۔ یہ کہ واؤ کو اسمیت سے حرفیت کی طرف نکال دیا جائے یعنی یہ واؤ ضمیر نہ ہو بلکہ فاعل کے جمع ہونے پر دلالت کرنے والا حرف ہو جیسے قامت ہند میں تاء ساکنہ فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ دوم۔ یہ کہ اسم ظاہر فاعل نہ ہو بلکہ فاعل سے بدل ہو۔ سوم۔ یہ کہ فعل مع فاعل خبر مقدم ہو اور اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو قولہ **المضمر لا یوصف:** ۔ اور ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اس لئے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب سب معارف سے بڑھ کر معرفہ اور سب سے زیادہ واضح ہیں لہٰذا ان دونوں کو توضیح کی حاجت نہیں رہی ضمیر غائب جو اوضح اور اعرف نہیں ہوتی بلکہ اس میں من وجہ ابہام ہوتا ہے تو وہ ضمیر متکلم اور مخاطب پر محمول ہے یعنی وہ بھی کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوگی ان پر محمول ہو کر قولہ **وعلی الوصف الموضح:** ۔ یہ سوال مقدر جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا دعوی تو یہ ہے کہ ضمیر کسی قسم کی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی نہ صفت موضحہ اور نہ مؤکدہ وغیرہ کے ساتھ لیکن شارح نے جو عدم توصیف کی دلیل دی ہے اس سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ ضمیر کی صرف صفت موضحہ نہیں آتی کہ ضمیر اوضح اور اعرف ہے تو دلیل دعوی کے مطابق نہ ہوئی۔ شارح نے جواب دیا کہ ضمیر کی کوئی صفت نہیں آتی۔ صفت موضحہ نہ آنے کی وجہ تو ہم نے ذکر کردی ہے اور باقی صفات صفت موضحہ پر محمول ہو کر طرداللباب نہیں آئیں گی کہ صفت موضحہ اصل اور باقی صفات اسکی فرع ہیں تو اصل کی طرح ضمیر کی دیگر صفات بھی نہیں آئیں گی قولہ **ولا یوصف بہ:** ۔ اور ضمیر کسی چیز کی صفت واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ ضمیر میں وصفیت کے معنی نہیں ہوتے اور وصفیت کے معنی یہ ہیں کہ لفظ کسی معنی اور وصف کے کسی ذات کے ساتھ قائم ہونے پر دلالت کرے جیسے احمر اس ذات پر دلالت کرتا ہے جسکے ساتھ حمرۃ کے معنی قائم ہیں اور ضمیر ایسی نہیں کیونکہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے قیام معنی

قولہ حمل علیہما ضمیر الغائب: ۔ امام کسائی کے نزدیک ضمیر غائب کی توصیف جائز ہے جس پر انہوں نے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے۔ لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم لیکن جمہور کے نزدیک العزیز ھو کی صفت نہیں بلکہ بدل ہے یا ھو ضمیر نہیں بلکہ اسم ظاہر ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے اسماء سے ھو ایک اسم ہے (محرم)۔

و کانه لم یقع فی بعض النسخ قوله ولا یوصف به ولهذا اعتذر الشارح الرضی وقال ولم یذکر المصنف انه لا یوصف بالضمیر لانه تبین ذلک بقوله والموصوف اخص او مساو ای الموصوف المعرفة اشد اختصاصا بالتعریف والمعلومیة من الصفة یعنی اعرف منها لانه المقصود الاصلی فیجب ان یکون اکمل من الصفة فی التعریف اومساویا لها لانه لولم یکن اکمل منها فلا اقل من ان لا یکون ادون منها والمنقول عن سیبویه وعلیه جمهور النحاة ان اعرفها المضمرات ثم الاعلام ثم اسماء الاشارة ثم المعرف باللام والموصولات فبینهما

میرے خیال میں کافیہ کے بعض نسخوں میں "ولا یوصف بہ" واقع نہیں ہوااور اسی وجہ سے شارح رضی نے مصنف کی جانب سے عذر پیش کیااور کہا کہ مصنف نے اسکااس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ بات مصنف کے قول (اور موصوف اخص ہوگا یا مساوی) سے واضح ہے۔یعنی موصوف معرفہ تعریف اور معلومیت کے اعتبار سے صفت سے زیادہ خاص ہوگا یعنی صفت سے زیادہ معروف ہوگا اس لئے کہ وہی مقصود اصلی ہوتا ہے لہٰذا اسکا تعریف میں صفت سے اکمل ہونا یا اسکے مساوی ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر صفت سے اکمل نہ ہو تو کم از کم اس سے کم بھی نہ ہو اور جو سیبویہ سے منقول ہے اور اس پر نحات ہیں وہ یہ ہے کہ اعرف المعارف مضمرات ہیں پھر اعلام پھر اسماء اشارہ پھر معرف باللام اور موصولات اور ان میں

بالذات پر دلالت نہیں کرتی۔قولہ **وکانه لم یقع**:۔کافیہ کے بعض نسخوں میں مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **ولا یوصف به** نہیں ہے علامہ جامی فرماتے ہیں کہ غالبا شارح رضی نے اسی نسخہ کی شرح کی ہے اسلئے شارح رضی نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے ولا یوصف بہ اس لئے نہیں کہا کہ ضمیر کا صفت واقع نہ ہونا مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **والموصوف اخص اومساو** سے مفہوم ہو رہا ہے۔یعنی مصنف کے اس قول سے ضمیر کا کسی کی صفت واقع نہ ہونا مفہوم ہو رہا ہے کیونکہ موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے اور ضمیر سے کوئی شی اخص یا مساوی نہیں ہے تو ضمیر کسی کی صفت واقع نہیں ہوگی۔قولہ **والموصوف اخص اومساو**:۔اور موصوف معرفہ صفت سے اخص اور اعرف ہوگا یعنی موصوف کے ذات پر دلالت کرنے کی وجہ سے ضروری ہے کہ اسکی تعریف اقوی ہو کہ وہ مقصود اصلی ہے پس واجب ہے کہ وہ معلومیت میں صفت سے اکمل ہو یا صفت کے مساوی ہو کیونکہ اگر موصوف تعریف میں اکمل نہ ہو تو کم از کم اس سے کم بھی نہ ہو تاکہ تابع کی متبوع پر فوقیت لازم نہ آئے۔قولہ **المعرفة**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **والموصوف اخص اومساو** صحیح نہیں کیونکہ حیوان ناطق میں موصوف اپنی صفت سے اعم ہے کیونکہ موصوف جنس ہے اور صفت فصل ہے۔شارح نے جواب دیا کہ یہاں موصوف سے موصوف معرفہ مراد ہے یعنی موصوف معرفہ تعریف اور معلومیت کے اعتبار سے صفت سے اخص یا اسکے مساوی ہوگا یہاں موصوف نکرہ مراد نہیں کہ اسمیں تو تعریف ہوتی ہی نہیں اور حیوان ناطق میں موصوف معرفہ نہیں ہے بلکہ نکرہ ہے۔قولہ **والمنقول**:۔یعنی سیبویہ سے جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ اعرف المعارف مضمرات ہیں پھر اعلام پھر اسماء اشارہ پھر معرف باللام اور موصولات اور ان دو میں مساوات ہے۔یعنی معرف باللام اور موصولات برابر درجہ کے معرفہ ہیں،اور یہی جمہور کا مذھب ہے،اور یہ مساوات اس لئے ہے کہ معرف باللام اور موصول معنی اور لفظ اور استعمال تینوں کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔

مساوات ومن ثم ای ومن اجل ان الموصوف اخص او مساو لم یوصف ذو اللام الا بمثله ای ذی اللام الآخر او الموصول فانه ایضا مماثل لذی اللام لما عرفت بینهما من المساواة فی التعریف نحو جاء نی الرجل الفاضل او الرجل الذی کان عندک امس او بالمضاف الی مثله ای مثل المعرف باللام بلا واسطة نحو جاء نی الرجل صاحب الفرس او بواسطة نحو جاء نی الرجل صاحب لجام الفرس لان تعریف المضاف مساو لتعریف المضاف الیه او انقص منه علی الخلاف الواقع بین سیبویه وغیره بخلاف سائر المعارف فانها اخص من ذی اللام فلو وقع اخص نعتا لغیر اخص فهو محمول علی البدل

مساوات ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے (ذواللام کی صفت ذواللام ہی آئیگی) یعنی دوسرا ذواللام یا موصول کہ وہ بھی ذواللام کے مماثل ہے جیسا کہ تم نے جان لیا کہ ان میں تعریف میں مساوات ہے جیسے جاءنی الرجل الفاضل یا الرجل الذی کان عندک امس (یا اپنے مثل کی جانب مضاف کے ساتھ) یعنی معرف باللام کی مثل بلاواسطہ جیسے جاءنی الرجل صاحب الفرس یا بالواسطہ جیسے الرجل صاحب لجام الفرس اس لئے کہ مضاف کی تعریف مضاف الیہ کی تعریف کے مساوی ہے یا اس سے کم اس اختلاف کے مطابق جو سیبویہ اور دیگر نحات میں ہے بر خلاف باقی معارف کے کہ وہ ذواللام سے اخص ہیں تو اگر اخص صفت واقع ہو غیر اخص کے لئے تو وہ

قولہ ومن ثم۔ اور اسی وجہ سے کہ موصوف اپنی صفت سے اخص یا مساوی ہوتا ہے ذواللام کی صفت ذواللام ہی آتی ہے یا موصول کہ موصول ذواللام کی مثل ہے جیسا کہ تم نے معلوم کرلیا ہے کہ ان میں تعریف کے اندر مساوات ہے مثلا اس طرح کہو گے جاءنی الرجل الفاضل یا جاءنی الرجل الذی کان عندک امس قولہ **اوبالمضاف الی مثلہ** :۔ یا معرف باللام کی صفت وہ اسم ہوگا جو معرف باللام کی طرف بلاواسطہ مضاف ہو جیسے جاءنی الرجل صاحب الفرس یا بالواسطہ مضاف ہو جیسے جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس اور یہ اضافت الی مثلہ اس لئے ضروری ہے کہ سیبویہ کے نزدیک مضاف بسوئے معرف باللام میں تعریف مضاف الیہ جیسی اور اسکے درجہ کی ہوتی ہے۔ پس جب معرف باللام کی صفت اسم مضاف بسوئے معرف باللام ہوگا تو موصوف اور صفت ایک درجہ کے معرفہ ہو جائیں گے اور غیر سیبویہ کے نزدیک مضاف بسوئے معرف باللام چونکہ تعریف میں مضاف الیہ جیسا نہیں ہوتا تو اسکے نزدیک موصوف صفت سے اخص اور اعرف ہوگا اس طرح سب کے نزدیک والموصوف اخص او مساو کا قانون جاری ہو جائیگا قولہ **بخلاف سائر المعارف**۔ باقی معارف چونکہ ذواللام اور موصول سے اخص اور اعرف ہیں اس لئے ان میں سے کوئی بھی معرف باللام کی صفت واقع نہیں ہوگا تا کہ مقصود غیر مقصود سے تعریف کے اندر ادنی اور انقص نہ رہے۔ پس اگر کسی ترکیب میں بظاہر اخص غیر اخص کی صفت واقع ہو رہا ہو مثلا مضاف الی الضمیر علم کی صفت واقع ہو رہا ہو جیسے جاءنی زید صاحبک تو وہ اخص اس مذھب والے کے نزدیک یعنی سیبویہ کے نزدیک بدل ہوگا نہ کہ صفت کیونکہ بصورت صفت والموصوف اخص او مساو کے قاعدہ کے خلاف لازم آتا ہے۔

قولہ الا بمثلہ:۔ مثل کی اضافت بجانب ضمیر عہدی ہے یعنی اسکی مثل دوسرے ذواللام کی طرف اور موصول کو شامل کرنے کیلئے الا بمثلہ کہا الا بہ نہیں کہا۔

عند صاحب هذا المذهب والما التزم وصف باب هذا ای باب اسم الاشارة بذی اللام مثل مررت بهذا الرجل مع ان القياس يقتضى جوازوصفه بذی اللام والموصول والمضاف الی احدهما للابهام الواقع فی هذاالباب بحسب اصل الوضع المقتضی لبيان الجنس فاذااريد رفعه لايتصور بمثله لابهامه ولايليق بالمضاف المكتسب التعريف من المضاف اليه لانه كالاستعارة من المستعير والسؤال من المحتاج الفقير فتعين ذواللام لعينه فی نفسه وحمل الموصول عليه لانه مع صلته مثل ذی اللام مثل مررت بهذاالذی كرم ای الكريم

اس مذھب والے کے نزدیک بدل پر محمول ہوگا (اور باب ھذا کے وصف کا التزام کیا گیا ہے) یعنی باب اسم اشارہ کا (ذواللام کے ساتھ) جیسے مررت بھذا الرجل جبکہ قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ اسکی صفت ذواللام اور موصول اور جو اسم ان دو میں سے کسی کی طرف مضاف ہو اس اسم کے ساتھ جائز ہو (ابہام کی وجہ سے) جو اس باب میں اصل وضع کے اعتبار سے واقع ہے جو بیان جنس کا مقتضی ہے پس جب اس ابہام کے رفع کا ارادہ کیا گیا تو یہ رفع اس کے مثل سے متصور نہیں کہ وہ بھی مبہم ہے اور نہ مضاف کے ساتھ لائق ہے کہ وہ مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرنے والا ہے کیونکہ یہ مستعیر سے استعارہ کرنا اور محتاج وفقیر سے سوال کرنے کی مثل ہے تو ذواللام متعین ہوگیا اسکے فی نفسہ متعین ہونے کی وجہ سے اور ذواللام پر موصول کو حمل کیا گیا کہ موصول اپنے صلہ کے ساتھ ذواللام کی مثل ہے جیسے مررت بھذاالذی کرم ای الکریم

قولہ وانما التزم :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ کے پیش نظر اسم اشارہ کی صفت دوسرا اسم اشارہ، معرف باللام، اسم موصول اور انمیں سے کسی کی جانب جو مضاف ہو ان سب کو آنا چاہئے کہ اول تعریف میں مساوی ہے اور باقی کم درجہ کے معرفہ ہیں تو کیا وجہ ہے کہ صرف معرف باللام کا التزام کیا گیا ہے؟ مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ یہ التزام اسلئے کیا گیا ہے کہ اسم اشارہ کے باب میں وضعا ابہام پایا جاتا ہے کہ اسکی وضع مفہوم کلی کیلئے ہے جو بیان جنس کا مقتضی ہے اور رفع ابہام بذریعہ بیان جنس معرف باللام سے ہی ہوسکتا ہے کہ یہ معرفہ بنفسہ ہے اس لئے کہ لام کی وضع ہی تعریف کیلئے ہے بخلاف اسم اشارہ کے کہ اسکے ساتھ ابہام رفع نہیں ہوسکتا کہ وہ خود مبہم ہے رہا مضاف تو اسکے ذریعے بھی ابہام کو دور کرنا مناسب نہیں کہ وہ خود دوسرے سے تعریف حاصل کررہا ہے. پس اگر مضاف کے ذریعے اسم اشارہ کا ابہام دور کیا جائے تو یہ استعارہ من المستعیر اور فقیر سے سوال کرنے کی مانند ہو جائیگا اسلئے رفع ابہام کیلئے ذوا للام متعین ہوگیا واضح رہے کہ ذواللام سے مراد صاحب لام ہے خواہ وہ لام تعریف ہو یا زائدہ لہٰذا ذواللام ان تمام اسماء کو شامل ہے جنکے اول میں لام ہے جیسے الذی وغیرہ قولہ **وحمل عليه الموصول**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "وانما التزم الخ" صحیح نہیں اسلئے کہ ذواللام کی مثل موصول بھی اسم اشارہ کی صفت واقع ہوتا ہے جیسے مررت بھذا الذی کرم ای الکریم. شارح نے جواب دیا کہ موصول ذواللام پر محمول ہے اسلئے کہ موصول مع صلہ تعریف میں ذواللام کی مثل ہے. لہٰذا یہ ذواللام کا حکم لے لیگا اور اسم اشارہ کی صفت واقع ہو کر اس سے ابہام کو دور کریگا پس مررت بھذا الذی کرم یہ مررت بھذا الکریم کی طرح ہے یعنی موصول اپنے صلہ کے ساتھ معرف باللام کے مثل ہے ورنہ موصول خود مبہم ہے اور رفع ابہام میں اپنے صلہ کا محتاج ہے اسلئے

ومن ثم ای ومن اجل ان التزام وصف باب هذا بذی اللام لرفع الابهام ببیان الجنس **ضعف مررت بهذا الابیض** لانه لا یتبین به جنس المبهم لان الابیض عام لا یختص بجنس دون جنس **وحسن مررت بهذا العالم** لانه یتبین به ان المشار الیه انسان بل رجل **العطف** یعنی المعطوف بالحرف **تابع مقصود** ای قصد نسبته الی شیء او نسبة شیء الیه

(اوراسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ باب ھذا کی صفت کاذواللام سے التزام بیان جنس کے ذریعے رفع ابہام کیلئے ہے (مررت بھذاالابیض ضعیف ہے) اس لئے کہ الابیض سے جنس مبہم واضح نہیں ہوتی کیونکہ ابیض عام ہے وہ کسی جنس کے ساتھ خاص نہیں (اورحسن ہے) مررت (بھذا العالم) کیونکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مشارالیہ انسان بلکہ مرد ہے (العطف) یعنی معطوف بحرف (تابع ہے جومقصود ہے) یعنی کسی چیز کی طرف اسکی نسبت یااسکی طرف کسی چیز کی نسبت کاقصد کیا گیا ہے

شارح نے فرمایالانہ مع صلتہ محل ذی اللام قولہ **ومن ثم** :۔یعنی اسی وجہ سے کہ باب ھذا کواتصاف بذی اللام لازم ہے تاکہ ذواللام بیان جنس کے بعد اسکے ابہام کودورکردے یہ ترکیب ضعیف ہے مررت بھذاالابیض اسلئے کہ لفظ ابیض وصف عام ہے جوجنس پرتودلالت کرتا ہے جسکی وجہ سے ابیض کوھذا کی صفت بنانا جائز ہے لیکن ابیض مشارالیہ کی جنس مبہم بیان نہیں کرتا اسلئے اسکوھذا کی صفت بنانا ضعیف ہے یعنی لفظ ابیض سے فی الجملہ ابہام دورہوجاتا ہے اور یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسکا موصوف اسود یااحمرنہیں لیکن ھذا کا موصوف کیا ہے مثلاً انسان یافرس یہ ابیض سے واضح نہیں ہوتا قولہ **وحسن** :۔اورمررت بھذا العالم کی ترکیب حسن ہے اسلئے کہ العالم کواسم اشارہ کی صفت لانے سے یہ واضح ہوگیا کہ کلمہ ھذا کا مشارالیہ انسان ہے کوئی دوسرا حیوان نہیں کہ متصف بالعلم حیوانات میں سے صرف انسان ہوتا ہے بلکہ اس صفت سے مزید وضاحت ہوگئی کہ وہ مشارالیہ مرد ہے کیونکہ موصوف اورصفت دونوں بصیغہ مذکر ہیں قولہ **العطف تابع** :۔عطف توابع کی قسم ثانی ہے جسکے لغوی معنی امالہ کے ہیں توابع کی اس قسم کوعطف بحرف اسلئے کہتے ہیں کہ حرف عطف اپنے مابعد کوماقبل کی طرف مائل کردیتا ہے اوراسکوعطف نسق بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے متبوع کے ساتھ نسق واحد پرہوتا ہے یعنی اسمیں معطوف اورمعطوف علیہ دونوں مقصود بالنسبت ہوتے ہیں قولہ **المعطوف** :۔شارح نے اس تفسیر میں اس امرکی طرف اشارہ کیا ہے کہ العطف مصدرہے جواسم مفعول کے معنی میں ہے اوراس پرتابع کاحمل ازقبیل حمل الذات علی الذات ہے اورعطف سے المعطوف مرادہونے پرقرینہ عرف ہے یعنی عرف میں جب مطلقاً لفظ عطف بولا جاتا ہے تواس سے مرادمعطوف ہوتا ہے اور بالحرف کے اضافہ سے اس امرکی طرف اشارہ کیا ہے کہ العطف سے مطلق عطف مرادنہیں بلکہ عطف بحرف مراد ہے جونحات بصرہ کی اصطلاح ہے قولہ **مقصود:** ۔شارح نے ای قصد سے تفسیر کرکے اس امرکی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں پرلفظ مقصودعمل کررہا ہے اسلئے کہ وہ اپنے موصوف پراعتماد کئے ہوئے ہے اوراس میں معنی حدث ہے اوراس سے زمانہ حال مراد ہے پھراسکی صیغہ ماضی کے ساتھ تفسیر کی اس سے یہ مرادنہیں کہ مقصود بمعنی ماضی ہے بلکہ بقصد تحقق وثبوت صیغہ ماضی کے ساتھ اسکی تفسیر کی ہے یعنی معطوف ایسا تابع ہے جسکی نسبت کسی چیز کی طرف مقصود ہوجیسے زید قائم وذاھب میں ذھاب کی نسبت زید کی طرف ہے یا معطوف وہ ہے جسکی طرف کسی چیز کی نسبت مقصود ہوجیسے جاءنی زید وعمرو میں مجیئت کی نسبت عمرو کی طرف ہے۔

قولہ **مررت بھذاالعالم** :۔اصل میں العالم اس جنس معرف باللام کی صفت ہے جواسم اشارہ کی صفت ہے ای بھذاالرجل العالم لیکن چونکہ اسم جنس کوبرائے اختصار

بالنسبة الواقعة فی الکلام فقوله بالنسبة متعلق بالقصد المفهوم من المقصود مع متبوعه ای کما یکون هو مقصود بتلک النسبة یکون متبوعه ایضا مقصودا بها نحو جاء نی زید وعمر وفعمرو تابع لانه معطوف علی زید قصد نسبة المجیء الیه بنسبة المجیء الواقعة فی الکلام وکما ان نسبة المجیء الیه مقصودة کذٰلک نسبته الی زید الذی هو متبوعه ایضا مقصودة فقوله مقصودا بالنسبة احترازعن غیر البدل من التوابع لانها غیر مقصودة بل المقصود متبوعاتها وقوله مع متبوعه احتراز عن البدل لانه المقصود دون متبوعه قیل یخرج بقوله مع متبوعه المعطوف بلا وبل ولکن وام واما واو لان المقصود بالنسبة معها احد الامرین

(نسبت کے ساتھ) جو واقع ہے کلام میں پس مصنف کا قول "بالنسبۃ" قصد سے متعلق ہے جو مقصود سے مفہوم ہو رہا ہے (اپنے متبوع کے ہمراہ) یعنی جیسے وہ اس نسبت کے ساتھ مقصود ہوتا ہے اس کا متبوع بھی اس نسبت کے ساتھ مقصود ہوتا ہے جیسے جاء نی زید وعمرو پس عمر تابع ہے کیونکہ وہ زید پر معطوف ہے قصد کی گئی ہے مجیٔ کی نسبت اسکی جانب اس نسبت مجیٔ سے جو کلام میں واقع ہے اور جس طرح مجیٔ کی نسبت اسکی طرف مقصود ہے اسی طرح اسکے متبوع زید کی طرف بھی مقصود ہے پس مصنف کا قول "مقصود بالنسبۃ" بدل کے علاوہ باقی توابع سے احتراز ہے کیونکہ وہ مقصود بالنسبۃ نہیں بلکہ اسکے متبوعات مقصود بالنسبۃ ہیں اور مصنف کا قول "مع متبوعہ" بدل سے احتراز ہے کیونکہ بدل خود مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اس کا متبوع نہیں ہوتا کہا گیا ہے کہ مصنف کے قول "مع متبوعہ" سے معطوف بلا اور معطوف بہ بل اور معطوف بلکن اور معطوف بام اور معطوف باما اور معطوف باو خارج ہوجائیگا کیونکہ ان کے ہمراہ احد الامرین مقصود ہوتا ہے

قولہ **بالنسبۃ**:۔ یہ جار مجرور قصد کے متعلق ہے جو لفظ مقصود سے مفہوم ہو رہا ہے یعنی معطوف ایسا تابع ہے جو اس نسبت سے مقصود ہو جو کلام میں پائی جاتی ہے چونکہ جار مجرور حقیقت میں مصدر کے متعلق ہوتا ہے اگرچہ بظاہر فعل اصطلاحی یا شبہ فعل کے متعلق ہوتا ہے اس لئے شارح نے حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بالنسبۃ قصد کے متعلق ہے جو مقصود سے مفہوم ہو رہا ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ جار مجرور مقصود کے متعلق ہے اس لئے اس صورت میں خود معطوف مقصود بالنسبت ہو جائیگا جبکہ مقصود معطوف کی نسبت ہوتی ہے۔ قولہ **مع متبوعہ**:۔ یعنی وہ معطوف اپنے متبوع کے ہمراہ مقصود بالنسبت ہو یعنی جس طرح کہ کلام میں واقع نسبت سے تابع یعنی معطوف مقصود ہو اسی طرح متبوع یعنی معطوف علیہ بھی مقصود ہو صرف اس قدر فرق ہو کہ متبوع اولا اور تابع ثانیا مقصود ہو جیسے جاءنی زید وعمرو میں لفظ عمرو تابع ہے کیونکہ وہ زید پر معطوف ہے اور آنے کی نسبت جس طرح کہ عمرو کی طرف مقصود ہے اسی طرح اسکے متبوع یعنی زید کیطرف بھی مقصود ہے۔ پس مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مقصود بالنسبۃ" بدل کے علاوہ باقی توابع سے احتراز ہے کیونکہ وہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتے بلکہ اسکے متبوعات مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں اور مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مع متبوعہ" بدل سے احتراز ہے کہ وہ خود مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے نہ کہ اسکا متبوع۔ قولہ **قیل یخرج**:۔ یہ مصنف علیہ الرحمۃ کی تعریف پر ایک اعتراض ہے جسکا حاصل

حذف کرکے اسم اشارہ کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے ھذا العالم کو اسم اشارہ کی صفت بنادیا گیا ہے۔

من التابع والمتبوع لا كلاهما واجيب بان المراد بكون المتبوع مقصودا بالنسبة ان لا يذكر لتوطية ذكر التابع وبكون التابع مقصودا بالنسبة ان لا يكون كالفرع على المتبوع من غير استقلال به ولا شك ان المعطوف والمعطوف عليه بتلك الحروف الستة مقصودان بالنسبة معا بهٰذا المعنى ولما تم الحد بما ذكره جمعا ومنعا اردفه لزيادة التوضيح بقوله يتوسط بينه اى بين ذلك التابع وبين متبوعه احد الحروف العشرة وسياتى تفصيلها فى قسم الحروف ان شاء الله تعالىٰ مثل قام زيد وعمرو

تابع اور متبوع سے نہ وہ دونوں اور جواب دیا گیا ہے کہ متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ تابع کے ذکر کیلئے بطور تمہید ذکر نہ کیا جائے اور تابع کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع پر فرع کی طرح نہ ہو یعنی تابع غیر مستقل نہ ہو اور اسمیں شک نہیں کہ ان حروف ستہ کے ساتھ معطوف اور معطوف علیہ اس معنی کے اعتبار سے ایک ساتھ مقصود بالنسبت ہوتے ہیں اور جب معطوف کی تعریف مصنف کے ذکر کردہ الفاظ سے تام ہوگئی جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے تو مصنف اسکے بعد زیادہ وضاحت کیلئے اپنا یہ قول لائے (متوسط ہوا سکے درمیان) یعنی اس تابع کے درمیان (اور اسکے متبوع کے درمیان دس حروف میں سے کوئی ایک اور عنقریب آئیگی) انکی تفصیل قسم حروف میں انشاء اللہ تعالیٰ (جیسے قام

یہ ہے کہ مصنف کے قول "مع متبوعہ" سے معطوف بلا، معطوف بَل، معطوف بلٰکن، معطوف بام، معطوف باِمّا اور معطوف باو یہ تمام خارج ہوگئے کہا کہ انمیں مقصود بالنسبۃ دونوں نہیں ہوتے بلکہ تابع اور متبوع میں سے کوئی ایک مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تعریف جامع ہے اسلئے کہ متبوع کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ تابع کے ذکر کیلئے بطور تمہید نہ آیا ہو جیسا کہ بدل میں ہوتا ہے اور تابع کے مقصود بالنسبۃ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع پر فرع کی طرح نہ ہو یعنی تابع غیر مستقل نہ ہو جیسے صفت ہوتی ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے معطوف بلا وغیرہ میں تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں کیونکہ عطف بہ لا میں معطوف علیہ ثبوتا اور معطوف نفیا مقصود ہوتا ہے اور معطوف ببل نفیا و ثبوتا مقصود ہوتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے اور معطوف بہ لٰکن میں دونوں مقصود ہوتے ہیں ایک ثبوتا اور دوسرا نفیا اور باقی تین حروف میں بھی دونوں مقصود بالنسبت ہوتے ہیں ایک ثبوتا اور دوسرا نفیا مگر ابہاما قولہ **ولما تم الحد** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کلام میں اصل اختصار ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ کو بھی پسند ہے پھر کیا وجہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے عطف بحرف کی جامع و مانع تعریف کرنے کے بعد اپنے قول "یتوسط بینہ الخ" کا اضافہ کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ اضافہ بے مقصد نہیں بلکہ اس سے مقصود مزید وضاحت ہے یعنی جب معطوف کی مذکورہ تعریف جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے مکمل ہوگئی تو مزید ایضاح کیلئے کہا **یتوسط الخ** جسکے معنی یہ ہیں کہ تابع اور متبوع کے درمیان دس حروف عطف میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے جیسے قام زید وعمرو میں واؤ حرف عطف موجود ہے۔

قولہ **یتوسط** :۔ یہ جملہ تابع کی صفت ہے اور بینہ کی ضمیر تابع کی جانب راجع ہے اور توسط بین کے معنی سے خالی ہے اور مطلق وقوع کے معنی میں ہے ای یقع بین التابع اور مصنف کا قول "بین متبوعہ" باعادہ خافض ضمیر مجرور پر معطوف ہے۔ قولہ **مثل قام زید وعمرو** :۔ یہ **تابع مقصود بالنسبۃ مع متبوعہ** اور **یتوسط الخ** دونوں کی مثال ہے۔ قولہ **ولما تم الحد** :۔ شارح کا یہ قول دو معنی کا محتمل ہے اول۔ یہ کہ یتوسط حکم ہے جو تعریف سے خارج ہے دوم۔ یہ کہ یہ تعریف میں داخل ہے۔

ولم یکتف بقوله تابع یتوسط بینه وبین متبوعه احد الحروف لان الحروف قد تتوسط بین الصفات مثل جاء نی زید العالم والشاعر والدبیر فالصفة الداخل علیها حرف العطف کالشاعر والدبیر لها جهتان احدهما کونها صفة لزید تابعة له بتبعیة المعطوف علیه واخرٰهما کونها معطوفا علی الصفة المتقدمة تابعة لها ویصدق علی هذه الصفة من جهتها الاولی انها تابعة لانها صفة لزید یتوسط بینها وبین زید حرف العطف لان توسط حرف العطف بین شیأین لا یلزم ان یکون لعطف الثانی علی الاول فلولم یکن قوله مقصودا بالنسبة مع متبوعه لدخل هذه الصفة من جهتها الاولیٰ فی حد المعطوف وهی من هذه الجهة لیست معطوفة فلم یبق مانعا

زید وعمرو) اور مصنف نے عطف کی تعریف میں تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ احد الحروف العشرة پر اکتفاء نہیں کیا اس لئے کہ حروف عطف کبھی صفات کے درمیان بھی آتے ہیں جیسے جاء نی زید العالم والشاعر والدبیر پس اس صفت کیلئے جس پر حرف عطف داخل ہے دو جہتیں ہیں ایک اسکا زید کی صفت اور اسکا تابع ہونا معطوف علیہ کی تبعیت سے جو صفت اولی ہے اور دوسرا اسکا صفت اولی پر معطوف اور اس صفت کا تابع ہونا ہے اور اس صفت پر پہلی جہت سے صادق آتا ہے کہ یہ تابع ہے کیونکہ یہ زید کی صفت ہے زید اور اس کی صفت کے درمیان حرف عطف ہے کیونکہ دو چیزوں کے درمیان حرف عطف کے توسط سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثانی کا اول پر عطف ہو پس اگر عطف کی تعریف میں مصنف کا قول "مقصود بالنسبة مع متبوعه" نہ ہوتا تو یہ صفت جہت اولی سے معطوف کی تعریف میں داخل ہو جاتی حالانکہ یہ اس جہت سے معطوف نہیں پس تعریف مانع نہ رہتی

قولہ **ولم یکتف** :۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اولا معطوف بحرف کی یہ تعریف کی ہے تابع مقصود الخ اور اس پر اکتفا نہیں کیا کہ تابع یتوسط الخ اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ حروف عطف کبھی صفات کے درمیان بھی آجاتے ہیں جیسے جاء نی زید العالم والشاعر والدبیر میں واؤ آیا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں حروف عطف سے صرف واؤ مراد ہے شارح نے مثال پر اکتفا کرتے ہوئے اسکی صراحت نہیں فرمائی۔ مذکورہ مثال میں لفظ الشاعر اور الدبیر بکسر دال بمعنی کاتب المعز زید کی صفت ہیں اور درمیان میں واؤ ہے۔ پس ان صفات کی دو حالتیں ہیں۔ اول۔ یہ کہ یہ دونوں زید کی صفت اور اسکے تابع ہوں اور اپنے معطوف علیہ کے واسطہ سے زید کے تابع ہوں جس طرح کہ العالم حرف عطف کے بغیر زید کی صفت اور اس کے تابع ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ یہ دونوں صفت متقدمہ یعنی العالم پر معطوف ہونے کیوجہ سے اسکے تابع ہوں تو پہلی حالت کے اعتبار سے ان صفات پر یہ صادق آتا ہے کہ یہ تابع ہیں کیونکہ زید کی صفات ہیں اور موصوف اور صفات کے درمیان حرف عطف ہے اس لئے کہ دو چیزوں کے درمیان حرف عطف آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثانی اول پر معطوف ہے کیونکہ واؤ استینافیہ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ شاعر اور دبیر زید کی صفات ہیں۔ جس طرح کہ واؤ نہ ہو تو زید کی صفات ہیں پس اگر معطوف کی تعریف میں مقصود بالنسبة الخ نہ ہوتا تو یہ صفات پہلی حالت کے اعتبار سے معطوف بحرف میں داخل ہو جاتیں اور تعریف مانع نہ رہتی کیونکہ اس حالت میں یہ صفات معطوف نہیں۔ کیونکہ دو چیزوں کے درمیان حرف عطف کا آنا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ ثانی اول پر معطوف ہے۔

وقيل قد جوّز الزمخشري وقوع الواو بين الموصوف والصفة لتاكيد اللصوق في مواضع عديدة من الكشاف وحكم المصنف في شرح المفصل في مباحث الاستثناء ان قوله تعالى ولها كتاب معلوم في قوله وما اهلكنا من قرية الا ولها كتاب معلوم صفة لقرية فلو اكتفى بقوله تابع يتوسط لدخل فيه مثل هذه الصفة ونقل عن المصنف انه قال في امالي الكافية ان العاقل في مثل جاء ني زيد العالم والعاقل تابع يتوسط بينه وبين متبوعه احد الحروف العشرة وليس بعطف على التحقيق وانما هو باق على ما كان عليه في الوصفية وانما حسن دخول العاطف لنوع من الشبه بالمعطوف لما بينهما من التغاير فلو حد العطف ككك لدخل فيه

اور کہا گیا ہے زمخشری نے کشاف کے متعدد مواضع میں موصوف اور صفت کے درمیان تاکید اتصال کیلئے واؤ کا واقع ہونا جائز قرار دیا ہے اور مصنف نے شرح مفصل میں مباحث استثناء میں بیان کیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ وما اھلکنا من قریۃ الا ولھا کتاب معلوم میں ولھا کتاب معلوم قریۃ کی صفت ہے پس اگر مصنف اپنے قول "تابع متوسط" پر اکتفاء کرتا تو اس جیسی صفت معطوف کی تعریف میں داخل ہوجاتی اور مصنف سے منقول ہے کہ انہوں نے امالی کافیہ میں کہا ہے کہ جاء نی زید العالم والعاقل میں العاقل تابع ہے اس کے اور اسکے متبوع کے درمیان حروف عشرہ میں سے ایک حرف متوسط ہے اور علی وجہ التحقیق یہ معطوف نہیں یہ تو اسی وصفیت پر باقی ہے جس پر پہلے تھا اور صفت پر حرف عطف کا دخول مستحسن ہے کہ صفت ایک طرح سے معطوف کے مشابہ ہے کہ ان دونوں میں تغایر ہے لہٰذا اگر عطف کی اسطرح تعریف کی جاتی تو اس میں

قولہ **وقيل قد جوّز** :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ کیا صفات کے درمیان حرف عطف آنے کو کسی شخصیت نے جائز رکھا ہے جسکا قول مستند ہو۔ قیل سے بتایا گیا کہ علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف کے مختلف مقامات میں یہ صراحت کی ہے کہ موصوف اور صفت کے درمیان واقع اتصال کی تاکید کیلئے حرف عطف آسکتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ویقولون سبعۃ وثامنھم کلبھم میں ثامنھم کلبھم ، سبعۃ کیلئے صفت ہے جسکے شروع میں تاکید اتصال کیلئے واؤ ہے نیز خود مصنف علیہ الرحمۃ نے شرح مفصل میں استثنا کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ وما اھلکنا من قریۃ الا ولھا کتاب معلوم میں ولھا کتاب معلوم ، قریۃ کی صفت ہے پس اگر مصنف علیہ الرحمۃ معطوف کی تعریف میں تابع متوسط بینہ الخ پر اکتفا کرتے اور اولا اسکی تعریف تابع مقصود الخ کے ساتھ نہ کرتے تو معطوف کی تعریف میں اسی صفت کا شمل پہلی جہت کے اعتبار سے داخل ہوجاتا اور تعریف مانع نہ رہتی قولہ **ونقل عن المصنف** :۔ اور مصنف علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ اس نے امالی کافیہ میں کہا ہے کہ جاء نی زید العالم والعاقل کی مثل میں العاقل تابع ہے کیونکہ العالم اور العاقل کے درمیان حرف عطف موجود ہے اگرچہ بظاہر یہ عطف ہے لیکن حقیقت میں یہ عطف نہیں بلکہ العاقل وصفیت سابقہ پر باقی ہے یہی وجہ ہے کہ اس مثال سے حرف عطف کا حذف بھی جائز ہے اور حرف عطف کا دخول صفت پر مستحسن ہے کہ صفت ایک طرح سے معطوف کے مشابہ ہے وہ یہ کہ جس طرح معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے موصوف اور صفت میں بھی مغایرت ہوتی ہے۔ پس اگر عطف کی تعریف **تابع یتوسط بینه الخ** کے ساتھ کی جاتی تو اس تعریف میں بعض صفات داخل ہوجاتیں حالانکہ

بعض الصفات مع انه ليس بمعطوف وقال بعضهم فيه نظر لان الحروف المتوسطة بينها عاطفة لدلالتها فيها على ما تدل عليه في غيرها من الجمع والترتيب وغير ذلك ففي جعلها غير عاطفة في الصفات وعاطفة في غيرها ارتكاب امر بعيد من غير ضرورة داعية اليه واذا عطف على الضمير المرفوع لا المنصوب والمجرور المتصل بارزا كان او مسترا لا المنفصل اكد بمنفصل اولا ثم عطف عليه وذلك لان المتصل المرفوع كالجزء مما اتصل به لفظا من حيث انه متصل لا يجوز انفصاله ومعنى من حيث انه فاعل والفاعل كالجزء من الفعل فلو عطف عليه بلاتاكيد كان كما لو عطف على بعض حروف الكلمة فاكدا ولا بمنفصل لانه بذلك يظهر ان ذلك المتصل وان كان كالجزء منفصل من حيث الحقيقة بدليل جواز افراده مما اتصل به بتاكيده فيحصل له نوع استقلال

بعض صفات داخل ہوجاتیں باوجود اس بات کے کہ وہ معطوف نہیں اور بعض نے کہا کہ اس قول میں نظر ہے کیونکہ صفات کے درمیان واقع ہونے والے حروف عاطفہ ہیں اس لئے کہ وہ حروف صفات میں بھی اسی چیز پر دلالت کرتے ہیں جس پر غیر صفات میں دلالت کرتے ہیں مثلاً جمع اور ترتیب وغیرہ سے پس صفات میں ان حروف کو غیر عاطفہ قرار دینے میں اور صفات کے غیر میں عاطفہ قرار دینے میں بلاضرورت داعیہ امر بعید کا ارتکاب ہے (اور جب عطف کیا جائے) ضمیر (مرفوع پر) نہ منصوب اور مجرور پر (جو متصل ہے) خواہ بارز ہو وہ ضمیر یا مستتر نہ کہ منفصل (تو ضمیر منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لائی جائیگی) پہلے پھر اس پر عطف کیا جائیگا اور یہ اس لئے کہ ضمیر مرفوع متصل جس سے متصل ہے اسکی جزء کی مانند ہے لفظاً اس اعتبار سے کہ وہ متصل ہے اس کا انفصال جائز نہیں اور معنی جزء ہے اس حیثیت سے کہ وہ فاعل ہے اور فاعل فعل سے جزء کی مانند ہے پس اگر تاکید کے بغیر اس پر عطف کیا جائے تو یہ ایسے ہوجائیگا جیسے کلمہ کے بعض حروف پر عطف کیا جائے لہذا اولاً ضمیر منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لائی جائیگی کیونکہ تاکید سے یہ ظاہر ہوجائیگا کہ یہ متصل اگرچہ جزء کی طرح ہے مگر حقیقت میں منفصل ہے اس دلیل سے کہ جس کے ساتھ ضمیر متصل ہے اس سے الگ کرنا مؤکد کرکے جائز ہے پس اس ضمیر متصل کیلئے ایک قسم کا استقلال حاصل ہوجائیگا

وہ معطوف نہیں. پس معطوف کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوتی قولہ **وقال بعضهم**۔ اور بعض نے کہا کہ اس جواب میں نظر ہے اس لئے کہ صفات کے درمیان آنے والے حروف، حروف عاطفہ ہی ہوتے ہیں کیونکہ یہ حروف صفات میں واقع ہوکر اسی چیز پر دلالت کرتے ہیں جس پر غیر صفات میں واقع ہوکر دلالت کرتے ہیں. مثلاً واؤ جمع پر دلالت کرتا ہے اور فاء ترتیب پر لہذا ان حروف کو غیر صفات میں عاطفہ اور صفات میں غیر عاطفہ قرار دینا بلاضرورت داعیہ امر بعید کا ارتکاب ہے. اور امر بعید سے مراد معنی مجازی ہے کیونکہ حرف عطف کا تاکید کیلئے ہونا معنی مجازی ہے. قولہ **واذا عطف**:۔ اور جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کا ارادہ کیا جائے تو اولاً ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لائی جائے پھر اس پر عطف

ولا يجوز ان يكون العطف على هذا التاكيد لان المعطوف في حكم المعطوف عليه فكان يلزم ان يكون هذا المعطوف ايضا تاكيدا وهو باطل فان كان الضمير منفصلا نحو ماضرب الا انت وزيد لم يكن كالجزء لفظا وكذا ان كان متصلا منصوبا نحو ضربتك وزيدا لم يكن كالجزء معنى فلا حاجة فيهما الى التاكيد بمنفصل مثل ضربت انا وزيد وزيد ضرب هو

اور یہ جائز نہیں کہ اس تاکید پر عطف کیا جائے اس لئے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے پس لازم آئیگا کہ یہ معطوف بھی تاکید ہو اور یہ باطل ہے اور اگر ضمیر منفصل ہو جیسے ماضرب الا انت وزید تو وہ لفظ کے اعتبار سے جزء کی مثل نہیں ہوگی اور اسی طرح اگر ضمیر متصل منصوب ہو جیسے ضربتک وزیدا تو وہ جزء کی طرح نہیں معنی کے اعتبار سے لہذا ان دونوں میں تاکید بالمنفصل کی حاجت نہیں (جیسے ضربت انا وزید) اور زید ضرب ھو

کیا جائے۔ تاکید لانے کیوجہ یہ ہے کہ ضمیر مرفوع جسکے ساتھ متصل ہوتی ہے لفظ اور معنی کے اعتبار سے اسکے جز کی مانند ہوتی ہے لفظ کے اعتبار سے تو اسلئے کہ اس سے متصل ہوتی ہے اور اس کا انفصال جائز نہیں ہوتا اور معنی کے اعتبار سے اس لئے کہ ضمیر متصل فاعل ہوتی ہے اور فاعل، فعل سے بمنزلہ جز کے ہوتا ہے۔ پس بلا تاکید ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا کلمہ کے بعض حروف پر عطف کرنے کی مثل ہو جائیگا جو جائز نہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ ضمیر متصل کلمہ کے جز کے مرتبہ میں ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ غیر مستقل ہے اور غیر مستقل ضعیف ہوتا ہے جبکہ معطوف مستقل اور قوی ہے لہذا بلا تاکید عطف کرنے سے قوی کا عطف ضعیف پر لازم آئیگا پھر متبوع کا مرتبہ کم ہو جائیگا اور تابع ارفع واعلیٰ اور یہ قبیح ہے لیکن ضمیر متصل تاکید بالمنفصل کی وجہ سے مستقل بنفسہ اور قوی ہو جائیگی۔ پس اولا ضمیر منفصل سے تاکید لانے سے یہ ظاہر ہو جائیگا کہ یہ ضمیر اگرچہ فعل سے جز کی مانند ہے مگر حقیقت میں منفصل اور جداگانہ کلمہ ہے بایں دلیل کہ ضمیر منفصل سے تاکید کر کے اسکو فعل سے الگ کرنا جائز ہے۔ پس اس ضمیر متصل کو تاکید کی وجہ سے ایک قسم کا استقلال حاصل ہو جائیگا جسکی وجہ سے اس پر عطف ہو سکے گا۔ قولہ **ولا يجوز**:۔ یہ ایک وہم کا ازالہ ہے وہ یہ کہ تاکید عین مؤکد ہوتی ہے لہذا مؤکد کی مثل تاکید پر بھی عطف جائز ہونا چاہئے بلکہ اولیٰ ہونا چاہئے۔ شارح نے اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تاکید پر عطف جائز نہیں اسلئے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے جس سے لازم آئیگا کہ یہ معطوف بھی ضمیر متصل کی تاکید ہے اور یہ باطل ہے۔ قولہ **فان کان**:۔ یعنی اگر ضمیر منفصل ہو جیسے ماضرب الا انت وزید تو اس پر عطف بلا تاکید جائز ہے اس لئے کہ وہ فعل سے لفظا جز کی مانند نہیں اسی طرح ضمیر متصل منصوب پر بھی بلا تاکید عطف جائز ہے جیسے ضربتک وزیدا کیونکہ یہ معنی کے اعتبار سے فعل سے جز کی مانند نہیں ہوتی۔ قولہ **مثل ضربت انا وزید**:۔ اس مثال میں تاکید کے بعد ضمیر متصل پر لفظ زید کا عطف کیا گیا ہے چونکہ شارح نے المتصل میں تعمیم کی تھی کہ وہ بارز ہو یا مستتر اسلئے شارح نے ضمیر مستتر کی مثال کا اضافہ کیا جو زید ضرب ھو وغلامہ ہے۔ کیونکہ ضرب میں ضمیر مستتر ہے جسکو ھو سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ھو ضمیر منفصل اسکی تاکید ہے

قولہ **مثل ضربت انا وزید**:۔ اس مثال میں لفظ زید ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا گیا ہے اور صحت عطف کی شرط یعنی تاکید بالمنفصل موجود ہے اس لئے یہ عطف جائز ہے رہی یہ بات کہ تاکید کی دو قسمیں ہیں اول۔ تاکید لفظی جو کہ لفظ کے تکرار سے حاصل ہوتی ہے اور یہاں پر لفظ کا تکرار نہیں ہے اور دوم۔ تاکید معنوی جو کہ مخصوص الفاظ سے ہوتی ہے اور یہاں پر ان الفاظ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے تو کلمہ انا ضمیر متصل کی کیسے تاکید بنی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تکرار لفظ ہے اس لئے کہ ضمیر متصل اور ضمیر منفصل دونوں کا مصداق ایک ہے یعنی ذات متکلم صرف اس قدر فرق ہے کہ ایک ضمیر متصل کے لباس میں اور دوسری منفصل کے لباس میں۔ گویا کہ یہ تاکید کی قسم اول ہے۔

﴿فائدہ﴾ شارح کے قول "فکان یلزم" میں کان زائدہ ہے اور عبارت کے معنی ہیں فیلزم کما فی المحرم یا کان کا اسم ضمیر شان ای فکانہ کما قال الفاضل جمال الدین۔

وغلامه الا ان يقع فصل بين الضمير المرفوع المتصل وبين ماعطف عليه فيجوز تركه اى ترك التاكيد لانه قد طال الكلام بوجود الفصل فحسن الاختصار بترك التاكيد سواء كان الفصل قبل حرف العطف نحو ضربت اليوم وزيد او بعده كقوله تعالىٰ ما اشركنا ولا آباؤنا فان المعطوف هو آباؤنا ولا زائدة بعد حرف العطف لتاكيد النفى وانما قال يجوز تركه فانه قد يؤكد بالمنفصل مع الفصل كقوله تعالىٰ فكبكبوا فيها هم والغاوٗن وقد لا يؤكد والامران متساويان هذا واعلم ان مذهب البصريين ان التاكيد بالمنفصل هو الاولىٰ ويجوزون العطف بلا تاكيد ولا فصل لكن على قبح والكوفيون يجوزونه بلا قبح

وغلامه (مگر یہ کہ فصل واقع ہوجائے) ضمیر مرفوع اور اسکے درمیان جو عطف کیا جارہا ہے اس پر (پس اسکا ترک جائز ہے) یعنی تاکید کا ترک کیونکہ فصل پائے جانے کی وجہ سے کلام طویل ہوگیا لہٰذا ترک تاکید کے ساتھ اختصار مستحسن ہوگیا خواہ فصل حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم وزید یا حرف عطف کے بعد جیسے ارشاد باری تعالیٰ ما اشرکنا ولا آباؤنا کیونکہ معطوف آباؤنا ہے اور کلمہ لا زائدہ ہے حرف عطف کے بعد برائے تاکید نفی، اور مصنف نے یجوز ترکہ کہا اس لئے کہ کبھی فصل کے باوجود ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائی جاتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ فکبکبوا فیہا ھم والغاوون اور کبھی تاکید نہیں لائی جاتی اور دونوں امر برابر ہیں اور جان لو کہ بصریین کا مذہب یہ ہے کہ تاکید بالمنفصل اولیٰ ہے اور وہ تاکید اور فصل کے بغیر بھی عطف جائز قرار دیتے ہیں لیکن قباحت پر اور کوفیین بلا قبح اسے جائز قرار دیتے ہیں

قولہ **الا ان یقع**:۔ یہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "اکد اولا بالمنفصل" سے استثناء ہے یعنی اگر ضمیر مرفوع متصل اور اس پر معطوف کئے جانے والے کے درمیان فصل ہو تو ترک تاکید بھی جائز ہے کیونکہ فصل کی وجہ سے کلام طویل ہوگیا جسمیں اختصار برائے تخفیف مستحسن ہے خواہ وہ فصل حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم وزید یا بعد ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ما اشرکنا ولا آباؤنا اس ارشاد میں آباؤنا معطوف ہے اور حرف عطف کے بعد کلمہ لا زائدہ ہے جو نفی کو مؤکد کررہا ہے اور یہ ضمیر اور معطوف کے درمیان فاصل ہے۔ قولہ **وانما قال یجوز**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ فصل چونکہ تاکید کے قائم مقام ہے لہٰذا ترک تاکید کو واجب ہونا چاہئے نہ کہ مستحسن۔ شارح نے جواب دیا کہ فصل کے ہوتے ہوئے بھی تاکید بالمنفصل آئی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ فکبکبوا فیہا ھم والغاوون میں فیہا کے ساتھ فصل کے باوجود تاکید بالمنفصل آئی ہے یعنی الغاوون کو ضمیر جمع پر عطف کیا گیا ہے اور فیہا سے فصل کے باوجود ہم ضمیر منفصل کے ساتھ ضمیر متصل کی تاکید لائی گئی ہے اور فصل کے ہوتے ہوئے ترک تاکید بھی آئی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ فاستقم کما امرت ومن تاب معک میں من تاب معطوف ہے اور اسمیں صرف فصل ہے تاکید بالمنفصل نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ تاکید بالمنفصل وعدم تاکید دونوں مساوی ہیں۔ قولہ **واعلم**:۔ اس عبارت میں شارح یہ بیان کررہے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "اکد بالمنفصل" سے جو وجوب مفہوم ہورہا ہے اس سے وجوب قطعی مراد نہیں بلکہ وجوب استحسانی مراد ہے۔ جس پر قرینہ مصنف کا قول "فیجوز ترکہ" ہے اور یہ نحات بصرہ کا مذہب ہے جنکے نزدیک عدم فصل کے وقت تاکید بالمنفصل اولیٰ ہے اور وہ تاکید اور فصل کے بغیر بھی عطف کو جائز قرار دیتے

واذا عطف على الضمير المجرور اعيد الخافض حرفا كان او اسما لان اتصال الضمير المجرور بجاره اشد من اتصال الفاعل المتصل بالفعل لان الفاعل ان لم يكن ضميرا متصلا جاز انفصاله والمجرور لا ينفصل من جاره فكره العطف عليه اذ يكون كالعطف على بعض حروف الكلمة وليس للمجرور ضمير منفصل كما يجئ في المضمرات حتى يؤكد به اولا ثم يعطف عليه كما عمل في المرفوع المتصل وفي استعارة المرفوع له مذلة ولا يكتفي بالفصل لان الفصل لا تاثير له الا في جواز ترك التاكيد بالمنفصل للاختصار

(اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو جار کو لوٹایا جائیگا) خواہ جار حرف ہو یا اسم ہو کیونکہ ضمیر مجرور کا اپنے جار کے ساتھ اتصال اس فاعل کے اتصال سے اشد ہے جو فعل کے ساتھ متصل ہے اسلئے کہ فاعل اگر ضمیر متصل نہ ہو تو اس کا انفصال جائز ہے اور مجرور اپنے جار سے جدا نہیں ہوتا پس ضمیر مجرور پر عطف مکروہ ہے کیونکہ یہ کلمہ کے بعض حروف پر عطف کی مانند ہے اور مجرور کیلئے ضمیر منفصل نہیں ہے جس طرح کہ مضمرات میں آئیگا کہ ضمیر منفصل کے ساتھ اولا اسکو مؤکد کیا جائے پھر اس پر عطف کیا جائے جس طرح کہ مرفوع متصل میں عمل کیا گیا ہے اور اس کیلئے ضمیر مرفوع کو مستعار لینے میں مرفوع کی ذلت ہے ۔اور فصل پر اکتفاء نہیں کیا جائیگا کیونکہ فصل کی تاثیر صرف ترک تاکید بالمنفصل کے جواز میں ہے اختصار کیلئے

ہیں لیکن یہ قبیح ہے کیونکہ خلاف اولی ہے ۔اور نحات کوفہ اسکو بلا قبح جائز مانتے ہیں قولہ **واذا عطف** :۔اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو جار کا اعادہ کیا جائیگا خواہ وہ جار حرف ہو یا اسم ۔وجہ یہ ہے کہ ضمیر مجرور کا اپنے جار کے ساتھ اتصال اس اتصال سے اشد ہے جو فاعل کو فعل کے ساتھ ہوتا ہے اسلئے کہ فاعل اگر اسم ظاہر ہو یا ضمیر منفصل تو اسکا فعل سے انفصال جائز ہے لیکن مجرور اپنے جار سے کسی صورت میں منفصل نہیں ہوتا خواہ اسم مجرور اسم ظاہر ہو یا ضمیر لہٰذا اعادہ خافض کے بغیر ضمیر مجرور پر عطف مکروہ ہے کیونکہ یہ کلمہ کے بعض حروف پر عطف کرنے کی مثل ہے جو جائز نہیں قولہ **وليس للمجرور** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف کیلئے خافض کا اعادہ کیا جاتا ہے ضمیر منفصل کے ساتھ اسکی تاکید کیوں نہیں کی جاتی ۔شارح نے جواب دیا کہ ضمیر مجرور منفصل ہوتی ہی نہیں کہ اسکے ساتھ اولا تاکید کی جائے پھر ضمیر مجرور متصل پر عطف کیا جائے جس طرح کہ ضمیر مرفوع متصل میں کیا گیا ہے ۔قولہ **وفي استعارة المرفوع** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور منفصل نہیں ہے تو ضمیر مرفوع منفصل کو عاریۃ لے کر اسکے ساتھ ضمیر مجرور متصل کی تاکید کر لی جائے اور پھر اس پر عطف کیا جائے ایسا کیوں نہیں کیا گیا ۔شارح نے جواب دیا کہ ضمیر مرفوع کو مستعار لے کر مجرور کی جگہ استعمال کرنے میں ضمیر مرفوع کی ذلت اور اہانت ہے کیونکہ اعلیٰ کو ادنیٰ کی جگہ استعمال کرنے میں اعلیٰ کی ذلت ہوتی ہے بالخصوص جبکہ اعلیٰ کو ادنیٰ کا تابع بنا کر ذکر کیا جائے ۔قولہ **ولا يكتفي بالفصل** :۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف کرنے کیلئے فصل پر کیوں اکتفاء نہیں کیا گیا ۔شارح نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فصل کی تاثیر یہ ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے تاکید بالمنفصل کو برائے اختصار ترک کیا جاتا ہے اور جہاں تاکید بالمنفصل ممکن ہی نہ ہو بوجہ عدم وجود منفصل کے تو وہاں فصل کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ فصل تو تاکید بالمنفصل کا خلیفہ ہے ۔پس جب اصل نہیں ہے تو خلیفہ کیسے ہوگا لہٰذا عامل اول کے اعادہ کے

فحیث لا یمکن التاکید بالمنفصل لعدمه لا یتصور له اثر فکیف یکتفی به فلم یبق الا اعادة العامل الاول نحو مررت بک وبزید والمال بینی وبین زید فالمعطوف هو المجرور والعامل مکرر وجره بالاول والثانی کالعدم معنی بدلیل قولهم بینی وبینک اذ بین لا یضاف الا الی المتعدد وقیل جره بالثانی کمافی الحرف الزائد فی کفی بالله وهذ الذی ذکرناه اعنی لزوم اعادة الجار فی حال السعة والاختیار مذهب البصریین ویجوز عندهم ترکها اضطرارا واجاز الکوفیون ترک الاعادة فی حال السعة مستدلین بالاشعار

پس جہاں تاکید بالمنفصل ممکن ہی نہیں منفصل کے عدم وجود کی وجہ سے تو وہاں فصل کا کوئی اثر متصور نہیں تو فصل پر اکتفاء کیسے کیا جائیگا پس عامل اول کا اعادہ ہی باقی رہ گیا (جیسے مررت بک وبزید) اور المال بینی وبین زید پس معطوف وہ مجرور ہے اور عامل مکرر ہے اور معطوف کی جر عامل اول کی وجہ سے ہے اور عامل ثانی معنی کالعدم ہے بدلیل عرب کے قول 'بینی وبینک' کے کیونکہ کلمہ بین متعدد ہی طرف مضاف ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ معطوف کی جر ثانی کی وجہ سے ہے جیسے کفی باللہ میں حرف زائد میں اور یہ جو ہم نے ذکر کیا یعنی لزوم اعادہ جار حالت سعہ اور اختیار میں بصریین کا مذھب ہے اور انکے نزدیک بحالت مجبوری ترک اعادہ جار بھی جائز ہے اور کوفیین نے ترک اعادہ صحہ کلام میں بھی جائز رکھا اشعار کے ساتھ استدلال کرتے ہوئے

سوا کوئی چارہ نہیں۔قولہ **نحو مررت بک وبزید**:۔یہ ضمیر مجرور پر بوقت عطف اعادہ جار کی مثال ہے اور المال بینی وبین زید، مجرور باسم پر عطف کی مثال ہے جس میں مضاف کا اعادہ کیا گیا ہے۔قولہ **فالمعطوف هوالمجرور**:۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ متن کی مثال سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اسمیں کاف ضمیر مجرور معطوف علیہ ہے اور بزید یعنی جار مجرور کا مجموعہ معطوف ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ عطف کیلئے ضروری ہے کہ معطوف کو معطوف علیہ کی جگہ رکھنا صحیح ہو اور یہاں بزید کو کاف ضمیر کی جگہ رکھنا صحیح نہیں ورنہ حرف جار مکرر ہو جائیگا اور حرف کا حرف پر داخل ہونا لازم آئیگا۔شارح نے جواب دیا کہ متن کی مثال میں معطوف صرف مجرور یعنی لفظ زید ہے اور عامل مکرر ہے اور معطوف کا جر عامل اول کی وجہ سے ہے اور عامل ثانی معنی کے اعتبار سے کالعدم ہے جسکو محض صحت عطف کیلئے لایا گیا ہے اور ثانی معنی اس لئے کالعدم ہے کہ وہ زائدہ ہے اور زائدہ کا معنی میں اثر نہیں ہوتا اسی طرح شرح کی مثال یعنی المال بینی وبین زید میں معطوف صرف مجرور ہے اور بین ثانی کے کالعدم ہونے پر عرب کا قول "المال بینی وبینک" دلیل ہے۔جسکی تفصیل یہ ہے کہ لفظ بین متعدد کی طرف مضاف ہوتا ہے اور یہ تعدد اسوقت متصور ہے جب بین ثانی کو کالعدم قرار دیا جائے تاکہ بین اول یاء ضمیر اور لفظ زید یعنی متعدد کی طرف مضاف قرار دیا جاسکے جس طرح کہ المال بینی وبینک میں لفظ بین یاء اور کاف کی طرف مضاف ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زید کا جر عامل ثانی کی وجہ سے ہے۔جس طرح کہ ارشاد باری تعالی کفی باللہ میں اسم جلالت کا جر باء زائدہ کی وجہ سے ہے۔قولہ **وهذاالذی ذکرناه**:۔اور یہ اعادہ جار کا لزوم جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ حالت سعہ واختیار میں بصریین کا مذھب ہے جنکے نزدیک بحالت ضرورت ترک اعادہ جار بھی جائز ہے لیکن قبیح لیکن نحات کوفہ کے نزدیک حالت سعہ میں بغیر قبح کے ترک اعادہ جائز ہے جنہوں نے چند اشعار سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب ترک اعادہ نظم کلام میں جائز ہے تو نثر میں بھی اس سے کوئی مانع نہیں۔

فان قیل کیف جاز تاکید المرفوع المتصل فی نحو جاؤنی کلھم والابدال منه نحو اعجبتنی جمالک من غیر شرط تقدم التاکید بالمنفصل وجاز ایضا تاکید الضمیر المجرور فی نحو مررت بک نفسک والابدال منه نحو عجبت بک جمالک من غیر اعادۃ الجار ولم یجز العطف فی الاول الابعد التاکید بالمنفصل وفی الثانی الامع اعادۃ الجار قلنا التاکید عین المؤکد والبدل فی الاغلب اما کل المتبوع او بعضه او متعلقه والغلط قلیل نادر فھما لیسا باجنبیین لمتبوعھما ولا منفصلین عنه لعدم تخلل فاصل بینھما وبین متبوعھما فلا حاجة فی ربطھما الی متبوعھما الی تحصیل مناسبة زائدۃ بخلاف العطف فان المعطوف یغایر المعطوف علیه ویتخلل بینھما العاطف فلا بد فیه من تحصیل مناسبة بینھما بتاکید المتصل بالمنفصل فی المرفوع وباعادۃ الجار فی المجرور لیخرج المتصل المرفوع عن صرافة الاتصال

پس اگر سوال کیا جائے کہ جاؤنی کلھم کے مثل میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید اور اعجبنی جمالک میں ضمیر مرفوع متصل سے بدل تقدم تاکید بالمنفصل کی شرط کے بغیر کیسے جائز ہو گیا اور نیز مررت بک نفسک کے مثل میں ضمیر مجرور کی تاکید اور عجبت بک جمالک کے مثل میں اس کا ابدال بغیر اعادہ جار کے کیسے جائز ہو گیا حالانکہ اول میں عطف جائز نہیں مگر تاکید بالمنفصل کے بعد اور ثانی میں اعادہ جار کے بعد تو ہم جواب دیں گے کہ تاکید عین مؤکد ہے اور بدل اغلب میں یا متبوع کا کل ہے یا بعض یا اس کا متعلق اور بدل الغلط نادر و قلیل ہے۔ پس وہ دونوں اپنے متبوع کے اجنبی نہیں اور نہ اس سے جدا ہیں کیونکہ ان کے اور ان کے متبوع کے درمیان کوئی فاصل حائل نہیں لہٰذا ان دونوں کو ان کے متبوع کے ساتھ مربوط بنانے کیلئے مناسبت زائدہ کی حاجت نہیں بخلاف عطف کے کہ معطوف، معطوف علیہ کا مغایر ہوتا ہے اور ان کے درمیان عاطف فاصل ہوتا ہے لہٰذا اس میں مناسبت زائدہ کی تحصیل ضروری ہے ضمیر مرفوع میں تاکید بالمنفصل کے ساتھ اور اعادہ جار کے ساتھ ضمیر مجرور میں تاکہ ضمیر مرفوع متصل اتصال محض سے نکل

قولہ **فان قیل**:۔ یعنی اگر اعتراض کیا جائے کہ ضمیر مجرور متصل پر عطف کرنے یا اس سے تاکید اور بدل لانے میں کوئی فرق نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ عطف کیلئے تو تاکید بالمنفصل ضروری ہے اور تاکید و بدل کیلئے تاکید ضروری نہیں جیسے القوم جاؤنی کلھم اور اعجبنی جمالک یہ دونوں ترکیبیں جائز ہیں اسی طرح ضمیر مجرور کی تاکید یا اس سے بدل بنانا بغیر اعادہ جار کے جائز ہے لیکن عطف جائز نہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح فرماتے ہیں کہ ہم یہ جواب دیں گے کہ تاکید اپنے مؤکد کا عین ہوتی ہے اور بدل زیادہ تر متبوع کا کل یا بعض یا متعلق ہوتا ہے اور بدل الغلط قلت اور ندرت کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے پس وہ دونوں یعنی تاکید اور بدل نہ متبوع کیلئے اجنبی ہوتے ہیں اور نہ متبوع سے جدا کیونکہ یہاں تابع اور متبوع میں کوئی فاصل اور مخل نہیں ہوتا لہٰذا تاکید و بدل کو متبوع سے مربوط بنانے کیلئے کسی مناسبت زائدہ کی ضرورت نہیں بخلاف عطف کے کہ وہاں معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے اور وہاں عاطف مخل اور فاصل بھی ہوتا ہے لہٰذا بصورت عطف مناسبت پیدا کرنے کیلئے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید منفصل

ويناسب المعطوف عليه بتاكيده بالمنفصل وقوى مناسبة المجرور بانضمام الجار اليه كما في المعطوف عليه والمعطوف في حكم المعطوف عليه فيما يجوز له ويمتنع من الاحوال العارضة له نظرا الى ماقبله بشرط ان لا يكون ما يقتضيها منتفيا في المعطوف وانما قلنامن الاحوال العارضة له نظرا الى ماقبله احترازا عن الاحوال العارضة له من حيث نفسه كالاعراب والبناء والتعريف والتنكير والافراد والتثنية والجمع فان المعطوف فيها ليس في حكم

جائے اور معطوف علیہ کے مناسب ہوجائے اور مجرور کی مناسبت قوی ہوجائے اس کی طرف جار کے ملانے کے ساتھ جیسے معطوف علیہ میں (اور معطوف ،معطوف علیہ کے حکم میں ہے) ان میں جو معطوف علیہ کیلئے جائز ہیں اور ممتنع ہیں ان احوال سے جو معطوف علیہ کو اس کے ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے عارض ہوتے ہیں بشرطیکہ ان احوال کا مقتضی معطوف میں منتفی نہ ہو اور ہم نے کہا ان احوال سے جو معطوف علیہ کو اس کے ماقبل کی جانب نظر کرتے ہوئے عارض ہوتے ہیں احتراز کیلئے ان احوال سے جو معطوف علیہ کو من حیث النفس عارض ہوتے ہیں جیسے اعراب اور بناء اور تعریف اور تنکیر اور افراد اور تثنیہ وجمع کیونکہ ان امور میں معطوف ،معطوف علیہ کے حکم میں نہیں

کے ساتھ یا فاصلہ ضروری ہے اور ضمیر مجرور پر عطف کیلئے اعادہ جار ضروری ہے تاکہ ضمیر مرفوع متصل تاکید کی وجہ سے اتصال محض سے نکل کر اس اسم سے مناسب ہوجائے جس کا ضمیر متصل پر عطف کیا گیا ہے گویا کہ وہ ضمیر متصل نہیں بلکہ منفصل ہے اور ضمیر مجرور پر عطف کی صورت میں اعادہ جار ضروری ہے تاکہ اس کی وجہ سے معطوف کی معطوف علیہ کے ساتھ مناسبت قوی ہوجائے کہ جس طرح معطوف علیہ میں جار ہے معطوف میں جار ہے چونکہ یہ مناسبت معطوف ومعطوف علیہ میں اعادہ جار سے پہلے ہے تو وہ اعادہ جار سے قوی ہوجائے گی اور اسی وجہ سے صیغہ ماضی لائے **قولہ والمعطوف** :۔ اور معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے مثلا معطوف علیہ میں ضمیر ہو تو معطوف میں بھی واجب ہے .شارح نے فی ما یجوز لہ ویمتنع کا اضافہ کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ کبھی معطوف معرفہ ہوتا ہے اور معطوف علیہ نکرہ اور کبھی اس کا برعکس اسی طرح معطوف کبھی غیر منصرف ہوتا ہے اور معطوف علیہ منصرف اور کبھی اسکا برعکس لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کا قول **والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ** صحیح نہ ہوا شارح نے جواب دیا کہ معطوف ان احوال میں معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے جو معطوف علیہ کے ذاتی احوال نہیں بلکہ اسکو ماقبل یعنی عامل کی وجہ سے عارض ہوتے ہیں اور معترض نے جو احوال ذکر کیے ہیں یعنی تعریف وتنکیر وغیرہ یہ معطوف علیہ کے ذاتی احوال ہیں عامل کی وجہ سے اسکو عارض نہیں ہوتے اور مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد یہ ہے کہ عامل کی وجہ سے جو چیز معطوف علیہ میں جائز ہوتی ہے وہ معطوف میں بھی جائز ہوتی ہے اور جو چیز معطوف علیہ میں ممتنع ہوتی ہے وہ معطوف میں بھی ممتنع ہوتی ہے مثلا جاءنی زید وعمرو میں لفظ زید کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع جائز اور نصب ممتنع ہے تو عمرو کو بھی رفع جائز اور نصب ممتنع ہے لہذا تعریف وتنکیر اور افراد ،تثنیہ اور جمع میں معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوگا .**قولہ كالاعراب والبناء** :۔ یہاں پر اعراب سے مراد مقابل بناء ہے جو اسم کو اسکی ذات کی وجہ سے عارض ہوتا ہے یعنی معرب ہونا اور ظاہر ہے کہ یہ کلمہ کی ذاتی حالت ہے اسکو عارض نہیں ہوتی اس سے مراد وہ اعراب نہیں جو کلمہ کو عامل کی جانب نظر کرتے ہوئے حاصل ہوتا ہے .**قولہ والتنكير** :۔ یعنی اکثر وبیشتر تنکیر کلمہ کو اسکی ذات کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے مگر کبھی ماقبل کی وجہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کلمہ ربّ کے مجرور کو تنکیر ربّ کی وجہ سے

المعطوف علیه وانما قلنا بشرط ان لا یکون ما یقتضیها منتفیا فی المعطوف احترازا عن مثل
قولنا یارجل والحارث فان الحارث معطوف علی الرجل ولیس فی حکمه من حیث تجرده
عن اللام فان ما یقتضی تجرده عن اللام هو اجتماع اللام وحرف النداء وهو مفقود فی
المعطوف واما نحو رب شاة وسخلتها فبتقدیر التنکیر لقصد عدم التعیین ای رب شاة
وسخلة لها او محمول علی نکارة الضمیر کربه رجلا علی الشذوذ ای رب شاة وسخلة
شاة وکذا المعطوف فی حکم المعطوف علیه فی احوال عارضة له بالنظر الی نفسه وغیره ان
کان المعطوف مثل المعطوف علیه فلذا وجب بناء المعطوف فی نحو یا زید وعمر و

اور ہم نے کہا بشرط ان لا یکون الخ احتراز کیلئے یارجل والحارث کے مثل سے کیونکہ حارث رجل پر معطوف ہے حالانکہ اس کے حکم میں نہیں مجرد عن اللام ہونے کے اعتبار سے کیونکہ رجل کے مجرد عن اللام ہونے کی جو چیز مقتضی ہے وہ لام اور حرف ندا کا اجتماع ہے اور وہ معطوف میں مفقود ہے اور بہر حال رُبّ شاة وسخلتها کا مثل تو وہ عدم تعیین کے قصد کی وجہ سے تنکیر کی تاویل میں ہے یعنی رب شاة وسخلة لها یا ضمیر کے نکرہ ہونے پر محمول ہے جیسے ربہ رجلا بنا بر شذوذ کے ای رب شاة وسخلة شاة اور اسی طرح معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ان احوال میں جو معطوف علیہ کو باعتبار اسکی ذات اور غیر ذات کے عارض ہوتے ہیں اگر معطوف، معطوف علیہ کی مثل ہو اور اسی وجہ سے یا زید وعمرو کے مثل میں معطوف کی بناء واجب ہے

عارض ہوتی ہے۔ قولہ **وانما قلنا بشرط:۔** یعنی ہم نے یہ قید بڑھائی تاکہ ہمارے قول **یارجل والحارث** سے احتراز ہو جائے کیونکہ اس قول میں الحارث رجل پر معطوف ہے مگر اسکے حکم میں نہیں یعنی مجرد عن اللام نہیں اسلئے کہ رجل کے مجرد عن اللام کی وجہ حرف ندا اور لام تعریف کا اجتماع ہے جو الحارث میں مفقود ہے اسلئے الحارث کے معرف باللام ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ قولہ **واما نحو رب شاة:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ" صحیح نہیں اس لئے کہ رب شاة وسخلتها میں سخلتها اپنے معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ اسکا معطوف علیہ یعنی لفظ شاة نکرہ ہے جس پر کلمہ رب کا داخل ہونا درست ہے لیکن معطوف معرفہ ہے جس پر رب کا داخل ہونا درست نہیں کہ رب نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ شارح نے اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں، اول۔ یہ کہ اس مثال میں بھی معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہے یعنی معطوف پر بھی لفظ رب کا داخل ہونا صحیح ہے کیونکہ سخلتها نکرہ کی قوت میں ہے یعنی اسمیں اضافت برائے عہد ذہنی ہے اور سخلة سے متکلم کی مراد کوئی غیر معین سخلہ ہے دوم۔ یہ کہ سخلتها کی ضمیر نکارت پر محمول ہے یعنی ضمیر کا مرجع غیر معین شاة ہے لہذا یہ ضمیر بطریق شذوذ نکرہ ہے جسکی طرف اضافت کی وجہ سے لفظ سخلة معرفہ نہیں ہوا جس طرح کہ ربہ رجلا کی ضمیر نکرہ ہے پس اس مثال میں بھی معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہے۔ قولہ **وکذا المعطوف:۔** اور اسی طرح معطوف علیہ کے وہ احوال جو اسکو ذات اور غیر کے اعتبار سے عارض ہوتے ہیں انمیں معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اگر معطوف افراد اور تعریف میں معطوف علیہ کی مثل ہو یہی وجہ ہے کہ یا زید وعمرو میں معطوف کی بنا واجب ہے اسلئے کہ زید کی بنا علی الضم حرف ندا کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے بھی ہے کہ زید فی نفسہ مفرد معرفہ ہے اور عمرو جو زید پر معطوف ہے وہ

لان ضم زید بالنظر الی حرف النداء والی کونه مفردا معرفة فی نفسه وعمر ومثل زید فی کونه مفردا معرفة وامتنع بناؤه فی یا زید وعبدالله فان عبدالله لیس مثل زید فان زیدا مفرد معرفة وعبدالله مضاف ومن ثم ای ومن اجل ان المعطوف فی حکم المعطوف علیه فیما یجوز ویمتنع لم یجز فی ترکیب ما زید بقائم او قائما ولا ذاهب عمرو الا الرفع فی ذاهب اذ لو نصب او خفض لکان معطوفا علی قائم او قائما فیکون خبرا عن زید وهو ممتنع لخلوه عن الضمیر الواقع فی المعطوف علیه العائد الی اسم ما فتعین الرفع علی ان یکون خبرا مقدما علی المبتدأ وهو عمرو یکون من قبیل عطف الجملة علی الجملة ولا مانع منه ولما کان للقائل ان یقول هذه القاعدة منتقضة بقولهم الذی یطیر فیغضب زید الذباب فان یطیر فیه ضمیر یعود الی الموصول ویغضب المعطوف علیه لیس فیه ذلک الضمیر فاجاب عنه بقوله

اس لئے کہ زید کا ضمہ باعتبار حرف ندا اور اسکے فی نفسہ مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے ہے اور عمرو مفرد معرفہ ہونے میں زید کی مثل ہے اور یا زید وعبداللہ میں معطوف کی بناء ممتنع ہے اس لئے کہ عبداللہ زید کی مثل نہیں ہے کیونکہ زید مفرد معرفہ اور عبداللہ مضاف ہے (اور اسی وجہ سے) یعنی اس وجہ سے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہے ان امور میں جو معطوف علیہ میں جائز اور ممتنع ہیں (ما زید بقائم او قائما ولا ذاھب عمرو) کی ترکیب میں (جائز نہیں سوائے رفع کے) ذاھب میں اس لئے کہ اگر ذاھب کو نصب یا جر دیا جائے تو وہ قائم یا قائما پر معطوف ہوگا پس وہ زید کی خبر ہوگا اور یہ ممتنع ہے کیونکہ ذاھب اسی ضمیر سے خالی ہے جو معطوف علیہ میں موجود ہے جو کلمہ ما کے اسم کو راجع ہے پس رفع متعین ہو گیا اس بنا پر کہ یہ مبتدا پر خبر مقدم ہو اور وہ عمرو ہے اور یہ از قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ ہوگا اور اس سے کوئی مانع نہیں اور جبکہ قائل کو یہ کہنا جائز تھا کہ یہ قاعدہ عرب کے قول "الذی یطیر فیغضب زید الذباب" سے منقوض ہے کیونکہ یطیر میں ضمیر راجع بسوئے موصول ہے اور یغضب جو یطیر پر معطوف ہے اس میں ضمیر نہیں ہے پس مصنف نے اس کا جواب اپنے اس قول سے دیا

بھی مفرد اور معرفہ ہے لہذا اسکی بنا بھی واجب ہے لیکن یا زید وعبداللہ میں معطوف کی بنا ممتنع ہے کیونکہ وہ اپنے معطوف علیہ کی مثل مفرد نہیں ہے بلکہ مضاف ہے لہذا عبداللہ کو نصب واجب ہے۔ قولہ ومن ثم: اور اسی وجہ سے کہ جب مذکورہ دو شرطیں پائی جائیں تو امور جائزہ اور ممتنعہ میں معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ ما زید بقائم او قائما ولا ذاھب عمرو کی ترکیب میں رفع کے سوا کچھ جائز نہیں اس سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں کلمہ ما کی خبر حرف زائدہ کی وجہ سے مجرور ہو لہذا اس ترکیب میں معطوف کو صرف رفع جائز ہے کیونکہ بصورت جر یا نصب لفظ ذاھب قائم یا قائما پر معطوف ہوگا اور بذریعہ عطف زید کی خبر بنے گا اور یہ ممتنع ہے اس لئے کہ معطوف علیہ میں ضمیر راجع بسوئے اسم ما موجود ہے لیکن معطوف میں وہ ضمیر موجود نہیں کیونکہ ذاھب کا فاعل اسم ظاہر موجود ہے لہذا ذاھب کا رفع بنا بر خبریت متعین ہو گیا اور یہ ترکیب از قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ ہو گی

وانما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب لانها ای الفاء فی هذالترکیب **فاء السببیة** ای فاء لها نسبة الی السببیة بان یکون معنا ها السببیة لاالعطف فلا یرد نقضا علی تلک القاعدة ویکون معنا ها السببیة مع العطف لکنها تجعل الجملتین کجملة واحدة فیکتفی بالربط فی الاولیٰ فالمعنی الذی اذا یطیر فیغضب زیدن الذباب او یفهم منهاسببیة الاولیٰ للثانیة فالمعنی الذی یطیر فیغضب زید بسببه الذباب ویمکن ان یقدر فیه ضمیر ای الذی

(اور الذی یطیر الخ جائز ہے اس لئے کہ یہ) یعنی اس ترکیب میں فاء (سببیت کی فاء ہے) یعنی وہ فاء ہے جس کیلئے سببیت کی جانب نسبت ہے اس طرح کہ اس کا معنی سببیت ہے نہ عطف لہذا قاعدہ مذکورہ پر نقض وارد نہیں ہوگا یا فاء کا معنی سببیت مع العطف ہوگا لیکن یہ فاء عاطفہ مفید سببیت دو جملوں کو ایک جملہ کی طرح کر دیتی ہے لہذا اس ربط پر اکتفاء کیا جائیگا جو جملہ اولیٰ میں ہے اور معنی ہوگا الذی اذا یطیر فیغضب زید الذباب یا اس فاء سے جملہ اولیٰ کا ثانیہ کیلئے سبب ہونا سمجھا جاتا ہے پس معنی ہوگا الذی یطیر فیغضب زید بسببہ الذباب اور ممکن ہے کہ اس میں ضمیر مقدر کی جائے ای الذی

جس سے کوئی مانع نہیں قولہ **وانما جاز**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ عرب کے قول **الذی یطیر الخ** سے منقوض ہے اس لئے کہ **یطیر** میں ضمیر راجع بسوئے موصول موجود ہے اور **یغضب** جو اس پر فاء عاطفہ کے ذریعہ معطوف ہے وہ ضمیر سے خالی ہے کیونکہ اسکا فاعل لفظ زید موجود ہے لہذا معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں نہ ہوا مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب دیا کہ **الذی یطیر الخ** کی ترکیب جائز ہے اس لئے کہ **فیغضب** کی فاء عطف کیلئے نہیں بلکہ سببیت کیلئے ہے اور جب **فیغضب یطیر** پر معطوف ہی نہیں تو یہ قاعدہ کیسے ٹوٹے گا کہ المعطوف فی حکم المعطوف علیہ اور فیغضب ضمیر سے خالی ہے قولہ **ای فاء لھا نسبة**:۔ شارح نے اس عبارت میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **فاء السببیة** میں فاء کی اضافت **السببیة** کی طرف ادنی ملابست کی وجہ سے ہے جس طرح کہ لام الاستغاثہ میں لام کی اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے پھر اسکے بعد بان یکون سے اس ملابست کو بیان کیا ہے کہ اس ترکیب میں فاء کا معنی سببیت ہے کیونکہ فاء کا ماقبل یعنی طیران الذباب اسکے مابعد یعنی زید کے غصے کا سبب ہے قولہ **او یکون معناھا**:۔ یہ سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے یعنی ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ فیغضب کی فاء کا معنی سببیت مع العطف ہے لیکن فاء عاطفہ جو مفید معنی سببیت ہو تو وہ دو جملوں کو مثل جملہ واحدہ کے کر دیتی ہے کہ سبب اور مسبب میں اتحاد ہوتا ہے لہذا پہلے جملہ میں جو ضمیر رابطہ کیلئے تھی اس پر اکتفاء کر لیا گیا ہے اس لئے کہ جملہ واحدہ میں اور وہ جو اس کے حکم میں ہو رابطہ واحد کافی ہوتا ہے لہذا اس قول سے قاعدہ مذکورہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ قاعدہ کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے عطف ہو مگر سبب نہ ہو اور دونوں صورتوں میں اس قول کا معنی یہ ہوگا **الذی اذایطیر فیغضب زیدن الذ باب** قولہ **اویفہم منھا**:۔ یہ تیسرا جواب ہے کہ ہم یہ کہیں گے کہ **فیغضب** میں فاء عاطفہ ہے اور اس فاء سے جملہ اولیٰ کا ثانیہ کیلئے سبب ہونا مفہوم ہوتا ہے، پس جملہ معطوفہ میں ضمیر مقدر ہے تاکہ عطف صحیح ہو جائے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے **الذی یطیر فیغضب زید بسببه الذباب** قولہ **ویمکن**:۔ یہ **یفہم** پر معطوف ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ فاء صرف عطف کیلئے ہو اور اس سے سببیت مفہوم نہ ہو یہ تیسرے جواب کی ایک شق ہے مستقل جواب نہیں اور معطوف میں ضمیر راجع الی الموصول صحت عطف کیلئے مستتر ہو ای الذی یطیر فیغضب زید بطیرانہ الذباب۔

یطیر فیغضب زید بطیر انه الذباب واذا عطف ای اذا اوقع العطف بناء علی وجود عاملین بان عطف اسمان علی معمولیهما بعاطف واحد وقال بعض شارحی اللباب الاظهر عندی ان العطف ههنامحمول علی معناہ اللغوی ای امالۃ الاسمین نحو العاملین بان یجعلا معمولیهما واکثر الشارحین علی ان المعنی علی معمولی عاملین وانما قال علی معمولی عاملین لا علی معمولی عامل واحد فانه جائز اتفاقا نحو ضرب زید عمرا وعمر وخالدا ولا علی اکثر

یطیر فیغضب زید بطیر انہ الذباب (اور جب عطف کیا جائے) یعنی جب عطف واقع کیا جائے (دو عاملوں) کے وجود کی بنا (پر) اس طرح کہ دو اسموں کا عاطف واحد کے ذریعے ان کے دو معمولوں پر عطف ڈالا جائے اور لباب کے بعض شارحین نے کہا کہ میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ یہاں پر عطف اپنے معنی لغوی پر محمول ہے یعنی دو اسموں کو دو عاملوں کی جانب مائل کرنا اس طرح کہ دونوں عامل ان دونوں اسموں کو اپنا معمول بنالیں اور اکثر شارحین اسپر ہیں کہ مصنف کے قول "واذا عطف الخ" کا معنی ہے جب دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کیا جائے اور مصنف نے کہا دو عاملوں کے دو معمولوں پر اور علی معمولی عامل واحد نہیں کہا کہ وہ بالاتفاق جائز ہے جیسے ضرب زید عمرا وعمرو خالدا اور یہ بھی نہیں کہا کہ

قولہ **واذا عطف**:۔ یہ فعل مجہول ہے اور ایقاع کے معنی کو متضمن ہے اور اسکی ضمیر مستتر کا مرجع مصدر ایقاع ہے یعنی جب ایک حرف عطف کے ذریعے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کا ارادہ کیا جائے۔ شارح نے بناء مقدر کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت **واذا عطف الخ** سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ دو عامل معطوف علیہ ہوں حالانکہ معطوف علیہ دو عامل نہیں ہوتے بلکہ دو معمول معطوف علیہ ہوتے ہیں مثلا **فی الدار زید والحجرۃ عمرو** میں **الدار** اور **زید** معطوف علیہ ہیں جو معمول ہیں نہ کہ عامل۔ شارح نے جواب دیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت میں کلمہ علی فعل عطف کا صلہ نہیں بلکہ یہ علی بنائیہ ہے اور عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جب دو عاملوں کے وجود کی بنا پر عطف کیا جائے بایں طور کہ ایک حرف عطف کے ذریعے دو اسموں کا ان دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کیا جائے۔ قولہ **وقال بعض**:۔ یہ سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے یعنی لباب کے بعض شارحین نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ **واذا عطف** میں عطف کا لغوی معنی یعنی امالہ مراد ہے اور متن کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ جب دو اسموں کا دو عاملوں کی طرف امالہ کیا جائے بایں طور کہ دونوں اسم ان دونوں عاملوں کے معمول بنادیئے جائیں لیکن اکثر شارحین کا فیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ عبارت بتقدیر مضاف ہے اور جار مجرور فعل **عطف** کا نائب فاعل ہے اور مراد یہ ہے کہ جب دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کا ارادہ کیا جائے اسلئے اصل عبارت یوں بنائی **ای علی معمولی عاملین** اور یہی راجح ہے اسلئے کہ تکلف سے خالی ہے قولہ **وانما قال**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کرنے کا حکم بیان کیا ہے لیکن عامل واحد کے دو معمولوں پر عطف کرنے کا حکم بیان نہیں کیا اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ چونکہ عامل واحد کے دو معمولوں پر عطف بالاتفاق جائز ہے جیسے ضرب زید عمرا وعمرو خالدا جائز ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے اسکو بیان نہیں کیا اور اسی طرح دو سے زائد عاملوں کے معمولوں پر عطف کرنے کا حکم بھی نہیں بتایا کہ وہ بالاتفاق ممنوع ہے۔ اور یہاں پر اس عطف کا بیان کرنا مقصود ہے جس میں اختلاف ہے اور موضع اختلاف دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف ہے نہ کہ ایک عامل یا دو سے زیادہ عاملوں کے معمولوں پر

من الثنين فانه لا خلاف امتناعه مختلفين اى غير متحدين بان لا يكون الثانى عين الاول وذلك لدفع وهم من يتوهم ان مثل ضرب ضرب زيد عمرا وبكر خالدا من هذا الباب مع انه ليس منه لعدم تعدد العامل فيه اذ العامل هو الاول والثانى تاكيد له وذلك العطف كما وقع فى قولهم ما كل سوداء تمرة ولا بيضاء شحمة وفى قول الشاعر شعر اكل امرئ تحسبين امرأ ☆ ونار توقّد بالليل نارا ☆ فهذا وان كان بحسب الظاهر جائزا لكنه لم يجز عند الجمهور بحسب الحقيقة لان الحرف الواحد لم يَقْوَ اَن يقوم مقام عاملين مختلفين خلافا للفراء فانه يجوّز هذا العطف بحسب الحقيقة كما جاز بحسب الصورة ولا يؤوّل الامثلة الواردة عليها

دو سے زائد عاملوں پر اس لئے کہ اسکے ممتنع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (جو مختلف ہوں) یعنی متحد نہ ہوں اس طرح کہ ثانی اول کا عین نہ ہو یہ مختلفین اس شخص کے وہم کو دور کرنے کیلئے کہا جو یہ وہم کرتا ہے کہ ضرب ضرب زید عمرا وبکر خالدا اس باب سے ہے باوجود اس بات کے یہ اس باب سے نہیں کیونکہ اس مثال میں عامل متعدد نہیں اس لئے کہ عامل اول ہی ہے اور ثانی اسکی تاکید ہے اور یہ عطف جیسا کہ اہل عرب کے قول "ما کل الخ" میں اور شاعر کے قول اکل مرئ" الخ میں ہے پس یہ عطف اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے جائز ہے لیکن یہ (جائز نہیں) عند الجمہور حقیقت کے اعتبار سے اس لئے کہ حرف واحد دو مختلف عاملوں کے قائم مقام ہونے کی قوت نہیں رکھتا (فراء کے برخلاف) کہ وہ اس عطف کو حقیقت کے اعتبار سے جائز قرار دیتا ہے جس طرح کہ یہ بحسب الصورت جائز ہے اور وہ اس صورت پر وارد ہونے والی مثالوں میں تاویل نہیں کرتا

عطف کرنا قولہ **مختلفین**: ۔یعنی وہ دو عامل متحد نہ ہوں بایں طور کہ ثانی اول کا عین نہ ہو. مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مختلفین" قید احترازی ہے اور اسکے ساتھ اس وہم کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ مثل ضرب ضرب زید عمرا وبکر خالدا اس باب سے ہے یعنی اسمیں دو عامل کے دو معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعے دو اسموں کا عطف ہو رہا ہے. ازالہ وہم اسطرح کیا گیا کہ اس مثال میں عامل مختلف اور متعدد نہیں بلکہ عامل پہلا فعل ہے اور ثانی اسکی تاکید ہے لہذا مثال مذکور اس باب سے نہیں ہے. قولہ **وذلك العطف**: ۔اور اس عطف کی مثال عرب کا یہ قول ہے **ما كُلُّ سوداء تمرةٌ ولا بيضاء شحمةٌ** ہر سیاہ چیز کھجور نہیں اور ہر سفید چربی نہیں. اس قول میں ایک عامل لفظ ما مشابہ بلیس ہے اور دوسرا لفظ کل ہے اور کلمہ سوداء لفظ کل کا معمول مجرور ہے. جس پر بیضاء معطوف ہے اور کلمہ تمرۃ لفظ ما کا معمول ہے اور منصوب ہے. جس پر کلمہ شحمۃ معطوف ہے اور یہ عطف جائز نہیں کہ دو مختلف عامل کے دو معمولوں پر ایک عاطف کے ذریعے عطف ہو رہا ہے. دوسری مثال شاعر کا یہ قول ہے **اكُلُّ امرئ الخ** کیا جو شخص لباس میں مرد کی صورت نظر آتا ہے تو اسکو مرد کامل گمان کر لیتی ہے اور جو آگ کہ رات کو روشن کیجاتی ہے تو سمجھتی ہے کہ کسی صاحب مروت کی آگ ہے اس شعر میں کلمہ کل اور فعل تحسبین دو مختلف عامل ہیں اور امرئ کلمہ کل کا معمول ہے. جس پر نار معطوف ہے اور لفظ امرأ جو تحسبین کا مفعول ثانی ہے اس پر نارا معطوف ہے اور عاطف واحد ہے. پس یہ عطف اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے جائز ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے جمہور کے نزدیک جائز نہیں اسلئے کہ حرف واحد دو مختلف عاملوں کے قائم مقام ہونے کی قوت نہیں رکھتا کہ ضعیف ہے. قولہ **خلافا للفراء**: امام فراء ایسے عطف کو بحسب الحقیقت

ولا یقتصر علی صورۃ السماع بل یعمّھا وغیرھا وعدم جواز ذلک کالعطف مع خلاف الفراء جارٍ فی جمیع المواد عند الجمھور الا فی نحو فی الدار زیدٌ والحجرۃ عمروٌ وان فی الدار زیدا والحجرۃ عمرا یعنی الا فی صورۃ تقدیم المجرور وتاخیر المرفوع او المنصوب لمجیئہ فی کلامھم واقتصر الجواز علی صورۃ السماع لان ماخالف القیاس یقتصر علی مورد السماع خلافا للسیبویہ فانہ لایجوّز ھذا العطف بحسب الحقیقۃ فی ھذہ الصورۃ ایضا بل یحملھا علی حذف المضاف وابقاء المضاف الیہ علی اعرابہ نحو تریدون عرض الحیوۃ الدنیا واللہ یرید الآخرۃ بجر الآخرۃ کما جاء فی بعض القراۃ ای عرض الآخرۃ

اور سماع کی صورت پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ صورت سماع اور غیر صورت سماع دونوں کو عام کرتا ہے اور اس عطف کا عدم جواز ہمراہ اختلاف فراء کے جمہور کے نزدیک تمام مواد میں جاری ہے (مگر فی الدار زید والحجرۃ عمرو کے مثل میں) اور ان فی الدار زیدا والحجرۃ عمرا میں یعنی مگر مجرور کی تقدیم اور مرفوع یا منصوب کی تاخیر کی صورت میں کہ یہ صورت ان کے کلام میں آئی ہے اور جواز صورت سماع پر اس لئے مقصور کیا گیا کہ جو صورت سماع کے خلاف ہوتی ہو وہ مورد سماع پر مقصور ہوتی ہے (سیبویہ کے برخلاف) کہ وہ اس صورت میں بھی حقیقت کے اعتبار سے عطف کو جائز نہیں قرار دیتا بلکہ اسکو حذف مضاف اور مضاف الیہ کو اس کے اعراب پر باقی رکھنے پر محمول کرتا ہے جیسے تریدون الخ ساتھ جرالآخرۃ کے جیسا کہ بعض قراتوں میں آیا ہے ای عرض الآخرۃ

بھی جائز قرار دیتا ہے جس طرح کہ یہ عطف بحسب الصورت جائز ہے اور جن امثلہ میں ایسا عطف آیا ہے انمیں تاویل بھی نہیں کرتا اور نہ ہی جواز کو امثلہ مسموعہ تک محدود رکھتا ہے بلکہ امثلہ مسموعہ من العرب اور غیر مسموعہ تمام میں جواز کو عام رکھتا ہے۔ قولہ **وعدم جواز**:۔ یعنی مذکورہ عطف کا عدم جواز اور فراء کے ساتھ اختلاف جمہور کے نزدیک تمام موادو امثلہ میں جاری ہے سوائے اس ترکیب فی الدار زیدٌ والحجرۃ عمرو اور اس ترکیب میں ان فی الدار زیدا والحجرۃ عمرا کے اور اس سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جسمیں مجرور مقدم ہو اور مرفوع یا منصوب مؤخر ہو اور اس ترکیب کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب کلام عرب میں آئی ہے اور صورت سماع پر جواز کا اقتصار اس لئے کیا گیا ہے کہ جو صورت خلاف قیاس ہو وہ مورد سماع پر منحصر ہوتی ہے کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ قولہ **خلافا للسیبویہ**:۔ سیبویہ صورت مذکورہ میں بھی عطف بحسب الحقیقت جائز نہیں سمجھتا بلکہ وہ صورت مذکورہ کے متعلق یہ کہتا ہے کہ والحجرۃ میں مضاف یعنی فی کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسکے پہلے اعراب پر باقی رکھا گیا ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اصل عبارت اس طرح تھی فی الدار زید وفی الحجرۃ عمرو اور یہ ترکیب از قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ ہے اور ارشاد باری تریدون عرض الدنیا الخ جو الآخرۃ کی جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے وہ بھی بتقدیر مضاف مجرور ہے ای عرض الآخرۃ اس تفسیر میں شارح نے مضاف مقدر کو ذکر کردیا ہے جسکی وجہ سے الآخرۃ مجرور ہے واضح رہے کہ کلمہ فی حکما مضاف ہے کہ مضاف کی مثل اپنے مابعد کو جر کرتا ہے اس لئے شارح نے کلمہ فی کو مضاف کہہ دیا ہے لہٰذا یہ اعتراض صحیح نہیں کہ کو علی حذف المضاف کی بجائے علی حذف الخافض کہنا چاہئے تھا کیونکہ متن کی مثال میں مضاف محذوف نہیں بلکہ حرف جار محذوف ہے۔

التاکید تابع یقرر امر المتبوع ای حالہ وشانہ عندالسامع یعنی یجعل حالہ ثابتامقررا عندہ فی النسبۃ ای فی کونہ منسوبااومنسوباالیہ فیثبت عندہ ویتحقق ان المنسوب اوالمنسوب الیہ فی ھذہ النسبۃھوالمتبوع لاغیروذٰلک امالدفع ضرر الغفلۃعن السامع اولدفع ظنہ بالمتکلم الغلط وذٰلک الدفع یکون بتکریر اللفظ نحوضرب زیدٌزیدٌاوضرب ضرب زیدٌ ولدفع ظن السامع بہ تجوّزاً اِمافی المنسوب نحوقولک زیدقتیل قتیل دفعالتوھم السامع ان یرید بالقتل الضرب الشدیدفیجب حینئذایضاتکریر اللفظ حتی لایبقی شک فی ارادۃ المعنی الحقیقی اوفی المنسوب الیہ فانہ ربمانسب الفعل الی شیٔ والمرادنسبتہ الی بعض متعلقاتہ کمافی قطع الامیر اللص ای قطع غلامہ

(تاکید تابع ہے جومتبوع کے امر کی تاکید کرتا ہے) یعنی سامع کے نزدیک متبوع کی شان اوراس کے حال کی تاکید کرتا ہے یعنی سامع کے نزدیک متبوع کی شان اوراسکے حال کوثابت ومقرر کرتا ہے (نسبت میں) یعنی متبوع کے منسوب یامنسوب الیہ ہونے میں پس سامع کے نزدیک یہ بات متحقق اورثابت ہوجاتی ہے کہ اس نسبت میں منسوب یامنسوب الیہ متبوع ہی ہے کوئی اورنہیں اوریہ تاکید یاتو سامع سے ضررغفلت کودور کرنے کیلئے ہے یامتکلم کے متعلق اسکی غلطی کے گمان کودور کرنے کیلئے ہےاوریہ دفع کرناتکریر لفظ سے ہوتا ہے جیسے ضرب زیدٌ زیدٌ اورضرب ضرب زیدیامتکلم کے حق میں سامع کے مجاز کے گمان کودور کرنے کیلئے یامنسوب میں جیسے تیراقول "زیدقتیل قتیل سامع کے اس توھم کودورکرنے کیلئے کہ متکلم قتل سے ضرب شدید کاارادہ کرتا ہے پس اسوقت بھی تکریر لفظ واجب ہے تاکہ معنی حقیقی مراد ہونے میں شک نہ رہے یامنسوب الیہ میں کیونکہ بعض اوقات فعل ایک شی کی طرف نسبت کیاجاتا ہے اورمراداس کے بعض متعلقات کی جانب نسبت ہوتی ہے جیسے قطع الامیر اللص میں ای قطع غلامہ

قولہ **التاکید تابع** :۔تاکیدایساتابع ہے جومتبوع کے حال اوراسکی شان کوسامع کے ذھن میں ثابت اورمقرر کرتا ہے نسبت میں۔یعنی متبوع کے منسوب ہونے میں جیسے ضرب ضرب زیدیامنسوب الیہ ہونے میں جیسے ضرب زیدٌ زید تاکہ سامع کے نزدیک یہ بات ثابت اورمتحقق ہوجائے کہ اس نسبت میں منسوب یامنسوب الیہ متبوع ہی ہے نہ کہ غیرمتبوع۔قولہ **وذاک** :۔یعنی تاکیدکافائدہ اشیاء ثلثہ میں سے کوئی ایک ہے۔اول۔سامع سے ضررغفلت کودور کرنا۔دوم۔متکلم کے بارے اس گمان کودورکرنا کہ متکلم نے کلام میں غلطی کی ہےاوریہ دفع وہم تکرار لفظ سے ہوتا ہے جیسے ضرب زیدزید یاضرب ضرب زید۔سوم۔یہ کہ سامع کے اس وہم کودورکرنا کہ متکلم نے لفظ بول کراسکا مجازی معنی مرادلیا ہے جسکی دوصورتیں ہیں۔اول۔یہ کہ منسوب میں سامع کومجاز کاوہم ہوا ہے مثلاًمتکلم نے زیدقتیل کہاتوسامع کویہ وہم ہوا کہ قتیل سے متکلم کی مرادضرب شدید ہے تومتکلم نے تاکید لاکریعنی زیدقتیل قتیل کہکراس مجاز کے وہم کودورکردیااورواضح کردیا کہ اسکی مرادمعنی حقیقی ہےاورتاکیدکی وجہ سے حقیقی معنی مراد ہونے میں شک نہ رہا دوسری صورت یہ ہے کہ منسوب الیہ میں سامع کومجاز کاگمان ہوکیونکہ عموماًایساہوتا ہے کہ فعل کی نسبت ایک شی کی طرف کی جاتی ہے لیکن مراداس شی کے بعض متعلقات ہوتے ہیں جیسے **قطع الامیر اللص** میں قطع کی نسبت امیر کی طرف ہے مگرمراداسکے خدام ہیں اس لئے متکلم کلام کومؤکد

فيجب حينئذ تكرير المنسوب اليه لفظا نحو ضرب زيد زيد اى ضرب هو لا من يقوم مقامه او تكريره معنى نحو ضرب زيد نفسه او عينه **او فى الشمول** اى التاكيد ما يقرر امر المتبوع فى النسبة بالتفصيل الذى ذكرناه او فى شمول المتبوع افراده دفعا لظن السامع تجوّزا لا فى نفس المنسوب اليه بل فى شموله لافراده فانه كثيرا ما ينسب الفعل الى جميع افراد المنسوب اليه مع انه يريد النسبة الى بعضها فيندفع هذا الوهم بذكر كلّ و اجمع و اخواته و كلاهما و كلتهم و اربعتهم و نحوها فهذا هو الغرض من جميع الفاظ التاكيد و اذا عرفت هذا فنقول اخرج المصنف الصفة و العطف و البدل عن حد التاكيد بقوله يقرر امر المتبوع اما البدل و العطف فظاهر خروجهما به و اما الصفة فلان وضعها للدلالة على معنى فى متبوعها

پس اسوقت منسوب الیہ کی تکریر واجب ہے لفظ کے اعتبار سے جیسے ضرب زید زید یعنی زید ہی نے مارا اس کے قائم مقام نے نہیں مارا یا معنی کے اعتبار سے تکریر واجب ہے جیسے ضرب زید نفسہ یا عینہ (یا شمول میں) یعنی تاکید وہ ہے جو نسبت میں متبوع کے امر کو مقرر کرے اس تفصیل کے مطابق جسکو ہم نے ذکر کیا ہے یا متبوع کے اپنے افراد کو شامل ہونے میں سامع کے مجاز کے گمان کو دور کرنے کیلئے منسوب الیہ کی ذات میں نہیں بلکہ اسکے اپنے افراد کو شامل ہونے میں اس لئے کہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ فعل کی منسوب الیہ کے تمام افراد کی طرف نسبت کی جاتی ہے باوجودیکہ متکلم اس کے بعض افراد کی طرف نسبت کا ارادہ کرتا ہے پس لفظ کل اور اجمع اور اسکے اخوات کے ساتھ اور کلاھما کلتھم اور اربعتھم اور ان کے مثل کے ساتھ تاکید سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے پس تمام الفاظ تاکید سے غرض یہی ہے اور جب تو نے یہ جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ مصنف نے صفت اور عطف اور بدل کو تاکید کی تعریف سے اپنے قول "یقرر امر المتبوع" سے خارج کر دیا بہرحال اس سے بدل اور عطف کا خروج تو ظاہر ہے اور رہی صفت تو وہ اس لئے خارج ہو گئی کہ اسکی وضع ایسے معنی پر دلالت کرنے کیلئے ہوتی ہے جو اسکے متبوع میں ہے

کر دیتا ہے تا کہ سامع کا وہم دور ہو جائے اور اس موقع پر منسوب الیہ کو متکلم لفظا مکرر کر دیتا ہے جیسے ضرب زید زید یعنی زید ہی نے مارا اسکے کسی غلام یا قائم مقام نے نہیں مارا یا منسوب الیہ کو معنی مکرر لاتا ہے جیسے ضرب زید نفسہ اور ضرب زید عینہ کہ نفس اور عین سے مراد زید ہے۔ قولہ **او فی الشمول**:۔ یہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "فی النسبۃ" پر معطوف ہے یعنی تاکید وہ تابع ہے جو امر متبوع کو نسبت میں مقرر اور ثابت کرتا ہے جیسا کہ تفصیلا ہم نے اسکو بیان کیا ہے یا تاکید ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے امر کو شمول میں ثابت کرتا کہ وہ متبوع اپنے تمام افراد کو شامل ہے اور تاکید سے غرض یہ ہوتی ہے کہ متکلم کے متعلق سامع کے اس گمان کو رد کر دیا جائے کہ متکلم نے مجاز مراد لیا ہے۔ اور یہ گمان نفس منسوب الیہ میں نہیں ہوتا بلکہ اس امر میں ہوتا ہے کہ کیا منسوب الیہ اپنے تمام افراد کو شامل ہے کیونکہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ فعل کی نسبت تو منسوب الیہ کے تمام افراد کی طرف ہوتی ہے مگر اس کے باوجود متکلم کی مراد بعض افراد ہوتے ہیں پس لفظ کل وغیرہ لا کر اس وہم کا ازالہ کیا جاتا ہے پس تاکید کی غرض یہی متبوع کی تقریر ہے نسبت یا شمول میں۔ قولہ **واذا عرفت هذا**:۔ اور جب تم نے تاکید کی تعریف اور غرض معلوم کر لی تو ہم کہتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے

وافادتها توضیح متبوعها فی بعض المواضع لیست بالوضع واما عطف البیان وهو لتوضیح متبوعه فهو یقرر امر متبوعه ویحققه لکن لا فی النسبة والشمول هذا حاصل ما ذکره المصنف فی شرحه وهو ای التاکید لفظی ای منسوب الی اللفظ لحصوله من تکریر اللفظ ومعنوی ای منسوب الی المعنی لحصوله من ملاحظة المعنی

اور بعض مقامات میں صفت کا متبوع کی توضیح کا افادہ وضع کے اعتبار سے نہیں ہے اور بہر حال عطف بیان تو وہ اپنے متبوع کی توضیح کیلئے ہے اور امر متبوع کو محقق اور ثابت کرتا ہے لیکن نسبت اور شمول میں نہیں یہ اسکا خلاصہ ہے جو مصنف نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے (اور وہ) یعنی تاکید (لفظی ہے) یعنی لفظ کیطرف منسوب ہے کہ اس کا حصول لفظ کی تکریر سے ہوتا ہے (اور معنوی ہے) یعنی معنی کی طرف منسوب ہے کہ اس کا حصول معنی کے ملاحظہ سے ہوتا ہے

اپنے قول "یقرر امر المتبوع" کے ساتھ صفت، معطوف اور بدل کو تاکید کی تعریف سے خارج کیا ہے پس اس قید سے معطوف اور بدل کا خروج تو ظاہر ہے کیونکہ یہ دونوں متبوع کی تقریر نہیں کرتے عطف کا خروج تو اس لئے ظاہر ہے کہ وہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس معنی کا غیر ہے جس پر معطوف علیہ دلالت کرتا ہے جیسے جاءنی زید وعمرو میں تو عطف میں تقریر نہیں ہے اور بدل میں بھی تقریر نہیں کہ اس میں مقصود ثانی ہوتا ہے اول تو محض بطور تمہید لایا جاتا ہے اور اسلئے کہ تقریر اس پر مبنی ہے کہ تابع اور متبوع دونوں مقصود ہوں نسبت میں اور ثانی اسی پر دلالت کرے جس پر اول دلالت کر رہا ہے اور یہ معنی بدل میں مفقود ہے۔ رہی صفت تو وہ اس لئے خارج ہوگئی کہ وہ اپنے متبوع کے معنی پر دلالت کرنے کیلئے موضوع ہوئی ہے متبوع کی تقریر کیلئے اسکی وضع نہیں ہوئی۔ قولہ **وافادتها:**۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ صفت توضیح متبوع کیلئے بھی آتی ہے جبکہ موصوف معرفہ ہو اور یہ توضیح متبوع کے احوال میں سے ایک حال ہے لہذا صفت بھی امر متبوع کی تقریر کیلئے ہوئی تو یہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "یقرر امر المتبوع" کے ساتھ تاکید کی تعریف سے کیسے خارج ہوگی۔ شارح نے جواب دیا کہ صفت کا بعض مواضع میں توضیح کا افادہ کرنا وضع کے اعتبار سے نہیں بلکہ بحسب الاستعمال ہے پس یہ صفت وضعاً موصوف کی تقریر کیلئے نہیں ہے نہ نسبت میں اور نہ شمول میں لہذا یہ تاکید کی تعریف سے خارج رہے گی۔ قولہ **واما عطف البیان:**۔ یعنی عطف بیان اگرچہ متبوع کی توضیح کیلئے آتا ہے اور امر متبوع کو ثابت اور محقق کرتا ہے لیکن نسبت اور شمول میں امر متبوع کو محقق نہیں کرتا بلکہ اس کی ذات کی تعیین میں امر متبوع کو محقق کرتا ہے جیسے ابو حفص عمر میں عمر نے متبوع کی ذات کو متعین کر دیا ہے کہ ابو حفص سے مراد عمر ہے۔ لہذا عطف بیان بھی تاکید کی تعریف سے خارج ہوگیا۔ شارح فرماتے ہیں کہ فوائد قیود میں جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ اس کا خلاصہ ہے جو خود مصنف علیہ الرحمۃ نے کافیہ کی شرح میں بیان کیا ہے۔ قولہ **وهو لفظی:**۔ مصنف علیہ الرحمۃ تاکید کی تعریف کرنے کے بعد یہاں سے اسکی تقسیم کر رہے ہیں یعنی تاکید کی دو قسمیں ہیں۔ اول۔ تاکید لفظی یعنی وہ تاکید جو لفظ کی طرف منسوب ہے اور اسکو تاکید لفظی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لفظ اول کو مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہے جیسے جاءنی زید زید اور اس قسم میں محکوم علیہ کا معرفہ ہونا ضروری ہے پس جاءنی رجل رجل نہیں کہا جائیگا کہ اس تاکید میں کوئی فائدہ نہیں۔ دوم۔ معنوی یعنی جو معنی کی طرف منسوب ہے چونکہ یہ قسم لفظ اول کے معنی کے ملاحظہ سے حاصل ہوتی ہے اور صرف معنی کو مقرر اور ثابت کرتی ہے اس لئے اسکو تاکید معنوی کہتے ہیں یہ قسم مطلقاً معارف کے ساتھ مختص ہے۔

فاللفظی منه تکریر اللفظ الاول ای مکرر اللفظ الاول ومعاده حقیقة نحو جاء نی زید زید او حکما نحو ضربت انت وضربت انا فان ذٰلک فی حکم تکریر اللفظ وان کان مخالفا للاول لفظا اذ الضرورة داعیة الی المخالفة لانه لایجوز تکریره متصلا ویجری ای التکریر مطلقا لا التکریر الذی هو التاکید الاصطلاحی فی الالفاظ کلها اسماءً او افعالا او حروفا او جملا او مرکبات تقییدیة او غیر ذٰلک ولایبعد ارجاع الضمیر الی التاکید اللفظی الاصطلاحی وتخصیص الالفاظ بالاسماء ویکون المقصود من هذا التعمیم عدم اختصاصه بالفاظ

(پس لفظی) اس سے (لفظ اول کی تکریر ہے) یعنی لفظ اول مکرر کرنا اور لوٹانا ہے حقیقۃ (جیسے جاءنی زید زید) یا حکما جیسے ضربت انت وضربت انا پس یہ تکریر لفظ کے حکم میں ہے اگر چہ لفظ کے اعتبار سے اول کے مخالف ہے کیونکہ اس مخالفت کی ضرورت داعی ہے کہ اسکی تکریر متصلا جائز نہیں (اور جاری ہوتی ہے) یعنی تکریر مطلقا نہ وہ تکرر جو تاکید اصطلاحی ہے (تمام الفاظ میں) خواہ اسم ہوں یا فعل یا حرف یا جملے یا مرکبات تقیید یہ یا ان کے غیر اور یجری کی ضمیر کو تاکید لفظی اصطلاحی کی جانب لوٹانا اور الفاظ سے اسماء مراد لینا بھی بعید نہیں اور اس تعمیم سے مقصود تاکید لفظی کا الفاظ محصورہ کے

قولہ **فاللفظی منه**:۔ پس تاکید لفظی لفظ اول کے مکرر لانے اور اسکو حقیقۃ لوٹانے سے حاصل ہوتی ہے اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تکریر اسم مفعول کے معنی میں ہے تا کہ مبتدا پر اسکا حمل صحیح ہو جائے جیسے جاءنی زید زید یا حکما مکرر لانے اور اعادہ کرنے سے جیسے ضربت انت اور ضربت انا پس انت اور انا تکریر لفظ کے حکم میں ہیں اگر چہ لفظ کے اعتبار سے یہ لفظ اول یعنی تاء ضمیر کے مخالف ہیں. واضح ہو کہ جن حضرات کے نزدیک انت میں ضمیر تاء ہے اور ان عماد یعنی سہارا ہے انکے نزدیک ضربت انت میں لفظ اول کا تکرار حقیقۃ ہے. قولہ **اذ الضرورة داعیة**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر انت اور انا ضمیر متصل کا عین نہیں تو انکو تاکید لفظی قرار دینا درست نہ ہوا کہ تاکید لفظی تو تکریر لفظ کا نام ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہ تاکید لفظی ہیں اور لفظ سابق کے ساتھ انکی مخالفت ایک ضرورت کے پیش نظر ہے وہ یہ کہ ضمیر متصل مکرر نہیں ہو سکتی. قولہ **ای التکریر مطلقا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "یجری" کی ضمیر کا مرجع تاکید اصطلاحی ہے کیونکہ زیر بحث وہی ہے لہذا عبارت متن کے معنی یہ ہوئے کہ تاکید اصطلاحی یعنی لفظ اول کی تکریر تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے حالانکہ وہ صرف اسم میں جاری ہوتی ہے کیونکہ وہ اسم کی قسم ہے. شارح نے جواب دیا کہ فعل یجری کی ضمیر کا مرجع مطلق تکریر ہے وہ تکریر نہیں جو تاکید اصطلاحی ہے یعنی مطلق تاکید تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے خواہ اسم ہوں جیسے جاءنی زید زید یا فعل جیسے ضرب ضرب زید عمرا یا حرف جیسے انّ انّ زیدا قائم وغیرہ مثلا زید قائم زید قائم یا ضرب زید ضرب زید یا غلام زید غلام زید. قولہ **ولایبعد**:۔ یہ سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ یجری کی ضمیر کا مرجع تاکید لفظی اصطلاحی ہی ہو اور مصنف علیہ الرحمۃ کے قول **الالفاظ** سے مراد اسماء ہوں رہی یہ بات کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اسماء کو الفاظ کے ساتھ تعبیر کیوں کیا ہے اور فی الاسماء کیوں نہیں کہا تو ہو سکتا ہے کہ اس تعبیر میں اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ تاکید لفظی اصطلاحی الفاظ مخصوصہ محدودہ کے ساتھ خاص نہیں جس طرح کہ تاکید معنوی الفاظ مخصوصہ کے ساتھ خاص ہے بلکہ تاکید لفظی اصطلاحی تمام اسماء کو عام ہے.

محصورة كالتاكيد المعنوى والتاكيد المعنوى مختص بالفاظ محصورة اى معدودة محدودة وهى نفسه وعينه وكلاهما وكله واجمع واكتع وابتع وابصع بالصاد المهملة وقيل بالضاد المعجمة قيل لامعنى لهذه الكلمات الثلث فى حال الافرادمثل حسن بسن وقيل اكتع مشتق من حول كتيع اى تام وابصع بالمهملة من بَصع العرق اى سال وبالمعجمة من بَضع اى رَوِى وابتع من البتع وهو طول العنق مع شدة مغرة ويمكن استنباط مناسبات خفية بين هذه المعانى ومعناها التاكيد بالتأمل الصادق

ساتھ عدم اختصاص ہے تاکید معنوی کی طرح (اور تاکید معنوی) مختص ہے (الفاظ محصورہ کے ساتھ) یعنی چند گنے ہوئے محصورہ الفاظ کے ساتھ (اور یہ نفسہ اور عینہ اور کلاہما اور کلہ اور اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع ہیں) صاد مہملہ کے ساتھ اور کہا گیا ہے کہ ضاد معجمہ کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تنہا ہونے کی صورت میں ان تینوں کلمات کا کوئی معنی نہیں مثل حَسَن اور بَسَن کے اور کہا گیا ہے کہ اکتع حول کتیع یعنی تام سے مشتق ہے اور ابصع صاد مہملہ کے ساتھ بصع العرق یعنی پسینہ بہا سے مشتق ہے اور صاد معجمہ کے ساتھ بضع یعنی سیراب ہوا سے مشتق ہے اور ابتع، بتع سے مشتق ہے اور وہ گردن کا لمبا ہونا ہے اس کے شدت مغز کے ساتھ اور ان الفاظ کے تاکیدی معنی اور ان معانی میں تامل صادق کے ساتھ مناسبت خفیہ کا استنباط ممکن ہے

قولہ والمعنوی: اور تاکید معنوی چند الفاظ محصورہ یعنی محدودہ و معدودہ میں منحصر ہے اور ان الفاظ کے علاوہ دیگر الفاظ سے تاکید معنوی نہیں آتی اور وہ الفاظ نفسہ اور عینہ وغیرہ ہیں یعنی وہ الفاظ محصورہ معدودہ تلاش و جستجو کے بعد دستیاب ہوئے ہیں جنکی تعداد آٹھ ہے اور جنکی تین قسمیں ہیں ۱۔ صرف مثنی کی تاکید کیلئے ہونا ۲۔ جمع کی تاکید کیلئے ہونا ۳۔ مفرد، مثنی اور جمع کیلئے ہونا اور کلمہ ابصع صاد مہملہ کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے کہ ضاد معجمہ کے ساتھ یعنی ابضع ہے اسی وجہ سے کہ ابصع میں اختلاف ہے کلمہ ابتع کو ذکر میں اس پر مقدم کیا گیا ہے کہ متفق علیہ کی تقدیم اولی ہے اور کہا گیا ہے کہ اکتع، ابتع اور ابصع جب حالت افراد میں ہوں یعنی تاکید کیلئے نہ ہوں تو انکے کوئی معنی نہیں بلکہ یہ حسن بسن کی مثل مہمل ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بحالت افراد یہ مہمل نہیں بلکہ بامعنی ہیں مثلا اکتع حول کتیع سے مشتق ہے جسکے معنی تمام سال کے ہیں اور ابصع، بصع العرق سے مشتق ہے بمعنی پسینہ بہا اور ابضع ضاد کے ساتھ بضع بمعنی سیراب ہوا سے مشتق ہے اور ابتع، بتع سے ماخوذ ہے جسکے معنی اس لمبی گردن کے ہیں جسمیں سختی ہو **قولہ ویمکن:** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ اگر معانی لغویہ مذکورہ ان الفاظ کے معانی ہیں جن سے یہ تاکیدی معنی کی طرف منتقل ہوئے ہیں تو انکے معانی لغویہ اور معنی تاکیدی میں مناسبت کیا ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ہر دو معنی کے اندر تامل صادق اور توجہ کامل کے ساتھ مناسبت خفیہ کا استخراج ممکن ہے

قولہ ویمکن: مثلا اکتع کا معنی لغوی تمام ہے اور معنی تاکیدی سے اسکی مناسبت ظاہر ہے کہ یہ تمام افراد سے عبارت ہے اور ابصع کا معنی سیلان یعنی بہانا ہے اور یہ کثرت اور غلبہ کے باعث ہوتا ہے اور معنی تاکیدی میں بھی کثرت اور غلبہ ہے کہ تمام افراد کثیر ہیں اور ابتع جو بمعنی طویل العنق مع الشدت ہے اس میں مناسبت یہ ہے کہ احاطہ میں بھی شدت ہے اس اعتبار سے کہ وہ جمیع افراد کو شامل ہے (جمال) ☆فائدہ☆ مصنف نے لفظ نفس کو عین پر ذکر میں مقدم کیا ہے اس لئے کہ نفس کی دلالت ذات پر بہ نسبت عین واضح ہے نیز عین کا استعمال اکثر و بیشتر بطور عطف ہوتا ہے کہا جاتا ہے جاءنی زید نفسہ وعینہ بعض نے تقدیم کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ نفس کی دلالت ذات پر حقیقت اور عین کی دلالت ذات پر مجاز ہے کیونکہ عین کی وضع آنکھ کیلئے ہے پھر مجازاً اس ذات کیلئے استعمال ہونے لگا یعنی جز بولکر کل مراد لیا جانے لگا۔

فالاولان ای النفس والعین **یعمان** ای یقعان علی الواحد والمثنی والمجموع والمذکر والمؤنث **باختلاف صیغتهما** افرادا وتثنیة وجمعا **واختلاف ضمیرهما** العائد الی المتبوع المؤکد **تقول نفسه** فی المذکر الواحد **نفسها** فی المؤنث الواحدة **انفسهما** بایراد صیغة الجمع فی تثنیة المذکر والمؤنث وعن بعض العرب نفساهما وعیناهما **انفسهم** فی جمع المذکر العاقل **انفسهن** فی جمع المؤنث وغیر العاقل من المذکر **والثانی** لما سمی النفس والعین اولین تغلیبا کالقمرین سمی الثالث ثانیا **للمثنی کلاهما** للمذکر **وکلتاهما** للمؤنث **والباقی** بعد الثلثة المذکورة **لغیر المثنی** مفردا کان اوجمعا **باختلاف الضمیر** العائد الی المتبوع المؤکد **فی کله** نحو قرأت الکتاب کله **وکلها** نحو قرأت الصحیفة کلها **وکلهم** نحو اشتریت العبید کلهم **وکلهن** نحو طلّقت النساء کلهن

(تو پہلے دو) یعنی نفس اور عین (عام ہیں) یعنی واحد، تثنیہ اور جمع اور مذکر ومؤنث پر واقع ہوتے ہیں (اپنے صیغہ کے اختلاف کے ساتھ) مفرد، تثنیہ وجمع ہونے کے اعتبار سے (اور ان دونوں کی ضمیروں کے) اختلاف کے (ساتھ) جو متبوع مؤکد کی جانب راجع ہے (تم کہوگے نفسہ) واحد مذکر میں (نفسہا) واحد مؤنث میں (انفسہما) تثنیہ مذکر ومؤنث میں صیغہ جمع لانے کے ساتھ اور بعض عرب سے نفساہما وعیناہما بھی منقول ہے (انفسہم) جمع مذکر عاقل میں (انفسہن) جمع مؤنث اور جمع مذکر غیر عاقل میں (ثانی) مصنف نے جب نفس اور عین کو قمرین کی مثل تغلیبا اولین سے موسوم کیا تو ثالث کو ثانی کے ساتھ موسوم کیا (مثنی کیلئے کلاھما) مذکر کیلئے (اور کلتاھما) مؤنث کیلئے (اور باقی) تین مذکورہ کے بعد (مثنی کے غیر کیلئے) مفرد ہو یا جمع (ضمیر کے اختلاف کے ساتھ) جو متبوع مؤکد کی جانب راجع ہے (کلہ میں) جیسے قرأت الکتاب کلہ (اور کلہا میں) جیسے قرأت الصحیفۃ کلہا (اور کلہم میں) جیسے اشتریت العبید کلہم (اور کلہن میں) جیسے طلقت النساء کلہن

قولہ فالاولان: ۔پس الفاظ تاکید میں سے پہلے دو لفظ یعنی نفس اور عین عام ہیں کہ واحد، جمع اور مذکر ومؤنث سب کی تاکید واقع ہوتے ہیں اور متبوع کے لحاظ سے ان کا صیغہ اور متبوع کو راجع ضمیر ہر دو بدلتے رہتے ہیں. مثلا واحد مذکر کیلئے نفسہ اور واحد مؤنث کیلئے نفسہا اور تثنیہ مذکر ومؤنث کیلئے انفسہما بصیغہ جمع وضمیر تثنیہ بولا جاتا ہے اور بعض عرب سے تثنیہ کیلئے نفساہما اور عیناہما بھی منقول ہے اور جمع مذکر عاقل کی تاکید کیلئے انفسہم اور جمع مؤنث اور مذکر غیر عاقل کی تاکید کیلئے انفسہن بولا جاتا ہے. **قولہ لما سمی النفس والعین:** ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "والثانی للمثنی" صحیح نہیں اس لئے کہ کلاھما ثانی نہیں بلکہ ثالث ہے. شارح نے جواب دیا کہ چونکہ مصنف علیہ الرحمۃ نے نفس اور عین کو تغلیبا اولین کہا جس طرح کہ شمس اور قمر کو تغلیبا قمرین کہا جاتا ہے اسلئے اس نے کلاھما کو ثانی قرار دیا ورنہ حقیقت میں وہ ثالث ہے. یعنی کلاھما تثنیہ مذکر کیلئے اور کلتاھما تثنیہ مؤنث کیلئے بولا جاتا ہے اور ان تین الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ تثنیہ کے سوا یعنی مفرد یا جمع کیلئے بولے جاتے ہیں

وباختلاف الصیغ فی الکلمات البواقی وھی اجمع واکتع وابتع وابصع بالمھملة او المعجمة تقول اجمع فی المذکر الواحد وجمعاء فی المؤنث الواحدة او الجمع بتاویل الجماعة واجمعون فی جمع المذکر وجُمَع فی جمع المؤنث وکذا اکتع کتعاء اکتعون کتَع وابتع بتعاء ابتعون بُتَع وابصع بصعاء ابصعون بصَع ولایؤکد بکل واجمع الاذواجزاء مفردا کان اوجمعا اذالکلیة والاجتماع لایتحققان الافیه ولاحاجة الی ذکر الافرادلان الکلی مالم تلاحظ افراده مجتمعة ولم تصر اجزاء لایصح تاکیده بکل واجمع

(اور صیغوں کے) کے اختلاف کے ساتھ (باقی) کلمات میں اور وہ اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع ہیں تم کہو گے (اجمع) واحد مذکر میں (اور جمعاء) واحد مؤنث میں یا جمع میں بتاویل جماعت (اور اجمعون) جمع مذکر میں (اور جمع) جمع مؤنث میں اور اسی طرح اکتع کتعاء اکتعون کتع اور ابتع بتعاء ابتعون بتع اور ابصع بصعاء ابصعون بصع (اور کل اور اجمع کے ساتھ نہیں تاکید کیا جاتا مگر ذواجزاء) خواہ مفرد ہو یا جمع اس لئے کہ کلیت اور اجتماعیت صرف ذواجزاء میں متحقق ہوتے ہیں اور افراد کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ کلی کے جب تک افراد مجتمعہ ملحوظ نہ ہوں اور وہ افراد اجزاء نہ بن جائیں انکی تاکید کل اور اجمع کے ساتھ صحیح نہیں

باختلاف ضمیر راجع بسوئے متبوع مثلا قرأت الکتاب کلہ قرأت الصحیفۃ کلہا اشتریت العبید کلہم طلقت النساء کلھن **قولہ والصیغ:۔** صیغ بکسر صاد وفتح یاء صیغہ کی جمع ہے۔ شارح نے اس سے قبل باختلاف کا اضافہ کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ والصیغ باعادہ جار باختلاف الضمیر پر معطوف ہے۔ یعنی باقی ماندہ کلمات تاکید مثلا اجمع وغیرہ کو تو باختلاف صیغہ بولے گا مثلا واحد مذکر کیلئے اجمع کہے گا اور واحد مؤنث کیلئے جمعاء اور متبوع اگر جمع مذکر غیر سالم ہو تو اس کیلئے بھی جمعاء بولے گا کہ جمع بتاویل جماعت مؤنث ہے۔ پس تابع اور متبوع میں موافقت ہو جائیگی ۔ اور جمع مذکر سالم کی تاکید کیلئے اجمعون اور جمع مؤنث کی تاکید کیلئے جُمَع کہے گا اور اسی طرح اکتع، کتعاء اور اکتعون اور کُتَع کہے گا اور اسی قیاس پر ابتع اور ابصع بولے گا **قولہ ولایؤکد بکل:۔** اور کل اور اجمع کے ساتھ صرف اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے جو ذواجزاء ہو خواہ وہ ذواجزاء مفرد ہو جیسے عبد یا جمع ہو جیسے قوم ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ کل کی کلیت اور لفظ اجمع کی اجتماعیت ذواجزاء میں ہی متحقق ہو سکتی ہے اسلئے اسکے متبوع کا صاحب اجزاء ہونا ضروری ہے **قولہ ولا حاجة:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ جس طرح لفظ کل اور اجمع کے ساتھ ذواجزاء کی تاکید کی جاتی ہے اسی طرح ذوافراد کی تاکید بھی کی جاتی ہے مثلا انسان ذوافراد ہے اسکی تاکید لفظ کل اور اجمع کے ساتھ کی جاتی ہے جیسے الناس کلہم میں انسان کلی ہے جسکی تاکید کل سے آئی ہے حالانکہ انسان ذوافراد ہے ذواجزاء نہیں کہ کلی کے افراد ہوتے ہیں لہذا مصنف علیہ الرحمۃ کو ذواجزاء کے ساتھ ذوافراد بھی کہنا چاہئے تھا پس اسکو ترک کیوں کیا؟ شارح نے جواب دیا کہ اجزاء کے ذکر کے بعد افراد کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں اس لئے کہ جبتک کلی کے افراد مجتمعہ ملحوظ نہ ہوں اور وہ افراد اجزاء نہ بن جائیں تو اس کلی کی تاکید لفظ کل یا اجمع کے ساتھ نہیں ہو سکتی یعنی بوقت تاکید کلی کے افراد کا مجموعہ ملحوظ ہوتا ہے اور افراد کو مجتمع فرض کر کیا جاتا ہے جسکی وجہ سے ان کے اندر اجتماعیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ افراد اجزاء کا درجہ لے لیتے ہیں تو جب افراد تاویل کے بعد اجزاء ہو جاتے ہیں تو

ویجب ان تکون تلک الاجزاء بحیث یصح افتراقها حسا کاجزاء القوم اوحکما کاجزاء العبد لیکون فی التاکید بکل واجمع فائدة مثل اکرمت القوم کلهم واشتریت العبد کله فان العبد قد یتجزأ فی الاشتراء فیصح تاکیده بکل لیفید الشمول بخلاف جاء زید کله لعدم صحة افتراق اجزائه لاحسا ولاحکما فی حکم المجیٔ واذا اکد الضمیر المرفوع المتصل بارزا کان اومستکنا بالنفس والعین ای اذا ارید تاکیده بهما اکد ذلک الضمیر اوّلا بمنفصل ثم بالنفس والعین مثل ضربت انت نفسک فنفسک تاکید لتاء الضمیر بعد تاکیده بمنفصل هو انت اذلو لاذلک لالتبس التاکید بالفاعل اذا وقع تاکیدا للمستکن نحو زیدا کرمنی هونفسه فلولم یؤکد الضمیر المستکن فی اکرمنی بقوله هو ویقال زیدا کرمنی نفسه لالتبس نفسه الذی هو التاکید بالفاعل

اورضروری ہے کہ یہ اجزاء اس طرح ہوں کہ (ان کا جدا ہونا حساً صحیح ہو) جیسے قوم کے اجزاء (یا حکماً) جیسے عبد کے اجزاء تاکہ کل اور اجمع کے ساتھ تاکید لانے کا کوئی فائدہ ہو (جیسے اکرمت القوم کلھم اور اشتریت العبد کلہ) کیونکہ عبد بھی بوقت شراء متجزی اور متفرق ہوجاتا ہے لہٰذا کل کے ساتھ اسکی تاکید صحیح ہے تاکہ تاکید شمول کا فائدہ دے (برخلاف جاء زید کلہ کے) کیونکہ زید کے اجزاء کا افتراق آنے میں صحیح نہیں نہ حساً اور نہ حکماً (اور جب ضمیر متصل کی تاکید لائی جائے) بارز ہو وہ ضمیر یا مستتر (نفس اور عین کے ساتھ) یعنی نفس اور عین کے ساتھ ضمیر کی تاکید کا ارادہ کیا جائے (تو تاکید لائی جائیگی) وہ ضمیر اولا (منفصل کے ساتھ) پھر نفس اور عین سے (جیسے ضربت انت نفسک) پس نفسہ تائے ضمیر کی تاکید ہے ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانے کے بعد اور وہ انت ہے اس لئے کہ اگر اولا منفصل کے ساتھ تاکید نہ ہو تو تاکید فاعل سے ملتبس ہوگی جبکہ نفس یا عین ضمیر مستتر کی تاکید واقع ہو جیسے زیدا کرمنی ھو نفسہ پس اگر اکرمنی میں ضمیر مستتر کی ضمیر ھو کے ساتھ تاکید نہ لائی جائے اور زیدا کرمنی نفسہ کہا جائے تو نفسہ جو کہ تاکید ہے فاعل کے ساتھ ملتبس ہوگا

انکو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ قولہ **ویجب ان تکون**:۔ یعنی ضروری ہے کہ وہ اجزاء اس طرح ہوں کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا حساً صحیح ہو جیسے قوم کے اجزاء ایک دوسرے سے حساً متفرق ہوتے ہیں یعنی ان کا افتراق نظر بھی آتا ہے یا وہ افتراق اجزاء حکماً صحیح ہو جیسے عبد کے اجزاء حکماً متفرق ہوتے ہیں یعنی اسکے نصف وغیرہ کو خریدا جاتا ہے اور یہ افتراق اجزاء اس لئے ضروری ہے کہ اس ذو اجزاء کی تاکید کل یا اجمع کے ساتھ شمول کا فائدہ دے۔ قولہ **مثل اکرمت القوم کلھم**:۔ یہ اس ذو اجزاء کی مثال ہے جسکے اجزاء کا افتراق حساً صحیح ہے اور اشتریت العبد کلہ اس ذو اجزاء کی مثال ہے جسکے اجزاء کا افتراق حکماً یعنی خرید و فروخت میں صحیح ہے۔ لہٰذا کل کے ساتھ اسکی تاکید درست ہے کہ یہ مفید شمول ہے لیکن جاءنی زید کلہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ مجیٔ کے حکم میں زید کے اجزاء کا افتراق نہ حساً صحیح ہے نہ حکماً۔ قولہ **واذا اکد الضمیر**:۔ اور جب لفظ نفس یا

ولما وقع الالتباس فی هذه الصورة اُجرِی بقیة الباب علیها وانما قید الضمیر بالمرفوع لجواز تاکید الضمیر المنصوب والمجرور بالنفس والعین بلا تاکید هما بالمنفصل نحو ضربتک نفسک ومررت بک نفسک لعدم اللبس وبالمتصل لجواز تاکید المرفوع المنفصل بالنفس والعین بلا تاکیده بمنفصل نحو انت نفسک قائم لعدم اللبس

اور جبکہ اس صورت میں التباس واقع ہوا تو بقیہ باب کو اس صورت پر جاری کردیا گیا اور مصنف نے ضمیر کو مرفوع کے ساتھ مقید کیا بوجہ جائز ہونے ضمیر منصوب و مجرور کی تاکید کے نفس اور عین کے ساتھ بغیر مؤکد کرنے کو ضمیر منفصل کے ساتھ جیسے ضربتک نفسک اور مررت بک نفسک عدم التباس کی وجہ سے اور مرفوع کو متصل کے ساتھ مقید کیا اس لئے کہ ضمیر منفصل کی تاکید بالنفس والعین بلا تاکید بالمنفصل جائز ہے جیسے انت نفسک قائم بوجہ

عین کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کا ارادہ کیا جائے خواہ وہ ضمیر بارز ہو یا مستتر تو اولاً اس ضمیر کی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائیگی بعدہ نفس یا عین کے ساتھ تاکید لائی جائیگی جیسے ضربت انت نفسک میں ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لانے کے بعد نفسک کے ساتھ ضمیر متصل کو مؤکد کیا گیا ہے اور وجہ تاکید لانے کی یہ ہے کہ بصورت عدم تاکید بعض مواضع میں تاکید بالنفس یا تاکید بالعین کا فاعل کے ساتھ التباس ہوگا مثلاً زیدٌ اُکرِمَ هو نفسه میں اگر ضمیر مستتر کی تاکید ضمیر منفصل یعنی هو کے ساتھ نہ کی جائے اور زید اکرم نفسه بولا جائے تو نفسه جو تاکید ہے اسکا فاعل کے ساتھ التباس ہوگا اور یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ نفس، فاعل ہے یا ضمیر مرفوع کی تاکید ہے۔ قولہ **ولما وقع الالتباس**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ دلیل مذکور سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب لفظ نفس یا عین ضمیر مستتر کی تاکید واقع ہو اگر اولاً ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید نہ لائی جائے تو اسکا فاعل کے ساتھ التباس لازم آتا ہے لیکن اگر ضمیر بارز کی تاکید واقع ہو تو نفس اور عین کا فاعل کے ساتھ التباس لازم نہیں آتا جیسے ضربت انت نفسک لیکن اس صورت میں بھی تاکید بالمنفصل ضروری ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ اگرچہ نفس اور عین کا فاعل کے ساتھ التباس بعض صور میں لازم آتا ہے مگر دیگر صور جسمیں التباس لازم نہیں آتا انکو التباس والی صور پر حمل کر کے طرداً للباب تمام صور میں تاکید بالمنفصل لازم کردی گئی ہے۔ قولہ **وانما قید الضمیر**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے ضمیر کو مرفوع کے ساتھ مقید کیوں کیا ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ ضمیر منصوب یا مجرور کی تاکید بالنفس والعین بلا تاکید بالمنفصل جائز ہے لعدم الالتباس جیسے ضربتک نفسک سین کے فتحہ کے ساتھ اور مررت بک نفسہ بکسر سین اس لئے ضمیر کو مرفوع کے ساتھ مقید کیا ہے پھر ضمیر مرفوع کو متصل کے ساتھ مقید کیا ہے اس لئے کہ ضمیر مرفوع منفصل کی تاکید نفس یا عین کے ساتھ بلا تاکید بالمنفصل جائز ہے جیسے انت نفسک قائم اور وجہ جواز عدم التباس ہے۔

﴿فائدہ﴾ مصنف کے قول "اُکد بمنفصل" پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فاصل ہونے کی صورت میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ جائز ہے لہذا جواز تاکید کو ضمیر منفصل سے اولاً تاکید کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں جیسا کہ دمامینی نے ابوحیان کی ارتشاف سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید بالنفس والعین کیلئے احد الامرین ضروری ہے یا تاکید بالمنفصل جیسے ضربت انت نفسہ یا فصل جیسے زید جاءنی یوم الجمعۃ نفسہ پھر کہا کہ حرف زائد کے ساتھ فصل بھی کافی ہے جیسے زید ضرب نفسہ اور اسی سے ہے یہ ارشاد تعٰلی یتربصن بانفسهن (فوائد) قولہ **بلا تاکیدهما**:۔ یہ باب تغلیب سے ہے کیونکہ ضمیر مجرور منفصل نہیں آتی یعنی ضمیر منصوب کی تاکید لائے بغیر نفس اور عین کے ساتھ اسکی تاکید لانا درست ہے قولہ **لعدم اللبس**:۔ یعنی لفظ نفس یا عین کے ساتھ جو تاکید لائی جائے اس کا مفعول اور مضاف الیہ سے التباس نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں مستتر نہیں ہوتے نیز کلام میں اختصار مطلوب ہے لہذا تاکید کی ضرورت نہیں برخلاف فاعل کے کہ وہ مستتر ہوتا ہے۔

وانما قید بالنفس والعین لجواز تاکید المرفوع المتصل بکل واجمعین بلا تاکید نحو القوم جاؤنی کلھم اجمعون لعدم التباس التاکید بالفاعل لان کلا واجمعین یلیان العوامل قلیلا بخلاف النفس والعین فانھما یلیانھا کثیرا واکتع واخواہ یعنی ابتع وابصع اتباع بفتح الھمزۃ علی ماھو المشھور لاجمع یعنی تستعمل ھذہ الکلمات الثلث بتبعیتہ لا بالاصالۃ لکونہ ادل منھا علی المقصود وھو الجمعیۃ فلایتقدم یعنی اکتع واخویہ علیہ ای علی اجمع لو اجتمعت معہ وذکرھا ای ذکر اکتع مع اخویہ دونہ ای دون ذکر اجمع ضعیف لعدم ظھور دلالتھا علی معنی الجمعیۃ وللزوم ذکر ما من شانہ التبعیۃ بدون الاصل

عدم التباس کے اور تاکید کو نفس اور عین کے ساتھ مقید کیا بوجہ جائز ہونے ضمیر مرفوع کی تاکید کے کل اور اجمعون کے ساتھ بغیر تاکید کے جیسے جاؤنی کلھم اجمعون تاکید کے فاعل کے ساتھ ملتبس نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ کل اور اجمعون عوامل کے ساتھ کم متصل ہوتے ہیں برخلاف نفس اور عین کے کہ وہ دونوں بکثرت عامل سے متصل ہوتے ہیں (اور اکتع اور اس کے اخوین) یعنی ابتع اور ابصع (تابع ہیں) اتباع ہمزہ کے فتحہ سے ہے اس کے مطابق جو مشہور ہے (اجمع کے) یعنی یہ کلمات ثلثہ اجمع کے تابع ہو کر استعمال ہوتے ہیں نہ بالاصالت کیونکہ اجمع ان کی نسبت مقصود پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور وہ مقصود جمعیت ہے (پس مقدم نہیں ہوتے) اکتع اور اسکے دونوں اخوین (اس پر) یعنی اجمع پر اگر اجمع کے ساتھ آئیں (اور ان کا ذکر کرنا) یعنی اکتع اور اس کے اخوین کا ذکر کرنا (اس کے بغیر) یعنی اجمع کے ذکر کے بغیر (ضعیف ہے) معنی جمعیت پر انکی دلالت کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے اور اصل کے بغیر اس کا ذکر لازم آنے کی وجہ سے جسکی شان تبعیت ہے

قولہ وانما قید بالنفس: ۔یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ الفاظ تاکید میں سے صرف نفس اور عین کے ساتھ ضمیر متصل مرفوع کی تاکید کرنے کی صورت میں اولاً ضمیر مرفوع متصل کی تاکید بالمنفصل ضروری ہے باقی الفاظ میں کیوں ضروری نہیں؟ شارح نے جواب دیا کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ کل اور اجمعون کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید بلا تاکید بالمنفصل جائز ہے جیسے القوم جاؤنی کلھم اجمعون اور وجہ جواز عدم التباس بالفاعل ہے کیونکہ لفظ کل اور اجمعون کا عوامل کے ساتھ اتصال نہایت ہی کم ہے پس ان کا فاعل واقع ہونا گویا ہی نہیں لہذا رفع التباس کیلئے انمیں تاکید لانے کی بھی حاجت نہیں ہے. بخلاف کلمہ نفس اور عین کے کہ وہ عامل کے ساتھ بکثرت متصل ہوتے ہیں اسلئے انکے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لانے کی صورت میں اولاً ضمیر متصل کی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانا ضروری ہے. **قولہ واکتع واخواہ:** ۔یعنی اکتع اور اسکے اخوین اجمع کے تابع ہیں یعنی مشہور قول کے مطابق یہ تینوں اجمع کے تابع ہو کر استعمال ہوتے ہیں بالاصالت استعمال نہیں ہوتے کیونکہ لفظ اجمع ان تینوں سے مقصود پر زیادہ دلالت کرتا ہے جو جمعیت ہے. ﴿فائدہ﴾ شارح کے قول علی ماھو المشھور کا تعلق بفتح الھمزۃ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں عبارت کے معنی یہ ہونگے کہ اتباع بفتح الھمزۃ تبع کی جمع ہے کیونکہ مشہور قول کے مطابق فعل متحرک العین کی جمع افعال آتی ہے اور ساکن العین کی بھی جیسے قول واقوال لہذا یہ بکسر ھمزہ مصدر نہیں ورنہ مفرد کا حمل جمع پر لازم آئیگا. **قولہ فلایتقدم:** ۔پس اکتع اور اسکے اخوین اگر اجمع کے ساتھ آئیں

البدل تابع مقصود بما نسب الی المتبوع ای تقصد النسبة الیه بنسبة مانسب الی المتبوع دونه ای دون المتبوع ای لاتکون النسبة الی المتبوع مقصودة ابتداء بنسبة مانسب الیه بل تکون النسبة الیه توطیة وتمهیدا لنسبته الی التابع سواء کان مانسب الیه مسندااوغیره مثل جاء نی زیدٌ اخوک وضربت زیدااخاک واحترزبقوله مقصودبمانسب الی المتبوع عن النعت والتاکید وعطف البیان لانهالیست مقصودة بمانسب الیه بل المتبوع مقصودٌبه

(بدل تابع ہے اس چیز کے ساتھ مقصود جو متبوع کی طرف منسوب ہو (یعنی اس چیز کی نسبت سے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے تابع کی طرف نسبت مقصود ہو (نہ کہ وہ) یعنی متبوع مقصود نہ ہو یعنی متبوع کی طرف کی جانے والی نسبت سے ابتداء متبوع کی طرف نسبت مقصود نہ ہو بلکہ متبوع کی طرف نسبت تابع کی جانب نسبت کیلئے بطور وسیلہ وتمہید ہو خواہ مانسب الی المتبوع مسند ہو متبوع کی جانب یا غیر مسند جیسے جاء نی زیدا خوک اور ضربت زیدااخاک اور مصنف نے اپنے قول "مقصود بمانسب الی المتبوع" کے ساتھ نعت، تاکید اور عطف بیان سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ اس نسبت سے مقصود نہیں ہوتے جو متبوع کی طرف ہوتی ہے بلکہ اس نسبت سے مقصود متبوع ہوتا ہے اور "دونہ" کے

تو اس پر مقدم نہیں ہونگے تا کہ فرع کا تقدم اصل پر اور ادنی کا تقدم اعلی پر لازم نہ آئے اور اکتع اور اسکے اخوین کا ذکر بھی اجمع کے بغیر ضعیف ہے کیونکہ ان کلمات ثلثہ کی جمعیت پر دلالت ظاہر نہیں نیز اجمع کے ذکر کے بغیر انکا ذکر اس بات کو مستلزم ہے کہ اصل کے ذکر کے بغیر تابع کا ذکر ہو جائے جو درست نہیں قولہ **البدل تابع**:۔ بدل وہ تابع ہے جو اس نسبت کے ساتھ مقصود ہو جو متبوع کی طرف کی گئی ہے یعنی اسکا متبوع مقصود بالنسبت نہیں ہوتا۔ شارح نے ای تقصدا لنسبۃ الخ کے ساتھ تفسیر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "مقصود" اپنے موصوف پر اعتماد کے بعد مضارع مجہول کے معنی میں ہے اور مانسب الی المتبوع سے پہلے مضاف مقدر ہے ای بنسبۃ مانسب الی المتبوع یعنی بدل ایسا تابع ہے جو اس نسبت کے ساتھ مقصود ہو جو متبوع کی طرف کی گئی ہے اور مصنف کا قول "دونہ" نسب کی ضمیر سے حال ہے یعنی حال کونہ مجاوزا عن المتبوع یعنی متبوع مقصود بالنسبۃ نہ ہو بلکہ متبوع کی طرف نسبت وسیلہ اور تمہید ہو نسبت الی التابع کیلئے خواہ متبوع کی طرف منسوب مسند ہو اور متبوع مسند الیہ ہو جیسے جاء نی زیدا خوک یا متبوع کی طرف منسوب مسند نہ ہو جیسے ضربت زیدا اخاک میں ضرب کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے مگر فعل ضرب زید کی طرف مسند نہیں ہے کیونکہ زید مفعول بہ ہے لہذا نسبت سے مراد یہاں پر عام ہے کہ وہ اسنادی ہو یا غیر اسنادی قولہ **واحترز**:۔ یعنی مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول "مقصود بمانسب الی المتبوع" کے ساتھ نعت، تاکید اور عطف بیان سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ متبوع کی طرف کی جانے والی نسبت سے مقصود نہیں ہوتے بلکہ انکا متبوع مقصود بالنسبت ہوتا ہے اور مصنف کا قول "**دونہ**" مقصود کی ضمیر سے حال ہے **ای مجاوزا عن نسبة متبوعه**

قولہ **البدل تابع**:۔ لغت میں بدل کسی شی کے عوض کو کہتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ عسٰی ان یبدلنا ربنا خیرا منہا میں بدل اسی معنی میں ہے۔ قولہ **سواء کان**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تخریج یہ ہے کہ مانسب الیہ سے متبادر مسند الیہ ہے لہذا ضربت زیدا اخاک کے اخاک پر بدل کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ضرب اسکی جانب مسند نہیں بلکہ وہ ضمیر بارز کی طرف مسند ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر نسبت سے مراد مطلق تعلق ہے خواہ وہ تعلق بصورت نسبت اسنادیہ ہو جیسے **جاء نی زید اخوک** یا بصورت نسبت ایقاعیہ ہو جیسے **ضربت زیدا اخاک** یا بصورت نسبت اضافیہ ہو جیسے **مررت بزیداخیک**.

وبقوله دونه احترز عن العطف بحرف فان المتبوع فيه مقصود بما نسب اليه مع التابع ولا يصدق الحد على المعطوف ببل لان متبوعه مقصود ابتداء ثم بدا له فاعرض عنه وقصد المعطوف فكلاهما مقصود ان بهذا المعنى فان قيل هذا الحد لا يتناول البدل الذى بعد الا مثل ما قام احد الا زيد فان زيدا بدل من احد وليست نسبة ما نسب اليه من عدم القيام مقصودة بالنسبة الى زيد بل النسبة المقصودة بنسبة ما نسب الى احد نسبة القيام الى زيد قلنا ما نسب الى المتبوع ههنا هو القيام وانه نسب اليه نفيا ونسبة القيام بعينه الى التابع مقصودة ولكن اثباتا فيصدق على زيد انه تابع مقصود نسبته بنسبة ما نسب الى المتبوع فان النسبة الماخوذة فى الحد اعم من ان يكون بطريق الاثبات او النفى

اور مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول "دونہ" کے ساتھ عطف بحرف سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ عطف بحرف میں تابع مع المتبوع مقصود بالنسبت ہوتا ہے اور ان میں تابع کو ایضاح اور تقریر کیلئے لایا جاتا ہے قولہ ولا یصدق:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ بدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ معطوف بہ بَل پر صادق آتی ہے کہ اسمیں بھی مقصود بالنسبت تابع ہوتا ہے جیسے جاءنی زید بل عمرو میں مقصود بالنسبت عمرو ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ بدل کی تعریف معطوف بہ بل پر صادق نہیں آتی کیونکہ معطوف بہ بل کا متبوع اولا مقصود بالنسبت ہوتا ہے پھر متکلم کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ حکم اول یعنی نسبت الی المتبوع سے اعراض کر کے تابع کی طرف نسبت کا قصد و ارادہ کر لیتا ہے پس معطوف بہ بل میں تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبت ہوتے ہیں صرف تابع مقصود بالنسبت نہیں ہوتا قولہ فان قیل:۔ اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ بدل کی مذکورہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو کلمہ الا کے بعد واقع ہو جیسے ما قام احد الا زید کیونکہ عدم قیام کی نسبت جو کہ احد کی طرف کی گئی ہے اس نسبت سے مقصود تابع یعنی زید نہیں بلکہ زید کی طرف قیام کی نسبت ہے یعنی دونوں نسبتوں میں مغایرت ہے جبکہ بدل میں اتحاد نسبت ضروری ہے لہذا زید کو احد سے بدل بنانا صحیح نہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ ما قام احد الا زید میں ما نسب الی المتبوع جنس قیام ہے جو لفظ احد کی طرف بطور نفی منسوب ہے اور اسکے تابع کی طرف بطور اثبات منسوب ہے یعنی دونوں میں نسبت ایک ہے اور وہ نسبت قیام ہے لہذا مثال مذکور کے لفظ زید پر یہ

ساتھ عطف بحرف سے احتراز کیا ہے کہ اسمیں متبوع کی طرف کی جانے والی نسبت سے متبوع بمع تابع مقصود ہوتا ہے اور بدل کی تعریف معطوف بحرف بل پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس کا متبوع ابتداء مقصود بنسبت ہے پھر متکلم کیلئے دوسرا حکم ظاہر ہوا تو اس نے پہلے حکم سے اعراض کر لیا اور معطوف کا قصد کر لیا پس اس معنی کے اعتبار سے معطوف بحرف بل میں دونوں مقصود ہیں پس اگر سوال کیا جائے کہ یہ تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو کلمہ الا کے بعد واقع ہو جیسے ما قام احد الا زید کیونکہ زید احد سے بدل ہے حالانکہ وہ نسبت جو احد کی طرف کی گئی ہے یعنی عدم قیام کی نسبت بنسبت زید کے مقصود نہیں بلکہ اس نسبت سے جو احد کی طرف کی گئی ہے نسبت مقصودہ زید کی جانب قیام کی نسبت ہے ہم جواب دیں گے کہ یہاں جو متبوع کی طرف منسوب ہے وہ قیام ہے پس وہ متبوع کی طرف بطور نفی منسوب ہے اور قیام کی نسبت بعینہٖ تابع کی طرف بھی مقصود ہے مگر بطور اثبات پس زید پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ تابع ہے اس نسبت سے مقصود ہے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ نسبت جو بدل کی تعریف میں ماخوذ ہے وہ اس سے عام ہے کہ بطریق اثبات ہو یا بطریق نفی

ویمکن ان یقصد بنسبته الی شی نفیا نسبته الی شی آخر اثباتا ویکون الاول توطیة للثانی وهو ای البدل انواع اربعة بَدَل الکل ای بدل هو کل المبدل منه وبدل البعض ای بدل هو بعض المبدل منه فالاضافة فیهما مثلها فی خاتم فضةٍ وبدل الاشتمال ای بدل مسبب غالبا عن اشتمال احد المبدلین علی الآخر

اور ممکن ہے کہ ایک شی کی دوسری شی کی طرف نسبت بطور نفی سے دوسری شی کی طرف نسبت بطور اثبات مقصود ہو اور اول ثانی کیلئے وسیلہ ہو (اور وہ) یعنی بدل کی چار قسمیں ہیں (بدل الکل) یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا کل ہے (اور بدل البعض) یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا بعض ہے پس اضافت ان دونوں میں مثل اس اضافت کے ہے جو خاتم فضۃ میں ہے (اور بدل الاشتمال) یعنی وہ بدل جو غالبا احد المبدلین کے دوسرے پر اشتمال کے سبب

صادق ہے کہ وہ اس نسبت کے ساتھ مقصود ہے جو متبوع کی طرف کی گئی ہے. فرق صرف نسبت وجودی اور عدمی کا ہے جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ بدل کی تعریف میں مذکور نسبت عام ہے وجودی اور عدمی کو. قولہ **ویمکن:** ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ ما قام احد الا زید میں اگر متبوع کی طرف نسبت منفیہ اور تابع کیطرف نسبت ثبوتیہ ہے تو نسبت اول ثانی کیلئے تمہید کیسے بنے گی کہ انمیں تغایر ہے. شارح نے جواب دیا کہ یہ ممکن ہے کہ ایک شی کیطرف نسبت بطور نفی ہو اور دوسری شی کیطرف نسبت بطور اثبات ہو اور اول، ثانی کیلئے باعتبار جنس نسبت کے تمہید بنے. قولہ **وھو:** ۔ اور بدل کی چار قسمیں ہیں. اول ۔ بدل کل یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا کل اور عین ہو بدل کی اس قسم میں متبوع کے ساتھ افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں موافقت ضروری ہے لیکن تعریف و تنکیر میں موافقت ضروری نہیں دوم ۔ بدل البعض یعنی وہ بدل جو مبدل منہ کا بعض ہو ان دو قسموں میں لفظ بدل کی اضافت لفظ کل یا بعض کیطرف اضافت بیانیہ ہے. جسطرح کہ خاتم فضۃ میں اضافت بیانیہ ہے. سوم ۔ بدل الاشتمال یعنی وہ بدل جو غالبا احد البدلین کے دوسرے پر مشتمل

قولہ **بدل الکل:** ۔ جمہور کے نزدیک لفظ کل اور بعض پر لام داخل کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں اضافت کا معنی پایا جاتا ہے خواہ یہ مضاف ہوں یا نہ ہوں چنانچہ ابن خالویہ نے کہا غلط کثیر من الخواص با دخال اللام علی کل وبعض لان فیہما معنی الاضافۃ وبذلک نزل القرآن لہذا مصنف کا بدل الکل والبعض کہنا درست نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کل اور لفظ بعض پر بعض کے نزدیک دخول لام جائز ہے چنانچہ مغنی اللبیب میں ہے قد یقرر کل بقطعہ من الاضافۃ لفظا و معنی فیکون بمعنی جمیعا، ہو سکتا ہے کہ مصنف کی عبارت میں کل بمعنی جمیع ہو اس لئے اس نے لام داخل کیا ہو فاحفظ فانہ من الامور المقصورات (فوائد شافیہ) قولہ احد المبدلین: ۔ بدل کی قسم ثالث کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے. وجہ مشہور یہ ہے کہ اس میں مبدل منہ بدل پر مشتمل ہوتا ہے بایں معنی کہ مبدل منہ کے ذکر کے بعد سامع بدل کا شائق اور منتظر رہتا ہے کیونکہ مبدل منہ اجمالا بدل پر دلالت کرتا ہے بعض کے نزدیک اس قسم کو بدل الاشتمال اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بدل مبدل منہ پر مشتمل ہوتا ہے مثلا سلب زید ثوبہ میں ثوب زید پر مشتمل ہے اور مبرد کے نزدیک فعل جو مبدل منہ کی جانب مسند ہوتا ہے وہ اپنے تمام ہونے میں بدل پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے بدل کی اس قسم کو بدل الاشتمال کہتے ہیں مثلا اعجبنی زید علمہ میں اعجب کے معنی علم سے تمام ہوتے ہیں جو کہ بدل ہے اس لئے کہ تعجب کا سبب علم ہی ہے. ☆سوال☆ ۔ اعجبنی زید راسہ میں اعجب کی نسبت بجانب زید لفظ راس کے ملے بغیر مکمل نہیں ہوتی لہذا اس مثال میں راسہ کو بدل الاشتمال ہونا چاہئے حالانکہ وہ بدل البعض ہے. ﴿جواب☆ وجہ تسمیہ میں اطراد و انعکاس یعنی جامع و مانع ہونا لازم نہیں کما مر غیر مرۃ. (درایہ) ﴿فائدہ﴾ شرح شذور الذہب میں ہے کہ بدل کی چھ قسمیں ہیں: چار وہ جو کافیہ میں ہیں اور پانچویں قسم بدل اضراب جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی "ان الرجل لیصلی الصلوۃ وما کتب لہ نصفہا ثلثہا ربعہا الی العشر" اور چھٹی قسم بدل نسیان: جیسے جاءنی زید عمرو. سوال: ۔ حدیث شریف میں واقع ثلث نصف کا جزء ہے اسطرح ربع وغیرہ تو ان کو بدل البعض کیوں نہیں مان لیا جاتا؟ جواب: ۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ثلث وغیرہ کو نصف کا جزء نہیں لحاظ کیا گیا بلکہ نصف کا مقابل اعتبار کیا گیا ہے اور ان کو صلوۃ کا جزء اعتبار کیا گیا ہے اسی لیے تو انکی اضافت صلوۃ کی طرف کی گئی ہے۔

واما اشتمال البدل على المبدل منه نحو سلب زيد ثوبه او بالعكس نحو يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه وبدل الغلط اى بدل مسبب عن الغلط فالاضافة فى الاخيرين من قبيل اضافة المسبب الى السبب لادنى ملابسة فالاول اى بدل الكل مدلوله مدلول الاول يعنى متحدان ذاتا لاان يتحد مفهوماهما ليكونا مترادفين نحو جاء نى زيدٌ اخوك فزيد واخوك وان اختلفا مفهوما فهما متحدان ذاتا

ہوتا ہے بہر حال بدل کا اشتمال مبدل منہ پر جیسے سُلِب زیدٌ ثوبہ یا برعکس جیسے یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ (اور) بدل (الغلط) یعنی وہ بدل جو مسبب ہو غلطی سے پس اضافت آخری دو میں از قبیل اضافت المسبب الی السبب ہے ادنی علاقہ کی وجہ سے (پس اول) یعنی بدل الکل (اس کا مدلول اول کا مدلول ہے) یعنی بدل اور مبدل منہ دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں ایسا نہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں تا کہ دونوں مترادف ہوں جیسے جاء نی زیدٌ اخوک پس زیدٌ اور اخوک اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں پس وہ دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہیں

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بدل الکل میں مقصود ثانی ہی ہے فقط اور نہ بدل الغلط کے سوا باقی بدلوں میں اور بعض محققین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نحویوں کی یہ مراد نہیں کہ متبوع بالکل مقصود بالنسبۃ نہیں بلکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ہونے کی وجہ اور سبب سے ہو جسکی دو صورتیں ہیں. اول۔ یہ کہ بدل مبدل منہ پر مشتمل ہو جیسے سُلِب زیدٌ ثوبہ کہ اسمیں ثوب بدل ہے جو زید پر مشتمل ہے. دوم۔ یہ کہ مبدل منہ بدل پر مشتمل ہو جیسے ارشاد باری تعالی یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ میں الشہر الحرام مبدل منہ ہے جو قتال پر مشتمل ہے. چہارم۔ بدل الغلط یعنی وہ بدل جو غلطی کے بعد لایا جاتا ہے یعنی مبدل منہ میں غلطی کے بعد اسکے تدارک کیلئے بدل لایا جاتا ہے مثلاً زید کے آنے کی خبر دینا مقصود تھا مگر کہہ دیا جاء نی حمار تو فوراً کہا زید اور آخری دو قسموں میں بدل کی اضافت از قبیل اضافت مسبب الی السبب ہے ادنی ملابست اور تعلق کیوجہ سے. قولہ **فالاول**:۔ پس بدل کی قسم اول یعنی بدل الکل کا مدلول اول کا مدلول ہوتا ہے یعنی بدل الکل میں تابع اور متبوع ذات کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں

قولہ **اما اشتمال البدل**:۔ یعنی وہ بدل جسکا سبب اکثر یہ ہوتا ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں سے کوئی ایک دوسرے کو شامل ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں اول۔ یہ کہ بدل مبدل منہ کو شامل اور اس کو محیط ہو جیسے سلب زید ثوبہ میں ثوب جو بدل ہے وہ مبدل منہ یعنی زید کو شامل اور اسکو محیط ہے دوسرا یہ کہ مبدل منہ بدل کو شامل اور محیط ہو جیسے ارشاد باری تعالی یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ اس ارشاد میں قتال فیہ الشہر الحرام سے بدل ہے اور یہاں مبدل منہ الشہر الحرام بدل کو شامل ہے کیونکہ الشہر الحرام زمان ہے اور زمان ان افعال پر مشتمل اور انکو محیط ہوتا ہے جو اس زمان میں کئے جائیں. قولہ **اى بدل مسبب عن الغلط**:۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ مررت بزید حمار میں غلط بدل نہیں بلکہ مبدل منہ غلط ہے لہذا بدل کا نام بدل الغلط رکھنا صحیح نہیں. شارح نے جواب دیا کہ بدل الغلط کے معنی ہیں وہ بدل جسکے لانے کا سبب غلطی ہے یعنی جو غلطی کے بعد اسکے تدارک کیلئے لایا گیا ہے اسی لئے کہا کہ بدل کی اضافت غلط کی جانب ادنی ملابست کی وجہ سے ہے. قولہ **مدلوله مدلول الاول**:۔ ماتن کی اس عبارت میں اول سے مراد متبوع ہے اور متون میں اختصار ہوتا ہے اور مختصر یہ عبارت ہے الاول مدلولہ مدلولہ مصنف نے یہ کیوں نہیں کہا ☆ جواب ☆ متن کی عبارت کا مرادی معنی اگر واضح ہو تو اختصار مطلوب و مستحسن ہوتا ہے اور یہاں پر مرادی معنی مخفی ہے کیونکہ دونوں ضمیروں کا مرجع اول ہو یہ احتمال بھی ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ مدلول کی ضمیر سے مراد بدل کل اور اول سے مراد مبدل منہ ہے (عبد) قولہ **يعنى متحدان ذاتا**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ بدل کل کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ جاء نی زید اخوک میں اخوک زید سے بدل کل ہے لیکن اخوک کا مدلول بعینہ زید کا مدلول نہیں اس لئے کہ اخوک مخاطب کی اخوت پر دلالت کرتا ہے۔

قال الشارح الرضی وانا الی الآن لم یظهر لی فرق جلی بین بدل الکل من الکل وبین عطف البیان بل لااَری عطف البیان الابدل الکل وماقالوا من ان الفرق بینهما ان البدل هو المقصود بالنسبة دون متبوعه بخلاف عطف البیان فانه بیان والبیان فرع المبین فیکون المقصود هو الاول فالجواب اِنا لانُسلّم ان المقصود فی بدل الکل هو الثانی فقط ولافی سائر الابدال الاالغلط وقال بعض المحققین فی جوابه الظاهر انهم لم یریدوا انه لیس مقصودابالنسبة اصلابل ارادوا انه لیس مقصوداصلیا

شارح رضی نے کہا کہ اب تک میرے لئے بدل الکل من الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی واضح فرق ظاہر نہیں ہوا بلکہ میں تو عطف بیان کو بدل الکل ہی دیکھتا ہوں اور وہ جو نحویوں نے کہا کہ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے نہ اس کا متبوع برخلاف عطف بیان کے کہ وہ بیان ہے اور بیان مبین کی فرع ہے پس اول ہی مقصود ہوگا متبوع مقصود اصلی نہیں

لیکن مفہوم کے اعتبار سے متحد نہیں ہوتے تاکہ دونوں مترادف نہ ہوجائیں اگرچہ بعض صورتوں میں کبھی اتحاد مفہومی ہوتا ہے جیسے زید ضربتہ ایاہ اور جاءنی زید اخوک میں زید اور اخوک مصداق اور ذات کے اعتبار سے متحد ہیں یعنی دونوں سے مراد ایک شخصیت ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے متحد نہیں کیونکہ اخوک کا مفہوم جنسی ہے اور زید کا مفہوم شخصی ہے قولہ **قال الشارح الرضی**:۔ بدل الکل اور عطف بیان میں کوئی فرق ہے یا دونوں شئی واحد ہیں اسکے متعلق شارح رضی یہ کہتے ہیں کہ مجھے انمیں کوئی واضح فرق معلوم نہیں ہوسکا اور میں تو عطف بیان کو بدل الکل ہی سمجھتا ہوں لہذا اقسم باللہ ابو حفص عمر میں عمر کو عطف بیان اور بدل بنانا دونوں صحیح ہیں اور جن حضرات نے اسکے مابین یہ فرق بیان کیا ہے کہ بدل اپنے متبوع کے بغیر مقصود بالنسبت ہوتا ہے بخلاف عطف بیان کے کہ وہ بیان ہوتا ہے اور بیان مبین کی فرع ہے پس اسمیں مقصود اول ہوتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بدل الکل میں مقصود صرف ثانی ہوتا ہے اور نہ بدل الغلط کے علاوہ بدل کی باقی اقسام میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ مبدل منہ کے ذکر سے کوئی ایسا فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے جو اس کے عدم ذکر سے نہیں ہوتا ورنہ لازم آئیگا کہ کلام الٰہی اور کلام رسول میں بے فائدہ کلام کا ذکر ہو قولہ **وقال بعض المحققین**:۔ اور بعض محققین یعنی میر سید نے حاشیہ رضی میں علامہ رضی کے جواب میں کہا ہے کہ جن لوگوں نے بدل الکل اور عطف بیان میں فرق بتایا ہے انکی مراد یہ نہیں کہ بدل میں متبوع بالکل مقصود بنسبت نہیں ہوتا نہ اصالۃً اور نہ تبعاً کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں بے فائدہ کلام کا ذکر لازم آئے بلکہ انکی مراد یہ ہے کہ بدل میں متبوع مقصود اصلی نہیں ہوتا اور عطف بیان میں متبوع مقصود اصلی ہوتا ہے لہذا بدل الکل اور عطف بیان میں فرق واضح ہے۔

جبکہ زید مخاطب کی اخوت پر دلالت نہیں کرتا۔ شارح نے جواب دیا کہ ماتن کی عبارت سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوں یعنی ذات واحدہ پر بولے جاتے ہوں یہ ضروری نہیں کہ دونوں کے مفہوم متحد ہوں اور وہ مترادف ہوں جیسے جاءنی زید اخوک میں لفظ زید اور اخوک دونوں کا مدلول ایک ہے اگرچہ مفہوم ایک نہیں قولہ **بل لااری**:۔ شارح رضی کے قول "لااری" سے عدم رویت باطنی مراد ہے یعنی میں عطف بیان کو بدل کل ہی گمان کرتا ہوں خیال رہے کہ شارح رضی نے اس عدم فرق پر اسطرح استدلال کیا ہے کہ سیبویہ نے عطف بیان کا ذکر نہیں کیا بلکہ اسکو از قبیل بدل المعرفۃ من النکرۃ قرار دیا ہے۔

والحاصل ان مثل قولک جاء نی اخوک زیدٌ ان قصدت فیه الاسناد الی الاول وجئت بالثانی تتمة له وتوضیحا فالثانی عطف بیان وان قصدت فیه الاسناد الی الثانی وجئت بالاول توطیة له ومبالغة فی الاسناد فالثانی بدل وحینئذ یکون التوضیح الحاصل به مقصودا تبعا والمقصود اصالة هو الاسناد الیه بعد التوطیة فالفرق ظاهر والثانی ای بدل البعض جزؤه ای جزء المبدل منه نحو ضربت زیدا راسه والثالث ای بدل الاشتمال بینه وبین الاول ای المبدل منه ملابسة بحیث توجب النسبة الی المتبوع النسبة الی الملابس اجمالا نحو اعجبنی زید علمه حیث یعلم ابتداء انه یکون زید معجبا باعتبار صفاته لا باعتبار ذاته وتتضمن نسبة الاعجاب الی زید نسبته الی صفة من صفاته اجمالا وکذا فی سلب زید ثوبه

حاصل یہ ہے کہ تمہارے قول "جاء نی اخوک زید" کا مثل اگر تم اس قول میں اول یعنی اخوک کی طرف اسناد کا قصد کرو اور دوسرے یعنی زید کو لفظ اخوک کیلئے تتمہ اور توضیح لاؤ تو ثانی عطف بیان ہے اور اگر تم اسمیں ثانی کی طرف اسناد کا قصد کرو اور اول کو اس کیلئے بطور تمہید اور مبالغۃ فی الاسناد لاؤ تو ثانی بدل ہے اور اسوقت ہوگی وہ توضیح جو حاصل ہونے والی ہے اس کے ساتھ مقصود تبعا اور وہ جو اصالۃ مقصود ہے وہ تابع کی طرف اسناد ہے تمہید کے بعد پس فرق ظاہر ہے (اور ثانی) یعنی بدل البعض (اس کا جزء ہے) یعنی مبدل منہ کا جزء ہے جیسے ضربت زیدا راسہ (اور تیسرا) یعنی بدل الاشتمال (اس کے اور اول کے درمیان) یعنی مبدل منہ کے (ایک تعلق ہے) بایں طور کہ متبوع کی طرف جو نسبت ہے وہ ملابس یعنی تابع کی طرف نسبت کو اجمالا ثابت کرتی ہے جیسے اعجبنی زید علمہ کیونکہ اس مثال سے ابتداء یہ معلوم ہو رہا ہے کہ زید اپنی صفات کے اعتبار سے باعث تعجب ہے ذات کے اعتبار سے نہیں اور زید کی طرف اعجاب کی نسبت اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کی طرف نسبت کو اجمالا متضمن ہے اسی طرح سلب زید ثوبہ میں (یعنی سلب کی نسبت ذات زید کی طرف غیر معقول ہے لہٰذا یہ نسبت ذات زید کے متعلق یعنی ثوب کی طرف ہے)

قولہ والحاصل: یعنی بدل اور عطف بیان کے مابین فرق کا حاصل یہ ہے کہ تمہارا قول جاء نی اخوک زید اگر تم اسمیں اول یعنی اخوک کی طرف مجیت کے اسناد کا قصد کرو اور ثانی یعنی زید کو اس کیلئے بطور تتمہ اور توضیح لاؤ تو ثانی عطف بیان ہوگا اور اگر تم اس قول میں ثانی کی طرف اسناد کا قصد کرو اور اول کو اس کیلئے تمہید اور مبالغۃ فی الاسناد کے طور پر لاؤ تو ثانی بدل ہوگا اور اسوقت اول کے ساتھ جو توضیح حاصل ہوگی وہ تبعا مقصود ہوگی اور مقصود اصلی تمہید کے بعد تابع کیطرف فعل کا اسناد ہوگا پس فرق واضح ہے۔ **قولہ والثانی جزؤہ:** اور ثانی یعنی بدل البعض اپنے مبدل منہ کا بعض اور جزء ہوتا ہے جیسے ضربت زیدا راسہ میں راس زید کا جزء ہے اور قسم ثالث یعنی بدل الاشتمال یہ ہے کہ اسمیں اور اسکے مبدل منہ میں ملابست

قولہ بینه وبین الاول: مصنف علیہ الرحمۃ نے بینہ والاول نہیں کہا جو مختصر ہے اور متون میں اختصار مطلوب ہے اس لئے کہ الاول بینہ کی ضمیر پر معطوف ہے اور ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر عطف کرنا جائز نہیں۔ ﴿فائدہ﴾ بدل البعض کے ساتھ ضمیر متصل کا موجود ہونا ضروری ہے جو مبدل منہ کی جانب راجع ہو خواہ مذکور ہو جیسے ضربت زیدا راسہ یا مقدر ہو جیسے **ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ای منهم**

بخلاف ضربت زیدا حماره وضربت زیدا غلامه لان نسبة الضرب الی زید تامة ولا یلزم فی صحتها اعتبار غیر زید فیکون من باب بدل الغلط بغیرهما ای تکون تلک الملابسة بغیر کون البدل کل المبدل منه او جزؤه فیدخل فیه ما اذا کان المبدل منه جزءاً من البدل ویکون ابداله منه بناء علی هذه الملابسة نحو نظرت الی القمر فلکه

بخلاف ضربت زیدا حمارہ اور ضربت زید اغلامہ کے کیونکہ زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اور اس نسبت کی صحت میں غیر زید کا اعتبار لازم نہیں آتا تو یہ بدل الغلط کے باب سے ہوگا (جو کلیت وجزئیت کے بغیر ہو) یعنی وہ ملابست اور تعلق بدل کے کل مبدل منہ یا جزء ہونے کے علاوہ ہو پس بغیرھما میں وہ تعلق بھی داخل ہوجائیگا جبکہ مبدل منہ بدل کا جزء ہو پس بدل کا مبدل منہ سے ابدال اس ملابست کی بنا پر ہو جیسے نظرت الی القمر فلکہ

اور تعلق ہو اسطرح کہ متبوع کی طرف نسبت سے اس ملابس یعنی تابع کی طرف اجمالا نسبت لازم آئے جیسے اعجبنی زید علمہ سے ابتداء معلوم ہوا کہ زید اپنی بعض صفات کے اعتبار سے باعث تعجب ہے نہ کہ باعتبار اپنی ذات کے کیونکہ تعجب کبھی بھی ذات کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ ذات سے تعلق رکھنے والی کسی صفت کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے زید کیطرف اعجاب کی یہ نسبت اسکی صفات میں سے کسی ایک صفت کی طرف نسبت کو اجمالا متضمن ہے یعنی زید کی کوئی صفت ہے جو باعث تعجب ہے اور بعد میں علمہ سے اس اجمال کی تعیین ہوگئی کہ وہ صفت علم ہے جو تعجب کا باعث ہے اور اسی طرح سلب زید ثوبہ میں ثوب سے معلوم ہوا کہ چھینی جانے والی چیز کپڑا ہے بخلاف ضربت زیدا حمارہ اور ضربت زیدا غلامہ کے کہ انمیں زید کی طرف ضرب کی نسبت تامہ ہے اور اس نسبت کے صحیح ہونے میں غیر زید کیطرف نسبت کا اعتبار لازم نہیں آتا پس یہ لفظ حمارہ اور غلامہ بدل الغلط کے باب سے ہوگا قولہ **بغیرھما**:۔ یہ ظرف مستقر محلا مرفوع ملابست کی صفت احترازیہ ہے یعنی بدل الاشتمال وہ ہے جسمیں بدل اور مبدل منہ کے درمیان ملابست ہو لیکن وہ ملابست کل اور جز کی نہ ہو پس مصنف علیہ الرحمۃ کے قول "بغیرھما" میں وہ ملابست اور تعلق بھی داخل ہوجائیگا جو اسوقت حاصل ہوتا ہے جب نوع ثانی کے برعکس مبدل منہ بدل کا جز ہو اور اس نوع کا ابدال بدل الاشتمال سے اسی ملابست پر مبنی ہو جیسے نظرت الی القمر فلکہ میں قمر مبدل منہ ہے جو اپنے بدل کا جز ہے اور یہ ابدال اسی مناسبت کی وجہ سے ہے کہ مبدل منہ بدل کا جز ہے۔

قولہ **بخلاف ضربت زیدا حمارہ**:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ بدل اشتمال کی تعریف مانع نہیں اس لئے یہ تعریف بدل غلط پر صادق ہے مثلا ضربت زیدا حمارہ اور ضربت زیدا غلامہ کے حمارہ اور غلامہ پر صادق ہے کیونکہ زید اور اسکے حمار اور زید اور اسکے غلام کے درمیان ملابست موجود ہے جو ملابست بالکلیہ والجزئیت کا غیر ہے یعنی وہ مالکیۃ اور مملوکیت کی ملابست ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ ملابست سے یہاں ایسی ملابست مراد ہے کہ متبوع کی طرف نسبت سے ملابس یعنی تابع کی طرف اجمالا نسبت واجب ہو اور مذکورہ مثالوں میں ایسا نہیں کہ ضرب کی نسبت زید کیطرف نسبت تامہ ہے۔ ﴿فائدہ﴾ بدل الاشتمال میں ضمیر راجع بسوئے مبدل منہ کا موجود ہونا ضروری ہے خواہ مذکور ہو جیسے **یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیه**. یا مقدر ہو جیسے **قتل اصحاب الاخدود النار ای فیه.** اور بدل ومبدل منہ کے درمیان فاصلہ نہ ہونا اغلب ہے البتہ مجرور سے بدل ہو تو اعادہ جار کا فاصلہ ہوگا جیسے **تکون لنا عیدا لاولنا وآخرنا.** اس ارشاد میں لاولنا بدل ہے اور لنا مبدل منہ ہے۔

☆☆☆

والمناقشة بان القمر ليس جزأ من فلكه بل هو مركوز فيه مناقشة في المثال و يمكن ان يورد لمثاله مثل رأيت درجة الاسد بُرجه فانه لامجال لهذه المناقشة فيه فان البرج عبارة عن مجموع الدرجات وانما لم يجعل هذا البدل قسما خامسا ولم يسم ببدل الكل عن البعض لقلته وندرته بل قيل لعدم وقوعه في كلام العرب فان هذه الامثلة مصنوعة والرابع اى بدل الغلط ان تقصد اى ان يكون بان تقصد انت اليه اى الى البدل من غير اعتبار ملابسة بينهما بعد ان غلطت بغيره اى بغير البدل وهو المبدل منه

اور یہ مناقشہ اور جھگڑا کہ قمر اپنے فلک کا جزء نہیں بلکہ وہ فلک میں مرکوز ہے مناقشہ فی المثال ہے اور ممکن ہے کہ اس کی یہ مثال لائی جائے رأیت درجۃ الاسد برجہ کیونکہ اس میں مناقشہ کی گنجائش نہیں اس لئے کہ برج مجموعہ درجات سے عبارت ہے اور مصنف نے اس بدل کو قسم خامس قرار نہیں دیا اور اس کا نام بدل الکل عن البعض نہیں رکھا اس کی قلت اور ندرت کی وجہ سے بلکہ کہا گیا ہے کہ اس قسم کے کلام عرب میں عدم وقوع کی وجہ سے کیونکہ یہ مثالیں مصنوعی ہیں (اور چوتھا) بدل الغلط (یہ ہے تم قصد کرو) یعنی بدل الغلط یہ ہے کہ تم قصد کرو (اسکی طرف) یعنی بدل کی طرف دونوں کے درمیان کسی قسم کی ملابست کا اعتبار کئے بغیر (اسکے بعد کہ تم نے اس کے غیر کے ساتھ غلطی کی) یعنی غیر بدل کے ساتھ اور وہ مبدل منہ ہے

قولہ والمناقشۃ:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں کیونکہ نظرت الی القمر فلکہ میں قمر فلک کا جز نہیں بلکہ وہ مستقل بنفسہ ہے اور فلک میں مرکوز ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہ مناقشہ مثال کے اندر مناقشہ ہے یعنی مثال ممثل لہ کے مطابق نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ممثل لہ جائز نہیں کیونکہ اسکے علاوہ دوسری ایسی مثال ہو سکتی ہے جو ممثل لہ کے موافق ہو مثلا اسکی مثال یہ ممکن ہے رأیت درجۃ الاسد برجہ جس میں اس مناقشہ کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ برج مجموعہ درجات سے عبارت ہے پس درجۃ الاسد برج کا جز ہوگا۔ قولہ برجہ:۔ لفظ برج کو جیم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے فتحہ کی صورت میں درجۃ الاسد سے بدل ہوگا اور جر کی صورت میں الاسد سے۔ قولہ وانما لم یجعل:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ بدل الکل عن البعض کو بدل الاشتمال میں داخل کیا گیا ہے اور اس قسم کو بدل الکل عن البعض کا نام دیکر بدل کی قسم خامس کیوں نہیں بنا دیا گیا۔ شارح نے جواب دیا کہ اس قسم کی قلت اور ندرت کی وجہ سے اسکو بدل کی قسم خامس نہیں بنایا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدل کی ایسی کوئی قسم کلام عرب میں موجود نہیں ہے اور یہ مثالیں سب کی سب مصنوعی ہیں۔ قولہ والرابع:۔ اور قسم رابع یعنی بدل الغلط یہ ہے کہ مبدل منہ کو غلط ذکر کرنے کے بعد تم بدل کی طرف قصد کرو بغیر اعتبار کرنے کسی ملابست کے بدل اور مبدل منہ کے درمیان

قولہ لعدم وقوعہ فی کلام العرب:۔ ☆اعتراض☆ بدل کی یہ قسم قرآن مجید میں واقع ہے ارشاد باری ہے قال اللہ یدخلون الجنۃ ولا یظلمون شیأ جنات عدن. اس ارشاد میں جنات عدن بدل ہے الجنۃ سے اور بدل کل ہے بعض سے ☆جواب☆ جنات بدل بعض ہے کل سے جیسا کہ قاضی بیضاوی نے فرمایا ان قولہ جنات بدل من الجنۃ بدل البعض لاشتمالہا علیہا یعنی ارشاد باری جنات عدن الجنۃ سے بدل بعض ہے اس لئے کہ الجنۃ جنات عدن پر مشتمل ہے یا جنات عدن مدح کی بنا پر منصوب ہے اور ما قبل سے بدل ہی نہیں کہ اعتراض مذکور لازم آئے ﴿فائدہ﴾ بدل الغلط کا تعلق زبان سے ہوتا ہے اور بدل نسیان کا تعلق دل سے ہوتا ہے یعنی اول سبقت لسانی سے اور ثانی نسیان متکلم سے ہوتا ہے۔ قولہ:۔ بان تقصد انت:۔ اس تفسیر میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کے قول ان تقصد سے قبل باء

ویکونان ای البدل والمبدل منه معرفتین نحو ضرب زید اخوک ونکرتین نحو جاء نی رجل غلام لک ومختلفین نحو بالناصیة ناصیة کاذبة وجاء رجل غلام زید واذا کان البدل نکرة مبدلة من معرفة فالنعت ای نعت البدل النکرة واجب لئلایکون المقصود انقص من غیر المقصود من کل وجه فاتوا فیه بصفة تکون کالجابر لما فیه من نقص النکارة مثل

بالناصیة ناصیة کاذبة

(اور ہوتے ہیں وہ دونوں) یعنی بدل اور مبدل منہ (معرفے) جیسے ضرب زید اخوک (اور نکرے) جیسے جاء نی رجل غلام لک (اور مختلف) جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ اور جاء رجل غلام زید (اور جب ہو) بدل نکرہ مبدل (معرفہ سے پس نعت) یعنی بدل نکرہ کی صفت ضروری ہے تا کہ مقصود غیر مقصود سے من کل وجہ انقص نہ ہو جائے پس نحوی اس میں صفت لائے تا کہ یہ صفت مثل تلافی کے ہو جائے اس نقص سے جو بدل میں نکرہ ہونے کی وجہ سے ہے (جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ)

جیسے جاء نی زید حمار میں حمار بدل الغلط ہے یعنی متکلم جاء نی حمار کہنا چاہتا تھا مگر غلطی سے اسکی زبان پر جاء نی زید آ گیا پھر اسنے غلطی کے تدارک کیلئے زید کے بعد حمار بطور بدل الغلط بولا۔ قولہ **ویکونان معرفتین**:۔ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوتے ہیں جیسے ضرب زید اخوک اور دونوں نکرہ ہوتے ہیں جیسے جاء نی رجل غلام لک اور معرفہ ونکرہ ہونے میں مختلف ہوتے ہیں جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ میں مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہے اور جاء رجل غلام زید میں مبدل منہ نکرہ اور بدل معرفہ ہے بدل کی یہ چار قسمیں اسکے معرفہ اور نکرہ ہونے کے اعتبار ہیں اور پہلی چار قسمیں یعنی بدل کل، بدل بعض، بدل اشتمال اور بدل غلط اسکی ذات کے اعتبار سے تھیں لہذا چار کو چار میں ضرب دینے سے کل سولہ قسمیں حاصل ہوئیں۔ قولہ **واذا کان نکرة**:۔ اور جب بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو تو بدل نکرہ کی صفت لانا واجب ہے تا کہ مقصود جو کہ بدل ہے وہ غیر مقصود یعنی مبدل منہ سے ہر طرح سے انقص نہ ہو تو اس صورت میں نحوی نکرہ کی صفت لائے تا کہ نکرہ میں واقع نقص کی صفت تلافی کر دے اور اسلئے کہ نکرہ کے معرفہ کے بعد واقع ہونے کی صورت میں من کل وجہ بیان کے بعد ابہام ہے لہذا نکرہ کی صفت لائی گئی تا کہ نکرہ کا ابہام کم ہو جائے اور نکرہ صفت کے بعد وہ فائدہ جو مبدل منہ نے تعریف کے ساتھ نہیں دیا لہذا مقصود غیر مقصود سے انقص نہیں ہوگا۔ جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ میں بدل نکرہ ہے اور کاذبۃ اسکی صفت ہے جو نکرہ کے اندر واقع کمی کو پورا کر رہی ہے کیونکہ صفت کی وجہ سے نکرہ مخصصہ ہو کر معرفہ کے قریب ہو گیا ہے۔

محذوف ہے اور حذف با کلمہ ان کے ساتھ کثیر الوارد ہے اور قصد صیغہ مضارع معلوم ہے بقرینہ مصنف کے قول "غلطت" کے ☆سوال☆ متکلم کا قصد بدل غلط سے پہلے ہی وابستہ ہوتا ہے ایسا نہیں کہ پہلے مبدل منہ کو غلطی سے ذکر کیا جائے اور پھر بدل مقصود ہو لہذا مصنف کا قول "بعد ان غلطت" غلط اور خلاف واقع ہے۔ ☆جواب☆ بدل کی ذات تو غلطی سے پہلے ہی مقصود ہے لیکن بدل اس حیثیت سے کہ بدل ہے غلطی کے بعد ہی مقصود ہوتا ہے لہذا مصنف کا قول خلاف واقع نہیں۔ قولہ **فالنعت**:۔ خیال رہے کہ ہر بدل میں نعت لانا واجب نہیں بلکہ یہ حکم بدل کل کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ بدل کل نکرہ ہو سکتا ہے لیکن بدل بعض واشتمال نکرہ نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ان دونوں کی اضافت اس ضمیر کیطرف واجب ہے جو مبدل منہ کی طرف راجع ہو اور ضمیر کی جانب مضاف معرفہ ہوتا ہے اور بدل غلط میں بھی نعت لانا ضروری نہیں اس لئے کہ یہاں مبدل منہ عدم کے حکم میں ہے لہذا مقصود کا غیر مقصود سے انقص ہونا لازم نہیں آئیگا اور ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ وصف نہ لانا بھی جائز ہے بشرطیکہ بدل سے کوئی ایسا فائدہ حاصل ہو جو مبدل منہ سے نہیں ہوا تھا جیسے جاء نی الانسان رجل اور قل ھو اللہ احد میں لفظ احد جو بعض وجوہ میں اسم جلالت سے بدل ہے ابو علی کے مذہب کے لحاظ سے ہے

ویکونان ظاهرین نحو جاء نی زید اخوک ومضمرین نحو الزیدون لقیتهم ایاهم ومختلفین نحو اخوک ضربته زیدا واخوک ضربت زیدا ایاه ولا یُبدل ظاهر من مضمر بدل الکل الامن الغائب نحو ضربته زیدا لان المضمر المتکلم والمخاطب اقوی واخص دلالة من الظاهر فلو ابدل الظاهر منهما بدل الکل یلزم ان یکون المقصود انقص من غیر المقصود مع کون مدلولیهما واحدا بخلاف بدل البعض والاشتمال والغلط فان المانع فیها مفقود اذ لیس مدلول الثانی فیها مدلول الاول فیقال اشتریتک نصفک واشتریتنی نصفی واعجبتنی علمک واعجبتُک علمی وضربتک الحمار وضربتنی الحمار

(اور ہوتے ہیں دونوں اسم ظاہر) جیسے جاء نی زید اخوک (اور ضمیریں) جیسے الزیدون لقیتہم ایاہم (اور دونوں مختلف) جیسے اخوک ضربتہ زیدا اور اخوک ضربت زیدا ایاہ (اور اسم ظاہر ضمیر سے بدل الکل نہیں ہوتا سوائے ضمیر غائب سے جیسے ضربتہ زیدا) اس لئے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب دلالت کے اعتبار سے اسم ظاہر سے زیادہ خاص اور زیادہ قوی ہیں تو اگر اسم ظاہر ضمیر متکلم وضمیر غائب سے بدل الکل بنایا جائے تو مقصود کا غیر مقصود سے انقص ہونا لازم آئیگا باوجودیکہ دونوں کا مدلول واحد ہوتا ہے برخلاف بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط کے کہ انمیں مانع مفقود ہے کیونکہ انمیں ثانی کا مدلول اول کا مدلول نہیں ہے پس کہا جائیگا کہ اشتریت نصفک اور اشتریتنی نصفی اور اعجبتنی علمک اور اعجبتک علمی اور ضربتک الحمار اور ضربتنی الحمار

قولہ **ویکونان ظاهرین**:۔ یعنی بدل اور مبدل منہ کبھی دونوں اسم ظاہر ہوتے ہیں جیسے جاءنی زید اخوک اور کبھی دونوں اسم ضمیر ہوتے ہیں جیسے الزیدون لقیتہم ایاہم اس مثال میں ضمیر متصل مبدل منہ ہے اور ضمیر منفصل اس سے بدل ہے اور دونوں اسم ضمیر ہیں اور کبھی مختلف ہوتے ہیں جیسے اخوک ضربتہ زیدا اس میں مبدل منہ اسم ضمیر اور بدل اسم ظاہر ہے اور اخوک ضربت زیدا ایاہ میں اسکے برعکس ہے۔ قولہ **ولا یبدل ظاهر**:۔ اور اسم ظاہر ضمیر غائب کے علاوہ کسی دوسری ضمیر سے بدل الکل واقع نہیں ہوتا کیونکہ ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب دلالت کرنے کے اعتبار سے اسم ظاہر سے اقوی اور اخص ہیں۔ پس اگر انمیں سے کسی سے اسم ظاہر بدل الکل واقع ہو تو لازم آئیگا کہ مقصود غیر مقصود سے دلالۃً انقص ہو جائے کیونکہ اسم ظاہر

اور بعض کے نزدیک لفظ احد کی صفت مقدر ہے ای عظیم اولاشریک لہ او غیر ' لک (جامع ومعقد) ☆ سوال ☆ متن کی مثال میں دوسرے جمیعۃ کو اول کی تاکید لفظی کیوں نہیں مان لیا جاتا۔ ☆ جواب ☆ تاکید لفظی بعینہ لفظ اول کے تکرار لانے کو کہتے ہیں اور یہاں ایسا نہیں کیونکہ لفظ اول معرفہ ہے اور دوسرا نکرہ ہے۔ قولہ **بدل الکل**:۔ یہ **لا یبدل** کا مفعول مطلق نوعی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ منصوب علی نزع الخافض ہے ای فی بدل لیکن یہ ضعیف ہے اس لئے کہ منصوب علی نزع الخافض سماعی ہے قیاسی نہیں۔ قولہ **الامن الغائب**:۔ لیکن اخفش کے نزدیک ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل واقع ہوتا ہے کیونکہ اخفش نے بعض عرب سے یہ سنا ہے مررت بی المسکین اور مررت علیک الکریم پہلی مثال میں اسم ظاہر ضمیر متکلم سے بدل کل ہے اور دوسری میں اسم ظاہر ضمیر مخاطب سے بدل کل ہے۔ قولہ **فان المانع**:۔ یعنی اسم ظاہر ضمیر سے بدل بعض، بدل اشتمال اور بدل غلط اس لئے واقع ہو سکتا ہے کہ ان تینوں میں مانع مفقود ہیں اسلئے کہ ان تینوں کا مدلول بعینہ اول کا مدلول نہیں اور مانع یہ تھا کہ غیر مقصود سے مقصود انقص ہو اور دونوں کا مدلول بھی واحد ہو۔

عطف البیان تابع شامل لجمیع التوابع غیر صفة احترز به عن الصفة یوضح متبوعه احترز به عن البدل والعطف بالحرف والتاکید ولا یلزم من ذلک ان یکون عطف البیان اوضح من متبوعه بل ینبغی ان یحصل من اجتماعهما ایضاح لم یحصل من احدهما علی الانفراد فیصح ان یکون الاول اوضح من الثانی

(عطف بیان تابع ہے) یہ تمام توابع کو شامل ہے (صفت کا غیر) اس کے ساتھ صفت سے احتراز کیا ہے (جو اپنے متبوع کو واضح کرے) اس کے ساتھ بدل، عطف بحرف اور تاکید سے احتراز کیا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنے متبوع سے زیادہ واضح ہو بلکہ مناسب ہے کہ انکے اجتماع سے ایسا ایضاح حاصل ہو جو بطریق انفراد ان میں سے ایک سے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا یہ صحیح ہے کہ اول ثانی سے زیادہ واضح ہو

تعریف میں ضمیر متکلم وضمیر مخاطب سے کم ہے حالانکہ بدل الکل میں بدل اور مبدل منہ کا مدلول اور مصداق واحد ہوتا ہے جس سے لازم آیا کہ بدل اور مبدل منہ دونوں قوت تعریف میں مساوی ہوں جیسے اسم ظاہر اور ضمیر غائب قوت تعریف میں برابر ہیں. بخلاف بدل کی باقی اقسام ثلثہ کے کہ ان میں مانع عن الابدال مفقود ہے اسلئے کہ ان میں بدل اور مبدل منہ کا مصداق ایک نہیں ہوتا لہٰذا اسم ظاہر ضمیر متکلم ومخاطب سے بدل البعض یا بدل الاشتمال یا بدل الغلط بن سکتا ہے. جیسا کہ شرح کی امثلہ سے واضح ہے. پس اشتریتک نصفک میں نصفک ضمیر مخاطب منصوب سے بدل البعض ہے کیونکہ نصف مخاطب کا بعض ہے اور اشتریتنی نصفی میں نصفی ضمیر متکلم منصوب سے بدل البعض ہے اور اعجبتنی علمک میں علمک مرفوع ہے جو ضمیر مخاطب سے بدل الاشتمال ہے اور اعجبتک علمی میں علمی مرفوع ہے جو ضمیر متکلم سے بدل الاشتمال ہے اور ضربتک الحمار میں الحمار ضمیر مخاطب سے بدل الغلط ہے اور ضربتنی الحمار میں الحمار ضمیر متکلم سے بدل الغلط ہے یا تائے مخاطب سے بدل ہے ورنہ ضربتنی حماری ہوتا کما قال عبدالرحمٰن. قولہ

عطف البیان تابع :۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "تابع" جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے قول "غیر صفۃ" کے ساتھ صفت سے احتراز کیا ہے کیونکہ صفت اس معنی پر دلالت کرتی ہے جو متبوع میں ہو لیکن عطف بیان متبوع کی وضاحت کرتا ہے اور یوضح متبوعہ کے ساتھ بدل، عطف بالحرف اور تاکید سے احتراز کیا ہے. یعنی عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت تو نہ ہو لیکن اپنے متبوع کو واضح کرے. قولہ **ولا یلزم:۔** یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تشریح یہ ہے کہ عطف بیان اگر اپنے متبوع کو واضح کرتا ہے تو وہ اپنے متبوع سے اوضح ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے. شارح نے جواب دیا کہ ایضاح متبوع سے یہ لازم نہیں آتا کہ عطف بیان اپنے متبوع سے اوضح ہو بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ متبوع اور عطف بیان کے اجتماع سے ایسا ایضاح حاصل ہو جاتا ہے جو علی الانفراد کسی ایک سے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا یہ صحیح ہے کہ اول، ثانی سے اوضح ہو

قولہ **احترزبہ عن البدل:۔** یعنی مصنف نے اپنے قول "یوضح متبوعہ" کے ساتھ بدل وغیرہ سے احتراز کیا ہے ☆ اعتراض ☆ بدل بھی متبوع کا ایضاح کرتا ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے مطول میں لکھا ہے کہ بدل البعض اور بدل الاشتمال ایضاح سے خالی نہیں کہ ان میں اجمال کے بعد تفصیل اور ابہام کے بعد تفسیر ہوتی ہے اور کبھی کبھی بدل کل میں بھی ایضاح ہوتا ہے لہٰذا یوضح کے ساتھ بدل سے احتراز صحیح نہ ہوا. ☆ جواب ☆ یہاں پر ایضاح سے مصنف کی مراد ایضاح مقصود بالذات اور ایضاح اصلی ہے اور بدل میں ایضاح مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ مقصود بالتبع ہوتا ہے لہٰذا مصنف کے قول "یوضح متبوعہ" سے بدل سے احتراز صحیح ہے. قولہ:۔ **لم یحصل من احدھما علی الانفراد** مثلاً تنہا ابوحفص سے ایضاح حاصل نہیں ہوا کیونکہ یہ کنیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے غیر کی بھی ہے اور نہ تنہا عمر سے ایضاح حاصل ہوا کیونکہ یہ اس عمر کو بھی شامل ہے جس کی کنیت ابوحفص نہیں لیکن انکے اجتماع سے ایضاح حاصل ہو گیا کہ اس سے اعرابی کی مراد امیر المومنین ہیں۔

مثل اقسم باللہ ابوحفص عمر فابو حفص کُنْیۃ امیر المؤمنین عمربن الخطاب وعمر عطف بیان لہ وقصتہ انہ اتی اعرابی الی عمربن الخطاب فقال ان اھلی بعید وانی علی ناقۃ دبراء عجفاء نقباء واستحملہ فظنہ کاذبا فلم یحملہ فانطلق الاعرابی فحمل بعیرہ ثم استقبل البطحاء وجعل یقول وھو یمشی خلف بعیرہ شعر اقسم باللہ ابوحفص عمر ☆ مامسھامن نقب ولادبر ☆اغفرلہ اللّٰھم ان کان فجر☆وعمر مقبل من اعلی الوادی فجعل اذا قال ☆اغفرلہ اللّٰھم ان کان فجر ☆قال اللّٰھم صدّق صدِّق حتی التقیا فاخذ بیدہ فقال ضع عن راحلتک فوضع فاذاھی نقباء عجفاء فحملہ علی بعیرہ وزوّدہ وکساہ

(جیسے اقسم باللہ ابوحفص عمر) پس ابوحفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور عمر اس کا عطف بیان ہے اور اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک اعرابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میرے اہل بعید ہیں اور میں ایسی اونٹنی پر سوار ہوں جسکی پشت زخمی جسم لاغر اور پاؤں گھسے ہوئے ہیں اور آپ سے سواری طلب کی آپ نے اسکو کاذب گمان کیا اور اسکو سواری نہ دی پس اعرابی چلدیا اور اونٹنی پر سامان لادا پھر وادی بطحاء کو چل پڑا اور کہتا جاتا اس حال میں کہ اپنی اونٹنی کے پیچھے چلا جا رہا تھا اقسم باللہ الخ اور حضرت عمر وادی کی بلندی سے اسکی یہ بات سنتے آ رہے تھے پس جس وقت اعرابی نے کہا اغفرلہ الخ تو آپ نے فرمایا ای اللہ اس اعرابی کے قول کو سچا فرما اور میری بخشش کر یہاں تک کہ دونوں کی ملاقات ہوگئی تو آپ نے اعرابی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اپنی اونٹنی سے سامان اتار اس نے سامان اتارا تو واقعی وہ زخمی اور بیمار اور کمزور تھی آپ نے اسکو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور زادراہ اور کپڑے دیئے

قولہ **مثل اقسم باللہ:۔** اس مثال میں ابوحفص جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے متبوع ہے اور عمر اسکا عطف بیان ہے۔ یہ مثال شعر کا ایک مصرع ہے جس میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اعرابی آکر کہنے لگا کہ میرا وطن دور ہے اور میں ایسی اونٹنی پر سوار ہوں جسکی پشت زخمی اور جسم لاغر ہے اور اسکے پاؤں گھسے ہوئے ہیں لہٰذا آپ مجھے سواری دیں آپ نے اسکو کاذب گمان کرتے ہوئے سواری نہ دی تو وہ اپنی اسی سواری پر سامان لاد کر یہ کہتا ہوا وادی بطحاء کو چلا کہ اقسم باللہ الخ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وادی کی بلندی سے اسکا کلام سن رہے تھے جب وہ کہتا اغفرلہ اللھم ان کان فجر تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے اللھم صدق صدق ای اللہ اسکی دعا کو قبول فرما پھر قریب آکر آپنے اعرابی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اپنی اونٹنی سے سامان اتار اسنے سامان اتارا تو آپنے دیکھا کہ واقعی اونٹنی زخمی اور کمزور تھی پھر آپنے اعرابی کو اپنا اونٹ، زادراہ اور کپڑے دیکر روانہ کیا۔

قولہ دبراء:۔ یہ دبر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جانور کی پیٹھ کا زخم جو کجاوہ وغیرہ سے ہو جائے۔ یہ حمراء کے وزن پر ناقۃ کی صفت ہے۔ "عجفاء" یہ دوسری صفت ہے جس کا معنی لاغر ہے "نقباء" یہ انقب کی مؤنث ہے جو نقب سے مشتق ہے معنی ہیں اونٹ کا گھسے ہوئے پاؤں والا ہونا۔ قولہ **صدق صدق:**۔ یہ تکرار تاکید کیلئے ہے یعنی اے اللہ اعرابی کی دعا قبول فرما۔ یہ کمال تواضع ہے جو ارباب کمال کے لائق ہے۔

وفصله ای فرقه من البدل لفظا ای من حیث الاحکام اللفظیة واقع فی مثل اَنَاابنُ التارک البکری بشر فان قوله بشر ان جُعل عطف بیان للبکری جاز وان جُعل بدلامنه لم یجز لان البدل فی حکم تکریر العامل فیکون التقدیر اناابن التارک بشروهوغیرجائز کما ذکرنافیما سبق فی الضارب زیدو آخره علیه الطیر ترقبه وقوعاوعلیه الطیر ثانی مفعولَی التارک ان جعلناه بمعنی المصیّر

(اوراس کا فصل) یعنی فرق (بدل سے باعتبار لفظ کے) یعنی احکام لفظیہ کے اعتبار سے واقع ہے (انا ابن التارک البکری بشر میں) اس لئے کہ شاعر کا قول "بشر" اگر بکری کیلئے عطف بیان بنایا جائے تو جائز ہے اور اگر اسے بکری سے بدل بنایا جائے تو جائز نہیں کیونکہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی انا ابنا التارک بشر اور یہ ناجائز ہے جس طرح کہ ماسبق میں ہم نے الضارب زید میں ذکر کیا ہے اور اس کا آخر علیہ الطیر ترقبہ وقوعا ہے اور علیہ الطیر التارک کا مفعول ثانی ہے اگر ہم التارک کو بمعنی المصیر کریں

قولہ **وفصله من البدل :** ۔ اور احکام لفظیہ کے اعتبار سے عطف بیان اور بدل کے مابین فرق انا ابن التارک الخ کی مثل میں موجود ہے وہ یہ کہ اگر لفظ بشر کو بکری کا عطف بیان بنایا جائے تو یہ ترکیب جائز ہے لیکن اگر بشر کو بکری سے بدل بنایا جائے تو پھر یہ ترکیب ناجائز ہے۔ اسلئے کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے اور عامل کلمہ التارک ہے پس تقدیر عبارت اسطرح ہوگی کہ انا ابن التارک بشر اور التارک بشر الضارب زید کی مثل ناجائز ہے۔ جسطرح کہ گذر چکا ہے۔ رہی یہ بات کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں کیوں ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مقصود بالذات بدل ہوتا ہے اور مبدل منہ توطیہ اور تمہید کے طور پر واقع ہوتا ہے اس لئے وہ حکما ساقط ہوتا ہے پس جاء نی زید اخوک اصل میں جاء نی اخوک ہے اسی طرح التارک البکری بشر اصل میں التارک بشر ہے اور یہ الضارب زید کی مثل ناجائز ہے لیکن لفظ بشر کو اگر عطف بیان بنائیں تو یہ ترکیب جائز ہوگی قولہ **من حیث احکام اللفظیة :** ۔ اس تفسیر میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ کلمہ **لفظا** تمیز کی بنا پر منصوب ہے اور واقع مقدر کر کے یہ بتایا ہے کہ **فی مثل** ظرف ہے جو اپنے متعلق کے ہمراہ مصنف کے قول **فصله** کی خبر ہے۔ قولہ **وآخره :** ۔ یعنی آخر بیت اسطرح ہے **علیه الطیر ترقبه وقوعا** شاعر کا قول **علیه الطیر** اسکے قول **التارک** کا مفعول ثانی ہے اگر التارک بمعنی المصیّر ہو کیونکہ مصیّر باب تفعیل ہے جو دو مفعولوں کی

قولہ **فصله :** ۔ بدل اور عطف بیان کے درمیان فرق درج ذیل وجوہ کے اعتبار سے بھی کیا جاتا ہے ۱۔ عطف بیان صرف علم ہوتا ہے لیکن بدل کیلئے علم ہونا ضروری نہیں۔ ۲۔ عطف بیان صرف اسم ظاہر ہوتا ہے اور بدل اسم ظاہر ہوتا ہے اور اسم ضمیر بھی ۳۔ عطف بیان کا مفہوم و مصداق بعینہ متبوع کا مفہوم و مصداق ہوتا ہے بخلاف بدل کے **وماذکرنا بدیهیا غیر محتاج الی البراهین فعلیک بالتامل فی الامثلة حتی یحصل لک الوضوح والبیان** (جامع)

قولہ **فرقه :** ۔ اس تفسیر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں **فصل** سے مراد مقابل جنس و نوع یا مقابل کتاب و باب نہیں بلکہ اس کا لغوی معنی مراد ہے۔

قولہ **وقوعا :** ۔ بعض کے نزدیک **وقوعا** مصدر ہے لہذا یہ **ترقبه** کے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور **علیه** **ترقبه** کے متعلق ہوگا ای **ترقبه الطیر لاجل وقوعها علیه** (محقق) قولہ **رمق :** ۔ رَمَق اول و ثانی کے فتحہ کے ساتھ بمعنی بقیہ روح اور علامت حیات ہے یعنی جب تک انسان میں زندگی کی علامت باقی ہو پرندے بوجہ خوف کے اسکے قریب نہیں جاتے۔ ﴿فائدہ﴾ چونکہ محل استشہاد شعر کا اول تھا تو مصنف نے اختصار کے پیش نظر اس کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے اور شارح نے شعر کا آخر بھی ذکر کر دیا ہے محض تفہیم معنی کیلئے اور اس میں **ترقب** صیغہ مضارع از باب نصر ہے جس کا مصدر رقوب بمعنی انتظار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

والا فهو حال وقوله ترقبه حال من الطير ان كان فاعلا لعليه وان كان مبتدأ فهو حال من الضمير المستكن فی عليه ووقوعا جمع واقع حال من فاعل ترقبه ای واقعة حوله مترقبة لانزهاق روحه لان الانسان مادام به رمق فان الطير لاتقربه واما الفرق المعنوی بينهما فقد كبين فيما سبق

ورنہ پس وہ حال ہے اور اس کا قول "ترقبہ الطیر" سے حال ہے اگر الطیر علیہ کیلئے فاعل ہے اور الطیر مبتدا ہو تو ترقبہ علیہ میں ضمیر مستتر سے حال ہوگا اور وقوعا واقع کی جمع ہے یہ ترقبہ کے فاعل سے حال ہے تقدیر اس طرح ہوگی مترقبة الخ کیونکہ انسان میں جب تک کچھ نہ کچھ زندگی باقی ہوتی ہے پرندے اس کے قریب نہیں جاتے بہرحال ان کے مابین فرق معنوی تو وہ سابق میں بیان ہو چکا

طرف متعدی ہوتا ہے اور اگر التارک بمعنی المصیر نہ ہو تو البکری بفتح باء سے حال ہوگا اور شاعر کا قول **ترقبه الطير** سے حال ہوگا اگر الطیر شاعر کے قول **عليه** کا فاعل ہو اور اگر مبتدا ہو تو پھر ترقبہ اس ضمیر سے حال ہوگا جو علیہ کے متعلق میں مستتر ہے۔ قولہ **وقوعا**:۔ یعنی شاعر کا قول "**وقوعا**" واقع کی جمع ہے اور ترقبہ کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ پرندے البکری کے اردگرد واقع ہو کر اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں کیونکہ انسان میں جب تک زندگی کی رمق باقی ہو پرندے اسکے قریب نہیں آتے اور عطف بیان اور بدل کے مابین معنوی فرق بدل کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اور وہ یہ کہ عطف بیان میں مقصود اول ہوتا ہے وہی حکم کا مدار ہوتا ہے اور بدل میں ثانی مقصود اور حکم کا مدار ہوتا ہے اور یہ فرق درج ذیل مسئلہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے مثلا کسی نے کہا زوجتک بنتی فاطمة یعنی میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کا تیرے ساتھ نکاح کیا جبکہ اسکی بیٹی کا نام عائشہ تھا پس اگر فاطمہ کو بنتی سے عطف بیان بنایا جائے تو نکاح صحیح ہے کیونکہ غلطی اسمیں ہوئی ہے جو کہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہے اس لئے کہ فاطمہ عطف بیان ہے اور اس میں مقصود بالنسبۃ متبوع یعنی **بنتی** ہے اور اگر فاطمہ بدل ہو تو نکاح صحیح نہیں کیونکہ غلطی اس میں ہوئی ہے جو کہ مقصود بالنسبۃ ہے اور وہ بدل یعنی فاطمہ ہے۔ صحیح نہیں۔

قولہ والا:۔ یعنی اگر التارک بمعنی المصیر نہ ہو بلکہ **التارک** بمعنی طرح اور خلی ہو تو اس صورت میں **عليه الطير** حال ہوگا **البكری** سے کیونکہ طرح اور خلی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں چنانچہ قاضی بیضاوی نے ارشاد باری تعالی **وتركهم فی ظلمات** کے تحت لکھا ہے کہ ترک اصل میں بمعنی طرح اور خلی متعدی بیک مفعول ہے جو صیر کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے افعال قلوب کی طرح متعدی بدو مفعول ہو گیا ہے قولہ **ای واقعة حوله**:۔ یہ حاصل معنی کا بیان ہے اور انزھاق بمعنی خروج ہے اور شارح کا قول مادام بہ رمق لاتقربہ کیلئے ظرف ہے اور مابعد جملہ یعنی فان الطیر لاتقربہ ان کی خبر ہے قولہ **البكری**:۔ یہ بفتح باء نسبت ہے بکری وائل کی طرف اس بیت کا قصہ یہ ہے کہ کسی شخص نے بشر بن عمرو کو زخمی کیا اور جارح معلوم نہ تھا تو شاعر نے اس زخمی کرنے والے کی خبر دی اور اس کے ساتھ اپنی اور اپنے والد کی شجاعت و بہادری کا ذکر کیا کہ میں ایسے بہادر باپ کا بیٹا ہوں جو بکری بشر جیسے بہادر کو قتل کرنے والا ہے جس کے گوشت کو نوچنے کیلئے پرندے اس انتظار میں ہیں کہ اس کی روح نکلے اور ہم اس کو نوچیں کیونکہ تھوڑی سی روح باقی ہو تو پرندے قریب نہیں آتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

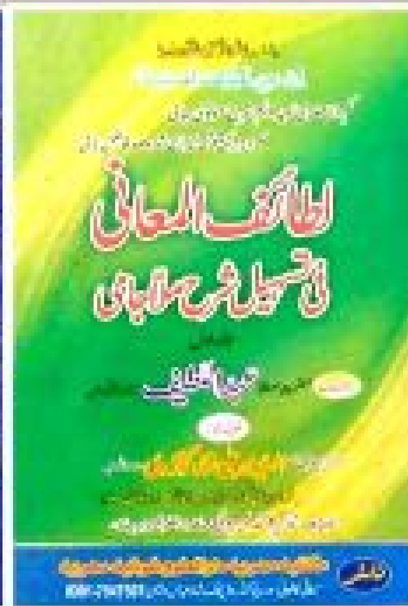
والمراد بمثل انا ابن التارک البکری بشر کل ما کان عطف بیان للمعرف باللام الذی اضیف الیہ الصفۃ المعرفۃ باللام نحو الضارب الرجل زید ویمکن ان یراد بہ ما ھو اعم من ھذا الباب ای کل ما خالف حکمہ اذا کان عطف بیان حکمہ اذا کان بدلا فیتناول صورۃ النداء ایضا فانک تقول یا غلام زید و زیدا بالتنوین مرفوعا حملا علی اللفظ ومنصوبا حملا علی المحل اذا جعلتہ عطف بیان ویا غلام زید بالضم اذا جعلتہ بدلا والمعنی الاول اظھر والثانی افید

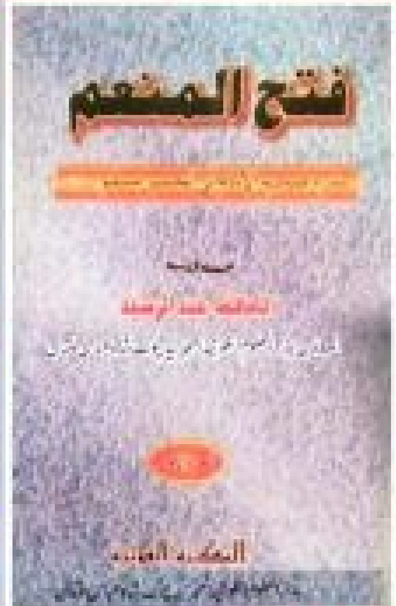
اور مثل انا ابن التارک البکری بشر سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جسمیں عطف بیان معرف باللام کیلئے ہو جسکی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زید اور ممکن ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہو جو الضارب الرجل زید کے باب سے عام ہو یعنی ہر وہ صورت مراد ہو کہ جب وہ عطف بیان ہو تو اس کا حکم اس حکم کے خلاف ہو جبکہ وہ بدل ہو لہذا مصنف کا قول "وفصلہ" ندا کی صورت کو بھی شامل ہوگا پس تم کہوگے یا غلام زیدٌ اور زیدا تنوین سے لفظ منادی پر حمل کی وجہ سے مرفوع کرکے اور محل پر حمل کی وجہ سے منصوب کرکے جبکہ تم لفظ زید کو عطف بیان بناؤ اور یا غلام زیدُ کہوگے زید کے ضمہ کے ساتھ جب تم اسکو بدل بناؤ اور معنی اول زیادہ ظاہر اور معنی ثانی زیادہ مفید ہے۔

قولہ **والمراد بمثل انا ابن التارک**:۔ اور **انا ابن التارک** کی مثل سے مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد ہر وہ لفظ ہے جو لفظ بشر کی مثل ایسے معرف باللام کا عطف بیان ہو جسکی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زید اور ممکن ہے کہ **انا ابن التارک** کی مثل سے مراد وہ صورت ہو جو الضارب الرجل زید سے عام ہو یعنی اس سے مراد وہ لفظ ہو جسکا حکم عطف بیان ہونے کی صورت میں اس حکم کے خلاف ہو جو بدل ہونے کی صورت میں ہے۔ پس اسوقت مصنف علیہ الرحمۃ کا قول" **مثل انا ابن التارک الخ** "صورت ندا کو بھی شامل ہو جائیگا جیسے یا زید الحارث پس الحارث عطف بیان ہو تو یہ ترکیب جائز ہے اور بدل ہو تو جائز نہیں کیونکہ یہ یا الحارث ہو جائیگا جس میں لام اور یاء کا اجتماع ہے اور وہ ممنوع ہے۔ جسطرح کہ صورت اضافت کو شامل ہے پس تو کہے گا یا غلام زید و زیدا ساتھ تنوین کے درانحالیکہ زید مرفوع ہے حمل کرتے ہوئے منادی یعنی غلام کے لفظ پر کہ وہ منادی مبنی بر ضم ہے یا محل منادی پر حمل کرتے ہوئے زید کو منصوب پڑھے گا جب تو لفظ زید کو عطف بیان بنائے کیونکہ منادی مفرد مبنی کا تابع جو عطف بیان ہو اسکا حکم گذر چکا ہے کہ وہ رفع اور نصب دیا جاتا ہے۔ اور یہ زید کے عطف بیان ہونے کا حکم اس حکم کے خلاف ہے جو اسکے بدل ہونے کا ہے۔ کیونکہ بدل بنانے کی صورت میں لفظ زید کو رفع دوگے کہ اسکو منادی مستقل کا حکم حاصل ہے جیسا کہ بحث منادی میں گذرا ہے لیکن معنی اول دوسرے معنی سے اظہر ہے اور وجہ اظہریت یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے نحو انا ابن التارک نہیں کہا بلکہ فی مثل انا ابن التارک کہا لہذا لفظ مثل اور انا ابن التارک کی طرف اسکی اضافت سے متبادر یہی ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی مراد صرف یہی مثال ہے اور معنی ثانی کثیر الفائدہ ہے کیونکہ وہ اعم ہے اور اعم کثیر الفائدہ ہوتا ہے۔

قولہ والمراد:۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ مثل کے دو معنی ہیں اول۔ مثلین کا نوع میں اشتراک جیسے زید اور عمرو کا رجولیت میں اشتراک دوم۔ مثلین کا جنس میں اشتراک جیسے رجل اور امراۃ کا اشتراک انسانیت میں یہاں پر مثل کس قبیل سے ہے؟ شارح نے جواب دیا کہ یہاں پر اشتراک نوعی مراد ہے۔ (راسولی) قولہ ویمکن:۔ یعنی ممکن ہے کہ مثل انا ابن التارک البکری بشر سے الضارب الرجل کے باب سے عام مراد ہو پس یہ ندا کی صورت کو بھی شامل ہو جیسے تمہارا قول یا زید الحارث اس مثال میں عطف بیان ہے بدل نہیں ورنہ یہ یا الحارث کے منزل ہوگا جس میں الف لام اور حرف ندا کا اجتماع ہے اور وہ ممتنع ہے۔

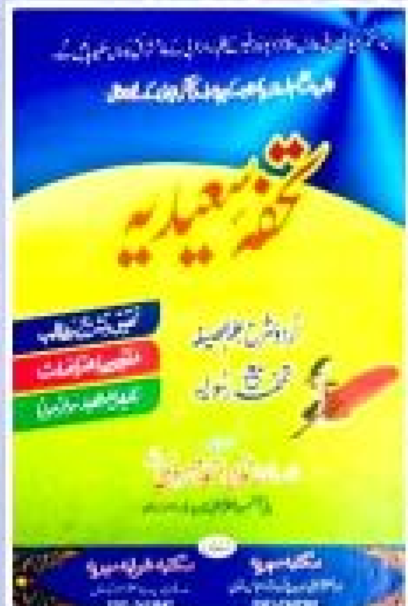
مصنف کی دیگر تصنیفات



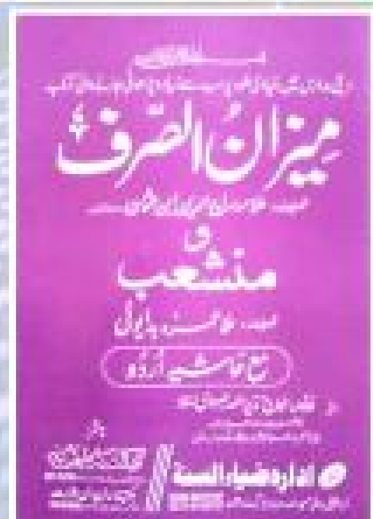












مکتبہ غوثیہ مہریہ

دارالعلوم غوثیہ مہریہ ملتان